اُسوۃ الرسول ﷺ

تالیف

مورخِ اسلام مولانا

سید اولاد حیدر فوق بلگرامیؒ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

جلد سوم

اُسوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

مورخِ اسلام علامہ

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی ؒ

تلخیص و تصحیح

مولانا تصور حسین عسکری

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــــــــــ اُسوۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جلد ـــــــــــــــــ سوم

مصنف ـــــــــــــــــ مؤرخِ اسلام علامہ سید اولاد حیدر بلگرامیؒ

تلخیص و تصحیح ـــــــــــــــــ مولانا تصور حسین عسکری

ترتیب و تنظیم نو ـــــــــــــــــ قلب علی سیال

کمپوزنگ ـــــــــــــــــ فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

سال اشاعت ـــــــــــــــــ 2011

ناشر ـــــــــــــــــ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ تین جلد مکمل سیٹ ـــــــــــــــــ 1500 روپے

ہدیہ تین جلد گفٹ پیک بکس ـــــــــــــــــ 1800 روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے سید سہیل حیدر رضوی صاحب نے تعاون فرمایا ہے۔ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔آمین۔ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے قرآن کریم اور دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر و تالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

زیرنظر کتاب اُسوۃ الرسولؐ سلطان الانبیاء خاتم النبیین ،سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر تقریباً ایک صدی قبل مؤرخِ اسلام علامہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی تصنیف و تالیف ہے۔تنقیدی و تحقیقی اعتبار سے ایسی لاجواب کتاب ہے۔جس میں تاریخ عرب،خاتم النبیین کے عظیم آباؤاجداد کے حالاتِ زندگی اور آخر میں سیرتِ سیدالمرسلینؐ پر سیرحاصل بحث کی گئی ہے۔کتاب کے مصنف کا اپنا ایک خاص اسلوب بیان،طرزِ قلم و وجدان ہے۔جسے خاطر خواہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔چونکہ کتاب کے پرانے پرنٹ شدہ نسخہ میں کتابت کی متعدد اغلاط موجود تھیں۔

لہٰذا کتابت کی اغلاط کی درستگی اور محاورات وفقرہ بندی کی تصیح کے لئے ٹرسٹ نے مولانا عابد عسکری کا انتخاب کیا اور انہیں کثیر رقم بطور حق زحمت ادا کردی۔مگر مولانا موصوف کتاب میں موجود اغلاط کی خاطرخواہ درستگی کرنے میں ناکام رہے۔کتاب کی کمپوزنگ مکمل ہونے کے بعد بمطابق وعدہ مولانا موصوف نے پروف ریڈنگ مکمل کرنی تھی۔لیکن حالات واضح طور پر پروف ریڈنگ میں مزید تاخیر کا اشارہ دے رہے تھے۔چونکہ ٹرسٹ نے ماہ رمضان المبارک میں کتاب کی اشاعت کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا۔لیکن کتاب کی اشاعت کی تکمیل کا مرحلہ بوجہ مولانا موصوف مکمل ہوتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔درج بالا تاخیری وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹرسٹ نے کتاب کی تلخیص و پروف ریڈنگ کا کام قلب علی سیال کی مشاورت سے مولانا تصور حسین عسکری کے حوالے کردیا۔لیکن مولانا موصوف بھی اپنی ناگہانی مصروفیات کی وجہ سے بروقت کتاب نہ دے سکے۔

یوں کتاب ہذا کی اشاعت میں تاخیر در تاخیر کا سلسلہ طول پکڑتا گیا۔بلاشبہ کتاب کی تاخیر میں قلب علی سیال کی غفلت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح کتاب کی تصیح و پروف ریڈنگ میں کئی ماہ لگ گئے۔بالآخر ماہ ذوالحج میں کتاب کی تیسری جلد کی تصیح و پروف ریڈنگ مکمل ہوئی۔جس کی اشاعت مکمل ہونے کے بعد کتاب ''اُسوۃ الرّسولؐ جلد سوم'' آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔امید ہے آپ ہمیں اپنی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

حرفِ مصنف بقلمِ مصنف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيۡنَ وَاٰلِهٖ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ۔

میرے سلسلہ سوانحات حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی یہ آخری کتاب ہے اور ایسی آخری ہے جو ظاہر میں آخر اور حقیقت میں اول ہے اس لئے کہ یہ سیرۃ الرسول ﷺ ہے جو سابق اجزائے سیزدہ گانہ کی اصل الاصول۔ آخر اس لئے کہ سب سے آخر میں لکھی گئی ہے۔ اور نیز اس رعایت خاص سے کہ ختم الرسل اور نبی آخرالزمان کے حالات میں صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ جن کی ذات قدسی صفات منازل رسالت کی مکمل اور مناصب نبوت کی متمم ثابت ہو چکی ہے۔

وجہ تاخیر

ایسے متمم رسالتؐ کے حالات وواقعات کی تحقیق تفصیل اور تشریح کیلئے مؤلف کو کلی جمعیت اور انتہائی ہمت سے کام لینا ہے میری سابقہ تالیفات اسی کل کی جزئیات تھیں اور اسی اصل کی فروعات جن میں سوائے اندرونی پیچیدگیوں کے بیرونی مشکلات کی تنقید وتفصیل اور جرح وتعدیل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان کی تدوین وترتیب کے منازل ومراحل بالتدریج وترتیب پہلے طے کر لئے گئے اور اُن سے کلی فراغت اور خاطر خواہ جمعیت حاصل کر کے اُسوۃ الرسول ﷺ کی مبارک تدوین سے سعادت اندوز ہونے کی کوشش کی گئی۔

ترتیب تالیف میں تقدیم وتاخیر کا الزام تنہا مجھ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مجھ سے اکثر اصحاب سیر وتاریخ اور ارباب تحقیق نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے، میری اس کتاب میں میرے مخاطب اصلی شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

> ’’میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ میرا فرض اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے سیرۃ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا۔ مگر یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جراُت نہ کر سکا۔ تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔‘‘

یہ عبارت لکھ کر گویا شبلی صاحب نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ بلفظہ اور بجنسہ میری تاخیر اور عدم تحریر سیرۃ نبویؐ کیلئے بھی یہی مجبوریاں سمجھی جائیں۔ ممکن تھا کہ ابھی اور تاخیر ہوتی۔ مگر ایک تو اس وجہ سے کہ تمام سرتین علی الترتیب تمام ہو چکی تھیں اور ایک یہی باقی تھی۔ دوسری یہ کہ شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ کی اشاعت، اسکی مبہم، مجمل، غیر مفصل اور نہ مکمل صورت نے میری کتاب کی تالیف میں ایسی عجلت

پیدا کردی کہ پھر میں اپنے اس قصد وارادے کو ذرا بھی نہ روک سکا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں ان دنوں اپنی کتاب الزہرا سلام اللہ علیہا تمام کر کے اس کا دیباچہ لکھ رہا تھا۔ جس کو میں نے فوراً متروک وموقوف کر دیا۔ اور بالآخر میری وہ کتاب بغیر کسی دیباچہ اور مقدمہ ہی کے چھپ گئی ۔ یہ میں نے گوارا کرلیا مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرۃ کی تالیف وترتیب سے پھر ایک دم کیلئے بھی غافل نہ ہوا۔

عجلت کی ضرورت

اس عجلت کی کیا ضرورت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بالکل اچھوتی طرز کی سیرت نے شائع ہو کر عموماً قوم وملت میں اور خصوصاً قومِ شیعہ کی جمعیت میں وہی کیفیت پیدا کردی جو سرولیم میور صاحب کی لائف آف محمدؐ کی اشاعت نے آج سے پچاس برس پہلے پیدا کردی تھی، جس کو سرسید احمد خان نے مفصل ذیل عبارت میں قلمبند فرمایا ہے۔

> ’’جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے نہایت ذوق وشوق سے پڑھا۔ مگر جب ان کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرتؐ کے حالات کی نہایت سدھی، سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی سے اسی سطح پر اس کتاب کا لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو ان کا وہ شوق وذوق بالکل ٹھنڈا پڑ گیا مگر جو نوجوان طالب علم، انگریزی کی تحصیل کرتے تھے اور اپنی دینیات سے محض ناواقف تھے ان میں اس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگرچہ سرولیم میور صاحب نے سیدھی، سادی اور صاف باتوں کو بھی بڑے پہلو پر لے جا کر لکھا ہے تو فی الواقع ان کی اصلیت کیا ہے خطبات احمدیہ، دیباچہ، ص18، مطبوعہ لاہور۔‘‘

شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ کی بھی بجنسہٖ یہی کیفیت ہوئی، یہ کتاب والیان ملک کی فیاضانہ امداد سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی۔ لوگوں نے بڑے اشتیاق سے خریدا۔ مگر جب کتاب پڑھی تو معلوم ہوا ۔

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

پھر تو قوم وملت کے ہر ہر فرقے اور ملک ووطن کے ہر ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ: شبلی صاحب نے ۔۔۔۔۔۔

(۱)۔ اگر راہب بحیرہ کی بشارت آنحضرتؐ کو جھٹلایا۔

(۲)۔ آنحضرتؐ کا اہل مکہ کی بکریاں اُجرت ومزدوری پر چرانا قبول کرلیا۔

(۳)۔ آنحضرت صلعم کی قبل بعثت ہی سہی، عرب کی قدیم داستان گویوں کی فضول صحبت میں رات بھر بیٹھنا۔

(۴)۔ ایک بار انہیں صحبتوں میں جاتے ہوئے راہ میں ایک شادی کے جلسہ کا تماشا دیکھنے کھڑے ہوجانا اور پھر وہیں سو کر شام سے صبح کر دینا۔

(۵)۔حضرت علی مرتضیٰؑ کا شراب پینا تسلیم کرلیا ہے۔اور اُن کی ایسی کثیر التعداد مثالیں جن سے سیرۃ النبیؐ کی متعدد جلدیں سیاہ کی گئی ہیں ایسی ہی ہیں تو فی الواقع ان کی اصلیت کیا ہے۔

میری موجودہ کتاب اسوۃ الرسولؐ انہیں مستفسرات کا جواب ہے اور شبلی صاحب کی غلط بیانیوں کی حقیقت کا دفتر انکشاف۔مگر میں اپنی موجودہ تالیف کی اس وقت تک کوئی تفصیل کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ شبلی صاحب کے دیباچہ پر کامل تبصرہ نہ کرلوں اور اس کی حقیقت اور اصلیت کا بھی اسی طرح صاف صاف اظہار و انکشاف نہ کروں جس طرح آپ کی اصل کتاب کے تمام غلط مشکوک اور مبہم واقعات وحالات کے متعلق تحقیق و تنقید سے کام لیا گیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبیؐ پر تبصرہ

سیرۃ النبیؐ کے مجلدات دیکھ کر مفصلہ ذیل رائے قائم کی گئی ہے۔

استخفاف واستحصال حقوق بنی ہاشم

حقوق بنی ہاشم کے استخفاف واستحصال کے علاوہ جومدت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے۔جس کے لئے اخلاقاً آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ بنی امیہ کی جانبداری کیلئے آپ فطرتاً مجبور ہیں۔بہت سے واقعات قدیمہ اور مشاہدات عظیمہ۔جو تاریخ عرب، آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ وآلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔قطعاً مرفوع القلم اور کالعدم فرمادیئے گئے

بے ضرورت کوتاہ قلمی

ان میں سے بعض لکھے بھی گئے تو ان کی تفصیل و بیان میں بے ضرورت اور بے موقع اس قدر کوتاہ قلمی اختیار کی گئی کہ ان مختصرات کو اشارات واستعارات شاعرانہ کہیں تو بے جا۔اور عموماً پہیلی اور چیستان سمجھیں تو نازیبا نہ ہوگا۔

بے ضرورت تنقید

بہت سے واقعات کی تحقیق میں اپنی ناقدانہ مخترعات ومصنوعات کا بے ضرورت اضافہ کیا گیا ہے جو حقیقت اور واقعیت سے بمراحل دور ہے۔

تاریخ قدیمہ عرب کے متواترات سے انکار

اکثر ایسے واقعات سے جو تاریخ ومرویات عرب میں متواترات کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔اور مشاہدات کئے جاسکتے تھے ،صرف اس ہمہ قیاس کی بنا پر کہ آپ کے نوایجاد فلسفہ تاریخی کے حدود میں ظاہری طور پرنہیں آسکتے تھے۔انکار کردیا گیا۔اور قدمائے عرب کے ان اخبار واقوال متفقہ اور اثار مسلمہ پر تکذیب وتغلیط کا حاشیہ چڑھادیا گیا۔

مقررہ معیار سے انکار

جس طمطراق اور تکلفات مالایطاق سے تنقید وتحقیق واقعات کے کثیر التعداد معیار ایجاد کئے گئے ان میں سے کسی کی بھی پابندی نہیں فرمائی گئی۔

ترجیح حدیث علی التاریخ

اسناد کی تفصیل اور تعین میں سیرت پر تاریخ اور تاریخ پر حدیث کو ترجیح دی گئی ہے اور پھر حدیثوں میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو اور صحاح ستہ کی حدیثوں میں صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں کو ترجیح بالمرجح عنایت کی گئی ہے مگر افسوس کہ آغاز کتاب ہی میں امام بخاری پر حدیث کے غلط معنی لگانے کا الزام ثابت کردیا گیا ہے(دیکھو لفظ قراریط،سیرۃ النبی ج1 ص129)اور ان کے شارح حافظ ابن حجر پر رواۃ پرستی کا جرم لگایا گیا(راہب بحیرہ کے حالات ص 1 3 1)ان بنا پر ان محدثین اور ان کی حدیثوں کی کیا وقعت باقی رہتی ہے اور کیا اعتبار۔اس لئے آپ کا قائم کردہ معیار بالکل طومارِ بیکار ثابت ہوا اور کچھ بھی نہیں۔اس مسئلہ پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

حدیث صحیحہ کی شرط مقرر کردہ سے انحراف

اسناد حدیث کی تصدیق وتوثیق کے علاوہ معمولی واقعات تاریخی کی تحقیق واثبات کی نسبت بھی۔اگر چہ وہ متواترات ہی کیوں نہ ہوں۔اس قدر شدت احتیاط کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ غیر مقید اور غیر مستند کوئی واقعہ نہ قلمبند کیا جائے مگر اپنی ہی کتاب میں اپنے ہی دست قلم سے اپنے دلائل کے اسناد واثبات میں صرف اس لکھ دینے پر اکتفا فرمادی گئی کہ اکابر صوفیہ نے لکھا ہے۔(ذکر ذبح اسماعیل ص106)۔

استنباط کتب معتبرہ کی شرط تقرر کردہ سے انحراف

اسلاف کی غیر محققانہ اور محض کورآنہ تقلید کے غلط اصول سے بظاہر توقطعی انکار کیا گیا ہے مگر اپنے مفید مطلب مضامین کی تصدیق وتحقیق میں آنکھیں بند کرکے قول سلف کی تقلید کی قدیم لکیر پیٹی گئی ہے اور پھر اس سختی اور مضبوطی سے کہ اگرچہ اس کے خلاف میں کیسی ہی معتبر اور مستند اقوال واسناد آپ کے پیش نظر ہوں مگر آپ ایک کو بھی نہیں مانتے۔منافرۂ بنی امیہ با بنی عبدالمطلب اور منافرہ بنی ثقیف یا بنی عبدالمطلب کے متواتر اسقاط واقعات۔باب الاجارہ بخاری کے خلاف طبقات ابن سعد کے قوی الاسناد مرویات سے قطعی انکار وغیرہ

کثیر التعداد واقعات جو اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر پوری تحقیق سے لکھے گئے ہیں موجود ہیں۔

کتاب مستدہ اور نا اعتبار کردہ سے استباط

جن کتب حدیث، تاریخ و سیر کو دیباچۂ کتب میں ساقط الاعتبار ٹھہرایا گیا ہے۔ اصل کتاب میں انہیں کے اسناد و حوالوں سے کثیر التعداد مقامات پر کام لیا گیا ہے۔ مواہب الدینہ قسطلانی کے متعلق تحریر ہے۔

"مشہور کتاب ہے اس کے مصنف قسطلانی ہیں، جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے اور متاخرین کا بھی ماخذ ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔ سیرۃ النبی، دیباچہ۔ ص 27"

لیکن تمام کتاب آپ کی مواہب لدینہ کے حوالوں سے بھری پڑی ہے۔ مثال کیلئے ملاحظہ ہوں صفحات 178، 182، 184 وغیرہ وغیرہ۔ طُرفہ تو یہ ہے کہ غرانیق العلیٰ والی موضوع روایت کی تنقید میں ابن حجر شارح بخاری کی تردید تکذیب میں مواہب لدینہ ہی کی عبارت پیش کی گئی ہے ملاحظہ ہو ص 179

(الف) اس طرح کتب احادیث کے متعلق ہر واقعہ کی صداقت کم سے کم صحاح ستہ تک کے اندراج تک مشروط کر دی گئی مگر اپنی کتاب میں اپنے حصول مطلب کیلئے یہ تمام قیود و حدود توڑ کر تمام چھوٹی بڑی۔ عام و خاص اور معتبر و غیر معتبر کتب احادیث سے استخاذ واستخراج فرمایا گیا۔ کما لا یخفی علی ناظر کتاب

(ب) یہی کتب تاریخ کی بھی کیفیت ہے لکھنے کو تو تاریخ قدیمہ عرب کے جدول مفصل اور فہرست مکمل دیباچہ کتاب میں لکھی گئی ہے اور ان میں سے، ابن ہشام، ابن اسحاق، طبری، اور ابن سعد کے منقولات و مرویات پر اعتبار کیا گیا ہے مگر اپنی کتاب میں مفید مطلب واقعات تاریخی کے نقل کے وقت ابوالفدا، ابن اثیر، ابن شحنہ، مسعودی، ابن لوردی، غرض کوئی متاخرین نہیں چھوڑا گیا۔ اور سب کے اقوال وارشاد، بلا تحقیق وتنقید داخل اسناد کر لئے گئے پھر سابق معیار کے تعین بالکل بیکار ہوئے۔

(ت) سیرت کی بھی یہی صورت ہے دیباچہ میں عرب کے تمام قدیم سیرت نگاروں کی بڑی لمبی چوڑی فہرست داخل ہے (ملاحظہ ہو از صفحہ 20۔ تا 26) ان میں سے سیرت ابن اسحق، روض الالف، سیرت ابن سید الناس، سیر ابن عبدالبر وغیرہم کی ایسی معدودے چند سیرتوں کو قابل الاسناد بتلایا گیا ہے مگر اصلی کتاب میں حصول مطلب کیلئے وہی معمولی بھرتی ہے اور جلد دوم تک تو پہنچتے پہنچتے ملفوظات حضرت اشرف جہانگیر تک کے حوالوں کی نوبت پہنچائی گئی ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ٢ جب ان معیار پر کام کرنا ہی نہیں تھا تو پھر ان کا یہ طومار اور انبار کیوں تیار کیا گیا۔

مؤلفِ کتاب اُسوۃ الرسولؐ کا دیباچہ کتاب تقریباً 225 صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ اس دیباچہ کا مکمل جواب کتاب ھذا میں اپنے اپنے مقام پر پوری وضاحت سے دیا گیا ہے۔ اس لئے قاری حضرات کی سہولت کے پیشِ نظر اسے کتاب سے خارج کیا جا رہا ہے جو کی

تلخیصِ کتاب کے حوالہ سے ایک اہم قدم ہے۔(ناشر)

ہماری کتاب اسوۃ الرسول

دیباچہ میں مختصراً شبلی صاحب کے اصول تعمیم کا طریقہ ظاہر کر دینا ضروری تھا۔ جو حقیقتاً ان کے اصول عقائد کا ایک خاص ضمیمہ ثابت ہوتا ہے اس اصول کو شبلی صاحب نے جس حفظ ما تقدم اور عزم و احتیاط سے اپنی تالیف میں از اول تا آخر مدنظر رکھ کر تمام واقعات کو اسی کے مطابق قلم بند فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت اور ماہیت ہر موقع اور ہر مقام پر کھول دی گئی ہے۔ اور اصلیت دکھلا دی گئی ہے اسی کے ساتھ آپ کی عالم فریب انشا پردازی کی اصلی اور بے وجودی بھی ثابت کر دی گئی ہے۔ جو اپنے اپنے خاص موقع پر مذکور ہیں۔

تبصرہ میں ہر مبہم واقعہ کی صحیح تنقیح۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید و تحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی تصحیح و ترمیم بطور تمثیل مختصراً قلمبند کر دی گئی ہے اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے تبصرہ میں زیادہ تر ان واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے جن کو شبلی صاحب نے کسی مصاحت سے مرقوع القلم فرما دیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا یا تاریخ و سیرت کی ہیت و صورت سے نکال کر عقائد کے قالب میں اتار دیا تھا اور اس حیلۂ قلمی سے اپنے مسلمات عقائد کو تاریخ و سیر کے واقعات و مشاہدات بتلا کر عوام سے تسلیم کرانا چاہا تھا۔

اس میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ہمیں ان کے عقائد کی تنقید کی نہ کوئی ضرورت لاحق تھی اور نہ ان کی تردید کا کوئی حق حاصل تھا۔ اس لئے میری تنقید بیکار سمجھی جائے گی لیکن اتنی عرض کر دینا ضروری ہے کہ عقائد اسلام کے متعلق۔ وہ واقعات مندرجہ سیرۃ النبی صلعم جو منافی شان رسالت ظاہر ہوتے ہیں یا وہ مرویات جو مخالف قرآن اور معارض احادیث متفق علیہ ثابت ہوتے ہیں ان کو بغیر تنقید کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

جس طرح ہر ایسے واقعہ کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا گیا ہے اسی طرح شبلی صاحب کی عبارت و مضمون میں جن جن مقامات پر ضرورت خاص سے تلمیحات اور استعارات، صرف استخفاف واقعات کیلئے کام میں لائے گئے ہیں یا انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قلمکاریوں سے سطحی الذہن اور محدود الاطلاع افراد قوم و ملت کو صرت مرغوب کر دینے کیلئے کہیں منطق کے اسباب و علل، معانی و مطول، کہیں فلسفہ اور کلام کے رواموز و غوامض، دلائل و مباحث پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان کی اصلی تصریح و تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

عبارت کتاب کے اکثر مقامات میں اغراق، انفکاک اور خلاف سیاق اور دیگر اقسام کے اغلاط و اسقام کے عام حرف گیریوں سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے اور ان کی حقیقت شناسی اور اصل فہمی کو ناظرین کے مطالعہ و مشاہدہ کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی ناگزیر ضرورتیں تھیں جنہوں نے سیرۃ النبی صلعم کے بعد اسوۃ الرسولؐ کی تالیف و اشاعت کو خاص اہمیت دے رکھی مؤلف نے ابتدا سے لے کر انتہائے تالیف تک انہیں امور ضروری کو کامل شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ مذہبی اور دینی واقعات کے حالات کو پہلے قرآن کے ارشادات سے۔ پھر احادیث صحیحہ کی مرویات سے مقابلہ کر کے قلمبند کیا ہے۔

ملکی اور قومی وقائع اور سوانح کو تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے مستنبط کیا ہے استناد و استخراج کے طریقوں میں ہر واقعہ کی

صحت اسناد میں وہ تمام اصول تحقیق قائم رکھے گئے ہیں جو ایک روایت کی تصدیق و توثیق کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

تمدنی اور اخلاقی حالات و مرویات میں انہیں واقعات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے جو اخلاق الٰہیہ، آداب نبویہ اور نیز ملک و قوم کی مروجہ تہذیب و شائستگی کے مطابق ثابت ہوتے ہیں۔

تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلمات کی تفصیل و تعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خود غرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ہے اور بلا وجہ و ضرورت صرف حصول مدعا کی ضرورت سے ایک فن کو دوسرے فن سے فروتر اور کم پایہ نہیں قرار دیا گیا۔ یا ایک فن خاص کو مرویات و مندرجات میں دوسرے فن کے مرقومات و مذکورات ملا کر غلط مبحث کا معجون مرکب تیار نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت نگاری کے موجودہ سیاق تحریر میں حدود تنقید و تحقیق ضرور قائم رکھے گئے ہیں اور ضرورت میں استدلال کلامیہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔لیکن واقعات کی تنقید و تحقیق میں نہ اتنی جدت دکھلائی گئی ہے اور نہ اپنی اصابت رائے قائم رکھنے کی بنا پر اتنی شدت اختیار کی گئی ہے کہ تاریخ و سیرت کے مضامین کلام و مناظ کے میگزین بن جائیں ۔ یا اپنی جدید تحقیق اور مجدد بننے کے شوق و تمنا میں سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے عام فہم اور سلیس طریقہ تحریر کو۔ جو آغاز فن سے لے کر اس وقت تک تمام علمائے متقدین و متاخرین کا نظریہ قرار پا چکا ہے۔فلسفہ تاریخ کی جدید اور یوروپین طریقہ تالیف کی تقلید کی موجودہ صورت ہیئت میں بدل دیا گیا ہے اور نہ علم قدامت کے انکشافات جدیدہ کے ہر ممکن و ناممکن قیاسات کی بنا پر واقعات تاریخی کی اتنی چھان بین اور ان کی اتنی ہندی کی چندی کی گئی ہے کہ ثبوت استدلال کے طومار و انبار میں اصل مطلب مفقود اور لا وجود ہو جائے اور جس سے حقیقت واقعہ اور اصلی صورت حال تو غائب ہو جائے اور مصنف کا صرف خارجی اور سطحی استدلال رہ جائے۔

اس مسلک اور طریقہ تالیف کے خلاف اسوۃ الرسول میں ہر مسئلہ ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دیئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے اور ان کی تفصیل و بیان میں اسی قدر وسعت دی گئی ہے جس قدر سہولت اور عالم قبولیت کے لحاظ و اعتبار سے ضروری تھے مختلف فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو مقبولیت اور معقولیت دونوں حیثیت رکھتے ہیں۔نقل روایات میں صغاف و اعاد سے کہیں بھی کام نہیں لیا گیا۔اگرچہ شبلی صاحب نے ان کی قابل الاستناد ہونے کا بھی عام فتویٰ دے دیا ہے۔(دیباچہ سیرۃ النبی ص 61و71)

واقعات کی ترتیب باعتبار سنین کی گئی ہے اور ہر سال کے سلسلہ واقعات میں تقدیم و تاخیر وقوع کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے ایسے واقعات جن کے ایام وقوع کی تعین میں اختلاف ہے کثرت اقوال پر اعتبار کیا گیا ہے ایسے واقعات جن کی تفصیل ضروری نہیں سال وقوع کے آخر میں تذکرہ لکھ دیئے گئے ہیں۔

مرقومہ بالا ترتیب و تدوین کے مطابق اسوۃ الرسول تین جداگانہ حصوں (جلدوں) میں مرتب اور مدون کی جارہی ہے۔

صنف تالیف اور شغف تصنیف میں تحقیق و ترتیب کے بعد بہت بڑا اہم اور ضروری امر نقل اسناد ہے ہر واقعہ کے شہود و ثبوت

میں اسناد کی اصلی عبارت کو بلفظ لکھ دیا گیا ہے۔متقدمین صرف مصنف اور تصنیف کے نام کے حوالہ کو کافی سمجھتے تھے لیکن زمانہ حال کے محققین نے اس طریقہ اختصار کو اطمینان واعتبار کیلئے کافی نہ سمجھا۔مزید اطمینان اور خاطر خواہ تشفی کیلئے اسناد کی پوری عبارت ،تصنیف ،صاحب تصنیف کا نام شمار جلد نشان صفحہ وسطر تک کے اندراج کو ضروری سمجھا ہے۔یہ طریقہ چونکہ نہایت مستحسن اور مستحکم تھا اس بنا پر فی زمانناعلم تصنیفات وتالیفات میں یہی دستور قائم رکھا گیا ہے۔نہایت احتیاط سے اسناد کی اصلی عبارتیں کتابوں اور ان کے صفحات سطور واور مجلدات وغیرہ کے صحیح حوالے قلمبند کئے گئے ہیں عربی اور فارسی ماخذوں کی اصلی عبارت اور ان کا ترجمہ درج کر دیا گیا ہے۔انگریزی حوالہ جات میں چونکہ بغیر ٹائپ کے اصلی عبارت کی نقل دشوار تھی۔اس لئے ان کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی لیکن اصلی کتاب کے تمام حوالے درج کردیئے گئے ہیں۔حوالہ جات بعد ختم واقعات فوراً لکھ دیئے گئے ہیں اور عبارت زیرین حاشیہ وغیرہ کو ملاحظہ کی دوبارہ زحمت نہیں دی گئی ہے۔

المولف الاحقر

خان بہادر

سید اولاد حیدر بلگرامی

کواتھ ضلع آرہ شریف العمارت عیدالفطر 1342ھ

رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَاهْدِنِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم۔ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهِ الْكَرِيْم

تمت بالخير

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
وادی القریٰ اور فدک کے معاملات	23
فدک کے خاص معاملات	23
ہبہ فدک 7 ہجری	25
فدک کی آمدنی	35
ردشمس کا مشہور و معرف واقعہ	38
عمرۃ الصلح 8 ہجری	43
قریش سے راہ میں ملاقات	43
ان اشعار پڑھنے سے حضرت عمر کی ممانعت	44
سنت رَمل	45
امامہ بنت حضرت حمزہ علیہ السلام	45
عمرو عاص کا اسلام	46
خالد بن ولید اسلام لانا	47
غزوہ موتہ	48
آغاز سال 8 ہجری	48
امراء لشکر کو خاص حکام	49
غنیم سے مقابلہ زید کی شہادت	49
حضرت جعفر کی شہادت	49
عبداللہ بن رواحہ کی شہادت	50
خالد کی امارت غیر منقوص	50

عنوان	صفحہ نمبر
ابن ہشام لکھتے ہیں	52
رسول کی طرف جعفرؓ کے گھر میں ارسال طعام تعزیت	52
تنبیہ	54
جعفر ذوالجناحین	56
حضرت کی فضیلت اور آپ کا سن شریف	57
فتح مکہ	58
رمضان 8 ہجری مطابق جنوری 63ء	58
بارگاہ رسالت میں بنوخزاعہ کے فریادی	59
ابوسفیان کی ناکامیاب سفارت	61
حاطب بن ابی البقہ صحابی کا افشاء راز کرنا اور معفو ہونا	64
مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف روانگی	69
سفر میں افطار صوم کا حکم	69
ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ سے ملاقات	70
لشکر اسلامی میں ابوسفیان بن حرب کی آمد اور حضرت عمر کا بے حساب عتاب	71
ابوسفیان کو بخوف جان ایمان لانا	73
شبلی صاحب کی نقل و ترجمہ میں کھلی تحریف	74
ابوسفیان کبھی سچے مسلمان نہیں ہوئے	76
لشکر اسلامی کی شان وشوکت دیکھ کر ابوسفیان کی حیرت	76

عنوان	صفحہ نمبر
ابوسفیان کے ساتھ احسان	78
احسان کی دوسری مثال	78
شبلی صاحب کی دوسری تحریف	79
ابوسفیان کا سلسلہ استعجاب	79
بخاری صاحب اور شبلی صاحب کی کھلی تحریفیں	80
ابوسفیان کا مکہ میں داخلہ	82
مکہ معظّمہ میں آنحضرتؐ کا فاتحانہ لیکن بالکل خاموشانہ داخلہ	83
خالد بن ولید کے دستہ فوج کا مقابلہ ومقاتلہ	83
عقیل بن ابی طالب پر بیجا الزام	85
حضرت ام ہانی کا مکان امان قرار پایا	87
حرم محترم میں داخلہ	88
حضرت عمر کی نسبت بت شکنی کا غلط دعویٰ	90
شبلی صاحب اور واقعہ بت شکنی کا استخفاف	90
حضرت علیؑ اور بت شکنی کی خدمت	92
بیت اللہ کا فتح الباب	96
کنجی کے دینے میں عثمان کی ماں کی جہالت	98
حرم محترم کے اندر داخلہ	99
حرم محترم میں خطبہ نبوی	100
ظالمین ومشرکین قریش کی عام معافی	102
کعبہ کی چھت پر اذان	103
مکہ میں اسلام کی بیعت عام	103
عورتوں کی بیعت ہند سے مکالمت	103
ناقابل معافی مجرمین کی معافی	105
چار خونی مجرمین کی سزا	105
فتح مکہ کے باقی حالات اصنام کعبہ کی تفصیل	107
خزیمہ کے مسلمان مظلومین اور خالد بن ولید کے مظالم	109
فتح بیت الحرام اور امن وصلح کا پیغام	115
مکہ کے مجرمین اور خلق رحمۃ اللعالمین	116
جنگ حنین	119
8 شوال 8ھ مطابق جنوری وفروری 630ء	119
ہوازن کی تیاریاں	119
ہوازن اور ثقیف کا اتحاد	120
مالک ابن عوف کی امارت	120
درید اور معائنہ فوج	121
مکہ سے فوج اسلام کی روانگی	122
صفوان سے سامان جنگ کیلئے قرض لیا گیا	123
مسلمانوں کا ناز بے جا	123
ناز بے جا کی دوسری مثال	124
جانبین کا مقابلہ اور فوج اسلامی کی گریز	126
شبلی صاحب کے استخفاف حالات اور ان کے انکشافات	127
خالد حنین میں مسلمانوں کی ہزیمت اول کا باعث تھا	130
رفاقت رسول میں ثابت قدم رہنے والے حضرات	131
رسول اللہ صلعم کے ساتھ کل چار شخص رہ گئے	132

عنوان	صفحہ نمبر
فوج اسلام کا فرار رسول اللہؐ کا اضطرار صحابہ کی گران گوشی	133
رسولؐ اللہ کی سواری کی شان	133
ابوسفیان کی معرفت اسلام اورحقیقت ایمان کی شان	134
فتح حنین اور کفار کی شکست	136
رسولؐ اللہ کی سواری اور شان جلالت	136
ایک خاتون مسلمہ کی بینظیر شجاعت	137
حضرت علیؑ اور علمدار کفار کا قتل	138
فتح کے بعد میدان جنگ کے معائینہ خالد کی بزدلانہ حرکت پر امتناعی حکم	139
کفار کا اوطاس سے فرار	140
ابو عامر اشعری کا خاتمہ بالخیر	142
اسیران جنگ کے ساتھ محاسن سلوک	143
محاصرہ طائف	144
التوائے محاصرہ کی ضرورت	147
غنیمت حنین کی تقسیم	149
تقسیم میں انصار کا عذر	150
تقسیم میں عذر دار انصار ہی تھے مہاجرین بھی تھے	151
عباس ابن مرداس اسلمی اور تقسیم حنین میں غدر	151
ذوی الخویصرۂ تمیمی کی پیش گوئی کا واقعہ	154
رحمت عالم کی رحمت عام کا نمونہ	156
رحمت کی دوسری مثال	156
مراجعت مدینہ	157
واقعات متفرقہ سال ہشتم ہجری	158
حضرت ابراہیمؑ کی ولادت و وفات	158
حرمت خمر	158
آغاز نہم ہجری	159
آغاز سال نہم ہجری واقعہ ایلا	159
شبلی صاحب کی قلمکاریوں کا انکشاف	165
عیسائیوں کی مغویانہ تعریض کا جواب	188
عیسائی متعصبین سے احتجاج	188
مسٹر مترجم قرآن اور ڈاکٹر ائیڈلس کی غلط بیانیوں کی تردید	190
غزوہ تبوک	195
رجب 9 ہجری مطابق اکتوبر و نومبر 635ء	195
جناب رسول خدا کا سفر اور اس کی دشواریاں	195
اصحاب رسولؐ اور فراہمی سامان جنگ میں امداد	196
صحابہ کا شرکت جنگ سے اغماص	196
شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں	197
بعض وفادار صحابہ کے جان نثارانہ حالات	198
عبداللہ ملقب ذوالجادین	199
تبوک کی طرف لشکر اسلام کی روانگی	200
اعلان حدیث منزلت	201
حضرت ابوذر کی سعی فی الجہاد	204
حضرت ابوذرؓ کے خاتمہ حالات	205

عنوان	صفحہ نمبر
تبوک میں نزول اجلال عبداللہ ذوالمجادین کا	207
تبوک تک کا سفر بیکار نہیں گیا	208
عیسائی قوموں کی خاص رعایت	208
تبوک سے واپسی واقعہ عقبہ رسول کے قتل کی ترکیب	209
حضرت عمر اور منافقین کے ناموں کی ہمیشہ فکر و تلاش	212
مسجد ضرار اور اس کا انہدام آثار	212
کعب ابن مالک صحابی کی سرگذشت اور معانی	217
حج اکبر حضرت علیؑ کے محاسن خدمات تبلیغ سورہ برأت (10 ذی الحجہ 9 ہجری)	220
واقعات متفرقات 9 ہجری	231
شبلی صاحب کی آئندہ ترتیب مضامین	231
عمال صدقات کی ماموری اور ان کا مقام ماموریت	232
اسلامی مبلغین	233
وفور عرب کا آنا اور اسلام لانا	235
وفد مزینہ	235
وفد بنی تمیم	235
وفد بنو سعد	237
وفد اشرئیین 7 ہجری	237
وفد دوش 7 ہجری	238
وفد حرث بن کعب 9 ہجری	238
وفد قبیلہ طے	238
عدی ابن حاتم 9 ہجری	238
اھد ثقیف	239
وفد نصارائے نجران اور واقعہ مباہلہ	242
واقعہ مباہلہ کا انکشاف حقیقت	243
حضرت علیؑ مباہلہ میں شریک نہیں تھے	244
اہل بیتؑ کی شان میں نزول آیۂ تطہیر آلِ عباء۔ آل کساء پنجتن پاک کے القاب کی توجیہ تخصیص	246
وفد ہمدان 9 ہجری	249
وفد طارق بن عبداللہ	249
وفد بنو حرث بن کعب 9 ہجری	250
وفد نبو اسد 9 ہجری	250
وفد بن فرازہ	251
وفد نبو عامرین صعصعہ 9ھ	251
وفد حمیر	252
وفد کندہ آغاز سال 10ھ	252
وفد بنی عبدالقیس	252
وفد تحیب	253
وفد نبو سعد ہدیم	254
وفد بہراء	254
وفد خولان 10 ہجری	254
وفد محارب	255
وفد غسان	255
وفد بنی عیش	256
وفد بنی عائد	256
وفد سلامان	256

عنوان	صفحہ نمبر
وفد بن حنیفہ 10ھ	257
مسیلمہ کا خط آنحضرت صلعم کے نام	257
آنحضرت صلعم کا جواب	257
وفد ازد	258
تبلیغ اسلام اور تاسیس نظام مقبوضاتِ اسلام	259
آغاز سال دہم ہجرت	259
علاقہ یمن میں اشاعتِ اسلام	259
حضرت علیؑ اور یمن میں دوسری بار ماموری	260
نجران میں اشاعت اسلام	261
بحرین میں اسلام	262
عرب شام میں اشاعت اسلام	263
یمن میں حضرت علیؑ کی تبلیغی خدمات	264
شبلی صاحب کی نئی ترتیب تالیف	268
حجۃ الوداع 10 ہجری	271
خون جاہلیت کی معافی	277
سُود کی قطعی ممانعت	277
حقوق نسوانی کی مراعات	278
قتل وخونریزی کی ممانعت	278
مسائل واحکام متفرقہ کی تعلیم	280
آپس کی خونریزی سے اجتناب کا حکم	281
مکہ معظّمہ سے روانگی	283
مقام خم (غدیر) میں قیام	283
شبلی صاحب کا واقعہ عذیر خم	283
غدیر خم میں حدیث ثقلین	287
حدیث میں کنت مولا فعلی مولاہ	290
حدیث من کنت مولاہ اور خطبہ غدیر خم	291
خم غدیر میں نزول آیہ بلغ	297
حضرت علیؑ کے سر پر دستار امامت	301
اس دستار مبارک کی عظمت	302
خطبہ خم غدیر	303
تکمیل اسلام اور نزول آیہ اکملت لکم دینکم	307
تہنیت امہات مومنین	308
حسان بن ثابت کا قصیدۂ غدیر	308
اسباب نزول آیہ سأل سائل بعذاب واقع	310
استحقاقات واقعات غدیر اور اس کے انکشافات	313
صحابہ اور حالات غز کی شہادت سے خاموشی اس کی پاداش	318
لفظ مولا پر نزاع لفظی	324
بریدہ والی شکایت کی مہمل تاویل اور مولانا شبلی صاحب	325
قاضی محمد سلیمان صاحب رحمۃ العالمین	325
مولانا عبیداللہ صاحب ارجح المطالب	325
وفات جناب سرور کائنات 28 صفر یا 12 ربیع الاول 11 ہجری (آغاز سال یازدہم ہجری)	331
زیارت شہدائے احد	323
جیش اُسامہ کا حکم اول	333

عنوان	صفحہ نمبر
ابتدائے مرض اور حضرت عائشہ سے اظہار مرض	336
بیماری اور حضرت عائشہ کے گھر تیمارداری	337
شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ربطی	338
شدت مرض اور صبر وسکون آنحضرت صلعم	339
انصار کے متعلق مہاجرین کو اور مہاجرین کی نسبت	
انصار کو اتحاد وسلوک کی وصیت	340
خطبہ ہدایت عام اور ادائے مطالبات	345
امت کیلئے دعائے نیکی اخلاق وسیرت	346
مرض میں باردیگر شدت	347
ثبات علی مقدر رضا برضائے الٰہی	347
واقعۂ قرطاس جمعرات 10ھ	350
حضرت علیؑ کی طلبی	353
حضرت ابوبکر کی پیش نمازی کی مقدار حقیقت	354
پیش نمازی سے خلافت کا خواب غلط	361
جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں پر عتاب	362
قریب وفات کے حالات	373
اشرفیوں کا تصدق	374
حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ سے گفتگو	375
حضرت فاطمہؑ اور حسنین علیہما السلام سے الوداع	377
حضرت علیؑ سے آخری رخصت اور وصیت	378
وفات رسولؐ پر گریۂ وبکاء	379
فراق پدر میں جناب فاطمہؑ کی گریہ وزاری	379
حضرت عائشہ کی گریہ وزاری	380
تعزیب اہلبیت	381
شبلی صاحب کی رقم کردہ وجوہات تاخیر تدفین کے	
انکشافات	382
تجہیز وتکفین آنحضرت صلعم	387
حضرت علیؑ کی غسل رسول کیلئے خصوصیت	390
تدفین رسول صلعم	393
رسول کی نماز جنازہ	397
سب سے پہلے حضرت علیؑ نے نماز پڑھی	398
لاش مطہر کو لے کر قبر منور میں اترنے والے	399
حضرات	
مرثیہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا	402
اولاد امجاد آنحضرت صلعم	403
جناب سیدۃ النساء العلمین حضرت فاطمۃ الزہراؑ	403
ازواج مطہرات	403
جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہؑ	403
حضرت سودہؓ بنت زمعہ	405
حضرت عائشہؓ	406
حضرت حفصہ	412
حضرت زینب ام المساکین	415
حضرت ام سلمہؓ	415
حضرت زینب بنت جحش	419
حضرت جویریہؓ	420
حضرت ام حبیبہؓ	420

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت میمونہؓ	421
حضرت صفیہؓ	422
جناب رسالت مآبؐ کے اخلاقیات وسیاسات	428
مہر نبوت	428
مُوئے مبارک	429
رفتا مبارک	429
طرز گفتگو	430
اسوہ حسنہ	430
لباس مبارک	433
ریشمی لباس پہننے کی ممانعت	433
مشروبات	434
آداب طعام	434
خوش لباسی	435
مرغوب رنگ	435
نامرغوب رنگ	435
خوشبو سے خاص شوق	436
نفافت پسندی	436
سواری	437
اسپ دوانی	437
تیراندازی	438
اونٹوں کی ڈوریں	439
روزانہ معمولات	440
صبح سے شام تک کے معمولات	440
تقسیم غنائم	440
معمول خواب	441
سونے اور آرام کرنے کا معمول	441
عبادت شب	441
خطبات آنحضرت صلعم	444
معمولات سفر	445
سامان سفر	448
جانوروں کی سواری پر ترحم	448
منزل پر اترنے کے اداب	448
معمولات جہاد	450
خدمات اموات	451
مریضوں کی عیادت	451
معمولات ملاقات	452
دربار رسالت	453
آداب مجلس	457
اوقات مجالس	458
عورتوں کے لئے موعظت وہدایت کی خاص مجلسیں	459
ارشاد وہدایت کا طریقہ	459
شگفتہ مزاجی	460
مجالس مقدسہ کا حاضرین وسامعین پر اثر	461
خطابت	462
ادائے خطابت	462
خطبات مقدسہ کا اثر	476

عنوان	صفحہ نمبر
عبادت نبوی	477
تلاوت قرآن مجید	480
روزہ کے معمولات	482
زکوٰۃ	483
حج	484
دوام ذکر الٰہی	484
شوق عبادت	485
نماز طول وطویل ذکر	486
ذکر تلاوت	486
میدان جنگ کی نمازیں	487
خوف خدا	489
خوف الٰہی سے گریہ وبکا	490
محبت الٰہی	492
توکل علی اللہ	494
صبر وشکر	498
اخلاق نبوی	503
دوام عمل	505
حسن خلق	506
حسن معاملہ	510
عدل وانصاف	512
عدل وانصاف کا نازک ترین پہلو	514
جود وسخا	514
ایثار	518
مہمان نوازی	519
گداگری اور سوال کی نفرت	520
صدقہ	521
تحفے اور ہدیہ قبول کرنا	522
ہدیے اور تحفے دینا	522
عدم قبول احسان	523
عدم تشدد	523
حدود وقصاص میں احتیاط	523
تقشّف ناپسند تھا	525
عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی	526
رحمۃ اللعالمین میں ہوں	527
سادگی اور بے تکلف عمارت پسندی سے اجتناب	527
مساوات	530
تعظیم اور مدح مضمر سے اجتناب	535
شرم وحیا	536
اپنے ہاتھ سے کام کرنا	537
دوسروں کا کام کرنا	537
عزم واستقلال	538
شجاعت	540
راست گفتاری	541
ایفائے عہد	542
زہد وقناعت	543
عفو وحلم	546

عنوان	صفحہ نمبر
دشمنوں سے عفو درگزر اور حسن سلوک	550
کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ	552
یہود و نصاریٰ کے برتاؤ	554
غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت	555
دشمنان جان سے عفو و درگز	558
بچوں پر شفقت	560
غلاموں پر شفقت	562
مستورات کے ساتھ برتاؤ	563
حیوانات پر رحم	565
رحمت و محبت عام	566
رقیق القلبی	567
عیادت، تعزیت غمخواری، عزاء	568
لطف طبع	569
اولاد سے محبت	570
سیاسیات نبوت	573
تبلیغ و اشاعت اسلام	579
حجاز	587
علاقہ یمن	588
نجران	589
اہل یمن کیلئے دعائے خیر	590
بحرین	590
عمان	591
شام	591
بارگاہ رسالتؐ میں وفود عرب کی آمد	592
وفد مزینہ 5 ہجری	592
وفد بنو تمیم	593
وفد بنو سعد	594
وفد اشعرئین 7 ہجری	595
وفد قبیلہ دوس 7 ہجری	595
نبو حرث بن کعب 9 ہجری	596
قبیلہ طے	596
عدی بن حاتم	596
وفد ثقیف	597
وفد نجران	599
وفد نبو اسد 9 ہجری	601
وفد بنو فرازہ	601
وفد کندہ	601
وفد عبد القیس	602
وفد بنو عامر بن معصعہ	602
حمیر وغیرہ کی سفارت	603
تاسیس حکومت الٰہی	603
استخلاف فی الارض	603
انتظام ملکی	607
امیر العسکری	607
فتویٰ	608
فصل قضایا	608

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
توقیعات وفرامین	608		
مہمانداری	609		
عیادت مرضیٰ	610		
احتساب	610		
اصلاح بین الناس شبلی صاحب لکھتے ہیں	611		
کتاب	611		
حکام اور ولاۃ	612		
محصلین زکوۃ وجزیہ	616		
پولیس	619		
جلاد	619		
غیر قوموں سے معاہدے	619		
اصناف محاصل وخراج	620		
زکوۃ	621		
جزیہ	622		
خراج	622		
جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی	622		
عطایائے جاگیرات	623		
چشمہ ہائے آپ کے انتظام	623		
چراگاہوں کا انتظام	624		
تمت بالخیر والعافیہ	624		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُسوۃ الرّسول صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم

جلد سوم

وادی القرٰی اور فدک کے معاملات

تا

انتظام ملکی (اختتام کتاب)

وادی القرٰی اور فدک کے معاملات

غزوہ خیبر کے بعد وادی القریٰ تیما اور فدک کے واقعات یکے باد دیگرے پیش آئے اور حقیقتاً یہ تمام واقعات خیبر کے سلسلہ وقائع کے ساتھ منسلک ہیں لیکن چونکہ ان میں فدک کے واقعات بھی داخل ہیں۔ جس کا تفصیلی بیان شبلی صاحب کے مدعائے تالیف کے لیے جس قدر ضرور رساں ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لیے آپ اس وادی کو بڑی سرعت کے ساتھ طے کر جاتے ہیں چونکہ تاریخ لکھ رہے ہیں انکار تو ممکن نہیں تھا اس لیے وادی القریٰ کے ساتھ فدک کا نام تو ضرور لکھ دیا گیا مگر بیان کچھ بھی نہیں ہوا۔ ملاحظہ ہو آپ کا حسب ذیل عنوان اور اسکا طرز بیان۔

وادی القرٰی اور فدک

تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں انکو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہاں عاد وثمود آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البدان میں لکھا ہے کہ ثمود وعاد کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں آ کر یہود آباد ہوئے اور زراعت وآب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ (بحوالہ البدان لفظ قرایٰ)

خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے وادی القریٰ کا رخ کیا۔ لیکن لڑنا مقصود نہیں تھا۔ مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ انہوں نے فوراً تیراندازی شروع کردی۔ آنحضرتؐ کا محمل آپ کا غلام (مدغم) اُتار رہا تھا کہ ایک تیر آیا اور وہ جان بحق ہوئے۔ مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی وقد استقبلتنا یھود بالرمیٰ ولم نکن علی تعبیۃ۔ یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلانے لگے اور ہم تیار نہ تھے۔ بہرحال جنگ شروع ہوگئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہوگئی سیرۃ النبی جلد اول ص368۔

فدک کے خاص معاملات

تیما میں کیا ہوا؟ فدک میں کیا گزری؟ کچھ بھی نہیں صرف اتنا معلوم ہوا کہ خیبر کی شرائط کے موافق اہل فدک سے بھی صلح ہوگئی شبلی صاحب کی موقع شناسی اور پیش بینی قابل داد ہے۔ آپ نے فدک کے معاملات میں صرف مصلحت کی ظاہری صورت امتثالی قائم کر کے اسکو خیبر کے معاملات کے موافق بتلا دیا۔ اس لیے کہ اس ظاہری تمثیل کا پردہ حقیقت حال پر پڑ جائے اور اصل واقعیت نہ معلوم ہو۔

اس میں شک نہیں کہ صلح خیبر میں بھی ہوئی تھی اور فدک میں بھی۔ لیکن ان دونوں میں جو فرق امتیازی تھا وہ لکھ کر بتلایا گیا۔ اس لیے کہ آپ کے مقاصد ومطالب کے مخالف تھا۔ حالانکہ تمام عربی تاریخ وحدیث کی کتابیں اس فرق کو بالاتفاق بتلا رہی ہیں۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

قال ابن اسحق فلما فرغ رسول الله علیه واله وسلم من خیبر قذف الله الرعب فی قلوب اهل فدك حین بلغهما اوقع الله تعالیٰ یاهل خیبر فیبعثو الی رسول الله صلعم یصالحونه علی النصف من فدك فقدمت علیه رسلهم بخیبر اوبالطریق اوبعد ماقدم المدینه فقیل ذلك منهم فكانت فدك لرسول اللهﷺ خالصة لانه لم یوجف علیها بخیل ولا رکاب۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاملات خیبر سے فراغت پائی تو خداوند عالم نے اہل فدک کے قلوب میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ انہوں نے خودنصف حاصل فدک پر مصالحت کرنے کیلئے آنحضرتؐ کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ چنانچہ ان لوگوں کا قاصد حاضر خدمت ہوا بعض کہتے ہیں کہ قیام خیبر ہی کے زمانہ میں آیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ راستہ میں شرفیاب خدمت ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ مدینہ میں آپ کے داخلہ کے بعد شرف حضوری سے بہرہ اندوز ہوا بہرحال آنحضرتؐ نے انکی درخواست کو قبول فرمالیا لیکن فدک آنحضرتؐ کا خالصہ قرار پایا۔ اس لیے کہ اس میں جنگ و جہاد اور سوار و پیادہ سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ابن ہشام جلد دوم ص 195

زرقانی بھی شرح مواہب لدنیہ میں ابن اسحق کا یہی قول نقل کرتے ہیں۔ طبری میں بجنسہ یہی الفاظ ہیں۔

فكانت فدك الرسول الله خالصة لانة لم یوجف علیها بخیل ولا رکاب۔ طبری ص 1579 جر من

بحوالہ تاریخ الفداء میں ہے

فدک جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ قرار پایا اس لیے کہ بغیر لشکر کشی کے حاصل ہوا تھا۔

کان فتح خیبر فی صفر سنة سبع اللهجرة وسئل اهل خیبر رسول الله صلعم الصّلح علیٰ ان یساقیهم علی النصف من ثمارهم و یخرجهم متی شاء ففعل ذلك فعل ذلك اهل فدك خاوکانت خیبر للمسلمین واکانت قدك خاصة لرسول الله لانها فتحت بخیر ایجاب خیل۔

بحوالہ تاریخ احمدی ص 42 لکھنوء

خیبر ماہ صفر 7ھ میں فتح ہوا۔ اور اہل خیبر نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ انکو اس کے

باغات کے پھل نصف ملا کریں اور آنحضرتؐ جب چاہیں انکو خارج البلد کر دیں چنانچہ انکی درخواست منظور کر لی گئی اور ایسا ہی معاملہ اہل فدک کے ساتھ بھی طے پایا۔خیبر کی آمدنی مسلمانوں کے لیے تھی۔اور فدک کی خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس لیے کہ وہ بغیر حرب وضرب فتح ہوا تھا۔

ان تاریخی مشاہدات کی جلوہ نمائیوں سے شبلی صاحب کے استخفاف حقیقت کا پورا انکشاف ہوگیا۔اور مؤرخ ابولفدا کی عبارت سے توفرق امتیازی صلح خیبر اور مصالحہ فدک کے درمیان واقع ہے اور وہ پورے طور سے ظاہر ہوگیا۔اور ثابت ہوگیا کہ صلح تو دونوں معاملات میں ہوئی۔لیکن خیبر کی مصالحت سے جو جائیداد حاصل ہوئی۔وہ عام اسلامی املاک قائم ہوئی اور فدک کے مصالحہ سے جو محاصل قبضہ میں آئی وہ خاص رسول اللہ صلعم کی جائیداد قرار پائی۔

چونکہ عموماً معاملہ فدک سے اورخصوصاً استظہار رواستقرار خالصہ رسول اللہ سے شبلی صاحب کے ایک اعظم ترین اصول عقائد کی بیخ کنی ہوتی تھی۔اس لیے آپ نے خالصہ کے لفظ کو کیا؟ اُس کے ذکر ہی کو مرفوع القلم فرمادیا۔اور یہ آپ کی موقع شناسی پیش بینی آل اندیشی تقلید اسلاف اور تعلیم اخلاف کے اعتبار سے بہت ہی ضروری تھا۔اس لیے فدک کے معاملات کو مختصر لفظوں میں خیبر کے واقعات کا مماثل بتلاکر قصہ ختم اور تحقیق کا دروازہ بند کر دیا گیا لیکن۔کجا ماند نہان رازے کروسازند محفلہا۔

آخر شبلی صاحب خود ہی کھل پڑے۔اس موقع پر تو نہیں جلد دوم میں پہنچ کر۔اس مبتدا کی خبر نکالی گئی جس کو ہم بہت جلد اپنے سلسلہ بیان کو قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ہبہ فدک 7ہجری

ہبہ فدک کے واقعات حسب ذیل ہیں۔امام جال الدین السیوطی تفسیر درمنشور میں لکھتے ہیں۔

اخرج البزاز وابویعلی وابن ابی حاتم عن ابی سعید الخدری قال لمانزلت هذه الاية وات ذی القربی حقه اقطع رسول الله صلعم فاطمة فدکا۔

بزاد ابویعلی اور ابن ابوحاتم نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب آیہ وآت ذالقربیٰ حقه نازل ہوا تو پیغمبر صاحب نے فدک کی جائیداد حضرت فاطمہ کو عطا کی تاریخ احمدی ص46 تنہا امام سیوطی ہی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا ہے۔بلکہ اور محدثین نے بھی مثل امام حاکم اور ملاعلی متقی وغیرہم نے بھی اس کو قلمبند کیا ہے۔

چنانچہ ملاعلی متقی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فی کنزالعمال اللشیخ علی متقی فی صلة الرحم میں کتاب الاخلاق عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وات ذالقربی حقه قال النبی یا فاطمه علیہا السلام لك فدك رواه

الحاکم۔

شیخ علی متقی نے کنزالعمال کی کتاب الاخلاق کی فصل صلہ رحم میں لکھا ہے کہ ابوسعید خدری نے روایت کی ہے کہ جب آیہ وات ذی القربی حقه نازل ہوا تو جناب رسول خداصلعم نے حضرت فاطمہؑ سے ارشاد کیا کہ اے فاطمہ سلام اللہ علیہا فدک میں نے تجھے دے دیا۔

اگرچہ امام حاکم نے محض مختصر الفاظ میں بالکل سرسری طور پر اس واقعہ کا اعتراف کیا ہے۔ اتنا بھی نہیں جتنا امام سیوطی نے انہیں ابوسعید کی زبانی۔ بزار۔ ابویعلی اور ابن ابی حاتم کی اسناد سے مدرج فرمایا ہے لیکن ہم اس مختصر ہی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں۔

اب اس واقع کی اصل تفصیل کتاب معارج النبوۃ۔ ملا معین ہروی ثم اللاہوری کے ذکر وقائع 7 ہجری سے حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

درمقصد اقصی باین عبارت مذکور است بعضبی گونید که حضرت رسولخدا صلعم خیبر امیرالمومنین علی را فرستادومصالحه بردست حضرت امیرواقع شد برآن نہج که حضرت امیرعَلَیْہِ السَّلام قصه خون ایشان نکند وحوائط وخواص ازان رسول باشد پس جبرئیل نازل شدوگفت که حق تعالیٰ میفرماید که حق خوشیاں بده۔ رسولاؐ لله گفت خوشیان من کیستند وحق ایشان چیست جبرئیل گفت فاطمهعَلَیْہَا السَّلام است حوائط فدک رابا وده وانچه از خداورسول اوست دوفدک ہم بادبده۔ پیغمبر فاطمه ررابخواندوبراے دے حجبت نوشت وآن وثیقه که فاطمهعَلَیْہَا السَّلام بعدازوفات رسولؐ پیش ابوبکر صدیق آوردوگفت این کتاب رسول خداؐ است که براے من وحسنعَلَیْہِ السَّلام وحسینعَلَیْہِ السَّلام نوشته است۔

مقصد اقصیٰ میں مرقوم ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ جناب رسول خداصلعم نے حضرت امیرالمومنین علیؑ کو حوالی خیبر میں بھیجا اور وہاں مصالحت آپ ہی کے توسط سے ہوئی اس شرط واقرار سے کہ حضرت امیرؑ ان کے قتل کا ارادہ نہ کریں اور وہ علاقہ خالصہ رسولؐ قرار پائے پس حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ فاطمہ ہیں حوائط فدک ان کو دے اور جو کچھ خدا اور رسولؐ کا حق اس میں ہے وہ بھی انہیں کو دیدو پس آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ زہرا کو بلایا اور ان کے لئے ایک وثیقہ لکھ دیا تھا جس کو حضرت رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر کے سامنے پیش کیا تھا اور بیان کیا تھا کہ یہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وثیقہ ہے

جس کو آپ نے میرے اور حسن و حسین علیہم السلام کے لیے تحریر فرمایا ہے بالکل یہی عبارت تاریخ حبیب السیر اور تاریخ روضۃ الصفا میں بھی مرقوم ہے (ملخص از کتاب تشید المطاعن مطبوعہ ج 2 ع یا ص 343 ہبہ فدک کی یہ حقیقت حال تھی جو اتنے متواتر اور معتبر اسناد سے لکھی گئی۔ اب شبلی صاحب نے اس کے متعلق جلد دوم میں جو گلفشانی فرمائی ہے وہ یہ ہے۔ جلد دوم صفحہ 461 میں مرقوم ہے۔

بہر حال اگر متروکات میں تھیں تو یہی تین چیزیں کچھ زمین۔ سواری کے جانور اور ہتھیار زمین حضرت عمر بن حارث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے۔ وہ مدینہ، خیبر۔ اور فدک کے چند باغ تھے۔ مدینہ کی جائیداد سے بنونظیر کی جائیداد مراد ہے یا مخیریق نام ایک یہودی نے 3 ہجری میں (غزوہ احد کے موقع پر) آنحضرتؐ کو چند باغ وصیۃ ہبہ کر دیئے۔ مراد ہیں لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے یہ باغ اس وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے۔ (بحوالہ بخاری و فتح الباری جلد 6 ص 031، نیز بخاری میں کتاب المغازی ذکر نصیر ہے، فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شعیہ اور اہل سنت میں اختلاف ہے شیعہ کہتے ہیں یہ آپ کی ذاتی جائیداد تھی اور وراثت کے طور پر اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہیے (چاہتی) تھی اہل سنت کہتے ہیں کہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضہ میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپ نے خود اقرار فرمایا تھا کہ ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہے اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا حضرت عباس آپ کے چچا حضرت فاطمہ صاحبزادی اور اکثر ازواج مطہرات مدعی تھیں کہ اس جائیداد کو بطور درست تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائیداد کی آمدنی مختلف مدون میں متعین کر دی تھی بنونضیر کی آمدنی ناگہانی ضرورت کے لیے مخصوص تھی فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا اس میں سے جو بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین کے کام آتا تھا۔

آخر میں حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؑ اور حضرت عباس کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد ان دونوں کی تولیت میں دیدی تھی لیکن حضرت علیؑ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفا کے ہاتھ میں رہے۔ بحوالہ سنن ابوداؤد۔

پھر اسی صفحہ کے حاشیہ میں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دیا تھا۔ سیرۃ النبی جلد دوم 147

حقیقت تو چھپ ہی نہیں سکتی لیکن اس کے ساتھ اُس کے چھپانے کے انداز بھی نہیں چھپ سکتے شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کو پڑھ ڈالیے تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ کے دعوے کو نہ اسکی دلیل سے کوئی واسطہ ہے اور نہ آپ کے سلسلہ بیان کے ایک سلسلہ کو دوسرے سلسلہ سے کوئی مناسبت۔ یہی بے ربطی اس مسئلہ کی لاجوابی کی قطعی دلیل ہے حقیقت کا بے حقیقت، وجود کا لاوجود اور واقع کا غیر واقع ثابت کرنا محال ہے۔ آپ نے جس عنوان سے اس بحث کی ابتدا کی ہے وہ آپ کے اضطراب اور پیچ و تاب کو صاف بتلا رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

اگر متروکات میں تھیں تو یہی تین چیزیں کچھ زمین سواری کے جانور۔ اور ہتھیار" اگر کے حرف شرط سے آپ کا عنوان بیان ظاہر کر رہا ہے کہ آپ متروکات سے رسولؐ کا ذکر کرنا نہیں چاہتے۔ اور انکو قطعی لا وجود سمجھتے ہیں۔ لیکن تمام کتابوں میں منقول و مذکور ہونے کی وجہ سے مجبور رہیں۔ دیکھیے حقیقت تھی۔ چھپ نہ سکی۔ آپ نے چھپانے کا قصد کیا۔ وہ بھی نہ ہوا اس طرح کہ آپ ہی نے اپنے ہی دست وقلم سے ڈھائی صفحوں کے رُو و پشت میں متروکات رسول صلعم کی تفصیلی فہرست قلمبند فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو جلد دوم مراز صفحہ 741 آ تا صفحہ 151۔ تو اگر تھیں کا جملہ شرطیہ پہلے لگانے سے کیا حاصل ہوا۔ بہرحال آگے چلیے۔

گویا آپ کی طومار تفصیل فہرست متروکات مندرجہ جلد دوم سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کے نزدیک اتنی چیزیں متروکات رسولؐ میں ثابت ہیں اب آپ کی یہ پیش کردہ فہرست ایک طرف رکھی جائے اور حضرت عائشہ کی وہ خاص روایت جس کو آپ نے سنن ابوداؤد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

ما ترك رسول الله دينارا ولا درهما ولا بعير ولا شاتا۔

آنحضرتؐ نے وقت وفات کوئی چیز از قسم دینار و درہم اور اونٹ اور بکری کے نہیں چھوڑی۔

ایک طرف رکھی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تصریح صدیقہ کے خلاف نبی صلعم کی وفات کے بعد گھر میں غضبا کے ایسی مشہور معروف اونٹنی موجود تھی۔ ایک خچر بھی تھا جس کا نام عفیر تھا ایک استر بھی تھا جس کا نام دلدل تھا اور غالباً آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سے لیکر معرکہ کربلا تک زندہ تھا۔ ایک گھوڑا بھی اصطبل میں تھا جس کا نام لخیف تھا۔ اور وہ بقول آپ کے ابی ابن عباس کے باغ میں بندھتا تھا اور جسکا ذکر امام بخاری نے کتاب الجہاد میں کیا ہے ان کے علاوہ اسلحات بھی تھے۔ اور متعدد جنکے جدا جدا نام آپ نے اپنی فہرست مندرجہ میں گنوائے ہیں۔ تو اب آپ کی طویل فہرست حضرت عائشہؓ کی مختصر حدیث سے مقابل کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی پیش کردہ فہرست ام المومنین کی حدیث کی مخالفت ہے اَوَلَم مومنین کی حدیث آپ کی فہرست کی معارض، تو اب دونوں میں سے کس پر اعتبار کیا جاوے تدوین کتاب کے وقت یا تو ام المومنین کی حدیث کی نقل کافی سمجھی جاتی۔ اپنی فہرست رکھ دی جاتی یا اپنی فہرست لکھی جاتی اور ام المومنین والی حدیث نہ کر دی جاتی۔

شاید یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں بعیر (اونٹ) کا لفظ ہے۔ ناقہ (اونٹنی) کا لفظ نہیں ہے۔ اور یہاں اونٹنی (غصباء) پائی جاتی ہے۔ اسی طرح گدھے خچر۔ اور گھوڑے کی موجودگی کے لیے یوں بات بنائی جائے کہ حدیث عائشہؓ میں تو صرف اونٹ اور بکری کا نہ ہونا لکھا ہے۔ دوسرے جانور کا ذکر نہیں۔ تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور ایک بچہ بھی آپ کو سمجھا سکتا ہے کہ یہ تاویلات بالکل لغویات ہیں۔ اور سراپا مہملات بقول غالب مرحوم۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔

اتفاق فریقین منقول ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دلدل اس طرف اس طرف دوڑنے لگا تو عمر سعد نے یہ دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ اس کو احتیاط سے پکڑ لو اور آرام سے رکھو اس لیے کہ مرکب رسول صلعم ہے، خیریت سے کوئی صاحب حق گو بھی وہیں موجود تھے

کہنے لگے تعجب ہے کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے کو تو ذبح کر دیا کوئی تعظیم نہیں کی اور نہ انکا کوئی اور خیال تجھ کو آیا۔
اب اس خچر کی تجھے اس قدر تکریم و منزلت اداب واحترام اور آرام و حفاظت منظور ہے۔ فاعتبرو (المولف عفی عنہ)
حدیث عائشہؓ کے خلاف جو حدیث آپ نے بخاری کی کتاب الجہاد سے بحوالہ عمر بن حریث لکھی ہے وہی آپ کے مطلب کے لیے بالکل مفید تھی کیونکہ اس میں جعلها صدقة کا فقرہ موجود تھا۔ اور یہی آپ کی تمام قلمکاریوں کا اصل مدعا تھا۔ حدیث عائشہ میں تو یہ فقرہ موجود بھی نہیں۔ اور اس میں اتنے مناقضات واختلافات موجود تھے تو پھر اس حدیث عائشہ کو عمر بن حریث کی موجودگی میں لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ کے اس خلط مجث اور اجتماع اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ بیان واستدال میں ضعف و بے ربطی پیدا ہو گئی۔ وہاں کوئی اونٹ یا کوئی جانور نہیں تھا۔ یہاں اصطبل میں مختلف جنس وقسم کے اتنے جانور نکل آئے۔
شبلی صاحب نے متروکات کی فہرست ابھی تمام نہیں کی۔ دو چیزیں اور نکال لائے۔ ایک خاتم اور ایک عصائے مبارک جن کی نسبت یہ تفصیل کی گئی ہے۔
استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ (اصل تو اس کا لکھنا اور ترتیب خلافت کی بنیاد قائم کرنا تھا مولف) کے قبضے میں، لیکن انہیں (عثمان کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں) انگوٹھی تو حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے مبارک جہجاہ غفاری نے توڑ ڈالا۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص 151۔
اب یہ دونوں چیزیں ملا کر مجموعاً اکتیس (31) چیزیں متروکات رسولؐ میں آپ کے نزدیک ثابت ہوئیں اب اس تفصیل کے بعد مساکن مبارک کے متعلق ذیل میں تحریر ہے۔
مدینہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرتؐ حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرما رہے ہیں اثنا میں آپ تنہا تھے اہل وعیال مکہ میں تھے جب آپ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے۔ اور اس وقت آدمی بھیج کر آپ نے اہل وعیال کو مکے سے بلوالیا اور ان ہی حجروں میں اتارا، آخر ایام میں آنحضرتؐ کی نو بیویاں تھیں۔ اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جس میں نہ صحن تھے نہ دالان نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے۔ ہر حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ کی نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ انہیں شگاف ہو گیا تھا۔ اور ان سے اندر دھوپ آتی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتیوں سے بنی ہوئی تھی بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمل لپیٹ دیئے جاتے تھے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کنواڑ ہوتا تھا آنحضرتؐ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے۔ دن کو عموماً اصحاب کی مجلس میں مسجد میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔
ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا جسکو احادیث میں شربہ کہتے ہیں 9 ہجری میں جب آپ نے ایلا کیا تھا۔ اور تیز گھوڑے پر سے گر کر چوٹ کھائی تھی تو ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی۔ اس بالا خانہ پر سامان آرائش کیا تھا۔ ایک چٹائی کا بستر چمڑے کا ایک

تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔اوراِدھراُدھرچندکھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔

شبلی صاحب نے یہ کیا کیا! متروکات کی ذیل میں انکوبھی لکھ دیا مصلحت اورضرورت تو یہ تھی کہ انکاذکرہی نہیں فرماتے۔اوران کو نہ رسول کا بنوایاقراردیتے اورنہ تیارکرایابتلاتے جب لکھ دیا تو وہی حضرت عبداللہ بن عباس والی تعریفی شعرکی بحث چھڑجائے گی۔

ولها التسع من الثمن وعلى كل تصرفت

یعنی اُن کا حصہ تو آٹھ میں نواں تھا لیکن اُنہوں نے کل پر قبضہ کرلیا

آپ کے سلسلے بیان سے یہ امکانات ازدواج مطہرات بھی متروکات وتملیکات رسول اللہ ﷺ میں داخل تھے بحمداللہ آپ نے ایک بہت بڑے مسئلہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی۔یہ آپ کی عدالت ہو یا وہی حقیقت جو نہ چھپائے (الحق يعلوا والايعلى)

اس لیے آپ کی شہادت وتصدیق کی بنا پر یہ قطعیات خانہاے ازدواج مطہرات جناب رسالتمآب ﷺ کی ان تملیکی اراضیات میں شامل ہونا چاہیے۔جو مدینہ میں آپ کے قبضہ (تصرف میں قائم تھیں جن کو آپ ان مختصرات میں بیان فرماتے ہیں)۔

حضرت عمر بن حارث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے۔وہ مدینہ خیبر اورفدک کے چند باغ تھے۔مدینہ کی جائیداد سے بنونضیر کی جائیداد کی مراد ہے یا مخریق نام ایک یہودی نے 3ہجری میں (غزوہ احد کے موقع پر آنحضرتؐ کو چند باغ وصیۃً ہبہ کردیئے تھے۔وہ مراد ہیں لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ باغ اُسی وقت مستحقین کو تقسیم کردیئے۔(جلددوم ص741)

پھر چارسطروں کے بعد اسی صفحہ میں لکھا جاتا ہے۔کہ بنونصیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔

ابھی ابھی آپ لکھ چکے ہیں کہ مدینہ کی جائیداد سے بنونضیر کی جائیداد مراد ہے صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ باغ اس وقت مستحقین کو تقسیم کردیئے۔تو پھر بنونضیر کی وہ اورکون سی جائیداد نکل آئی جس کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔وہ جائیداد تو بنونضیر کے وہی نخلستان تھے جو بقول آپ کے اسی وقت مستحقین پر تقسیم کردیئے گئے۔

آپ نے بھی اس کو بے دیکھے نہیں لکھا ہے بلکہ بخاری باب فرض الخمس اورنیز بخاری باب المغازی ذکرنضیر سے نقل فرمایا ہے پھر بخاری کے اس اجمال بیان انکشاف کی غرض سے لکھا ہے کہ ان باغوں کی تفصیل کے لیے فتح باری جلد6 ص041 دیکھو۔

معلوم ہوا کہ یہ سب املاک رسولؐ باغات ہی تھے۔تو اس بنا پر جائیداد بنی نضیر بھی باغات ہی ہونگے خیر بہرحال ثمرہ ہوں یا غیر ثمرہ باغات اس سے بحث نہیں۔وہ تو بقول آپ کے نیز بقول بخاری اورابن حجر صاحب کے سب کے سب صدقہ ہوگئے اوراس وقت مستحقین کو تقسیم بھی ہوگئے۔تو پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آمدنی کس کی آئی تھی جو ناگہانی مصارف میں اُٹھائی جاتی تھی۔آپ نے ان دونوں منافق ومتضاد بیان کو ایک ساتھ لکھ دیا ہے مشکل ہے کس کو صحیح مانا جائے اورکس کو غلط،تاوقتیکہ آپ اپنی اس غلط نگاری کی یوں تاویل نہ فرمائیں کہ آنحضرتؐ نے صرف وہی چند باغ صدقے میں مستحقین کو تقسیم کیے تھے۔جو بقول آپ کے مخریق نام ایک یہودی نے 3ہجری میں (غزوہ احد کے موقع پر آنحضرت صلعم کو وصیۃً ہبہ کودیئے تھے۔واقعیت اورراصلیت معلوم ہونہیں سکتی۔

لیکن افسوس ہے کہ آپ ایسی تاویل کرہی نہیں سکتے۔اس لیے کہ آپ کا مقصود ولانورث ماترکناه صدقة کو ثابت

اور بنیادِ خلافت کو قائم کرنا ہے۔ پھر آپ کا قلم حقیقت نگاری کی طرف کیسے چل سکتا ہے۔ لیکن پھر ہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں کہ آپ سے حقیقت چھپ نہ سکی آخر قدرت کے دست جبروت نے آپ سے لکھوا ہی چھوڑا کہ بنی نضیر کی جائیداد کی آمدنی (قبضہ رسول میں رہ کر) ناگہانی مصارف میں اٹھائی جاتی تھی۔ یعنی نہ صدقہ ہوتی تھی اور نہ مستحقین پر تقسیم کی گئی تھی۔

اب اس بحث کو دوسرے پہلو سے بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ کی اس عبارت سے کہ مدینہ کی جائیداد سے بنونضیر کی جائیداد مراد ہے۔ یا مخریق نامی ایک یہودی نے 3 ہجری میں۔ (غزوہ احد کے موقع پر) آنحضرتؐ نے یہ باغ اس وقت مستحقین کو تقسیم کردیئے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو باغات اس وقت مستحقین پر تقسیم کردیئے گئے۔ وہ وہی تھے جو اُس یہودی نے آپ کے نام سے وصیت کرکے ہبہ کردیئے تھے۔ جیسا کہ آپ کے آخری حصہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مشرک کا یہ قبول کرنا استغنائے رسالت کے خلاف ہے جیسا کہ آپ خود حکیم بن خرام کے جبہ والے واقعہ میں لکھ کر اقرار کرچکے ہیں (سیرۃ النبیؐ جلد اول 144) لیکن چونکہ یہ ہبہ وصیت کے ذریعہ سے کی گئی تھی۔ اور کافر تک کی ادائے وصیت لازم وواجب ہے اس لیے یہ ہبہ قبول تو کرلی گئی مگر شی وھوبہ۔ اس وقت مستحقین پر تقسیم کردی گئی۔ جیسا کہ آپ اپنی صحیح روایتوں کی اسناد سے لکھتے ہیں۔

اس میں بنونضیر کی جائیداد کا تو ذکر اشارتاً و کنایۃً بھی کہیں نہیں ہے شبلی صاحب خواہ مخواہ ''یا'' کا حرف مشترک فیہ بڑھا کر۔ یہودی کے ان باغات وھوبہ کے ساتھ بنی نضیر کی جائیداد کو بھی تقسیم علیٰ مستحقین کے واقعہ میں شامل کیے دیتے ہیں حالانکہ اس قیاس واشتباہ کا تصفیہ علامہ زرقانی کامل طور سے کرچکے ہیں۔ شرح زرقانی ص 001 مطبوعہ مصر کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قال الغنوی کان یزرع تحت النحیل فی ارضھم فیذخر من ذلك قوت اھله وازواجه سنته وما فضل جعله فی الکراغ والسلاح انتھی فھذ اصریح فی انه لم یقسم الارض التحل بین المھاجرین بل الدور والاموال۔

علامہ غنوی کہتے ہیں کہ ان باغات (بنونضیر) میں کھیتی ہوتی تھی اس کی آمدنی سے آپ کی اہلبیتؑ اور ازواج کے سال بھر کھانے پینے کا سامان ہوتا تھا جو فاضل ہوتا تھا۔ وہ لشکرکشی اور صلاح کے مصارف میں لایا جاتا تھا زرقانی کہتے ہیں کہ اس سے صریح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کی زمین (مستحقین پر) مہاجرین پر تقسیم نہیں فرمائی تھی۔ صرف اُن کے مال اور گھر جو دستیاب ہوئے تھے۔ وہی تقسیم ہوئے تھے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے زرقانی کے اس صریح فیصلہ کے بعد بھی جائیداد بنی نضیر کو بھی جائیداد تقسیم شدہ کی فہرست میں داخل کردیا۔ حالانکہ شرح زرقانی جیسا کہ معلوم ہوتا ہے۔ سیرۃ النبیؐ کی تالیف کے وقت ہر وقت پیش نظر تھی۔ مگر ہم آپ کے تغافل موئفانہ کو تجاہل عارفانہ کے معنوں میں لیں گے۔ اس لیے کہ ممکن نہیں کہ زرقانی کی مرقومہ بالا عبارت آپ کی نظر سے نہ گذری ہو اور حقیقت حال آپ کو نہ معلوم ہوئی ہو لیکن ماترکنا صدقه کی تقلید اسلاف اور تعلیم اخلاف کی تاکیدوں نے آپ کو مجبور کردیا اور آپ کسی طرح

اُسکے لکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔

صرف یہی نہیں کہ آپ نے اس کو نہیں لکھا۔ بلکہ بڑی دلیری سے اس کے مصارف کو بھی بدل دیا۔ زرقانی کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس (بنی نضیر کی) جائیداد کی آمدنی سے پہلے ازواج اور اہل بیتؑ کا سالانہ خرچ نکالا جاتا تھا۔ اور جو اُس سے بچتا تھا وہ ترتیب لشکر کی ضرورت اور خرید اسلحہ جات کے مصارف میں اٹھایا جاتا تھا۔ آپ کہتے ہیں بنو نضیر کی جائیداد آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔ ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ کہاں اہل وعیال اور اسکے بعد ترتیب لشکر کی ضرورت۔ کہاں امور اتفاقیہ اور غیر متوقع ضرورتوں کی صورت۔ کوئی صحیح الدماغ بتلا سکتا ہے کہ دونوں مصارف ایک ہی تعریف کے اندر آتے ہیں لطف تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے اس بیان تحریری پر کسی حوالہ ثبوت کا نمبر بھی نہیں لگایا ہے ملاحظہ ہو جلد دوم ص 741 اس سے تو یہ مضمون طبع زاد خاص معلوم ہوتا ہے۔ الغرض بنی نضیر کی جائیداد کا کسی عنوان سے تقسیم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ وہ جناب رسولخداصلعم کے خاص قبضہ تصرف میں رہی اور آپ اس کو اپنی تجویز سے حسب ضرورت صرف فرماتے رہے۔

خیبر کی آمدنی کے مصارف میں بھی آپ نے تنہا ابوداؤد کی روایت پر اعتبار کیا ہے اور اسکی آمدنی میں جو خاص بیت المال کی رقم تھی مصارف اہلبیتؑ کو اس غرض خاص سے شامل کردیا ہے کہ عامۂ اُمت کے ساتھ ان کی مساوات اور تعمیم ظاہر ہو۔ اور انکے لیے کسی رقم مخصوصہ کی تعیین قائم نہ ہونے پائے۔ یہ سب فدک کی ضبطی کا دیباچہ ہے۔

بہر حال جب ابوداؤد کے اس قول پر جسکو آپ نے اپنا نظریہ بنایا ہے تحقیق کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کی جائیداد اس وقت عام مسلمین پر تقسیم ہو گئی۔

خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر تقسیم کردی گئی اسی میں آنحضرتؐ کا خمس بھی تھا۔

باقی رہیں وہ زمینیں جو یہودیوں کی خاص کاشت میں تھیں ان کی نسبت یہ قرار پایا۔ جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں فتح مکہ بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کرلیا گیا۔ لیکن یہود نے درخواست کی زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔

ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرینگے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ کٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کرکے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو ص 852۔

خیبر کی جائیداد میں نصف آمدنی تو قائم ہو گئی۔ اب اسکا خرچ دیکھنا ہے جلد اول میں خرچ کی کوئی تفصیل نہیں جلد دوم میں ابوداؤد کے حوالے سے یوں تفصیل کی گئی ہے۔

خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے دو حصے مسلمانوں کے لیے تھے۔ اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا۔ اس میں جو بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین کے کام آتا تھا۔ ص 147

مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ آپ کی یہ رقم کردہ تفصیل حدیث وتاریخ کی کسی کتاب میں پائی نہیں جاتی زرقانی کی ایسی جامع اور بسیط شرح بھی آپ کی تفصیل مرقومہ سے خالی ہے وہ بھی انہیں ابوداؤد کے قول سے صرف تنصیف کی صورت حال لکھتے ہیں۔ اور

کچھ نہیں۔

اخرجه ابوداؤد ان النبی صلعم لما قسم خیبر عزل نصفها لنوائبه وقسم نصفها للمسلمین۔

آنحضرت ﷺ نے نصف زمین خیبر ان کے مالکوں کیلئے چھوڑ دی اور مسلمانوں پر تقسیم کر دی۔ زرقانی ص382 مصر

محدث شیرازی لکھتے ہیں

منقول است که چون غدر یہود خیبر ظاہر شد و پیغمبر صلعم بترک قتل منت نہاد برایشان حکم فرمود از زمین خیبر بیرون۔ روید ایشان تضرع وزاری بسیار کردند و گفتند مسلمانان رابضرورت جماعتی مے باید که درین باغات کارکنند وغمخواری آنہا نمایند مارا باجرت بگیر ند تا باین خدمت قیام نمایم ودراصل ملک ہیچ دخل نداشته باشیم حضرت منت نہاده برایشان۔ بران کار تعین نمود و فرمود که ما ام باخواہیم این کارمی کنید وازہرچه حاصل شود نصفے باجرۃ العمل خویش بگیرید ونصف دیگر به بیت المال بسیار ہرسال عبداللّٰہ بن رواحه میفرستاد تا حاصل باغات ایشان بنگرد ونصفے که تعلق به بیت المال داشت از ایشان میگرفت۔

جب یہود کی غداری ظاہر ہوئی تو جناب رسالتمآب ﷺ نے ان کی جان بخشی فرما کر حکم دیا کہ خیبر سے نکل جائیں۔ تمام یہود گریہ وزاری کرنے لگے۔ اور یہ ہزار منت کہنے لگے کہ آخر مسلمانوں کو مزدوروں کی ضرورت ہوگی کہ ان کے باغات میں کام کیا کریں تو ہم کو یہاں رہنے دیا جائے ہم انکی مزدوری کیا کریں گے اور ہم کو ملک خاص میں کوئی دخل نہ ہوگا آنحضرت صلعم نے بطور احسان خاص ان کی استدعا کو قبول فرمالیا اور حکم کیا کہ جب تک ہم کو منظور رہے گا تم لوگ ہر کام کیا کرنا اور ان ارضیات کا نصف محاصل اپنی اجرت میں لے لینا اور نصف محاصل اسلام کے لیے ادا کرتے رہنا۔ چنانچہ ہر سال عبداللہ بن رواحہ آتے تھے ان کے محاصل باغات کا اندازہ کرتے تھے اور بیت المال کا آدھا حصہ وصول کر لیتے تھے۔ (روضة

الاحباب 693)

اس عبارت سے بھی آپ کی رقم کردہ تفصیل خرج نہ معلوم ہوئی۔

زرقانی نے ص 382 میں محدثین کی ایک جماعت کثیر کے اقوال جمع کیے ہیں مگر کسی قول سے آپ کی تفصیل نہیں ظاہر ہوتی آپ نے بھی سوائے ابوداؤد کے اور کسی محدث کا اصحاب صحاح سے قول لکھا ہے نہ ارباب سنن سے اس بنا پر آپ ہی کے مقرر کردہ اصول نقد روایات ونقل مرویات کے مطابق تو ابوداؤد کی اس روایت کو لکھنا ہی نہیں چاہتے تھا۔اس لیے کہ اس کی تفصیل کو نہ بخاری ہی نے لکھا ہے اور نہ مسلم نے۔

اصحاب حدیث کی تحقیق ہو چکی اب ارباب تاریخ کی تصریح ملاحظہ فرمائیے۔ابن ہشام اور طبری کے قدیم ماخذ بھی اس تفصیل سے خالی ہیں لیکن ابوالفدا نے اس تمام بحث کا حسب ذیل فیصلہ کامل کر دیا ہے۔

كان فتح خيبر فى صفر سنة سبع اللهجرة وسأل اهل خيبر رسول الله صلعم الفتح على ان يساقيهم على النصف من ثمارهم يخرجهم متى شآءُ ففعل ذلك وفعل مثل ذلك اهل فدك و كانت خيبر للمسلمين و كانت فدك خاضة لرسول الله صلعم لانها فتحت بغير ايجاب الخيل بغير حرب وضرب کے فتح ہوا تھا۔تاریخ احمدی ص 24۔

خیبر ماہ صفر 7 ہجری میں فتح ہوا اور اہل خیبر نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ ان کو ان کے باغات کے نصف پھل ملا کریں اور آنحضرتؐ جب چاہیں ان کو خارج البلاد کر دیں چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی اور ایسا ہی معاملا اہل فدک کے ساتھ بھی طے پایا خیبر کی آمدنی عام مسلمانوں کے لیے تھی اور فدک کی خاص رسول اللہ صلعم کے لیے اس لیے کہ وہ (فدک) بغیر حرب وضرب کے فتح ہوا تھا۔تاریخ احمدی۔

مرقومہ بالا عبارت میں کسی محدث ومؤرخ کے قول سے یہ تفصیل ظاہر نہیں ہوتی جو آپ نے تحریر فرمائی ہے اس لیے ابوداؤد کی یہ روایت یا تو متروک ہے یا بالکل منفرد۔مشکل تو یہ ہے کہ آپ ایسی جھوٹی اور وضعی مرویات بے خوف وخطر لکھتے چلے جاتے ہیں اور اسکی صحت پر اصرار بھی فرماتے ہیں چنانچہ اسی جھوٹی روایت کے سلسلہ میں دوسرے وضعی قصہ اور جھوٹے افسانہ کی کڑی ملاتے ہیں۔اور لکھتے ہیں۔

آخر میں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؑ اور حضرت عباس کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد دونوں کی تولیت میں دے دی تھی۔لیکن حضرت علی نے اس پر قبضہ کر لیا تھا147۔

اول تو آپ نے اس واقعہ ہی کو مبہم طریقہ سے لکھا ہے۔تفصیل کچھ نہیں اس لیے کہ اصل واقعہ کی حقیقت نہ معلوم ہو۔اس واقعہ کی

حقیقت ہی یہی ہے کہ واقعہ کا واقعہ قصہ کا قصہ ہی ہے جو اصل ہے اسکو آپ خود لکھ کر تسلیم فرما چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت علیؑ اور حضرت عباس کے درمیان مشاجرت ثابت کرنے کی غرض خاص سے وضع کیا گیا ہے اور خاص طور پر معاویہ شاہی دارالمصنفین کی صناعت ہے اس کے ثبوت میں کہ حضرت علیؑ سے مسلمانوں میں ایسی عام ناراضی اور نفرت پھیلی ہوئی تھی کہ ان کے گھر والے تک ان سے راضی وخوشنود نہیں تھے۔ مسلم نے غضب کیا کہ اس کو اپنی صحیح میں لکھ دیا لیکن انکے شارحین نے فوراً اس روایت کی ردوقدح کر دی چنانچہ خود اُسکی نسبت دیباچہ ص 54 میں لکھتے ہیں۔

صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الفئی میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اقض بيني وبين هذا الكاذب الاثم انعاد الخائن میرے اور اس جھوٹے مجرم دھوکے باز اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ چونکہ حضرت علیؑ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخے میں سے یہ الفاظ نکال ڈالے (بحوالہ نووی شرح صحیح مسلم۔ ذکر حدیث مذکور)

علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں اذا نسدت طوق تاويلها نسبنا الكذب الى رواتها۔ جب اس حدیث کی تاویل کے سب راستے بند ہو جائیں گے تو ہم اس کے راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔

(بحوالہ نووی شرح صحیح مسلم کتاب الجہاد و باب الفئی) دیباچہ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۵۴۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب یہ سب طومار لکھ کر اور ان منفریات کی تنقید و تردید فرما کر بھی ان موضوعات کی طرف بطور تصدیق تلمیح واشارہ فرماتے ہیں گویا اپنے مستر دفیصلہ کو پھر اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہیں یہ کس قدر مولف کی دیانت کے خلاف ہے۔

فدک کی آمدنی

فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ آمد برسر مطلب اس تفصیل وطویل تصریح کی غرض یہی تھی کہ لانورث ماترکناہ صدقۃ کی بنیاد قائم ہو جائے۔ داریم رواچوار وامی داروآبادی دیگران زبربادیما

اچھا تھوڑی دیر کے لیے یوں ہی سہی فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی لیکن شبلی صاحب سے اتنی عرض ہے کہ یہ کس حوالہ اور کس سند سے لکھا جاتا ہے آپ نے تو اس عبارت پر کسی حوالہ کا نشان بھی نہیں لگایا ہے اور اس طرح بنی نضیر کی جائیداد کی تفصیل خرچ کو بھی بلا سند وحوالہ چھوڑ دیا۔ تو ایسی حالت میں تحقیق کے متلاشی آپ کے اس قول کو طبع زاد خاص نہ سمجھیں تو کیا کریں۔ اگر کوئی سند ہوتی کوئی حوالہ دیا گیا ہوتا تو اُسکے معتمد غیر معتمد مستند غیر مستند ہونے کی حقیقت معلوم کی جاتی۔ آپ نے تو عام مسلمانوں کو مرعوب بنانے کے لیے اپنا تحکمانہ قول لکھ کر تحقیق کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ حالانکہ اس وقت حدیث وتاریخ کی جتنی کتابیں میرے پیش نظر ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ فدک کی آمدنی خاص مسافروں کے لیے وقف تھی۔ اعلیٰ الاتفاق سب نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کی طرح فدک کے یہود سے بھی شرط تنصیف پر مصالحت کر لی گئی نصف محاصل یہودان فدک لیتے تھے اور نصف خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاتے تھے۔ اس لیے کہ فدک بغیر لڑے حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور طبری اور ابوالفدا وغیرہ ہم کے اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے۔

آپ خود اسکے مخالف لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ جلد دوم 264 کی حسب ذیل عبارت۔

رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلال نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا۔ پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر اطلاع کی آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا۔ بولے ہاں کچھ بچ رہا ہے فرمایا جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلال نے عرض کیا۔ میں کیا کروں کوئی سائل نہیں ہے آنحضرتؐ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن بلال نے آکر کہا یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا۔

حالانکہ یہ روایت بھی مرفوع ہے لیکن شبلی صاحب کی تصریح کی بھی مخالفت ہے اس لیے ہم صرف مخالفت مدعا کے ثبوت میں اس کو استدلالاً پیش کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ فدک کی آمدنی مخصوص مسافروں کے لیے وقف تھی۔ اور یہاں اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ کے ذاتی قرض کی ادا کاری میں اُٹھالی گئی جو بچ رہی وہ بلال نے اپنی تجویز اور اسے سے بلا امتیاز مسافرین عام فقراء محتاجین میں تقسیم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبکدوش کر دیا۔ اس روایت نے ثابت کر دیا کہ محاصل فدک مسافروں کے لیے مخصوص نہیں تھے بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی مصارف میں لائی جاتی تھی اور عام فقراء محتاجین کو بھی دی جاتی تھی۔ شبلی صاحب ذرا لکھتے وقت آگے پیچھے کا بھی خیال رکھا کیجئے ہم کو بحث فدک لکھنا منظور نہیں۔ کیونکہ اس بحث کا یہ مقام نہیں ہے ہم کو تو صرف آپ ہی کے بیان سے اس واقعہ کی حقیقت دکھلائی ہے۔

یہ امر تو گویا مسلم ہو چکا ہے کہ نظم خلافت کی ابتدا ہی سے فدک کی جائیداد خاندان رسالت کے خالصہ سے نکل کر خلافت کے اموال اجمال میں مل گئی تھی بہتریوں ہی سہی اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قرار داد وقف اجمال اور صدقہ عام کی حیثیت سے نکال کر بھی یہ جائیداد خالصہ کی صورت میں کبھی آئی یا نہیں؟ اور کسی خلیفہ رسولؐ نے اس پر سے اپنا متولیانہ قبضہ وتصرف کسی غیر خلیفہ شخص کو دیا یا نہیں؟

جب اسکی تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کل دو ڈھائی برسوں کے بعد ہی جس طرح طریقہ انتخاب بالا جماع کا اصول تعین خلیفہ کے لیے استخلاف کے قاعدے پر عدل دیا گیا اسی طرح تھوڑے ہی دنوں کے بعد خلیفہ نے ان جائیداد کے متوالیانہ قبض وتصرف میں تغیر وتبدیل پیدا کر دیا۔ جیسا کہ جائیداد بنی نضیر کو جو فدک ہی کی طرح ناگہانی ضرورتوں کو لیے مخصوص تھی بقول آپ کے حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو دے دی سنت رسولؐ کی اتباع ہی خلیفہ رسول کا اختلاف کیسا؟

شبلی صاحب خود اس بحث کے عنوان میں (ص 741 ج 2) بڑے شد ومد سے لکھ چکے ہیں۔

یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا۔ حضرت عباس آپ کے چچا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آپ کی صاحبزادی) اور اکثر ازواج مطہرات مدعی تعین کہ اس جائیداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا یہ وقف عام ہے آنحضرتؐ خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں انکی آمدنی صرف کرتے تھے اس میں تغیر نہ ہوگا۔

تو جناب والا۔ عرض ہے کہ یہ تغیر کیسا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اپنی مقدس حیات کے زمانہ میں اس کی تولیت نہ حضرت عباسؓ ہی کو دی تھی۔ حضرت علیؓ کو عنایت فرمائی تھی۔ بلکہ بقول آپ کے متولیانہ حیثیت سے اپنی ہی ذات مبارک تک محدود ومخصوص رکھی۔

آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ بطور متولی قابض رہے لیکن انکے بعد بقول آپ کے حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوکر خلاف اتباع رسول وتقلید حضرت صدیق۔غیر خلیفہ اشخاص کو اس جائیداد موقوفہ مسلمین کا متولی کردیا۔پھر اس صورت میں خود بدولت کیا رہے؟ اور رہے بھی تو کس مصرف کے؟ تعجب ہے کہ صحابہ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کو مستحسن سمجھ کر کیسے قبول کرلیا۔

بہر حال چونکہ ہم عباس اور علیؑ کی اس تولیت کے واقعہ کو افترائے محض ثابت کرچکے ہیں اس لیے ہم اسکی بحث میں زیادہ الجھنا نہیں چاہتے۔شبلی صاحب اوران کے سویدین جو اس موضوع روایت کے قائل ہیں حضرت عمر کے اس عمل خلافت سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعمل صدیق کے لیے جواب دہ ہیں۔وہ جانیں اور حضرت عمر۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تو اس کی تولیت کی تبدیلی کی یہ حالت دکھلائی گئی حضرت عثمان کے دوران خلافت میں تو یہ تولیت بالکل خالصہ شخصی کیا؟ ملکیت ذاتی کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔اور برابر تین پشت تک بطور وراثت منتقل ہوتی رہی حضرت عثمان نے بڑی فیاضی اور کشادہ دلی سے فدک کو مروان کو عطا فرمایا۔ابن ابی شحنہ روضۃ الناظرین میں لکھتے ہیں۔ ۳۴ ؁ ہجری میں عثمان بن عفان نے فدک کی جائیداد مروان بن حکم کو عطا فرمادی۔

وفی سنۃ اربع وثلثین اقطع عثمان بن عفان مروان بن الحکم فدك۔

علامہ ابن عبد بر عقد الفرید میں تحریر فرماتے ہیں۔

مما نقم الناس عثمان انہ ادی طرید رسول اللہ صلعم الحکم بن ابی العاص ولم یودہ ابوبکر ولا عمر وسیر اباذر الی الربذۃ (الی ان قال۔) وتصدق رسول اللہ صلعم نمبرزون (موضع سوق المدنیہ) علی المسلمین واقطعھا الحارث بن الحکم اخا مروان واقطع فدك مروان۔

مؤرخ ابوالفداء لکھتے ہیں۔

جن باتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں حضرت عثمان کی جانب سے کینہ اور پیدا کردیا ان میں سے بعض یہ ہیں کہ حضرت عثمان نے حکم بن عاص مردود بارگاہ نبوی کو اپنی عاطفت میں پناہ دی جس کو حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد میں پناہ نہیں دی تھی۔اور ابوذر غفاریؓ کو صحراے ربذہ میں نظر بند کیا۔نیز موضع پناہ نہیں پناہ نہیں دی تھی۔اور ابوذر غفاریؓ کو صحراے ربذہ میں نظر بند کیا۔نیز موضع مزوین (مدینہ میں ایک بازار تھا جسے رسول مقبولؐ نے مسلمانوں پر صدقہ کیا تھا) حارث احکم برادر مروان کو عطا فرمادیا۔اور مروان کو فدک عطا کیا)

ومما نقم الناس علیہ ردۃ الحکم بن العاص طھید رسول اللہ ابوبکر وعمر ایضاً واعط اوہ مروان بن الحکم خمس غنائم افریقیہ وھو خمس مائۃ الف دینار الی ان قال) واقطع مروان بن الحکم فدك۔

جن باتوں نے لوگوں کو حضرت عثمان پر برانگختہ کیا وہ یہ ہیں کہ انہوں نے حکم بن عاص کو بلا لیا جسے حضرت رسولؐ اللہ نے مردود کر کے نکلوا دیا اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی وہ مردود رہا نیز حضرت عثمانؓ نے مروان کو خمس غنائم افریقہ عطا کیا جس کی آمدنی پانچ لاکھ دینا تھی اور اسی (مروان) کو فدک بھی عنایت کیا۔ بحوالہ تاریخ احمدی ص 441۔

جناب رسالتمآب ﷺ کے خالصہ کے بعد فدک پھر مروان کا خالصہ قرار پایا گویا 24 برسوں کے بعد یہ پھر اپنی اصلی حالت پر بظاہر آیا۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ فدک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وقت تک خلفاء کے قبضہ میں رہا۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ حضرت عثمانؓ کے وقت ہی سے یہ مروان کی ملک قرار پا گیا پھر مروانی خلفا کے سلسلہ میں عمر ابن عبدالعزیز تک خلافت کی رعایت سے نہ پہنچا بلکہ وراثت کے فرمان سے ہے ان کے مابعد کے طرز عمل سے آپ کہاں تک صحیح اور سچی ثابت کر سکیں گے اس کا جواب شبلی صاحب کے ذمہ ہے مسلمین کی حقوق قرار پا چکی تھی۔ اور بقول آپ کے جناب رسول خدا صلعم بھی اسکے محاصل کو انہیں مصارف میں اٹھاتے تھے پھر آپ کے خلفا کو باین ادعای اتباع سنت رسولؐ اس میں ذاتی تصرف وتغیر کا کس کو حق حاصل تھا۔

اب رہا یہ امر کہ حجرت عمر نے جائیداد مدینہ بقول آپ کے حضرت عباس وحضرت علی کو دیدی۔ یا عمر بن اعبدالعزیز نے سادات کو واپس دیدی تو اس کو یوں سمجھے کہ یہ وہی حقیقت تھی جو نہ کسی سے چھپی ہے اور نہ چھپ سکتی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب ہوں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز حقیقت کو جان جان کر سب چھپاتے تھے لیکن یہ اُسی حقیقت کا اثر تھا کہ وہ انہیں کے عملیات واعترافات سے ظاہر ہو جاتی تھی۔ اور کرشمہ قدرت پتھر سے روشنی نکا کر دنیا کی غافل نگاہوں میں انوار حقیقت کی جلوہ نمائی کرا دینا تھا۔

شبلی صاحب نے یہاں بھی ذکر اہلبیتؑ سے باز رہنے کے لیے اپنی حد درجہ کی قلمی احتیاط دکھلائی ہے لکھا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دے دیا تھا۔ حاشیہ ص 741)

نہیں معلوم آپ نے باغ فدک کو فدک کے خرمے سمجھا ہے یا گیا کہ ٹوکرہ اٹھایا اور سادات کو لٹا دیا وہ ارضیات تھیں جن میں نخلستان تھے جن کی کافی محاصل رسولؐ کی خدمت میں آتی تھیں جسے آپ خود بلال والی روایت میں بیان کر چکے ہیں وہ جائیداد اگر چہ عموماً سادات ہی کے مصارف کے لیے واگذاشت کی گئی تھی۔ مگر ان میں سے کسی بزرگوار کے انتقام واہتمام میں دی گئی ہوگئی آپ اپنی سنن ابی داؤد کھولکر دیکھیں جن کو فدک کی جائیداد واپس دی گئی تھی۔ وہ راس الرئیس سادات واہلبیتؑ طاہر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تھے۔

ردشمس کا مشہور ومعروف واقعہ

فدک کے حالات کو تمام کر کے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ خیبر اور مضافات وادی القریٰ کے معاملات کو بروایتے ایک مہینے کی مدت میں باطمینان تمام ختم فرما کر مرکب رسالت سعادت فرمائے سمت مدینہ ہوا۔ منزل صہبا میں پہنچ کر ردشمس کا مشہور ومعروف واقعہ مشاہدہ میں آیا۔

الٰہی تیرے عبد خاص علی نے تیرے نبیؐ کے لیے ایثار نفس کیا اس کے لیے آفتاب کو بار دیگر طالع فرما۔ اسماء کہتی ہیں کہ ناگہان آفتاب نکلا اور اُسکی شعاع پہاڑوں اور زمین پر ضیاء فگن ہوئی۔ اور حضرت علیؑ نے وضو کر کے نماز عصر پڑھی اس کے بعد پھر آفتاب غروب ہوگیا۔

قاضی عیاض شعار ہیں لکھتے ہیں

عن اسماء بنت عميس ان النبی صلعم كان يوحی اليه وراسه فی حجر علی علیہ السلام فلم يصلی العصر حتی غربت الشمس فقال النبی اصليت ياعلی علیہ السلام قال لافقال اللهم انه كان فی طاعتك وطاعة رسول لك فارددعليه الشمس قالت اسماء فرأيتها طلعت بعد ماغربت ووقفت علی الجبال والارض وذلك بالصهباء من خيبر۔ تاریخ احمدی ص 64۔

اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کا سر مبارک حضرت علی کے زانو پر تھا۔ اسی حالت میں رسول مقبول پر وحی کا نزول ہوا جس کی وجہ سے حضرت علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے پس جب وہ حالت نزول وحی رافع ہوگئی تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تم نے نماز عصر پڑھی ہے تو انہوں نے کہا نہیں پڑھ سکا آنحضرت صلعم نے مناجات کی کہ خداوند علی تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مصروف تھا۔ اُس کے لیے آفتاب کو بار دیگر طالع فرما اسماء کہتی ہیں کہ ناگہاں دیکھا میں نے کہ آفتاب نکل آیا جس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں اور یہ واقعہ مقام صہباء کا ہے جو خیبر کی راہ میں ہے۔

اس واقعہ کو صرف امام طحاوی اور قاضی عیاض ہی نے لکھا بلکہ علامہ ابن مغازلی علامہ حموینی اور موفق ابن احمد خوارزمی نے بھی یونہی لکھا ہے اور کتاب الارشاد میں یہ واقعہ حضرت ام سلمہ اسماء بنت عمیس جابر بن عبداللہ اور ابوسعید خدری وغیرہ ہم اکثر صحابہ کی زبانی منقول ہے بلکہ صاحب کتاب الارشاد نے تو حسان بن ثابت کی زبانی اشعار بھی اس واقعہ کے متعلق نقل کیے ہیں۔

يآقوم من مثل علی وقد
ردت عليه الشمس من غائب

کون شخص علی کے مثل ہوسکتا ہے جس کے لیے آفتاب غروب ہوکر پھر طالع ہوا

اخو رسول الله وصهره
ولاخ لايعدل بالصاحب

وہ رسول اللہ کے بھائی بھی ہیں اور داماد بھی بھائی کا موازنہ دوستوں کے ساتھ نہیں سکتا۔

وهذا الحديثان ای شق القمر ور
دالشمس ثابينان ورواتهما ثقاة۔

یہ دونوں حدیثیں القمر اور رد الشّمس ثابت ہیں اور ان کے رواۃ ثقاۃ ہیں۔

علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں

ومن کراماته الباهرة ان الشمس ردت اليه لما کان راس النبی صلعم حجره والوحی ينزل عليه وعلی لم يصل العصر وغربت الشمس فلما سری الوحی عنهﷺ فقال اللهم ان عليافی طاعتك وهاعة نبيك فارددعليه الشمس فطلعت بعد ماعزبت صححه الطحاوی والقاضی فی الشفاء وحسنه شيخ الاسلام ابوذرعه وتبعه غيره۔

جناب علی مرتضی علیہ السلام کی کرامات باہرہ میں سے آفتاب کی رجعت ہے اور اُسکا واقعہ یوں ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک ان کی گود میں تھا اور آپ پر نزول وحی کی حالت طاری تھی۔ اور حضرت علیؑ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ اور آفتاب غروب ہو چکا تھا جب آنحضرتؐ حالت وحی سے فارغ ہوئے تو آپ نے خدا سے دعا فرمائی کہ الٰہی علی تیری اور تیرے نبیؐ کی طاعت میں تھا تو اُسکے لیے آفتاب کو پھیر۔ تو آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہو گیا۔ اس حدیث کو طحاوی نے صحیح بتلایا ہے اور قاضی نے شفاء میں بھی نقل کیا ہے اور شیخ الاسلام ابو ذر نے بھی اس کو حسن لکھا ہے اور بہت لوگوں نے شیخ لاسلام کی اتباع میں اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو ینابیع المودۃ فی القربی مطبوعہ بمبئی ص 411)

محدث دہلوی شاہ عبدالحق صاحب نے بھی مدارج النبوۃ مرقومہ بالا تصریح و تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمدی ص 16 لکھنوی)

محدث شیرازی۔ حافظ جمال الدین فضل اللہ شیرازی نے روضہ الاحباب میں بھی اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور نقل روایت کے بعد اسکی تصدیق و توثیق کی نسبت یہ محاکمہ فرمایا ہے۔

طحاوی که از اکابر علمای حنفيه است درشرح آثارخويش گفته۔ رواة اين حديث

ثقاة اندواز احمد بن صالح نقل کرده اہل علم راسزاوارنیست که تغافل کنند از حفظ این حدیث زیرا که ازعلامات نبوت است وقاضی عیاض حصیبی مالکی در شفائے خویش این سخن ازطحاوی نقل کرده وشیخ ابوسعیدگازرونی که ازعلمائے شافعیه است نیزدرمنتقی خود آوارده لیکن ذہبی ورکتاب میزان الاعتدال تصنعیف این حدیث نموده بنا بر آنکه بعضے ازاہل حدیث عماره بن مطررہاوی راکه یکے ازرداو این یحدیث است تضنعیف کرده اندبنا پر آنکه مرویست ازابوہریره که پیغمبرفرمود لم ردالشمس الا علی یوشع بن نون این فقیر حقیر عفی عنه گوید عماره بن مطررابعض دیگر ازاہل حدیث توثیق کرده اندوبعضے وصف حفظ اوکرده اندر چنانچه ازشک ذہنی نیز معلوم مے شود پس ضعف اودران مرتبه بناشد که موجب ردوحدیث اومطلقاً گردو۔ باآنکه ائمه مذکوررین ایرادان درکتاب خویش کرده اند وماحدیث ابوہریره احتمال دارد که مراد حضرت ازان این باشد که از جمله انبیآی ماتقدم برے غیر یوشع علیه السلام آفتاب مردو نگشته یاصدوران حدیث ازالسرور وقبل ازواقعه دشمس علیؑ بوده باشدمطبوعه لکھنو ص 395۔

طحاوی نے کہ اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں اپنی کتاب شرح آ ثار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور احمد بن صالح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تمام علماء کو یہ حدیث خاص طور پر یاد کرلینا چاہیے اس لیے کہ یہ حدیث علامات نبوت میں داخل ہے اور قاضی عیاض حصبی مالکی اپنی کتاب شفاء میں طحاوی کے یہ تمام اقوال لکھتے ہیں اور تضعیف نہیں کرتے اور شیخ سعید گازرونی نے بھی جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں۔اس حدیث کو اپنی کتاب منتقی میں لکھا ہے لیکن ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے اس وجہ سے کہ اس روایت کے ایک روای عمارہ بن مطر راوی کو بعض علماے حدیث نے ضعیف لکھا ہے اور نیز اس وجہ سے کہ ابوہریرہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ رجعت شمس کسی کے لیے سوائے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے واقع نہیں ہوئی فقیر حقیر (محدث شیزازی) خدا اس کو معاف کرے کہتا ہے کہ عمارہ بن مطر کی بعض دوسرے ارباب حدیث نے توثیق بھی کی ہے اور بعض نے اس

کوصف حفظ حدیث کے ساتھ موصوف بتلایا ہے جیسا کہ ذہبی کے قول سے بھی معلوم ہوا ہے اس لیے اسکا ضعف اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس سے روایت نہ لیجائے حالانکہ اس کی مرویات مذکورہ حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اب رہی ابو ہریرہ کی حدیث۔ اس میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ مراد حضرتؐ کی یہ ہو کہ مخصوص طبقہ انبیا میں سوائے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے اور کسی کے لیے رجعت شمس نہیں ہوئی۔ آپ نے یہ حدیث اس مشاہدہ کے وقوع سے پہلے بیان فرمائی ہو۔

عمرۃ الصّلح 8 ہجری

صلح حدیبیہ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جناب رسالتمآب ﷺ اس مرتبہ حج نہ بجالائیں سال آیندہ ادائے حج فرمائیں۔ چونکہ صلح کو سال بھر ہو چکا تھا اس لیے آپ نے ادائے حج عمرہ کا قصد فرمایا اور حکم دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ کے موقع پر شریک تھے سب کے سب مناسک عمرہ بجالائیں۔ حکم کی دیر تھی تمام لوگ مرکب رسالت کے ہمرکاب تھے۔ مدینہ کے انتظام حضرت ابوذر غفاریؓ کو سپرد ہوئے اور 25 ذیقعدہ 7 ہجری کو مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف روانگی ہوئی۔ ناجیۃ اسلمی کو قربانی کے اونٹ جو شمار ہیں 60 یا 70 تھے، اور باربرداری کے جانور۔ سواری کے گھوڑے محمدؐ بن مسلمہ کی محافظت میں اور اسلحہ جات وغیرہ بشیر بن سعدی کی سپردگی میں ایک روز قبل روانہ فرمادیئے گئے کہ کم وبیش چھ سو مہاجر و انصار کی جمعیت آنحضرت صلعم کے ہمراہ نہ ہوئی۔ منزل ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا گیا اور وہیں سے مسلمانوں کا قافلہ لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا۔

خدا کے خالص بندوں اور عقیدتمندوں کی قلبی مسرت وجذبات کی کوئی حد نہ تھی۔ قلب پرنور رسالت بھی ان محسوسات سے خالی نہیں تھا۔ فیضان قدرتِ کے مشاہد پیش نظر تھے۔ جس آبائی مسکن ووطن سے ہجرت فرمانیکی مجبوری ہوئی تھی۔ اور جس شہر ومقام کی طرف ظلمہ وقت کی شدت مخالفت کی وجہ سے معاودت ومراجعت فرمانا تو کہاں؟ صرف قصد وارادہ کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ اسی مقام اور اُسی شہر خاص میں آپ اس وقت بخوف وہراس اور بلا تامل ووسواس شوکت واہتمام اور اطمینان وآرام سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ تشریف لے جارہے ہیں۔ الخ السفر مفتاح الظفر (سفر کامیابی کی کنجی ہے) کا قدیم اور مشہور قول اسی مبارک سفر پر پورے طور سے صادق آتا ہے۔ جس کی ایک ایک منزل کیا ایک ایک قدم اسلام کی فتح عظیم کا نقش کا حجر تھا۔

قریش سے راہ میں ملاقات

محمدؐ بن مسلمہ کے ہمراہی جب منزل مراد الظہر ان میں پہنچے۔ تو وہاں کفار قریش کے چند لوگوں نے محمد بن مسلمہ کے ساتھ یہ سامان دیکھ کر دریافت کیا اور حقیقت حال معلوم کر کے سیل بیابان کی طرف دوڑے اور قریش کو خبر دی۔ مشرکین میں اب جان تو باقی نہیں

تھی جو کچھ تھی وہ جہالت کی اینچ تان تھی سب کے سب سطوت اسلام سے مرعوب ہو کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ لیکن خلاف شرط معاہدہ اسلحہ جات کا ہمراہ لانا سن کر انہوں نے مکرز بن حفص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض استفسار بھیجا۔ مکرز بن حفص راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ جب مرکب رسالت ادھر سے گزرے تو مکرز نے حاضر ہو کر عرض کی ہتھیاروں کا لانا خلاف شرط ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمام شرائط معاہدہ پر ثابت قدم ہیں۔ اور انشاء اللہ سر مو اس سے تجاوز نہ کرینگے۔ ہم نے ہتھیار صرف راستہ کی محافظت کے خیال سے ہمراہ لئے ہیں۔ ان میں سے ایک حربہ بھی مکہ میں نہیں جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مکرز بن حفص نے واپس آ کر قریش سے حضرت کا جواب کہہ دیا۔ وہ بھی سن کر مطمئن ہو گئے۔

بطن باجج میں سب اسلحات چھوڑ دیئے گئے۔ اور دو سو مسلمانوں کا دستہ ان کی حفاظت پر مقرر کر دیا گیا اور قربانی کے اونٹ مقام ذوی طوی میں بھیج دیئے گئے۔ صرف ایک ایک تلوار وہ بھی نیام کے اندر حمائل کر کے مہاجر و انصار کا قافلہ جناب رسولخدا صلعم کے ہمراہ آگے بڑھا۔ مقام حجون میں پہنچ کر آپ نے اپنے ناقہ قصوا پر سوار ہو کر لبیک کہتے ہوئے بکمال شوکت وجلال کے ساتھ داخل ہوئے۔ عبداللہ بن رواحہ ناقہ کی مہار تھامے تھے۔ اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

مکہ میں مرکب رسالت کا داخلہ

خلوابنی　الکفار　عن　سبیله
الیوم　نضربکم　علی　تنزیله

کافرو سامنے سے ہٹ جاؤ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرینگے

ضربا　یزیل　السّهام　عن　مقیله
ویذهل　الخلیل　عن　خلیله

وہ وار جو سر کو جوابگاہ سر سے الگ کر دے　اور دوست کے دل سے دوست کا دل بھلا دے

یاربّ　انی　مومن　بقبله
انی　رایت　الحق　فی　قبوله

خدایا ہم تحویل حکم قبلہ پر ایمان لائے ہیں اور قول رسولؐ کو عین حق تسلیم کر چکے ہیں

ان اشعار پڑھنے سے حضرت عمر کی ممانعت

امام قسطلائی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن رواحہ کو اس رجز کے پڑھنے سے منع کرنا چاہا۔ یہ کہہ کر خدمت رسولؐ میں اشعار پڑھنا مناسب نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے سن لیا۔ ارشاد فرمایا۔ اے عمر میں خود سنتا ہوں۔ یہ ارشاد سن کر حضرت عمر چپ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو حکم دیا کہ یہ اشعار پڑھو۔

لا الہ الا اللہ وحدہ

نصر عبدہ واعزجندہ

خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اسی نے اپنے بندہ کی مدد کی اور اس کے لشکر کو عزت دی

وھمء الاحزاب وحدہ۔ اور اس کی وحدت نے جماعت کفار کو مار بھگایا (زرقانی ص 692 جلد 3)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ہمراہوں کے ساتھ باطمینان وآرام تمام مناسک حج ادا فرمائے۔

سنت رَمل

مکہ والے مدینہ والوں کو عموماً کمزور اور ضعیف سمجھتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ تمام مہاجرین کو بھی مدینہ کی بود وباش کی وجہ سے لاغر وناتواں یقین کرنے لگے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ان توہمات کی اصلاح کے خیال سے تمام مہاجرین وانصار کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین شوطون (گشت) میں وہ اکڑتے ہوئے چلیں کہ تنگدل مخالفین کو ان کی کشادہ ہمتی کے مشاہدے ہو جائیں عربی میں اس طریق سے چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بقول شبلی صاحب آج تک یہ سنت باقی ہے۔

کفار اس منظر کو کیا ٹھنڈے دل سے دیکھتے تھے۔ کبھی نہیں وہ دل ہی دل میں اس فتح عظیم اسلام اور تکمیل بشارت ہجرت خیر الانام علیہ والہ السلام کو دیکھ دیکھ کر جلے جاتے تھے لیکن کر ہی کیا سکتے تھے۔ معاہدہ لکھ چکے تھے شرط کر چکے تھے۔ اقرار سے انکار۔ اعتراف سے انحراف ممکن نہیں تھا خون کے گھونٹ پی پی کر رہ گئے جونہی تیسرا دن تمام ہوا۔ چند عمائد قریش حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ایام شرط پورے ہو گئے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیں کہ شہر خالی کر دیں اور شرط معاہدہ کے موافق مدینہ واپس جائیں۔ حضرت علیؑ نے ان کا پیام خدمت رسالت میں پہنچایا۔ آپ نے اسی وقت مراجعت کا قصد کر دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ بدعہدی اسلام کا شعار نہیں ہے۔

امامہ بنت حضرت حمزہ علیہ السلام

مکہ سے روانگی کے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی۔ جن کا نام امامہ تھا اور وہ اب تک مکہ ہی میں تھیں۔ آنحضرتؐ کے پاس چچا۔ چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔

اور عرض کرنے لگیں ہمیں بھی ساتھ لیتے چلیے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے فرط محبت سے گود میں اُٹھالیا۔ اور بروایت قسطلانی وزرقانی جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے محمل کے پاس لا کر بچی کو انکے سپرد فرمادیا جب مدینہ میں پہنچے تو آنحضرتؐ کی خدمت میں امامہ کی ولایت وکفالت کے تین برابر کے دعویدار حاضر ہوئے ان میں ایک زید بن حارثہ تھے۔ دوسرے جعفر بن ابی طالب تیسرے علی بن ابی طالب۔ زید کا دعویٰ تھا کہ عقد مواخاۃ کے رُو سے حضرت حمزہؓ ہمارے بھائی تھے۔ چنانچہ شہادت کے وقت وہ مجھ کو اپنا وصی قرار دے چکے ہیں۔ اس بنا پر امامہ کی ولایت کا مجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضرت جعفرؓ کا بیان تھا کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے لہٰذا مجھ سے

بڑھ کرنہ اس کا کوئی ولی ہوسکتا ہے اورنہ قریب تر خیر خواہ حضرت علی فرماتے تھے کہ آپ سب حضرات تو وہیں موجود تھے لیکن یہ بچی سب کو چھوڑ کر سب سے پہلے میری گود میں چلی آئی گویا اس کے نزدیک مجھ سے بڑھ کر کوئی اور اسکا ولی نہیں تھا چنانچہ وہ اس وقت تک میرے پاس ہے۔اس سے زیادہ اثبات استحقاق اور کیا ہوگا۔جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے دعوے سن کر امامہ بنت حضرت حمزہؓ کو اسماء بنت عمیس کی گود میں دے دیا کہ وہ حقیقی خالہ تھیں اور ارشاد فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔اسماء اس وقت حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں (زرقانی از ص 199-201)

عمرو عاص کا اسلام لانا

زرقانی اور روضۃ الاحباب میں ان دونوں حضرات کے اسلام لانے کی کیفیت خود ان کی زبانی یوں مرقوم ہے۔

عمر عاص بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کی شکست کے بعد سے مجھے یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کے امور ضرور بلند ہوتے جائینگے۔اور آپ اب کسی قوم وقبیلہ کی طاقت سے مغلوب نہیں ہونگے۔یہ سوچ کر میں نے اپنے احباب سے مشاورت کی اور ان سے اپنی یہ تجویز بیان کی کہ مناسب یہ ہے کہ ہم نجاشی کے پاس چلے جائیں۔اور طرفین کے امور کا انتظار کریں۔اگر ہماری قوم غالب ہوجائے تو ہم باطمینان تمام مکہ واپس آئیں اور اگر مسلمان غالب آئیں تو ہم وہیں پناہ گزیں ہوجائیں۔میرے احباب نے میری تجویز کو بہت پسند کیا اور میں نجاشی بادشاہ حبشہ کے لیے بہت سے نفیس اور گراں بہا تحفے لے کر نجاشی کے پاس پہنچا میرے پہنچنے سے پہلے عمر بن امیہ الضمیری نامہ رسالت لیکر نجاشی کے پاس پہنچ چکے تھے۔اور بادشاہ نے بڑے اعزاز واکرام سے نامہ مقدس لیکر ان کو اپنا مہمان کیا تھا۔میں نے نجاشی سے خلوت میں ملاقات کر کے کہا کہ عمر بن امیہ کو میرے حوالہ کر دیجئے کہ میں اسے قتل کر ڈالوں۔اس کے قتل کر دینے سے قریش میں میری آبرو رہ جائے گی اور عزت بڑھ جائیگی۔یہ سن کر نجاشی نے مارے غیرت کے اپنے منہ پر طمانچے مارے اور کہا یہ مجھ سے کیسے ہوسکتا ہے کہ میں کسی شخص کے ایلچی کو دشمن کے ہاتھ میں قتل کر دینے کے لیے دیدوں اور اپنے لیے ابدالاباد تک یہ ننگ وعار قائم کرلوں۔اور پھر کس مقدس بزرگ کا ایلچی اور فرستادہ جس پر ناموس اکبر (جبرئیلؑ) کا نزول ہوتا ہے میں نے کہا اے بادشاہ کیا واقعی ایسا ہوتا ہے۔اور آپ بھی اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔نجاشی بولا۔حیف ہے عمر عاص تم قریب رہ کر اتنا بھی نہیں مانتے۔میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں۔کہ وہ ضرور نبیٔ برحق ہے۔اس کی اطاعت اختیار کرو۔اس کی باتوں کو سنو اور مانو۔اور جان لو کہ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔بلکہ وہی اپنے سب مخالفین پر غالب ہوکر رہے گا۔جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اسکی تمام قوم پر غالب آئے یہ سن کر نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔اور ملک حبش سے واپس آیا۔

یہاں تک لکھ کر زرقانی بطور مطایبہ لکھتے ہیں۔

وفی اسلام عمر عاص علی ید النجاشی لطیفة هی صحابی اسلم علی ید تابعی ولا یعرف مثله۔ ص 602 مصر

نجاشی کے ہاتھ پر عمر عاص کے مسلمان ہونے میں ایک خاص لطیفہ وہ یہ کہ صحابی تابعی کے ہاتھ پر اسلام لاتا ہے اس واقعہ کی کوئی اور مثال مجھے معلوم نہیں ہے۔(مصر ص 602)

عمر عاص اپنی کیفیت آگے یوں بیان کرتے ہیں۔

میں حبش سے لوٹ کر مکہ آیا اور اپنے مذہب اسلام کو تمام احباب سے چھپایا۔اور مدینہ کے قصد سے روانہ ہوا۔راستہ میں خالد ابن ولید ملے۔پوچھا کہاں جاتے ہو۔بولے مدینہ جاتے ہیں۔اس لیے کہ خدا کی قسم اب مجھے یقین ہو گیا کہ محمد صلعم بنی برحق ہیں۔اب مجھ پر صراط مستقیم ہویدا اور آشکار ہوگئی۔اور اب میں رکوں گا نہیں بلکہ جاؤں گا اور ان پر ایمان لاؤں گا میں نے کہا۔سبحان اللہ میں بھی تو اسی قصد سے جاتا ہوں غرضیکہ وہ دونوں مدینہ پہنچ کر خدمت رسالت میں حاضر ہوئے اور شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔زرقانی ص 803 روضۃ الاحباب ص 304۔

خالد بن ولید کا اسلام لانا

خالد بن ولید اپنے ایمان لانے کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں۔

واقعہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نماز خوف پڑھ رہے تھے میں کمین گاہ میں تھا۔اس موقع کو غنیمت سمجھ کر میں نے اپنے ہمراہی دستہ فوج کے ساتھ حملہ کرکے آپ کا وہیں خاتمہ کر دینا چاہا۔مگر میں کامیاب نہ ہوسکا اور آپ پر دسترس نہ پاسکا۔اسی وقت سے مجھے یقین ہو گیا کہ خدائے برحق آپ کا نگہبان ہے اور آپ ضرور ہماری قوم پر غالب آئیں گے اس کے بعد معاملات ان کے درمیانی مصالحت سے طے پا گئے۔اس کے ساتھ ہی مجھے یقین ہو گیا کہ قوم قریش میں نہ اب کوئی جلادت وقوت باقی ہے نہ شان وشوکت۔بہتر ہے کہ ہجرت وطن اختیار کرکے کسی اور ملک میں نکل جاؤں نجاشی کے پاس مجھے منظور نہیں۔اس لیے کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔اس سے بہتر ہے کہ ہرقل رومی کے پاس چلا جاؤں اور یہودی یا نصرانی ہو جاؤں لیکن پھر اس ارادے کو بھی فسخ کر دیا۔

میں اسی حالت میں تھا کہ جناب رسول خدا صلعم کی مکہ بغرض ادائے عمرہ آمد آمد مشہور ہوئی مجھے اس کے سننے کی تاب نہ آئی میں مکہ سے باہر چلا گیا۔آپ تشریف لاکر مکہ میں تین دن تک مقیم رہے۔اسی اثناء میں میرا بھائی ولید بن ولید مشرف با اسلام ہو گیا۔آنحضرتؐ نے اس سے میری نسبت دریافت کیا۔بھائی نے حقیقت عرض کر دی جب آپ تشریف لے گئے تو بھائی نے مجھے خط میں لکھ بھیجا کہ آنحضرتؐ تمہیں پوچھتے تھے اور فرماتے تھے کہ خالد ایسا شخص نہیں ہے کہ اس سے اسلام کی حقیقت ابھی تک چھپی ہو۔اگر وہ مسلمان ہو کر مہاجرین وانصار کے ساتھ ہو کر جوہر شجاعت دکھلائے تو اس کے لیے ہر طرح بہتر ہو گا۔میں تو خدا کے فضل وکرم سے مسلمان ہو گیا تعجب ہے کہ تم اب تک مسلمان نہیں ہوئے۔

خالد کا بیان ہے کہ بھائی کا یہ خط پاکر میں بہت خوش ہوا اور مکہ واپس آکر مدینہ جانے کا سامان کرنے لگا اور عثمان بن طلحہ عبدی کو جو میرا قدیم رفیق تھا اپنے ساتھ لیکر مدینہ روانہ ہو گیا۔جب منزل سدملی پر پہنچا تو عمر عاص سے ملاقات ہوئی ہم دونوں میں اظہار خیالات

ہوا اور اب یہاں سے ہم تینوں مل کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے مدینہ پہنچ کر ہم لوگوں نے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ جمال مبارک کو دیکھتے ہی عرض کی السلام علیك یارسول الله واشهد ان لااله الا الله وانك رسول اللهؐ۔ آپ نے تبسم ہو کر ارشاد فرمایا۔

الحمد الله الذی هداك الی الاسلام

اس خدا کا شکر ہے جس نے تجھ کو اسلام کی طرف ہدایت فرمائی۔

غزوہ موتہ

آغاز سال 8 ہجری

علاقہ شام میں شہر جابلقا سے یورپ کی طرف ایک مقام کا نام موتہ ہے۔ جہاں کی تلواریں عرب میں بہت مشہور تھیں۔ اس کے ثبوت میں عرب کے قدیم شاعر کثیر کا یہ مصرعہ موجود ہے۔

صوارم یجلوها بموتة صیقل وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے۔

جلد دوئم میں ارسال نام جات کے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ تبلیغ اسلام کی غرض سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلاطین ملکی اور امراء ورؤساء قبائل کے نام خط لکھے تھے۔ انہیں میں شرحبیل بن عمر کے نام بھی نامہ رسالت حارث بن عمیر کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ شرحبیل نے نامہ رسالت کے ساتھ بے ادبی کی اور عمیر کے ساتھ یہ قساوت قلبی کی انکو فوراً قتل کر ڈالا۔

جناب رسول خدا صلعم نے ان کے خون ناحق کے قصاص ومعاوضہ کی غرض خاص سے تین ہزار فوج تیار کی اور زید بن حارثہ کو اس لشکر کا امیر بنایا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو سوائے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ان کی ماتحتی میں روانگی کا حکم دیا۔ اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں۔ وہ بھی فائز بشہادت ہوں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر بنائے جائیں۔

زید بن الحارثہ آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ حالانکہ آزاد ہو چکے تھے۔ اور مساوات اسلامی اور صحبت نبوی کے فیوض سے ہر طرح ممدوح تھے۔ لیکن تاہم بقول شبلی صاحب۔

حضرت جعفر طیار حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی تھے اور آنحضرتؐ کے مقرب خاص تھے۔ عبداللہ ابن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ جعفر وعبداللہ کے ہوتے ہوئے زید کو افسر کرنا کس بنا پر ہے چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے۔ لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس کے لیے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ اسامہ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے انہیں زید کے صاحبزادے حضرت اسامہ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا اس وقت بھی لوگوں میں

چرچے ہوئے تھے آنحضرت صلعم نے سنا تو خطبہ دیا۔اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ یقیناوہ افسری کے قابل تھے چنانچہ صحیح بخاری باب المغازی میں یہ تفصیل یہ واقعہ مذکور ہے۔سیرۃ النبیؐ جلد اول ص 371

بہر حال لشکر اسلام آراستہ ہوکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔جناب رسول خدا صلعم نے ثنیۃ الوداع کے مقام تک بالنفس نفیس لشکر اسلامی کی مشایعت فرمائی۔اور شام کی طرف ان کو رخصت فرما کر واپس آئے۔یہ ظاہر ہے کہ اس لشکر کشی سے سوائے قصاص حارث کے اسلام کی اور کوئی غرض نہیں تھی۔لیکن تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان اس کے بہر جزوی اور کلی امور میں داخل تھی اس لیے لشکر کو رخصت کرتے وقت امراء لشکر کو حسب ذیل احکام خاص طور پر نافذ فرمائے گئے۔

امراءلشکر کیلئے خاص احکام

(۱) مقابلہ سے پہلے مخالف کو اسلام کی دعوت دینا۔اگر خوش قسمتی سے وہ قبول کرلیں تو پھر مقابلہ ومقاتلہ کی مطلق ضرورت باقی نہیں۔

(۲)اخوت اسلامی اور محبت انسانی کا مقتضا یہی ہے کہ اس مقام پر ضرور جانا جہاں حارث ابن عمیر کا خون ناحق بہایا گیا ہے۔

شرجیل کے جاسوس تمام لگے ہوئے تھے۔لشکر اسلام کی منزل کی خبر برابر پہنچاتے رہتے تھے۔لشکر اسلامی کی شوکت وسطوت نے شرجیل کو اتنا مرعوب بنادیا تھا کہ بالآخر وہ قلعہ بند ہوگیا اور اس نے ہرقل رومی (قیصر) سے مدد مانگی۔قیصر بیشمار فوج لیکر چلا۔اور مقام ماب میں جو اضلاع جابلقاء میں واقع ہے مقیم ہوا۔

زید بن حارثہ کو بھی غنیم کی خبر برابر ملتی رہتی تھی۔مخالف کی طیاری اور کثرت تعداد معلوم کرکے زید نے دربار رسالت میں خبر دینا اور حکم ثانی تک انتظار کرنا چاہا۔لیکن عبداللہ بن رواحہ نے ان کی تجویز سے اختلاف کرکے کہا کہ ہمارا مقصود نہ ملک گیری ہے اور نہ عیسائیوں پر فتح یابی۔بلکہ قصاص حارث کی کوششوں میں شرف شہادت سے بہرہ اندوزی ہمارا نصب العین ہے اور وہ ہم کو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے عبداللہ کی اس پرجوشانہ اور مردانہ صلاح سے سب نے اتفاق کیا۔اور اسلام کا یہ لشکر قلیل آگے بڑھا۔

غنیم سے مقابلہ زید کی شہادت

غنیم بھی اپنا ”ٹڈی دل۔لشکر عظیم لیے ہوئے بڑھتا ہوا چلا آیا۔اور شہر موتہ کے میدان میں طرفین کی فوجیں مقابلہ پر تیار ہوگئیں۔غنیم اپنی ایک لاکھ فوج تیار لیکر اسلام کی مٹھی بھر جمعیت پر حملہ آور ہوا پہلے ہی حملہ میں زید بن حارثہ زخم سنان سے مجروح ہوکر شہید ہوگئے۔رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واستہ۔

حضرت جعفر کی شہادت

جناب رسول خدا ﷺ کے حکم کے موافق زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر علم لیکر آگے بڑھے۔اور اظہار شجاعت میں

مبارزان عرب کے قدیم دستور کے مطابق میدان میں پہنچتے ہی اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ گویا یہ اپنی ثابت قدمی کا ثبوت تھا کہ کوئی ذریعہ فرار بطور ظاہر باقی نہ رہے اس کے بعد پیدل ہو کر غنیم سے دیر تک بڑی جگرداری اور پاداری کے ساتھ لڑتے رہے۔ کسی کا ہاتھ ان کے سیدھے ہاتھ پر پڑ گیا۔ اور پورا پڑ گیا فوراً ہاتھ کٹ کر زمین پر آ رہا۔ حضرت جعفر بکمال استقلال علم کو بائیں ہاتھ کی بغل میں دبا کر لڑتے رہے اس اثنا میں بائیں ہاتھ پر بھی ویسی ہی ضرب پڑی اور ہاتھ بھی شانہ سے جدا ہو گیا۔ پھر غنیم نے ان کو بے قابو پا کر ہتھیاروں سے چور چور کر دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر کا چشم دید بیان لکھا ہے کہ میں نے اس دن جعفرؓ کی لاش کو دیکھا تو تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم لگے تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔ سیرۃ النبیؐ ا ۔ ۳۔

عبداللہ بن رواحہ کی شہادت

حضرت جعفرؓ کے شہید ہو جانے کے بعد حسب الحکم رسالت عبداللہ بن رواحۃ الانصاری علم فوج لے کر آگے بڑھے۔ روضۃ الاحباب میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے طلب شہادت کے شوق میں تین روزے نذر کے رکھے تھے۔ اس روز روزے پورے ہو چکے تھے گویا یہ روز عید اور یوم افطار تھا۔ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا ہی چاہتے تھے کہ میدان جنگ سے حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی، کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ اب جعفر کے بعد نعمت دنیا سے لذت پذیر ہونا بیکار ہے۔ بھائی سامنے کھڑے تھے۔ ہر چند انہوں نے کھانا کھا لینے کے لیے اصرار کیا لیکن یہ ویسے ہی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور میدان جنگ میں آ کر مشغول حرب وضرب ہوئے۔ اس اثنا میں ان کی انگلی میں ضرب آئی اور وہ تیغ زنی میں حارج ہونے لگی عبداللہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑے اور مجروح انگلی کو پاؤں کے نیچے داب کر مقام جراحت سے فوراً جدا کر دیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر با استقلال تمام لڑتے رہے۔ شہادت میں جوں جوں دیر ہوتی تھی یہ اپنے دل میں کہتے جاتے تھے کہ اگر میری روح اہل وعیال کے تعلقات کی وجہ سے جدا ہونا نہیں چاہتی تو میں نے اسی وقت بی بی کو طلاق دی اور بچوں سے افتراق اختیار کیا۔ اگر غلاموں کی محبت سے دنیا چھوڑی نہیں جاتی تو میں نے ان سب کو اسی وقت فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ اور اگر دولت وملکیت کے سبب سے میری اجل نہیں آتی تو میں نے اپنی تمام دولت وملکیت جناب رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں نذر کر دی۔ روضہ الاحباب ص804۔

شہادت کا یہ خاص طلب گار۔ اسلام کا سچا جان نثار۔ دیر تک بکمال شجاعت و دلیری مصروف کارزار رہا بالآخر اپنی تمناؤ آرزو کے موافق شاہد شہادت سے ہمکنار ہوا۔

خالد کی امارت غیر منقوص

چونکہ جناب رسولخدا صلعم کے مقرر کردہ امیران لشکر سب کے سب شہید ہو چکے تھے اس لیے ثابت ابن قرم نے عبداللہ بن رواحہ کے بعد علم فوج تو لے لیا۔ لیکن لشکر کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ لوگ جلد ایک امیر مقرر کر لیں ورنہ مخالف ہماری بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر ہم پر

غالب آ جائے گا۔لوگوں نے کہا ہم تمہیں کو امیر بناتے ہیں ۔ثابت نے کہا مجھے اس کی صلاحیت ہی نہیں تب لوگوں نے خالد بن ولید کو جلدی سے علمدار فوج بنا کر بھیجا اور ثابت نے علم فوج ان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ زرقانی جلد دوم میں ہے۔

ثم اخذ اللواء خالد بن ولید ولم تکن من الامراء وھو امیر نفسہ ص 413

پھر خالد ابن ولید نے علم لیا۔وہ امیر (مقرر شدہ) نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی جی سے امارت قبول کر لی تھی۔

تینوں امرا کے یکے باد دیگرے شہید ہوجانے کے باعث لشکر اسلامی میں انتشار پیدا ہوگیا تھا۔اور ہر شخص فرار کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔خالد نے میدان جنگ کا رنگ بیرنگ دیکھ کر اکھڑی ہوئی فوج کو جما لینا چاہا اور قطبیہ بن عامر نے جیسا کہ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔مبارزان اسلام کو بہت متنبہ کیا اور کہا کہ تم لوگوں کے ارادے کے خلاف میں تو گریز پائی کے شرم وعار اختیار کرنے سے میدان جنگ میں تمہارا پارہ پارہ ہوکر دشمنوں کے ہاتھ سے مارا جانا کہیں بہتر سمجھتا ہوں۔خدا کی قسم میرے لیے تیغ وسنان کے زخم اہل مدینہ کی طعن زبان سے زیادہ خوشگوار ہیں جو گھر بھاگ کر مجھ کو اور تم کو سننے پڑیں گے۔

اس کلمہ رشک میں شام ہوگئی اور رات کی وجہ سے جانبین کی لڑائی موقوف کر کے اپنے اپنے فرودگاہ پر واپس گئے اہل اسلام کی شجاعت ودلیری کا پردہ رہ گیا۔خالد بن ولید کو فوج کی بیدلی کا اصلی سبب ان کی قلت معلوم ہوئی۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مخالف کی کثرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ بھی نہیں تھی۔خالد اس اصلی راز کو سمجھ گئے۔دوسرے دن صبح کو انہوں نے ایک خاص حیلہ سے کام لیا۔فوج اسلامی کی قلیل تعداد کو معرکہ آرائی کے اصول پر مقدمہ، ساقہ، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کر کے غنیم کی نگاہ میں تھوڑی تعداد کو بہت دکھلایا اس تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کی امدادی فوج آ گئی اس لئے روز گذشتہ کی ایسی ہمت ان میں نہیں رہی اور مسلمانوں کی فوج بھی خالد کی ماتحتی میں بڑی جگرداری سے لڑی۔خالد کا بیان ہے کہ اس روز یکے بعد دیگرے تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن اسکا علاج کیا تھا کہ باوجود اس کے کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کی جمعیت کثیر کو مقتول کیا لیکن ان کی کثرت اتنی تھی کہ ان کی طرف کمی افراد ذرا بھی معلوم نہیں ہوتی تھی بخلاف ان کے اگرچہ مسلمان بہت کم شہید ہوئے تھے لیکن قلت تعداد کی وجہ سے ان مین صاف صاف کمی ظاہر ہوتی تھی۔اور ان امور پر نظر کر کے خالد بن ولید نے عام مجاہدین اسلام کی (استصواب رائے سے) دشمنوں کے محاصرے سے فوج کا نکال لیجانا اور بخیر وخوبی باقی ماندہ لوگوں کو واپس لیجانا مصلحت سمجھا شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت خالد سردار فوج تھے نہایت بہادری سے لڑے صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں انکے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑیں لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچالا نے جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہران کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے۔کہ او فرار و تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔سیرۃ النبیؐ ص 273۔

تھی تو حقیقت میں شکست۔لیکن خالد بن ولید کے موید ین نے اس کو اسلام کی فتح بتلایا ہے اور زمانہ حال کے محققین معتدلانہ

طریقہ سے اس کوالسالم کی شاندار واپسی لکھتے ہیں خیر جو کچھ ہولشکر اسلام بے نیل مرام واپس آیا۔

حضرت جعفر (ذوالجناحین) طیار کی شہادت پر آنحضرت کا ملال

اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔شہدان معرکہ میں سے سے زیادہ حضرت جعفر کی مفارقت کا صدمہ آپ کو ہوا۔ جب آپؐ کو خالد کی مراجعت کی خبر معلوم ہوئی تو آپ سوار ہوکر مدینہ سے نکلے بہت سے لڑکے اور اہل شہر آپ کے ہمراہ ہوئے جب لشکر اسلامی کے قریب آئے تو بہت بھیڑ ہوگئی

ابن ہشام لکھتے ہیں

عن عروہ قال لما ونوامن المدینۃ تلقا ھو علی دابت المسلمون ولصبیان یشتدون فقال خذوالصبیان فاحملوھم واعطونی ابن جعفر فاتی بعبد اللہ فحملہ بین یدیہ زرقانی صحیح ص 913۔ ابن ھشام۔

عروہ سے مروی ہے کہ جب خالد لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرت صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ سواری پر تھے اور کثرت سے مسلمان اور انکے لڑکے ہمراہ تھے آپ نے فرمایا کہ بچوں کو سواریوں پر اٹھالو اور جعفر کے بیٹے کو مجھے دے دو چنانچہ لوگوں نے عبداللہ بن جعفر کو اٹھا کر آپ کی سواری پر دیدیا اور آپ نے ان کو لیکر اپنی گود میں اٹھالیا۔ابن ہشام طبری۔قسطلانی ۔ زرقانی اور محدث شیرازی متفق اللفظ بیان کرتے ہیں۔

اسماء بنت عمیس (زوجہ حضرت جعفر) کہتی ہیں کہ جب حضرت جعفر کی شہادت کی خبر آپ کو معلوم ہوئی تو آپ مسجد سے اٹھ کر میرے گھر تشریف لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے جعفر کے لڑکے کہاں ہیں میں لڑکوں کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اس وقت تک مجھے حادثہ کی خبر نہیں ہوئی تھی آپؐ نے بے قرار ہوکر بچوں کو گود میں اُٹھا لیا پیار کیا ان کے گیسوؤں کو سونگھا اور آنسو آپ کی آنکھوں سے جاری ہوگئے۔ یہ عالم دیکھ کر مجھے جعفرؓ کی طرف سے ڈھرکا ہوا۔اور میں مضطرب ہوکر آنحضرتؐ سے پوچھنے لگی کہ کیا جعفرؓ کی خبر آئی ہے۔ آپ نے ارشادفرمایا۔ ہاں اسماء۔وہ شہید ہوئے۔ یہ سن کر میں بےخود ہوگئی اور نالہ وفریاد کرنے لگی اور زنان محلہ بھی میری آہ وزاری سن کر میرے پاس بغرض تعزیت جمع ہوگئیں آنحضرت صلعم نے بکمال دلجوئی مجھ سے ارشادفرمایا کہ اے اسماء نالہ وفریاد نہ کرو کلمات ناشائستہ زبان سے نہ نکالو۔سر وسینہ نہ پیٹو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جعفرؓ کے گھر میں ارسال طعام تعزیت

یہ فرما کر آپ باچشم گریاں وہاں سے اٹھے۔ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر میں آئے۔ان کو بھی واعمّاہُ (ہائے چچا)

کہہ کر روتے دیکھا ارشاد ہوا۔

علی مثل جعفر فلتبك البا کیة

(جعفر کی مثل اب کون اور ہوگا جس کے لیے رونے والیاں روئیں گی)

یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا فاطمہ۔اولا د جعفرؑ کے لیے طعام تعزیت تیار کرو۔کیونکہ وہ سب کے سب ایسے بے حال ہو رہے ہیں کہ خورد ونوش کا ہوش نہیں رکھتے۔

زرقانی۔زبیر بن بکار کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر کی زبانی لکھتے ہیں۔

فعمدت سلمی مولاة رسول الله الی شعیر فطحنته ثم ادمته بزیت وجعلت علیه فلفلا قال عبدالله فاکلت منه وحبسی مع اخرتی فی بیته ثلاثة ایام۔

سلمی خادمہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کا آٹا گوندھا۔اس کو خمیر کیا پھر روغن زیتون ملا کر روٹیاں پکائیں اور اس پر باقلہ کی پھلیاں رکھ کر آئیں۔اور ہم نے اس میں سے کھایا عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ اسی طرح جناب رسالت مآب صلعم نے ہم لوگوں کو تین روز تک اپنے گھر میں رکھا۔زرقانی جلد دوم 319

زرقانی۔طبرانی۔قسطلانی۔امام احمد بن حنبل اور امام نسائی کی سند صحیح کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

عن عبدالله ابن جعفر ثم اهل صلعم ثلاثا ثم اتاهم فقال لهم لاتبکوو علی اخی بعد الیوم ثم قال ایتونی منیٔ خی مجیٔ بنا کانا افرخ فد عاالحلاق فحلق رؤسنا ثم قال امّا محمد فشبیه عمنا ابیطالب واما عبدالله فشبیه خلقی وخُلق ثم دعا لهم۔

عبداللہ بن جعفر سے منقول ہے کہ حضرت جعفرؑ کی اولاد کو جناب رسول خدا صلعم نے تین روز تک اپنے گھر میں رکھا۔پھر انکو پاس بلا کر کہا کہ آج سے اب میرے بھائی کے لیے نہ رونا پھر آپ نے فرمایا میرے بھتیجوں کو میرے پاس لاؤ جب ہم آپ کی خدمت میں لائے گئے تو آپ بکمال شفقت ودلجوئی ہم لوگوں کو باہر لائے۔حجام کو بلوایا اور ہماری حجامت بنوائی پھر میرے بھائی محمدؑ کی طرف دیکھ کر لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔محمدؑ تو میرے چچا ابی طالبؑ سے مشابہ ہے اور عبداللہ باعتبار ترکیب جسم وتوصیف خلق مجھ سے مشابہ ہے۔یہ فرما کر آپ نے ہمارے لیے دعا فرمائی۔

حضرت جعفرؑ کے واقعہ میں ان کے اہل وعیال کی گریہ وزاری کی نسبت منع گریہ کی بھی حدیثیں آئی ہیں۔چنانچہ زرقانی حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں۔

فجآء رجل فقال ان نساء جعفر فذ کر بکاء ھن فامرہ صلعم ان ینا ھن فذھب ثم اتی فقال قد نہیتھن وذا کر انھن لم لطیعتہ فامر ایضا فذھب ثم اتی فقال واللہ لقد غلبتنا قال فاحث فی افواھھن من التراب قالت عائشہ فقلت ارغم اللہ انفك فواللہ ماانت تفعل وما ترك رسول اللہ من الغنآء وعند ابن اسحق قالت عائشہ وعرفت انہ لایقدوان بحشر فی افواھھن التراب قالت ربما ضرب التکلف اھلہ۔ ص 613مصر

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مسجد میں جناب رسول خداصلعم محزون وملول بیٹھے تھے کہ ایک شخص آ یا۔ کہ جعفرؑ کی عورتیں شیون وشین اور بین کر رہی ہیں آ پ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں منع کر دو۔ وہ شخص گیا اور لوٹ کر آ یا اور کہنے لگا کہ میں نے انہیں منع کیا وہ نہیں مانتیں پھر آ پ نے وہی فرمایا۔ اور پھر وہ شخص گیا اور پھر ویسے ہی آ کر کہنے لگا کہ وہ اپنے شیون وشین اور میں موقوف نہیں کرتیں اور میرا کہنا نہیں مانتیں آ پ نے فرمایا کہ ان کے منہ میں خاک جھونک دو یہ سن کر میں نے (حضرت عائشہ نے) اس شخص سے کہا کہ خدا تیری ناک ملے۔ تو ایسا نہ کرنا۔ اور جناب رسول خداصلعم نے اپنا حزن وملال نہیں ترک فرمایا تھا۔ اور ابن اسحاق نے اپنی روایت میں حضرت عائشہ کا یہ قول لکھا ہے کہ میں آ پ کے کہنے پر جانتی تھی کہ وہ شخص کبھی ان لوگوں کے منہ میں خاک جھونکنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اس حرکت سے آ پ کے اہلبیت کو تکلیف پہنچے گی۔

اس روایت سے محدثین کے ایک گروہ خاص۔ منع گریہ وبکا کے معنی لیے ہیں۔ اول تو اس حدیث کی صحت کا حال معلوم نہیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو اس سے جزع وفزع کے بجائے صبر ورضا اور سکون وسکوت کی تعلیم وہدایت مقصود ہے۔ نہ امتناع وحرمت چنانچہ محدث شیرازی اس حدیث کے لکھنے کے بعد روضۃ الاحباب میں تحریر فرماتے ہیں۔

تنبیہ

ازضمن خبر جعفرعلیہ السلام وگریہ حزن وملال رسول اومعلوم میثود کہ شخصے درمصیبت بمجرد بکا وحزن ازدائرہ صابران دراضیان بقضاء حق تعالیٰ بیرون نمبرودمادام کہ دل اومطمئن بود برآن۔ زیراکہ آن۔ زیراکہ آن حال اثر لیست ازآثار رحمت ورقتے کہ خدا وند تعالیٰ دردل بندہ مومن ایجاد فرمودہ بلکہ توان گفت کہ

شخصے اگر از مصیبت متاثر گردود معالجه نفس خویش بصبر د رضاکندرتبه دے ارفع خوبد بوداز کے یاک ندانه ازوقوع مصیبت و منجرع تگردوازانکه زیرکه آن علات از قیساوت قلب۔

حضرت جعفر علیہ السلام کی شہادت کی مرویات اورانکی شہادت پر آنحضرت صلعم کی حزن وملال کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف مصیبت میں گریہ وبکا کرنے کی وجہ سے صابروں اور راہ الٰہی کے رضامندوں کے دائرہ سے باہرنہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ اس کا قلب (رضائے الٰہی سے) مطمئن ہے کیونکہ مصیبت میں یہ حالت (گریہ وبکا) ان رحمت ورقت کے آثار میں سے ایک اثر خاص کی کیفیت ہے جو خدائے تعالٰی کی طرف سے ہر بندہ مومن کے دل میں ودیعت فرمائی گئی ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس شخص پر مصیبت پڑے اور وہ اپنے درددل کا علاج صبر ورضا سے کرے تو اس کا مرتبہ اس شخص سے جو مصیبت سے دردمند نہیں ہوتا اور قلت قلب سے گریہ نہیں کرتا۔ زیادہ بلند ہوگا۔ کیونکہ مصیبت میں درمند نہ ہونا اور گریہ و بکا نہ کرنا۔ قساوت قلبی کی علامت ہے۔

اس بحث میں زرقانی نے بھی ابن حجر کی قریب قریب یہی رائے نقل کی ہے۔ وہو ہذا۔

قال الحافظ ای لما جعل الله فیه الرحمة ولاینافی ذلك الرضا بالقضاء ویوخذمنه ان الانسان اذاصیب بمصیبة فخزن لا یخرجه عن کونه صابرا رضیا اذ کان قلبه مطمئنا بل قد یقال ان من کان ینزع بالمصیبة ویعالج نفسه علی الصبروالرضا ارفع رتبة ممن لایبالی بوقوع المصیبة اصلا اشارالی ذلك الطّبری واطال فی تقریرہ۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس (گریہ وبکا) میں خدا نے اپنی رحمت ودیعت فرمائی ہے اور یہ امر راضی بقضائے الٰہی ہونیکا منافی نہیں ہے۔ اور اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اظہار حزن وملال کرتا ہے اور اس عمل سے تاوقتیکہ اس کا قلب مصیبت میں مطمئن ہے دائرہ راضیین ومرضین سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت بے قابو اور بیتاب نہیں ہوجاتا اور اپنے دل دردمند کا علاج صبر وسکوت سے کرتا ہے اس کا مرتبہ اس شخص سے بلند ہے جو

مصیبت کے وقت بے قابو اور بیتاب ہوجاتا ہے۔ اسی قول کی طرف علامہ طبری نے بھی اشارہ کیا ہے اور اس پر ایک طویل بحث کی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے۔ اور مرتبہ اصطفاء پر فائز اس بنا پر آپ نے بکمال استقلال بھائی کے واقعہ پر رضائے الٰہی پر صابر رہ کر صبر وسکوت اختیار فرمایا۔ لیکن رقت قلب اور رحم لی کے تقاضہ سے جو عین ودیعت الٰہی بتلائی گئی ہے۔ چشم پرنم فرمالی۔ لیکن حضرت جعفرؑ کے عیال تو معصوم نہیں تھے۔ اور نہ محفوظ تھے۔ اس بنا پر عام فطرت انسانی کے موافق انہوں نے اپنے سرپرست اور ولی النعم کی مفارقت میں جزع وفزع کی۔ تو بقول طبری ابن حجر زرقانی اور محدث شیرازی اس سے امتناع بکا کیونکر ثابت ہوئی ہے۔

جعفر ذوالجناحین

طبرانی سالم ابن ابی الجعد کی زبانی لکھتے ہیں۔

قال رای صلی الله علیه وٰله وسلم جعفر املکاً ذاجناهین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفرؑ کو ملائکہ کی شکل میں۔ دو پروں کے ساتھ دیکھا۔ زرقانی 613۔

زرقانی میں ہے کہ ابن سعد نے بھی اس کو ابو ہریرہ کی سند سے لکھا ہے۔ اس کے بعد زرقانی لکھتے ہیں۔

كان ابن عمر اذاسلم على عبدالله بن جعفر قال السلام عليك يابن ذوالجناحين كمافى الصحيح ص 613۔

(عبداللہ) ابن عمر عبداللہ بن جعفرؑ کو سلام کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ سلام ہو تم پر اے دو پر والے کے بیٹے جیسا کہ صحیح میں وارد ہوا ہے۔

پھر اسی کتاب میں ہے۔

باسناد حسن حضرت عبداللہ بن جعفرؑ کی زبانی طبرانی میں مرقوم ہے۔

قال النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان جعفر الطير مع جبريل وميكائيل له جناحان عوضه الله من يديه۔

فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جعفرؑ جبریل اور میکائیل کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ خداوند عالم نے ان کو ان کے ہاتھوں کے عوض میں دو پر عنایت کیے ہیں۔

ایضاً عبداللہ بن جعفر کی زبانی منقول ہے۔

قال قال لی رسول اللہ صلعم هنیأً لك ابوك یطیر مع الملئكة فی السماء۔

جناب رسول خداصلعم نے مجھے ارشاد کیا کہ تم کو مبارک ہو۔تمہارے باپ ملائکہ آسمان کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔

حضرت کی فضیلت اور آپ کا سن شریف

اس مرتبہ عالی کی خصوصیت سے جناب جعفرؓ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔اور انہیں خصائص کی بنا پر صحیح ترمذی اور صحیح نسائی میں حضرت ابوہریرہ کا یہ قول مذکوہ ہے انہ افضل الناس بعد المصطفی، جعفر بعد رسول مقبول افضل الناس بزرگ ہیں۔بخاری صاحب نے بھی اپنی صحیح میں یہی قول لکھا ہے۔مگر تھوڑی ترمیم کے ساتھ۔اس لئے کہ آپ کے نزدیک افضل الناس کوئی اور بزرگ تھے چنانچہ لکھتے ہیں کان جعفر خیر الناس لمساکین جعفر مساکین کیلئے سب آدمیوں سے اچھے تھے۔زرقانی ص713 حضرت جعفر کا سن مبارک وقت شہادت 41 برس کا بتلایا گیا ہے۔زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ انصاری۔یہ تینوں شہید ایک ہی قبر میں مدفون کردیئے گئے۔رضوان اللہ علیہم۔

فتح مکہ

رمضان 8ھ بمطابق جنوری 630ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝٤٧

اے پیغمبر ہم نے تمکو فتح مبین عطا فرمائی مومنین کی حمایت کرنا تو ہمارا حق ہے

منتظم قدرت اور متہم مشیت نے سلسلہ ابراہیمی اور خانوادۂ اسماعیلی میں اس متہم رسالت کو جن منشاء ومدعائے خاص کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔اُن میں بیت اللہ کعبہ کی فسق وکفر کی غلاظت اور جہالت وضلالت کی ظلمت سے صفائی بھی تھی۔

مصلأئے ابراہیمی کو ایک زمانہ بے شمار کے بعد بت پرستی کے قبیح خانہ سے تکبیر وتہلیل کا تسبیح خانہ بنادینا اس کی رسالت کے خاص فرائض میں داخل تھا۔

بحکم انی امر اللہ فلا نستعجلوہ۔

خدا کا حکم آنے والا ہے۔لوگ کیوں جلدی کرتے ہیں۔وہ مدعا ہے۔

قدرت اکیس برسوں کے بعد آج اس حسن وخوبی سے جلوہ آراہوا کہ ہے خیرہ ماندروں آن ویدۂ اولی الابصار پیغمبر اسلام علیہ و آلہ السلام نے کفار قریش کے بے شمار مصائب ومظالم اٹھا کر بالتدریج تبلیغ دین تعلیم اخلاق اور تاسیس ملک وقوم کے فرائض جس خاموشی آہنگی اور صلح جوئی سے ادا فرمائے تھے وہ اپنی آپ نظیر تھے اور شہنشاہ رسالتؐ کے محاسن تدبیر ہجرت کے بعد بھی آٹھ برس تک مشرکین قریش 38 میل کی مسافت طے کرکے سلطان رسالتؐ پر برابر جارحانہ حملے کرتے رہے۔اور جنگ احد سے لے کر جنگ خندق کے آخر معرکہ تک انہدام اسلام اور قتل وخون جناب الانام علیہ السلام کی مسلسل کوشش کرتے رہے لیکن کسی ایک میں بھی کامیاب نہ ہوئے بالآخر مجبور ہوکر حدیبیہ میں صلح کرلی اور محض عارضی طور پر شرائط صلح پر قائم رہے۔اتنا ضرور ہوا کہ اس صلح کے دوسرے سال متمنیان اسلام سات برسوں کی لگاتار محرومی کے بعد زیارت مسجد الحرام سے فائز المرام ہوئے لیکن کفار قریش اپنی کج فطرتی سے مجبور تھے۔شرارت نفسی ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔اس لیے پورے دوسال بھی صلح پر قائم نہ رہ سکے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ادائے حج عمرہ کے گزشتہ موقع پر وہ اہل اسلام کی موجودہ جمعیت اور شان وشوکت کو ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔دل ہی دل میں جل بھن کر خاک ہوگئے۔حجاج کی واپسی پر فتنہ وفساد کی پھر آگ بھڑکادی تفصیل یہ ہے۔

صلح حدیبیہ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب کو اختیار ہوگا جس سے چاہیں معاہدہ کریں مشرکین سے یا مسلمین سے اس بنا پر قبیلہ بنی خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرکے اسلام کے زیر حمایت آگئے تھے اور بنوبکر قریش کے ہم عہد بن کر ان کے

شریک بن گئے۔ یہ دونوں قبیلے قدیم الایام سے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ظہور اسلام کے وقت سے آپس کے کشت خون کا سلسلہ اس لیے منقطع کر دیا گیا تھا کہ تمام عرب کی متحدہ قوت سے اسلام کا انہدام مقصود تھا۔مگر خدا کی شان عرب کی تمام متفقہ قوت مٹھی بھر مسلمانوں سے سر بر نہ ہوسکی۔اور بالآخر انہیں کے قدموں پر سر تسلیم خم کرنے لگی جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔

حدیبیہ کی صلح نے امن وامان کا اعلان کر کے تمام جنگجو قبائل وعشائر کو گھر بٹھلا دیا تھا صورت تو خاموش لیکن فطرت اور سیرت تو خاموش رہنی والی نہیں تھی بنو بکر نے بنوخزاعہ سے قتل وقصاص کی قدیم داستان پھر شروع کر دی اور یکبارگی بنوخزاعہ پر ٹوٹ پڑے۔قریش مکہ نے بڑے بزدلانہ اور نامردانہ طریقہ سے بنو بکر کی حمایت کی کیونکہ وہ اُنکے ہم عہد تھے لیکن ان کو اپنی حمایت کے ساتھ اسلام کی مخالفت کا بھی خوف لگا تھا۔کیونکہ اول تو بنوخزانہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

ان کی حمایت واعانت کا ڈر تھا۔دوسرے یہ کہ صلحنامہ میں شرط تھی کہ قبائل عرب کے خاص معاملات میں جانبین کو مداخلت کا حق نہ ہوگا۔اس بنا پر بخوف اسلام اپنی حمایت کو ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔بالآخر منہ پر نقابیں ڈال کر اور تبدیل لباس کر کے قریب قریب تمام عمائد واکابر قریش بنی بکر کے قبیلہ کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے جن میں خصوصیت کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل ۔ صفوان ابن اُمیہ۔سہیل ابن عمر۔حویطب ابن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص وغیرہم کے نام تمام سیر وتاریخ کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

پہلے تو بنو بکر اور انکے شرکاء جنگ نے بقول محدث شیزازی اروضہ الاحباب ص416 بنوخزاعہ پر شبخون مارا۔صبح کو ان کے چشمہ آب پر جسکو وتیر کہتے تھے۔فیمابین جنگ عظیم واقع ہوئی۔بنوخزاعہ محض بے یارومددگار تھے اور بنو بکر کثیر التعداد اس لیے دم کے دم میں بنو بکر نے بنوخزاعہ کے بیس آدمی میدان جنگ میں گرا دیئے۔بنوخزاعہ قلت اعوان وانصار کی مجبوری سے تاب مقاومت نہ لائے۔بنو بکر نے تعاقب کر کے بنوخزاعہ کے آدمیوں کو یہاں تک قتل کیا کہ بالآخر وہ حرم محترم میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔اور نوفل بن معاویہ دئلی سے جو بنو بکر کا سردار تھا گڑ گڑا کر کہنے لگے۔

یانوفل قد دخلنا حرم الهك فقال كلمة عظيمة انه لااله له اليوم ۔طبری ص 1620

اے نوفل خدا کے واسطے اب تو ہم تیرے خدا کے حرم میں چلے آئے نوفل نے کہا یہ کلمہ عظیم تو ضرور ہے لیکن آج میرے لیے خدا نہیں ہے۔

آخر کار بدیل بن ورقاء خزائی نے بیچ میں پڑ کر کسی نہ کسی طرح ان غریبوں کی جان بچائی اور بقیۃ السیف مرد عورت اور بچوں کو اپنے گھر لے گئے۔روضۃ الاحباب ص416۔

بارگاہ رسالت میں بنوخزاعہ کے فریادی

بنوخزاعہ کے چالیس مظلومین استغاثہ لیکر مدینہ پہنچے۔جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔کہ ایک طرف سے کئی لوگوں کی مل کر یہ آواز گوش زد ہوئی۔

لاھم انی شاھد محمدا
حلف ابینا وابیہ الاتلدا

کوئی پرواہ نہیں ہم محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلائیں گے۔ جو ہمارے ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔

فوالدا کنا وکنت والدا
ثمت اسلمنا فلم تنزع یدا

اس عہد پر ہم پیدا ہوئے ہیں اور اسی پر ہماری اولاد بھی قائم رہے گی۔ ہم اس کے بعد اسلام بھی لائے اور اب اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

ان القریش اخلفوك الموعدا
ونقصوا میثاقك المو کدا

قریش نے آپ کے معاہدے کے خلاف کیا اور آپ کے عہد تاکیدی کو توڑ ڈالا۔

ھم تبنونا بالوتیر ھجدا
فقتلونا رکعا وسجدا

مخالف ہمارے گھر پر چڑھ دوڑے آئے اور ہم کو کھڑے بیٹھے قتل کر ڈالا۔

رسول اللہ نصح سرا عتدا
وادع عباد اللہ یأتوامددا۔ طبری

اے پیغمبر خدا ہماری اعانت کر اور خدا کے بندوں کو بلاو کہ سب مدد کو حاضر ہوں گے۔روضہ الاحباب 417
دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بنوخزاعہ کے چالیس فریادی ہیں بنو بکر کے مظالم کی فریاد لائے ہیں۔ یہ سن کر جناب رسالتمآب ﷺ کو سخت ملال ہوا۔ مظلومین بنوخزاعہ کو بلایا وہ آئے تو بکمال اخلاق واشفاق پاس بٹھلایا۔ حالات پوچھے غریبوں نے اپنی مصیبت کی کہانی اپنی ہی زبانی کہہ سنائی۔ صاحب وضۃ الاحباب لکھتے ہیں۔

فرمود حبک یا عمر (عمر ابن سالم متکلم خزاعہ) و برخاست ورداے مبارک درزمین می کشیدو می گفت نصرت دادہ نشوم اگر نصرت ندہم (بنو خزاعہ بن) بنی کعب را وبا ایشان باز گرید بدیار خویش بعون اللہ تعالیٰ۔

آپ نے سن کر فرمایا۔ اے عمر ابن سالم بس کرو۔ یہ کہہ کر آپ زیادہ سننے کی تاب نہ لا کر اٹھ کھڑے ہوئے اس حالت سے کہ ردائے مبارک زمین پر گھسٹی جاتی تھی اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میں بنوخزاعہ بن بنی

کعب کی مدد نہ کروں تو (خدا کی طرف سے یہ میری مدد نہ کی جائے)۔ یہ کہہ کر آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ حفاظت الٰہی اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ص 417۔

قریش کے مظالم ہرگز التواء و تاخیر کے قابل نہیں تھے۔لیکن رحمت عالم نے خاص رعایت کے ساتھ تأمل فرمایا مگر بقول شبلی صاحب اسی وقت قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔(۱) مقتولین کا خون بہا دے دیا جائے۔(۲) قریش بنوبکر کی حمایت سے علیحدہ ہو جائیں (۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

ابوسفیان کی ناکامیاب سفارت

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قریش میں اب نہ ہمت رہی تھی۔نہ جان۔جہالت کی شان البتہ باقی تھی اور غرور و نخوت کی تان۔دربار نبوت کے موجودہ اعلان کو سن کر سب کے حواس باختہ ہو گئے۔

ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اب کسی سے کچھ کیے دھرے بن نہیں پڑتا۔بالآخر اسلام ہی کے قدموں پر گر کر صلحنامہ حدیبیہ کی توسیع میعاد کرا لینے کی تجویز ٹھہرائی تجویز بالاتفاق منظور ہو چکی تو پھر یہ سوال پیش ہوا کہ اسکی تعمیل کے لیے جائے کون کیونکہ قریب قریب سب خلاف معاہدہ۔بنوبکر کے طرفدار حامی و مددگار بنوخزاعہ کی قتل و غارت میں شریک ہو چکے تھے۔

بالآخر سب نے ابوسفیان کے بھیجے جانے پر اتفاق کیا اس لیے کہ وہ اتفاق سے معرکہ بنوخزاعہ میں حاضر نہیں تھے۔چنانچہ شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

قریش نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدے کی تجدید کرا لائیں۔ابوسفیان نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس آیا۔امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے۔ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے۔کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائیگا۔جناب سیدہ نے فرمایا بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص 374

اس عبارت میں دو امور کا انکشاف نہایت ضروری ہے جن میں سے ایک امر کو تو شبلی صاحب نے ذکر ہی نہیں کیا حالانکہ تمام حدیث و تاریخ کے ماخذوں میں موجود ہے۔دوسرے امر کو مبہم و مشتبہ چھوڑ دیا ہے۔حالانکہ انہیں ماخذ میں اس کی تصریح و توجیہہ بھی موجود ہے بہر حال وہ جانیں اور ان کا انداز تحریر۔

پہلا امر جو مدینہ میں سفارت ابوسفیان کے متعلق قلمزد فرما دیا گیا ہے وہ ام المومنین ام حبیبہ کی احتیاط اور تقویٰ و پرہیزگاری کا ثبوت کامل ہے جو انہوں نے اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ ان کی آمد مدینہ کے موقع پر پیش کیا۔ایسا مشہور و متواتر واقعہ کہ جس کو تاریخ

وسیرت کے تمام مولفین ومصنفین نے ابوسفیان کی سفارت کے متعلق سب سے پہلے لکھا ہے نہیں معلوم شبلی صاحب نے کس مصلحت سے مرفوع القلم فرمادیا۔شایداموی خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورث اعلیٰ کا حفظان مراتب منظور ہو کیونکہ کہ آپ کو اس سلسلہ سے ہیروز آف اسلام (Hivois of Islam) میں انتخاب کی ضرورت پیش آنیوالی تھی۔

بہرحال ہم اسکوزرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

قد خل علی بنته ام حبیبه فذهب لیجلس علی فراشه فطوته عنه قال یابنیة ما ادادی ارغبت بی عن هذا لفراش ام رغبت به عنی قال بل هوفراش رسول الله وان رجل شرك نجس ولم احب ان تجلس علی فراشه قال الله لقد اصابك یابنیه بعدی شر فقال بل هذانی الله تعالیٰ الاسلام فانت یاابت سید قریش و کبیر ها کیف بسقط عندك الدخول فی الاسلام وانت تعبد هجراً لایسعمع ولا یبصر فقام من عندها ۔ جلد دوم ص 337مصر

دوسرا امر جو مبہم رہ گیا اوراس لیے تنقیح طلب ہے وہ یہ ہے کہ شبلی صاحب کی اس تحریر سے کہ ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایما سے مسجد میں اعلان کردیا معلوم ہوتا ہے کہ بخلاف رضائے رسولؐ ودیگر صحابہ مسلمین گویا حضرت علیؑ ہی نے ابوسفیان کو اس امر کی ترغیب جرأت دلائی حالانکہ واقعیت اور حقیقت حال دونوں اسکے خلاف ہیں تاریخی مشاہد صاف صاف بتلارہے ہیں کہ آپ نے اس کی استدعا کے خلاف اس کی سفارش اور مداخلت فی الامر کے کرنے سے قطعی انکار کردیا۔

پھر ابوسفیان کی شدید منت وسماجت پر آپ نے یہ صورت بتلائی مگر اسی وقت یہ بھی فرمادیا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قبول کرینگے۔لیکن اب تم کر ہی کیا سکتے ہو۔کیونکہ سوائے اس کے تمہارے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔اس سے حضرت علیؑ کی مشاورت رضا یا ایما کیسے ثابت ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کا اتنا فرمادینا بھی یا تو اسکے جلد دفع کردینے کی ضرورت سے تھا جو دیر سے سر کھائے جاتا تھا اور بیکار باتوں میں آپ کا وقت عزیز ضائع کررہا تھا یا ان کی کریمانہ اخلاق واشفاق کا مقتضائے خاص تھا جو اہلبیت علیہم السلام کی فطرت صالحہ کے ساتھ خاص طور پر ودیعت فرمائے گئے تھے۔اورجن کا اجراواظہار دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ کیا اپنے قاتلوں کے ساتھ بھی ہمیشہ رفق ومدارا کی مختلف صورتوں میں مرتے دم تک کیا جاتا تھا جس کی معرفت شبلی صاحب کو مشکل سے ہوسکتی ہے۔

اب میرے بیان کو زرقانی کے مفصلہ ذیل مضامین عبارت سے ملالیا جائے۔

ثم دخل علی علی علیہ السلام وعدہ فاطمة سلام الله علیها وحسن علیہ السلام غلام سیدب بین

يديها فقال ياعليؑ انك ان القوم لى رحما وانى جئت فى حاجة فلا ارجع كعاجت خائبا فاشفع لى فقال علىؑ ويحك يا ابا سفيان والله لقد عزم على امر ما نستطيع ان نكلمه فيه۔ جلد دوم ص 732 مصر

ابوسفیان پھر حضرت علی مرتضیٰؑ کی خدمت میں آیا۔ اس وقت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پاس بیٹھی تھیں۔ اور جناب امام حسن علیہ السلام بچے تھے وہ آپکی گود میں تھے۔ اورعرض کرنے لگا کہ آپ ہماری قوم میں باعتبار صلہ رحم کے مجھ سے قریب ہیں میں اس وقت ایک حاجت لیکر آیا ہوں اور اس حاجت کو باد م ہوکر آپکی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آپ آنحضرتؐ سے میری سفارش فرما دیجئے۔ آپ نے کہاوائے ہو تجھ پر اے ابوسفیان خدا کی قسم جب آنحضرتؐ کسی امر کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو پھر کسی کو اس میں کلمہ وشک کی گنجائش نہیں رہتی۔

تب ابوسفیان نے کہا۔

يا اباحسن انى ارى الاقد اشتدت على فانصحنى مثال والله ما اعلم شيئا يغنى عنك ولكنك سيد بنى كنانه فاقم فاجر بين الناس ثم الحق بارضك قال اوترى ذلك مغنينا عنى شيئا قال لا والله ما اظنه ولكن لا اجد غير ذلك۔

اے ابوالحسنؑ میں دیکھتا ہوں کہ میرے معاملات دشوار تر ہو گئے آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں کوئی ایسی شے نہیں جانتا جس سے تیرا اطمینان ہو جائے مگر تو قریش کا سردار ہے اپنی طرف سے لوگوں میں اعلان صلح کر کے چلا جا ابوسفیان بولا کیا اس سے مجھے اطمینان کر لینا چاہیے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے تو اس لئے یقین نہیں ہے کہ تجھے اس سے اطمینان کر لینا چاہیے۔ مگر تو کر ہی کیا سکتا ہے۔ تیرے لیے تو سوائے اس کے دوسرا چارہ ہی نہیں ہے۔

زرقانی کی عبارت مندرجہ بالا پڑھ کر ہر عقل سلیم اور دماغ صحیح رکھنے والا شخص سمجھ لے گا کہ اس شک وگفتگو سے ایما واجازت کہاں ثابت ہوتی ہے صورتحال تو بتلا رہی ہے کہ ابوسفیان کے اول ہی سوال میں انکار قطعی کر دیا گیا۔ لیکن اس کے خودغرضانہ بار بار کے اصرار اور پھر ملتجیانہ درخواست واستفسار پر اول تو اس کے دمعیہ کے خیال سے دوسرے اس باعث سے کہ کسی سائل کے سوال کا رد کرنا آپ کے خلاف اخلاق تھا۔ اس کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ اپنی التجا پیش کر کے چلا جائے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار ہے چاہے قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ یہ بتلا کر بھی فوراً ارشاد ہوتا ہے کہ یقین نہیں کہ یہ شرکت بھی

دربار رسالت میں تیرے لیے مفید کار ثابت ہو۔

تعجب ہے کہ ایسی صاف اور بے لوث رائے بتلا دینے کے بعد بھی شبلی صاحب اس کو حضرت علی علیہ السلام کا خاص ایما تحریر فرماتے ہیں ایسے ہی مقام پر کہنا پڑتا ہے۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ۔ ہم ان کو بتلائے دیتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد کی تصدیق کہ اس پر بھی مجھے یقین نہیں کہ تو کامیاب ہو۔ کفار قریش نے بھی کر دی۔ چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں۔ ابوسفیان نے مکہ میں جا کر یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا یہ تو نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں۔

نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔ص375

بہر حال ابوسفیان نے مسجد رسول میں جا کر باآواز بلند اعلان کر دیا کہ ہم نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ ابوسفیان کی یہ آواز صدائے صحرا سے زیادہ نہیں تھی اس کی طرف کسی نے اعتنا بھی نہیں کی ابوسفیان مکہ واپس گیا۔

حاطب بن ابی البقہ صحابی کا افشاء راز کرنا اور معفو ہونا

ابوسفیان کے چلے جانے کے بعد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کا قصد فرمایا۔ ہم معاہدہ قبائل کو طلبی کے خطوط لکھے گئے۔ سامان سفر درست ہونے لگے لیکن آنحضرتؐ نے مصلحت خاص کی بنا پر اپنے اس عزم کو عام شہرت سے مخفی رکھے جانے کا حکم دیا مگر بقولیکہ عرفی از دست خویشتن نالد ایک سیدھے سادھے صحابی نے محض نیک نیتی سے اس کا افشا فرما دیا۔ چنانچہ شبلی صاحب اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

حاطب ابن ابی البقہ ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی خبر ہوگئی حضرت علیؑ کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشاء راز پر حیرت ہوئی حضرت عمر بیتاب ہو گئے۔ اور عرض کی حکم ہو تو انکی گردن اڑا دوں لیکن جبیں رحمت پر شکن نہیں تھی۔ ارشاد ہوا۔ عمر تم کو کیا معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے کچھ مواخذہ نہیں ہے۔

شبلی صاحب کی وسعت تحقیق اور ہمت و توفیق اتنا ہی بیان کر سکی۔ وہ خط کیا تھا۔ اس کے کیا مضمون تھے کون قاصد تھا۔ کیسے گرفتار ہوا ان تمام واقعات کی تفصیل کے لیے جو وجہ آپ کو سدراہ ہوئی۔ وہ صرف حضرت علیؑ کی خدمتوں کی تصریح تھی جن کے اظہار سے بمقابلہ دیگر صحابہ حضرت علیؑ کی منتہائے تصدیق رسالت اور معرفت نبوت ثابت ہوتی ہیں جب یہ خلیج حائل تھی تو پھر اسکی تفصیل پر آپ کا قدم کیونکر اٹھ سکتا تھا اور نہ قلم۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ تفصیل ضرورت سے زائد تھی۔ تو سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بیتابانہ درخواست قتل حاطب بھی تو اسی زوائد کے شمار میں تھی۔ اس کا خواہ مخواہ اظہار کیوں کیا گیا۔ حالانکہ آپ کے اس اظہار سے حضرت عمر کے قول ورائے کی زبان رسالت سے تصدیق و تائید تو ہوئی نہیں بلکہ تردید و تکذیب ثابت ہوئی۔ اس طرح کہ جس صحابی کو یہ اپنے قیاس ووہم میں واجب القتل ٹھہراتے تھے۔ وہ زبان رسالت سے معفو عنداللہ بتلایا گیا۔ افسوس یہی حضرت عمر کی اصابت رائے ہے جس کی نسبت آج تک شبلی صاحب اور ان کے ہم طریق حضرات کا اعتقاد ہے کہ (نعوذ باللہ) ان کی رائے کے مطابق وحی الٰہی کا نزول ہوتا تھا بہر حال اب اس واقعہ کی تفصیلی

حقیقت ابن ہشام۔ طبری مواہب لدنیۃ اوراس کی شرح زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

عن عروہ بن الزبیر قال لما اجمع رسول اللہ السیرالی مکۃ کتب حاطب ابن ابی ثلثہ کتابا الی قریش یخبرہم بالذی اجمع علیہ رسول اللہ من الامر فی السیر الیہم ثم اعطاہ یزعم محمد بن جعفر انہا مزانیۃ وزعم غیرہ اتہاسارہ مولاۃ لبعض بنوایعد المطلب وجعل لہا جعلا علی ان تبلغہ قیرشا فجلعتہ فی اسماء ثم فتلت علیہ قردنہا ثم خرجت بہ ولق رسول اللہ الخبر من السمآء بما صنع حاطب فبعث علی ابن ابیطالب ولزبیر بن العوام فقال ادرکاامراء ۃ قد کتب معہا حاطب بکتاب الی قریش یحذرھم ماقد اجعنا لہ فی امرھم فخرجاحتے ادرکاھا باالحلیفۃ ابن ابی احمد فاستزلاہ فالتمسانی رحلہا فلم یجد شییئافقال لہا علی ابن ابیطالب انی احلف ماکذب رسول اللہ ولا کذبنا ولنحیرجن الی ھذا الکتاب اولنکشفتك فلما رأت الحدمنہ قالت اعرض عنی فاعرض عنہا فحلت قرون راھا فلتخر جت الکتاب منہ فدہ فعتہ الیہ فجاء بہ الی رسول اللہ صلعم فدعا رسول اللہ حاطبا فقال یاحاطب ماحملك علی ھذا فقال یارسول اللہ اماواللہ انے مومن باللہ ورسولہ ماواللہ انے مومن باللہ ورسولہ ماغیرت ولا بدلت ولکنی کنت امرالیس لی فی القوم اصل ولا عشیرۃ وکان لی بین اظہر ہم اھل وولدفصانعتہم علیہ فقال عمر بن الخطاب رسول للہ دعنی فلا ضرب عنقہ فان الرجل قد نافق فقال رسول اللہ صلعم فلاضرب عنقہ فان الرجل قد نافق فقال رسول اللہ صلعم عنی فلا ضرب عنقہ فان الرجل قد نافق فقال رسول اللہ صلعم وما یدریك یاعمر بعمل اللہ قداطلع الی صحاب بدریوم بدرفقال اعملو ام شئتم فقدغفرت لکہم فانزل اللہ عزوجل فی حاطب یاایہا الذین اٰمنو الا تخذواعدوی وعدکم الخ۔

عروہ بن زبیر سے منقول ہے کہ رسالتمآب صلعم مکہ کے قصد سے جمع لشکر فرمانے لگے تو حاطب بن ابی البقہ

نے قریش کو ایک خط میں آنحضرتؐ کے ارادہ اور جمعیت لشکر کی خبر لکھدی محمد بن جعفر کے قول کے مطابق حاطب نے اپنے اس خط کو قبیلہ مزنیہ کی ایک عورت کو دیا تھا اور دوسرے لوگوں کی روایت کے موافق سارہ نامی ایک عورت کو سپرد کیا کہ اس خط کو قریش تک پہنچا دے۔ یہ عورت قبیلہ بنو عبدالمطلب میں کسی کی لونڈی تھی۔ اس نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں رکھ لیا اور اوپر سے پٹیان گوندہ لیں اور خط لیکر چل دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے حاطب کی اس حرکت کی خبر مل گئی۔ پس آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور زبیر بن العوام اور بقول زرقانی باسناد صحیحین مقدادؓ و باسناد عسقلانی عمار یاسرؓ) کو بلایا اور حکم فرمایا کہ ایک عورت کو حاطب نے ہمارے حالات کی خبر لکھ کر قریش کے پاس بھیجد یا ہے۔ تم لوگ اسے تلاش کر کے لاؤ یہ دونوں صاحب چلے اور اس کو (مقام حلیفہ ابن ابی احمد میں پہنچ کر گرفتار کر لیا اور اس کے سامان کی ہر چند تلاش کی مگر کچھ نہ دستیاب ہوا یہ حالت دیکھ کر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ (نعوذ باللہ) جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلط ارشاد فرمایا یا ہم لوگ جھوٹ کہتے ہیں ہم تو وہ خط اسی کے پاس سے ضرور نکالیں گے اور اس عورت سے کہا کہ وہ خط دے دے۔ ورنہ تجھے برہنہ کر دینگے یہ ارشاد سن کر وہ عورت سخت خوف زدہ ہو کر کہنے لگی آپ ہمیں چھوڑ دیں ہم وہ خط نکال دیتے ہیں حضرت علیؑ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی گرہوں کی گرہوں کو کھولا اور وہ خط عقدہ کشا کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت علی علیہ السلام پھر اس کو مع خط کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے آپ نے حاطب کو بلایا اور اس سے استفسار فرمایا کہ کس باعث سے یہ خط تم نے لکھا تھا حاطب نے عرض کی۔

خدا کی قسم میں خدا اور رسولؐ پر ابتک کامل ایمان رکھتا ہوں میرے ایمان میں ابتک نہ کوئی تغیر واقع ہوا ہے اور نہ تبدیلی لیکن بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے درمیان میں میرے اہل وعیال اب تک مقیم ہیں۔ نہ کوئی میرے قبیلہ کا وہاں ان کا محافظ ہے۔ نہ نگہبان ہے اس لیے میں نے قریش کو اطلاعی خط لکھدیا کہ وہ میرے عیال کے ساتھ رعایت کریں۔ یہ سن کر عمر ابن الخطاب آنحضرتؐ سے عرض کرنے لگے کہ حاطب نے نفاق کیا۔

آپ مجھے حکم دیں میں اُن کی گردن ماردوں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے عمر تم کیا نہیں جانتے ہو کہ اہل بدر کے واسطے یہ حکم باری نازل ہو چکا ہے تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخشدیا ہے۔ پھر حاطب کی خاص معافی میں یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو تم خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ الیٰ آخر الایہ (سورۃ محنۃ جز 28)

اس سے زیادہ صاف اور واضح تفصیل روضۃ الاحباب میں مندرج ہے۔

چون سروکائنات علیه افضل الصلوٰة ولتسلیمات عزیمت مکه مصمم گردانید۔ حاطب ابن ابی بلتعه مکتوبے بقریش لوشت مضمون مکتوب آنکه یامعشر قریش ان رسول اللّٰه جاکم بجیش یسیر کالسّیل وبخداسوگند که اگر تنہا ہم بمکه آید۔ خدائیعالی ویرانصرت وپدوایجاز وعده خویش نماید فکر ے درکار خویش کمبندوالسلام ورروایتے آنکه نوشته بودکه از حاطب بن ابی بلتعه بن سہیل بن عمرو صفوان ابن امیه وعکرمه بن ابی جہل نوشته می شودکه پیغمبر تجہیز لشکرے می کندودرقبائل نداروداد کی بغرامی روم وگمان نمی برم که بجائے دیگر غیر ازمکه خواہد رفت کواستم که مرا برشما حقے پود برائیے آن اخبار نمودم والسّلام آن مکتوب بزنے از قبیله مزنیه که ویراساره مولاة عمر وبروایتے ام ساره وبروایتے کنودمی گفتند واداتابقریش رساند وده دینار زرسرخ وبردے جہت حق السعی وصول این مکتوب بالیشان مقررکرو۔ان زن مکتوب حاطب رادرمیان موئے خویش پہنا ساخت وموے رابران جافت وبجانب مکه روان شید واز آسمان پیغمبر صلعم رازوینو واقعه خبردارندپس علی مرتضی کرم اللّٰه بایاران بموجب فرمود آنحضرت صلعم روان ددرموضع خاخ بآن زنے رسید ندوازوے تفحص مکتوب نمودندانکار کردورخت وباراورابایتمام تمام بکافتند یچ نیافتند قصد مراجعت نمودوند علی ابن ابی طالب گفتربخداسوگند که پیغمبر صلعم بامن دروغ نگفته واز آسمان بادے دروغ نگفته اند ص 042 لکھنو۔

جب سرورکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ ولتسلیمات نے مکہ کا قصد مصمم کرلیا تو حاطب ابن ابی بلتعہ نے قریش کو اس مضمون کا خط لکھا یامعشر قریش رسول اللہ صلعم تم لوگوں پر لشکر گران مثل سیل رواں لیکرآتے ہیں اورخدا کی قسم اگر وہ تنہا بھی مکہ میں چلے آئیں تاہم تم پر فتیاب ہوکررہیں گے خداوند عالم ان کی نصرت فرمائے گا۔اور اپنے وعدے کو ضرور پورا کردکھلائے گا لہٰذا تم لوگ اپنی فکر کرلو والسلام اور ایک روایت کے مطابق خط کا مضمون یہ تھا حاطب کی طرف سے سہیل بن عمر صفوان بن امیہ اورعکرمہ بن ابوجہل کو یہ خط لکھا گیا ہے کہ

جناب رسول خدا صلعم فوج کشی کا سامان کر رہے ہیں اور قبائل میں بھی اطلاع بھیج چکے ہیں کہ ہم لڑائی پر جا رہے ہیں میرا گمان ہے کہ آپ سوائے مکہ کے اور کہیں نہ جائیں گے میں نے تمہیں یہ خط اس لیے لکھ دیا ہے کہ میرا حق و احسان تم لوگوں پر باقی رہے والسلام اس خط کو قبیلہ مزنیہ کی ایک عورت کے حوالہ کیا جس کو سارہ کنیز عمر کہتے تھے اور ایک روایت میں اس کا نام ام سارہ لکھا ہے اور دوسرے روایت میں اس کا نام کنود بتلایا گیا ہے۔عورت سے کہا گیا کہ یہ خط قریش کو پہنچا دے اور دس دینار سرخ اور ایک چادر اس کی اجرت میں دی اور اس عورت نے وہ خط لیکر اپنے بالوں میں رکھ لیا اور اوپر سے پٹیاں گوندھ لیں اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئی جناب رسول خدا صلعم کو بذریعہ وحی اس واقعہ کی خبر کر دی گئی آپ نے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ اور ابومرثد غنوی اور ایک روایت کے مطابق ابومرثد کی جگہ مقداد بن اسود کندی اور دوسری روایت کے موافق عمار یاسرؓ کو طلب فرما کر ارشاد کیا کہ موضع خاخ تک چلے جاؤ وہاں پہنچ کر تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے اسے گرفتار کر لو اور میرے پاس لے آؤ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام حسب الارشاد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے مقام خاخ میں پہنچے وہ عورت ملی اس سے اس خط کی نسبت دریافت کیا گیا۔اس نے قطعی انکار کیا لوگوں نے اس کے تمام سامان کو ایک ایک کر کے بخوبی ڈھونڈھ لیا لیکن کچھ نہ ملا ہمراہیوں نے واپسی کا قصد کیا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ جناب رسول خدا صلعم نے ہم لوگوں کو غلط خبر دی ہو یا خود آنحضرت صلعم کو آسمان سے غلط خبر پہنچائی گئی ہو ہم نے عربی اور فارسی کے قدیم ماخذوں کے تاریخی اقتباسات دکھلا دیئے۔ واقعات تاریخی کے بیان کے یہ انداز ہوتے ہیں جن کا اصلی مقصود ومدّعا ۔ عام اطلاع وافہام ہوتی ہے نہ اپنی خودغرضانہ ضرورت۔ حاجت روضۃ الاحباب کی عبارت ہم نے خاص کر اس لیے لکھی ہے کہ اس میں طبری وہشام کی عبارتوں سے واقعہ کی زیادہ تفصیل وضاحت کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے۔اور حاطب ابن ابی بلتعہ کے اصلی خط کے مضامین دو مختلف روایتوں سے نقل کرا دیئے گئے لیکن ان تفصیلات کے علاوہ میرا خاص مدعا تو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے محاسن خدمات کی تفصیل سے تھا جن کی حقیقت طبری ،ابن ہشام زرقانی اور محدث شیرازی کے متفقہ اور متواترہ عبارت سے دکھلا دی گئی اور بتلا دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی یہ شان ہوتی ہے اور معرفت خدا و رسولؐ کی یہ انتہائے عرفان جب ہی تو ابن عساکر اپنی تاریخ اور حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیا میں اور ابن مغازلی

مناقب میں بذیل تفسیر آیہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴿۳۳﴾ لکھتے ہیں۔

عن مجاهد الذی جآء بالصدق۔مجاہد سے منقول ہے کہ اس آیہ میں جاء بالصدق سے جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور صدق بہ سے حضرت علی علیہ السلام۔

پھر اسی کی تفسیر میں ابن مردویہ مناقب میں اور سیوطی درمنثور میں تحریر کرتے ہیں۔

عن ابو هریرة والذی جآء بالصدق رسول الله صلعم وصدق به قال علی علیہ السلام۔

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ جاء بالصدق سے مراد جناب رسول خداؐ ہیں اور صدق بہ سے حضرت علیؑ مراد ہیں۔(بحوالہ سوانح حضرت علی 66 لاہور)

مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف روانگی

یکم رمضان سے دہم تک دس روز درستی فوج اور ترتیب سامان کی ضرورتوں میں صرف ہوئے۔اس اثنا میں مختلف علاقوں سے اتحادی قبائل قبیلہ اسلم غفار مزینہ جہینہ اور بنی اشجع اپنی اپنی جمعیت لشکر لیکر مدینہ پہنچ گئے صرف بنی سلیم کا قبیلہ رہ گیا وہ بھی منزل قدید میں آکر حاضر ہوگیا دسویں رمضان المبارک کو جناب ختمی مرتبت علیہ والہ السلام والتحیۃ دس ہزار فوج جرار کے ساتھ بکمال عزوقار فتح مکہ اور تصفیہ بیت اللہ معظم کے قصد سے روانہ ہوئے۔

سفر میں افطار صوم کا حکم

اس وقت تک آپ بھی روزہ سے تھے۔اور تمام لشکر مسلمین بھی مقام کراع عمیم میں پہنچ کر آپ نے روزہ افطار فرمایا اور تمام لشکر کو افطار کا حکم دیا صحیح مسلم میں ہے۔

عن جابر ابن عبدالله ان رسول الله صلعم خرج عام الفتح الی مکة فی رمضان حتے بلغ کراع عمیم وصام الناس ثم دعا بقدح من ماء فرفعه حتیٰ نظر الناس ثم شربت فقیل له بعض الناس قد صام فقال اولئك العصاة۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ بزمان فتح مکہ ماہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحالت صوم عازم مکہ ہوئے حتیٰ کہ مقام کراع عمیم میں پہنچے۔وہاں آنحضرت صلعم نے قدح پانی طلب فرمایا اور سب کو دکھلا کر روزہ افطار فرمایا اس کے بعد لوگوں نے عرض کی کہ بعض اشخاص نے روزہ نہیں کھولا ہے ارشاد کیا جنہوں نے ایسا کیا وہ گنہگار اور نافرمان ہیں بحوالہ تاریخ احمدی 66 لکھنو۔

ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ سے ملاقات

صاحب رحمۃ العالمین حافظ القیم تلمیذ امام ابن تیمیہ کی کتاب زاد المعاد ص 314 جلد اول کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دومنزل چلے تھے کہ راہ میں ابوسفیان بن الحارث (بن عبدالمطلب) اور عبداللہ بن امیہ بن عاتکہ بنت عبدالمطلب سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلعم کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی بڑی کوششیں کی تھیں آنحضرت صلعم نے انہیں دیکھا اور منہ پھیرلیا۔ام المومنین ام سلمہ نے عرض کی یارسول اللہؐ ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ آپ کی حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے اتنے قریبی تو رحمت سے محروم نہ رکھے جائیں۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتلائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف علیہ السلام نے معافی کی درخواست کی تھی تم بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں جاکر انہیں الفاظ میں استدعائے معافی کرو نبی صلعم کے عفوورحم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہوجاؤ گے۔انہوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھی۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿٩١﴾

کہنے لگے بخدا کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ نے ہم پر برتری دی اور بیشک ہم قصوروار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوابدیا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾

جاؤ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔خدا تمہیں بخش دے۔وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اس وقت ابوسفیان (ابن الحارث بن عبدالمطلب) نے عجیب جوش ونشاط سے یہ اشعار پڑھے

لعرك انی حین احمل رأیة
لتغلب خیل اللات خیل محمد

قسم ہے جن دنوں میں نشان اس لیے اٹھایا کرتا تھا کہ لات کا لشکر محمدؐ کے لشکر پر غالب آجائے

لکاالمدلح الحیرن اظلم لیله
فھذاوانی حین اھدی فاھتدی

ان دنوں میں اس خار پشت جیسا تھا جو اندھیری رات میں ٹھوکریں کھارہا ہو اب وہ وقت آگیا کہ میں ہدایت پاؤں اور سیدھے راستہ پر آجاؤں۔

ھدانی ھاوغیرنفسی ودتنے
الی اللہ من طردته کل مطردً

مجھے ہادی نے (نہ کہ میرے نفس نے) ہدایت دی ہے اور خدا کا راستہ مجھے اس شخص نے بتلایا ہے جس کو میں نے دھتکار دیا اور چھوڑ دیا تھا۔

نبی صلعم نے سن کر فرمایا۔ ہاں سچ تو ہے۔ تم تو مجھے چھوڑ بیٹھے تھے۔ رحمۃ اللعالمین ص 118۔

لشکر اسلامی میں ابوسفیان بن حرب کی آمد اور حضرت عمر کا بے حساب عتاب

دس ہزار اخلاص مندوں کا طیار لشکر فتح ونصرت الٰہی کے کامل یقین وبشارت کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا مرالظہر ان کے آخر منزل تک بخیر وخوبی پہنچ گیا یہ مقام مکہ معظّمہ سے ایک منزل سے بھی کم کی مسافت پر واقع ہے آنحضرت صلعم نے تمام لشکر کو یہیں قیام صعوبت سفر سے آرام کرنے کے لیے ٹھہرانے کا حکم فرمایا حکم کی دیر تھی۔ دومیل کے مربع میں اس وادی کے چاروں طرف لشکر اسلامی نے پڑاوٗ ڈال دیا۔ مہاجرین وانصار کے گروہ مخصوصین کے علاوہ عرب کے دوسرے ہمراہی قبیلوں نے خوب پھیل پھیل اپنے قبیلے کے ڈیرے خیمے لگائے گویا اس وسیع ریگستان میں چھوٹی چھوٹی بستیاں بسالیں۔ وہ خاک زار کوسوں تک مردم زار بن گیا۔ عجیب لطف انگیز منظر تھا اور مسرت خیز سماں نہیں معلوم کے ہزار برسوں کے بعد اس ریگستان کو اپنے دامن میں انسانوں کی اتنی بڑی آبادی دیکھنی نصیب ہوئی تھی۔ یہ بھی اسلام کے قدموں کی برکت تھی دن تو دن رات کا نظارہ اس سے بھی زیادہ دلکش دلآویز تھا لشکر اسلام کے جانفروشوں نے چاروں طرف کچھ تو اپنی خاص ضرورت اور زیادہ تر جانوران صحرائی سے محافظت کی غرض سے آگ جلا کر اس وادی پر خار کو رشک گلزار بنا رکھا تھا قریش کو جناب رسالتمآب ﷺ کی آمد کی کچھ خبر لگ گئی تھی لیکن خبر تھوڑی پہنچی ہو یا بہت اب ان میں اسلام سے مقابلہ کی صلاحیت ہی باقی نہیں تھی۔ اسی بنا پر انہوں نے بدیل بن ورقاء حکیم بن خرام اور ابوسفیان بن حرب کو جاسوسی کی خدمت پر بھیجا اور تاکید کردی کہ اگر رسول اللہ صلعم تشریف لائے ہوں اور ان سے شرف ملاقات ہو تو معاہدہ حدیبیہ کی درخواست منظور کرا کے آپ کے راستہ ہی سے واپس کر دینا۔

چونکہ جاسوسی کی خدمت تھی اور یہ معلوم نہ تھا کہ آنحضرت صلعم کس راہ سے تشریف لا رہے ہیں اس لیے تینوں نے تین راہیں پکڑیں بدیل اور حکیم تو دوسرے راستوں سے گھوم کر پیچھے آئے لیکن ابوسفیان رات ہی کو سب سے پہلے لشکر اسلامی میں پہنچ گیا خلاف معمول چاروں طرف میدان میں آگ روشن دیکھ کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ ابھی وہ اپنی اسی حیرت میں غلطاں تھا کہ حسن اتفاق سے حضرت عباس ابن عبدالمطلب اپنے خچر پر وہاں سے گزرے۔ ابوسفیان کی آواز پہچان کر پکارے ابن ہشام حضرت عباس کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

فقال یا ابا الفضل قلت نعم قال مالك فداك امی وابی قال قلت ویحك یا ابا سفیان هذا رسول الله فی الناس واصباح قریش والله قال فما الحیلة فداك امی وامی وابی قال قلت والله لئن ظفر بك لیضرب عنقك فاركب فی عجز هذا البغلة حتی اتی بك

رسول اللہ فاسنامنہ۔

ابوسفیان نے کہا یا ابا الفضل میں نے کہا ہاں ابوسفیان بولا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ یہ کیا ہے میں نے کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے اور قریش کے لیے خدا کی قسم اب صبح ہے ابوسفیان بولا اب میرے بچنے کا کوئی حیلہ ہے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے کہا۔ یہ سمجھ لے کہ فتح ہوتے ہی تیری گردن ماری جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ میرے خچر کے پیچھے سوار ہو میں تجھے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیجا کر امان دلوا دوں۔

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو بھی چھوڑ دیا ہے اور سلسلہ شک ابوسفیان کی حاضری سے آغاز کیا ہے۔ جو اس واقعہ کے بعد تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ نہیں معلوم شبلی صاحب نے اپنی کتاب اپنے معتقدین خاص کے لیے لکھی ہے یا عام مسلمین کی اطلاع وواقفیت کے لیے۔ بہر حال شبلی صاحب آئندہ واقعات بڑی عبارت آرائی کے ساتھ اختصار کے طریقہ خاص میں یوں زیب قرطاس فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا۔ لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا حضرت عباسؓ نے کہا عمرؓ اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا ہوتا تو تم اس قدر سخت دل نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ آپ یہ نہ فرمائیں۔

آپ جس دن اسلام لائے مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔ ص376۔

معلوم ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے طریقہ تحریر میں سلسلہ بیان قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں حضرت عباس سے ملاقات ہونے باہم گفتگو کرنے خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ ہمراہی حضرت عباسؓ اور ابوسفیان کے آنے کے ذکر وحالات کی تفصیل وتعریح تو ندارد۔ حضرت عباس کی شفاعت اور حضرت عمر کی معارضت موجود مبتدا تو غائب۔ خبر حاضر۔ یہ کیسا طرز شک ہے کیسا طرز بیان اور اس سے کسی واقعہ کی حقیقت اور واقعیت کی اطلاع عام کیسے ہوسکتی ان حالات کی تفصیل کیوں نہ کی گئی۔ صرف اس لیے کہ ایک بزرگ بنی ہاشم (عباس بن عبدالمطلب) کے آگے ایک رئیس بنی اُمیہ (ابوسفیان بن حرب) کی جو امیر معاویہ کے باپ تھے تذلیل ہوتی تھی اور آپ کو اپنے ہیروز آف اسلام (Hirois of Islam) کے مورث اعلیٰ کی یہ توہین ذاتی کسی طرح گوارا نہیں تھی۔ اس لیے بنی ہاشم (حضرت عباس) کے ان اعلیٰ ترین محاسن اخلاق کو جو دشمنوں اور قاتلوں کے ساتھ بھی برتا جانا من جانب اللہ ان کی فطرت صالحہ میں ودیعت ہوا تھا۔ بالکل نسیاً منسیاً کر دیا۔

لیکن اس کی جگہ حضرت عمرؓ کی گہرفشانی کو جو آخر میں محض فضول بیان ثابت ہوتی ہے پوری تفصیل سے قلمبند فرمایا۔ وہ نہ زوائد کے شمار میں آیا۔ نہ خلاف موضوع قرار پایا اور اختصار کے پیرایہ میں لایا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ سیرۃ النبی تو حقیقت میں سیرۃ الخلفا (خصوصاً حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) کا مقدمہ ہے اور اسکا موضوع تو خاص کر انہیں کے موضوع مفاخر ومشارف کی تجمیع تاسیس اور تدوین خاص ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے ان کلمات تعریضی سے اگر موصوف کا استقلال فی الایمان دکھلانا منظور تھا۔ تو وہ بھی ثابت نہیں

ہوتا۔ اگر آپ کی اصابت رائے کا اعلان مقصود تھا۔ تو وہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر خدمت رسول صلعم میں موصوف کا کمال رُسوخ دکھانا مدنظر تھا تو وہ بھی حاصل نہیں اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے چاہا اپنے جس وصف خاص کی وجہ سے خدمت رسول صلعم میں یہ عرض پیش کی ہو۔ وہ قطعاً بلاترمیم مسترد کردی گئی۔ بلکہ ويحك يا عمر کہہ کر آپ کی سرزنش کردی گئی تو پھر اوصاف اضافی کہاں باقی رہے۔

تجویز رسالت میں وہ اوصاف نقائص ثابت ہوے پھر شبلی صاحب کو ان کے اظہار پر کیوں اصرار ہے۔

اس واقعہ پر منحصر نہیں ہم اکثر مقامات پر حضرت عمر کی ایسی ہی نااندیشانہ تجویزیں اور تعریض نقل کر آئے ہیں۔

عبداللہ بن ابی سلول کے قتل کی نسبت بھی آپ نے ایسی ہی جرأت بیجا دکھلائی، ابھی ابھی غریب حاطب کے قتل کے لیے بھی رسول اللہؐ کی خدمت سے ایسی ہی اجازت چاہی پھر ابوسفیان پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے بھی ویسا ہی معروضہ پیش کیا۔ لیکن جیسا کہ پہلے موقعوں پر آپ کی استدعا مسترد فرمائی گئی اسی طرح اب کی بار بھی۔ تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ تیز قدمی اور جرأت مخالفین موجود ہیں اور مجرمین میں حاضرین تک محدود پائی جاتی ہے کسی معرکہ جنگ مقابلہ یا مقاتلہ کے موقع پر کسی مخالف کی گردن اوڑانے کسی کے سر کاٹنے یا کم از کم کسی سے مقابلہ و مقاتلہ کرنے کے لیے آنحضرتؐ سے حضرت عمرؓ کا اجازت مانگنے کا کوئی واقعہ شبلی صاحب اپنی کتاب میں نہیں لکھتے۔

ابوسفیان کا بخوف جان ایمان لانا

اتنی تنقیدی عبارت لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں اور شبلی صاحب ہی کی عبارت سے باقی حصہ واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے۔

رسول اللہ صلعم۔ کیوں ابوسفیان۔ کیا تم کو اب بھی یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان۔ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ صلعم۔ کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟

ابوسفیان۔ اس میں تو ذرا شبہ نہیں ہے۔

بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو انکا ایمان متزلزل تھا۔ لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی (خوب خیے و بینی شکست مولف)۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول 773۔

اول تو بخاری صاحب کی تاریخ دانی پر تعجب ہے دوسرے شبلی صاحب کے آنکھ بند کرکے نقل فرمادینے پر۔ یہ ابوسفیان کی گرفتاری کا مضمون کہاں سے نکالا گیا آپ کی خود عبارت موجود ہے۔ اس میں تو آپ نے ان کی گرفتاری کی حالت ان کے گرفتار کنندہ کا نام گرفتاری کا مقام کچھ بھی نہیں لکھا ہے اور آپ پر کیا منحصر ہے۔ کسی تاریخ و حدیث کی کتاب میں اس کی خبر نہیں پھر حضرت عباس کی اس رہنمائی کو آپ یا آپ کے بخاری صاحب گرفتار کیسے لکھتے ہیں۔

شبلی صاحب کی نقل و ترجمہ میں کھلی تحریف

اصل ماخذ کی عبارت میں تحریف۔ صاحبان تالیف کے لیے بڑی توہین وتضحیک کی باعث ہوتی ہے خصوصاً شبلی صاحب کے ایسے ذی مقدار و ذی اعتبار بزرگ سے ایسی لغزش تو سخت تعجب انگیز ہے آپ نے ابوسفیان کے آخر وقت تک کفر وضلالت کے ثبوت پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کے لیے مکالمہ مذکورہ کو اصل ماخذ کی عبارت میں چھوڑ کر فوراً لکھ دیا کہ بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا۔ حالانکہ جس ماخذ کی عبارت آپ نقل کررہے ہیں وہ ابھی باقی ہے اور وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قبول نبوت اور اقرار رسالت میں قدرے شک بتلانے کے بعد جس شے نے ابوسفیان کو اسلام لانے پر قطعاً اور فوراً مجبور کردیا۔ وہ خوف جان تھا۔ جس کو پھر اس بزرگ ہاشمی نے بتلایا اور سمجھایا جس کا نام لینا آپ نہیں چاہتے طبری میں اس مکالمہ کی وہ عبارت جس میں یہ واقعہ درج ہے اور جس کو آپ اس دلیری سے نقل و ترجمہ میں چھوڑ گئے ہیں حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

فقال العباس فقلت له ويلك تشهد شهادة الحق قبل والله ان تضرب عنقك قال فشهد۔

قبول نبوت میں کچھ شک سن کر حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان سے کہا کہ وائے ہو تجھ پر جلدی سے حق کا کلمہ شہادت پڑھ ورنہ خدا کی قسم ابھی تیری گردن ماری جاتی ہے۔ حضرت عباس کہتے ہیں پس اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

اس عبارت کے آخری حصہ سے ثابت ہوگیا کہ محض خوف جان اور حضرت عباسؓ کی تنبیہ وتہدید سے ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان کی مقدار ایمان آپ کے پیش کردہ ماخذ سے اتنی ہی ثابت ہوتی ہے آپ حق ناحق اصل ماخذ میں شرمناک تحریف کرکے ابوسفیان کی عیب پوشی کرتے ہیں اور اس کے ایمان کو صداقت وکمالیت کے معیار پر پورا اتارتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ۔ خوش قسمتی سے آپ کے پاس بھی تاریخ طبری کا وہی مطبوعہ جرمن نسخہ موجود ہے جو بدقسمتی سے میرے پاس بھی حاضر ہے۔ اس سے تو آپ کی ان قلمکاریوں کی حقیقت اسی طرح منکشف ہوتی ہے۔ جس طرح اوپر نقل کی گئی۔ اگر اس پر بھی آپ کا اطمینان خاطر نہ ہو تو مفصلہ ذیل اور شواہد تاریخی بھی حاضر ہیں ابن ہشام مرقومہ بالا مکالمت کی آخر عبارت یوں لکھتے ہیں۔

قال ابوسفيان بابي انت امي ما احلمك واكرمك واوصلك اما هذه الله فان في النفس منها حتى الان شيئا فقال له العباس ويحك۔ اسلم واشهدان لااله الاالله وان محمد رسول الله قبل ان تضرب عنقك قال فشهد شهادة الحق فاسلم۔

(اقرار نبوت کے ارشاد پر) ابوسفیان نے (آنحضرت صلعم سے) کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں

آپ سے بڑھ کرمیرے لیےکوئی حلیم تر کریم تراورقرابت میں) قریب تک نہیں ہے۔لیکن اس امر میں خدا کی قسم میرے دل میں ابھی تک شک ہے یہ سن کرحضرت عباسؓ نے کہاوائے ہوتجھ پراے ابوسفیان جلد اسلام قبول کرواورفوراً کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمدا رسول اللہ پڑھوقبل اس کے کہ تیری گردن اتاری جائے۔حضرت عباس کہتے کہ اس نےکلمہ شہادت پڑھااوراسلام لایا۔
ایک دوسری شہادت بھی سن لی جائے۔روضۃ المناظر تاریخ ابن ابی شحنہ میں ہے۔

قال اماهذه ففي نفسي منها شي فقال له العباس ويحك تشهد قبل ان تضرب عنقك فشهد واسلم واسلم معه حكيم بن خرام وبديل بن ورقا ۔بحواله تاریخ احمدی ص ٦٧۔

ابوسفیان نے کہا کہ اس بات سےتو میرے دل میں کچھ کھٹکا ہے یہ سن کرحضرت عباس نے ابوسفیان کوڈانٹا اورکہا وائے ہوتجھ پر۔جلدتصدیق رسالت کرے قبل اس کے کہ توقتل کیا جائے۔پس ابوسفیان کلمہ شہات پڑھ کراسلام لایااوراس کے ساتھ حکیم بن خمام اور بدیل بن ورقاء بھی۔
مواہب لذیہ قسطلانی میں ہے۔

قال ابوسفيان بابي انت وامي ۔ ماحلمك واكرمك وارصلك اما هذه فالله فان فی النفس منها شيئا حتی الان فقال له العباس ويحك اسلم واشهد ان لااله الا الله وشهد ان محمدا رسول الله قبل ان تضرب عنقك فاسلم واشهد شهادة الحق۔

ابوسفیان نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پرقربان میرے لیےآپ سے بڑھ کرکوئی حلیم تر۔کریم تراور (قرابت میں قریب تر)نہیں ہے۔یہ سن کرحضرت عباس نے کہاوائے ہوتجھ پرجلداسلام لااورکلمہ شہادت اشہدان لاالہ الااللہ واشھدان محمدرسول اللہ پڑھ لے۔قبل اس کے کہ تیری گردن ماری جائے پس اس نے کلمہ شہادت پڑھ کراسلام قبول کیازرقانی جلددوم 063 مطبوعہ مصر
قریب قریب یہی عبارت وترجمہ تاریخ ابوالفدا اورروضۃ الاحباب ص564 میں بھی مرقوم ہے۔
شبلی صاحب اوران کے معتقدین نظرانصاف سے ملاحظہ فرمالیں۔کہ ان کی حق پوشی سے کیا فائدہ ہواجب ان کی اس تحریفانہ کوشش کے انکشاف کرنیوالےاوردنیامیں اس کثرت سےموجودہیں۔

ابوسفیان کبھی سچے مسلمان نہیں ہوئے

بہر حال شبلی صاحب کی یہ سب کوششیں صرف اس لیے تھیں کہ ابوسفیان کی خالص الایمانی ثابت ہو کیونکہ آپ تو لکھ چکے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ آخر وہ سچے مسلمان ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سا مؤرخ ہے جس کی تاریخ میں آپ نے ان کی خالص الایمانی اور کامل الاسلامی کی شہادت دیکھی ہے۔ ذرا نام تو بتلاتے زبانی لفاظی اور مغالطہ دہی سے کام نہیں چلتا۔ اگر آپ خود سچے تھے تو اس مؤرخ اس کی تاریخ کا نام اس کی عبارت لکھدی ہوتی شبلی صاحب یہ بھی آپ کی تحصیل حاصل ہے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد ہی جو واقعہ زرقانی نے موسیٰ ابن عقبہ اور واقدی کے اسناد سے لکھا ہے اس سے ان کے تذبذب فی الایمان کی حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت۔

قال ابوسفیان وحکیم یارسول اللہ جئت بأوباش الناس من یعرف ومن لایعرف الی اهلك وعشیرتك فقال انتم اظلم و افجر فقعدن غدر ثم بالحدیبیة وظاهر تم علی بنی کعب بالاثم والعدوان فی حرم اللہ وامنه فقالا صدقت یارسول اللہ۔

(اس کے اسلام لانے کے بعد) ابوسفیان اور حکیم بن حزام نے عرض کی یارسول اللہ آپ ایسے اوباش لوگوں کی جمعیت لے کر آئے ہیں جو آپ کے قبیلہ اور عشیرے والوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تم تو خود ظالم ترین اور فاجر ترین مردم ہو اس لیے کہ تم نے معاہدہ صلح حدیبیہ سے خلاف ورزی اختیار کی اور بنی کعب پر حرم خدا میں حملہ کر کے گنہگار اور ظالم ہوئے۔ دونوں نے کہا صحیح ارشاد ہوتا ہے۔

ابوسفیان اسلام لانیکے بعد بھی زبان رسولؐ سے ظالم ترین اور فاجر ترین ثابت ہوئے۔ اسی طرح محدث دہلوی عارج النبوۃ جلد دوم ص185 میں لکھتے ہیں۔

حضرت عباس سے ابوسفیان کے اسلام لانے کے بعد جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا انه رجل مستسلم ولامسلم۔ یہ شخص مسلم بنایا گیا ہے نہ مسلم ہے یعنی اس نے اسلام کو بتکلف ظاہر کیا ہے نہ رغبت وطیب خاطر سے۔ واقدی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ ترجمہ کامل الواقدی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ 302 جلد۔

لشکر اسلامی کی شان وشوکت دیکھ کر ابوسفیان کی حیرت

جناب رسول خدا صلعم سے ابوسفیان کی مکالمت کو تمام کر کے شبلی صاحب اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں۔

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس سے کہا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر کھڑا کر دو

کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھے۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم پیدا ہوا قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں سب سے پہلا غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ۔ ہدیم سلیم۔ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے۔ تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہوجاتا تھا سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامانی سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہوگئیں سیرۃ النبیؐ 773۔

شبلی صاحب لکھنے کو تو سارا واقعہ لکھ گئے لیکن اپنی عادت سے مجبور تھے۔ چونکہ نقص اسلام ابوسفیان۔ مفید مطلب مضمون نہیں تھا اس لیے اس کو قلم انداز فرما گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت ومضمون شاید اصل ماخذ میں موجود نہیں۔ ہم آپ کو باور کراتے ہیں کہ آپ کی ان مغویانہ تحریفات وترکیبات سے نہ ابوسفیان کے عیوب پر پردہ پڑا ہے اور نہ پڑھ سکتا ہے اس لیے کہ اس کے عیوب ونقائص ایمانی جنکو آپ اپنی قلمکاریوں سے خلوص ورُسوخ ایمانی بتلانا چاہتے ہیں۔ ایسے طشت از بام اور زبان زد خاص عام ہیں کہ ان کے چھپانے میں سوائے اپنی بدنامی اور ناکامی آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

اب آپ نے اپنے حدیث وتاریخ کے قدیم ماخذوں کی متواتر روایات پر غور کریں کہ لشکر اسلام کی پُرعظمت وجلال شان وشوکت کو دیکھ کر ابوسفیان کا حضرت عباس سے یہ متحیرانہ سوال تاریخ طبری ابن ہشام ابوالفد مواہب لدنیۃ اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں درج نہیں ہے کہ۔

فقال ابو سفیان سبحان اللہ یاعباس من ہزلاء قال قلت ہذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم فی المہجرین والانصار قال مالاحد بہولاء قبل ولا طاقۃ واللہ یا اباالفضل لقد اصبح ملك ابن اخیك الغداۃ عظیماقال قلت یااباسفیان انہا النبوۃ۔ ص 17 جلد دوم

سب سے آخر میں آنحضرتؐ کے ہمراہیوں کی شان کو دیکھ کر ابوسفیان نے کہا سبحان اللہ عباس۔ یہ کون لوگ ہیں حضرت عباس کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ یہ مہاجرین وانصار کے گروہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہی ہیں ابوسفیان نے حیران ہوکر کہا ایسی تو پہلے کسی کی بھی قوت وشان نہیں تھی۔ قسم خدا کی اے ابوالفضل اب تو تیرے بھتیجے کی بڑی سلطنت ہوگئی ہے حضرت عباس کہتے ہیں میں نے جواب دیا وائے ہو تجھ پر یہ اقتدار نبوت ہے۔

قریب قریب یہی عبارت طبری۔ ابوالفد مواہب الدانیہ زرقانی اور روضۃ الاحباب میں بھی درج ہے۔ آپ نے بھی اپنی کتاب میں زیادہ تر انہیں ماخذوں سے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے تو پھر اس عبارت ومضمون کو یوں نہ لکھا خاص کر اس لیے کہ ابوسفیان اور امیر معاویہ کی توہین ہوتی تھی۔ کیا شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق کے مؤلفانہ تدوین کے خلاف نہیں ہے۔ آپ نے اس واقعہ کو غالباً طبری کی عبارت سے نقل فرمایا۔ دیکھیے اس کے اسی صفحہ 1633 میں یہی عبارت درج ہے۔ اس کے بعد طبری لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کے

اس ارشاد کا جواب ابوسفیان نے ان الفاظ میں دیا۔

فقال ابوسفیان نعم قلت الحق الان بقومك فحذرهم فخرج سریعاحتی اتی مکه۔

جو آپ نے کہا بجا ہے حضرت عباس سے کہہ کر ابوسفیان فرماتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا کہ اب تیرا حق یہی ہے کہ تو اپنی قوم کو جا کر ڈرا۔ وہاں سے ابوسفیان نہایت تیزی سے چل کر مکہ میں داخل ہو گیا۔

ابوسفیان کے ساتھ احسان

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے کہہ کر ابوسفیان کو لشکر اسلام کی جو سطوت دکھلائی تھی اس سے اپنی شان وشوکت کا اظہار خودنمائی نہیں منظور تھا بلکہ جبروت قدرت کا معائنہ اور کرشمہ مشیت کا مشاہدہ مقصود تھا جس کے خلاف خود ابوسفیان اور اس کے ایسے کتنے کفار قریش اور مشرکین مکہ آٹھ برس تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے لیکن اپنی مسلسل اور مطول کوششوں کے بعد بھی جنہیں ان کی ہزاروں جانیں تلف ہوئیں لاکھوں روپے صرف ہوئے کچھ بھی مفید کارنہ ہوا آج وہی اسلام ہے اور وہی اسلامیوں کی جمعیت جو اس شان وشوکت اور جلال وسطوت سے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے اس شہر میں بلاخوف وہراس داخل ہو رہی ہے جس کو وہ آٹھ برس پہلے بڑی بیرحمی بڑی بے دردی اور بڑی بیبا کی سے باہر نکال کر آوارہ وطن کر چکے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوسفیان کے جرائم ومظالم کی کوئی حدود انتہا نہیں تھی۔ یہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اخلاق تھے اور مکارم اشفاق حقیقتاً یہ آپ ہی کی دریادلی تھی اور الا انہتا فیاضی کہ ابوسفیان کے ایسے دشمن جان کی جان بخشی فرمادی۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ابوسفیان کے پچھلے کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ مدینہ پر بار بار حملہ قبائل عرب کی اشتعالی آنحضرت صلعم کے خفیہ قتل کرنیکی سازش ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہوسکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز عفو نبوی تھی اس نے آہستہ سے ابوسفیان کے کان میں کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔ سیرۃ النبی ص 673۔

احسان کی دوسری مثال

یوں تو مصالح نبوت کو جو عین مصالح قدرت ہوتے ہیں بالا تمام سمجھنا عام عقل وادراک انسانی سے بعید ہے لیکن ظاہر طور پر ابوسفیان کی رعایت ومعافی کے معاملات میں مدبر رسالت نے ادنیٰ ترین اور اعلیٰ ترین کی تیار مثالیں دنیا کو دکھلا دیں اور بمصداق درعفولذتے است کہ درانتقام نیست بتلادیا کہ خاصان الٰہی اپنے پورے اختیار واقتدار کے وقت بھی اپنے دشمن جان اور قاتل کے اس عجز وانکسار اور لطف وایثار سے پیش آتے ہیں۔ اس بنا پر یہ بالکل صحیح ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کے ساتھ غیر متوقع جان بخشی فرمانے کا احسان خاص فرمایا۔ یا آپ کے عم نامدار حضرت عباس نے جو کچھ اس کے ساتھ رعایت کی وہ سب اخلاق بنی ہاشم کے خاص مآثر تھے۔ اور جس میں جناب رسول خدا صلعم کے خلق عظیم بدرجہ اولیٰ شریک غالب تھے کچھ ان ہی مرعات ومرافقات پر منحصر نہیں۔ حضرت عباس کی پھر دوسری تحریک پر تالیف قلوب کی غرض خاص سے ابوسفیان کو امتیاز خاص بھی عنایت فرمایا چنانچہ طبری میں ہے۔

عن ابن عباس فقلت یارسول اللہ ان اباسفیان رجل یحب الفخر فاجعل لہ شیئا یکون فی قومه فقال نعم من دخل دار ابوسفیان فهو امن ومن دخل مسجد فهو امن ومن اغلق بابه۔ فهو امن۔

حضرت عباس نے عرض کی یارسول اللہؐ ابوسفیان ایک مفاخرت پسند آدمی ہے اس کیلئے کوئی امتیاز خاص عنایت ہو جواس کی قوم میں اس کے امتیاز کا باعث ہو۔آپؐ نے فرمایا اچھا پھر یوں اعلان فرمایا کہ جوشخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا۔ وہ امان دیا جائے گا۔ جو مسجدالحرام میں چلا آئے گا وہ بھی امان پائیگا۔ اور جوشخص اپنے گھر کے دروازے بند کرکے بیٹھا رہے گا وہ بھی مامون رہے گا۔

یہ ایسا مشہور ومعروف واقعہ ہے کہ تمام حدیث وتاریخ کی کتابوں میں منقول ہے۔حوالوں کی ضرورت نہیں مگر افسوس کہ شبلی صاحب نے اسکو بھی اپنے مقام پر نہ رہنے دیا اور نہ اپنی حالت خاص میں ۔ یہ واقعہ تاریخ طبری میں اسی عبارت کے ساتھ شامل ہے۔ جس کو آپ ابوسفیان کے معائنۂ لشکر والے واقعہ میں اسی طبری سے نقل کر چکے ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ آپ نے اس کو اپنے سلسلہ عبارت میں اصلی مقام پر نہیں لکھا بلکہ علیحدہ اعلان عام کی صورت میں واقعہ کے بعد درج فرمایا اور وہ اندراج بھی آپ کی عادت قطع وبرید اور قلمی تحریف سے خالی نہیں رہا۔اور وہ یہ کہ آپ نے اس کی عبارت میں حضرت عباسؓ کی تحریک سے اس کے اس شرف امتیاز عطا کیے جانے کا ذکر بالکل محو کر دیا گو یا طبری میں ۔ان اباشغیان رجل۔

شبلی صاحب کی دوسری تحریف

یحب الفخر (ابوسفیان ایک مفاخرت پسند آدمی ہے) حضرت عباس کی زبانی تحریک مذکور ومسطور ہی نہیں ہے آپ کی یہ صریح تحریف آپ کے تدوین مولفانہ کو کس قدر ذلیل وضیعف ثابت کرتی ہے۔ یہ رسوائی صرف اس لیے اٹھالی گئی ہے کہ ابوسفیان کے ساتھ اس عطایائے نبوی میں کسی کی تحریک وشرکت نہ ثابت ہو۔ بلکہ یہ سمجھا جائے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں ابوسفیان کا ذاتی اعزاز ایسا تھا کہ بلاتحریک احد سے آپ نے بالنفس النفیس ان کو یہ امتیاز خاص عنایت فرمایا۔ اور یہ اصلیت وواقعیت کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ ثابت ہوا۔

ابوسفیان کا سلسلہ استعجاب

اس کے آگے شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

ابوسفیان نے متحیر ہوکر پھر پوچھا یہ کون لوگ ہیں ،حضرت عباسؓ نے نام بتلایا۔ دفعتاً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لیے ہوئے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر بول اٹھے۔

اليوم　　يوم　　الملحمة

اليوم　　تستحل　　الكعبه

آج گھمسان کا دن ہے۔آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا (بحوالہ خاص صحیح بخاری)

سب سے آخر میں کہ کعبہ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پرنور کا فرش بچھتا جاتا تھا حضرت زبیر ابن العوام علمبردار تھے ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی پکارا ٹھے کہ حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے ہیں ارشاد ہوا سعد بن عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم سعد سے لیکر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔سیرۃ النبیؐ ۳۷۷۔

بخاری صاحب اور شبلی صاحب کی کھلی تحریفین

تفحص حالات اور تحقیق واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی صاحب نے ان واقعات کے لکھنے سے قبل یہ ارادہ کرلیا ہے کہ کسی واقعہ کو اس کی اصلیت کے ساتھ کبھی نہیں لکھیں گے بلکہ اپنے غیر مفید مطلب اس کے تمام مقامات میں قطع و برید کرتے جائیں گے کیوں؟ اس لیے کہ ہر واقعہ میں کہیں کہیں حضرت علیؑ کی خصوصیت کا ذکر آجاتا ہے۔اور کہیں کہیں آپ کے مدوحین خاص کی بیجا اشارت ومداخلت ثابت ہوتی ہے۔اور فطرتاً یہ دونوں باتیں آپ کے لیے سخت دشوار اور ناگوار ثابت ہوتی ہیں اس لیے سوائے اس کے کہ یہ باتیں مرفوع القلم کردی جائیں اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔آپ کریں تو کیا کریں لہٰذا ایسے مقامات خاص میں صاحبان حدیث کا عموماً اور بخاری صاحب کا دامن پکڑنا ہوتا ہے چنانچہ تمام حدیث وسیر وتاریخ کی مرویات کثیرہ سے قطع نظر کرکے آپ نے اس واقعہ کو صرف بخاری کی روایت سے لکھ مارا۔کیونکہ وہ آپ سے زیادہ ان مرویات کی قطع و برید اور تضیع وترکیب کے مشاق اور موقع شناس تھے اب اس واقعہ میں آپ نے اور آپ کے بخاری صاحب نے لکھا جس کا بقہ درج ذیل ہے۔ابن ہشام لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے سعد بن عبادہ کی شکایت کی جو محرفانہ قلمکاریاں کی ہیں وہ فصلہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائی جائیں۔بخاری صاحب نے سعد بن عبادہ کے یہ تعریفی الفاظ لکھے ہیں (اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل العبة) حالانکہ ابن ہشان، علامہ طبری اور محدث اور طبری دونوں الحیثیت مؤرخ وزمانہ بخاری سے مقدم اور مرجح ہیں۔بخاری صاحب اور آپ دونوں لکھتے ہیں کہ ابوسفیان سعد بن عبادہ کی اس تعریض کی آنحضرتؐ سے شکایت کی۔

ابن ہشام کہتے ہیں عمر بن خطابؓ تھے جنھوں نے حضرت رسول خداصلعم سے شکایت کی اور کہا یارسول اللہ آپ نے سنا جو سعد بن عبادہ نے کہا۔

آپ بخاری صاحب کی زبانی لکھتے ہیں کہ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے (سعد سے) لیکر ان کے بیٹے قیس کو دیدیا جائے حالانکہ ابن ہشام طبری اور محدث شیرازی بالاتفاق لکھتے ہیں۔

فقال رسول الله صلعم بعلى ابن ابى طالب ادركه فخذالرية منه فكن انت الذمے

قد خل بہام۔

پھر جناب رسالتمآب ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ فوج کا علم سعد بن عبادہ سے لے لو اور اس علم کو لیکر شہر میں داخل ہو۔ابن ہشام 712 طبری 1636 روضۃ الاحباب 426۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علیؑ کا نام ہی لینا بخاری اور شبلی صاحب کے نزدیک گناہ ہے اور ذکر کرنا تو سخت مصیبت پھر وہ ذکر جس میں کسی فضیلت وخصوصیت کا اظہار ہو۔ اب ذرا دیکھئے حضرت علی مرتضی علیہ السلام کی اس خصوصیت کے مٹانے چھپانے اور گھٹانے میں بخاری صاحب نے کیا کیا قلمکاریاں کی ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی اس خصوصیت میں کتنے لوگوں کو داخل کر دیا ہے۔اس کی تفصیل میں محدث شیرازی کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو جوانہوں نے اس روایت کی تحقیق وتنقید میں زیب قلم فرمائی ہے۔

علی مرتضی راگفت کہ برودعلم راز سعد بستان وبرفق درافت درمکہ درآئی۔ وردایتے آنکہ علم رااز سعد گفرت دبہ زبیر ابن العوم درددلوائے خاص رسول زبیر واشت چنانچہ صاحب اللائین بمکہ درآمد وجمع سمیان این روایت مختلفہ باین طریق حاصل رسول زبرداشت چنانچہ صاحب اللومین بمکہ درآمد وجمع میان این روایات مختلفہ باین طریق حاصل یشود کہ گویم اول حکم کردہ باشد علی راکہ علم ازدے بستاندوبمکادرآمدوبعدازان بہت استمالت خاطر سعد بہ پسرش تفویض فرمودہ باشد وسعد بہجت آنکہ مباد ازپسر دے حرکتے صاد بشود کہ چنان بنابد التماس کردہ باشد کہ علم ازودے باز گیرند بنا برین زبیر رافرمودہ باشد کہ علم ازقیس لستاندوبعضے ازروایات صحیح مویداین جمع است۔

حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ جاؤ سعد سے علم لے لو اور رعایت مدارا کے ساتھ شہر میں داخل ہو اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سعد سے علم لے کر زبیر کے سپرد کیا اور آنحضرتؐ کا علم خاص بھی زبیر کے پاس تھا چنانچہ زبیر صاحب اللوائیین دونوں علموں کو لیے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ان روایت مختلفہ میں میرے نزدیک جمع اقوال اس طریقہ سے ہوسکتی ہے کہ میری تحقیق میں پہلے علم حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام کے حوالہ فرمایا گیا اور وہ علم لیے مکہ میں داخل ہوئے لیکن (مکہ میں آنے کے بعد) آنحضرتؐ نے محض سعد ابن عبادہ کی دلجوئی کے لحاظ سے ان کے بیٹے قیس کو علم دلوادیا مگر سعد نے یہ خیال کر کے کہ لڑکے سے شاید کوئی حرکت ناشائستہ ہوجائے خدمت نبوی میں عرض کی کہ قیس سے علم لیکر کسی دوسرے

صاحب کو عطا فرمادیا جائے تو آپ نے سعد کی التماس پر قیس سے علم لیکر زبیر ابن العوام کو تفویض فرمادیا ہوگا۔ اور بعض روایت صحیحہ اسی طریقۂ تجمیع مرویات مختلفہ کی تائید کرتی ہیں۔ روضۃ الاحباب صفحہ 426۔
حافظ جمال الدین شیرازی کی مرقومہ بالا عبارت پڑھ کر بخاری اور شبلی صاحب خوب سمجھ لیں کہ کسی واقعہ کی اصلیت وحقیقت بدلنے میں اتنے ہیر پھیر سے کام لینا ہوتا ہے مگر تاہم حقیقت نہیں چھپی ہے اور اصلیت ظاہر ہوجاتی ہے کہ لا یخفی علی المدبر۔

ابوسفیان کا مکہ میں داخلہ

مناسبت مقام مجبور کرتی ہے کہ مکہ میں لشکر اسلام کے داخلہ سے پہلے شبلی صاحب کے سچے مسلمان ابوسفیان کے داخلہ کی کیفیت لکھی جائے۔ چنانچہ محدث شیرازی کی زبانی حسب ذیل عرض ہے۔

چون تمام لشکر برابوسفیان گذشته عباس با ابوسفیان گفت دور مکه وایشانربتر سان که فکرے درکار خویش بکنند ومسلمان بشوندتاخلاصی بیابند ولا ہلاک خوواہند شد۔ ابوسفیان تاختة بمکه درآمد ولشکر اسلام چون بذی طویٰ سید توقف نمودتاپیغمبر بایشان رسید دور آنروز چنان گردوغبار برکاسته بودکه برسر کو ہمامی رسید وقریش رازاآمدن آنحضرت صلعم خبر نبود چون ابوسفیان راازدور دیندن که بتعجیل می آید دیر استقبال کردند وگفتند ازعقب توکیست واین غبار راسبب چیست گفت وآے۔ برشما محمدبالشکرے غرق آین فولاددرسید واکثر سواران دلانادرند که ہیچکس طاقت مقاومت باایشان ندارد وگفته که ہرکه درخانه من درآید درامان باشد وہر که سلاح بیاندازونیز درآمان باشید وہر که درخانه خویش دربندوہم درامان باشدوہرکه مسجد الحرام درودامان باشد گفتند تمجک اللّٰه این چه خبراست که پرآے مااوروه اوی وندزوجه دے ہم پراسے استقبال اوبیرون آمده بودل شنید که ش این نوع شک میں راند تحمل ینا دورلحیه شوہررا بکرفت وبرائے خواریبمامی کردوگفت یا آل غالب بکشید این پیر احمق تااین شان نگوید ابوسفیان گفت پرخواری که کواہی بکن سوگند میخورم که اگر مسلمان نشوی گردنت بخوہندپش درآکانه خویش درآئی دوراوربند۔ ص427۔

جب تمام لشکر اسلام کو ابوسفیان دیکھ چکا تو حضرت عباس نے ابوسفیان سے کہا جلد مکہ میں چلے جاؤ اور لوگوں کو تہدید کرو کہ وہ اپنی فکر کریں اور مسلمان ہوجائیں کہ ان کی نجات ہوجائے ورنہ سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے ابوسفیان دوڑتا ہوا مکہ میں آیا اور لشکر اسلام مقام ذی طویٰ میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس دن بہت گرد وغبار تھا کہ تمام پہاڑ کی چوٹیاں گرد سے بھر گئیں تھیں اور اس وقت تک کفار کو آنحضرت صلعم کی آمد کی کچھ خبر نہیں تھی جب لوگوں نے ابوسفیان کو جلد جلد آتے دیکھا تو اس کے استقبال کو آگے بڑھے اور اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کون ہے اور یہ غبار کیسا ہے ابوسفیان نے کہا کہ یہ محمد صلعم کا لشکر ہے جو تعداد کثیر میں غرق آہن فولاد چلا آتا ہے ان میں ایسے دلاوران جنگ ہیں جن سے کسی کو تاب مقابلت ومحاربت نہیں ہوسکتی محمد صلعم نے مجھے کہہ دیا ہے کہ جو شخص میرے مکان میں آجائیگا وہ امان میں رہیگا۔ اور جو اپنے ہتھیار ڈال دے گا وہ بھی امان میں رہے گا۔ جو شخص گھر میں بیٹھ کر دروازے بند کریگا وہ بھی امان پائیگا اور جو شخص مسجد الحرام میں جائیگا وہ بھی امان پائیگا۔ یہ سن کر سب نے کہا خدا تجھے ذلیل کرے کیسی خبر تو لایا ہے ہندہ ابوسفیان کی زوجہ بھی شوہر کے استقبال کو آئی تھی شوہر کے ان ناشنوا شک کو سن کر بیتاب ہوگئی، شوہر کی داڑھی پکڑ لی اور اس کی بڑی ذلت کی اور پھر چلا کر کہنے لگی اے آل غالب اس بوڑھے احمق کو مار ڈالو کہ پھر ایسے احمقانہ شک نہ کرے ابوسفیان نے جواب دیا میری جو ذلت چاہو کرو مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو مسلمان نہ ہوجائے تو میری گردن بھی اتار لیجائیگی جلد اپنے مکان میں چلی جا اور دروازے بند کرکے بیٹھ رہ۔

مکہ معظّمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فاتحانہ لیکن بالکل خاموشانہ داخلہ

کوکبۂ رسالت مہاجروانصار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظّمہ میں داخل ہوا۔ داخلہ سے پہلے شہر میں جانے کا یہ انتظام فرمایا گیا کہ چندممتازین کی ماتحتی میں مختلف قبائل کی جماعتیں سپرد کرکے متفرق راستوں سے شہر میں ان کو داخل ہونیکا حکم دیا گیا حفظ ماتقدم کی یہ اعلیٰ تدبیر تھی۔ اس لیے کہ اگرچہ قریش میں اب کوئی جان باقی نہیں تھی۔ لیکن دشمن کو کسی حالت میں ہو پھر بھی دشمن ہے۔ دش من تتوان حقیر وبیچارہ شمر۔ چنانچہ خالد بن ولید والے ماتحتی دستہ اسلام کے ساتھ نیم جان قریش نے ایک حرکت مذبوحی دکھلا ہی دی۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

خالد بن ولید کے دستہ فوج کا مقابلہ ومقاتلہ

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حفظ ماتقدم کے لحاظ سے لشکر اسلامی کے متفرق دستے مختلف راستوں سے شہر میں بھیجے گئے تھے اور علی العموم ان کو جدال وقتال اور کشت وخون سے تاوقتیکہ مدافعانہ طور پر حفاظت جان کی ضرورت نہ واقع ہوئے۔ سخت تاکید کے ساتھ منع کردیا گیا تھا لیکن تاہم خالد بن ولید والے ماتحتی دستہ، فوج کو دست بقیضہ ہونے کی ضرورت پیش آ ہی گئی شبلی صاحب ان الفاظ مختصرہ میں حقیقت حال بیان فرماتے ہیں۔

قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور خالد کی فوج پر تیر برسائے چنانچہ دو صاحب کرزین جابر فہری اور جیش ابن اشعر نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہوکر حملہ کیا۔ یہ لوگ 13 لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو خالد

سے باز پرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتداء مخالفین نے کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا قضائے الٰہی ایسی ہی تھی ص378۔
شبلی صاحب تو اشاروں میں باتیں کر گئے اور تفصیل میرے لیے چھوڑ گئے۔ روضۃ الاحباب میں محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

ہمه طوائف راد آنحضرت) گفت باید که ہیچکس مقابله و محاربه نکند مگر آنکس که خیر گی نماید و باشما مقابله و محایه کت عکرمه بن ابو جہل وسیل عبن عمر جماعتے از بنی بکرو بنی ھارث بن عبدمناف وگرد پے ازدیل و احابیش سر راہ خالد گرفتندو ور موضع که ان راجند مه می گفتند بادے محاربه آغاز کرند خالد بضرورت باالیشان مقاتله نمود جنگ عظیم واقع شد چنانکه بخروره که نزدیک بدر مسجد الحرام است رسید ندوبست مردابنی بکر وچہارمرداز ہذل بکشتند وازفون خالد ووکس بقتل آمد نند یکے جنبش بن الاشعری ودیگر کرزبن جابر بود پیغمبر صلعم ازدور شعاع شمشیر ونیزه بدید پرسید که این چیست نه نہی کرده بودم از قتال بعرض رسانیند نا که گمان می برم که جماعتے باخالد بجنگ بیرون آمده باشند وخالد ضرورت شده باشد که بایشان مقاتله نما ید جون آن فتنه تسکین یافت حضرت تاخالد گفت چون نہی کرده بودم چرا جنگ کردی خالد جوابدد که ایشان ابتدا نمودند بقتال ومارا بضرورت وفع بایست کرو فرمود قضا اللّٰه خیراً وطبرانی بطریق ابن عباس روایت میکند که پیغمبر چون بمکه درآمد گفتند یارسول اللّٰه ابن خالد بن ولید است که شمشیر کشید وال مکه رامی کشند آن سرووریکے از اصحاب افر ستاوتاخالدرا گوید ارفع عهم السیف یعنی شمشیراز ایشان بردار ومکیان رامکش آنمروبترو خالد آمد وگفت پیغمبر صلعم میگو ید ضع فہیم السیف یعنی شمشیر درالیشان بته وبرہر که دست یابلی بکش پس خالد ہفتاد کس رادرآنر زبکشت ص 437۔

آنحضرت صلعم نے ہر دستہ فوج کو حکم تاکیدی فرمادیا تھا کہ کسی سے مقابلہ ومحاربہ نہ کیا جاوے سوائے اس شخص کے جو تم سے بدی کر کے مقابلہ اور مقاتلہ کرے عکرمہ بن ابی جہل سہیل بن عمر بنی بکر بنی حارث بن عبدمناف بنی ہذیل اور احابیش مکہ کی جماعتیں لے کر خالد کی راہ روکنے آئے اور مقام جندمہ پر خالد کے

ہمراہیوں پر حملہ آور ہوئے اس ضرورت و مجبوری سے خالد نے ان پر تلوار کھینچی بڑی لڑائی ہوئی اور ایسی کہ خروره باب کعبہ کے قریبی مقام تک لوگ پہنچ گئے ۔ بنی بکر کے بیس آدمی بنی ہذیل کے چار آدمی مارے گئے اور خالد کی فوج سے دو آدمی کام آئے ایک جیش بن الاشعری اور ایک کرز بن جابر۔ آنحضرتؐ نے جب تلوار و نیزہ کی چمک دیکھی تو پوچھا یہ کیا ہے۔کیا میں نے جدال وقتال سے منع نہ کر دیا تھا لوگوں نے عرض کی ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی جماعت خالد سے برسرراہ ہوئی ہوگی اس لیے خالد کو ان سے مقابلہ کی ضرورت ہوئی ہوگی جب یہ فتنہ فرو ہو گیا تو آنحضرتؐ صلعم نے خالد سے پوچھا کہ جب ہم نے تمہیں کشت وخون سے منع کروایا تھا تو تم کیوں لڑے خالد نے جواب دیا کہ انہیں لوگوں نے جنگ کی ابتدا کر دی تو ہم کو بھی مدافعت کی ضرورت سے لڑنا پڑا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا خیر مرضی خدا یہی تھی ۔طبرانی حضرت عبداللہ بن عباس کے طریق سے لکھتے ہیں کہ جب جناب رسولخدا صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ سے لوگوں نے عرض کی کہ خالد تلوار کھینچ کر مکہ والوں کو مارے ڈالتے ہیں یہ سن کر آپ نے ایک صحابی کو بھیج کر خالد کے پاس کہلا بھیجا کہ ان پر سے تلوار اٹھالو انہوں نے جا کر کہا کہ ان کو تلواروں کے نیچے رکھ لو نتیجہ یہ ہوا کہ خالد نے اس دن ستر آدمیوں کی جان لے لی۔

تفصیل حقیقت یہ تھی جو محدث شیرازی کی زبانی لکھ کر دکھلا دی گئی اب تحقیق طلب اور انصاف پسند حضرات خود سمجھ لیں کہ وہ شبلی صاحب کے مرقومہ بالا مختصرات سے کہاں تک حقیقت حال معلوم کر سکتے تھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیا جائے گا کہ شبلی صاحب کو اس کو تاہ رقمی اور قصیر القلمی کی کون سی مجبوری تھی یہی نہ کہ حضرت خالد کی عجلت فی القتال اور ایک دوسرے صحابی صاحب کی غایت درجہ کی خوش فہمی اور عقلمندی ثابت ہوتی اس کے بعد شبلی صاحب داخلہ اور قیام مکہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

عقیل بن ابی طالب پر بیجا الزام

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور قیام کہاں فرمائیں گے کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمانوں کا کافر وارث نہیں ہوسکتا ابوطالب آنحضرت صلعم کے چچا نے انتقال کیا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے۔اس لیے وہی وارث ہوئے ۔انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقیل نے گھر کہاں چھوڑا جہاں اتروں اس لیے مقام خیف میں ٹھہروں گا یہ وہ جگہ تھی جہاں قریش نے ہجرت سے پہلے آنحضرتؐ اور خاندان بنی ہاشم کو مکہ سے نکال کر محصور کر دیا تھا ص378۔

ابن ہشام طبری اور ابوالفدا وغیرہ نے اس واقعہ کی تصریح نہیں کی ہے ہاں بخاری صاحب اور ان کے بعد کے محدثین نے لکھا

ہے اس بنا پر اسکی صحت معیار تاریخ کے مطابق کامل نہیں اور ممکن ہے کہ بخاری صاحب نے اس کو حضرت ابی طالب وعقیل کے اظہار کفر کی ضرورت سے اس کا اضافہ فرما لیا ہو اور تقلید اسلاف کی مجبوری سے شبلی صاحب نے بھی نقل کر دیا ہو۔

بہر حال اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا استفسار کیا گیا اور آپ نے تعریضاً عقیل کے تصرف بالبیع کی طرف یہ اشارت بھی فرمائی تو بالکل صحیح ارشاد ہوا۔ حضرت ابی طالب کے انتقال کے بعد طالب وعقیل مشرکین مکہ کے ساتھ تھے اور ان کے عم بزرگوار حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی اسی طرح جعفر اور علی المرتضیٰ علیہ السلام آنحضرت صلعم کے ہمراہ مدینہ میں تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ عقیل اور طالب جو وہاں موجود تھے۔ آبائی مکانات مسکونہ پر قابض ومتصرف ہوئے۔ جب طالب جنگ بدر کے بعد مفقود الخبر ہو گئے تو عقیل نے اپنی ضرورت سے اس کو بیچ ڈالا۔ اس موقع پر مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی لکھتے ہیں۔

وکان عقیلا ورث ابی طالب ھو د طالب ولم حیث جعفر ولا علی شیا لانھما کان مسلمین۔

ابو طالب کا ترکہ عقیل اور طالب نے لیا۔ اس میں حضرت جعفر اور حضرت علی علیہ السلام کو کچھ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ یہ دونوں بزرگوار مسلمان ہو چکے تھے۔

زرقانی اسکی شرح میں حافظ ابن حجر کا یہ قول لکھتے ہیں۔

قال الحافظ ھذا یدل علی تقدم ھذا الحم من اوائل الاسلام لموت ابی طالب قبل الھجرۃ فلما ھاجرا استولی عقیل وطالب علی الدار کلھا باعتبار ما ورثاہ وباعتبار ترکہ لحقہ منھا بالھجرۃ وفقد طالب ببدر نباع عقیل الدار کلھا واختلف فی تقریرہ علیہ الصلواۃ والسلام تفضیلا علیہ وقیل استمالۃ وتالیفاً وقیل تصحیحا لتصرفاف الجاھلیۃ کما تصح انکحتم قال الخاطبی انما لم ینزل فیا لانہ دور ھجروھا اللہ فلم یرجعوفیا ترکوہ وتعصب بان سیاق الحدیث تصضے ان عقیلا باعھا ومقھومہ انہ لو ترکھا بغیر بیع لنزلھا ۔ ص 373 مصر

حافظ ابن حجر کہتے ہیں یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم قدیم اوائل اسلام سے جاری ہے کیونکہ حضرت ابی طالب کی موت ہجرت سے پہلے واقع ہوئی ہے جب آنحضرتؐ ہجرت کر گئے تو ان مکانات پر عقیل اور طالب قابض ہو گئے۔ دونوں اعتبار سے باعتبار وارثت بھی اور باعتبار اس کے کہ آنحضرت صلعم خود اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ جب طالب جنگ بدر میں مفقود الخبر ہو گئے تو عقیل نے ان مکانوں کو بیچ ڈالا آنحضرت

صلعم کی اس تقریر میں عقیل کو مخصوص فرمانے کے متعلق مختلف اقوال آئے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی تفصیل خاص سے اپنا ترکہ انہیں کیلئے چھوڑ دیا۔بعض کہتے ہیں ان کی دلجوئی اور تالیف کی غرض سے ایسا فرمایا گیا اور بعضوں کا قول ہے کہ اس دستور جہالت کے صحیح فرمانے کے خیال سے ایسا کیا گیا جیسا کہ جاہلیت کے نکاح بھی سب صحیح درست قرار دیئے گئے۔سیاق حدیث سے بھی یہ متعقب ہوتا ہے کہ عقیل ان مکانات کو بیچ چکے تھے اور مفہوم حدیث یہ بتلاتا ہے کہ اگر عقیل انہیں نہ بیچ چکے ہوتے تو آنحضرت صلعم انہیں مکانات میں ٹھہرتے اس عبارت کے نقل کرنے سے میرا مقصود صرف اتنا تھا کہ جس غرض وغایت سے شبلی صاحب اور بخاری صاحب نے اس واقعہ کو بخلاف ارباب سیر و تاریخ مشتہر کرنا چاہا تھا وہ یہ تھیں کہ عقیل کا غصب اور تصرف غیر موزوں ثابت ہو ان کے کفر کا اعلان ہو اور اخلاق بنی ہاشم کی توہین ظاہر ہو وہ ایک بھی ثابت نہیں ہوا۔بلکہ بخلاف ان کے جو فعل عقیل نے کیا وہ آنحضرت صلعم کے نزدیک صحیح درست تھا بلکہ ان تمام امور میں عقیل کے ساتھ تفضلات ومراعات خاص عمل میں لائے گئے۔

اس کے بعد شبلی صاحب داخلہ بیت الحرام اور انہدام اصنام کی کیفیت لکھتے ہیں اور بیچ کے تمام واقعات حالات مرفوع القلم فرمادیتے ہیں۔اس لیے کہ ان میں بدقسمتی سے اہلبیت اور بنی ہاشم کا ذکر خصوصیت ہے۔ہم اس کو تاریخ طبری ابن ہشام ۔روضۃ الاحباب اور شرح زرقانی سے ترجمہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام خیف میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔قیام فرمایا مقام حجون میں آپ کے لیے خیمہ نصب فرمایا گیا۔آپ خیمہ میں تشریف لائے،گرد وغبار سے جسم ولباس مبارک بالکل آلودہ ہو رہا تھا فوراً غسل کا تہیہ فرمایا۔خیمہ میں بروایتے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اور بروایتے ابوذر غفاریؓ نے چادر کا پردہ کھینچ دیا اور آپ اس پردہ کے اندر جا کر غسل فرمانے لگے۔

حضرت ام ہانی کا مکان امان قرار پایا

غسل سے فارغ ہو کر کپڑے بدل رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب خیمہ اقدس میں آئیں جناب سیدہ سے آنحضرت صلعم کے متعلق پوچھا،معلوم ہوا کہ غسل فرماتے ہیں اتنے میں آپ حجاب سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا **اھلا ومرحبا یاام ھانی ماجاء بك** مرحبا اے ام ہانی کہو کیوں آئی ہو۔ام ہانی نے عرض کی کہ میرے گھر میں میرے شوہر کے دو عزیز آکر چھپ گئے ہیں۔میرے بھائی علی مرتضیٰؑ نے انہیں دیکھ پایا ہے ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔آپ میری خاطر ان کی جان بخشی فرمادیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:جاؤ ام ہانی جس کو تم نے امان دی اس کو میں نے بھی امان دی۔

ام ہانی کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت۔اس کے بعد پھر آپ ام ہانی کے گھر میں تشریف لائے اور ارشاد کیا کچھ کھانے

کولاؤ ام ہانی نے عرض کی بغیر نان وسرکہ کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور میں حضور کے سامنے اس کے پیش کرنے سے شرماتی ہوں ارشاد ہوا۔

معلمی بھن فکسو معن فی ماء وجاءت بملح۔

لاؤ۔ روٹی کے ٹکڑے کرڈالو۔ اور پانی میں ان کو بھگو کر اوپر سے نمک چھڑک دو۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ روز فتح یہ مکہ کے فاتح اعظم کا خاصہ ہے صلواعلیہ والہ۔

ام ہانی کا بیان ہے۔

هلميه قصيه على الطعام واكل سنه ثم حمد الله تعالىٰ ثم قال نعم الادم الخيل

ياام هانى لا يفقر بيت فيه خل۔ زرقانى باسنادو طبرانى۔ مصر

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھانا کھالیا اس کے بعد خدا کا شکر ادا کیا اور مجھے ارشاد فرمایا اے ام ہانی سب سے بہتر وہ دستر خوان ہے جس پر سرکہ موجود ہو۔ اور اس گھر میں فقر نہیں آتا جس گھر میں سرکہ موجود ہوتا ہے۔

بروایت روضہ الاحباب خانہ ام ہانی میں آٹھ رکعت نماز دو دو رکعت کرکے صوت خفی کے ساتھ پڑھی گئی اس کے بعد آپ وہاں سے برآمد ہوئے تو مہاجر و انصار کی مسلح جماعت دروازے پر منتظر کھڑی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سلاح حربی زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔

حرم محترم میں داخلہ

جناب رسولخدا صلعم بروایتے شعب ابی طالب اور بروایتے خانہ ام ہانی سے مسلح ہو کر برآمد ہوئے۔ جان نثاروں نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور پروانہ وار شمع رسالت کے گرد و پیش ہو گئے۔ چونکہ بیرون شہر سے مسجد الحرام تک ایک گونہ مسافت تھی اس لیے آپ نے ناقہ پر جلوس فرمایا اور اخلاص مندوں کا گروہ آراستہ ہو کر خراماں خراماں ہمراہ چلا۔

کرشمہ قدرت کا پورا نظارہ تھا اور تصرفات مشیت کا کامل مشاہدہ، جس مقام میں تین برس تک یہ مقدس ہستی محصور کی گئی تھی جس کے لیے آب ودانہ بند تھا۔ آمدورفت مسدود، خرید و فروخت ممنوع تھی جس سے تعلقات قومی و مالی اور توسلات حسبی و نسبی مقطوع کردیئے گئے تھے۔ گویا اسی حبس بیجا کی ضیق النفسی میں اس کے لیے دم بھر کی زندگی بھی ناممکن ٹھہرادی گئی تھی۔ آج اسی مقام اسی مکان اور اسی زمین سے وہ پیکر مطہرو مقدس ہستی وہ وجود ذیجود ان کا تاجدار ان کا حکمران اور ان کا سردار بن کر کامل فتح و کامرانی کے ساتھ ان پر حکمرانی کرنے کے لیے تشریف فرما ہو رہا ہے تمام عمائد کا براور سرداران قریش کی گردنیں اطاعت کے لئے خم ہیں اور سرہائے نیاز افگندہ ہیں سرمستانِ غرور و جہالت اور سرگشتگان کفر وضلالت کی جوق در جوق جماعت دروازہ شہر سے لیکر باب بیت اللہ معظم تک ہزار چشم حسرت وعبرت کے ساتھ کوکبہ رسالت کی موجودہ شان وشوکت کو دیکھ رہی ہے اور دیوار کی صورت خاموش کھڑی ہے ان کے دورویہ قطار کے درمیان مہاجر و انصار اور عقید تمندان جان نثار کی جماعت تکبیروں کے نعرے لگاتی ہوئی اور خود زبان اقدس رسالت آیہ۔ انا فتحنا لك فتحا مبينا۔ کی تلاوت فرماتی ہوئی خرامان خراماں گزر رہی ہے شہنشاہ رسالت کے خاص جذبات کی یہ حالت ہے کہ آپ بار بار

شکر الٰہی میں خم ہوجاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔

اللھم ان العیش عیش الآخرہ۔

پروردگار اصل کامرانی عاقبت کی کامرانی ہے

کس قدر معرفت اور حقیقت میں ڈوبا ہوا کلمہ ہے جو باوجود ان تمام سامان واسباب ظاہر کے مجاز کے کسی شائبہ اظہار کو پاس نہیں آنے دیتا۔اسی سے قلب منور کے جذبات صحیحہ کا پتا چل جاتا ہے۔چنانچہ اسی کیفیات خاص کے متعلق امام قسطلاتی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

انه وضع راسه تواضعا الله لما راے ماالکرمه الله به من الفتح حتے ان راسه لتکاو تمش رحله شکرا واخضوعا العظمة۔

آنحضرتؐ نے فرق مبارک اٹھایا آنحضرتؐ نے اظہار تواضع کی غرض سے فرق مبارک جھکا دیا تھا اس لیے کہ فتح مکہ کے موجودہ مشاہد سے جو کرامت خدا نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔وہ آپ کے پیش نظر تھی آپ نے اس عطیہ الٰہی کے شکریہ میں اور عظمت خداوندی کے اظہار میں اس قدر فرق مبارک کو جھکا دیا تھا کہ پالان شتر سے ملحق ہونے کے قرب پہنچ گیا تھا۔زرقانی مصر 369۔

احکام امن انہیں جذبات نورانی کا تقاضہ تھا کہ داخلہ شہر سے پہلے تمام لشکر اسلام میں حکم عام دے دیا گیا تھا۔

(۱) جو شخص ہتھیار رکھدے اسے قتل نہ کرو۔

(۲) جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے قتل نہ کرو۔

(۳) جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کرکے بیٹھ رہے قتل نہ کیا جائے۔

(۴) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چھپ رہے اس کو امان دی جائے۔

(5) بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(6) قیدیوں کو نہ قتل کرو۔

مخالفین اسلام حضرت موسیٰؑ کے داخلہ مدین اور نبی موآب و بنی اودوم کے قتل عام ان کے ساتھ بدلہ وانتقام کے احکام توریت میں پڑھیں اور زمانہ حال کے عیسائی متعصبین شاہ قسطنطنین کا شہر قسطنطنیہ میں داخلہ اور رعایائے مفتوحہ کے قتل عام کی سرگزشت اپنی اپنی تاریخ قدیم میں دیکھیں پھر ان داخلوں کے حالات واقعات کو پیغمبر عرب اور فاتح مکہ کے حالات فتوحات سے مقابلہ وموازنہ کرکے خود سمجھ لیں کہ رحمت عالم اور خدا کے خلق مجسم کی یہ شان ہوتی ہے صلو علیہ والہ۔

افسوس ہے شبلی صاحب نے ان تمام حالات کی تفصیل سے بےموقع چشم پوشی اختیار فرمائی ہے جو حقیقتاً حق پوشی اور حق فراموشی ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت بت شکنی کا غلط دعویٰ

شبلی صاحب اسکے آگے بیان فرماتے ہیں۔

خدا کی شان! حرم محترم جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا۔ اس کی آغوش میں 360 بت جا گزیں تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھہر کے دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے آنحضرت صلعم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں۔ وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا آپ حضرت بلال اور طلحہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی بخاری کی روایت میں ہے کہ کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں نماز نہیں ادا کی ص 379۔

شبلی صاحب کے یہی مختصرات ہیں جو ان واقعات کی تفصیل میں حوالہ قلم فرمائے گئے ہیں لیکن آپ کی موقع شناسی البتہ قابل داد ہے کہ اس مختصر پسندی اور زود نویسی میں حضرت عمرؓ کی خصوصیت یاد رہی (کاش دوسروں کی خصوصیتیں بھی یوں ہی یاد رکھی جاتیں) اگرچہ تحقیق سے وہ کیسی ہی ثابت ہوتی ہو۔

شبلی صاحب اور واقعہ بت شکنی کا استخفاف

بہر حال حضرت عمرؓ کے تصویریں مٹانے کا واقعہ اور اس کی اصلیت کیا ہے اور اس کا موقع کون ہے اس کو ہم بعد میں بیان کریں گے پہلے ہم شبلی صاحب کی ان قلمکاریوں کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں جو آپ نے محض بیوقت بے موقع اور بے محل حضرت عمرؓ کی مداخلت فی الکعبہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور خلاف واقع ہونیکی وجہ سے آپ کے اس لے موقع بیان مصنوعی میں جو اشکال واقع ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) اول تو حضرت عمرؓ کے تصویروں کے مٹانے کے واقعہ کا ارباب تاریخ وسیر اور اصحاب حدیث وغیرہ نے بہت کم لکھا ہے اور لکھا بھی ہے تو واقعہ بت شکنی کے بعد ملاحظہ ہو شرح زرقانی۔

(۲) آپ نے واقعہ بت شکنی کو کلیۃ مرفوع القلم فرما دیا۔ محض اس خوف سے کہ اس میں خواہ مخواہ حضرت علیؑ کی بت شکنی کا ذکر ضرور کرنا ہوگا۔ صرف اتنا لکھ دیا کہ آنحضرت صلعم ہر ایک بت کو ٹھو کے دیتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے جاالحق الخ اس ترکیب تلخیص وتلمیح سے تمام واقعہ کو ناقص اور نا کامل چھوڑ دیا۔

(۳) آپ نے اس واقعہ کو دخول کعبہ سے پہلے بتلایا جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ٹھو کے دینے سے جو بت ٹوٹے تھے وہ وہی تھے جو خانہ کعبہ کے باہر رکھے ہوئے تھے۔ یا باہر نصب تھے کیونکہ ابھی تک دروازہ مقفل تھا نہ کلید بردار آیا تھا۔ نہ کنجی لی گئی تھی نہ دروازہ کھلا تھا۔ عثمان بن طلحہ سے کنجی منگوانے اور طلحہ و بلال کے ساتھ کعبہ کے اندر جانے کے حالات تو آپ نے پیچھے لکھے ہیں۔

(۴) بتوں کے ٹھوکے دینے کے بعد ہی آپ نے حضرت عمر کے تصویریں مٹانے کا واقعہ لکھا ہے۔ تو پہلے بتوں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ یہ تصویریں بھی باہر کی دیواروں پر منقوش تھیں جن کو حضرت عمر نے مٹایا۔ اور یہ بھی دخول بیت اللہ سے قبل واقع ہوا۔

لیکن مشکل یہ پڑتی ہے کہ آپ تصویر مٹانے کے واقعات کو بھی خانہ کعبہ کے اندر بتلاتے ہیں جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر تصویریں مٹا دیں۔'' سوال یہ ہے کہ ابھی تو نہ کنجی آئی نہ کلید بردار حاضر ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ بقول آپ کے اندر چلے کیسے گئے۔ جب آپ کے کلید بردار والے مابعد کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قبل کا واقعہ سے تو آپ کا یہ لکھنا کہ حضرت عمر نے اندر جا کر تصویریں مٹا دیں۔ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ بالآخر یہ کہنا پڑیگا۔ کہ آپ کے بیان میں تاخیر و تقدیم کا تناقص پیدا ہو گیا ہے اور حضرت عمر کی صرف خصوصیت کے غیر متحمل اشتیاق میں زود نویسی کی وجہ سے آپکو پس و پیش کا بھی خیال نہیں رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ کعبہ کے اندر جانیکا واقعہ دروازہ کھلنے کے بعد کا ہے۔ لیکن آپ نے بلا خیال تقدیم و تاخیر اسکو کلید بردار کے آنے سے پہلے لکھ دیا ہے اس لیے مبہم بھی ہو گیا ہے اور غلط بھی۔ اگر ہم اسکی تفصیلی حقیقت یہیں لکھ دیں تو پھر ہمارے سلسلہ شک میں بھی وہی عیب و تناقص پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے ہم اسکی حقیقت کو اس کے مقام پر لکھیں گے پہلے ہم جناب رسالتمآبؐ کی بت شکنی کی تفصیل عرض کرتے ہیں مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ اور بت شکنی کی خدمت

وبقی صلم خزاعه فوق الكعبة وكان من قوارير صفر فقال یاعلیؑ ارم به فحمله علیه السلام حتی صعدورمی به وکسره فجعل اهل مکه یتعجبون۔

خزاعہ کے بت باقی رہ گئے تھے جو کعبہ معظّمہ کی چھت پر نصب تھے اور سیسہ کی بنی ہوئی شکلیں قارورے کی طرح مدور اور خرطوی تھیں آپ نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا کہ انہیں توڑ ڈالو یہ کہہ کر آپ نے ان کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ (حضرت علی) اسی طرح اوپر چڑھ گئے۔ اور ان کو نیچے گرا کر چور چور کر دیا۔ اور اہل مکہ تعجب سے دیکھنے لگے۔

اسکی شرح میں زرقانی لکھتے ہیں

انتھے شك ابن نقيب وفی سیاقه فی هذا القصة الاخير الاختصار فقد رواه ابن ابی مشیبه والحکم عن علیؑ قال انطلق رسول الله صلعم حتی الی الکعبة فقال اجلس فجلست الی جنب الکیة فصعد علی منکبی ثم قال انهض فتحضت فلما روی ضعفی تحته قال اجلس فجلست ثم قال یاعلی اصعد علی متکبر فقعلت فلما نهض لے خیل لے لوشئت قلت افق اسمآء فصعدت فوق الکعبة وتنحی صلے الله علیه واله وسلم فقال الق صنمهم الاکبر وکان من نحاس موتد اباوتاومن حدید الی الارض فقال علیه السلام عالجه ویقول لی آیة جاء الحق وزهق الباطِلُ ان الباطِل کان زهوقا ولم ازل عالجة حتے استمکنت منه ص 783 جلد دوم مطبوعه مصر۔

زرقانی لکھتے ہیں کہ صاحب مواہب لدنیہ نے ابن نقیب کا شک یہاں تک لکھ کر تمام کر دیا ہے لیکن ابن نقیب نے اس قصہ کے سیاق عبارت میں اختصار اختیار کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور حاکم نے حضرت علی علیہ السلام سے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ جناب رسولخدا صلعم کعبہ کے پاس آئے اور میں بھی کعبہ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا تو آپ میرے کاندھے پر سوار ہو گئے اور مجھ سے ارشاد کیا کھڑے ہو جاؤ میں حسب الحکم اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن آپ نے میرے ضعف جسمانی کو دیکھ لیا تو پھر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ میں ویسے ہی بیٹھ گیا۔ تو مجھ سے ارشاد ہوا اے علیؑ تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ میں نے امتثالاً للامر ایسے ہی تعمیل کی۔

جب میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھا تو مجھے اس وقت خیال آیا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے کناروں تک پہنچ جاؤں پھر میں بیت اللہ پر چڑھ گیا۔ اس پر کانسہ کی مورت رکھی تھی اور وہ تانبے کی اور لوہے کی میخوں سے جڑی ہوئی تھی آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اس بڑی مورت کو اکھاڑ کر پھینک دو اور آیہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا پڑھتے رہے یہاں تک کہ میں نے اس کو ہلا ہلا کر اس پر پورا قابو پالیا۔

زرقانی نے امام حاکم کی بھی یہی عبارت لکھی ہے۔ جس کا آخر فقرہ یہ ہے۔

فقال لی افذفه فقذفیه ۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو پھینک دو پس میں نے اسے نیچے پھینک دیا۔

امام احمد بن حنبل اپنی مسند و مناقب میں اور امام نسائی خصائص میں بھی اس روایت کو لکھتے ہیں اور آخر میں اتنا اضافہ فرماتے ہیں۔

صعدف علی البیعت وعلیه تشال صفر او نحاس فجعله از اله عن یمینه وشماله ومن بین یدیه ومن خلفه حتی الاسمکت منه قال لے رسول الله اقذف به فقذفت به فتکسر کمائنکسر القواریر ثم نزلت فانطلقت اناورسولاللہ صلعم فستبق حتی توارینا بالبیوت خشیة ان یلفانا احدمن الناس (بحواله اربع المطالب لاهور ص467

سلسلہ روایت میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں بیت اللہ پر چڑھ گیا اس پر کانسے یا تانبے کی مورت تھی اسے داہنے بائیں آگے پیچھے سے ہلانے لگا۔ جب میں نے اس پر قابو پالیا تو آنحضرت صلعم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اسے پھینک دو میں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا وہ مورت کانچ کی طرح سے ٹوٹ گئی پھر میں اتر آیا اور جناب سرورکائنات صلعم کے ساتھ دوڑ کر گھر میں چھپ رہا تا کہ کوئی آدمی مجھے۔ (کافروں میں سے) دیکھ نہ لے۔

تفسیر نیشاپوری میں زیر تفسیر آیہ جاالحق وزھق الباطل ایسے ہی لیکن مختصر الفاظ میں یہ واقعہ تحریر ہے۔ حافظ جمال الدین محدث شیرازی اسکی حسب ذیل تفصیل فرماتے ہیں۔

چند بت بزرگ راور موضع بلند نہادہ بودندچنانکه دست بآن نمی رسید علی مرتضی کرم اللّٰہ وجه بعرض رسانیند که رسول اللّٰہ پائے مبارک رابرکتف من نه واین اصنام را فرود آر۔ آلسرور فرمود۔ یاعلی علیه السلام تراطاقت ثقل نبوت نیست۔ تو پاے خود

برکتف سن نه واین کاربکن حضرت علی اتشالا للامرید پاے برکتف مبارک رسول الله نهاد دوآنهار افرد گرفت دراین حالت حضرت ازوے پرسید که خودراچگونه می یابی گفت یارسول الله صلعم چنان می بینم کی حجب مکشوف شده وگوئیا سرمن بساق عرش رسیده وبرچه درست دراز سکنم بدست می آید حضرت فرمودا ے علی خوشسادوقت توکه کارحق میکتی وجنذاحال من که بارحق می کشم وردایتے آنکه فرمود یاعلی رسیدی نچه می خواستی علی درجواب گفت آرے بخدا آئیکه ترابرستی مبعوث فرموده که چنان می بمیم خودراکه اگر خواہم دست بآسمان توانم رسانیند پس بتان راجرمیں انداخت وقطعه قطعه ساخت واز نزدیکی مزاب کعبه خودرابیانداخت از جہت ادب وشفقت برآنحضرت وجون بزمیں رسید تبسمے فرمود رسول الله ازدے پرسیدکه چه چیز تربخنده آورگفت خودراز چنین جائے لمبند انداختم وسچ الم بمن نرسید آن سروز فرمود چگو نه یاعلی الم بتوبرسد حالانکه ترامحمد صلعم برداشته بودوجبرائیل علیہ السلام ترا افردو آورده گویندیکے از شعراے عرب اشارتے بائین قصه کرده دراین ابیات که۔ قیل لی قل لعلی مدحاً ذکره یحمدنا ناراً موصدۃ گفتی مراکه مدح علی کوی اے زہے کزان تمیز آتش آندل که بے یاست۔ اقدام چون کنم بمدیح کسے کزاودرگمرہی فتاده گردیے که خدااست۔ والنبی المصطفے قال لنا۔ لیلة المعراج لما صعدۃ بکتف مصطفے بمقدرت نہادوست شام وصال این سخن قول مصطفی است وضع الله بظهی یده واحس القلب قدبیره۔ جائیکه حق بران بدقدرت نہاڈبوداز رائے حترام برانے پامرتضی است علیہ السلام وعلی وضع اقدامه فی محل وضع الله یدۃ کفتم حدیث راست وے میرداجسد ہرخارجی که بشنو ورنین حدیث راست۔ روضۃ الاحباب مطبوعه لکھنو صفحه 134 مع حاشیه۔

چند بت بڑے بڑے ایسے مقام بلند پر رکھے تھے کہ آنحضرت صلعم کے دست مبارک ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ صلعم آپ میرے کندھے پر پائے مبارک

رکھ کر چڑھ جائیں اور ان بتوں کو توڑ ڈالیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تم میں بار نبوت کے اٹھا نیکی طاقت نہیں ہے تم البتہ میرے کندھے پر چڑھ جاؤ اور انکا کام تمام کرو حضرت علی الامر فوق الادب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر پاؤں رکھ کر چڑھ گئے اور بتوں کو توڑنے لگے عین اسی حالت میں آنحضرتؐ نے پوچھا علی بتلاؤ تم اپنے کو باعتبار رفعت کے کتنا اور کیسا پاتے ہو حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری آنکھوں کے آگے سے حجاب اٹھا دیئے گئے اور گویا میرا سر ساق عرش تک جا لگا اور میں جس چیز کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاؤں وہ گویا مجھے دستیاب ہو جائے گی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے ارشاد کیا خوشا وقت تمہارا علی کہ تم اس وقت حق کا کام کر رہے ہو اور خوشا حال ہمارا کہ ہم اس وقت حق کا بار اٹھائے ہیں اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اب تو تم اپنے مقاصد تک پہنچ گئے عرض کی۔ جی ہاں اس خدا کی قسم جس نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو اپنے آپ کو ایسی حالت میں پاتا ہوں کہ اگر چاہوں تو اپنے ہاتھ آسمان تک پہنچا دوں اس کے بعد حضرت علی نے بتوں کو زمین پر پھینک دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور پھر میزاب کعبہ کو پکڑ کر سقف کعبہ سے زمین پر کود پڑے اس لیے کہ بار دیگر دوش رسالت پر چڑھ ا ترنا خلاف ادب سمجھا۔ جب حضرت علیؑ زمین پر آ گئے تو متبسم ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کس وجہ سے تم تبسم کرتے ہو۔ حضرت علی نے گذارش کی میرے تبسم کا باعث یہ ہے کہ میں اتنے مقام بلند سے نیچے کودا تاہم مجھے کوئی صدمہ یا چوٹ نہ پہنچی۔ ارشاد ہوا یا علی کیونکر تمہیں کوئی صدمہ پہنچتا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں چڑھایا۔ اور جبرئیل نے تمہیں اتارا عرب کے ایک شاعر نے اس واقعہ کی مفصلہ ذیل ابیات میں اشارت کی ہے تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں علیؑ کی مدح کروں اس لیے کہ میں بے نور دلوں کی آگ سے بچار ہوں میں ایسے شخص کی مدحت پر کیسے جرأت کروں جس کو ایک گروہ خدا کہہ کر گمراہ ہو چکا ہے۔ یہ قدرت حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ چکا ہے اس قول کی موافقت خود حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول سے پائی جاتی ہے (تو اس بنا پر) جس جگہ خدا نے اپنا دست قدرت رکھا تھا اسی جائے محترم پر مرتضٰی کے پاؤں رکھے گئے میں تو تو اپنے اشعار میں سچی حدیث بیان کی ہے۔ لیکن جو خارجی اس سچی حدیث کو سنے گا حسد ورشک سے مر جائیگا۔

اس موقع پر زرقانی نے ایک دوسرے عقیدتمند شاعرعرب کے مفصلہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔

یارب بالقدم التی اوطاتہا
من قاب قوسین المحل الاعظما

ان قدموں کے واسطے سے پروردگار! جو قاب قوسین کے ایسے اعظم ترین مقام پر پہنچ چکے ہیں

وبحرمۃ القدم التی جعلت لھا
کتف المویدن بالرسالۃ مسلما

اور نیز ان قدموں کی برکت کے لیے جن کے لیے رسالت کا دوش موید جھک چکا ہے

ثبت علی متن الصراط تکرما
قدمی دکن لی منفذاومسلما

میرے قدموں کو صراط کے خط پر (ان قدموں کی حرمت ہے) ثابت رکھ اور ان کو میرا مقصود بنا اور اسلام پر قائم رکھ

وجعلھما ذخریٰ فمن کانالہ
ذخراً فلیس یخاف قطجھنما

ان دونوں بزرگواروں کے قدموں کی برکت کو میرے لیے ذخیرہ (آخرت قرار دے اس لیے کہ جس کے پاس یہ ذخیرہ ہے۔اس کو خوف جہنم مطلق نہیں ہے۔شرح زرقانی مطبوعہ مصر ص783۔

عرب پر موقوف نہیں تمام دنیائے اسلام میں اس واقعہ کی نسبت اسلامی ادباء اور نامی شعرانے بڑی خوش عقیدگی کے ساتھ اس وقت سے لیکر اس وقت تک بڑی بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں جو تمام چھوٹی بڑی اسلامی کتابوں میں آج تک محفوظ اور قائم ہیں حکیم ہند مولانا فیضی علیہ الرحمہ کا یہ شعر واقعہ کی حقیقت اور ان کی عقیدت کا آئینہ ہے۔خوشانقش پائیکہ بردوش احمد زمہر نبوت مقدم نشیند۔

لکھنؤ کے فصیح اللسان شاعر،خواجہ حیدر علی آتش مرحوم فرماتے ہیں۔

علی کے زیر پا ہے زبان دوش پیغمبرؐ کی شکست بت سے آتی ہے صدا اللہ کبر کی

تعجب ہے کہ اتنے بڑے مشہور ومعروف عالم واقعہ کے نقل وبیان سے شبلی صاحب سا ہمہ دان خاموش رہ جائے مگر نہیں ہم کو آپ کی خاموشی کی حقیقت معلوم ہے۔خموشی معنی دارد کہ درگفتن نمی آید۔

بیت اللہ کا فتح الباب

ہم اپنی تنقیدی تفصیل کو تمام کر کے اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

باہراوپراور اِدھر اُدھر کے تمام رکھے ہوئے بت ٹوٹ چکے۔اور خدا واحد کا گھر بیرونی اور خارجی آلائشوں سے پاک صاف ہوگیا لیکن خانہ کعبہ کے اندر کی غلاظت وکثافت ابھی ویسی ہی تھی بیت اللہ بند تھا۔اور کلید بردار ابھی تک ندار د اندر کی صفائی کیسے ہوتی۔

شبلی صاحب کوتو خیریت سے کسی واقعہ کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے اور نہ عادت صرف اتنا بلا خیال تقدیم وتاخیر لکھ دیا کہ عثمان بن طلحہ کلید بردار تھے۔کنجی طلب کی دروازہ کھلوایا ختم شداب ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ شبلی صاحب کے اس مختصرہ کے خلاف درکعبہ کھلنے کے متعلق کیا کیا واقعات پیش آئے۔کنجی آنے اور قفل کھلنے میں کتنے اور کیسے پیچ پر پیچ پڑے۔

ہم شروع سے مفصل عرض کرتے ہیں صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں

ابتداے ایام نبوت میں ایک دفعہ نبیؐ نے اسی عثمان سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دواس نے انکار کیا آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے عطا کروں گا۔عثمان نے جواب دیا تھا کہ کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل وتباہ ہوجائیں گے۔نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ (اس دن)اور بھی زیادہ عزت واقبال سے ہونگے۔ص121۔ اس واقعہ کو با اختلاف خفیف زرقانی نے بھی اپنی شرح کی جلد دوم ص389 میں لکھا ہے۔

اس وقت وہی عثمان قدرت کے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اور جناب رسالتمآب ﷺ اس پیشین گوئی کو اس وقت پوری ہوتے ہوئے یقین کررہے تھے کعبہ کی کلید برداری کا منصب قریش میں بڑا اعزازی اور امتیازی منصب تھا اور خدمات کعبہ کے سلسلہ میں سقایۃ رفادہ وغیرہ مناصب مقررہ سے کبھی کم نہیں تھا اور قصی کے وقت سے ان کے بیٹے عبداللہ کی اس شاخ میں چلا آتا تھا جس میں عثمان بن طلحہ داخل تھے پھر اس منصب کی عظمت کے ساتھ جہالت کی یہ عقیدت بھی شامل ہوئی تھی کہ نہ قریش کے ہاتھ سے کوئی کعبہ لے سکتا ہے اور نہ قریش عثمان کے خاندان سے کعبہ کی کنجی لے سکتے ہیں۔

دعوے پر دلیل یہ تھی کہ جب ابراہۃ الاشرم کی کوششیں فتح بیت اللہ کی نسبت بیکار گئیں تو پھر اس سے بڑھ کر فوج وقوت والا مال ودولت والا اور جاہ وحشمت والا دوسرا کون لیکن ان کی تہ چشموں کو یہ نہ سوجھتا تھا کہ ابرہۃ الاشرم کی مثال ومقابلہ بالکل بیکار ہے۔ابرہیہ ایک سلطان جابر تھا اور رسول نظر یہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے خاص وارث وباعث افتخار کعبہ کی فتح آپ کے لیے ارث آبائی اور ترکہ پدری پر قبضہ وتصرف تھا۔اور ہر حیثیت وصورت میں حق بحقدار کا خاص مقتضا۔

کنجی کے دینے میں عثمان کی ماں کی جہالت

یہ جاہلانہ خیالات تھے اور مجنونانہ توہمات جو تمام قریش کے دل و دماغ میں پیچیدہ ہو رہے تھے صلح حدیبیہ کے واقعات نے ان کے جنون میں کچھ سکون پیدا کر دیا تھا اور تجدید معاہدہ حدیبیہ میں ابوسفیان کی ناکامیاب واپسی نے ان کی پرجوشیوں کو اور بھی دھیما کر دیا تھا۔ اور اب تو مکہ معظّمہ کے پرشان و شوکت داخلہ کے مشاہدات نے بالکل مایوس بنا دیا تھا اور گھروں میں بٹھلا دیا تھا۔ گویا گردنیں اطاعت اسلام میں جھک چکی تھیں قلوب رجوع ہو چکے تھے صرف جہالت کی ندامت کفر و ضلالت کی خجالت سدراہ تھی۔ کہ عثمان بن طلحہ ورود مکہ کے وقت ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ آنحضرت نے ان سے کنجی منگوا بھیجی۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

سرورعالم اور گوشه از مسجد الحرام نیت ت بلال فرمودتاعثمان بن طلحه سلافه زنبت سعد بود عثمان نیز وماد خویش رفقت تاازوے کلید بستاندودیرمی آمد۔ حضرت انتظارمی کشیدوعرق از رخسار نورشس رواں بود فرمود عثمان چرادیرمی آید۔ سلافه کلید رانمی وادمی گفت کھاگر ازشمابگیر ندبشمادیگر نیند هند۔ عثمان گفت اے ماورکلید رابده تا نزد رسول الله ﷺ صلعم ببرم ولا دیگرے خواهد آمد و ازتو خواهد گرفت ایشان دراین سخن بوونه که ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی الله عنهما بروسرا ے علاقه آمد ند عمر باواز بلند گفت بیرون آئی که رسول خدا انتظار تومی کشد سلافه گفت اے پسر کلید ابربوبدرستیکه اگر تو ازمن بستانی بهتر است ازان نزومن که تمیر وعدی بگیر ندازمین روحة الاحباب ص ۴۳۱۔

جناب رسالتمآب ﷺ مسجد الحرام کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور بلال کو بھیج کر عثمان بن طلحہ سے کہلا بھیجا کہ خانہ کعبہ کی کنجی لا دے۔ کنجی عثمان کی ماں سلافہ بنت سور کے پاس تھی۔ عثمان ماں کے پاس کنجی لانے گئے اس میں دیر لگی دھوپ کی تمازت سے آنحضرت صلعم کا پسینہ رخسار مبارک پر جاری ہو گیا۔ آپ نے حاضرین سے کہا عثمان کو کیوں دیر ہوئی وہاں ماں کعبہ کی کنجی بیٹے کو نہیں دیتی تھی، کہتی تھی کہ جب کنجی تم سے لے لیں گے تو پھر تم کو نہیں دیں گے، عثمان کہتے تھے تم کنجی مجھے دے دو میں خود اسے رسول اللہ ﷺ صلعم کے پاس لیجاؤں نہیں تو کوئی دوسرا آئے گا۔ اور تم سے کنجی لیجائے گا۔ ماں بیٹے میں یہ بات ہو رہی تھی۔ کہ

ابوبکر صدیق اور عمر فاروق سلافہ کے دروازے پر آ پہنچے اور عمر نے با آواز بلند پکارا عثمان باہر آ ؤ جناب رسول خدا صلعم انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر سلافہ نے کنجی بیٹے کو دیکر کہا کہ بیٹا یہ کنجی لیجا، میرے نزدیک تیری کنجی اس سے بہتر ہے کہ تم اور عدی (کے لوگ) اس کو مجھ سے لے لیں۔

حرم محترم کے اندر داخلہ

الغرض اتنی بحث وتمحیص کے بعد کعبہ کا دروازہ کھلا۔ آنحضرتؐ با آواز بلند تکبیر فرماتے ہوئے کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اب ہم یہاں شبلی صاحب کو بتلا دیتے ہیں کہ آپ کے تحریر کردہ حضرت عمر کے تصویروں کے مٹانے کے واقعہ کا یہ موقع خاص ہے۔ آپ نے خوامخواہ اسے جلدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلعم کے باہر والے تبوں کے توڑنے کے ساتھ مخلوط کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ حضرت عمر نے اندر جا کر جتنی تصویریں تھیں مٹا دیں۔ واقعات دیکھئے پڑھے۔ غور کیجئے اور سمجھئے کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اندر گئے نہیں، کنجی آئی نہیں دروازہ کھلا نہیں، حضرت عمرؓ کیونکر اندر پہنچ گئے اور تصویریں مٹا دیں، کہئے کس قدر مہمل ہے۔ اب زرقانی کی زبانی اصل حقیقت سن لیجئے۔

فی حدیث جابر عند ابن سعد ابوداؤد انه امر عمر بن الخطاب وهو باالبطحا ان یاتی الکعبة فامحو اکل صورة فیها فلم یدخلها حتیٰ محیت الصور وعند الواقدی فی حدیث جابر کان عمر قد ترك صورة ابراهیم فلما دخل راها فقال یاعمر الم امرك ان لاندع فیها صورة فاتلهم الله جعلوه شیخا لیستقسم بالازلام ثم رایٰ صورة مریم فقال امسخو مافیها من الصود قاتل الله قوما یصور ون مالا یخلقون وعن اسامه انه صلی الله۔ علیه اله وسلم دخل الکعبة فامرتی فاتیته بماء فی دلو فجعل یبل الثوب ویضرب به علی لصور ویقول قاتل الله قوما یصورون مالا یخلقون۔ ص۳۸۸۔

ابن سعد اور ابوداؤد نے جابر کی اسناد سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر حکم دیا اور وہ اس وقت بطحا میں تھے کہ کعبہ کے اندر جا کر تمام تصویروں کو مٹا دو اور جب تک یہ تمام تصویریں نہ مٹ گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف نہیں لے گئے۔ اور واقدی نے جابر کی اسناد سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابراہیم کی تصویر کو چھوڑ دیا۔ جب جناب رسول خدا صلعم کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ نے اس تصویر کو دیکھا حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ کسی تصویر کو نہ

چھوڑ نا۔ خداوند عالم ان کو غارت کرے جنہوں نے اس بزرگ کو تقسیم اصنام، قمار بازی کے ساتھ نسبت دی ہے پھر آپ نے حضرت مریمؑ کی تصویر مشاہدہ کی ارشاد فرمایا کہ جو تصویریں اندر ہیں سب کو مٹا دو۔ خداوند عالم ان کو غارت کرے جو ان اشیاء کی تصویریں بناتے ہیں جن کو وہ خود پیدا نہیں کر سکتے۔

اس عبارت سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلہ مسجد الحرام کے وقت حضرت عمرؓ کی ہمراہی بھی ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ تو بطحا میں تھے۔ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے وقت بلائے جاتے ہیں۔ گویا کلید بردار کعبہ کی طلبی کے وقت یہ بھی آجاتے ہیں اور روضۃ الاحباب کی روایت کے مطابق کنجی لانے کے لیے پہلے بلال بھیجے گئے ان کے آنے اور جواب لانے میں دیر ہوئی تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھیجے گئے۔ تو گویا بلال کے جانے کے بعد حضرت عمر آنحضرتؐ کی طلبی پر بقول زرقانی بطحا سے حاضر ہو گئے۔ اور پھر حضرت ابوبکر کے ہمراہ عثمان بن طلحہ کے پاس کنجی لانے گئے۔

اب شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کو ان عبارتوں سے مقابل کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ آپ اپنے مطلب کی دھن میں قبل از وقت کہاں کا واقعہ کہاں لکھ جاتے ہیں اور پس وپیش کا کچھ بھی خیال نہیں فرماتے اور مجھ کو افسوس کے ساتھ پھر لکھنا پڑتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی بت شکنی کے ایسے متواتر مشہور اور معروف واقعات کو تو آپ اس دلیری سے چھپاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے باز پرس فرمائی خواہ مخواہ موقع بے موقع داخل کئے جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان سے حضرت عمرؓ کی ایسی خفیف خدمت کو جو ناکامل۔ ناقص اور ادھوری رہ گئی جسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کی مدح سرائی ہوگی باریک بین نکتہ شناس حضرات تو آپ کی اس مدح سرائی کو عیب نمائی سے تعبیر کرینگے۔ اس لیے کہ حضرت عمر نے اپنی قدیم عادت کے مطابق حکم رسولؐ میں قیاس کو داخل کیا اور حضرت ابراہیم ومریم علیہما السلام کی تصویروں کو قابل عزت واحترام سمجھ کر چھوڑ دیا آپ کا یہی قیاس آخر میں آنحضرت صلعم کی ناگواری طبع کا باعث ہوا آپ سے کیفیت طلب ہوئی پھر عملاً پانی منگوا کر آپ کا وہ قیاسی اعزاز واحترام دھوڈالا گیا۔

افسوس ہم پھر اپنے سلسلہ بیان میں حضرت عمر کی قیاسی اقوال وآراء کے تمام ضعف واضمحلال کو دکھلاتے آئے ہیں اور یہاں بھی اس کا صاف صاف انکشاف کیا گیا ہے۔ لیکن اتنے کثیر التعداد انتشارات ومشاہدات کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی اصابت کا اعتقاد پڑھے لکھے مسلمانوں میں آج تک باقی ہے۔

حرم محترم میں خطبہ نبوی

اس تنقیدی تفصیل کو تمام کر کے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کعبہ کی اندرونی آلائشوں کو بھی کامل شست درشو فرما چکے تو آپ نے بروایت محدث شیرازی۔ اژدحام وہجوم عام ہو جانے کے خیال سے کعبہ کے دروازے بند کروادیئے اور بقول امام بخاری صرف تکبیریں کہیں، نماز نہیں پڑھی۔ اور دیگر علمائے محدثین کے مطابق نماز بھی پڑھی اور تکبیریں بھی کہیں۔ اس کے بعد دروازے کھلوادیئے اور باہر تشریف لائے۔

تمام صحن مسجد الحرام آدمیوں کے ہجوم عام سے بھرا تھا اور وہ کثرت تھی کہ زمین پر تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مجمع عام میں یہ مختصر لیکن نہایت مناسب وقت اور پر اثر خطبہ ارشاد فرمایا۔

لاالہ الااللہ وحدہ لاشریك الہ۔ صدق وعدہ ونصرعبدہ وھزم الاحزاب وحدہ الاکل مأثر اودم اومال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الاسدانتہ البیت وسقایۃ الحاج یامعشرقریش ان الہ قد ازھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من ادم وادم من تراب۔

ایک خدا کے سوا دوسرا خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھلایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جماعتوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات خونہائے قدیم تمام خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قوم قریش اب تمہارا جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات)

لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے کہ ایک دوسرے کو پہچان لیا جائے لیکن خدا کے نزدیک شریف تر وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا بڑا دانا اور واقف کار ہے۔

وان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر

خدا اور اس کے رسولؐ نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص 371)

اس کے آگے شبلی صاحب نے نہایت وضاحت سے اس خطبہ کی مفصلہ ذیل تشریح فرمائی ہے۔

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصل پیغام توحید ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اسی کی ابتدا فرمائی۔ عرب میں دستور تھا کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاجاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل ہاتھ نہ آتا تھا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ لیا جاتا تھا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے۔ اس طرح خون بہا کا مطالبہ بھی آباعن جد چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی اسی طرح اور بہت سی لغو باتیں تھیں جو مفاخر قومی میں داخل ہوگئیں تھیں۔ اسلام ان سب کے مٹانے

کے لیے آیا تھا۔اور آپ نے اس بنا پر انتقام اور خون بہا اور نیز اور تمام غلط مفاخرت کی نسبت فرمایا کہ میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا۔مساوات کا قائم کرنا تھا یعنی عرب وعجم شریف ورذیل شاہ وگدا سب برابر ہیں ہر شخص ترقی کر کے انتہائی درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔اس بنا پر آنحضرتؐ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور توضیح فرمائی کہ تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

ظالمین ومشرکین قریش کی عام معافی

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے۔ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے۔وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرتؐ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔وہ بھی تھے۔جن کی تشنگی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھیں۔وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے ٹکراتا تھا۔وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی آگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشین مہریں لگاتے تھے رحمت عالم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا۔تم کو کچھ معلوم ہے۔میں تم سے آج کیا معاملہ کرنیوالا ہوں۔یہ لوگ اگرچہ شقی تھے ظالم تھے۔بیرحم تھے۔لیکن مزاج شناس تھے۔پکارا اٹھے۔

اخ کریم وابن اخ کریم تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے۔سنکر ارشاد ہوا۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھب فالتم الطلقاء

تم پر آج کے دن کوئی الزام نہیں۔جاؤ تم سب آزاد ہو۔

(۱) ہمیں یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ مفاخرت نسبی بالنفسہا! بالعموم مذموم نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال معیوب ہے اور سخت معیوب کیونکہ مفاخرت نسبی کے وصف کو جناب باری تعالیٰ نے آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝۳۳ اور دوسری آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے۔اور نیز جناب رسولخدا ﷺ نے ان اللہ اصطفے من وال ابراھیم اسمبل وصطفے من ولد اسماعیل بنی کنانۃ قریشاو اصطفے من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (صحیح ترمذی) اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیمؑ میں اسمعیلؑ کو اولاد اساعیلؑ میں بنی کنانہ کو ابو بنی کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ارشاد فرمایا کر اس کے محاسن توصیفی کو بتلایا دیا ہے۔

جناب رسالتمآب ﷺ نے خطبہ مبارک میں خاندانی مفاخرت بیجا سے منع فرمایا ہے۔جو حقیقتاً قریش آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں اپنی ہم نسبی اور یکجہتی کے غلط گمان پر شیخیان بگھارتے تھے۔شبلی صاحب عام تعسیم میں اس مسئلہ کو شامل کرلیں ان کو اختیار ہے۔مگر خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی تخصیص پر بھی نظر رہے۔نہ ہر کہ موتبراشد قلندری داند۔

۲۔اس عام مساوات میں بھی وہی نصوص جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ناطق ہوں گے کیونکہ آیۃ مندرجہ بالا صاف بتلا رہا ہے کہ آدمؑ کی اولاد سے تمام دنیا تو ضرور ہے۔مگر ان میں بھی اختصاص امتقاء کے مدارج خاص قائم ہیں۔

رقم سنج الواح ہر ناصیہ سعید وشقی ساخت درروزگار۔(الموضا لاحقر سید اہ الا وحید علی عنہ۔)

خدا کی تسبیح وتقدیس ادا فرما کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ سے باہر آئے مسجد الحرام کا تمام صحن آدمیوں کی کثرت سے بھرا تھا اصحاب جان نثار بھیڑ کو ہٹاتے اور آنحضرت صلعم کے لیے آگے آگے راہ کشادہ کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ چاہ زمزم کے پاس پہنچے۔جناب عباس بن عبدلمطلب نے اپنے آبائی منصب سقایہ کے اعتبار سے ایک ڈول آب زمزم سے بھر کر پیش کیا۔آپ نے نوش فرمایا۔تھوڑی دیر ٹھہر کر آب زمزم سے غسل فرمایا۔

کعبہ کی چھت پر اذان

بلال کو حکم ہوا سقف کعبہ معظّمہ پر جا کر اذان دیں بلال نے بڑی مسرت ومفاخرت سے حکم کی تعمیل کی۔اکیس برسوں کی طویل مدت کے بعد بلال کی تمنا پوری ہوئی۔خدا کی شان ایک دن وہ بھی تھا کہ یہی بلال اسی شہر اور اسی مقام میں خدا کا نام آہستہ بھی نہیں لے سکتے تھے اور آج خدا کی جبروت قدرت سے اسی ناشنوا اقوام کے سامنے اور انہیں کے انبوہ کثیر کی دونوں آنکھوں کے آگے وہی بلال اور حضرت عباس کے وہی غلام بلال علانیہ خدا کا نام لے کر آواز بلند سے اسلام کے طریقہ پر اذان دے رہے ہیں۔اور کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔جل جلالہ وجل شانہ۔شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

نماز (ظہر) کا وقت آیا حضرت بلال نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے۔ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی عتاب بن اسید نے کہا خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز سننے سے اس کو پہلے اس کو دنیا سے اٹھالیا۔ایک اور سردار قریش نے کہا اب جینا بیکار ہے۔سیرۃ النبیؐ ۱ ۸ ۳۔

مکہ میں اسلام کی بیعت عام

بعد نصف النہار کو وہ صفا پر تشریف لائے اور لوگوں کو شرف بیعت سے مشرف فرمانے لگے شبلی صاحب اس کی کیفیت یوں تحریر فرماتے ہیں۔مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔

عورتوں کی بیعت، ہند سے مکالمت

مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ ڈال کر نکال لیتے تھے آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں۔اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔ان مستورات میں ہند بھی آئی۔یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی۔حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا۔اور انکا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔وہ نقاب پہن کر آئی۔شریف عورتیں نقاب

پہنتی تھیں لیکن اس وقت غرض یہی تھی کہ کوئی اس کو پہنچانے نہ پائے بیعت کے وقت اس نے نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اقرار کرو۔

ہند۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند۔ یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ بہرحال ہمیں منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چوری نہ کرنا۔

ہند۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ربتنا هم صغارا وقتلتهم كبار فانت وهم اعلم۔

ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو (جنگ بدر احد میں) آپ نے ان کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔ سیرۃ النبی ص 283۔

شبلی صاحب نے گویا کسی واقعہ کو تمام وکمال لکھنے کی قسم کھالی ہے اس معمولی واقعہ میں جو غالباً تاریخ طبری سلسلہ بیان کا آخری حصہ ہے متروک القلم فرما دیا۔ یہ کیوں؟ خدا جانے۔ بہرحال۔ طبری اس سلسلہ مکالمت کو ان الفاظ عبارت پر تمام کرتے ہیں۔

فضحك عمر ابن الخطاب من قولها حتے اسغرب قالا ولا تأتين بيهتانٍ تفترينه بين ايديكن وارجلكن قالت والله ان ايتان البهتان لقبيح وبعض التجار ز امثل قالا ولا تعصيتنني فى معروف قالت ماجلسنا هد المجليس ونحن نريد ان تعصبك فے معروف فقال رسول الله بايعهن واستغفرلهن نبايعهن عمر بن الخطاب وكان رسول الله عليه واله وسلم لايصافح النسلم ولايمس امراة ولايمته امراء ة احلها الله له اوذات خرمته۔ طبر 1642

ہند کے یہ شوخی کلام سن کر حضرت عمر بن الخطاب ہنس پڑے اور آپ کو یہ باتیں غریب معلوم ہوئیں۔

حضرت عمر: کیا اب بھی تجھ کو اپنے وہ مفتریات جو تو نے براۃ العین ظاہر کئے تھے نہیں معلوم ہوئے؟

ہند: ہاں، بہتان وافترا تو واقعی بری چیزیں ہیں لیکن بعض مثالوں میں ان سے تجاوز مناسب ہے۔

حضرت عمر: کیا تو نے امر معروف میں ارتکاب گناہ نہیں کیا؟

ہند: (غصہ سے جل کر) ہم ایسی مجلس میں نہیں بیٹھے۔جس میں ہم پر امر معروف کے لیے ارتکاب عصیان کا الزام لگایا جائے۔یہ سن کر آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا۔تم عورتوں سے بیعت لو چنانچہ حضرت عمر نے ان سے بیعت لی اور اس دن جناب رسول خدا ﷺ نے کسی عورت سے نہ مصافحہ کیا اور نہ ان کا بدن چھوا اور نہ کسی عورت نے آپ کا بدن چھوا۔سوائے ان عورتوں کے جن کو خدا نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔اوران کے جن کے آپ محرم تھے۔

ناقابلِ معافی مجرمین کی معافی

بیعت کی مشغولیت میں شام ہوگئی۔تمام مجمع کو مشرف بہ بیعت فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے مقام پر واپس آئے فتح مکہ کے واقعات جناب رسالتمآب ﷺ کے خلق عظیم ،لطف عمیم اور عفو جرائم کے تفصیلی دفتر ہیں جو حضرات مضامین تاریخی کو بلا استعیاب پڑھنے کے ساتھ ان کے یاد رکھنے کا بھی کامل ملکہ رکھتے ہیں وہ فتح مکہ کے حالات میں ابتداہی سے آنحضرت ﷺ کے ان اخلاق واشفاق کی رعایت ومراعات کو مختلف مقامات پر ملاحظہ فرما کر ذہن نشین کر چکے ہونگے۔خوب یاد ہوگا کہ ابوسفیان کے ایسا دشمن جان وایمان ان کی زوجہ محترمہ ہندہ جگر خورہ کی ایسی سنگدل اور شقیق القلب عورت۔عبداللہ اور ابوسفیان بن عبداللہ بن حارث کے ایسے گھر کے دشمن پہلونشتر جب سامنے آئے تو گویا رحمت عالم کے نزدیک یہ مجرم ہی نہیں تھے۔یہ ہی نہیں کہ صرف معاف ہی کردیئے گئے معافی کے بعد شرف امتیازی کے عطایات سے بھی ممتاز فرمائے گئے۔یہ تو ابتدا کی رعایتیں تھیں فتح مکہ اور تسلط واطمینان ہوجانے کے بعد علی العموم۔

فاذھب فالتم الطلقاء۔جاؤتم سب آزاد ہوگئے۔حکم عام دے کر سب کو معاف فرمادیا شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔
عرب میں دو شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے۔ان میں صفوان بنی امیہ جدہ بھاگ گیا۔عمر بن وہب نے آنحضرتؐ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ رئیس مکہ جلاوطن ہوجاتا ہے آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا۔عمیر جدہ سے ان کو واپس لائے حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے عبداللہ بن زبعری عرب کا مشہور شاعر تھا آنحضرت ﷺ کی ہجویں کہا کرتا تھا۔اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کیا کرتا تھا۔نجران بھاگ گیا۔لیکن پھر اسلام لایا ابوجہل کا بیٹا عکرمہ یمن چلا گیا۔لیکن اس کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرتؐ سے اس کے لیے امان لی اور یمن سے جا کر لے آئی یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہیں ہے کہ اس کا جگر بند کفر کی گود سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آ گیا۔اوراب ہم اسے عکرمہ کے بجائے حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں۔

چار خونی مجرمین کی سزا

اتنی معافیوں کے بعد صرف چار مرد دوعورتوں کے لیے قتل کا حکم دیا گیا۔

چار مرد دوعورتیں اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے واجب القصاص تھے (تھیں) اعلان کردیا گیا تھا کہ ان کو قتل کردیا جائے۔ص 124۔وہ کون کون تھے شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 383۔کی عبارت حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

صرف تین شخص قتل ہوئے دو مرد ایک عورت عبداللہ بن خطل مقیس بن صبابہ اور قریبہ ابن خطل کی لونڈی ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے۔ ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ مقیس بن صباہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا۔ اور عذر سے اس انصاری کو قتل کر دیا۔ قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی اور مکہ کی مغنیہ تھی جو آنحضرتؐ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی۔

صاحب رحمۃ العالمین ان کے علاوہ دو مجرمین کے نام اور بھی بتلاتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی سرح اور رہبا ابن الاسود عبداللہ بن ابی سرح کا قصور یہ تھا کہ وہ کہا کرتی تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے۔ محمدؐ تو مجھ سے سن کر لکھواتے ہیں۔

ہبار ابن الاسود نے حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کہ وہ مکہ سے مدینہ کو ہودج میں بیٹھی جا رہی تھیں نیزہ مارا اور کجاوہ گرا دیا تھا اور اس صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔

بارگاہ رسالت سے آخر میں ایسے سنگین جرم کے مجرمین کی پیشی کے وقت کیا ہوا۔ وہی عفو۔ وہی درگذر اور وہی رہائی جو خاص کر رحمت عالم کی شان اور اس خلق مجسم کے شایان تھی ہبار بن الاسود کے ایسا خونی سامنے لایا گیا اور سزا کے بجائے دولت اسلام سے مالا فرما کر رہا کر دیا گیا۔

عبداللہ بن ابی سرح کی رہائی میں کسی قدر تامل فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اس کا جرم صرف تنظیم رسالت ہی کے لیے مضر نہیں تھا بلکہ نقل و تحریر نصوص الٰہیہ میں بھی تغیر و تبدل کیا کرتا تھا۔ اور کاتب وحی کی جگہ اپنے کو مخاطب وحی مشہور کرتا تھا۔ اس بنا پر وہ تنہا رسول خداؐ ہی کا مجرم نہیں تھا بلکہ خدا کا بھی مجرم تھا۔

بقیہ مضمون ص186 خطاب قرآنیہ سے مخاطب فرما چکے ہیں حضرت کی کیا بساط ہے یہ خطاب رضی اللہ تو وہ مخصوص خطاب ہے جو خلفاء راشدین و سابقین کے علاوہ اوروں کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ یہاں ہمارے سید صاحب نے ایک عیسائی نیم مسلمان کو جو تقیہ کے اندر مسلمان ہوا تھا صحابہ کبار کے مساوی و برابر قرار دے دیا۔ (دیکھو دیباچہ خطبات احمدیہ) آپ اسی سے سمجھ جائیں کہ ان الفاظ حضرت مولانا سیدنا رضی اللہ عنہ قدس سرہ وغیرہا کی آپ حضرات کے فیض تعیم نے کیا مقدار وقعت باقی رکھی ہے وہی جو عالمگیر ثانی اپنے زمانہ ولی عہدی میں ایک سائل خطاب شاہی کے عبارت حکم میں اندازہ کر کے لکھتے ہیں چون در نیوالا خانی در ہر خانہ درائی دہر بازار امحض نجا طرشا (امیر الامر نے سفارش کی تھی) این م رائے باشد المولف عفی عنہ۔

عبداللہ ابن ابی سرح وکان اخاعثمان بن عفان من الرضاعۃ فاتی عثمان بہ النبی فسالہ فیہ فصمت النبی صلعم طویلا ثم امنہ فاسلم فقال رسول اللہ والہ وسلم لاصحابہ انما صمت لیقوم احد کو فیقتلہ فقالو اھلا او مات الینا فقال ان الانبیآء لاتکون لھم خائنۃ الاعین وکان عبداللہ المد کور کتب الوحی وکان

یبدل القرآن ثم ارتد۔

عبداللہ بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان کا رضاعی بھائی تھا۔حضرت عثمان نے آنحضرتؐ سے اس کی جان بخشی کی درخواست کی آپ بڑی دیر تک خاموش رہے۔ بالآخر اس کو امان دے دی۔اور اس نے اسلام لانے کا اظہار کیا پیغمبر ﷺ نے اصحاب سے فرمایا: میں دیر تک اس لیے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھے اور اسے قتل کر دے۔اصحاب بولے کہ آپ نے ہمیں کیوں نہ فرمایا۔آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انبیاء کا یہ شعار نہیں کہ وہ کنکھیوں سے اشارہ کریں عبداللہ مذکور قرآن لکھا کرتا تھا اور اس میں جہاں چاہتا تھا ردوبدل کر دیتا تھا بعد ازاں مرتد ہو گیا۔

لیکن یہ تامل بھی عین تفضّل ہو گیا اور عبداللہ بن ابی سرج چھوڑ دیا گیا۔

محدثین ومؤرخین نے ان مجرمین کی تعداد میں بہت اختلاف کیا ہے کسی نے کچھ بتلایا ہے کسی نے کچھ شبلی صاحب نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس میں کی تعداد پر اپنا نظریہ قائم کیا ہے۔مجھ کو بھی آپ کے نظریہ سے اتفاق ہے کیونکہ زیادہ تر علماء مجرمین سزا یافتہ کی تعداد مرد عورت ملا کر چھ سے زیادہ نہیں بڑھاتے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

فتح مکہ کے باقی حالات اصنام کعبہ کی تفصیل

فتح مکہ کے متعلق باقی حالات شبلی صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں۔

حرم میں نذر اور ہدایہ کا جزانہ اک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا لیکن مجسمہ جات اور تصویریں برباد کر دی گئیں ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بھی مجسمے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی۔(فتح الباری مکہ) جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے۔اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر تک باقی رہے (فتح الباری ذکر فتح مکہ) اخبار مکہ ارزقی میں بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہیں۔

ہمیں شبلی صاحب کی تنقید، روایات تعداد کی نسبت ان کے جرح ومدح کی نقل تفصیل کی ضرورت نہیں لیکن اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ آپ نے اپنے موجودہ سلسلہ تنقید میں ابوداؤد اور ان کی روایت کے رواۃ کی خوب لے دے کر دی ہے اور روایات درروایت دونوں اصول تنقید سے ابوداؤد کی تردید اور ان کے رواۃ کی تکذیب کر دی ہے۔اس بنا پر ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا ہوتا ہے کہ جس طرح اس مقام پر ابوداؤد کے رجال کی تنقید فرمائی گئی۔ابوداؤد کی تحریر کردہ حضرت علی علیہ السلام کی شرابخوری والی روایت کی بھی کیوں نہ جانچ پڑتال کر لی گئی کہ مدیر اصلاح کو فتنۂ شبلی کی دو جلدوں میں ازسرنو تنقید وتردید کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قافہم فتدبر۔المولف عفی عنہ۔

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا کعبہ میں سینکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے

اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور یاقوت احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پر پوتا تھا ہبل کے سامنے سات تیر رکھے تھے جن پر لا و نعم لکھا ہوا تھا۔ جو کچھ نکلتا اس پر عمل کرتے (معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ابن ہشام کلبی)۔

جنگ احد میں ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی وہ عین کعبہ کے اندر تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے۔ جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑے عزیٰ۔ لات اور مناۃ تھے عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا مکہ معظّمہ سے ایک میل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے عزیٰ یہیں منسوب تھا۔ بنوشیبان اس کے متولی تھے اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑے میں لات کے یہاں اور گرمیوں میں عزیٰ کے یہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب کے وہ تمام مناسک ورسوم بجالاتے تھے۔ جو کعبہ میں بجالاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے (بحوالہ زرقانی جلد دوم ص 04)۔

مناۃ کا تخت گاہ مشلل تھا جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل اثر ہے وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ از ذعسان۔ اوس اور خزرج اس کا حج کرتے عمر بن لحی نے جو اصنام قائم کیے تھے۔ یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس ادا کرتے تھے۔ قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا اس کے متولی بنولحیان تھے، بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا اب ان کی بربادی کا وقت آ چکا تھا اور دفعتہ ہر جگہ خاک اڑنے لگی سیرۃ النبی جلد اول ص 386۔

شبلی صاحب کے بیان میں بہت بڑا راز یہ ہے کہ آپ کی تفصیل میں بھی اجمال کا لطف آتا ہے اور اسی تفصیلی اجمال میں ابہام رہ جاتا ہے آپ نے بتوں کی تفصیل لکھی ان کے مقام اوقات اور مرسومات پرستش تحریر فرمائے مگر ان کی بربادی کی کیفیت کو جو فتح مکہ کے متعلق آپ کے تمام بیان کا اصلی اور ضروری مقصد تھا یہ لکھ کر دفعتہً ہر جگہ خاک اڑنے لگی بالکل ہوا کر گئے یہ صحیح ہے کہ خاک اڑنے لگنے سے سمجھنے والا یہی سمجھے گا کہ وہ تباہ و برباد کر دیئے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ آپ سے یہ بھی ضرور سننا چاہے گا کہ وہ کیسے برباد کیے گئے۔ کیونکہ وہ کعبہ کے اندر اور مسجد الحرام کے اردگرد جتنے بت رکھے تھے یا تصوریں بنی تھیں ان کی بربادی کا تمام حال سن چکا ہے اس بنا پر فطرتی طور پر آپ سے ان حالات کے سننے کا بھی مستحق ہے اور ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے آپکا بھی فرض منصبی ہے کہ آپ ان حالات کو صاف صاف تفصیلی الفاظ میں تحریر فرمادیں۔

لیکن آپ کو ان کے تفصیل کرنے میں دو مجبوریاں مانع ہیں۔ ایک تو زمانہ حال میں بت شکنی وغیرہ کے واقعات کو یورپین قدامت پسند حضرات اچھی باتیں نہیں سمجھتے۔ اور آپ ان کے رعب اثر سے اپنی فلسفہ سیرت اسلام کو ان واقعات کی تفصیل سے پاک وصاف رکھنا چاہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان واقعات کی تفصیل میں آپ کو اپنے حضرت خالد بن ولید کے ان مظالم کو بھی لکھنا ہوتا۔ جو انہوں نے بنی خزیمہ کے مسلمانوں کی غریب جانوں پر ڈھائے اسی خودغرضی کی بنا پر آپ نے ان تفصیلات کو کلیۃً قلم انداز فرمادیا۔ لیکن ہم جس طرح آپ کے

ان تمام خودغرضانہ مختصرات وابہامات کے انکشافات کرتے آئے ہیں اسی طرح ان حالات پر بھی روشنی ڈالنا اپنا فرض تالیفی سمجھتے ہیں۔

بنوخزمیہ کے مسلمان مظلومین اور خالد بن ولید کے مظالم

علمائے محدثین اور مؤرخین کے متفقہ اقوال ونظریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کے تمام انتظامی ضرورتوں سے فراغت ہوچکی تو جیسا شبلی صاحب اوپر تحریر فرما چکے ہیں فتح مکہ کا مقصد اعلیٰ اشاعت توحید اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ اس بنا پر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند صحابہ کو اہل اسلام کی مختصر جماعتوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کی غرض خاص سے ان مقامات میں بھیجا۔ جہاں لوگ ابھی تک بیعت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ تاریخ ابوالفدا میں اس کی تفصیل عبارت حسب ذیل ہے۔

نافتح رسول الله مكة بحث التايا حول مكة الى الناس يدعو هم الى الاسلام ولم يامرهم بالقتال وكان من السرايا سرية مع خالد بن الوليد فنزل على ماء لبنى خزيمة فلما نزل عليه اقبلت بنو خزيمة بالسلاح فقال لهم خالد صنعوا السلاح فوضعوها دامر بهم فكتفوا ثم عرضهم على السيف فقتل من قتل منهم فلما بلغ رسول الله مافعل خالد رفع يديه الى السمآء حتیٰ بان بياض بطيه وقال اللهم انى برأ اليك مما صنع خالد بحواله تاريخ احمدی ص 29۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد فتح مکہ بعض صحابیوں کو مع مختصر فوج کے حوالی مکہ میں اس غرض خاص سے بھیجا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن کسی سے قتال نہ کریں از انجملہ خالد بن ولید کو بھی روانہ کیا خالد چشمہ بنی خزیمہ پر پہنچے تو بنی خزیمہ کے گروہ مصلح ہوکر باہر آئے۔ خالد نے ان سے کہا کہ ہتھیار رکھ دو جب انہوں نے ہتھیار رکھ دیے تو خالد نے ان کے ہاتھ بندھوا کر سب کو تلواروں پر رکھ لیا۔ جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالد کی اس ظالمانہ کاروائی کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند فرما کر ارشاد کیا کہ خداوندا جو حرکت ناشائستہ خالد سے سرزد ہوئی ہے میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔

اس سے زیادہ تفصیل شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی کتاب ارج النبوۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتی ہے۔

چوں بنو خزیمه از آمدن خالد بن ولید خبردار شدند برعایت طریقه حرم واحتیاط سلاها پوشیده بیرون آمدند۔ خالد ازایشان پرسید شماچه کسانید گفتند ماسلمانیم که بحمد صلعم واشریع دین دے ایمان دایم ونمازی گذاریم ودرمیان خود مسجد بنا کرده اذان واقامت گفته لجمعه وجماعت اقامت وقیام می نمائم۔

خالد گفت پس سلاح چراپوشیده و برابر سن آمده اید گفتند میان وقومے از عرب عداوت است می ترسیم که شما از یشان باشد۔ خالد اغدر ایسان درمحل قبول نیفتا ووگفت سلاحہا از خودور کروندا لنگاه خالد گفت تاوستاے یک ودیگر برشانه بربستند و ہرایک اسیران را به یکے از یاران خود بسپرد ووقت سحر نداکرکه ہرکه اسیرے داردبقتل رساند ۔ چنانچه حسب فرموده او اسیران بے گناه راکشتند دوورو ایتے آمدیه که چوں آنہا سلاح انداخته خالد تیغ درایشان نہاد قریب صد کس را از آن قبیله کمبشت پس یکے ارمنبی خزیمه آمده انچه خالد بان ماعت کرده بودبعرض رسول اللهؐ برسایند حضرت درغضب آمده س ۳ بار فرمود خدوندامن بیزارم ازلچه خالد کرو۔

جب بنی خزیمہ کے لوگ خالد کے ورود سے خبردار ہوئے تو بہ مقتضائے احتیاط مسلح ہوکر باہر آئے۔ خالد نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں محمدؐ اور ان کے شریع دین پر ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں مسجد بنائی ہے اذان و اقامت کہتے ہیں اور جمعہ و جماعت قائم کرتے ہیں۔ خالد نے کہا پھر ہتھیار باندھ کر ہمارے سامنے کیوں آئے ہو وہ بولے ہم سے اور عرب کی ایک قوم سے عداوت ہے ہمیں خوف ہوا کہ مبادا تم لوگ اسی قوم سے ہو خالد نے ان کا یہ عذر نہیں سنا اور کہا کہ ہتھیار رکھ دو انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ خالد نے پھر اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ ان سب کے ہاتھ شانوں سے باندھ دو بعد ازاں ہر ایک اسیر کو اپنے رفقا کی سپردگی میں دیا اور جب صبح ہوئی تو حکم دیا کہ جو اسیر جس کی سپردگی میں ہے وہ اسے قتل کردے چنانچہ وہ اسیران بے گناہ اسی وقت قتل کر دیئے گئے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جب خالد کے کہنے سے بنی خزیمہ کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو خالد نے تلوار لے کر تقریباً سو آدمی اس قبیلے کے قتل کرڈالے بنی خزیمہ کے ایک شخص نے جناب رسالتمآبؐ کو اس واقعہ کی خبر دی آنحضرتؐ نے غضبناک ہوکر تین بار فرمایا۔ خداوندا خالد نے جوکچھ کیا ہے اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔

شبلی صاحب اتنے بڑے مشہور ومعروف واقع کو صرف بجمایت خالد بن ولید قلم انداز فرما گئے۔

یہ امران کے مولفانہ تدوین سے کس قدر خلاف ہے بہرحال خالد بن ولید سے خلاف حکم رسول صلعم یہ حرکت کیوں سرزد ہوئی اس کو اگر ہم اس مقام پر لکھیں تو ہمارے سلسلہ بیان میں بھی بے ربطی اور خبر بے مبتدا کا عیب پیدا ہوجائیگا۔
اس لیے ہم اس واقعہ کو بالاتمام لکھ کر اس کے وجوہ کو بالتفصیل آئندہ قلم بند کرینگے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

انفلت رجل من القوم فاتی رسول اللہ صلعم فاخبرہ خبر فقال رسول اللہ صلعم هل نكر احد قال انكو عليه ابيض ربعه فنهمه خالد فسكت عنه وانكر عليه رجل اٰخر طويل مضطرب فراجعه فاشتدت مراجعتمافقال عمرابن الخطاب الاول يارسول الله فانبى عبدالله واما الاخر سالم مولے ابي حذيفة ثم دعا رسول الله صلعم على ابن ابي طالب رضوان الله عليه فقال ياعلیؑ اخرج الى هولاء القوم فانظر فی امرهم واجعل امر الجاهلية تحت قدميك فخرج على حتى حباء هم ومعه مال قد بعث رسول الله صلعم فودى لهم اله مآء وما اصيب لهم من الاموال حتے انه ليدى لهم سيلغة الكلب حتے اذالم يبق شی من دم دلامال الاوداه بقيت معه بقيتة من المال فقال لهم على رضوان الله عليه حين فرغ منهم هل بقى لكهم بغة من دم اومال يودلكم قالو الاقال فانى اعطيكهم هذه بقبة من هذ المالك احتياط الرسول الله ممالاتعلم ولا تعلمون نفعل ثم رجع الى رسول الله ممالاتعلم ولا تعلمون ففعل ثم رجع الى رسول الله فقال اصبت واسنت ثم قام رسول الله صلعم فاستقبل القبلة قائما شاهر ابديه حتے انه ليرى ماتحت منكبيه يقول اللهم ابرأاليك مماصنع خالد بن وليد ثلاث مراة۔ جلد3ص 4مصر۔

اس قوم (بنی خزیمہ) کا ایک آدمی جناب رسول خداصلعم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض واطلاع کی جناب رسول خداصلعم نے پوچھا کہ کیا کسی شخص نے خالد کو منع نہیں کیا اس نے عرض کی جی ہاں پہلے ایک شخص نے سفید لباس پہنے تھا منع کیا لیکن خالد نے اسے ڈانٹ دیا اور وہ چھپ ہوگیا پھر خالد کو دوسری بار ایک طویل القامت مصطرب الحال شخص نے منع کیا خالد نے اس کو نکلوا دیا۔ پھر خالد نے سختی سے ان دونوں کو نکلوا دیا۔

یہ سن کر حضرت عمر ابن خطاب نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ پہلے جس شخص کو یہ بتلایا ہے وہ میرا بیٹا عبداللہ ہے اور آخر والا آدمی سالم غلام ابوحذیفہ ہے اس کے بعد جناب رسالتمآب ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بلایا اور حکم دیا کہ اے علیؑ قوم بنی خزیمہ کی طرف چلے جاؤ اور ان کے معاملات کا انتظام کرو جہالت کے امور کو مٹا ڈالو۔ یہ حکم سن کر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام قوم بنی خزیمہ کی طرف روانہ ہوئے اور قبیلہ خزیمہ کے پاس پہنچ گئے آپ کے ساتھ دو مال بھی تھا جو آنحضرت ﷺ نے ہمراہ کر دیا تھا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بنوخزیمہ کے نام مقتولین کی (دیت دے دی اور پھر جو کچھ ان کا مال لوٹا گیا تھا اس کا معاوضہ ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے ایک کتے تک کی قیمت ادا کر دی جب ان کی جان و مال کی دیت و قیمت میں کچھ بھی باقی نہیں رہا اور حضرت علیؑ کے پاس رقم موجودہ میں سے بچ رہا تو آپ نے بنوخزیمہ کے لوگوں کو مخاطب فرما کر استفسار فرمایا کہ اب تو تمہارے خون کی دیت یا مال و متاع کی قیمت میں کچھ باقی نہیں رہا جو نہ ادا کیا گیا ہو سب نے عرض کی کہ اب کچھ باقی نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا تو اچھا اب ہم احتیاطاً جناب رسالتمآب ﷺ کی طرف سے تمہیں یہ بچی ہوئی رقم بھی عطا کئے دیتے ہیں۔ ان امور سے فارغ ہو کر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں واپس آئے اور حقیقت حال عرض کر دی آپ نے ان کے اصابت عمل پر آفرین کہی پھر آنحضرت صلعم نے اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغل کے نیچے کی چیز دکھائی دیتی تھی قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمانے لگے۔ الٰہی جو کچھ خالد ابن ولید نے کیا میں اس سے بیزاری اختیار کرتا ہوں۔

شبلی صاحب کو اس واقعہ کی نقل میں دو مجبوریاں بیک وقت سدرہ ہوئی تھیں ایک تو وہی خالد بن ولید پر اسلام لانے کے بعد بھی اتنے کثیر مسلمانوں کے خون ناحق کا الزام۔ دوسری قیامت کی مجبوری حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ان محاسن خدمات کا اظہار روا اعلان سوہان جان تھا جو تبقلید امام بخاری ابتدا ہی سے آپ کے ناگوار فطرت اور خلاف طبیعت قرار پا چکا ہے۔

بہرحال اب خالد بن ولید کی اس حرکت ناشائستہ کی توجیہ بھی اُسی قدیم عربی تاریخ کی اصلی عبارت سے حسب ذیل ملاحظہ ہو۔ وجہ تو وہی ہے کہ باوجود اسلام لانے کے بھی ان سے جہالت کے دستور و کردار کا اظہار ہوا جیسا کہ خود جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت علیؑ کو حکم دیتے وقت وجعل امر فجاهنه تخت قدامیك۔ جاہلیت کے امور کو پامال کر ڈالو) کہہ کر اس کی طرف مخصوص ارشاد فرما یا دیا تھا۔ اس کی توجیہ میں ابن ہشام لکھتے ہیں۔

قد كان بين خالد وبين عبدالرحمن بن عوف فيما بلغني كلام فى ذلك فقال له

عبدالرحمان بن عوف عملت بامر الجاهلية فی الاسلام فقال افا ثارت بابيك فقال عبدالرحمان كذبت قد قتلت قاتل ابی ولكنك ثارت بعمك الفاكه بن المغيره حتی كان بينهما شر فبلغ ذلك رسول الله فقال مهلا ياخالد دع عنك اصحابی فوالله لو كان لك احد ذهب ثم انفقته فی سبيل الله ما ادركت غدرة رجل من اصحابی ولا روحته۔ ص 4 ج معسر۔

خالد اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان اس معاملہ میں (قتل بنوخزیمہ میں) تکرار ہوگئی اس کی کیفیت یہ ہے کہ خالد سے عبدالرحمن نے کہا کہ تم نے حالت اسلام میں جاہلیت کا فعل کیا۔ خالد نے جواب دیا کہ میں نے تو اس معاملہ میں تمہارے باپ کا قصاص لیا ہے بالکل جھوٹ کہتے ہو۔ میرے باپ کا تو قصاص نہیں تم نے اپنے چچا فاکہ بن سفیرہ کے خون کا البتہ عوض چکایا ہے یہ بات اتنی بڑھی کہ دونوں میں فساد کا احتمال ہوگیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس معاملہ کی خبر پہنچی آپ نے خالد سے ڈانٹ کر کہا کہ خالد ہمارے صحابہ سے علیحدہ ہوجا۔ خدا کی قسم اگر تیرے لیے کوہ احد سونا ہوجائے اور تو اس سب کو خدا کی راہ میں تصدق کردے تب بھی تو ہمارے اصحابہ کے گرد پا تک پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کی بو پا سکتا ہے

جب مقابلہ کے جوڑ ہوتے ہیں تو بات کھلتی ہے مرقومہ بالا عبارت سے جہاں خالد کا مورد عتاب نبوی ہونا اور صرف صحابیت سے محروم ہونا ثابت ہوا وہیں بنوخزیمہ کے ساتھ ان کی ایسی بیرحمی اور شقاوت کے راز بھی کھلنے لگے عبدالرحمن نے جواب دیا میرے باپ کا کیوں معاوضہ کہتے ہو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں نے اپنے چچا کا بدلہ چکایا ہے۔

سبحان اللہ عبدالرحمن کے باپ کا قصاص لیا گیا ہو۔ یا خالد کے چچا کا۔ کسی کا بھی ہوا اسلام کا امن عام تو ضرور بدنام ہوگیا اور اس کو اپنے پاس سے رقم کثیر اتنے بے گناہوں کی دیت میں دینی پڑی۔ یہ حضرات تو مفت راچہ باید گفت سمجھ کر اپنے باپ و چچا کے قصاص چکا کر علیحدہ ہوگئے۔ چونکہ مندرجہ بالا عبارت سے ابھی تک ان دونوں دعویداروں کے بیان دعوے کا تصفیہ نہ ہوسکا کہ حقیقتاً کس کے خون کے بدلے میں بنوخزیمہ کے بے گناہ مقتولین کی گردنیں ماری گئیں اس لیے کہ ابھی تک عبدلرحمن اور خالد بن ولید دونوں کے بیان دعوے۔ تاوقتیکہ کسی تاریخ شاہد سے مقابل نہ کئے جائیں من تراحاجی بگوبم تو مراحاجی بگوم تو مراجی بگو کے تعریف میں آئیں گے اور غیر مفصل سمجھے جائیں گے اس کے تصفیہ وتفصیل کے لیے پھر اسی تاریخ بن ہشام کی باقیماندہ مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

وكان الفاكه بن المگيرة بن عبدالله بن عمر بن مخروم دعوف بن عيد عوف بن عبدالحرث بن زهرة عفان بن ابی العاس بن اميه بن عبد شمس قد خرجوا انها والی

لیمن دمع عفان ابنه عثمان ومع عوف ابته عبد الرحمن فلما اقبلو احملوا مال رجل من بنی خزیمة عامر کان هلك بالیمن الی ورثه فاوّعاه رجل منهم یقال له خالد بن هشام ونعیم بارض بنی خزمة قبل ان یصلو اهل المیت فابو علیهم فقاتلهم عن معه من قومه علی المال یاخذوه وقاتلوه فقتل عوف ب عبد عوف و القا که بن المغره و تجاعفان بن ابی العاص ابنه عثمان و اسابوا مال الفا که بن المغیره ومال عوف بن عبد عوف فانطلتو مبه وقتل عبد الرحمن بن عوف خالد بن هشام قاتل ابیه قمت قریش بغزدا بنی خزیمه۔

فا کہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخروم اور عوف بن عبدعوف بن عبدالحرث بن زہرہ اور عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس تجارت کی غرض سے یمن کو چلے عفان کے ساتھ ان کے بیٹے عثمان اور عوف کے ساتھ ان کے بیٹے عبدالرحمن تھے جب وہاں سے چلے تو ان لوگوں نے بنی خزیمہ میں سے ایک شخص کا مال جو یمن میں مر گیا تھا اس غرض سے لا دلیا تھا کہ اس کے وارثوں کو پہنچا دیں گے اس درمیان میں کہ یہ لوگ موتہ کے وارثوں سے ملیں بنی خزیمہ کے ایک شخص جس کا نام خالد بن ہشام تھا ان لوگوں سے مال کا دعویٰ کیا ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان سے جنگ پر آمادہ ہو گیا یہ لوگ بھی اس سے لڑے۔اس نے عوف بن عبدعوفا اور فا کہ بن مغیرہ کو مار ڈالا، عفان ابن عاص اور ان کے بیٹے عثمان کو چھوڑ دیا اور عوف بن عبدعوف اور فا کہ کا سب مال لوٹ لیا اور وہاں سے وہ لوگ چلے گئے لیکن عبدالرحمن نے اپنے باپ کے قاتل خالد بن ہشام کو قتل کر ڈالا اسی بنا پر قریش نے بنی خزیمہ سے جنگ کی جلد دوم مصر ص4۔

واقعات مذکورہ بالا کو پڑھ کر با آسانی سمجھ لیا جائیگا کہ بنو خزیمہ کے ساتھ خالد کے ظالمانہ حرکات بالکل ان کی ذاتیات پر مبنی تھے۔عبدالرحمن بن عوف کا اعتراض بالکل صحیح تھا اور فی الواقع۔ چنانچہ زبان رسالت سے بھی اس کی طرف اشارت ہو چکی تھی۔اور پھر عبدالرحمن بن عوف اور خالد ولید کی نزاع لفظی کے موقع پر بھی عبدالرحمن ہی کی توجیہ کی تائید فرمائی گئی تھی۔اور خالد کو ڈانٹا گیا تھا۔فتح مکہ کے امن عام اور جناب رحمت عالم صلعم کے فرمان امان اور اعلان صلح عام کے پاک وصاف صفحہ دفتر پر اول وآخر خالد بن ولید کی بیجا جنگجوئی اور کینہ پروری نے خون کی چھینٹیں ڈالیں اور ہمیشہ کے لیے مخالفین اسلام کو مفتریانہ اعتراض کا موقع دے دیا۔لیکن حقیقت شناس محققین جانتے ہیں کہ یہ خالد کا اپنا ذاتی فعل تھا۔اور قطعاً خلاف رجاء خدا ورسول اس لیے خبر ملتے ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان خالد کی اس حرکت ناشائستہ سے عنداللہ وعندالناس اپنی برائت ظاہر فرما دی۔

محدث دہلوی شاہ عبدالحق صاحب دہلوی مدارج النبوۃ جلد دوم میں اس موقع پر اپنے سفر مکہ معظّمہ کے متعلق اپنا یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔ خالد کی اس حرکت پر جب میں ادائے حج کی نیت سے مکہ معظّمہ میں پہنچا تو وہاں کے علماء وفضلا سے ملا۔ ملا قاضی علی محدث دہلوی کی رائے بن جاراللہ جو خالد بن ولید کی اولاد سے تھے اور مکہ کے قاضی تھے مجھ سے ان سے تعارف ہوگیا ایک دن ان کی صحبت میں خالد بن ولید کا ذکر آیا۔ تو میں نے عرض کی کہ انہوں نے حقیقتاً اس امر واقعہ بنی حزیمہ) میں جلدی کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں حکم صریح نہیں دیا تھا قاضی صاحب میرا یہ سوال سن کر شرما گئے اور دفع انفعال کے لیے صرف اتنا فرمایا۔ اللہ کان فیہ شعوبامن الاستعجال والمبادرۃ فی القتال۔ مناہج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص 603 مطبو لکھنوء

فتح بیت الحرام اور امن وصلح کا پیغام

فتح مکہ کا ایسا عظیم الشان معاملہ پورے اطمینان اور امن وامان کے ساتھ تمام ہوگیا اور انافتحنالك فتحاً مبین۔ کا دیباچہ بشارت سورہ نصر کی الہامی عبارت کی صورت میں لفظاً لفظاً کامل ہوگیا دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ صفا پر اُسی دستگیر عالم کے ہاتھوں پر جس کو وہ انتہائی ذلت وحقارت اور ظلم وشقاوت کے ساتھ اپنے شہر ودیار سے باہر نکال چکے تھے۔ اور اس کے باہر نکل جانے کے بعد بھی آج تک اُس کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ تمام عرب بلا امتیاز قبائل وعشائر بیشمار تعداد میں ہر طرف سے خود آ آ کر اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر بڑے شرف وافتخار سے اُسکی عقیدت، اُسکی متابعت اور اطاعت کی بیعت کر رہے تھے۔ اور خدا کے الفاظ مقدس ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ کے مطابق (لوگ دین خدا میں فوج فوج داخل ہوئے ہیں) کی بشارت کو عملی صورت میں پورا کر رہے تھے۔

ساڑھے تین برس کے بعد 12ھ کے آخر میں ایک دوسرے اقراری مسلمان (مالک بن نوبرہ) پر ہاتھ صاف کیا۔ یہاں تو باپ کا انتقام تھا وہاں تو محض حفظ نفس پر اقدام تھا رسول صلعم تو تھے ہی نہیں جو اپنی برات کا اعلان فرماتے ہاں حضرت عمر نے البتہ ان کی معزولی کے لیے ہزار سر مارا مگر حضرت ابوبکر نے ایک نہ سنی کامل ابن اثیر وغیرہ تمام کتب حدیث وتاریخ۔ (المولف عفی عنہ)

دنیا اور اہل دنیا نے اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا کہ تاریخ عالم کے بیشمار کارناموں میں ایک ایک ورق الٹ جائینگے بعد بھی فتح عظیم کی ایسی پاک وصاف نظیر نہیں ملتی۔ جسکا تفصیلی بیان خون آلودہ نہ ہو یا اسکے فاتح کے حبیب وآستین پر مفتوحین کے خون کی چھینٹیں پڑیں نہ دکھائی دیتی ہوں۔ سیاسی تاریخوں کو چھوڑ دیئے ہم تو کہنے لگے کتب مقدس میں انبیاء ومرسلین کی فتوحات پر نظر ڈالیے۔ توریت میں جناب موسیٰ علی بینا والہ وعلیہ والسلام فتح مدائن کے حالات پڑھیے تو ثابت ہوجائے گا کہ اس نبی اعظم سے رحمت عالم کی شان بالاتر ہے۔ صلوا علیہ والہ۔

اس واقعہ میں تشریف آوری کے وقت سے آخر وقت تک جناب سید المرسلین رحمۃ اللعالمین کے خلق عظیم اور لطف عمیم کے ہر ہر طریقہ انداز اور شان پر نگاہ غور اور نظر انصاف کیجائے اور تھوڑی دیر کے لیے تعصب اور ذاتیات کو چھوڑ دیا جائے تو ظاہر ہوجائیگا کہ رحمت اسکا نام ہے اور رحمت کا یہ کام ہے۔

مکہ کے مجرمین اور خلق رحمۃ اللعالمین

شبلی صاحب نے صرف ابوسفیان کے ناقابل عفو جرائم کی معافی کو کس قدر تفصیل سے لکھ کر ختم کر دیا ہے اور جو کچھ بھی لکھا ہے صحیح اور فی الواقع لکھا ہے ہم بھی اسی سے ابتدا کرتے ہیں کہ ایک ابوسفیان بے شمار جرائم کے معاوضہ میں کتنے اور کیسے محاسن سلوک اس کے ساتھ قائم کیے۔ ایک ایک کر کے اس کے تمام جرائم کی معافی دے دی۔ سامنے آیا تو اُسکی حرکات کا ذکر کیا، نام تک بھی نہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے سزا کی تحریک بھی کی تو کوئی اعتنا نہ فرمائی گئی بلکہ وہ تو بیزاری کے عوض شرف امتیاز سے خاص طور پر معزز فرمایا گیا (اُسکا گھر مجرمین کے لیے امن قرار دے دیا گیا۔ یہ ہے تو ان کی بی بی ہندہ جگر خوارہ پر (شرم سے نقاب ڈالکر آئیں لیکن رحمت عالم نے خود آنکھیں جھکا لیں اور یہ بھی بلاعذر و تامل معاف فرما دی گئیں۔ دو منزل مکہ باقی ہے خاص گھر کے دو دشمن اپنے چچازاد بھائی لائے جاتے ہیں ہزار زبان ندامت وخجالت تاللہ لقد اثرك الله علینا وان كنا لخاطئین کہہ کر عظمت رسالت اور اپنی معصیت کا ایک ساتھ اقرار کرتے ہیں زبان رحمت سے لاتثریب علیکم الیوم (آج کے دن تم پر کوئی الزام باقی نہیں) کی سند معافی پا کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کے وقت تمام اہل لشکر کو علی الاعلان حکم دیا جاتا ہے۔

(۱) جو کوئی شخص ہتھیار ڈال دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

(۲) جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے قتل نہ کیا جائے۔

(۳) جو کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے اور کنواڑ بند کرے وہ قتل نہ کیا جائے۔

(۴) جو کوئی شخص ابوسفیان کے گھر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۵) جو کوئی شخص حکیم ابن خرام کے گھر میں چلا جائے وہ قتل نہ کیا جائے۔

(۶) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

(۸) اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

باستثنائے خانہائے ابوسفیان اور حکیم بن خرام حضرت ام ہانی بنت حضرت ابی طالب کے گھر میں دو مجرم جا چھپے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے دیکھ کر پہچان لیا اور سنگ دردست دامر بر سر سنگ نکند ہر دو ہوشیار درنگ کے اعتبار مسلمہ پر ان دونوں کو قتل کرنا چاہا۔ بہن نے تا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھائی کو اُن کے قتل سے باز رکھا۔ خدمت رسالت میں حاضر ہوئیں واقعہ عرض کیا قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی (جس کو تم نے پناہ دی میں نے بھی اس کو پناہ دی کا پروانہ نجات لیکر دونوں کو فوراً جا نبری کرا دی)۔

بیت اللہ معظم کو خارجی الائش و گندگی سے پاک وصاف فرما کر باہر تشریف لائے تو فوج در فوج صف در صف اور قطار در قطار قدیم خطاء (برسوں کے گنہگار سامنے کھڑے تھے۔ صرف دو کلمہ اذھب وانتم الطاقاء (جاؤ تم سب کو آزاد کر دیا) کہہ کر سب کے سب چھوڑ دیئے گئے۔

مکہ میں تسلط ہوگیا۔ چاروں طرف امن وامان اور آرام واطمینان قائم ہوگیا۔ تو بقول شبلی صاحب کفار مکہ کے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب وقت تھا کہ ان کے حقوق دلوا دیے جائیں لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنے مملوکات سے دست بردار ہوجائیں۔

عثمان بن ابی طلحہ کلید بردار کعبہ سے کنجی منگائی جاتی ہے خانہ کعبہ کے اندر کے ارکان بجالا کر باہر تشریف لاتے ہیں تو خاص عم محترم حضرت عباس ابن عبدالمطلب عرض کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے حسن خدمت اور یادگار میں ہے۔ چچا! آج کا دن تو خاص رہائی اور وعدہ وفائی کا دن ہے۔ یہ فرماتے ہیں اور سلافہ کے بیٹے کو جس نے اتنی ردوکد کے بعد کنجی دی تھی کلید کعبہ حوالہ فرمادیتے ہیں۔ ان ھذا رسول صادق امین فتح مکہ ایسے ہی رحم ومروت انصاف وعدالت عدل ومساوات اور اخلاق اشفاق کے واقعات کا کامل دفتر ہے انبیائے سابقین اور اہم ماضیین کے حالات پر عبور کامل رکھنے والے حضرات محققین خوب جانتے ہیں اور غزوات حضرت موسیٰ علیہ السلام محارب حضرت یوشع بن نون اور فتوحات حضرت داؤد وسلیمان علے نبینا وآلہ وعلیہما السلام کے بڑے بڑے کارناموں میں فتح مکہ کے ایسی پرامن ۔ بے ضرر اور بلاخوف اس دوسری مثال نہیں دکھلا سکتے۔

ہم پہلے انبیاء ومرسلین علے نبینا والہ وعلیہم السلام اجمعین کے اسفار واثار میں اس کی نظیر طلب کرتے ہیں اس لیے کہ اصلواً شعار انبیاء کا شعار انبیاء ہی سے تقابل توازن مناسب ہے اسوۃ الرسول میں رسول عربی فداہ امی وابی کی شان ہر موقع وہر مقام پر مقدار نبوت اور معیار رسالت تک کامل ثابت کردی گئی اور ملکی فرمانروا اور دنیاوی سلاطین کے غیر مقید اور غیر محتاط ذی اقتداری اور ثروت ونموداری کی عارضی اور خالی ظاہری دیواروں سے مرقع رسالت کو بالکل پاک وصاف رکھا گیا ہے جن کو ہم آداب رسالت کے اعتبار سے مدح نہیں قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہجو بلیغ اعتبار کرتے ہیں۔

جب ہمیں اس کا پورا یقین ہے کہ فتوحات انبیا کے دفتر اسکی مثال سے خالی ہیں تو ملکی فرمانروا اور دنیاوی سلاطین کے عملیات میں اس کی مثال تلاش کرنا بالکل خارج از بحث ہے مگر زمانہ کی ناشناسانہ بدمذاقی کا کیا علاج ہے جو مبلغین رسالت کو خواہ مخواہ سلاطین ملک وسلطنت سمجھ کر جانبین کے افعال واطوار رفتار وکردار کا بیجا اور غیر مناسب مقابلہ چاہتی ہے۔ حقیقتاً تو یہ تقابل ناممکن ہے لیکن بعض واقعات میں مجازاً ممکن بھی ہے جب سیاسی اور فرمانروایاں ملکی اور کشورکشایاں دنیاوی سے تقابل ہی ناممکن ہے تو پھر مثال مقابل کا حوصلہ کیا جاتا ہے تو پھر توریت کی کتاب التاریخ کے ورق ورق الٹے جائیں۔ اور سلطنت ہائے قدیمہ ایران اور رومۃ الکبریٰ سے لیکر۔ عیسائی سلاطین جسٹینین اور قسطنطینین وغیر مثالہم کے کارنامے صفحہ صفحہ کرکے پڑھے جائیں اور انہیں سے کسی ایک فاتح ملک وشہر کی ایسی آرام دہ۔ تسکین افزا اور امن پیرا فتح کی مثال پیش کی جائے ھاتو ابرھانکم ان کنتم صدقین ۔ افسوس ہے کہ طوالت اور مقامی نامناسبت کی وجہ سے ہم اس بحث کی زیادہ تفصیل نہیں کرسکتے۔ شاہ قسطنطنین (Kistonin) کی فتح جنگ جسر (jasar)۔ اور قسطنطین سوم کے پوتے جسٹینین دوم کے فتوحاتی مظالم تاریک رومۃ الکبریٰ کے خونیں صفحوں میں پڑھے جائیں تو ناظرین کو معلوم ہوجائیگا۔ کہ مجاز کے اعتبار سے بھی ان سیاسی اور ملکی فتوحات کی مثال مقابل بھی فتح مکہ نے مقابلہ میں کیسی اور رایٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی صاحب سی آئی ای۔ بالقابہ

کی اُس عبارت کا جو فتح مکہ کی حقیقی تصویر انصاف پسند قلوب پر کھینچ دیتی ہے۔ ذیل میں نقل کر کے اس بحث کو تمام کر دیتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلعم ایک فاتح کی شان میں داخل مکہ ہوئے۔ جو شخص ایک مرتبہ مجرم قرار پا چکا تھا اب وہی بزرگ اپنی رحمدلی اور اشفاق کے مسالک دکھلا کر اور لوگوں کو اپنی ہدایت وارشاد ثابت کرنے آیا ہے۔ وہ شہر جس نے اس بزرگ کے ساتھ اتنی سختی اور ظلم وتعدی کے سلوک کیے کہ اس کو اور اس کے سچے اور خیر خواہ جماعت والوں کو محض غیر لوگوں میں پناہ لینے کے لیے مجبور کر کے باہر نکال دیا اور خارج البلد کر دیا۔ جس نے اُسکی اور اُسکے فرمانبردار متقدین کی زندگیاں تلخ کر دیں۔ اب اس کے قدموں پر پڑا ہوا ہے۔ اس بزرگ کو ظالم اور بیرحم قدیم اس کے مجرم مشتہر کرنے والے جنہوں نے بیگناہ مرد زن اور عورتوں پر اپنی ظالمانہ سزائیں پہنچا کر اپنی انسانیت کی حیثیت کو بھی ذلیل کر دیا تھا۔ اب اُسی بزرگوار کے رحم ومروت کے امیدوار بننے اور اس سے آسرا لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فتح اور کامیابی کے حصول مدعا کے بعد جو جو مصیبتیں گذریں تھیں اور جو جو تکلیفیں پہنچی تھیں۔ سب کی سب بھلا دیں گئیں۔ اور جو نقصانات اُٹھائے گئے۔ صرف چار مجرموں (دو تین مرد اور ایک عورت) کے خون جنکا انصاف بھی مقتضی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے شہر پر غالب آ کر اور اس میں داخل ہو کر بھی جائز رکھا فوج اسلامی بھی آپ کے محاسن کی کامل تقلید کی اور نہایت خاموش اور سہولت کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی۔ کوئی گھر برباد کیا گیا اور نہ کسی عورت کی آبرو پر حرف لایا گیا۔ یہ نہایت صحیح اور فی الواقع لکھا گیا ہے کہ فتوحات دنیاوی کے کارناموں میں اس کے (فتح مکہ) ایسی کوئی دوسری کامل فتح نہیں ہوئی۔ اسپرٹ آف اسلام ص 193۔

چونکہ فتح مکہ کے بعد ہی ہمیں جنگ حنین کے حالات فوراً ہی لکھنے ہونگے جس کا دیباچہ گویا مکہ کی انہیں نو مسلم قوموں کا قائم کیا ہوا ہے اس بنا پر ضروری ہے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ میں اتنا اور ضافہ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بینظیر اور عدیم المثال محاسن اخلاق مکارم اشفاق رحم ومروت اور عفو درگذر کا اثر نو مسلمین مکہ کے قلوب پر محض عارضی اور صرف وقتی تھا اس میں نہ کچھ اہمیت تھی اور نہ ان ناقدداں کو کچھ بھی ان کی قدر ومنزلت تھی ابھی حنین کا میدان جنگ تو دور ہے آنحضرت صلعم مکہ ہی میں مقیم ہیں۔ گویا صبح سے شام نہیں ہوئی ہے اور مکہ والے۔ اور دوسروں کے ساتھ کیا خاص ذات مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اسی ایک واقعہ سے ان کے خلوص ایمان قبول اسلام اور عقیدت رسول سب کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ صاحب رحمۃ اللعالمین زاد المعاد ابن قیم نے اسناد سے لکھتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر ڈالے جب وہ اس ارادہ سے آپ کے قریب پہنچا تو نبی صلعم نے فرمایا کیا؟ فضالہ آتا ہے فضالہ بول۔ ہاں نبی صلعم نے فرمایا تم ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟ قضالہ نے کہا۔ کچھ تو نہیں میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا نبی صلعم یہ سن کر ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا اچھا۔ تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو۔ یہ فرمایا اور اپنا دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھ دیا۔ فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ کے رکھ دینے سے مجھے بڑا اطمینان قلب حاصل ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضور سے بڑھ کر مجھے کوئی بھی محبوب نہ رہا، فضالہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور مکان پر واپس ہوا۔ راستہ میں میری محبوبہ ملی جس کے پاس میں تنہا بیٹھا کرتا تھا اس نے مجھے پکار کر آواز دی اور کہا۔ فضالہ ایک بات سنتے جاؤ۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ نہیں۔ خدا اور اسلام ایسی

باتوں (کے سننے) سے مجھے منع کرتے ہیں۔ میں نہ سنوں گا۔ رحمۃ ص 321 لاہور۔

اگر پیغمبر برحق سلام اللہ علیہ والہ اپنے روحانی آثار و اختیار سے کام نہ لیتا تو فضالہ آپکا کام تمام کر چکا تھا۔ اسی ایک مثال سے نومسلمین مکہ کے قبول اسلام اور خلوص ایمان کی حقیقت اور اہمیت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ جو کثیر تعداد میں لشکر اسلام کے ہمراہ ہو کر جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور بہتوں کو اپنے ساتھ لیتے گئے تھے تفصیل آ گے آتی ہے۔

جنگ حنین

8 شوال 8ھ مطابق جنوری وفروری 630ء

یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ۔

حنین کے دن (کو یاد کرو) جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ سورہ توبہ۔ ۲۵

مکہ معظّمہ کی کامل فتح اور قریش کی پوری شکست نے عرب میں سالہا سال کفر و اسلام کا لگا ہوا قضیہ تمام کر دیا تھا اور جبروت قدرت نے الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔ آدمی فوج در فوج بن کر خدا کے دین میں داخل ہو گئے کا منظر دنیا کی عبرت میں نگاہوں کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ لیکن اصول فطرت کے موافق انتہائے صفا کے بعد بھی اطراف مکہ کی فضا میں ظلمت و کدورت کا اثر ابتک باقی تھا۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اگرچہ مکہ میں گھر گھر اسلام کی روشنی پہنچ گئی تھی اور نور ایمان کی شعاعیں بلند ہو کر اطراف و اکناف میں نور افشانی کر رہی تھیں لیکن تاہم بعض قبائل میں سیہ بختی اور تیرہ اعمالی سیاہی ابھی تک باقی تھی بلکہ ویسی ہی گھری تھی۔

ہوازن کی تیاریاں

طائف اور مکہ کے درمیان جو وادی واقع ہے اُسے حنین کہتے ہیں۔ اوطاس بھی اسی کا نام ہے معجم البلدان کی تحقیق میں حنین عرب کے مشہور اور قدیم بازار ذوالمجاز سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور عرفات سے بھی اس کی مسافت اتنی ہی بتلائی جاتی ہے اس وادی میں قدیم الایام سے قبیلہ ہوازن کی مختلف شاخیں اور کثیر تعداد قومیں آباد تھیں۔ ہوازن عرب کی بڑی قدیم اور عظیم قوم تھی جس میں بیشمار قبائل اور عشائر اوران کے حلیف و شریک شامل تھے۔ کفر و اسلام کے معرکوں میں اگرچہ ہوازن کا قبیلہ قریش کا ہمدرد بنا رہا۔ لیکن وہ اپنی خود اقتداری سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اور قریش کی متواتر شکستوں کے بعد بھی مکہ اور حوالئی مکہ کے نظم کا قریش کے ہاتھوں میں باقی رہ جانا ان کو اپنی قومی حکومت قریش کی بقا کا خیال موہوم دلا رہا تھا یہی حالت تھی کہ یکایک امید کے خلاف حسرت و تمنا کے برعکس بے جنگ وجدال بے خوف و قتال مکہ فتح ہو گیا۔ تو اب ہوازن کی تقدیر میں سوائے محرومی و ناکامی کے اور کیا رکھا تھا۔

ہوازن اور ثقیف کا اتحاد

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس قوم میں بے شمار لوگ تھے۔ ان کی ایک ایک قبیلہ اور عشیرہ بجائے خود ایک فوج تھا۔ وہ فطرتاً ایک جنگجو قوم تھی۔ اور فنون حرب ضرب میں بڑی کامل قوم کہلاتی تھی۔ ان تمام اوصاف و کمال شجاعت و دلیری کے ساتھ وہ لوگ حد درجہ کے مغرور اور سرکش بھی تھے۔ اور ایسے کہ اپنے آگے آج تک وہ کسی کو کوئی شے نہ سمجھتے تھے۔ اور نہ سمجھنا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر باوجودیکہ تمام عمائد و اکابر قریش اور ان کی حلیف اور شریک قوموں نے پیغمبر السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے اطاعت گذاری گردنیں جھکا دیں اور متابعت کے سر اڑا دیئے لیکن ان سرکشوں کی مغرورانہ اکڑ میں کمی نہ آئی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے فسخ ہو جانے کے بعد ان لوگوں میں مخالفت اسلام کی آگ پھر از سر نو مشتعل ہو گئی تھی۔ اور یہ لوگ قریش کو مقابلہ اسلام کے لیے اب بالکل ضعیف اور نا قابل سمجھ کر خود آہستہ آہستہ اور مخفی طور پر اسلام کے خلاف سخت سوزش پھیلا رہے تھے۔ اور اپنی ان خفیہ سازشوں میں کامیاب ہو کر اسلام پر ایک مجموعی اور سخت ترین حملہ کا پورا انتظام کر چکے تھے۔ فتح مکہ کے بعد یہ اتنا بیتاب ہو گئے کہ اپنی خفیہ ترکیبوں کو زیادہ مخفی نہ رکھ سکے اور اپنے قرارداد حملہ کو سامان و اعلان کرنے لگے۔

عجلت کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود غرض اور مغرور لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام قبل اس کے مفتوحین کی ان ارضیات باغات و مکانات پر قبضہ کریں ہم اسلام سے مقابلہ کر کے ان کو پسپا کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں۔ یہ معلوم ہے کہ عمائد و اکابر قریش کی طائف میں بڑی بڑی مملوکات و مقبوضات تھیں ہوازن کی تنگ ظرفی اور سبک چشمی نے خباثت نفسی سے اسلام کی نسبت ان کے قلوب میں یہ اوہام و وسواس پیدا کر دیئے تھے۔ حقیقتاً وہ اسلام کی فیاضی عالی ہمتی اور دریا دلی مکہ والوں کے ساتھ دیکھ چکے اور سن چکے تھے۔ جب اہل اسلام نے مکہ کی اپنی خاص جائیداد اور مکانات اور باغات وغیرہ غاصبین قریش سے واپس نہ لیے بلکہ ان کو معاف کر دیئے تو ان کی طائف کی جائیداد و ملکیت پر کیا نظر خراب کرتے۔

ہوازن عجیب حرفت کی فطرت رکھتے تھے۔ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے دل میں یہ واہمہ بھی بیدار کر لیا تھا کہ مکہ کے بعد پیغمبر اسلام حملہ کریگا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا جمیعت اسلام میں کسی فرد و واحد کو بھی اس کا خیال نہیں تھا۔ ہوازن نے اپنے ہمسایہ قبائل و عشائر میں اسلام کے خلاف پر جوشی پیدا کرنے کے لیے یہ بات صرف اپنے دل سے پیدا کر لی تھی حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔

مالک ابن عوف کی امارت

جب یہ تمام انتظام درست کر چکے تو اسلام کے حملہ موہومیہ کا بھی انتظار نہ کر سکے اور اپنی غیر متحمل پر جوشیوں میں بیتاب ہو کر لشکر اسلام پر حملہ کرنے کے لیے گھروں سے نکل پڑے۔ باہم دو بڑے کثیر التعداد قبیلے اور مشہور و معروف گروہ۔ ہوازن اور بنی ثقیف متحد ہو گئے اور انہیں سے ہر ایک کے ساتھ ان کے ماتحتی اور اہم معاہدہ قبائل و عشائر بھی داخل ہو گئے امیر فوج کا انتخاب پیش ہوا۔ ہوازن نے اپنے سردار مالک ابن عوف کو اور ثقیف نے اپنے رئیس قبیلہ کنانہ بن عبد یالیل کو منتخب کیا۔ گفتگو کے بعد ایک ہی امیر کے مقرر کیے جانے

کی تجویز پر اتفاق ہوا۔ثقیف نے بڑے ایثار کے ساتھ ہوازن کے رئیس مالک ابن عوف کی تنہا امارت کو تسلیم کر لیا۔اور مالک ابن عوف دونوں لشکروں کا امیر و سردار بن گیا۔ مالک ابن عوف نے مستعدی اور دلیری سے لشکر کشی کا انتظام کیا۔عموماً لوگ اہل وعیال کو گھر میں چھوڑ کر اور گھر کے ایک آدمی کو ان کا محافظ بنا کر لشکر میں داخل ہوئے تھے۔ مالک ابن عوف نے اپنی امارت میں یہ تبدیلی کی کہ اس قدیم دستور کو یہ بتلا کر توڑ دیا کہ اگر اہل وعیال ساتھ رہیں گے تو ان کی اسیری غارت اور بے آبروئی کا خیال کر کے تمام لوگ بڑی جگرداری اور کامل پاداری کے ساتھ لڑینگے۔اور مرتے دم تک میدان جنگ سے پاؤں نہ ہٹائیں گے۔

بندے ہزار انتظام کریں۔لاکھ اہتمام کریں قدرت اپنا کام کر لیتی ہے۔سامان جنگ انتظام حملہ ومقابلہ تو مہینوں کیا برسوں سے ہو رہا تھا۔کثرت کے لحاظ سے عرب کیا انہوں نے گویا دنیا کی دنیا اپنی طرف سمیٹ لی تھی۔لیکن اتفاق سے ہمسایہ کے دو بڑے قبیلے بنی کعب اور بنی کلاب کو دعوت نہیں دی تھی اور وہ بالکل چھوٹ گئے تھے چنانچہ وہ آخر وقت تک غیر جانبدار بنے رہے۔

درید اور معائینہ فوج

درید بن الصمہ قبیلہ ہوازن کا ایک بڑا کہنہ مشق، تجربہ کار اور نبرد آزما سردار اور شاعر تھا کبیر سنی کی وجہ سے بالکل بیکار مجبور اور صاحب فراش ہو رہا تھا مالک بن عوف میدان جنگ میں ترتیب لشکر کے بعد صرف اپنی خوش نظمی کی داد لینے کی غرض خاص سے اس کو فوج کے معائینہ کے لیے ایک چارپائی پر پڑا اٹھالا یا بصارت اس کی زائل ہو چکی تھی۔اس نے پوچھا یہ کون سا مقام ہے؟ جس کو تم نے مخالف سے مقابلہ کے لیے تجویز کیا ہے بتلایا گیا اوطاس (حنین) ہے درید بولا مقام تو مناسب ہے زمین بھی صف آرائی کے لیے موزوں ہے نہ اتنی سخت کہ پاؤں میں کانٹے چبھیں اور نہ اس قدر ملائم کہ کھڑے ہوں تو پاؤں دھنسیں اسی اثنا میں بچوں کے رونے کی آوازیں اس کے کانوں میں آئیں تو اس نے متعجب ہو کر پوچھا کہ بچوں کو کون ساتھ لایا ہے کہا گیا کہ اہل وعیال بھی اس جنگ میں اس خیال سے ساتھ لائے گئے ہیں کہ لوگ تنہائی غیرت۔جگرداری اور پاداری کے ساتھ لڑیں اور میدان سے نہ ہٹیں۔ یہ سنکر درید بے ساختہ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔سنو! جب پاؤں اکھڑے اور دل ہٹے۔تو کوئی نہیں جما سکتا۔معرکہ کارزار میں اگر کچھ کام آتی ہے تو اکیلے تلوار باقی سب بیکار۔ یاد رکھو تمہاری قسمت کی محرومی نے تم کو اگر شاہد مدعا کی رونمائی نہیں کی اور تم نے منہ کی کھائی تو پھر یہ عورتیں تمہاری گردنوں میں ذلت ورسوائی کا طوق بن جائیں گی۔

اسکے بعد اس کہن سال اور تجربہ کار عرب کے سپہ سالار نے دریافت کیا کہ بنی کعب اور بنی کلاب کے لوگ اس جمعیت میں شریک نہیں ہیں۔ جواب دیا گیا۔نہیں اس نے کہا تعجب ہے کہ یہ معرکہ قومی امتیاز واعزاز کا تو معیار قرار دیا جائے اور قوم کے دو بڑے بڑے مشہور ومعروف قبائل اس کی شرکت سے کنارہ کش اور دست بردار رہیں۔ غالباً وہ اس کو معرکہ امتیاز نہیں سمجھتے پھر درید نے مالک ابن عوف کو صلاح دی کہ کھلے میدان میں صف آرائی سے بہتر ہے آر پکڑ کر فوجوں کی صفیں درست کی جائیں یہ ترکیب زیادہ محفوظ ہے لیکن مالک کی جوان سالہ ناتجربہ کاری کی پرجوشی اور جرأت بیجا نے درید کی اس مفید صلاح پر اس کو عمل پیرا نہ ہونے دیا۔اور طبری کے الفاظ میں مالک نے یہ کہہ کر لقد کبرت و کبر علمك تم بوڑھے ہو گئے اور تمہارا علم وتجربہ بھی بوڑھا ہو گیا۔درید کی بات کو ٹال دیا۔طبری

مطبوعہ یورپ ص1657۔

مکہ سے فوج اسلام کی روانگی

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ سے روانگی کا قصد فرما رہے تھے کہ ہوازن کے حملات کی خبریں آنے لگیں۔صحابہ میں بعض کے نزدیک یہ خبریں قابل اعتبار تھیں بعض کے نزدیک نہیں۔شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

آپ نے تصدیق کے لیے عبداللہ ابن حدرد کو بھیجا اور وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کیے۔ص390۔

بس شبلی صاحب اتنا ہی لکھ کر رہ گئے۔یہ کچھ نہ لکھا کہ ان کی تحقیق اور حالات چشم دید پر بھی اعتبار کیا گیا یا نہیں آپ کے اس اختصار و اقتصار او اقعات کی وجہ یہاں بھی وہی پائی جاتی ہے جو ایسے ایسے تمام مقامات پر آپ کو بار بار لاحق ہوتی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان واقعات میں حضرت عمر کی مخالفت رائے۔عبداللہ کے مشاہدات کے غلط ہونے پر انکار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالآخر جناب موصوف کو اس امر پر سرزنش کرنا ثابت ہوتا ہے۔دیکھئے وہی طبری جن سے ابھی ابھی آپ اپنے آغاز حالات کے واقعات اوپر نقل کر چکے ہیں۔ان واقعات کو ذیل کے الفاظ تفصیلی میں لکھتے ہیں۔

ثم اتی رسول اللہ فاخبرہ الخبر فدعا رسول اللہ صلعم عمر بن الخطاب فاخبرہ خبر ابن ابی حدرد فقال عمر کذب فقال ابن حدردان تکذبنی فطال ما کذبت بالحق یاعمر فقال عمر الاتسمع یارسول اللہ الی مایقول ابن ابی حدر فقال رسول صلعم قد کنت ضالاً فھداك اللہ یاعمر۔ ص1658۔

ابن عدرد نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر تمام حالات کی خبر کی تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب کو بلوایا اور ان کو ان حالات سے مطلع کیا حضرت عمر نے کہا یہ سب جھوٹ ہے۔ابن حدود نے کہا تم کیا مجھے جھوٹا بناتے ہو تم تو ایک مدت تک حق (نبوت) کو جھوٹ کہتے رہے۔حضرت عمر نے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سنتے ہیں ابن ابی حدرد نے کیا کہا۔آپ نے (رفع تکرار کے لیے ارشاد فرمایا۔اگر تم گمراہ تھے۔تو خدا نے تمہاری ہدایت فرمادی۔

ابن ہشام نے ابن حدرد کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

ان تکذبنی فربما کذبت بالحق یاعمر فقد کذبت من ھو خیر منی (ص جلد سوم مصر)

تم مجھے ویسا ہی جھٹلاتے ہو جیسا ایک دن حق کو جھٹلاتے تھے اے عمر اور اس کو جھٹلاتے تھے جو مجھ سے کہیں بہتر تھا۔

صفوان سے سامان جنگ کے لیے قرض لیا گیا

بہر حال جناب رسالت مآب ﷺ اور تمام اہل اسلام نے عبدالبدین جدرد کی خبر کو معتبر سمجھا۔ بالآخر حضرت عمر کو بھی ماننا پڑا آنحضرت ﷺ نے بھی مجبور ہو کر ہوازن کے ان پیشقدمانہ حملات کی مدافعت کے سامان کئے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ فتح مکہ سے کوئی بڑی دولت یا رقم کثیر تو ہاتھ آئی نہیں تھی۔ مدینہ سے جو کچھ سامان نقد و جنس ہمراہ آیا تھا وہ سب کا سب صرف ہو چکا تھا۔ اب خلاف امید فوج کشی کا موقع پیش آ گیا۔ تو آنحضرت صلعم نے بالآخر مجبور ہو کر صفوان بن امیہ سے بقولے تیس ہزار (امام حنبل اور بقوے دس ہزار بخاری اور اصابہ ابن حجر نقد اور سو عدد زریں سامان جنگ بطور مستعار مانگ بھیجے۔ صفوان ابن امیہ اگر چہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن فطرتاً فیاض اور مہمان نواز تھے۔ ان سے یہ طے پایا کہ رقم قرض واپس دی جائے گی۔ اور اسلحہ جنگ بھی پھیر دے جائیں گے۔ صفوان نے نقد روپیہ بھی اور اسلحہ بھی آپ کی خدمت میں بھجوا دیئے طبری ص 1659۔ ابن ہشام ص 8 جلد 3۔

مسلمانوں کا ناز بے جا

آنحضرت ﷺ لشکر مرتب کر کے مکہ معظّمہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ دس ہزار مسلمانوں کی فوج ہمراہ تھی تمام سامانوں سے مرتب اور آراستہ ہو کر جب لشکر اسلام مکہ سے حنین کی طرف بڑھا۔ تو مسلمانوں کو اپنی کثرت جمعیت اور شان وشوکت پر بیساختہ ناز آیا شبلی صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں۔

شوال 8ھ مطابق جنوری وفروری 630ء کو اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار (12000) تھی سر و سامان سے حنین کی طرف بڑھیں کہ صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گئے کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔ لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝٢٥ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٦

جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگی کرنے لگی پھر تم اپنی پیٹھ پھیر کو بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا تھی۔

شبلی صاحب نے یہاں بھی اس آیہ کی شان نزول میں تمام صحابہ کوسمیٹ لیا۔آپ کیا کیجئے۔عادت اورضرورت آپ کوسخت مجبور کردیتی ہے۔اگرآپ ان دونوں سےعلیحدہ ہوجاتے تو جوحضرات اس آیہ کےنزول کے باعث ہوئے ہیں وہ آپ کونظرآجاتے۔لیکن عمداً آپ نے اس کے اظہار سے احتیاط کی اورقلم روک لیا۔اورہمیں تفصیل کے الزام کے لئے چھوڑ دیا۔بہتر۔روضۃ الاحباب میں محدث شیزای اس کی تفصیل اس عبارت میں لکھتے ہیں۔

مروی است ازابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ بعد اور قوف برعدد لشکر دشمن واکثرت اسلام گفت یاپیغمبر گفت باپیغمبر امروزاازجہت قلت مغلوب نخواہیم گشت روائیتے آنکہ ابوبکر صدیق این مقالہ را باسلمہ بن سلامہ وتش گفت رورئتیے آنکہ قائل ابن سخن سلمہ پودص 448

روایت میں آیا ہے کہ ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے دشمن کے لشکرکوصحیح تعداد معلوم کرکےاورفوج اسلام کی موجودہ کثرت ملاحظہ فرماکرآنحضرتﷺ سےعرض کی کہ آج تو ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہونگے۔اورایک روایت میں واردہواہےکہ حضرت ابوبکرصدیقؓ نے یہ کلمہ سلمہ بن سلامہ بن قش سے کہاتھا اورایک روایت میں ہے کہ اس کلمہ کا کہنے والا مسلمہ تھا۔

بہرحال دونوں روایتوں کے اعتبار سے اس قول کے قائل حضرت ابوبکرصدیق ثابت ہوتے ہیں۔اس بنا پراس آیہ کریمہ کے نزول کاباعث بھی یہی آپ کا قول ہوا جیسا کہ باا تفاق جمہورمشہور ہے۔

نازبے جا کی دوسری مثال

اس سے آگے چلئے ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا فوج اسلام حنین کی طرف روانہ ہوئی صحیح ترمذی میں ہے۔

عن ابی واقدلما خرج رسول اللہ حنین مربشجرۃ اللمشرکین یقال لھا ذات انواط یعلقون علیھا اسلحتھم قالو ایارسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات نواط فقال النبی سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسیٰؑ اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم۔

ابوواقد سے روایت ہے کہ جب جناب رسول مقبولﷺ بجانب حنین روانہ ہوئے توراہ میں اس درخت کے پاس سے گزرے جس کومشرکین ذات اقواط کہتے تھے اوراس پراپنے ہتھیار لٹکادیتے تھے۔صحابہ نے

عرض کی یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط بنا دیجئے جیسا کہ مشرکین کا ذات انواط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ یہ تو وہی بات ہے جو قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسے ہی ایک معبود ہمیں بھی بنا دیجیے قسم بخدا کہ ہم بھی انہیں کا طریقہ اختیار کریں گے۔ بحوالہ تاریخ احمدی ص 70۔

ابن ہشام نے بھی اس واقعہ کو جلد سوئم ص 8 مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب ص 449۔ مطبوعہ لکھنؤ میں ایسا ہی لکھا ہے ترمذی اور ابن ہشام کی عبارتوں سے تو کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر محدث شیرازی کی عبارت یہ ہے۔

چون حضرت این سخن گفت آنجماعت ازگفته خویش پشیمان شدندوتوبه واستغفار نمودند۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو لوگوں نے شرما کر توبہ واستغفار کیا۔

لشکر اسلامی کے پہنچنے سے پہلے کفار کا لشکر میدان جنگ میں داخل ہو گیا۔ یہ ان کے قریب رہنے کا خاص فائدہ تھا جو سوائے ان کے دوسرے کو مشکل سے حاصل ہو سکتا تھا چنانچہ شبلی صاحب فوج اسلامی کی شکست کے اسباب میں تحریر کرتے ہیں۔

کفار نے معرکہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں کے دروں میں قریب قریب جا بجا جما لیے تھے۔

قریب قریب طبری اور ابن ہشام نے اور صاحب روضۃ الاحباب نے بھی کفار کے یہی انتظام لکھ کر بتلائے ہیں کفار کے مقابلہ میں لشکر اسلام میدان جنگ میں جب آیا تو تمام مقامی فوائد و منافع ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اس لیے فوج اسلامی نے میدان جنگ کی مقامی مناسبت اور موزونیت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ مجاہدانِ اسلامی نے اپنی شجاعت و دلیری کی پرجوشی یا کثرت اعداد کی اُسی پر جوشی میں جسے وہ مکہ سے ساتھ لائے تھے۔ ان فوائد و منافع مقامی کی کوئی پروا نہیں کی۔ کچھ رات رہے سے تمام فوج اپنے اپنے مقامات سے نکل کر میدان جنگ میں آراستہ ہو گئے۔ صف آرائی کی انتظامی ترتیب اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

مہاجرین کی فوج میں تین مختلف حصے کیے گئے۔ ایک دستہ فوج کے علمدار حضرت عمر بن الخطاب، شاید خیبر میں علمداری سے محرومی کی تالیف ہو۔ دوسرے کے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور تیسرے دستہ کے سعد بن ابی وقاص مقرر ہوئے۔ اس طرح قبائل انصار میں قبیلہ اوس کے علمدار اسید بن خضیر بنائے گئے اور قبیلہ خزرج کے سعد بن عبادہ۔

جانبین کی فوجیں مرتب ہو چکیں تو کفار نے آغاز جنگ میں سبقت کی شبلی صاحب جانبین کی حرب و ضرب اور طرفین کی کارزار کی حسب ذیل تفصیل فرماتے ہیں۔

جانبین کا مقابلہ اور فوج اسلامی کی گریز

فتح کی بجائے ابتدا ہی میں مطلع صاف تھا رسول اللہ ﷺ نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہیں تھا حضرت ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے۔ انکا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینے پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اُسکے شانہ پر تلوار ماری جوزرہ کو کاٹتی ہوئی اندر اتر گئی۔ اس نے مڑ کر مجھ کو ایسا دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔ لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اس اثنا میں میں نے حضرت عمر کو دیکھا میں نے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی شکست کے مختلف اسباب تھے مقدمہ الجیش میں جو حضرت خالد کی افسری میں تھا۔

زیادہ تر جنگ میں جدید السلام نوجوان تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ بھی پہن کر نہیں آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء بھی تھے یعنی وہ لوگ جواب تک اسلام نہیں لائے تھے ہوازن تیراندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں انکا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے معرکہ گاہ میں پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں کھوؤں اور دروں میں جا بجا جما دیئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب کہ خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا۔ حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ ادھر کمین گاہوں سے تیراندرزوں کے دستے نکل پڑے اور تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں۔ آنحضرت صلعم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یامعاشر الانصار آواز کے ساتھ صدا آئی ہم حاضر ہیں آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ رجز آپ کی زبان پر تھا۔

اذن النبی لا کذب میں پیغمبر ہوں بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ رجز آپ کی زبان پر تھا۔ اذن النبی لا کذب میں پیغمبر خدا ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ انا بن عبدالمطلب میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب بلند آواز تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو انہوں نے نعرہ مارا یامعشر الانصار اے گردہ انصار یا اصحاب الشجرہ۔ اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والے) اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے نہ ٹھہر سکے انہوں نے زین پھینک دیں اور گھوڑوں پر سے کود پڑے دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے۔ اور جورہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی جم کر لڑے۔ لیکن اُنکے ستر (70) آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمدار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص326۔

شبلی صاحب کے استخفاف حالات اور ان کے انکشافات

شبلی صاحب کی معرکہ آرا قلم آرائیوں کا یہی تو میدان ہے صحابہ کرام کا حفظ مراتب۔تقلید اسلاف کے حسن عقیدت کی حفاظت مخالفین اسلام کے اعتراض کا خوف۔رعائے اصلی کا اثبات اور سب سے آخر میں اسلام کی بقائے شوکت و اجلال کے خیال بھی آپ کے ساتھ ساتھ میں اتنے خیالوں میں اُلجھا ہوا مولف کہاں کہاں تک تاریخی نقل و استنباط واقعات و حالات میں خودغرضی و جانبداری سے محفوظ رہ کر حقیقت گذاری کا حق ادا کر سکتا ہے۔

اول تو آپ نے یہ لکھ کر کہ اول میں مطلع صاف تھا۔یہ بتلایا ہے کہ گویا کفار کے آتے ہی تمام مسلمان بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے بلا استثنائے احدے ایک ایک کر کے سب بھاگ گئے اور ایسے بقول آپ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہیں تھا پھر اسی عبارت کے حاشیہ نمبر ۳ میں لکھتے ہیں کہ بعض روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا بھی مذکور ہے ان دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقتوں کے حالات میں راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔سیرۃ النبی جلد اول۔

سوال یہ ہے کہ آپ کے ان دو مختلف اور متضاد بیانات میں آپ کی کتاب دیکھنے والے آپ کے کس قول پر اعتبار کریں۔آیا آپ کے قول اول کے موافق وہ یہ سمجھیں کہ پہلے ہی حملہ کفار میں بارہ ہزار کی جمعیت ایکبار بھاگ گئی جو کسقدر مہمل اور خلاف واقع ہے۔یا سمجھیں کہ چند اصحاب ثابت قدم بھی رہے گئے تھے جو بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔

افسوس جس امر کا حاشیہ تطبیق دیکر تحریر کیا گیا اگر آغاز ہی میں لکھ دیا گیا ہوتا تو یہ ابہام فی الکلام اور اختلاف عن الاعتراف آپ کی تحریر میں کیوں واقع ہوتا ہے۔مگر نہیں صحابہ کی حسن عقیدت درمیان تھی۔جن کے حفظ مراتب کا سامان آپ کی تعمیم والی ترکیب قدیم کے بغیر نامکمل تھا اس لیے قلم آرائی کی شان میں بیساختگی کیساتھ ایسی عبارت لکھ دی جس سے معلوم ہوا کہ سب کے سب رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر بھاگ گئے پھر جب حاشیہ میں اس کے خلاف چند صحابہ کا ثابت قدم رہنا لکھا بھی تو اُن بزرگوار وان کے نام نہیں لکھے۔یہ کتنا غیر مستندین استخفاف واقعات کا طریقہ ہے جو آپکی شان مولفانہ کے سراسر خلاف ہے۔

اسلامی مجاہدین کی معرکہ آرائی کی کوئی تفصیل ہی نہیں لکھی۔اور کیسے لکھ سکتے تھے۔جب لکھ کر بتلا چکے تھے۔کہ حملہ اول ہی میں مسلمان مقابل کا منہ دیکھتے ہی بھاگ نکلے شکست کے بعد گویا حملہ اول کا حال ان الفاظ میں لکھ کر بتلا دیا گیا ہے کہ جم نہ سکتے تھے حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں اور کمین گاہوں سے تیر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔مقدمہ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سب لوگ بھاگ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے رہ گئے تیروں کا منہ برس رہا تھا۔بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں۔لیکن ایک پیکر مقدس پابر جا تھا۔جو تنہا ایک فوج۔ایک ملک ایک اقلیم ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار آواز کے ساتھ صدا آئی ہم حاضر ہیں آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا اب بھی وہی آواز آئی

آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ رجز آپکی زبان پر تھا۔ اذن النبی لا کذب میں پیغمبر خدا ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے انا بن عبدالمطلب میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو انہوں نے نعرہ مارا یا معشر الانصار اے گروہ انصار یا اصحاب الشجرہ (بیعت رضوان والے) اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی۔ لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے نہ ٹھہر سکے انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں پر سے کود پڑے دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا کفار بھاگ نکلے اور جورہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں بنو مالک ثقیف کی ایک شاخ تھی جم کر لڑے۔ لیکن ان کے تیتر آدمی مارے گئے۔ اور جب ان کا علمدار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد اول ص263۔

شبلی صاحب نے اسلامی مجاہدین کی معرکہ آرائی کی کوئی تفصیل ہی نہیں لکھی۔ اور کیسے لکھ سکتے تھے۔ جب لکھ کر بتلا چکے تھے کہ حملہ اول ہی میں مسلمان مقابل کا منہ دیکھتے ہی بھاگ نکلے، شکست کے بعد۔ گویا حملہ اول کا حال ان الفاظ میں لکھ کر بتلا دیا گیا کہ جم نہ سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑھیں اور کمین گاہوں سے تیر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا مقدمہ الجیش ابتری کے ساتھ بے قاعدہ ہو کر پیچھے ہٹا پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

شبلی صاحب عبارت آرائی ختم کیجئے صاف صاف یوں لکھیے کہ مقدمہ الجیش ہو یا مجموعۃ الجیش ساری فوج سے پہلے خالد کا رسالہ بھاگا۔ لکھتے وقت آگے پیچھے کا بھی خیال رکھا کیجئے آپ جب بلا وجہ وسبب یہ لکھ چلے کہ حملہ اول میں مطلع صاف تھا تو پھر اسباب شکست کی تفصیل کے بعد ان تصریحات کا قلمبند کرنا۔ مشتے بعد از جنگ کا لطف دیتا ہے آپ نے حملہ اول کی صفائی کے لکھنے سے پہلے ان اسباب صفائی کو کیوں نہ لکھ دیا کہ غریب سیدھے سادھے مسلمان سمجھ لیتے کہ ہمارے بزرگوار مجاہدین اور جان نثاران اسلام ان وقتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے فرار کر گئے۔

شبلی صاحب تحریری قلم آرائیوں اور خالی لفاظیوں سے کام نہیں چلنے کا اور مطلب نہیں نکلنے کا، دنیا کی نگاہوں میں تحقیق کشی بہت تیز ہو گئی ہے۔ ہر شخص کے سامنے کتابیں کھلی ہیں۔ آپ اپنی کتاب میں لکھیں تو کیا وہ آپ سے اچھی کتابوں میں حقیقت حال کا مطالعہ اور مشاہدہ نہ کر لینگے۔ اول تو آپ نے یہ لکھ کر کہ فوج اسلامی صبح کے وقت جب کہ خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا یہ بتلایا ہے کہ جنگ میں سبقت اسلام کی طرف سے ہوئی۔ بالکل شعار اسلام کے خلاف ہے جو سبقت فی القتال کو اپنی طرف سے تھی حرام سمجھتا ہے مسلمان آپ کی اس سبقت کو اسلام کی طرح مدتح تو نہیں بلکہ ہجو بلیغ سمجھیں گے دیکھئے اگر ایسا ہی واقعہ ہے جیسا آپ نے لکھا ہے تو آپ عیسائی معترضین کے اعتراض کے جواب کے لیے ابھی سے تیار ہو جائیے جو کہتے ہیں کہ حنین کی جنگ میں اسلام کا طریقہ جہاد مدافعانہ نہیں تھا بلکہ جارحانہ حالانکہ تمام تاریخ وسیر کی اسلامی کتابیں یک زبان ہو کر کہہ رہی ہیں۔

فواللہ ما راعنا ونحن سخطون الکتائب قد شدف علینا رجل واحد۔ طاوی 1660۔

روای حدیث کا بیان کہ ہماری حفاظت کے لیے کوئی بھی نہیں تھا اور ہم ان کی کثرت میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ اوران لوگوں نے بڑی شدت سے اپنی متفقہ قوت کے ساتھ ہم پر حملہ کر دیا۔

ابن ہشام۔ ابوالفدا۔ ابن دردی خلاصہ ابوالفدا اورمحدث شیرازی بالاتفاق سب کا یہی بیان ہے اور شبلی صاحب نے دیکھے سنے خواہ مخواہ مسلمانوں کا پہلے حملہ کرنا لکھ رہے ہیں۔ کہیے آپکا صرف دولفظوں والا جملہ کس قدر اختلاف انگیز اور فساد خیز ہے حالانکہ آپ کا اس سے پہلے والا جملہ کہ حملہ اول میں مطلع صاف تھا۔ بتلا رہا ہے کہ حملہ مخالفین ہی کی طرف سے شروع ہوا تب تو مسلمان اس حملہ کو برداشت نہ کر سکے اور میدان جنگ سے بھاگ گئے، پھر معلوم یہاں شبلی صاحب کو کیا ہوگیا کہ لکھ دیا مسلمانوں کی فوج نے علی الصبح حملہ کر دیا۔ آپ ان تمام متناقض اور متضاد بیانات کے بعد خالد بن ولید کی برائت کی طرف جھکے ہیں اور اپنی پوری قلم آرائیوں کی قوت ومہارت کے ساتھ آپ نے ان کے عیوب ونقائص کو اپنے الفاظ وعبارت میں چھپایا ہے اور ضعیف سے ضعیف اور کمزور سے کمزور جوابات میں اُنکی اور ان کے ماتحتی دستہ فوج کی ہزیمت کی توجیہات قائم کی ہیں مثلاً خالد کے ماتحتی دستہ میں مکہ کے مغرور نوجوان تھے وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ پہن کر آئے تھے۔

شبلی صاحب آپ کی یہ توجیہ اگر صحیح ہے تو بتلائے کہ ان کہن سال اور کہن مشق مجاہدین اسلام کو کیا ہوگیا تھا جو بخلاف ان نوجوانوں کے اسلحات پہنے ہتھیار لگائے کھڑے کے کھڑے رہ گئے انہوں نے کیا بنالیا آپ ان نوجوانوں کو ہدف ملامت بنانا چاہتے ہیں پہلے تو آپ ان جہان دیدہ بزرگواروں کے عجب وغرور کی خبر لیں۔

جنہوں نے مکہ سے نکلتے ہی اپنی کثرت فوج پر ناز کرنا شروع فرمایا دیا تھا۔

اب رہی آپ کی اخیر توجیہ کہ اس میں طلقاء بھی تھے۔ شبلی صاحب خیریت سے دو ہی ہزار طلقا تھے دس ہزار تو وہی کلھم عدول کے معیار پر کامل اترے ہوئے صحابہ تھے انہوں نے کیا بنالیا اور کونسی خیر خواہانہ خدمت دکھائی واقعیت اور اصلیت کے آگے بات بنانے اور معنی پہنانے سے کام نہیں چلتا۔ آپ کو صاف صاف ماننا اور لکھنا پڑیگا۔ اور یونہی آپ مان چکے اور لکھ بھی چکے ہیں کہ معرکہ جنگ میں خالد کی ناواقفکاری اور منصب سپہ سالاری میں ان کی ماتحتی مکہ کے جوانان بے شعور نہ یہ ان کو روک سکے اور نہ وہ ان سے رک سکے۔ چلو قصہ ختم ہوگیا حالانکہ اسلام کی باقیماندہ فوج پر ان کے پاؤں اکھڑتے ہی وہ قیامت خیز عالم تخیر قائم ہوگیا کہ ان پر او پر کمین گاہوں سے غنیم کے دستوں پر دستے فوجوں پر فوجیں پہاڑوں کے ٹکروں کی طرح ٹوٹنے لگیں تو اب کوئی لاکھ بہادر ہو دلیر ہوشیر دل ہو کیا کرسکتا ہے لیکن اس پر بھی آپ کو معلوم ہے جو حقیقی بہادر تھے اصلی دلیر تھے اور سچے دل تھے۔ وہ پاؤں جمائے کھڑے رہ گئے جیسے ہمیشہ تھے ویسے آج کہ شرار عشق بود دل یک نبار یکے شبلی صاحب واقعہ نگاری کرتے ہیں تو صاف صاف بے لوث کیجئے آخر آپ جیسے دوسرے لکھنے والاوں نے بھی تو لکھا ہے ملاحظہ فرمائے۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

وایشان (کفار) تیراندازان جلد بودندبیکبار راز کمین گاہ بیرون آمدند وحملہ کردند وتیرباران نمودند اول خیل خالد بن ولید فرار نمووند بواسطہ آنکہ اکثر

سلاح ند اشتند وجماعتے از کفار ہمراہلشکربودید وآنہاکہ قریب العہد بودند
بجاہلیت از مسلمان ازعقب ایشان بگر یختند آنگاہ بقیہ اصحاب بحکم الفرار
مما لا یطاق من سنن المرسلین ہریمیت نمودند۔

کفار بڑے تیز دست تیز انداز تھے ایکبار کمین گاہوں سے نکل پڑے اور حملے شروع کر دیے اور تیروں کا مینہ برسانے لگے سب سے پہلے خالد بن ولید کا ماتحتی دستہ فوج بھاگ نکلا کیونکہ اس میں اکثر لوگوں کے پاس سلاح جنگ نہیں تھے اس کے ساتھ کفار کی جماعت تھی وہ بھی ان کے ساتھ بھاگ گئی جب یہ سب بھاگ گئے تو اس وقت صحابہ بھی اس حکم کے مطابق کہ جب کوئی امکانی قدرت باقی نہ رہے تو بھاگ جانا رسولوں کی سنت ہے فرار کر گئے۔

خالد حنین میں مسلمانوں کی ہزیمت اول کا باعث تھا

فلما التقوا انکشف المسلمون لا یوی احد علی احد

جب دونوں فوجیں باہم ملیں اور مصروف بجنگ ہوئیں تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسا بدحواس ہو کر بھاگے کہ کوئی کسی کا پرسان نہیں تھا۔اب بالاجمال کیفیت یہ ہوئی

مالک ابن عوف لشکر کفار کے امیر نے حنین کی وادی میں پہنچ کر یہ سوچا کہ فوج اسلامی سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مفید نہ ہوگا۔ اس کے خلاف اگر مسلمانوں پر مخفی طور سے دفعتاً حملہ کر دیا جائے اور اپنی فوج سے جس کی تعداد میں ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی ان کا محاصرہ کر لیا جائے تو نہایت آسانی سے کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے اس خیال سے مالک ابن عوف نے اپنی تمام فوج کو حنین کی گھاٹیوں کھوؤں اور دروں میں چھپا دیا اور معدودے چند دستہائے فوج کیساتھ لشکر اسلام کی آمد کا انتظار کرنے لگا حنین کی گھاٹیاں درے ایسے دشوار گذار اور ناہموار مقامات تھے جہاں سے بیرونی اور غیر مقامی فوجوں کا گذر دشوار تھا مکہ سے حنین تک پہاڑوں کا وہی لگا تار سلسلہ برابر چلا آتا ہے۔ جو مغرب کی طرف پھیلتا ہوا ہزار میل سے زیادہ سے زیادہ چلا گیا ہے لشکر اسلام کا علی الصبح پہنچنا تھا کہ مشرکین کی جمعیت کثیر جو منتظر بیٹھی تھی اپنی اپنی کمین گاہوں سے ایک بارنکل پڑی اور تیروں کا مینہ برسانے لگی اہل اسلام کا قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ دفعتاً وہ ایسی مہلک اور خوفناک بلا میں گرفتار ہو گئے جس کی خبر اور امیدان کو ذرا بھی نہیں تھی۔ لشکر اسلام اسی اضطراب میں تھا کہ مشرکین نے اپنی قرارداده تجویز کے موافق چاروں طرف سے لشکر اسلام کا محاصرہ کر لیا اور اب چاروں طرف سے مسلمانوں پر تیر بارانی شروع کر دی فوج اسلام میں تمام غیر اطمینانی اور پریشانی پھیل گئی ان کے استقلال میں فرق آ گیا۔ قیامت یہ ہوئی کہ خالد بن ولید کا ماتحتی دستہ مقدمۃ الجیش بنا ہوا حسب قاعدہ سب سے آگے تھا سب سے پہلے خالد ہی کا دستہ فوج ان کے اختیار میں نہ رہا فرار پر تیار ہو گیا ان کی کچھ بھی نہ چلی اور وہ بھاگ نکلے اور انہیں کے ساتھ یہ بھی جان بچا کر نکل گئے۔ خالد کے ساتھ بنی سلیم کے لوگ تھے وہ سردار فوج کو گریزاں دیکھ کر کب ٹھہرنے والے تھے وہ بھی چلائے ان کے بعد مکہ کے نومسلمین کی بھرتی تھی ان کو بھاگنے میں کیا دشواری تھی میدان سے نکلے اور انہیں کے

ساتھ یہ بھی جان بچا کر نکل گئے

بالآخر یہ نوبت پہنچی کہ تمام اہل اسلام عام اس سے کہ مہاجر ہوں یا انصار۔ فرار ہو گئے۔ بروایتے دس اور بروایتے کل چار خالص الایمان اور کامل الاسلام بزرگوار آنحضرت صلعم کے ساتھ رہ گئے۔ (ملخص از طبری۔ ہشام۔ ابوالفدا۔ تاریخ الانبیاء وغیرہ ہم)

رفاقت رسول میں ثابت قدم رہنے والے حضرات

ثابت قدم رہنے والے حضرات کی تعداد میں بھی اختلاف ہے اور ان کے ناموں میں بھی طبری میں ہے۔

انہ قد بقی مع رسول اللہ نفر من المھجرین والانصار واھلبیتہ و من ثبت معہ من المھاجرین ابوبکر و عمر و من اھلبیۃ علی ابن ابی طالب والعباس بن عبد المطلب و ربنہ الفضل و ابوسفیان بن الحارث ربیعہ بن الحارث و ایمن بن عبید و ھو ایمن بن ام ایمن و اسامہ بن زید بن حارثہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند مہاجر و انصار اور چند آپ کے اہل بیت باقی رہ گئے۔ مہاجرین میں جن کا رہنا ثابت ہے وہ ابوبکر اور عمر ہیں اور اہلبیت میں علی ابن ابی طالب عباس بن عبد المطلب اور ان کے بیٹے فضل اور ابوسفیان بن حارث اور ربیعہ بن حارث اور ایمن بن اُم ایمن اور اسامہ بن زید بن حارثہ۔ ایمن کا نام عبید تھا اور یہ ایمن ام ایمن کے بیٹے تھے۔ طبری مطبوعہ جرمن ص 1661۔

ابن ہشام نے بھی یہی نام لکھ کر بتلائے ہیں ان دونوں تاریخوں کی روایت اسی قول کے مطابق ہے کہ میدان میں دس آدمیوں کا باقی رہ جانا بیان کیا گیا ہے مگر اس کے تو تسلیم کرنے میں بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمر کا نام اس سے نکل جاتا ہے کیونکہ اس میں صاف صاف لکھا ہے۔

عن ابی قتاوہ قال انہزم المسلمون و انہزمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ما شان الناس قال امر اللہ۔ بحوالہ تاریخ احمدی ص 27۔

ابوقتادہ سے مروی ہے کہ بروز حنین مسلمان پسپا ہو کر بھاگے تو میں بھی اُنہیں کے ساتھ تھا ناگہاں کیا دیکھتا ہوں کہ معزورین میں حضرت عمر ابن الخطاب بھی ہیں۔ میں نے ان سے عرض کی کیا حال ہوا ہم مسلمانوں کا کہ بھاگ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا خدا کی مشیت۔

شبلی صاحب خود ابوقتادہ کی اس روایت کو اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس لیے حضرت عمر کی نسبت طبری اور ابن ہشام کا بیان بالکل غلط ٹھہراتا ہے اور شبلی صاحب کے مقرر کردہ اصول کے موافق مرویات صحاح عموماً اور روایات صحیح بخاری کے سامنے خصوصاً۔ تاریخ و سیرت

کی روایتیں بالکل فروتر ہیں اور ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوسکتیں۔

رسول اللہ صلعم کے ساتھ کل چار شخص رہ گئے

شبلی صاحب حضرت عمر کیا! تحقیق سے تو معلوم ہوتا ہے۔ سوائے چار پانچ بزرگواروں کے بقول آپ کے مطلع کا مطلع صاف تھا۔ کنز العمال میں مرقوم ہے۔

اخرج ابن عساکر عن حسین ابن علی علیہ السلام قال کان فمن ثبت مع رسول الله صلعم یوم حنین العباس وعلی ابن ابی طالب وابوسفیان حارث وعقیل ابن ابی طالب وعبدالله ابن زبیر وزهیر۔ ابن العوام واسامه بن زید بن حارثه۔

ابن عساکر حسین ابن علی علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا بروز حنین جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں سے حضرت عباس، علی ابن ابی طالب علیہ السلام، ابوسفیان بن حارث، عقیل ابن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر ابن عوام اور اسامہ بن زید بن حارثہ تھے۔

اس روایت سے ثابت قدم رہ جانے والے حضرات بجائے دس کے سات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سیرۃ الحلبیہ کی روایت نے ان سات بزرگواران کی بھی تلخیص کر دی ہے وہ یہ ہے۔

لما فرار الناس یوم حین عن النبی صلعم لم یبق معه الااربعة ثلاثة من بنی هاشم ورجل من غیرهم علی ابن ابی طالب العباس وابوسفیان بن الحارث وابن مسعود۔ تاریخ احمدی ص 17۔

جب روز حنین لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے فرار کیا تو آنحضرت صلعم کے پاس رہنے والے چار شخصوں کے کوئی اور باقی نہیں رہا جن میں تین بنی ہاشم تھے۔ اور ایک غیر بنی ہاشم علی ابن ابی طالب علیہ السلام عباس، ابوسفیان ابن حارث اور ابن مسعود (ابن ام ایمن۔ غیر بنی ہاشم)

واقعات کے ساتھ جب قرائن کی تطبیق کیجاتی ہے تو حقیقت حال کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہ تو مسلم ہی کہ دس سے زیادہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں بچے تھے کیونکہ کسی محدث ومورخ نے بچنے والوں کی تعداد اس سے زیادہ نہیں لکھی ہے اس دس کے خلاف کم تعداد کے ثبوت میں روایتیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں دس کے سات بتلائے گئے ہیں اور دوسری میں سات کے چار تو حالات جنگ اس وقت کے عالمہائے اضطراب واضطرار کے مناظر کو پیش نظر رکھ کر جب کوئی تحقیق کنندہ ان مختلف اعداد کی تحقیق کرنے بیٹھے گا تو اس کو ان حالات ومرویات کے ساتھ ہی ساتھ قرائن پر بھی نظر رکھنی ضروری ہوگی۔ اور وہ تینوں اسباب مذکورہ حالات

مرویات اور قرائن کو پیش نظر رکھ کر ضرور فیصلہ کردے گا۔ کہ حالات مرویات اور قرائن اُسی تعداد کے مطابق وموافق اُترتے ہیں جو آخری روایت میں مرقوم ہے۔

فوج اسلام کا فرار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اضطرار صحابہ کی گراں گوشی

اس وقت عام طور سے تمام لشکر اسلام اور خاص طور پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اضطراب کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ تمام تاریخ وسیرت کی کتابیں تمام صحاح وسنن ومسانید کے دفاتر لکھ لکھ کر پکار رہے ہیں کہ سامنے سے پیچھے سے اور پہلو سے فوج کی فوج صفوں کی صفیں۔ دستوں کے دستے بھاگے جارہے ہیں اور جناب رسول خدا صلعم چاروں طرف باآواز بلند پکار رہے ہیں۔

اذا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔

میں نبی ہوں جھوٹ نہیں ہے۔ میں (وہی) عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

آپ بار بار ان کلمات کو باآواز بلند پکار رہے ہیں۔ مگر سنتا کون ہے۔ سیرۃ الحلبیہ میں ہے۔

رسولؐ اللہ کی سواری کی شان

وکان ابوسفیان بن الحارث اخذ برکابہ صلعم وھو یقول حین رای ماری من الناس الاین ایھا الناس فلم ار الناس یلوون علی شی فقال رسول اللہ یاعباس اصرخ یامعشر الانصار یا اصحاب الثمرہ یعنی الشجرۃ التی کانت تحتھا بیعۃ الرضوان۔ مورخ ابن الوریٰ لکھتا ہے۔

اس وقت ابوسفیان بن حارث ابن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رکاب تھامتے تھے اور آپ لوگوں کو گریز کرتے ہوئے دیکھ کر فرمارہے تھے تم کہاں بھاگے جاتے ہو مگر وہ کسی طرح التفات کرتے تھے تب آنحضرت صلعم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ان کو آواز دو اے گروہ انصار اے اصحاب ثمرہ یعنی زیر درخت ثمرہ بیعت رضوان کرنے والو کہاں بھاگے جاتے ہو) بحوالہ احمدی ص 17۔

لما انھزم الصحابہ یوم حنین قال صلعم لعباس نادیھم فقال یارسول اللہ کیف یبلغھم صوتی اومتی یسمعون ندائی فقال علیك الفداء وعلی اللہ البلاغ۔

جب بروز حنین صحابہ نے راہ فرار اختیار کی تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ ان کو پکارو عباس بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری آواز ان کے کانوں تک کیسے پہنچے گی آپ نے فرمایا

ندا کرنا تمہارا کام ہے اور اس کو ان تک پہنچانا خدا کا کام ہے۔
خدا خدا کر کے حضرت عباس کی آواز بھاگنے والوں کے کانوں تک پہنچی اور اب جا کر کل سو آدمی کے قریب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹ آئے۔ اتنی ہی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا۔ نہ خدا ہی رہا نہ نبی ہی رہے نہ وفا ہی رہی نہ سیا ہی رہی۔

ابوسفیان کی معرفت اسلام اور حقیقت ایمان کی شان

دنیا کے ابن الوقت اور ان کے قابو پرستوں اور شکم بروروں نے اتنی ہی دیر میں رنگ بدل دیے اور عرب کی حکومت قریش کی تاجداری کے منصوبہ باندھنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلفائے امویہ کے مورث اعلیٰ امیر معاویہ کے پدر نامدار ابوسفیان بن حرب کے متعلق مورخ ابولفدا تحریر کرتے ہیں۔

لما انهزم المسلمون اظهر اهل مكه مافى نفوسهم من الحقه فقال ابو سفيان ابن حرب لاتنتهى هزيمتم دون البحر۔

جب مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی تو اہل مکہ کے دلوں میں جو کینہ اور حد خفی تھا وہ ظاہر ہو گیا چنانچہ مسلمانوں کے بھاگنے پر ابوسفیان ابن حرب کہنے لگے کہ یہ لوگ جب تک سمندر کے کنارے تک نہ پہنچے دم نہ لینگے

بحوالہ تاریخ احمدی ص 71۔

ابھی صبح سے شام نہیں ہوئی تھی کہ انہیں ابوسفیان صاحب کے ایسے دشمن جان و ایمان کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے کیسے احسانات کیے۔ کیا کیا الطاف و تفضلات دکھلائے۔ جان بخشی کی۔ تمام جرائم معاف کر دیے ذاتی امتیاز و اعزاز عنایت کیا۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کو اہل جرائم کے لیے عفو تقصیرات کا امن اور رحمت و نجات کا دامن بنا دیا۔ ان تمام رعایات و احسانات کے جواب میں ایک ذرا سے انقلاب کے ہوتے ہی۔ انہوں نے اسلام سے اتنی جلد اپنی مخالفت اور معارضت کا اظہار شروع کر دیا۔ جس سے اب نہ ان کے دل میں اسلام کا قیام معلوم ہوتا ہے اور نہ ایمان کا نشان اب اور سنئے ابن ہشام سے۔

فلما انهزم الناس ورای من کان مع رسول الله صلعم من جفاة اهل مكة الخيمة لكم رجال منهم بمافى انفسهم من الصغن فقال ابو سفيان بن حرب لاتنتهى هذيمتم دون البحر وان الارلام لمعه فى كنانة وصرخ جبله ابن حنبل قال ابن هشام كلده بن حنبل وهو صع اخيه صفوان بن اميه مشرك فى المدة التى جعل له رسول الله الابطل السحر اليوم فقال له صفوان اسكت فض الله فاك فوالله بربنے رجل من قريش احب الى من ان يربنى رجل من هوازن۔ جلد سوم ص 9 مصر۔

جب لوگ بھاگ گئے اور مکہ کے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں کینہ وعداوت باقی تھی مسلمانوں کی ہزیمت کو دیکھ لیا تو آپس میں اس کا ذکر کرنے لگے ابوسفیان بن حرب بولا کہ اب یہ بغیر سمندر تک بھاگے ہوئے نہیں ٹھہرینگے ابوسفیان کے ساتھ کمان بھی تھی اور کمان میں تیر بھی موجود تھے حبلہ بن حنبل نے اور بقول ابن ہشام کلدہ بن حنبل نے اپنے بھائی صفوان بن امیہ سے جو اسوقت تک مشرک تھا اور جو پیچھے جناب رسول خداؐ صلعم پر ایمان لایا۔ چلا کر کہا کہ آج کے دن سحر باطل ہوگیا۔ صفوان نے ڈانٹ کر کہا کہ چپ رہ۔ خدا تیرا منہ توڑے میرے نزدیک تو اگر کسی مرد قریش کی ستائش وطرفداری کرنا بہتر تھا اس سے کہ کسی مرد ہوازن کی تعریف وطرف داری کرے۔

محدث شیرازی ان بدنام کنندگان اسلام کے حالات مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

جماعتے از کفار قریش آنہا کہ نو مسلمان شدہ بودند ہنوز سیئنہ ایشان از چرک حقد وحسد و کینہ پاک نشدہ بود سخنان ناملائم گفتند یکے گفت اصحاب محمد چنان میگریزند کہ تابکنار دریاجائے تو قف نخوھند کرد وکلدہ بن حنبل کہ برادر مادری صفوان بن امیہ بود گفت امروز روز نیست کہ سحر باطل شد ودیگرے باصوان گفتہ بشارت باوترا کہ محمد واصحاب او گریختہ۔ روضۃ الاحباب ص 490۔

کفار قریش میں سے اس جماعت کے لوگ جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی تک ان کے سینے اسلام کے حسد وکینہ سے پاک وصاف نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کی ہزیمت دیکھ کر برے کلمات کہنے لگے ایک نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ایسے بھاگے جاتے ہیں کہ بغیر سمندر کے کنارے پہنچے کہیں نہ ٹھہرینگے اور کلدہ بن حنبل جو صفوان بن امیہ کا علاتی بھائی تھا کہنے لگا کہ آج سحر کے باطل ہونے کا دن ہے اور دوسرا صفوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تمہیں مبارک ہو دیکھو محمد اور ان کے اصحاب بھاگ نکلے۔

محدث شیرازی نے ان کافرانہ خطابات کو عموماً نومسلموں کی جماعت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ابن ہشام طبری اور ابوالفدا نے پہلے کلمہ کا متکلم ابوسفیان کو ان کا نام مع ابنیت لکھ کر بتلا دیا ہے لیکن روضۃ الصفا اور تاریخ الانبیا کی عبارتوں سے اور کلمات کے کہنے والے بھی یہی ابوسفیان ثابت ہوتے ہیں اور مبارکباد کی خوشخبری پانے والے بھی یہی پائے جاتے ہیں۔ روضہ الصفا جلد دوم ص 136 تاریخ الانبیا جلد دوم 389۔

صفوان بن اُمیہ کی نسبت مبارکبادی کی مخاطبت جیسا کہ محدث شیرازی لکھتے ہیں اس لیے صحیح و درست نہیں معلوم ہوتی کہ صفوان بن اُمیہ کے متعلق امارت قریش کو آج تک کسی محدث و مورخ نے نہیں لکھا ہے۔ بخلاف صفوان کے امارت قریش کو ابوسفیان کے خاندان کو تفویض فرما چکے ہیں محدث شیرازی نے محض صحابیت اور آئندہ خلافت اموی کے استحفاظ مناسب کے لئے کف لسان کیا ہے اور اپنے قلم کو ابوسفیان کے اظہار نام سے روک لیا ہے۔

فتح حنین اور کفار کی شکست

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے پکارنے پر تقریباً سو آدمیوں کی جماعت واپس آئی ابھی ابھی دنیا نے ایک وہ بھی منظر دیکھا تھا کہ دس بارہ ہزار مسلمانوں کی تیار جماعت ایک ہی حملہ میں گریزاں ہوگئی تھی۔ اور پھر ابھی ابھی انہیں دیکھنے والوں کو آنکھوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کل سو آدمیوں کی جماعت نے اپنے کمال استقلال سے ان کے بیس ہزار لشکر جرار کو مار مٹایا اور دکھلا دیا کہ مشرکین کفار کا وہ ٹڈی دل جو کئی مہینوں سے حنین کی کھلے وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں میں جمع ہو کر پوشیدہ تھا وہ دم کے دم میں باو گرداب کی طرح جدھر سے آیا تھا ادھر نکل گیا۔ اور اب حنین کا مطلع جو اتنے دنوں سے گرد آلود ہو رہا تھا بالکل صاف ہو گیا۔

شبلی صاحب نے ذیل کے مختصر آت میں جنگ حنین کے حالات لکھ کر ختم کر دیئے ہیں۔

اس پر اثر اندا (ندائے عباس) کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً ٹوٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکتے تھے اور انہوں نے زریں پھینک دیں اور گھوڑوں پر سے کود پڑے دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد اول ص 393۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی ہزیمت اور رجعت ان کے ثبات ایمان اور استقلال اسلام کا وہ امتحان تھا۔ اور آزمائش جو مدبران قدرت نے چشم زدن میں ان کے جذبات و خیالات کے فوری تغیرات سے خود ان کو مشاہدہ کرا دیئے اور تمام دنیا کو دکھلا دیا ابھی وہی لوگ تھے اور ان کی وہی حالت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایک ایک کو بالنفس النفیس پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہے تھے لیکن کوئی منہ پھر کر آپ کی طرف دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اب آپ ہی کے کہنے سے حضرت عباس پکار رہے ہیں تو دم کے دم میں (بقول ابن ہشام) شہد کی مکھیوں کی طرح جھنڈ کے جھنڈ لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے چلے آ رہے ہیں ایک معمول پسند اور ظاہر بین مشاہدہ کرنے والا ان تغیرات حالات کو دیکھ کر سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قدرت الٰہی کے خاص انداز میں اور مشیت لامتناہی کے یعنی راز کل یوم ھو فی شان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری اور شان جلالت

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ تقریباً سو مسلمانوں کی جماعت رکاب میں حاضر ہوگئی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بابی و امی فداہ

کی شان کیا تھی؟ محدث شیرازی لکھ کر بتلاتے ہیں کہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب آپ کے خچر کی لگام پکڑے تھے اور حضرت عباس رکاب تھامے تھے اور نبوت کے جلال کا یہ حال تھا کہ آپ انہیں کل سو آدمیوں کی جماعت سے کفار کے بیس ہزار والے ٹڈی دل میں بلاخوف وہراس دھنستے چلے جاتے تھے مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ فوج کی فوج دستے کے دستے جس طرح سے ابھی ابھی متفرق ہوکر گریزاں ہوئے تھے اُسی طرح قدم قدم پر حاضر ہوکر جماعت اسلام سے ملتے جاتے تھے میدان جنگ کی حالت بالکل بدل گئی تھی پہلے کفار کی جمعیت مسلمانوں پر دفعۃً غالب آ گئی تھی اور اب مسلمانوں کی جماعت کفار پر چھا گئی تھی۔ جناب رسالتمآب صلعم فوج اسلامی سے ہمت افزا حوصلہ افزا خیر الفاظ وکلمات فرما کر چاہتے تھے کہ حملات شدید کرکے جمعیت کفار کا محاصرہ توڑ دیا جائے۔اس لیے بار بار آپ بالنفس لنفیس لشکر کفار کی طرف بڑھنے کا قصد فرماتے تھے لیکن غنیم کے انبوہ کثیر کا لحاظ کرکے خواہ مخواہ اور جان نثار ہمراہیاں رکاب آپ کو روکنا چاہتے تھے۔ابن ہشام اس کیفیت کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

والتفت رسول الله ابو سفيان بن حارث بن عبد المطلب و كان ممن صبر يومئذ مع رسول الله صلعم و كان عن الاسلام حين اسلم وهم اخذ بثقر بغلته فقال من هذا قال ابن عمك يارسول الله صلعم۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو اس دن جناب رسول خدا ﷺ کی رفاقت میں اس وقت تک ثابت قدم رہے تھے اور جن کا اسلام اسلام کے لانے کے وقت سے برابر مستحسن رہا ہے آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔ یہ کون ہے (جو سواری کو روکتا ہے۔ابوسفیان بولے میں ہوں آپ کا ابن عم یارسول اللہ ﷺ۔ جناب رسول خدا ﷺ اسی ہیبت وجلال اور ہمت واستقلال سے جمعیت اسلام کو بڑھاتے ہوئے کفار کی صفوں کے اندر لے گئے اور آپ کی ہدایت کے مطابق پھر اسی ہزیمت خوردہ لشکر نے اپنے غلبہ یافتہ غنیم کی جمعیت کثیر کو آن واحد میں پسپا کردیا۔اسی قیامت خیز گھمسان میں جیسا کہ ابن ہشام کی ترتیب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے ابوقتادہ کا واقعہ پیش آیا۔جس کو شبلی صاحب نے ضرورت سے مجبور ہوکر قبل از وقت ومقام کہاں سے کہاں لکھ مارا ہے۔

ایک خاتون مسلمہ کی بینظیر شجاعت

اسی گیرودار اور ضرب وپیکار کے بازار گرم میں ابن ہشام ام سلیم ایک خاتون مسلمہ کی بینظیر شجاعت اور جناب رسول خدا ﷺ کے خلق وکرم اور رحم ومروت کا عدیم المثال واقعہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

عدیم المثال واقعہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

ان رسول الله التفت فرای ام سلیم ابنة ملحان و كانت مع زوجها ابی طلحة وهی حازمة وسبطها یبرد لهاونها لحامل بعبد الله ابن ابی طلحه وحمل ابی طلحة و قد

خشیت ان یقرھا الجمل فادنت راسه منها فادخلت یداہ فی حزامته مع الحظام فقال لها رسول الله قالت نعم بابی انت وامی یارسول الله قتل ھولاء الذین ینھزمون عنك كما تقتل الذین یقاتلونك فانھم ذلك اھل فقال رسول الله ویكفی الله یاام سلیم قال ومعھا خنجر فقال لها ابوطلحه ماھذا الخنجر معك یاام سلیم قالت خنجر اخذته ان دنا منی احد من المشركین یعجته به قال یقول ابوطلحة الاتسمع یارسول الله ماتقول ام سلیم رمیصا ۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر پھر ام سلیم بنت ملحان کو دیکھا وہ اپنے شوہر ابوطلحہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھیں اور حاملہ تھیں اور عبداللہ بن ابوطلحہ ان کے حمل میں تھے اور وہ خائف تھیں کہ اس تلاطم میں کہیں اونٹ سے نہ گر جائیں وہ اپنا سر اونٹ کے سر سے ملائے ہوئے تھیں اور اس کی مہار کے پندے میں اپنا ہاتھ ڈالے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حال سے دیکھ کر فرمایا۔ کیا ام سلیم ہیں؟ ام سلیم بولیں جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان میں ہی تو ہوں۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو بھی مثل کافروں کے قتل کر ڈالا جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے کیونکہ حقیقتاً وہ اسی کے قابل تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا کافی ہے۔ ام سلیم اس وقت ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ خنجر کیوں لیے ہو عرض کی اس لیے کہ جو مشرک میرے نزدیک آئے گا اس کو اسی سے ہلاک کردوں گی۔ ابوطلحہ (اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا حضور نے سنا۔ ام سلیم کلام طعن میں کیا کہہ گئیں جلد دوم ص 10۔

مسلمان ٹھوکر کھا کر سنبھلے تھے اس لیے بڑی دلیری سے وہ غنیم پر حملہ کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کے ارادے کے ساتھ اس وقت توفیق ایزدی اور تائید غیبی بھی شامل تھی۔ اس لیے دم میں غنیم کی گرد وغبار سے حنین کا مطلع صاف ہو گیا۔ ہوازن کی فوج دم مارنے میں ہوا ہو گئی مالک ابن عوف کے ہمراہی ہزار کے قریب کچھ دیر تک ثابت قدم رہے۔ ان کا علمدار مارا گیا تو ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ تفصیلی کیفیت ابن ہشام اور طبری کی حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علمدار کفار کا قتل

عن جابر ابن عبداللہ الانصاری قال بیننا ذلك الرجل من ھوازن صاحب الرایة

على حمله يصنع مايصنع اذهوى له على ابن بى طالب رضوان الله عليه ورجل من الانصار يريد انه قال فياتيه على ابن ابى طالب من خلفه فضرب عرقوبى الجمل فوقع على عجزه ووثب الانصارى على الرجل فضرر ضربة اظن قدمه بنصف ساقه فانجف عن رجله۔

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم پر اس وقت قوم ہوازن کا علمبردار (عثمان بن عبداللہ) سخت حملہ کر رہا تھا اور جو نقصان کر رہا تھا اور وہ ہمیں معلوم تھا۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور ایک مرد انصار نے ان کے قتل کا ارادہ کیا حضرت علیؑ نے اس کے پیچھے سے آ کر اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اونٹ پچھلے پیروں سے زمین پر گر پڑا مرد انصاری نے آگے لپک کر اس کو اپنے نیزے کی نوک میں کونچ لیا اور اونٹ سے نیچے گرا دیا۔طبری ص 1664 مطبوعہ حرمن

اسی واقعہ پر جو باعتبار شجاعت و دلیری کے عدیم المثال تھا تمام سیرت و تاریخ کا متفقہ بیان ہے کہ جنگ کی مدت اور کفار کی ہمت وجرأت کا خاتمہ ہو گیا۔وہی ابن ہشام اور طبری انہیں جابرؓ کی اسناد سے لکھتے ہیں۔

واجتلد الناس فوالله مارجعت راجعة الناس من هزيمتهم حتى رجدر الاسارى متكفين عندرسول الله صلعم۔

پھر تو جماعت کی جماعت ایسی بھاگی کہ پھر وہ رسول اللہ صلعم کے آگے ہتھکڑی پہنے ہوئے کھڑے ہونے کے سوا اور کمین بھی دکھلائی نہیں دی۔

شبلی صاحب اس تفصیل سے ان واقعات کو کیوں بیان نہیں کرتے کیونکہ ان کے شعار تالیف اور معیار تصنیف دونوں کے خلاف تھا۔اختصار اور تفصیل دو متضاد طریقے کیسے یکجا ہو سکتے ہیں اور سب سے بڑی دقت تو یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے محاسن خدمات کا ذکر درمیان تھا۔آپ کا شریک بھی تھا۔تو ایک مرد انصار۔ہاں کوئی شخص ممتاز ین مہاجرین سے ہوتا تو شاید آپ کچھ تفصیل فرماتے۔

کفار بھاگ گئے۔میدان بالکل صاف ہو گیا۔مسلمان سپاہی غنیمت میں مصروف ہوئے۔جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں تشریف لائے اور مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کیے جانے کا سخت تاکیدی حکم صادر فرمایا۔یہاں تک کہ جیسا محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کی حسب ذیل تفصیل کرتے ہیں۔

فتح کے بعد میدان جنگ کا معائنہ اور خالد کی بزدلانہ حرکت پر امتناعی حکم۔

اسی اثناء ایک مقام پر پہنچ کر بہت سے آدمیوں کا ہجوم دیکھا محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کی حسب ذیل تفصیل

کرتے ہیں۔

درآنروز حضرت صلعم ترتے گزشت کہ کشتہ شدہ بود و مردم بروے اژحام نمودہ بودند فزووصیت گفتند زنیست از کفار کہ خالد ابن ولید ویرا کشتہ کسے را بہ نزو خالد فرستا وتابادے گفت کہ رسول اللّٰہ صلعم ترانہی می کنداز آنکہ طفلے یازنے یا اجیرے راکشتہ باشی ص 354۔

ایک دن آپؐ ایک لاش پر گزرے جہاں آدمیوں کا ہجوم لگا ہوا تھا پوچھا یہ کیا ہے عرض کی گئی کہ یہ ایک کافرہ کی لاش ہے جسے خالد ابن ولید نے قتل کیا ہے آپ نے فوراً ایک شخص کی معرفت خالد کے پاس کہلا بھیجا کہ کسی بچے عورت یا کسی مزدور کو آئندہ نہ قتل کیا جائے۔

یہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مردانہ خلق ومروت تھی اور وہ شبلی صاحب کے حضرت خالد کی نامردانہ اور بزدلانہ ظلم وشقاوت خالد صاحب جب ابھی ابھی مسلمانوں کی جماعت پر ہاتھ صاف کر چکے ہیں تو ایک کافرہ کے قتل کی شکایت کیا۔ یہ تو آپ کے بائیں ہاتھ کی صفائی تھی۔

کفار کا اوطاس سے فرار

حنین کے فراری اوطاس کی ملی ہوئی گھاٹی میں جا کر جمع ہوئے ان سے اندیشہ تھا جناب رسول خدا صلعم نے ابوعامر اشعری کی ماتحتی میں مسلمانوں کا ایک دستہ فوج جس میں ابوموسی الاشعری بھی تھے اور سلمہ بن الاکوع بھی ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ جانبین سے مقابلہ ہوا ابوعامر علمبردار لشکر تھے۔ درید بن القمہ جو کفار کی موجودہ چار ہزار فوج کا سپہ سالار تھا اور ہزاروں میدانہائے جنگ کا تجربہ کار بڑی مستعدی سے ہودج میں کبیر السنی کے باعث بیٹھا فوج کی باقاعدہ کمان کر رہا تھا اس نے اپنے بیٹے کو ابوعامر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے آتے ہی ابوعامر کو مار لیا اور علم اسلام بھی چھین لیا۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر ابوموسی اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ دشمن کو قتل کر کے علم اسکے ہاتھ سے چھین لیا۔

(بحوالہ مسند ابن حنبل)

اس کے بعد درید بن القمہ کے باقی حالات تحریر فرماتے ہیں۔ درید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا۔ ربیعہ رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن تلوار اچٹ کر رہ گئی۔

اس نے کہا تیری ماں نے تجھے اچھے ہتھیار نہیں دیئے پھر کہا میرے محل میں تلوار ہے۔ نکال لو۔ اور جب ماں کے پاس جانا تو کہنا کہ میں نے درید کو قتل کر دیا ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر کر دی تو اس نے کہا قسم خدا کی درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا۔ بحوالہ طبری ص 1667۔

شبلی صاحب نے اپنے انداز اختصار کے موافق ابن ورید کی مردانہ اور فیاضانہ شجاعت دکھلا کر جنگ اوطاس کو تمام وکمال ختم کر دیا ہے پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ ابن ورید زندہ رہا یا مارا گیا اوطاس میں جانبین کے مقابلہ کا کیا نتیجہ نکلا۔ کس کی فتح ہوئی کس کی شکست کچھ خبر نہیں ان تمام تصریحات وتفصیلات کو المطلب فی بن الشاعر رکھ کر آپ نے حنین کی تقسیم غنائم کا سلسلہ بیان شروع کر دیا۔ آپ کے اس ناتمام سلسلہ کلام سے ناظرین کتاب کو کہاں تک حقیقت حال دریافت ہوئی اور ان کی معلومات میں اس سے کتنی غلط فہمیاں واقع ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) آپ کے اس بیان سے یہ نہ معلوم ہوا کہ اوطاس میں جانبین کی جنگ ومقابلہ کا کیا نتیجہ ہوا۔ کون جیتا۔ کون ہارا کون بھاگا کس نے بھگایا؟

(۲) آپ کے بیان سے معلوم ہوا کہ درید بن القمہ معرکہ کارزار میں مارا نہیں گیا۔ کیونکہ ربیعہ کے مکالمہ کے بعد آپ نے اس کا کوئی حال نہیں لکھا۔ حالانکہ ان دونوں امور کے نتیجے یعنی شکست وفتح کی حقیقت اور بدین القمہ کا خاتمہ احوال طبری کے اسی صفحہ 1667 میں موجود ہیں۔ جس سے ابھی ابھی آپ نے ربیعہ اور درید کے مکالمات نقل فرمائے ہیں۔ ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے ایسا وسیع النظر محقق اور مولف نقل وتحریر میں اتنا تساہل وتغافل کرے۔ پھر اپنی تالیف کے ان امور میں جن کی وجہ سے اس کا کلام بے ربط۔ بیان مبہم اور مبتدا بے خبر ہوجاتا ہو۔ مجھ کو تو آپ کے ایک ادنیٰ طالب العلم سے بھی ایسی بے ربطی اور قطع کلامی کی امید نہیں چہ جائیکہ شبلی صاحب کے ایسا محقق۔

بہر حال اس طبری کے اسی صفحہ 1667 کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

فحدثنی موسیٰ بن عبدالرحمن الکندی قال حدثنا ابو اسامة عن بریدہ بن عبداللہ عن ابی بردہ عن ابیه قال لما قدم النبی من حنین بعث اباعامر علی جیش الٰی اوطاس تلقی دریدبن القمه فقتل درید اوهزم اللہ اصحابه۔

موسیٰ بن عبدالرحمن الکندی ابو اسامہ سے اور ابو اسامہ بریدہ سے بریدہ ابو ہریرہ سے ابو بردہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے باپ نے کہا کہ جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین سے آگے بڑھے تو آپ نے ابو عامر کو ایک لشکر کے ساتھ اوطاس کی طرف بھیجا ابو عامر سے اور درید بن القمہ سے مقابلہ ہوا۔ درید مارا گیا۔ اور خدا نے اسی کے ہمراہیوں کو ہزیمت پہنچائی۔

اگر شبلی صاحب تکلیف کر کے اتنی عبارت اور لکھ دیتے تو آپ کا سلسلہ بھی مسلسل تھا اور بیان بھی مکمل دیکھنے والا اور پڑھنے والا بھی مدعائے بیان اور انتہائے واقعہ کی حقیقت سے مطلع ہو کر مطمئن ہوجاتا لیکن آپ کی کوتاہ قلمی درعجلت رقمی کسی کی بھی نہیں سنتی۔

اسی طرح ابوموسیٰ الاشعری کی نبرد آزمائی بھی بالکل مبہم طریقہ سے لکھی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصلیت واقعیت کی خبر ہی نہیں

پھر طبری کے اسی صفحہ 1667 کی مرقومہ بالا عبارت ملاحظہ ہو۔

ابو عامر اشعری کا خاتمہ بالخیر

قال ابو موسیٰ قبعثنی مع ابی عامر قال فرمٰی ابو عامر فی رکبتة رماة رجل من بنی خشم بسهم فاثبه فی رکبتة رماة رجل من بنی خشم بسهم فاثبته فی رکبته فانتهیت الیه فقلت یاعم من رماك فاشار ابی عامر لابو موسیٰ فقال ذاك قاتلی تراه ذلك الذی رمانی قال ابو موسیٰ فقصدت له فاعتمدت له فلحقت فلما رانی عنی ذاهبا فاتبعته وجعلت اقول له الاتستحی الست عربیاالاتثبت فکر فالتقیت اناوهوفا ختلغنا ضربتین فضربته بالسیف ثم رجعت الی ابی عامر فقلت قد قتل الله صاحبك قال فانزع هذاالسهم فنزعته فنزء منه الماء فقال یابن اخی الطلق الی رسول الله صلعم فاقرء منی السلام وقل اله انه یقول للك استغفرلی قال واستخلفنے ابو عامر علی الناس فیمك یسیرا ثم انه مات۔ طبری 1667۔

ابو موسیٰ الاشعری کا بیان ہے کہ میں (اپنے چچا) ابو عامر کے ہمراہ لشکر تھا۔ ابو عامر کے ساق بار (پھلی) میں ایک شخص کا جو قبیلہ بنی خشم سے تھا۔ تیر لگا اور وہ ایسا کاری تھا کہ پیوست ہو کر موضع زخم میں قائم رہ گیا۔ یہ دیکھ کر میں ان کے قریب آیا۔ اور پوچھا چچا۔ آپ کو کس نے تیر لگایا ہے ابو عامر نے اشارے سے اس آدمی کا بتلا کر کہا کہ یہی میرا قاتل ہے اسے دیکھ لو یہی میرا قاتل ہے۔ اسی نے مجھے دیکھا تو بھاگ نکلا۔ میں اس کے پیچھے یہ کہتا ہوا دوڑا کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ کیا تو نسل عرب سے نہیں ہے کیا تو کھڑا ہوگا۔ یہ سن کر اسے غیرت آئی۔ اور وہ لوٹا ہم سے اس سے مقابلہ ہوا آپس میں تلوار چلنے لگی میں نے اسے اپنی تلوار سے مار گرایا۔ پھر میں ابو عامر کے پاس واپس آیا ابو عامر نے کہا کہ یہ تیر میرے پاؤں سے جلد نکال لو میں نے تیر کو کھینچا تو زخم سے بہت سا پانی نکلا ابو عامر کی حالت غیر ہونے لگی تو مجھے کہا بھیجتے جناب رسول خداؐ صلعم کی خدمت میں جاؤ میری طرف سے سلام عرض کرو اور گذارش کرو کہ میرے لیے دعائے امرزش فرمائیں ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ پھر مجھے ابو عامر نے لوگوں کا امیر مقرر کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد انتقال کیا۔

محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں بھی اس واقعہ کو لفظاً لفظاً ہی لکھا ہے۔۔

شبلی صاحب کی مبہم بیان۔ نامکمل اور غیر مفصل عبارت مرقومہ بالا کا مقابلہ طبری کی اس تفصیل سے کیا جائے تو ناظرین کتاب کو خود معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس واقعہ کی اصلیت اور حقیقت شبلی صاحب کی تحریر سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یا طبری کی اس تفصیل سے شبلی صاحب اب بھی سمجھیں کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ محدثین ان امور کی ضروریات میں مؤرخین اور ارباب میرے کوسوں پیچھے ہیں آپ اپنی خود غرضی سے انہیں جتنا نہ آگے بڑھالیں اسکا کوئی جواب نہیں۔

اسیران جنگ کے ساتھ محاسن سلوک

حنین اور اوطاس کے میدان کفار سے بالکل خالی ہو گئے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسیروں کا جائزہ لیا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے انہیں میں شیما بنت حلیمہ سعدیہ آپ کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ شبلی لکھتے ہیں۔

اسیروں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ ان میں حضرت شیما بھی تھیں جو رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن تھیں لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا۔ تو انہوں نے کہا میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں، لوگ تصدیق کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھلائی کہ دفعۃً بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹ کھایا تھا۔ یہ اسی کا نشان ہے۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک پچھا دی محبت کی باتیں کیں۔ چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں۔ اور ارشاد کیا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ گھر پہنچا دی گئیں سیرۃ النبی ص 393۔

شبلی صاحب نے تو رضاعی بہن کے ساتھ اخلاق اشفاق نبوی کو محدود فرما دیا ہے۔ ہم نے تو تمام قبیلہ بنو سعد کے ساتھ آپ کی مراعات کے مساویانہ واقعات طبری کی اسناد سے لکھے ہیں۔ اور شیما کی روایت کے اس حصہ بیان کی تنقید و تردید بھی کر دی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت کاٹنے کا ذکر مرقوم ہے۔ جو عام اس سے کہ طفولیت و کمسنی ہی کا واقعہ کیوں نہ ہو فطرت صالحہ نبوت کے بالکل منافی اور منافقین ثابت ہوتا ہے۔ شبلی صاحب نے اس روایت کو غالباً طبری ہی سے نقل کیا ہے۔ لیکن شیما کے ساتھ ان عطایا سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی تصریح نہ فرمائی جو طبری کی آخر عبارت میں صاف صاف مرقوم ہے۔ شاید نظر نہ پڑی۔

وردها الی قومها فزعمت بنو سعد بن بکر انه اعطا هاغلا ما یقال له مکحول وجاریة فزوجت احدهما الأخر فلم یزل منهم نسلا بقیه۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیما کو ان کے قبیلہ کی طرف بھیج دیا۔ اور بنو سعد بن بکر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے چلتے وقت شیما کو ایک غلام مکحول نامی اور ایک لونڈی بھی عنایت فرمائی تھی اور فیما بین دونوں کا بیان بھی کر دیا گیا تھا مگر ان سے کوئی نسل باقی نہیں رہی۔

محاصرہ طائف

حنین اور اوطاس کی بھاگی ہوئی فوج طائف میں جمع ہوئی۔ طائف مقام محفوظ بھی تھا اور مضبوط، یہاں کا قلعہ قدیم تھا اور آبادی شہر کے چاروں طرف مستحکم چاردیواری تھی۔ اسی رعایت و مناسبت سے اس لشکر کو طائف کہتے تھے فوج کفار نے یہاں مقیم ہو کر قلعہ کی ضروری مرمت بھی کرالی اور سال بھر کا آذوقہ بھی جمع کرلیا۔ اور قلعہ بند ہو کر سال بھر تک لڑنے کے لیے جملہ سامان فراہم کرلیے۔ عروہ ابن مسعود جس کی شادی ابوسفیان کی لڑکی اور معاویہ کی بہن سے ہوئی تھی۔ یہاں کا رئیس تھا وہ کفار کا جانبدار بن گیا۔ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں کفار مکہ اور مشرکین قریش تعریضاً کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کو قرآن یا کوئی الہامی کتاب نازل فرمانی تھی تو محمد ﷺ کے ایسے بے اثر اور نادار شخص پر کیوں اُتاری مکہ کے کسی امیر یا طائف کے کسی رئیس پر اتاری ہوتی تو سماعت و قبولیت عام کی امید تھی۔

طائف کے لوگ قلعہ بند ہو کر لڑنے کے خاص فن میں بہت بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ابن اسحاق اور طبری کا بیان ہے کہ خود عروہ ابن مسعود اور غیلان سلمہ نے جرش میں جا کر جو یمن کا ایک مرکزی مقام ہے۔ قلعہ شکن آلات یعنی دبانہ۔ ضنبور اور منجنیق کے بنانے اور لڑائی کے موقعوں پر ان کو کام میں لانیکی خاص تعلیم پائی تھی۔ فوج کفار نے ان کے اس علم و اقفیت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا کہ ان تمام آلات کو ضروری مقامات پر لگا کر اور جابجا تیر اندازوں کے محافظ دستے بٹھلا کر قلعہ طائف کو ہر طرح سے مضبوط اور مستحکم بنالیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب ان تیاریوں کی خبر ملی تو آپ نے غنائم و سرائے حنین کے معاملات کو ملتوی کردیا۔ اور اسیران جنگ کو مع اموال غنیمت کے مقام جعرانہ میں بھیج دیا اور طائف کے تصفیہ معاملات تک ان کو وہیں محفوظ رکھے جانے کا حکم دیا اور بالنفس النفیس لشکر اسلام کو لیکر طائف کی طرف متوجہ ہوئے۔ طائف پہنچ کر کفار کے آلات قلعہ شکن ملاحظہ فرمائے لشکر اسلام کو بھی انہیں آلات کو فراہمی اور استعمال کا حکم فرمایا۔ جتنے بھی اور جیسے بھی یہ آلات مل سکے جمع کرلیے گئے۔ تاریخیں بتلاتی ہیں کہ پہلا موقع ہے کہ لشکر اسلام میں آلات قلعہ شکن استعمال فرمائے گئے۔

محاصرہ طائف کی تفصیل شبلی صاحب ان مختصرات میں لکھ کر ختم کردیتے ہیں۔

اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت سے تیر بارانی کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے بیس دن تک محاصرہ رہا۔ لیکن شہر فتح نہ ہوسکا۔ آنحضرت ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن چھوڑ دیجائے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ چونکہ صرف مدافعت منظور تھی آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھالیا جائے ص394۔

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ اہل اسلام غنیم کے مقابلہ میں بیس دن کی معتد بہ مدت تک کچھ نہ کرسکے غنیم کے مقابلہ میں ان کی ہمت و دلیری سے کچھ بھی نہ بن پڑا۔ خلاصہ یہ کہ محاصرہ طائف۔ اسلام کی ایک بیکار سعی اور فضول کوشش تھی۔ یہ کوتاہ قلمی اور بیجا عجلت

رفتی کا نتیجہ ہے کہ بیان کے مبہم اور کلام کے مہمل رہ جانے سے عیب اور مناقص کے پہلو نکل آتے ہیں اور مخالفین اسلام کے لیے طرح طرح کے مجنونانہ تعریضات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ حالانکہ شبلی صاحب اس کے تفصیلی حالات پر غور فرماتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اہل اسلام نے اس محاصرے میں بھی سابق معارک کی طرح اپنی بینظیر شجاعت و دلیری۔ جان نثاری و پاداری دکھلا کر قلعہ کی چولین ہلا دیں اور قلعہ بند فوجوں کے سینوں میں خوف کے مارے پنکھے لگا دیئے۔ یہاں تک کہ خود انہوں نے تصفیہ کے پیام بھیجے۔ ہم محدث شیرازی کی عبارت سے جو قریب قریب طبری اور ابن ہشام سے ماخوذ مستنبد ہے ذیل میں لکھ کر اس محاصرہ کے پورے حالات و واقعات نقل کرتے ہیں۔ جو عام اطلاع کے لیے کافی ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے۔

آن سرو فرمودتادر بلندی که ان کو مسجد طائف هست معسکر همایون زدند ودرآن غزوہ زینب وام سلمه همراه بودند ودوخیمه برائے ایشان ترتیب فرموده نماز هارادر فضائے زمین القبتین اقامت می نمودوهیجده روز وبر وانتے سنی وبروانتے چهل شان روز طائف رامحاصره داد ودران مدت جنگهائے عظیم اند اختند وجمعے کثیر از اصحاب جراحت یافتند ودوزاده مرد شهید شدندیکے از قبیله لیث و چاراز انصار وهفت از قریش واز بجمله عبدالله بن ابوبکر الصدیق رضی الله عنهما بود که تیرے بروے زدند ومجروح شدوجراحتش اندمال یافت وبعد ازان منفجر گشت وپیش وفات آنحضرت صلعم ازدنیا نقل کرد۔ آنحضرت صلعم امر فرمود تایاران به قطع نخیل انگور النماعت قیام نمودند طوائف چون ازایخال وقف گشتند درخواست نمونداز حضرت که براے خداوحهت رعایت رحم ترك قطع این درختان کن حضرت فرمودانی ادعها الله واللرحم ومنادی راگفت تااین ندا کرده که هربنده که ازاین حصار فرود آیدبسوے ماازادباشد قریب بست بنده پائین آمدندوازو بخمله نقیع ابن الحارث بود که بکره فرود آمد از اینجهت ملقب به ابوبکر گشت واهمه آن غلامان راآزادفرمودوهریکے رابه شخصے سپروتاازحالات وے باخبر باشد وبعد ازآن بمدتے چون اهل طائف باسلام درآمدند گفتند یارسول ﷺ الله این بندگان رابمابازده حضرت صلعم فرمود اولئك عتقاء الله یعنی انهاآزاد کردگان خدا اندهر گزبه بندگی شما

عودنکمنہ۔ روضۃ الاحباب صفحہ 457۔

طائف میں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس مقام بلند پر جہاں طائف کی موجودہ مسجد جامع واقع ہے لشکر خیمہ زن ہو۔ اس سفر میں حضرت زینبؓ اور حضرت ام سلمہؓ ہمراہ تھیں ان مخدرات کے لیے دوجدا جدا خیمہ نصب کے گئے اور نماز جماعت ان دونوں قبوں کے درمیان پڑھی جانے لگی اٹھارہ روز اور ایک روایت کے موافق بیس روز اور دوسری روایت کے مطابق چالیس شبانہ روز محاصرہ نے طول کھینچا اس درمیان میں بڑی لڑائیاں واقع ہوئیں اور اصحاب رسولؐ میں سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بارہ بزرگوار شہید ہوئے۔ ایک شخص قبیلہ لیث سے چار قبیلہ انصار سے اور سات مہاجرین قریش سے نہیں لوگوں میں عبداللہ بن ابوبکر الصدیق بھی شامل ہیں ان کے ایک تیر لگا تھا زخم اچھا بھی ہو گیا تھا لیکن بعد چند دن وہ زخم پھٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے انہوں نے دنیا سے انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اہل طائف کی انگور کی بیلیں کاٹ دی جائیں صحابہ تعمیل حکم کرنے لگے۔ اہل طائف کو اسکی خبر ہوئی تو وہ سب کے سب بہزار منت وسماجت خدا کا اور صِلہ رحم کا واسطہ دیکر بارگاہ رسالت میں مستعدی ہوئے کہ درخت کاٹے کا حکم واپس لیا جائے رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ جاؤ ہم نے تمہارے درختوں کو خدا اور صلہ رحم کی رعایت سے چھوڑ دیا اس کے بعد آپ نے تمام کو منادی کردی کہ جو مرد غلام قلعہ سے نیچے اتر کر ہماری طرف چلا آئیگا وہ آزاد ہو جائیگا۔ اس اعلان کے سنتے ہی بیس نفر غلام جن میں نفیع بن الحارث بھی تھے نیچے آئے۔ نفیع چونکہ مقام بکرہ سے آئے تھے اس رعایت سے یہ ابوبکرہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ سب کے سب مشرف با اسلام ہو کر اسی وقت سے آزاد ہو گئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ میں ایک ایک کر کے ان کو تقسیم کر دیا۔ اور تاکید فرمادی کہ وہ ہر ایک کی کفالت کریں جب اہل طائف ایک مدت کے بعد مشرف باسلام ہوئے تو ان غلاموں کے واپس لینے کی استدعا کی ارشاد ہوا کہ یہ خدا کے آزاد کردہ ہیں اب تمہاری تابعداری نہیں کر سکتے۔

یہ حقیقت حال تھی اور تفصیلی روائداد اس کو پڑھ کر ہر شخص باآسانی سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے طائف کے محاصرے اور کفار کے مقابلہ میں نہایت استقلال وپاداری کمال وفاداری اور جانثاری سے کام لیا۔ بارہ جان نثاروں نے جانیں نثار کیں۔ اہل قلعہ کے تمام انتظار درہم وبرہم کر دیئے ان کے استحکام نظام متزلزل کر دیئے اور پھرا سے کہ وہ متدعی۔ بن کر رحم کی رحمت کے سامنے درخواست لائے چشم زدن میں نظر رحمت نے معافی دے دی ان محاسن اخلاق نے وہ اثر دکھلائے کہ دم کے دم میں ان کے بیس آدمی بارگاہ رسالت میں

حاضر ہو کر اسلام لائے۔

التوا محاصرہ کی ضرورت

اتنی کامیابیوں کے بعد بھی محاصرہ طائف کو کون بطی الذہن اور محروم العقل بیکار بتلا سکتا ہے۔لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ محاصرہ میں اب زیادہ طوالت کی اس وجہ سے مصلحت نہیں تھی کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حنین اور اوطاس کے اسرا وغنائم کے معاملات کو جلد طے فرما دینا نہایت ضروری تھا۔اس لیے کہ مذبذ میں مکہ کے جو اطوار اور کردار اسلام کے ساتھ تھے۔وہ حنین کے معرکہ میں ملاحظہ آئے تھے۔اس بنا پر ان کی استمالت اور درستی نہایت ضروری تھی طائف والوں کا اندازمعلوم ہو چکا تھا وہ میدان میں نکل کر اسلام سے مقابلہ کی مطلق جرات نہیں کر سکتے تھے۔قلعہ میں محصور ہونا ان کے مجبور ہونے کا ثبوت تھا۔نوفل ابن معاویہ ان کی مقدار قوت کو خوب سمجھ چکا تھا۔اب ان میں جنگ کی قوت تو باقی نہیں تھی صرف عیاری اور حرفت رہ گئی تھی۔اس بنا پر اس کی یہ تمثیلی تجویز بالکل صحیح تھی کہ اہل قلعہ اس لومڑی کی مثال میں جو اپنے سوراخ میں گھس گئی ہو۔اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی اور اگر چھوڑ دی جائے تو تو کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اب اس سے میدان میں نکل کر یا بھٹ میں رہ کر کسی ضرر و نقصان کا مطلق ڈر باقی نہیں ہے۔

محاصرہ کے جاری رکھنے میں جو ضرورتیں سدراہ تھیں وہ اوپر بیان ہو چکی ہیں اور محاصرہ اٹھا لینے میں کوئی شے مانع نہیں تھی اور نہ کوئی خوف کا باعث۔ان وجوہات کی بنا پر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ اٹھا لیا۔سال ہی بھر کے الٹ پھیر میں نہ معلوم ہوا کہ وہ قلعہ والے کیا ہوئے اور وہ قلعہ بند فوج کدھر گئی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اہل طائف اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔جیسا کہ سلسلہ بیان سے معلوم ہوگا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم سے اکثر اخلاص مند صحابہ بیدل اور برخاستہ خاطر ہوئے اور خدمت مبارک میں عرض کرنے لگے کہ اہل طائف کے لیے بددعا فرمائی جائے۔رحمت عالم نے ان کی خاطر سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا تو یہ۔

اللهم اهد ثقيفا وائت بهم

اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو مجھ تک پہنچا دے۔

خدا نے اپنے نبی صلعم کی دعا قبول فرمائی اور سال ہی بھر کے اندر وہ سب کے سب خود حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے ہے حضرت علیؑ سے آنحضرتؐ کا راز کی باتیں کہنا لیکن تعجب اتنا محاصرہ طائف کے سلسلہ میں شبلی صاحب نے ایک بہت بڑا قابل الذکر واقعہ چھوڑ دیا ہے۔چھوڑ دیئے جانیکی وجہ اس وجہ سے کوئی شکایت خاص نہیں ہے اس لئے کہ اس میں فضیلت علیؑ کا اظہار تھا اور یہ امر شروع ہی سے نامطبوع خاطر ہے کہ اس کے متروک کر دینے سے شبلی صاحب پر اپنے مقرر کردہ اصول تحقیق اور نصاب تنقید کے ترک فرما دینے کا الزام عائد ہوتا ہے وہ اس طرح اس مرفوع القلم واقعہ کو ارباب سیر و تاریخ نے بہت کم لکھا ہے تو تمام اصحاب حدیث اور ارباب تفاسیر نے اور آپ کے واقعات کی تصدیق و توثیق کا معیار مرویات حدیث پر قائم فرمایا ہے اس لیے جب خاص کر حدیثوں میں یہ واقعہ موجود

تھا تو آپ کو اپنے اصول مقرر کردہ کے مطابق اس کا قلمبند کرنا ضروری تھا۔لیکن خود غرضی سدراہ تھی۔جس کے آگے نہ اپنا نظریہ کوئی شے ہے اور اپنا مقررہ معیار کوئی چیز۔

وہ واقعہ صحیح ترمذی کی عبارت میں یہ ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال دعی رسول اللہ صلعم علیا یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ فقال رسول اللہ صلعم ما انجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ محاصرہ طائف کے زمانہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلا کر تخلیہ میں بعینہٖ راز سرگروشی فرمائی تو لوگوں نے کہا کیا ہے جو پیغمبر نے اتنی دیر تک اپنے برادرعم سے راز کی باتیں کہیں۔؟ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ سے میں نے راز کی باتیں نہیں کی۔ بلکہ خدا نے کیں۔

مشکوٰۃ شریف کی اسی حدیث کی شرح میں محدث دہلوی مولانا عبدالحق صاحب لکھتے ہیں۔

ولکن اللّٰہ انتجاہ فرمودہ یعنی امر کردہ است مراکہ راز گویم با اُویس راز گفتم بجہت فرمانبرداری کردن امر باری تعالےٰ را۔و تواندکہ این معنی باشدکہ ابتداے راز گفتن باوے نکردہ ام ولیکن خدائے تعالیٰ راز میگوید باوے والقاے اسرار می کند دردل وے۔تاریخ احمدی ص 73-

محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں ولکن اللہ انتجاہ کے یہ معنی لکھتے ہیں کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ سے راز کہوں اور میں نے حکم ایزدی کی تعمیل میں ایسا کیا ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ علی سے راز کہنے کی ابتدا میں نے نہیں کی بلکہ خدا ہی اس سے راز کہتا ہے اور اپنے اسرار کو اس کے دل میں القا کرتا ہے اور جب ایسا ہے تو میں بھی بقضائے موافقت ومتابعت فعل الٰہی علیؑ سے راز کہتا ہوں۔

مرقومہ بالا عبارت ترمذی۔مشکوٰۃ اور شرح مشکوٰۃ سے اس واقعہ کی اہمیت وضرورت مخصوصیت ومنصوصیت سب کچھ اتنی اور ایسی معلوم ہوگئی کہ اب مجھ کو تفصیل وتصریح کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اب مجھے صرف یہ دکھلا دینا باقی ہے کہ اس عبارت سے اجمالاً دو چار یا دس بیس لوگوں کی تعریض معلوم ہوتی ہے کیونکہ الناس کا لفظ اصل ماخذ میں آیا ہے۔لیکن امام قندوری نے ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں اس حدیث کو مسند امام احمد بن حنبل سے انہیں جابر کی زبانی نقل فرمایا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں۔

واطال بخواہ حتی کرہ قوم من اصحاب ذلك فقال قائل منہم لقد طال نجوی مع ابن عمة ۔ مطبوعہ بمبئی ص 48۔

جب خلوت کو زیادہ طول ہو گیا تو صحابہ کے ایک گروہ کو یہ امر ناپسند ہوا اور انہیں میں سے ایک شخص نے کہا کہ آج تو اپنے ابن عم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طولانی خلوت کی۔

اس عبارت سے الناس کی اتنی تصریح مزید ہوئی کہ وہ صحابہ ہی کی ایک جماعت تھی اور اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عمل رسالت پر اعتراض کرنے والے بھی ایک خاص بزرگ تھے۔ جن کا نام اس بزرگ محدث نے ان کی عظمت ذاتی کے ادب سے نہ لکھا۔ اب ان بزرگ کی تلاش کی جاتی ہے تو عقیدتمند خدمت رسولؐ۔ ادب آموز بارگاہ نبوت قدوۃ الاصحاب عمر ابن الخطاب ثابت ہوتے ہیں ملاحظہ ہو۔

معارج النبوۃ ملا معین لاہوری کی مرقومہ ذیل عبارت در ہنگام خلوت ومشاورت نبی یا علی حضرت عمر فاروقؓ گفت یا رسول اللہؐ با علیؑ راز میگوئی و باوے خلوت می کنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمود ما انتجتہ ولکن اللہ انتجاہ یعنی من باو راز نمی گویم بلکہ خدائے تعالی باو رازمی گوید۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا حضرت عمر فاروق نے کہا یا رسول اللہ صلعم آپ علیؑ سے راز کی باتیں کہتے ہیں اور ان سے تخلیہ کرتے ہیں مشاورت کرتے ہیں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں تنہا علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ حق تعالٰی باتیں کرتا ہے۔

گویم مشکل وے نگویم مشکل کس کی سنی جائے خدا کی یا حضرت عمرؓ کی ادھر خدا کی تاکید ہے ادھر حضرت عمرؓ کی تعریض راز دار رسالت اور امین نبوت کو بات کرنی مشکل ہے۔

غنیمت حنین کی تقسیم

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ محاصرہ طائف کا التواحنین کے پس ماندہ معاملات کی تکمیل کرنیکی ضرورت سے اختیار فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ طائف کا محاصرہ اٹھا کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ میں جہاں اسیران حنین واوطاس مقیم تھے تشریف لائے غنیمت کا بڑا ذخیرہ تھا شبلی صاحب اس کی تعداد اور تقسیم کے احوال حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

چھ ہزار اسیران جنگ چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی آپ نے اسیران جنگ کے ورثا کا انتظار کیا کہ ان کے عزیز واقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن گزرنے پر بھی کوئی نہ آیا اور غربا ومساکین کے لیے رکھا گیا مکہ کے اکثر رؤسا جنھوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک بذات الاعتقاد تھے انہیں کو قرآن مجید میں مولفۃ القلوب کہا ہے قرآن مجید میں جہاں غنیمت کے مصارف بیان کیے ہیں وہاں ان لوگوں کے بھی نام ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات

دیئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)ابوسفیان مع اولاد 300اونٹ 120اوقیہ چاندی

(۲)حکیم بن خرام 200اونٹ

(۳)نصرین حارث بن کلدہ ثقفی 100اونٹ

(۴)صفوان ابن امیہ 100اونٹ

(۵)نفیق بن عدی 100اونٹ

(۶)سیل بن عمر 100اونٹ

(۷)حویطب بن عبدالعزیٰ 100اونٹ

(۸)قرح بن جالس 100اونٹ

(۹)عینیہ بن حصین 100اونٹ

(۱۰)مالک ابن عوف 100اونٹ۔

ان کے سوا بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عنایت فرمائے۔عام تقسیم کے رو سے فوج کے حصہ میں جو آیا۔وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں۔لیکن چونکہ سواروں کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لیے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ا یکسو بیس بکریاں آئیں۔ جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے اس پر انصار کو رنج ہوا۔بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔

تقسیم میں انصار کا عذر

حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قرش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں (بحوالہ بخاری) بعض بولے کہ مشکلات میں تو ہماری یاد آتی ہے اور غنیمت اُن کو ملتی ہے (بحوالہ صحیح بخاری) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو بلایا۔ایک چرمی خیمہ کھڑا کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ کیا تم نے ایسا کیا؟ لوگوں نے عرض کی کہ حضور! ہمارے سر برآوردہ لوگوں میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے انہوں نے کہا آپ نے جو سنا وہ صحیح ہے۔آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغ میں نہیں مل سکتی انصار کی طرف خطاب فرمایا کر کہا سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے۔خدا نے ہمارے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے ہمارے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا تم مفلس تھے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کیا۔آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے (بحوالہ صحیح بخاری) آپ نے فرمایا۔نہیں تم یوں جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی،تو مفلس آیا تھا۔ہم نے تیری مدد کی یہ کہہ کر

آپ نے فرمایا تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے جاؤ (بحوالہ بخاری وشرح صحیح بخاری) انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ہمیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درکار ہیں اکثر لوگوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص366۔

تقسیم میں غدر دار انصار ہی نہیں تھے مہاجرین بھی تھے

تقسیم غنائم کے متعلق بعض نوخیز نوجوانان انصار نے جو کچھ عذر وکلام کیے وہ شبلی صاحب نے بالتفصیل بیان کر دیئے اس کے متعلق مجھے صرف اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ طمع مال اور حرص دولت بہت بری شے ہے۔ اس سے خال خال لوگ خالی ہوں گے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف گروہ انصار ہی کو اس میں عذر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ مہاجرین کو بھی چنانچہ عباس ابن مرداس اسلمی کو بھی غدر تھا۔ انصار تو خیر بالمشافہ عرض حال کی جرات نہ کر سکے۔ عباس ابن مرداس نے تو روبرو اعتراض کر دیا اور اس کے متعلق معترضانہ اشعار بھی نظم کر کے لوگوں کو سنائے۔ روضۃ الاحباب میں ہے۔

عباس ابن مرداس اسلمی اور تقسیم حنین میں غدر

بصحت پیوسته از رافع بن خدیج که گفت که رسول اللّٰه مولفة القلوب رامثل ابوسفیان بن حرب و علقمه بن علانه وعینیه بن حصین وافرع بن جالس را صد شترواد وعباس بن مرد اس سلمی راکمتراز صدداد۔ وے بخشم رفت دوران باب ابیات گفت چرن ابیات وی بسمع مبارک آنحضرت رسید فرمود اقطعر عنی لسانی قطع کنید زبان اوررا ارسن ابوبکر صدیق رضی اللّٰه عنه ویرابخطائر ابل بروو صد شترواوونی الجلس رسول اللّٰه باز گشت وازجمله خوشنودترین مردم بوآن سرور باوے گفت اورشان من شعرمیگوئی۔ روے اعتزاردو آئودوگفت پدرومادرم فداے تو باد بدرستیکه وبیسے مثل وبیت مورچه از شعر درزبان خویش می یابم مرامیگزد مانند گزیدن مورچه ہیچ چارلے نمی یابم الا آنکه شعر بگوپم وورانیمعنی بے اختیار م حضرت تبسمی فرمودوگفت عرب ترک شعر نمی تو اندکر۔ چنانکه شتر ترک حنین خودنمتواند کرد بعضے از کتب سیراست که چون شعروی بسمع پیغمبر صلعم رسید باوے گفت تگوئی گفتنی این شعر۔ نهبنی ونهب العبیده بین

الاقرع وعینتة حضرت ابوبکر صدی گفت یارسول بین الاقرع وعتبه رسول اللّٰه
گفت خواه حنین وخواه چنان ہردویک معنی ادامی کندابوبکرگفت گواہی سیدہم
که توشاعر نیستی وسزاء رینست تراشعر چنانچه حق تعالیٰ فرمود وماعلینا ہ
الشعر ومایبنغی له پس رسول از علی ابن ابی طالب کرم اللّٰه وجه فرمودبرخیز
وزبان اور ازمن قطع بکن علی برخاست دوست وے راگفت ومی بروعباس بن
مرداس گوید گفتم اے علی زبان من خواہی برید جواب دادنچه حضرت فرمودچنان
خواہسم کردپش مرامی برتائو رسیدیم بحظائراپل گفت بگیر ازین براے خویش
ارخچہار قاصد شیتر عباس بن مرداس گوید گنتم پدرمادرمن قداے توبائو عجیب
کریم چلسم ونیکو خود علیم اید شما انگاه علی گفت بامن پیغمبر دنیکو خود علیم
اید شما انگاه علی گفت بامن پیغمبر تراازجمله صاجرین وانصار اشته
چہارشترداده اگر اندراج درزمره ایشان میخواہی می مانی وبران چہار که اول
باربتودا ده قناعت کن واگر میخواہی که ازجمله مولفة القلوب باشی صد
شربستان گفتم ای علی باتووپرین امرمشوره مے نمایم توچ می فرمائی علی گفت
اگر فریضه مال دنیا نشوی وبارا وه خدا اور رسول خرسد گردمی بہتر بود
ومروییست که چون آن عطیہا درغنائم حنین از آنحضرت صلعم واقع شدیکے
ازباران باوی گفت یارسول اللّٰه صلعم عینیه بن حصین واقرع چالیس که بہرکردام
صدشترعطا بفرمائی وجعیل بن سراقه رابیع نمیدہی فرمودبان خدائیکه نفس من
بید قدرت وسعت که جعیل بن سراقه بہتر است ازہمه روی زمین مملوار غنییه
واقرع ولیکن من الفعت دادم فل انسان رایه سبب مال دنیا واعتماربراسلام یل سید
ارم اوراباسلام ص 460 مطبوعه تولشکورلکھنوء

باسنادِ صحیح رفیع خدیج سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے گروہ مولفۃ القلوب کو جن میں ابوسفیان بن حرب ،صفوان بن امیہ، علقمہ بن علانہ، عینیہ بن حصین اور اقرع بن جالس وغیرہ ہم شامل تھے۔ سوسو

اونٹ مال غنیمت سے عطا فرمائے عباس بن مرداس اسلمی کو اس سے کم دیا۔ اس پر اس کو غصہ آ گیا اس کے متعلق اس نے اشعار بھی نظم کیے جب اس کے یہ اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنے تو فرمایا اس کی زبان قطع کر ڈالو حضرت ابوبکر صدیق اس کو پکڑ کر اونٹوں کے مجمع میں لے گئے اور سو اونٹ اس کو عنایت فرمائے وہ اونٹ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا اور تمام لوگوں سے زیادہ راضی وخوشنود معلوم ہوتا تھا آنحضرت نے عباس سے پوچھا کہ تو میری شان میں اشعار کہتا ہے اس نے معذرت کے ساتھ عرض کی کہ میرے شعر کہنے کی عادت ایک چیونٹی کی مثال ہے جو میری زبان میں کاٹا کرتی ہے میں اس سے مجبور ہو کر شعر کہتا ہوں آپ نے تبسم ہو کر فرمایا کہ عرب شعر کہنے کی عادت اسی طرح نہیں چھوڑ سکتے جس طرح اونٹ اپنے بچے کو جدا نہیں کر سکتا بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب اس کے اشعار آپ کے پاس پڑھے گئے تو آپ نے عباس سے پوچھا کہ کیا تو نے یہ شعر کہا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ تو نے مجھے ایک غلام سے بھی کم کر دیا اقرع اور عینیہ کے درمیان۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ اقرع اور عینیہ کے درمیان کیا ہونا چاہیے آپ نے ارشاد کیا کہ خواہ یہ لو خواہ وہ، معنی تو دونوں سے ایک ہی نکلتا ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ شاعر نہیں ہیں اور شعر کہنا آپ کی شان کے شایان بھی نہیں ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تم کو شعر کی تعلیم نہیں دی اس لیے کہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کی زبان قطع کر دو حضرت علی اٹھے عباس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے چلے عباس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؑ سے کہا حقیقتاً آپ میری زبان کاٹ ڈالیں گے؟ حضرت علی علیہ السلام نے کہا جو رسول اللہ صلعم نے حکم دیا ہے اس کی تعمیل ضرور کی جائیگی اس کے بعد آپ مجھے اُونٹوں کی قطار میں لے گئے اور مجھے فرمایا کہ ان اونٹوں میں سے چار سے لے کر سو اونٹ تک لے لو میں نے سخت متعجب ہو کر کہا کہ حقیقتاً آپ لوگوں سے سخی فیاض نیک خو اور متحمل کوئی شخص نہیں ہے یہ سن کر حضرت علیؑ نے مجھے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلعم اس وقت تک تم کو مہاجرین وانصار کے طبقہ خاص میں شمار کرتے تھے اگر تم چاہتے ہو کہ اسی طبقہ میں تمہارا شمار قائم رہے تو وہی چار اونٹ جو قبل میں تمہیں مل چکے ہیں انہیں پر قناعت کر لو۔ اور اگر گروہ مقلفۃ القلوب میں داخل ہونا چاہتے ہو تو سو اونٹ لے لو۔ میں نے کہا یا علی علیہ السلام آپ مجھے اس امر میں مشاورت دیں آپ نے

ارشاد فرمایا: مال دنیا پر فریفتہ نہ ہو۔ رضا و عطائے رسولؐ پر راضی ہو جاؤ تو تمہارے لیے سب سے بہتر ہوگا۔
اسی طرح ایک اور صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ نے عینیہ بن حصین اور اقرع کے ایسے لوگوں کو تو سو اونٹ عنایت کیے اور جعیل بن سراقہ ضمیری کو کچھ نہ عنایت فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم تمام روئے زمین عینیہ اور اقرع کے ایسے لوگوں سے بھر جائے تب بھی جعیل ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہے میں نے ان نئے لوگوں کے قلب کو اسلام کی طرف مائل کر دیا ہے چونکہ جعیل کے اسلام پر مجھ کو خود اعتماد ہے اس لیے میں نے اُس کو اسلام کی اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔

ذوالخویصرہ تمیمی کی پشین گوئی کا واقعہ

اسی غنیمت حنین کے متعلق ذوالخویصرہ تمیمی کا بھی واقعہ ہے جس پر شبلی صاحب کی یا تو نظر پڑی نہیں۔ یا تو نظر پڑی بھی تو وہی حضرت علیؑ کے خصائص کا ذکر مہر لب ہو گیا علامہ بدخشی نزل الابرار میں لکھتے ہیں۔
معارج النبوۃ رکن چہارم میں یہ روایت منقول ہے مگر آخر حصہ روایت میں حضرت علیؑ کے کلام ہدایت کے بعد عباس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ جب اُس نے یہ سنا تو ان اونٹوں کی مہار چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا اور کہنے لگا میں اتنے دنوں سے ایمان لایا ہوں اور مہاجرین کے گروہ میں شمار ہوتا ہوں۔ اس شرف خاص سے نکلنا نہیں چاہتا۔ یہ اونٹ واپس لیجئے اور مجھ کو میرے حصہ کے وہی چار اونٹ دیجئے۔
حضرت علی نے ایسا ہی کیا عباس چار اونٹ لیکر علیحدہ ہو گیا ص 270 روضہ الصفاج 2۔

عن ابی سعید الخدری قال بینما نحن عند رسول اللہ ذات یوم یقسم قسما اتاہ ذوالخویصرۃ فقال یارسول اللہ اعدل قال ویحك ومن یعدل از الم اعدل فقال عمر یارسول اللہ ائذن لی حتی اضرب فقال رسول اللہ دعہ فان لہ اصحابا یحقر احد کم صلواتہ مع صلواتھم وصیامہ مع صیامھم یقرئون القران لایجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ حتی ان احد کم ینظر الے فضلہ فلایجد شیئا ثم ینظر الی فضیہ فلا یجد شیا ثم ینظر ای قدرتہ فلا یجدہ شیئا قدسبق الفراث ولدم یخرجون علی خیر فرقۃ الناس ایتم رجل فخدج از عج احدی ثدیۃ مثل ثدی المرء او ۔ کالبضۃ تدوقال ابوسعید اشھد انی سمعت ھذ امن رسول اللہ وشھد انی کنت مع علی ابن ابی طالب حین قاتلھم فارسل الی التعلی

فانی به علی نعت الذے نعت به رسول الله صلعم ولحذالحدیث طرق کثیرا خرجه الشخان وغیرهما ابودائود الطیالسی والنسائی وحمد اوبو عیلے الحاکر والخطیب وقدروا غیر ابی سعید جماع من الصحابه مثل علی وعمر وند الله بن عمر وعبد الله بن مسعود وعبد الله بن عباس وعبد الله بن الخباب بن الارث وعبه بن عامر وسعد بن وقاص وعمارابن یاسر رضی الله عنهم فالروایة الاولی خرجه احمد والبخاری والمسلم ولنسائی وابن جریر ارجع للطالب لد وقاص 472۔

ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ ایک دن ہم لوگ جناب رسالتمآب صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے اور حضرت غنیمت کا مال اس وقت تقسیم کر رہے تھے ذوخوبصرہ آ کر کہنے لگا کہ عدل کیجئے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہلاکت ہو تجھ پر اگر میں عدل نہ کرونگا تو کون دوسرا عدل کرے گا، عمرؓ عرض کرنے لگے مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت ہے؟ تب آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کو اس کے اصحاب ایسے ہیں کہ تمہاری نمازیں اُن کی نماز کے مقابلہ میں اور تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر معلوم ہوں گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن گلے سے نیچے نہیں اتریگا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائینگے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے یہاں تک کہ دیکھے تم میں سے کوئی اپنی کمان کی طرف۔ پس کوئی خیر اس سے نہیں پائیگا۔ پس نگاہ کریگا اس کے سوفار کی طرف۔ پس نہیں پائیگا اس میں کوئی شے۔ پھر نگاہ کرے گا اس کے پروں کی طرف۔ پس نہیں پائیگا اس میں کوئی شی گذارا ہے۔ وہ تیر سرگین اور خون میں اور وہ ایک بہترین گروہ پر خروج کرلینگے اس کے نشان یہ ہیں کہ ایک مخدج یعنی ناقص الخلقت سیاہ چشم آدمی ہوگا ایک چھاتی اس کی عورت کی پستان کی ہوگی اور مثل گوشت کے ٹکڑے کے حرکت کرتا ہوا ہوگا۔ ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث جناب سرورکائنات ﷺ سے سنی ہے اور اس امر کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں علی ابن ابی طالب کے ساتھ تھا جب وہ اس گروہ کے ساتھ جنگ کر رہے تھے جناب امیر علیہ السلام نے لوگوں کو مقتولین کی طرف بھیجا اور وہ لوگ مخدج کو اٹھا لائے جو نشانیاں آنحضرت ﷺ نے بتلائیں تھیں وہ سب اس میں موجود تھیں اس حدیث کو شیخین (مسلم و بخاری) اور شیخین کے ماسوا ابوداؤد وطیاسی امام احمد ابو لعلی حاکم خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے اختلاف سے نقل کیا ہے اور ابوسعیدؓ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ

اختلاف سے نقل کیا ہے اور ابو سعیدؓ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت مثل حضرت علی، عمر، عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جناب بن ارث، عقبہ ابن عامر، سعد بن وقاص اور عمار یاسر رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی ہے ان میں سے پہلی روایت وہ ہے جس کو امام احمد امام بخاری امام مسلم اور امام نسائی اور ابن جریر نے روایات کیا ہے۔

روضۃ الاحباب کی مرقومہ بالا روایت میں اختلاف اور تورانی البیان دونوں حائل ہوجاتے ہیں اس لیے کہ عباس کو جو حکم دیا گیا تھا اسی کو ایک بار حضرت ابو بکرؓ دوسری بار حضرت علی علیہ السلام تعمیل کرتے ہیں لیکن معارج النبوۃ اور روضۃ الصفا کی اسناء سے صرف حضرت علی علیہ السلام کی تعمیل ثابت ہوتی ہے اس لیے ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کی نسبت اس واقعہ میں مولفین کی خوش اعتقادی کا اضافہ ہے المولف عفی عنہ

اس سے زیادہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ارجع المطالب جلد دوم مطبوعہ لاہور از صفحہ 372۔482 ہم اس واقع کے اتا ہی انکشاف حقیقت کرنے کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں شبلی صاحب نے ایسے مشہور متواتر اور کثیر الاسناد واقعہ کو جو ان کے معیار تصدیق کے مطابق محدثین متقدمین کا نظریہ خاص معلوم ہوتا ہے کیوں قلم انداز فرمایا۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تالیف تک تو بخدیوں کی حکومت حجاز اور تصرف علی الحرمین بھی نہیں قائم ہوئی تھی جو کف لسان من عیب السلطان کا باعث ہوتا۔

رحمت عالم کی رحمت عام کا نمونہ

شبلی صاحب بیان فرماتے ہیں۔

حنین کے اسیران جنگ ابھی تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اسیران جنگ رہا کر دیے جائیں۔ یہ قبیلہ وہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ اسی قبیلہ سے تھیں رئیس قبیلہ (زہرا بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی جو عورتیں ان چھپروں میں محبوس ہیں انہیں میں تمہاری پھوپھیاں ہیں اور تمہاری خلائیں ہیں خدا کی قسم اگر سلاطین عرب نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت اور کچھ امیدیں ہوتیں اور تم سے تو در بھی زیادہ توقعات ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خاندن بنی عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کی سفارش کرتا ہوں۔ مہاجرین وانصار فوراً بول اُٹھے ہمارا بھی حصہ حاضر ہے۔ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد تھے ص397۔ جلد اول۔

رحمت کی دوسری مثال

شبلی صاحب کی قصیر القلمی کے ساتھ آپ کی سریع الرقمی معجون مرکب کا لطف طرفہ تر دکھلاتی ہے اکثر موقع پر تو آپ کی کوتاہ قلمی بہت سے واقعات قلم انداز کر دیتی ہے اور بعض مقامات پر آپ کی سریع الرقمی بہت سے قابل ذکر اور ضروری واقعات کو نظر انداز کر کے

آ گے بڑھ جاتی ہے مرقومہ بالا عبارت میں قبیلہ ہوازن (بنی سعد بن بکر) کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک اختیار فرمائے گئے تھے وہ تو آپ نے بیان کر دیئے قبائل بنو سلیم اور بنو فرازہ کے ساتھ ان سے بڑھ کر محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے جو معاملات پیش کیے گئے وہ آپ بانقل مرفوع القلم فرما گئے حالانکہ ایک حقیقت بین کی نگاہ میں ہوازن کے معاملات سے زیادہ تو بنو سلیم و بنو فرازہ کے واقعات قابل الذکر تھے اس لیے کہ ہوازن کے ساتھ جو احسانات کیے گئے تو ان کے لئے حضرت حلیمہ سعدیہ کی رعایت خاص کا ذریعہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔لیکن بنو سلیم و بنو فرازہ کے ساتھ جو عنایات و تفضلات کئے گئے وہ خالص رحم اور بلا حیلہ وسیلہ ترحم خاص تھے ہم ان واقعات کو رحمۃ العالمین کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اب قیدیوں میں صرف بنو سلیم اور بنو فرازہ رہ گئے۔ان کے نزدیک یہ عجیب بات تھی کہ حملہ آور دشمن پر (جو خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہو) ایسا لطف ورحم کیا جائے اس لیے انہوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہ کیا (یعنی مسلمانوں نے ہوازن کے قیدی تو رہا کر دیئے لیکن بنو سلیم اور بنو فرازہ کے لوگوں کو رکھ لیا)

نبی ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا۔ ہر قیدی کی دیت چھ اونٹ قرار پائے۔ پھر یہ قیمت بھی آپ نے اپنے ہی پاس سے ادا فرمائی۔اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلا دی۔ پھر سب قیدیوں کو اپنے حضور سے لباس پہنا کر رخصت کر دیا۔

؎ دو شاہد اند مرا خیبر و حنین کہ تو وہے بجود ہر انچہ بفتح بستانی

رحمۃ العالمین 231

مراجعت مدینہ

تمام امور کو باطمینان تمام فراغت فرما کر جناب رسالت مآب ﷺ مکہ معظّمہ میں تشریف لائے۔اور حج عمرہ بجا لائے اور تا ایام عمرہ مکہ میں مقیم رہے پھر حرم محترم سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اسید بن عتاب کو امارت مکہ تفویض فرمائی اور ابو موسیٰ الاشعری اور معاذ بن جبل کو قبائل عرب میں تعلیم اسلام کی غرض سے مقرر فرمایا۔ان ضروری انتظامات کے بعد آپ مکہ معظّمہ سے رخصت ہو کر اوائل ذیقعدہ یا آغاز ذی الحجہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔(روضۃ الاحباب ص464)

واقعاتِ متفرقہ سال ہشتم ہجری

(حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ووفات)

اسی سال حضرت ماریہ کے بطن سے جناب ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت مسرور ہوئے لیکن کل چھ مہینہ کے بعد یہ مسرت حسرت وملالت میں بدل گئی اور کل چھ مہینے زندہ رہ کر بچے نے انتقال کیا۔ اتفاق سے اسی دن سورج گرہن واقع ہوا قدیم دستور کے مطابق لوگوں نے اس کو حضرت ابراہیم کے سانحہ جانگزا کی علامت بتلایا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ چاند اور سورج خدا کی خاص نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے بعد آپ نے نماز کسوف جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔

حرمت خمر

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

اے ایمان والو! شراب پینا جوا کھیلنا عمل شیطان سے بھی زیادہ ناپاک ہیں (اے مسلمانو) ان سے پرہیز کرو) کا نزول بھی اسی سال ہوا۔

سرقہ (چوری) بھی حرام کی گئی اور اس شدت کی عملی مساوات کے ساتھ کہ اس کے اعلان امتناعی کے وقت خاص طور پر بیان کر دیا گیا کہ اگر خدانخواستہ میری پارہ جگر فاطمہ الزہرا (علیہا السلام) بھی اس کی مرتکب ثابت ہو تو اُس کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔

آغاز نہم ہجری

آغاز سال نہم ہجری واقعہ ایلا

تاریخ اسلام میں عموماً اس سال کا آغاز واقعہ ایلا کے قدیم اور عظیم واقعات سے کیا جاتا ہے جو بعض ازواج رسولؐ کے آداب واخلاق نسوانی کی کمی کے باعث سے خاطر رسالت کی کمال رنجیدگی کا باعث ثابت ہوتی ہیں۔ ہم پہلے ان تمام واقعات کو شبلی صاحب کی عبارت سے نقل کرتے ہیں پھر منقدانہ طریقہ سے آپ کی مصنوعات قلمی کی انکشاف حقیقت کرینگے شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زاہدانہ اور تمام ذخارف دنیاوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آئے گئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے مدۃ العمر بروقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ازواج مطہرات اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین شے عموماً زیب وزینت اور ناز ونعمت ہے اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلامی کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصا وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلامی کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت وآرام کے لیے کافی ہو سکتا ہے ان واقعتاً کا اقتضا تھا ان کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہو جاتا ازواج مطہرات بڑے بڑے گھروں کی مثلاً حضرت ام حبیبہ تھیں جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں حضرت جویریہ تھیں جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں حضرت حفصہ تھیں جن کے والد فاروق اعظم تھے، بشریت کے تقاضہ سے ان میں ہمہ تن موجود تھے اور ان کو حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ باسیہ ترانی پسندم کے حد تک تھی۔ ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آیا تھا انہوں نے ان کے سامنے پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی حضرت عائشہ کو رشک ہوا حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہمارے تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں اسے چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ط

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیبیوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہیں۔

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے۔

مغافیر کے معنی شبلی صاحب نے نہیں بتلائے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ وحفصہ کے حفظ مراتب کا خیال تھا عرب کے ایک

بدبودار پھول کا نام مغافیر ہے جس سے عموماً ہر شخص متنفر ہوتا ہے (المولف عفی عنہ)۔

فان قلت کیف جاز لعائشہ جاز لعائشہ الکذب المواطاۃ التی فیھا ایذاء رسول اللہ قلت کانت عائشہ صغیرۃ مع انھا وقعت منھا من غیر قصد الایذآء بل ماھو علی حیلۃ النساء نے الغیرۃ علی الضرات۔ تفسیر سورہ مریم

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش کرنا کیوں کر جائز تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کم سن تھیں اس کے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت ﷺ کو ایذا دینا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے بدترین اختیار کرتی ہیں۔ پس بالکل اسی طرح کی یہ بھی ایک ترکیب تھی۔

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے اول تو یہ واقعہ ایلا کے سلسلہ میں ہے جو ۹ ہجری میں واقع ہوا تھا اس وقت حضرت عائشہ سترہ برس کی ہو چکی تھیں دوسرے حضرت عائشہ کمسن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو پوری عمر کی تھیں خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت ﷺ کی شادی کے وقت ۵ برس کی تھی۔ ہمارے نزدیک مغافیر کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہیں تھی۔ تمام روایتوں سے ثابت ہے آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے کسی کی ذارسی ناگواری کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں البتہ ازواج کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں ہے کہ ازواج مطہرات معصوم تھیں۔ یا اپنے انجاح مطالب کے لیے جائز وسائل اختیار کرتی تھیں اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے کہی اور تاکید کر دی کسی سے نہ کہنا لیکن اُنہوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ (تحریم)

اور جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بعض بیبیوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر ﷺ نے کہا مجھ کو خدائے علیم خبیر نے خبر دی۔

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ نے باہم مطاہرہ کیا یعنی دونوں نے مل کر اتفاق کیا کہ دونوں ملکر زور ڈالیں اس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اُتریں۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ التحریم

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے یعنی رسول اللہ صلعم کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا و جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ صلعم کے مددگار رہیں

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا۔ وہ خاص تھے لیکن توصع نفقہ کے تقاضہ میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ تن طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی (زمانہ) میں آپ گھوڑے پر سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا آپ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار کی واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دی اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمر کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پر اثر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آ گئے ہیں جس سے اصل واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک ہمسایہ تھے اور معمول تھا کہ ایک دن بیچ دیگر باری باری سے ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں نصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں ان کے انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا انہوں نے اُلٹ کر جواب دیا میں نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو۔ بولیں تم کیا ہو رسول اللہ ؐ کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں۔

یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے دن دن بھر روٹھی رہتی ہیں میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا اٹھ کر حفصہ (حضرت عمر کی صاحبزادی اور آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کیا تو واقعی رات بھر آنحضرت ﷺ سے روٹھی رہتی ہے حفصہ نے اقرار کیا میں نے کہا تجھ کو خیال نہیں کہ رسول صلعم کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے بخدا رسول اللہ ﷺ میرا خیال کرتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے۔

پھر میں ام سلمہ ؓ کے پاس گیا اُن سے بھی یہی شکایت کی بولیں کہ عمر تم ہر معاملہ میں دخل دیتے ہو یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے ہو، میں چپ ہو گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئے میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے۔ اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے۔ انہوں نے کہا غضب ہو گیا میں نے کہا کیا غسانی آ گئے؟ بولے کہ نہیں اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج کو طلاق دیدی میں صبح کو مدینہ میں آیا آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز فجر ادا کی آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے میں حفصہ کے پاس آیا تو وہ بیٹھی رو رہی ہیں میں نے کہا میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا حفصہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی ﷺ میں آیا۔ دیکھا کہ صحابہ پیغمبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا اٹھ کر بالا خانہ کے

پاس آیا۔اور رباح دخام خاص) سے کہا کہ اطلاع کرو لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہیں دیا میں اٹھ کر پھر مسجد نبوی میں چلا آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بالا خانے کے نیچے آیا۔اور وہاں سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا رباح میرے لیے اذن مانگ۔شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہو کہ میں حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ فرمائیں تو میں حفصہ کی گردن اڑادوں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ادھرادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں ایک کونے میں (کسی جانور کی تھی)ایک کھال کونٹی پر لٹک رہی ہے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے آنحضرت ﷺ نے سبب پوچھا میں نے عرض کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا۔قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور پیغمبرؐ ہو کر آپ کی یہ حالت ہے آپ نے ارشاد فرمایا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں۔اور ہم آخرت، میں نے عرض کی کیا آپ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپ نے کہا۔نہیں میں اللہ اکبر پکارا اٹھا۔پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں۔اجازت ہو تو جا کر خبر کردوں کہ واقعہ غلط ہے۔

چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تھا۔آپ بالا خانہ سے نیچے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی اس کے بعد ازان تخییر نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾ (احزاب)

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب اور آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کردوں اور اگر خدا اور رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے اپنے نیکوکار بندوں کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا آپ بالا خانہ سے نیچے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہ پیش پیش تھیں ان کے پاس تعریف لے گئے اور ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا انہوں نے کہا میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء کے واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانہ کے واقعات میں اور ان سے ایک ظاہر میں یہ دھوکا کھایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعہ ہم زبان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں صحیح البخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل الابنتہ میں حضرت ابن عباس کی زبانی جو تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے انفرال افشائے راز آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں

حافظ ابن حجر انغرال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہیں۔

وهذا هو الاتق بمكارم احنلاقه واله وسعة صدره و كثرة صفحه وان ذلك لم يقع منه حتى تكرر موجبه منهن.

آ حضرت صلعم کے مکارم اخلاق کشادہ دلی اور کثرت عفو کو یہی مناسب تھا اور آ پ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہوگا جب تک ان (زواج) سے اس قسم کی حرکتیں متعدد، بارظہور پذیر ہوئیں ہوں۔

فتح الباری جلد ۹ ص 254۔

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرررساں سازش تھی جس کا اثر پرخطر تھا آیت مذکور یہ ہے۔

وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ﴿۴﴾

اور اگر وہ دونوں (عائشہ اور حفصہ) رسول کے برخلاف ایکا کریں تو خدا اس کا مولیٰ ہے جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگران دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو خدا جبریل اور نیک مسلمان اوران سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔ روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اسکے ذریعہ سے وہ نقطہ کی توسیع چاہتی تھیں یا اگر ماریہ قبطیہ والی روایت تسلیم کرلی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردیجائیں لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں تھیں۔ اور حضرت عائشہ اور حفصہ سے کسی قسم کی سازش ایسی کیا پرخطر ہوسکتی تھی جس کی مدافعت کے لیے ملااعلی کی اعانت کی ضرورت ہو اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی نہیں تھا۔ مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد چارسو تک بیان کی گئی ہے۔ یہ شریرالنفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے۔ کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت ﷺ کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوادیں ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ کانت تجرش بين ازواج النبى صلعم ازواج مطہرات کو برابر بھڑکایا کرتی تھی ایک دفعہ افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آ چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ پندرہ روز تک حضرت عائشہ سے کبیدہ خاطر رہے حضرت عثان افک میں شریک ہوگئے تھے آنحضرت صلعم کی سالی حمنہ جو حضرت زینب کی بہن تھیں سازش میں آ گئیں تھیں چنانچہ اس روایت کو اعلانیہ شہرت دیتی تھیں حضرت ابوبکر نے اپنے ایک قریبی عزیز مسطح کو جو شریک تہمت تھی مالی اعانت سے محروم کردیا تھا غرض اگر حضرت عائشہ کی برات پروحی نہ آتی تو ایک فتنہ عظیم برپا تھا معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج کی کشش خاطر اور کبیدگی وتنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان میں بعضوں نے اشتعال دے کر بھڑکایا ہوگا اور چونکہ مظاہرہ کی ارکان اعظم حضرت عائشہ اور حفصہ تھیں ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے

ذریعہ سے ان کے والدین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے۔لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابوبکر وعمر حضرت عائشہ وحفصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاک قدم قربان کر سکتے تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ اگر ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لیکر آ ؤں۔ آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ وحفصہ سازش بھی کرینگی اور منافقین ان سے کام لینگے تو خدا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبرائیل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی اختلاف اس میں ہے کہ وہ چیز کیا تھی؟ بہت سی روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا تھا ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو راز حفصہ نے فاش کیا تھا۔انہیں ماریہ وقبطیہ کا تھا اگرچہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہیں لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معیار اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں۔ان کا گل سر سید ہی ہے اس لیے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے۔

ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موطوۂ کنیزوں میں سے تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حفصہ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری تفسیر سورہ تحریم میں لکھتے ہیں۔

ووقع عند سعید بن منصور با اسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ ﷺ لحفصه لایقرب منه ۔ص 305

اور سعید بن منصور سے بسند صحیح جو مسروق پر منتج ہوئی ہے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ سے قسم کھائی کہ میں اپنی کنیز سے مقاربت نہ کروں گا۔

اسکے بعد حافظ موصوف نے مسند ہشم اور طبرانی سے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ سے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر میں گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماریہ کے ساتھ ہم بستر دیکھا اس پر انہوں نے حضرت صلعم پر عتاب کیا۔

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایوں میں نقل کیا ہے۔ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتیں محض افترا اور بہتان ہیں علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد 9 ص 548 میں لکھتے ہیں۔

والصحیح فی سبب نزول الایة فی قصة العسل لافی قصة ماریه المروی فی غیر الصحیین و قال نووی ولم یات قصة ماریه من طوئ الصحیح ۔

اور آیت کی شان کے باب میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے ماریہ کے قصہ میں نہیں نازل ہوئی ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے نووی نے کہا ہے کہ ماریہ کا قصہ کسی طریقہ سے صحیح نہیں ہے۔

یہ حدیث تفسیر ابن جریر۔ طبرانی۔ مسند ہشم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے ان کتابوں میں عموماً جس قسم کے رطب ویابس روایت میں مذکور ہیں اس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو لائق التفات نہیں حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے آخر راوی مسروق نے حضرت حفصہ کے پاس قسم کھالی کہ میں اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤں گا اور وہ مجھ پر حرام ہے۔ علاوہ اس کے کہ مسروق تابعی ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا تھا اس لیے یہ حدیث اصول حدیث کے رو سے منقطع ہے یعنی اسکا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک راوی عبدالملک رقاش ہیں جنکی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے۔

كثير الخطاء في الاسانيد والمستون الحديث يحدث عن حفظه۔

سندوں میں اور اصلی الفاظ حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں مرویات میں بھولتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم (کی) شان نزول میں جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے یعنی شہد کا واقعہ قطعی طریقہ ثابت ہے امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا اُنہیں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناء کے قابل ہے یہ بحث اصول روایت کی بنا پر تھی۔ روایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کروکاوش کی حاجت نہیں جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا۔ سیرۃ النبی جلد ص 390-408۔

شبلی صاحب کی قلمکاریوں کا انکشاف

واقعہ ایلار کی یہ طول وطویل تفصیل ہے جو شبلی صاحب نے اپنے طریقہ خاص سے قلمبند فرمائی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے تنقیدی نظریات حسب ذیل ہیں۔

تمہید میں جناب رسالتمآب ﷺ کی زاہدانہ معاشرت کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا گیا ہے اس سے حرف بحرف مجھے اتفاق ہے لیکن آپ کے اس زاہدانہ اور پاک وپاکیزہ معاشرت کو بدنام کرنے والی آپ کی دو ایک بیبیاں تھیں جن کی تخصیص ان آیات قرآنی میں موجود ہے۔ ورنہ یہ تعمیم تمام افراد ازواج پر شامل ہوجاتی۔

یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ ازواج نہ معصومہ نہ محفوظہ عن الخطا۔ اس لیے ان سے بشریت کے تقاضہ یا کجی فطرت کے باعث سے افعال

ناروا، اعمال ناسزا صادر ہوجائیں تو کوئی تعجب انگیز و حیرت خیز نہیں اس کی نسبت اتنی گذارش ہے کہ ان کی فطرت وطبیعت سے تو واقعی تعجب انگیز نہیں۔لیکن اس اعتبار اختصاصی سے کہ یہ حضرات اتنی مدت تک شرف ملازمت اور اعزاز مجالست ومخارطت سے مشرف ہو کر بھی اپنی اخلاقی کمزوریوں کو درست نہ فرما سکیں۔البتہ خیز بھی ہے اور تعجب انگیز بھی۔

یہ بھی درست ہے کہ حضرت جویریہ رئیس بنی المطلق کی اور حضرت صفیہ رئیس خیبر کی صاحبزادی تھیں لیکن ان رئیس زادویوں کے ساتھ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر اور حضرت حفصہ بنت حضرت عمر کو عرب کی شاہزادیوں یا رئیس زادیوں میں شامل کرنا صرف آپ کی خوش اعتقادیوں کا اضافہ ہے۔ واقعیت سے اس کو سروکار نہیں اور حضرت ابوبکر کی کوئی امتیازی معرفت نہیں کرائی گئی لیکن ابوسفیان کی رئیس قبیلہ اور حضرت عمر فاروق ہونیکی معرفت اعزازی کروائی گئی ہے۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے ایسا بینا کار محقق ابوسفیان کی امارت کفر کے گذشتہ اقتدار کو اسلام کے موجود امتیاز سے مقابل اور مساوی کرنا چاہتا ہے۔ اگر قریش ہونے کی شرفت کا خیال ہے تو باعتبار شراف نسبی کے جیسی ام حبیبہ تھیں ویسی ہی جناب ام سلمہ جناب سودہ اور جناب میمونہ اور جناب زینب رضی اللہ عنہن ۔ابوجہل کی زندگی تک ابوسفیان کی امارت کا پتا نہیں ہاں احد سے حدیبیہ تک چار برس تک کفار قریش نے ان کو اپنا امیر مقرر کیا تھا۔

افسوس ہے آپ نے اپنی کتاب میں اس سے پہلے بھی اور اس وقت بھی ان کی امارت کا حوالہ دیکر اہل اسلام کو سخت مغالطہ دینا چاہا ہے۔اور اسی مبتدا سے اپنے امیر معاویہ کی امارت کی خبر نکالنی چاہی ہے۔

اب رہا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا امتیاز قبل اسلام عرب کے تمام کارنامے ان امتیازی تفصیل و بیان سے بالکل خالی ہیں۔ ہاں قریش سب لکھتے ہیں جیسے یہ بزرگوار تھے ویسے اور تمام حضرات یہ امتیاز خاص کیسا؟ باقی رہا صدیق وفاروق اعظم ہونیکا امتیاز یہ آپ کا خاص عطیہ ہے اور اس کا آپ کو ہمیشہ اختیار ہے جس کو چاہیں بنا دیں غیر اقوام ومذاہب کے محققین اسے کیوں ماننے لگے ہوں گے تو آپ کے فاروق اعظم وہ کیوں ماننے لگے۔امتیاز واعزاز مسلمہ ہونے چاہیے اور انہیں پر اظہار مفاخرت صحیح ہوتا ہے مثلاً حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ کی شاہزادیاں ہونے میں کس کو بھی غدو وکلام نہیں نہ اہل اسلام کو اس سے انکار ہے اور نہ غیر اقوام کو بخلاف ان کے حضرت عائشہ اور حفصہ کے جب نام لیے جائینگے تو وہ صاف صاف کہہ دینگے یہ کہاں کی شاہزادیاں آئیں؟ ہم کیا جانیں صدیق اکبر کون تھے؟ اور فارق اعظم کون؟

خیر ہم اس مقام پر اس بحث کو کہ اصلی صدیق اکبر اور حقیقی فاروق اعظم زبان رسالت نے کسے کہہ کر بتلایا ہے اٹھانا نہیں چاہتے اور تھوڑی دیر کے لیے حضرت عائشہ اور حفصہؓ کو روسائے عرب کے بڑے بڑے گھروں کی صاحبزادیاں بھی تسلیم کر لیتے ہیں تو کیا فائدہ جو واقعات زیر بحث ہیں ان میں ان دونوں خواتین کی ایسی اخلاقی کمزوریاں ثابت ہوئی ہیں جن کی وجہ سے انکا شمار ادنی کے نسوانی طبقات میں کیا جائیگا۔

آپ کا یہ لکھنا کہ بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی۔اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا بھی خیال رہتا

تھا۔

اگر یہ تصریح حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ ؓ کی نسبت سے ہے تو صحیح ہے اس لیے کہ ان تمام واقعات کی مخاطب اصلی یہی ہیں۔ مگر آپ تو اس کو سخت مغالطہ دہی کے طریقہ سے تعمیم کے خاص پیرایہ میں لکھتے ہیں جسے دیکھ کر دیکھنے والے سمجھ جائیں آنحضرت ﷺ کی تمام بیبیاں جن کے نام آپ نے خاص کر اپنی مغالطہ دہی کی ضرورت سے لکھے ہیں ان عیوب میں مبتلا تھیں آپ کا تمام ازواج کو شامل کرنا تمام مسلمانوں کو الفاظ وارشاد قرآنی کے خلاف دھوکہ دینا ہے جیسا کہ بہت جلد آگے بیان ہوتا ہے۔

آپ کا یہ بیان کہ ازواج کو ہر ایک کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو شدید محبت تھی وہ ۔سایہ تر انمی پسندم۔ کے حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

رقابت کے فطرتی شائبہ محبت کے اعتبار تک توصحیح ہے لیکن عام محبت کی حقیقت کو نہیں ثابت کرتا ان میں تعمیم کا طریقہ بھی غلط ہے تخصیص چاہیے جن کو تھی ان کو تھی جن کو نہیں تھی ان کو نہیں تھی اگر آپ ﷺ کے ساتھ سب کو محبت شدید بدرجہ مساوی ہوتی تو اتنے بڑے طول وطویل داستان ناقابل بیان اور فضیہ نامرضیہ کی نوبت ہی کہاں آتی۔ شبلی صاحب غضب کی جرات کرتے ہیں کہ تمام سیرت وتاریخ تفسیر وحدیث کی مرویات کے خلاف واقعہ ایلاء میں حضرت عائشہ وحفصہ کے ساتھ حق ناحق اور ازواج کو شامل بتلا کر خواہ مخواہ کے گنہگار بنتے ہیں۔

اس کے بعد آپ اس واقعہ کو اپنی خودغرضانہ ضرورت سے اپنے خاص الفاظ میں اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں۔ لیکن ہم اسی کو تسلیم کر کے لکھتے ہیں کہ مسلمان تو مسلمان غیر اقوام ومذاہب کے سنجیدہ اور فہمیدہ اشخاص اس قصہ کو آپ ہی کے الفاظ میں حضرت عائشہ اور حفصہ کی ان عیارانہ تدبیروں اور حیلوں کی تفصیل کے ساتھ پڑھ کر۔ اگر چہ وہ سوتیا ڈاہ (رقابت) ہی کے سبب سے کیوں نہ ہو کیا تعجب کرینگے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایسے اشرف اولاد آدم رحمت عالم اور اخلاق مجسم کے گھر کی بیبیاں ایسی حیلہ سازیوں اور فرشت بازیوں میں مشاق تھیں کہ ان کو نہ جھوٹ بولنے میں کوئی تامل تھا اور نہ اپنے مقدس شوہر کے خلاف سازش کرنے میں شرم تھی اور نہ اس پر اتہام لگانے میں حجاب۔

علامہ عینی نے ان مشکلات کا حضرت عائشہ کی کمسنی کی بنا پر عذر بدتر از گناہ نکالا ہے جس کو آپ نے خود مسترد فرما دیا ہے اس پر مجھ کو اس کی نسبت لکھنے کی ضرورت نہیں مگر اتنی یاد دہانی ضرور ہے کہ عینی صاحب حضرت حفصہ کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے آپ نے عینی صاحب کا جواب مسترد فرما کر اس واقعہ پر جو روشنی ڈالنا چاہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ہمارے نزدیک مغافیر کے پھولوں کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہیں تھی تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں کر سکتے تھے مغافیر کی پھولوں میں اگر خستگی ہو وہ تعجب کی بات نہیں۔ شبلی صاحب سب کچھ صحیح کہ جناب سرور کائنات صلعم لطیف مزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں کر سکتے تھے یعنی بدبو سے متنفر خوشبو کے شائق مغافیر کے پھولوں میں کرختگی ہوتی ہے لیکن شبلی صاحب یہ سمجھ میں نہیں آتا جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے

نزدیک مغافیر کے پھولوں کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہیں کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ ہم اکیلے نہیں بلکہ خود آپ کے مدیومہ الفاظ آپ کے تمام علماء ان کی تمام کتابیں پکار رہی ہیں کہ یہ سفید جھوٹ ہے جیسا کہ آپ کے یہ خاص الفاظ بتلا رہے ہیں ملاحظہ ہوں۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔

کہیے شبلی صاحب واقعیت کیا کہتی ہے حقیقت کیا بتلا رہی ہے رسول اللہ ﷺ زینب کے یہاں سے شہد پی کر آئے تھے یا مغافیر کے پھولوں کا شربت۔ اگر صرف شہد پی کر آئے تھے جیسا کہ آپ اور آپ کے تمام علما لکھ کر بتلاتے ہیں تو آپ کی صدیقہ حضرت عائشہ نے جھوٹ بولا اور آپ بھی ان کی برأت میں صریح جھوٹ بولے اگر واقعی مغافیر کا شربت پی کر آنا ثابت ہے تو البتہ حضرت عائشہ کا قول اور آپ کی تاویل دونوں صحیح ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ مشکل آ پڑتی ہے کہ بقول آپ کے اگر مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہیں تھی صحیح ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ مشکل آ پڑتی ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی یہ ناراضی اور ناگواری اور خداوند عالم کی اعانت ومددگاری کی طول وطویل تفصیل جو قرآن مجید کے ایک خاص سورہ میں مذکور ہے بالکل بلاوجہ اور محض بے ضرورت ہو جاتی ہے۔ وان ھذا بعد الایعاد۔

۱؎ کرختگی بدبو کی تعلیل بالمعنی ہے مگر شبلی صاحب مغافیر کے اصل معنی کو کیا کریں گے جو ایک بدبودار پھول ہوتا ہے جس کو ہندوستان میں اندائن کہتے۔ المولف۔

شبلی صاحب کی ناحق کوشی اور حقیقت سے چشم پوشی۔ آخر کہاں تک مغافیر کی نسبت کو آپ نے مغالطہ دے کر جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش بھی کی لیکن ایکا کرنے اور سازش کرنے کی نسبت آپ سے بھی کچھ نہ چلی آخر چاروناچار آپ کو بھی اس جرم کا اقرار کرنا ہی پڑا آپ کے الفاظ ہیں۔

البتہ ازواج کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ کمال افسوس ہے کہ اس اعتراف میں بھی آپ نے پھر عام مغالطہ دہی سے کام لینا چاہا اور ازواج کا لفظ عام لکھ کر اس کی عمومیت سے بے جا فائدہ اٹھانا چاہا ہے آپ ابتدا ہی سے اس بحث میں بار بار عام مغالطہ دہی کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور ہم ہر ایک مقام پر آپ کے ان مغالطوں کا انکشاف کرتے آتے اور بتلاتے آتے ہیں۔ کہ اس واقعہ میں سازش تھی۔ ایکا تھا، تہمت تھی، الزام تھا اور اتہام تھا وہ صرف حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ کا چنانچہ آپ کے خاص الفاظ وعبارت سے مجھم صرف انہیں دونوں خواتین کی اصلاح ومشورہ اور حیلہ وتدابیر او پر لکھ آئے ہیں پھر آپ ایسا مجمل اور مبہم لفظ کیوں لکھتے ہیں؟ اور ایسا خلاف واقع بیان کیوں کرتے ہیں؟ جو دیگر ازواج رسول مقبول صلعم کے شمول پر بھی محمول ہو سکتا ہے۔ آپ اگر حقیقت نگار محقق اور غیر جانب دار مورخ ہیں تو تخصیص کر کے لکھتے انصاف اور اظہارت حق کے تو یہ معنی ہیں کہ مجرمین مخصوصین کے نام لکھ دیجئے کہ واقفیت عام ہو جائے مگر نہیں آپ نے اپنی کمال اور ذوجہتی کی ترکیب سے ازواج کا مجمل خاص لفظ رکھا ہے جو دو سے لیکر دو ہزار ازواج کے لیے بھی مستعمل ہو سکتا ہے۔ اور مدعا یہ ہے کہ جب تعریض کرنے والے آپ پر اعتراض کریں تو آپ صاف صاف کہہ نکل جائیں کہ

ازواج کا لفظ انہیں دونوں خواتین کی نسبت آیا ہے اور اگر کوئی اعتراض نہ کرے اور نہ پوچھے تو مطلب اول حاصل ہے دنیا سمجھے گی کہ اس جرم کی یہی دو خواتین مجرم نہیں ہیں بلکہ تمام ازواج قصور میں شامل ہیں انصاف سے فرمایئے۔مولف کے لیے یہ کیسی شرمناک تحریر ہے۔ اس کے آگے لکھا گیا ہے۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ سے کہی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا اس پر یہ آیت اتری۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ (تحریم)

جب کہ پیغمبرؐ نے اپنی بعض بی بیوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی۔

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ وحفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔اس پر حضرت عائشہ اور حفصہ کی شان میں یہ آیتیں اُتریں۔سیرۃ النبی

یہاں سے شبلی صاحب نے گویا اپنی تمہید کی تفصیل مدعا شروع کی ہے اور آپ نے اپنی قلم کاریوں سے اس واقعہ ناشنوا کا یوں سلسلہ قائم کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری کی ابتدا ازواج کے مطالبات توسیع نفقات کے معاملہ سے شروع کی ہے۔یہ آپ کا ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل آپ نے پیش نہیں کی ہے۔اگر یہ واقعہ ہے تو آپ نے اس کی تفصیل کسی روایت سے دکھلائی ہوتی کہ فلاں وقت اور فلاں مقام پر ازواج مطہرات نے انفرادیا اجمالاً اپنے اپنے نفقات کی رقمیں بڑھانے کے لیے رسول اللہ صلعم کو اس قدر تنگ کیا جو آپ کی ملالت خاطر کا باعث ہوا اور یہ آیت اتری آپ نے اپنے اس دعویٰ کی تمہید کی تائید میں نہ کوئی ایسا واقعہ پیش کیا اور نہ کوئی روایت نقل کی پھر ازواج رسول پر اتمام نہیں ہوا تو کیا؟ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ مطالبات بھی انہیں دونوں خواتین کی طرف سے ثابت ہوتے ہیں۔جیسا کہ بہت جلد آگے بیان ہوتا ہے۔

آپ کا یہ لکھنا کہ یہ دونوں (عائشہ حفصہ) نے مل کر اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں خود آپ کی گذشتہ عبارت،قرار واعتراف کے خلاف ہے۔آپ اوپر لکھ چکے ہیں کہ ان دونوں کا اتفاق بوئے مغافیر کہنے کے لیے ہوا تھا۔پھر یہاں نفقہ کے اضافہ کے لیے کیسے ہوجائیگا۔ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔شبلی صاحب اپنی قلمکاریوں کے وقت آگے پیچھے کا بھی خیال رکھا کیجئے۔

اس کے آگے آپ نے یہ آیت لکھی ہے جو حضرت عائشہ اور حفصہ کی شان میں اتری ہے۔

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝۴

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان (یعنی رسول کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد خدا کے فرشتے رسول اللہ صلعم معین و مددگار رہیں۔

اسکے بعد یوں خامہ فرسائی فرمائی گئی ہے۔

حضرت عائشہ اور حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے انکار کیا تھا وہ خاص تھے۔ خیریت ہے اور بہت ہی غنیمت ہے کہ آپ نے اپنی تیار کردہ غلط مبحث اور معجون مرکب کی اس مقام پر صفائی کر دی آپ کی توجہ تو تھی ہی نہیں بلکہ اصل واقعہ کی حقیقت تھی جو کسی سے چھپائے چھپی ہے نہ چھپے گی۔ اس مقام پر کیا اس سلسلہ کے اکثر مقامات پر ایسے ہی حقیقت اپنا کام کر گئی ہے۔ اور آپ اُسے چھپاتے ہی رہ گئے ہیں میں نے ان مجلدات میں تمام ایسے مقامات پر آپ کو بتلا دیا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ اُسے کسی طرح چھپا ہی نہیں سکتے تھے اب دیکھئے کہ آپ ہی کے اقرار اور اعتراف سے خود ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے جن معاملات میں ایکا کیا تھا وہ خاص تھے۔ اور قرآن مجید میں اسی ایکے اور سازش کا مذکورہ ہے اور اسی ارتکاب جرم میں سورہ کا سورہ عتاب انگیز خطابات میں نازل فرمایا گیا ہے تو اب آپ اور آپ کے مویدین اور تمام انصاف پسند ناظرین بتلا دیں کہ جب یہ جرم انہیں دونوں خواتین کے تھے اور یہ معاملات خاص انہیں کے تھے تو پھر دوسری ازواج مطہرات کو سمیٹنا اور ان کی خانہ داری کی خفیف شکایتوں کو بھی اسی سلسلہ میں لپیٹنا کسی دیانت دار اور غیر جانب دار محقق کا کام ہو سکتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اس اعتراف کے بعد بھی شبلی صاحب اپنی عادت خاص سے باز نہیں آتے اور اسی مغالطہ دہی کے قدیم طریقہ سے کام لیتے ہیں۔ اور حقیقتاً حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی برأت کے لیے سوائے ان حیلوں کہ آپ کے پاس نہ کوئی دوسرا ذریعہ ہے اور نہ وسیلہ، چنانچہ اس کے بعد لکھا جاتا ہے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضہ میں تمام ازواج شریک تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ۔ اس سے کیا قرآن میں تو جو وہ فرد جرم قائم ہے اور آپ کے اعتراف کے مطابق انہیں دونوں خواتین خاص کے متعلق ہے اور جو وجہ اور صورت بیان کی گئی ہے وہ آپ کے اقرار کے موافق انہیں دونوں کا ایکا ہے اور وہ ایکا بھی آپ ہی کی تحریر کے رو سے انہیں کے خاص معاملات تھے تو پھر اس تخصیص تفصیل و تشریح کے بعد توسیع نفقہ کے تقاضہ کا ذکر تعمیم جو نہ کہیں قرآن کے ان آیات میں مذکور ہے اور نہ مسطور، خواہ مخواہ بار بار بلا ضرورت سلسلہ بحث میں داخل کرنا آپ کی صریح مغالطہ دہی اور اور حضرت عائشہ و حفصہ کی کھلی کھلی جنبہ داری نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سے بڑھ کر تو قیامت کی تحریف آپ نے اس آیت کے ترجمہ میں کی ہے **صغت قلوبکما** کے معنی لکھے ہیں۔ تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں نہیں معلوم **صغت** کے یہ معنی معکوس آپ نے عربی کی کس لغت میں دیکھے ہیں **صغت** کے معنی بطور مسلمہ کج ہو جانے کے متقدمین سے لے کر متاخرین تک سب نے لکھے ہیں اور بتلائے ہیں ایک آپ ہی قرآن کے ترجمہ کرنے والے نہیں ہیں اور نہ

عربی کی اردو میں معنی بتانے والے سب کو جانے دیجئے۔ آپ کے ہمسر ترانہ وہم تو ازم خیال وہم ہوا شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب نے اس فقرہ قرآنی کا یہی ترجمہ کیا ہے ملاحظہ ہوں ان کے الفاظ۔

تم دونوں نے کج رائی اختیار کی ہے قرآن مترجم مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص598۔

اگر چہ یہ بھی لفظی ترجمہ نہیں ہوا لیکن مفہوم درست وصحیح ہے آپ نے تو ترجمہ میں صریح تحریف کی ہے لفظ کے اصلی معنی ہی بدلہ دیئے اور مطلب خداوندی ہی کو معکوس کر دیا۔ غضب کی دلیری ہے اور قیامت کی جسارت۔

تو کاری زمین رانکوساختی کہ برآسمان نیز پرواختی

لفظی ترجمہ یہ ہوا ٹیڑھے دل ہو گئے ہیں تم دونوں کے آپ اس کی جگہ بتلاتے ہیں تم دونوں کے دل مائل ہو چکے ہیں معاذ اللہ مطالب قرآنی اور مقاصد ربانی کو سیدھے معانی کو الٹا کر دیا اس انقلاب کا کہیں ٹھکانا۔ ہے۔

شبلی صاحب کا اس آیہ کے اصلی مخاطب اور ان کے عملیات کو لکھ لکھ کر مکر جانا اور اتنے اعتراف کے بعد پھر انحراف کر جانا بھی قابل تنقید ضرور ہے۔ اس لیے کہ آپ ان ترکیبوں سے ڈھکے پردے سائر ازواج کو اس کے مفہوم میں سمیٹ لیتے ہیں اور سلف صالحین سے لے کر اس وقت تک کے علماء ومحدثین کے مسلمات مطالب معانی کے خلاف ایک جداگانہ مطالب ومعانی بتلانا چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ کو اس آیہ کے معنی اور اس کے مخاطب اصلی کی تصدیق خاص حضرت عمر کی زبانی دکھلا دیتے ہیں جس کے بعد ہمیں یقین ہے کہ پھر آپ کو یا آپ کے مویدین ومعتقدین میں سے کسی فرد واحد کو اس کے غلط معنی لگانے پر آئندہ جرات نہ ہو سکے گی۔ دیکھئے امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں صحیحین کے حوالہ سے اس آیہ کی تحت میں لکھا ہے۔

اخرج البخاری ومسلم وترمذی عن ابن عباس رضی الله عنه قال لم ازل حریصا على ان سال عن عمر رضی الله عنه عن مرائعین من ازواج النبی التین قال الله تعالىٰ بهما ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما حتے حج عمر وحججت معه فلما كان بعض الطریق عدل عمر وعدلت معه بالاواوة قیمر رثم دبعت عن بدلو فتوسئآت فقلمت یا امیر المومنین من المومنات من ازواج النبی اللسان قال اله تعالىٰ لحما ان تتوباالى الله فقد صغت قلوبكما فقال وعجبالك یابن عباس هما عائشه وحفصة۔

بخاری مسلم اور ترمذی وغیرہم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں ہمیشہ اس بات کو حضرت عمر سے دریافت کرنے کی خواہش رکھتا تھا کہ ازواج رسول میں سے وہ کون دو عورتیں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم توبہ کرو تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے مگر موقع دریافت کرنے کا نہیں ملتا تھا۔ اتفاقاً ایک بار سفر حج میں میرا اور حضرت عمر کا ساتھ ہو گیا۔

واپسی کے وقت اثنائے راہ میں حضرت عمر حسب ضرورت پیچھے پھرے تو میں بھی ان کے ساتھ ظرف آب لیے ہوئے پھرا حضرت عمر رفع ضرورت کے لیے گئے اور جب آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔انہوں ں نے وضو کیا۔اس وقت میں نے پوچھا یا امیر المومنین ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ دو عورتیں کون ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توبہ کرو تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابن عباس تعجب ہے کہ تم نہیں جانتے ہو۔وہ دونوں عورتیں عائشہ و حفصہ ہیں۔

ازواج سے مہینہ بھر علیحدہ رہنے کا واقعہ تو مسلمہ ہے لیکن انہیں دنوں آپ کے ساق پا پر زخم لگنے کی روایت میری نظر سے نہیں گذری اور آپ نے حوالہ بھی نہیں دیا۔حاشیہ کی عبارت میں بھی صرف مشربہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر روشنی ڈالی گئی ہے اس لیے تاوقتیکہ اصلی اخذ کی عبارت نہ دیکھی جائے یہ معلوم ہونا دشوار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً ان دنوں زخمی ہوئے تھے یا نہیں۔

اس کے بعد شبلی صاحب حضرت عمر کی پر اثر اور دلچسپ نقل بیان کرتے ہیں جس میں ان کے ازواج کے طلاق کی خبر سن کر اضطراب التاب کی تفصیل ہے اور پھر بار بار کی التجائے بے انتہا کے بعد خدمت رسالت میں ان کی باریابی اور پھر عدم طلاق ازواج کا مژدہ سن کر موصوف کی لاانتہا مسرت۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو معافی اور بالا خانہ سے آنحضرت صلعم کی تشریف آوری قلمبند ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اس واقعہ میں حضرت عمر کے عملیات پر نظر ڈالیں ہم اس واقعہ کے ابتدائی حصہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جس سے آپ نے اصل معاملہ پر روشنی پڑنے کا یقین کیا ہے ہمیں تعجب ہوتا ہے۔کہ آپ نے اسے کیوں لکھا؟ کیونکہ یہ واقعہ آپ کے مفید مطلب نہیں ہوتا۔اس لیے کہ اس کی تفصیلات سے آپ کے اس نظریہ کی کہ ایلاء کے اسباب وقوع میں سب ازواج تھوڑی بہت شریک تھیں اور قریب قریب سب خدمت رسولؐ میں شوخی اور گستاخی سے مخاطبہ و مکالمہ کرتی تھیں پوری تردید ہوتی ہے کیونکہ ابتدائی حصہ واقعہ سے تو صرف حضرت حفصہ کی شوخ طبعی اور تیز کلامی کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ ان کے والد اپنی زوجہ سے صاحبزادی کی گستاخیوں کی خبر پا کر اس کے پاس خود جاتے ہیں اور حقیقت حال بیان فرماتے ہیں۔صاحبزادی خود اقرار کرتی ہیں۔آپ خود ان کے بیان کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر کا بیان ہے کہ میں حفصہ کے پاس آیا اور پوچھا کیا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے حفصہ نے اقرار کیا میں نے کہا تجھ کو خیال نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا خیال کرتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے۔والدین کی زبان اور خود حضرت حفصہ کے اعتراف سے خدمت رسول میں ان کی شوخیاں اور گستاخیاں ثابت ہیں اور روٹھنے منہ پھلا کر بیٹھ رہنے کی تنگ مزاجیاں ان کے ساتھ ملا لیجائیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ان تمام ناگفتہ بہ واقعات کا باعث فساد کون ہے؟ وہی حفصہ ان کے ساتھ حضرت عائشہ کی مشارکت نے سونے پر سہاگہ کا کام دے دیا۔باہمی دونوں کی مشارکت و مشاورت نے اس دائرہ فساد اور نائرہ وعنا کو وسعت دیکر صاف صاف سازش کی پرخطر صورت قائم کردی جس کی تنبیہ و تفضیل اللہ تعالیٰ نے بالآخر قرآن مجید میں فرمائی۔چونکہ سب جانتے تھے کہ سازش کی پرخطر صورت حضرت حفصہ کی تلخ مزاجی سے یہ بات بڑھی ہے اور فساد اٹھا ہے اس لیے حضرت عمر پر یہ اضطرابی حالت اور التہابی کیفیت خاص طاری تھی جیسا کہ موصوف کا بار بار خدمت رسولؐ میں

جانا اذن حاضری مانگنا غیر موزوں ہوکر مایوسانہ طریقہ سے مسجد میں واپس آنا پھر مضطرب ہوکر وہاں سے دولت سرا سے نبوت پر جانا خود ان کی زبانی نقل فرمایا۔اسی سے ہر شخص باآسانی سمجھ جائے گا کہ بخلاف اور صحابہ کرام کے صرف آپ ہی کو اس خبر طلاق ازواج کی کیوں فکر پڑی تھی اور کیوں اتنا تردد وانتشار لاحق تھا؟ اس کی وجہ وہی حضرت حفصہ کا خاص انحاص باعث فساد ہونا۔اور اس کی اہمیت کو وہ خاص طور پر خود جانتے تھے چنانچہ بقول شبلی صاحب کے وہ خود حفصہ کے منہ پر کہہ چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو تو صرف میرا خیال ہے ورنہ تجھے طلاق دے چکے ہوتے جب حضرت عمر خود اپنی زبانی صاحبزادی کی یہ ثنا خوانی میں تو اب مجھ کو یا کسی دوسرے کو اس کے متعلق زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

اب ہم حضرت عمر کے خاص عملیات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امر خاص میں جناب کا منصب تو بہت ہی نازک تھا کیونکہ ایک طرف لڑکی تھی تو ایک طرف داماد رداماد بھی کون؟ جس کی اطاعت وفرمانبرداری کا قلادہ آپ کی گردن میں تھا اگر لڑکی کی محبت زنجیر پاتھی تو داماد کی طرف سے اطیو الرسول کی ہت کڑی لگی تھی۔ایسی حالت میں جناب کو سوائے سکوت کے اور کچھ بھی نہ کرنا تھا اس موقع پر آپ کو حضرت ابوبکر کے طرز عمل کی تقلید ضروری تھی دیکھئے وہ بزرگوار باوجود یہ کہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ بھی اسی مرض میں مبتلا تھیں مگر جناب موصوف معاملہ کی نزاکت واقعہ کی رکاکت اور اپنے منصب کی خصوصیت کو سمجھ کر خوش بیٹھے رہے جیسا کہ جناب خود چشم دید فرماتے ہیں کہ مسجد میں دیگر صحابی کے ساتھ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے اور حقیقتاً اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے لیکن ان کے طرز عمل کے خلاف آپ ادھر سے ادھر دارفتہ وسرگشتہ پھر رہے تھے۔جب ورد نہیں سر میں تو دردسری کیسی۔

ہم نے عرب کے قدیم وجدید تمدن اور معاشرت کے احوال میں مردہ شریف کو زن خواتین کے خاص معاملات میں عام اس سے کہ وہ اپنی بیٹی اور داماد ہی کیوں نہ ہوں ایسی مضطربانہ مداخلت کرتے ہوئے نہ دیکھا ہے نہ پڑھا ہے اور نہ سنا ہے حضرت عمر اس بے شرمانہ مداخلت پر اتنی جرات کرلی کہ حضرت ام سلمہؓ سے بھی دریافت کرنے چلے گئے لیکن اس مشہور غیور محترمہ نے گربہ راکشتن روز اول کے زریں اصول پر اسی وقت ان سے ڈانٹ کر دیا تم ہر معاملے میں دخل دیتے دیتے اب رسول اللہ ﷺ اور ان کے ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے گئے یہ سن کر حضرت عمر خموش ہو گئے اور چلے آئے (سیرۃ النبیؐ جلد اول)

حضرت عمر کی اس بے شرمانہ اور دارفتارانہ مداخلت کے ثبوت میں ایک یہی واقعہ کافی ہے جس کو ام المومنین حضرت ام سلمہ کا پایہ اعزاز تو بہت ہی عالی ہے ایک معمولی درجہ کا شریف شخص بھی پسند کرے گا اگر آپ کی اس مداخلت بیجا میں جواز کا کچھ بھی جزو ہونا یا مناسبت وموزونیت کا کوئی پہلو ہوتا تو حضرت عمر کے ایسا آدمی ایک عورت ام سلمہ کی ڈانٹ سے نہ بھاگ جاتا ان سے نہیں تو دوسری ازواج کے پاس جاتے اور پوچھ آتے آپ کی اس موقع پر خاموشی اور گریزپائی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ جناب موصوف اپنے طرز عمل کی کمزوری کو خود سمجھ رہے تھے۔

شبلی صاحب یہاں بھی اپنی خودغرضانہ مغالطہ دہی سے نہ چوکے'' آپ نے حضرت ام سلمہ کی اس درجہ توبیخ کو ایسے الفاظ وعبارت میں بیان کیا ہے کہ نعوذ باللہ محترمہ موصوفہ کے اوپر بھی اس امر میں شرکت کا شبہ پیدا ہوجائے کیونکہ ابتدا ہی سے آپ اس واقعہ

میں کسی نہ کسی طرح تمام ازواج کو شامل کرنیکی کوشش فرما رہے ہیں اور ہم نے ان تمام مقامات پر جہاں جہاں اس مغالطہ دہی سے کام لینا چاہا ہے۔ آپ کی ان فلکاریوں کی تردید وتنقید کردی ہے اسی طرح پھر آپ کو لکھ کر بتلائے دیتے ہیں کہ تاوقتیکہ قرآن مجید سے آپ ''کما'' کی ضمیر جومخصوص دوعورتوں کی تخصیص پر شاید ہے نوٹ فرمائیں گے آپ کی یہ ترکیب نہ چلے گی اور کوئی سچا مسلمان آپ کے اس سفید جھوٹ کو نہ مانے گا۔ اس کے بعد شبلی صاحب نے آیہ تخیر لکھ کر گویا اس قضیہ نامرضیہ کو (گونامکمل ہی سہی اور غیر مفصل ختم فرمادیا ہے۔ آیہ تخییر یہ ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (احزاب)

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب وآرائش مطلوب ہے تو آ ؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر بطریق احسن رخصت کردوں اور اگر خدا اور خدا کا رسول ﷺ اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے اپنے نیکوکار بندوں کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت کو لکھ کر آپ اس واقعہ ناگفتہ بہ کو مفصلہ ذیل عبارت میں تمام کئے دیتے ہیں اس آیت کے رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں دنیا وآخرت اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آ ؤ ہم تمہیں رخصتی جوڑے دے کر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کردیں اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی زندگانی چاہتی ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے مہینہ ختم ہو چکا تھا آپ بالاخانہ سے نیچے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہ پیش پیش تھیں ان کے پاس تشریف لے گئے اور ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا اور انہوں نے کہا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیے۔ (سیرۃ النبی ﷺ جلد اول)

چلو قصہ ختم ہوا۔ مگر بات اتنی رہ جاتی ہے کہ پڑھنے والے دیکھ کر اور پڑھ کر سمجھنے لگے اور سمجھ کر پوچھنے لگے کہ سورۃ تحریم جس کا نزول ۹ ہجری میں ہوا اس کے تصفیہ اور صلح کئے جانے کی خبر اور اسکا حکم سورہ احزاب سے دکھلایا جاتا ہے جو اوائل ۷ ہجری میں نازل ہوا تھا تو گویا واقعہ سے پہلے حکم واقعہ لکھ کر رکھ لیا گیا تھا اس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ جمع قرآن کی بے ترتیبی پیش کی جائے لیکن یہ ترکیب ایک نہ شد دوشد کی صورت میں حضرت جامعین قرآن پر عموماً اور حضرت عثمان پر خصوصاً سخت الزام لائے گی اور عیسائی معترضین کو ایک دوسرا پہلو اعتراض کا بتلائے گی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ شبلی صاحب کی ایجاد یا خاص طبعزاد نہیں بلکہ بہت قدیم ترکیب سے جو بڑے غور وخوض کے بعد بڑے بڑے بیتا کار عاقبت بین اور مال اندیش محدثین نے حضرت حفصہ وعائشہ کی تعذیب کو تخیر کے درجہ وتعدیل تک اتار لانے کی غرض خاص سے عمل میں لائی گئی ہے۔ اور حقیقتاً یہ ترکیب وترتیب علی صورت بین نہ لائی گئی اور احزاب کی آیت تحریم کی آیت نہ ٹھہرائی جاتی تو ان دونوں

خواتین کی بدنامی ختم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس ضرورت و مجبوری سے آپ کے محدثین نے یہ ترکیب نکالی۔
سوادِ اعظم اہلسنت کے محدثین تو اس بے جوڑ قافیائے نظم کے استدلال کے موافق اس آیت کو حضرت عائشہ اور حفصہ کی حمایت ومدافعت الزام میں سپر بناتے ہیں لیکن جب ان کے سوا اسلام کے دوسرے فرقوں کی کتابوں میں اس آیت کی شان نزول اور حقیقت حال تلاش کی جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ اس آیہ تخییر کا نزول اس واقعہ سے تقریباً دو برس پہلے ہو چکا ہے جس کی واقعیت اور کیفیت اس آیۃ روانی بدایہ کی سیاق عبارت سے بالکل مطابق پائی جاتی ہے چنانچہ حیاب القلوب جلد دوم میں ہے۔

علی ابن ابرایم روایت کردہ امت کہ چون حضرت رسول جهنگ خیبر مراجعت نمودو گنج ابی تحقق بدست آنحضرت مدہ بود زمان آنحضرت صلعم کہ آنچہ یافتی ازین غنیمت بمابدہ ۔ فرمود کہ قسمت کردم همه را درمیان مسلمان چنانچہ حقیعالی مرکدہ بود پس زنان بغضب آمدو گفتدنہ شاید تو گمان می بری کہ اگر مار اطلا ق بگوئی رما کفوخود رازقوم خویش بخوانیم یافت کہ ماراترویض نمائند پس حقعقتا لے غیر نمود برای پیغمبر خودوامر نمود آنحضرتﷺ را کہ از ایشان کنا رہ کند دور غرفه ماورابراهیم ساکن شود پس حضرت از ایشان اعتزال نموددرغرفه مادر ابراهیم کہ ورنزدیك مسجد قبا واقع است ساکن شد تازمان خائض شد مذیعنی یك ماہ پس حقتعالی یاپن آیه تخیری فرستاد یاایها النبی قل الازواجك الخ پس چون انجناب این آیه را کواند اول مرتبہ ام سلمه برخاست و گفت من اختیار کردم خدا اور رسول وآخرت رابر دنیا پس بعد ازوهمه برخاستند ددست در گردن حضرت آور وند وهمه آنچہ ام سلمهؓ گفته بود گتند پس حقیقتاً تعالی حکم فرستا وترجی امن تشا منهن وتودی الدك م تشاء معنے دومیگر وانی واطلاق میگوئی هر کسے را کہ میخوای ازایشان وپناہ میدی برنکاح میگدرمی هر کرا کہ سیخوای پاس حقیقالیٰ خطاب کرزانا آنحضرت مبیینة یضاعف لها لعذاب منعفین وکان ذلك علی الله یسیر ومن یقنت مئکن لله و رسوله وتعمل صالحاً نوء تها اجرها مرتین واعتدنها رزقاً کیماً یعنی

اے زنان پیغمبر هر که ازشماایتان کند بگناه دبار برا ورسوائی دوجند ان می شود عذاب اووا ین طور عذاب کردن برخدا تعالی بسیا سهل است وهرکه قانت ومطلع گرودازشما براے خدا ورسول وعمل شائسته بکند عطا مسکتم مزدااور اباومهیا سکیم براسے اورزی نیکو ص ۵۸۸۔

علی ابن ابراہیم سے مروی ہے کہ جب حضرت رسولخدؐصلعم جنگ خیبر سے واپس ہوئے اورابی الحقیق رئیس خیبر کی دولت آپ کو دستیاب ہوئی تو آپ کی ازواج نے آپ سے عرض کی کہ اس مال غنیمت سے کچھ ہمیں بھی دیا جائے۔آپ نے ارشادفرمایا کہ جو کچھ ملا تھا وہ حکم خدا کے موافق میں نے تمام مسلمانوں پر تقسیم کردیا اس پر آپ کی ازواج کو بہت ملال ہوا ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ شاید آپکا یہ گمان ہے کہ اگر آپ طلاق دینگے تو ہمارے قبیلہ میں سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرنے کے لیے ہمیں نہیں ملے گا۔ان کا یہ کلام شان رسالت کی غیرت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو بہت ناگوار ہوا اور جناب رسول خداصلعم کو حکم ہوا کہ ازواج سے کنارہ کشی کیجائے اورغرفہ میں سکونت اختیار فرمائی جائے اس حکم کے موافق آنحضرتؐ نے غرفہ ابراہیم میں جو مسجد قبال کے نزدیک واقع تھا سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ازواج کو ضرورت نسائیہ لاحق ہوگئی یعنی ایک ماہ کامل مدت تمام ہوگئی تو آیت تخییر نازل ہوگئی۔یعنی کہہ دو اے پیغمبر اپنی بی بیوں سے کہ اگر تم کو دنیا وعیش دنیا مطلوب ہے یا آخرت۔جب آنحضرتؐ نے یہ آیہ تلاوت فرمایا تو سب سے پہلے حضرت ام سلمہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی کہ میں نے خدا اور رسولؐ کو دنیا پر ترجیح دیکر اختیار کیا اس کے بعد پھر تمام ازواج نے اسی بات کا اعادہ کیا جو ام سلمہ فرما چکی تھیں پھر خدا نے یہ حکم بھیجا کہ اے رسول تمہیں اختیار ہے ان میں سے جسے چاہو نکاح میں باقی رکھ کر اپنی پناہ ومحافظت میں باقی رکھوا سکے بعد ازواج کو خاص طور پر یوں خطاب تاکیدی فرمایا گیا۔(یادرکھو) اے ازواج رسول اگر تم میں سے کوئی عورت گناہ فاحش کی مرتکب ہوگی تو اس کو آخرت میں دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ عذاب دینا خدا کے لیے بالکل سہل وآسان ہے اور تم میں جو خدا اور رسول کی مطیع رہے گی اور نیک اعمال بجالائیگی ہم اس کو دوگنا اجر عطا فرمائینگے اور اس کے لئے نیک روزی بھی مہیا کرینگے۔

ہم نے اس روایت کو شیعہ کتاب سے لکھا ہے لیکن تفاسیر اہلسنت کے مرقومات سے ملا کر محدثین اہلسنت نے اپنی مرقومہ بالا خود غرضی سے اس کی شان نزول کو واقعہ تحریم کے متعلق بتلایا ہے شبلی صاحب نے تقلیداً انہیں کے نظریہ کو نقل فرمایا ہے حالانکہ واقعت اور موقع نزول دونوں اعتبار سے بالکل خلاف ہے واقعیت سے اس طرح خلاف ہے کہ سورۃ تحریم میں آنحضرتؐ کی نسبت کسی شے کے حرام کرلینے کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے ازواج کی خاطر حرام کرلی تھی یا حرام کرلینی منظور فرمائی تھی اس آیہ تخیر میں حرمت وحلت شے کا کوئی ذکر ہی نہیں صاف صاف توسعیہ آزوقہ اوراضافہ نفقہ کی طرف اشارہ خاص ثابت ہے جو کسی انصاف پسند محقق کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔وقت نزول کے اعتبار سے یوں خلاف ہے کہ آیہ تحریم ۹ھ کے اوائل میں نازل ہوا ہے اور آیہ تخییر باالاتفاق جمعہ غزوہ بنی المصطلق کے بعد اور واقعہ افک کے قریب ۷ ہجری میں نازل ہوا ہے۔ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا۔

شبلی صاحب بھی اس واقعہ کو جانتے ہیں چنانچہ اپنی عبارت حاشیہ صفحہ ۴۰۱ میں ڈھکے چھپے یوں تحریر فرماتے بالا خاکے لیے

احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہی مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے۔اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالا خانہ تھا لیکن یہ قطعی غلط ہے مشربہ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا۔

روایت مذکورہ بالا میں غرفہ ام ابراہیم کا مسجد قبا کے نزدیک جو مدینہ کے بالائی حصہ میں واقع ہونا صاف صاف لکھا ہے مگر شبلی صاحب ایسے کیا ہیں جو اس شربہ یا غرفہ میں آپ کی عزلت گرینی کے حالات لکھ کر اپنے اسلاف کی قلمکاریوں کی قلعی کھولیں۔عاقلان کیلئے اشارہ کافی ہے۔ایک سمجھدار شخص آپ ہی کی تحریر سے اتنا تو ضرور سمجھ جائیگا کہ اس عرفہ (ام ابراہیم) پر بھی آپ کی عزلت گرینی کا ایک زمانہ اور موقع گذر چکا ہے۔اب انصاف پسند ناظرین اور حقیقت امر کے محققین روایت مذکورہ کی مطابقت اور ان کی مناسبت کو شبلی صاحب کی اس مبہم اشارت سے یکجا ومقابل کر کے خود سمجھ لیں کہ حقیقت اور واقعیت کیا ہے اور دنیا کے خودغرضوں نے کہاں کا جوڑ کہاں ملایا ہے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اسی سورۃ تحریم میں ان دونوں ازواج رسول ؐ کو ان تتوبا الی اللہ کی تاکید کے بعد دوبارہ ان غیرت انگیز الفاظ کو بطور تہدید یاد دلایا جاتا ہے۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۝

پیغمبر اگر تم (عورتوں) کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ انکا پروردگار ان کے لیے تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیبیاں بہم پہنچا دے،فرمانبردار ایماندار (خدا کی جناب میں) توبہ کرنے والیاں،عبادت گزار، روزہ دار بیوائیں اور کنواریاں ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد ص598۔

لیکن شبلی صاحب نے اس خطاب قرآنی کو نہیں لکھا۔حالانکہ اس کے اوپر والے حصہ کو لکھا ہے لیکن یہ آخر کے تمام فقرات چھوڑ دیے۔معاذ اللہ نقل کلام الٰہی میں یہ قطع وبرید شبلی صاحب ہی جرات کر سکتے ہیں۔

اصل سورہ تحریم آیہ مذکورہ میں حکم تخییر کی جگہ یہ خطابات تہدید وتنبیہ تو البتہ مذکور ہیں جو آپ نے بالکل قلم انداز فرما دیئے اس لیے کہ بات جہاں تک چھپی رہے بہتر ہے۔اس جگہ پر آپ نے بڑی دلیری وجسارت سے لکھدیا کہ آپ بالا خانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی کہ کس قدر واقعیت سے رور ہے اور لغویت سے قریب اگر یوں لکھے ہوتے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ احزاب کی نازل شدہ آیت تخییر تلاوت فرما کر ان کو گذشتہ واقعہ یاد دلا یا تو خیر کچھ معنی نکلتے اور کچھ بات بنتی لیکن آپ نے تو حقیقت سے علیحدہ ہو کر ایسی بات بگاڑ دی کہ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔

اس کے بعد شبلی صاحب نے وہی ابتدائی قصہ ایلا جس کا ذکر عبارت مذکورہ میں ہو چکا ہے نقل کر کے قدیم وجدید واقعات کا جوڑ ملا دیا ہے۔اور مسلمانوں کی عام مغالطہ دہی کی غرض سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس طرح اس بار ایلا کا قصہ طے ہو چکا ویسا ہی اس بار بھی۔لیکن حق

پوشی اور ناحق کوشی میں اطمینان کہاں اور سکون واستقرار کب ہوتا ہے اس لیے اس قصہ کو تمام کرنے کے بعد بھی آپ کی تشفی خاطر نہیں ہوئی۔ اور کیسے ہوسکتی ہے؟ استدلال غلط وعادی واقعیت کے خلاف سلسلہ بیان بالکل نامربوط طریقہ استنادو مجہول اور غیر مضبوط اس بنا پر پھر بار دیگر قوت استدلالیہ اور زور استنادیہ فراہم کرنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اس کے لیے حرکت مذبوحی عمل میں لائی گئی لیکن جوں جوں آپ اس کی تفصیل وتصریح کو بڑھاتے گئے۔ راہ استدلال میں ٹھوکریں کھاتے گئے تفصیل آگے آتی ہے۔

اس کے بعد پھر یوں سلسلہ تفصیل اٹھایا گیا ہے۔

ایلا تخییر مظاہرہ حفصہ وعائشہ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات میں اوروں سے ہر ایک ظاہر میں یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعات ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

آپ کی اس تحریر کے خلاف واقعیت اور حقیقت دونوں ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات ضرور مختلف زمانوں میں واقع ہوئے جیسا کہ ہم روایت مذکورہ بالا سے اوپر حقیقت حال لکھ چکے۔ اگر آپ اس کو خاص شیعوں کی مرویات ہونے کے باعث سے انکار کرتے ہیں تو ہم آپ کو تفسیر کشاف تفسیر زمخشری، درمنثور، سیوطی اور تفسیر ثعلبی کا حوالہ دیتے ہیں آپ اپنی ان مشہور ومعروف اور معتبر ومستند تفسیروں میں آیہ تخییر مذکورہ کو سورہ احزاب واقعہ ایلاء کی تفصیل میں مع شان نزول کے ملاحظہ فرمائیں۔

اس بنا پر ظاہرین کیا حقیقت میں ناظرین کو دھوکا کیا۔ اس بات کا اعتقاد ویقین ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ حضرت عائشہ اور حفصہ کی تنگ گیریوں سے ہمیشہ دل تنگ رہتے تھے۔ آپ جس کو واقعہ بتلاتے ہیں وہ بالکل مغالطہ ہے اس کو واقعہ سے واسطہ۔ یہ تینوں نہیں، دونوں واقعے مختلف زمانوں کے ہیں اور ازواج کی تنگ طلبی کی وجہ سے ناگواری رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔

واقعہ ایلا اول میں بعد فتح خیبر ۷ ھ کے اوائل میں واقع ہوا۔ ورہ سرا واقعہ ۸ ہجری میں ظہور پذیر ہوا۔ قریب قریب دو برسوں کی تفاوت دونوں واقعات کے درمیان واقع ہوئی۔

اس کے بعد آپ وہی بخاری کی قدیم آڑ پکڑتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی بیان کردہ حدیث میں ان واقعات کے ہمزمان ہونے کا ثبوت بتلاتے ہیں لیکن اصل روایت تو نہیں لکھتے۔ یہ حوالہ کس کام کا، ایک یہ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا سن اس وقت میں ہوگا مشکل سے ایک سال کا۔ پھر ضروری ہے کہ انہوں نے کسی اور کی زبان سے اس طولانی حدیث کو سنا ہوگا لیکن اسے ام نہیں بتلایا تو پھر یہ حدیث مراسل کے ذیل میں آئی نص مرفوع کی فہرست سے خارج ہوگئی۔ تو پھر اسی مقدار ومجروح روایت سے استنادا احتجاج کیا جائز ہے آپ اصول حدیث کو ہر موقع پر پیش کرتے ہیں لیکن اپنے مطلب کے وقت پردے بھول جاتے ہیں مگر آپ کیا کیجئے صحیح بخاری تو مراسیل روایات کا خزانہ عامرہ ہے۔

اس کے بعد آپ ابن حجر کی عبارت فتح الباری سے نقل کرتے ہیں۔

هذا هو الائق بكارم اخلاقه صنعم وسته صدره واكثر وصفهه وان ذلك لم لقع منه حتى تكور موجب۔ منهير۔ فتح البارى جلد ١۔ ص ٢٥٤۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق کشادہ دلی اور کثرت عفو کے بھی مناسب سے اپنے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہوگا جب تک کہ ان سے اس قسم کی حرکتیں دیا شہ پذیر ہوئیں۔

ہم نہیں سمجھے کہ اس ثبوت کے نقل فرمانے کے وقت شبلی صاحب کہاں تھے اور ان کا خیال کدھر تھا۔ ابن حجر تو صاف لکھ رہے ہیں کہ آنحضرت نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ جبتک کہ ان سے متعدد ایسی حرکتیں سرزد ہوتے ہوئے ملاحظہ ہونگی تو اس متعدد سے کوئی شخص بتلادے کہ مختلف زمانوں کا مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے یا ایک زمانہ وقت کا۔ نہ معلوم کہ ایسے مخالف ثبوت کے پیش کرنے میں آپ کی کون سی مصلحت پوشیدہ۔

اصل واقعہ وہی ہے جو اوپر لکھا جاچکا ہے کہ حقیقتاً واقعہ ایلا دو مرتبہ واقع ہوا جب کہ قرآن مجید کے دو جدگانہ مقامات کی آیات سے مستفاد ہوتا ہے اول اوائل 7 ہجری میں غروہ خیبر کے بعد دوسرا 9 ہجری کے اوائل میں معاملات طائف اور ادائے حج وعمرہ کے بعد اور ان دونوں میں دو برس کی تفاوت واقع ہوئی پہلے واقعہ ایلا کا سبب ازواج کا توسیع نفقہ سچا تھا دوسرے واقعہ کا باعث حضرت حفصہ وعائشہ کا افشائے راز اور باہم مظاہرہ اور ایکا تھا جو پہلے واقعہ کا ذکر سورہ احزاب میں ہے اور اس میں آیت تخییر نازل ہوئی پچھلے واقعے کا ذکر سورہ تحریم کے پورے سورے میں ہے اور اس میں آیت تعذیب وتنبیہ نازل ہوئی۔

اس کے بعد تحریر ہوتا ہے۔

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پر خطر تھا آیت مذکور یہ ہے۔

وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴ ۔

اور اگر دونوں (حضرت عائشہؓ وحفصہؓ) رسولؐ کے برخلاف ایکا کریں گی تو خدا اسکا مولیٰ ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہیں روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں یا اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائیں لیکن یہ کیا ایسی اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پر خطر ہوسکتی ہے جس کی مدافعت کے لیے ملا اعلی کی اعانت کی ضرورت ہو۔

سب سے پہلے ہم شبلی صاحب کو الفاظ قرآنی کے ترجمہ میں ایک غلط مفہوم بتلانے کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ

اس آیت کے ترجمہ میں ۔صالح المومنین کا ترجمہ نیک مسلمان (بصیغہ جمع) کرتے آئے ہیں یہ صریح غلط ہے ایک نیک مومن یا مومنین میں ایک نیک مرد (بصیغہ واحد) صحیح ہوتا صالح کو جمع کے صیغہ میں سمجھنا آپ کی خوش فہمی ہے اب رہا اس کا مفہوم خاص کہ وہ ایک نیک مومن کون ہے تو وہ نیک ہستی برگزیدہ وجود مفصلہ ذیل اسناد میں ملاحظہ ہو۔

امام سیوطی (درمنثور) اپنی تفسیر میں امام ثعلبی اپنی تفسیر میں امام ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں اور ملا علی متقی (شارح مشکوۃ) کنز العمال میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلعم یقول وصالح المومنون علی ابن ابی طالب۔

اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ صالح المومنون سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابونعیم اپنی کتاب مانزل من القرآن فی علی میں تحریر کرتے ہیں۔

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وصالح المومنین قال ھو علی ابن ابی طالب۔ شیخ الاسلام قسطنطنیہ مولانا سلیمان البلمی القندوزی۔ ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں۔

ابن عباس سے صالح المومنین کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔

اخرجوا ابن المغاذلی والحموینی وابونعیم الحافظ و المالکی فی فصول العمہ اخرجوفی کبتھم ھذا الحدیث ابونعیم الحافظ والثعلبی اخرجو البسیدھما عن سماء بنت عمیس قالت انزل قولہ تعالیٰ فان تظاھر اعلیہ فان اللہ ھو مولیہ وجبریل وصالح المومئنین والمئلکۃ بعد ذلک ظھیر قال النبی صلعم لعلی لاابشرک انک قرنت بجبریل ثم قرء ھذا الایۃ فقال سنت والمومنون من اھل بیتک صالحین۔

ابن مغازلی حموینی حافظ ابوالنعیم مالکی نے فصول المہمہ میں اور ابونعیم اور ثعلبی نے اپنے سندوں کے ساتھ اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیہ نازل ہوئی کہ اگر وہ دونوں عورتیں ایکا کرلیں گی تو خدا اسکا ناصر ہے اور جبریل اور نیکوکار بندہ اور ان کے بعد ملائکہ اس کے مددگار ہیں تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ بشارت ہو تم کو کہ تم جبریل سے بالکل قریب ہوگئے پھر آپ نے یہ آیۃ تلاوت فرمائی اور ان سے ارشاد کیا کہ تم اور تمہارے گھر والوں میں مومنین صالحین میں داخل ہیں۔ ینابیع المودۃ ص 67۔صاحب ارجح المطالب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن مردویہ اور امام ابن عسا کر نے بھی لکھا ہے اور فخر الدین رازی نے بھی کتاب اربعین میں اس کو نقل کیا ہے

شبلی صاحب کی اتنی نظر کہاں جوان مرویات کو دیکھیں اتنی توفیق کہاں کہ ان کو لکھیں اور ان کے اصلی مفہوم پر روشنی ڈالیں کیوں؟ وہ علیؑ کی مدح ان کی روشن طبع سے تو جہاں تک ممکن ہوگا۔ اس کو اور تاریکی میں ڈالنے کی فکر کریں گے۔

اب ہم شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کی اصل تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شبلی صاحب آپکا لکھنا کہ مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے یہ بظاہر کیا؟ کیا آپ کی عربی دانی اس کے کوئی اور مطالب و معانی بھی بتلاسکتی ہے۔ جسے آپ مخفی رکھتے ہیں۔ اگر کوئی اور معانی ہو سکتے ہیں۔ تو بسم اللہ۔ ارشاد ہوں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

کوئی بہت بڑی ضرر رسان سازش تھی جس کا اثر بہت پُر خطر تھا۔

بالکل صحیح اور فی الواقع ہے بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی اور اس کا اثر بھی نہایت ہی پر خطر تھا جیسا کہ جلد تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

روایتوں سے جو مظاہرہ کا سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں۔

جیسا کہ تمہید میں عرض کر چکا ہوں آپ کی تمام قلمی قلعہ بندیوں میں گویا اب سنگاف نمایاں ہوئی۔ اور آپ کی مبتدا کی اب خبر معلوم ہوئی آپ اسی غزوہ خیبر کے بعد والے ایلا اول کے واقعہ کو اپنی تمام مغالطہ دہی کی سپر بناتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو غلط بتاتے ہیں کہ اضافہ نفقہ کا معاملہ تھا لیکن خدا بتلاتا ہے کہ رسول اللہ کو تنگ کر کے کسی حلال شے کو حرام کرنے کے لیے مجبور کر دینے پر ان کا ایکا تھا اور کھلی کھلی سازش تھی اس بنا پر یہ بظاہر بہت ضرر رسان بھی تھا اور پر خطر بھی جیسا کہ آیت مذکورہ کے نقل کرنے کے بعد آپ خود اقرار اعتراف فرما چکے ہیں۔ اب فرمایئے آپ کی تفصیل و تعدیل صحیح مانی جائے یا خدا کی بتلائی ہوئی ترجیح و اہمیت تسلیم کی جائے۔

آپ کا یہ لکھنا کہ اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو خدا اور جبریلؑ اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اس پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہیں۔

اس عبارت میں اور مفہوم تو الفاظ قرآنی اور ان کے معانی سے مطابق ہیں لیکن اس پر بس نہیں۔ یہ فقرہ آپ کا سخت تعریضی ہے اور یہ بھی سمجھ رکھیے۔ آپ کی یہ تعریض قرآن مجید اور کلام الٰہی پر ہے۔ دیکھئے حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کی جنبہ داری آپ کو کہاں سے کہاں لے گئی۔ آپ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان قران مجید پر ایسی گستاخانہ تعریض کی جرأت نہیں کرسکتا۔

شبلی صاحب حقیقتاً شان رسالت ہی کو نہیں سمجھے ہم عرض کرتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت آپ کوئی شخص بھی اس ایکے اور مظاہرہ کی ضرر رسانی اور پر خطری کو ان کے حقیقی جذبات و محسوسات کے ساتھ نہیں بتلاسکتا اور نہ اس کے سمجھانے اور بتلانے سے آپ سمجھ سکتے ہیں آپ اس کی پرضری اور پرخطری کو جناب رسالت مآب ﷺ کے قلب مبارک سے پوچھیں۔ یا جناب باری عز اسمہ کی درگارہ سے مسئلت فرمائیں کہ اس نے اپنے الفاظ میں اس کو کیوں اتنی اہمیت دی ہے اور اگر ان دونوں مقامات علیا پر آپ کی رسائی نہ ہو سکے تو پھر اپنے دل میں۔ دل راشکستی نہ کہ گو ہر شکستی کے مسلمہ پر غور فرمائیں تو آپ کو اس کی حقیقت معلوم ہوجائیگی۔

پھر آپکا تحریر فرمانا کہ اگر ماریہ قبطیہ والی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں گویا حضرت ماریہ قبطیہ سے مفارقت کو بھی آپ ایک محض معمولی اور آسان معاملہ قرار دیتے ہیں آپ کی خود غرضی اور حضرت عائشہ وحفصہؓ کے ساتھ خوش عقیدگی نے آپ کے دل میں اتنی بیدردی اور بے اثری پیدا کر دی ہے کہ آپ دوسروں کے جذبات کو مشکل سے محسوس کر سکتے ہیں۔ اور باوجود اسکے کہ محقق بھی ہیں اور مورخ بھی، محدث بھی ہیں، مفسر بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت نہ آپ کسی کے حال کو تاریخ کے واقعات سے مقابل کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کے واقعات احادیث کی مرویات ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں۔ دیکھئے جس محترمہ کی مفارقت کو آپ اپنے گھر کی کنیزوں کی مفارقت کے اصول معمول کے مطابق محض آسان اور معمولی سمجھتے ہیں۔ اسی خاتون معظّمہ کی نسبت آپ خود لکھ چکے ہیں۔

ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے۔ جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی ارباب سیرۃ ماریہ قبطیہ کو لونڈی لکھتے ہیں۔ لیکن نجاشی نے لفظ انکی نسبت لکھا ہے یعنی مصریوں میں ان کی بڑی عزت ہے یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کئے۔ جا سکتے۔ حاشیہ ص 346۔ سیرۃ النبی جلد اول۔

اب دیکھئے کہ اس موقع پر آپ اسی معززہ کی عظمت ووقار کو پھر وہی لفظ کنیز لکھ کر اور اس کی مفارقت کو ایک معمولی کنیز کے برابر سہل اور بالکل آسان بتلا کر یوں خاک میں ملاتے ہیں۔ یہ آپ کا تغیر اور تلون کس قدر شرمناک ہے۔

اب رہا حضرت ماریہ کی مفارقت کا معاملہ، نہیں معلوم شبلی صاحب کس دھن میں آنکھیں بند کئے لکھے چلے جاتے ہیں، لکھنے کو تو آپ تاریخ وسیر کے واقعات لکھتے ہیں۔ لیکن خود غرضی کی ایسی محویت طاری ہے کہ ان واقعات کے گردوپیش کے حالات پر نظر ہے اور نہ ان کے موجودہ قرائن اور نہ اسباب پر توجہ ہے اس وقت کے حالات کو پڑھیے۔ دیکھئے ان کے قرائن پر نظر ڈالیے۔ مناسب عمل کو سمجھیئے انہیں امور کے ساتھ رحمت عالم اور خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور اشفاق رحیمانہ کو پیش نظر رکھیے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضرت ماریہ سے مفارقت گو طلاق دائمی کی صورت میں نہ ہو۔ صرف ان کی نزدیکی سے عارضی طور پر چند روز علیحدہ رہنے کا وعدہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ واقعات ثابت کر رہے ہیں اور ماریہ کے خاص حالات بتلا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سخت گراں تھا۔ اور آپ کے اخلاق کریمانہ سے بالکل بعید ہے اس لیے کہ یہ وہ محترمہ تھیں کہ اپنے ملک وقوم سے دور عزیز واقارب سے علیحدہ، دیار غیار میں بالکل بیکس وبے مددگار تھیں۔

کیا شبلی صاحب نے اخلاق رسولؐ کا یہی اندازہ کیا ہے اور اس کو اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ ایک شکستہ پا صنف نازک کے فرد خاص کو جو آپ کی خدمت وملازمت کا شرف خاص ایک معتدبہ زمانے تک حاصل کر چکی ہو اور موجودہ ازواج مطہرات کے دائرہ میں وہی خاتون تنہا ایسی خوش نصیب ثابت ہوتی ہو جو نعمت اولاد سے خاص طور پر فائز فرمائی گئی ہو۔ اس کے ساتھ وہ خلق مجسم سراپا رحمت عالم ایسی بے دردی، سرد مہری اور ناتوجہی دکھلائے خصوصاً ایسے وقت میں جب اس کا چھ مہینہ کا بچہ۔ جس کی نسبت آپ خود لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس بچہ سے بہت محبت تھی۔ اور جس کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا تاریخ کی کتابوں میں ایسے حزن وملال کی خاص حالت میں اس محترمہ سے کنارہ کشی گو وہ مجبوری ہی سے ہو یا اور محض عارضی ہی طور پر ہو کس قدر شاق ایذادہ اور تکلیف رساں محسوس ہوئی ہوگی۔ لیکن شبلی

صاحب ہیں جن کو نہ ان جذبات کا احساس ہے اور نہ ان تعلقات کا لحاظ و پاس نہ اس موقع پر آپ کی نظر جناب ماریہ کے اس عالم مصیبت پر ہے اور نہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ سیرت اور حکیمانہ فطرت پر۔ آپ اس معظمہ کی مفارقت کو ایک گھر کی لونڈی کے نکال دینے کو ایسا محض معمولی اور آسان سمجھے ہیں۔ اور سمجھاتے ہیں یہیں تک آپ شان رسولؐ اور منزلت سے ازواج رسولؐ کو سمجھے ہیں۔ ایک بار تو اس محترمہ اور اس کے نومولود بچہ کو عظمت و توقیر کے عرش الکمال تک پہنچایا۔ دوسری بار اس کے اقتدار و اعتبار کو گھٹا کر پھر وہی لونڈی کی لونڈی بتلایا شبلی صاحب ابھی محردم شناسی کا سلیقہ پیدا کریں۔ اور شان رسولؐ کی معرفت کا طریقہ۔

شبلی صاحب وہ نجاشی نہیں تھا۔ مقوقس عزیز مصر تھا۔ ذرا دیکھ کر لکھیں۔

وہ اپنے اس طرز تحریر کو اس واقعہ مفارقت حضرت ماریہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل سے مقابل کریں تو فرق مابہ الا امتیاز معلوم ہوجائیگا۔ آپ کس بے رخی سے لکھتے ہیں تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائیں یعنی انہیں طلاق دے دی جائے لیکن زبان رسالت ہے کہ نہ جدائی کا اقرار کرتی ہے اور نہ مفارقت کا اظہار وہ جو کچھ کہتی ہے وہ یہ ہے جسے آپ خود ابن حجر کی شرح صحیح بخاری سے لکھتے ہیں۔

حلف رسول اللہ صلعم حفصه لا یقرب امته

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفصہؓ سے قسم کھائی کہ ہم اپنے کنیز سے مقاربت نہ کرینگے۔

شبلی صاحب کیا ترک مقاربت طلاق و مفارقت دائی کو کہتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک طلاق ہی کو کہتے ہیں تو ایلا اول اور ثانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام ازواج سے ترک صحبت کرنا جس کو آپ خود لکھ چکے ہیں کیا کہلائے گا۔ کیا ایک مہینہ تک آپ تمام ازواج کو پیغمبرؐ کی مطلقہ نہ سمجھیں گے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اب اس کے بعد شبلی صاحب اپنے استدلال کا پہلو بدلتے ہیں۔ ایک نہیں ہزار پہلو بدلہ ناحق کی جنبہ داری آپ کو کسی پہلو نہ سیدھا کھڑا ہونے دیگی۔ اور نہ دم بھر چین سے بیٹھنے دیگی تحریر فرمایا جاتا ہے۔

اس بنا پر لوگوں نے قیاس کیا کہ مظاہرہ کوئی معمولی نہیں تھا۔ مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کفر موجود تھا جن کی تعداد چارسو تک بیان کی گئی ہے۔ یہ شیر یرالنفس تاک میں رہتے تھے۔ کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوادیں ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے وا کتن تجرش بین ازواج النبی صلعم وہ ازواج رسول کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ روز تک حضرت عائشہ سے بعید خاطر رہے حضرت حسان بھی افک میں شریک ہوگئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سالی حمنہ جو حضرت زینب کی بہن تھیں سازش میں آگئیں تھیں۔ چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھیں حضرت ابوبکر نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے مالی اعانت سے محروم کردیا تھا غرض اگر حضرت عائشہ کی برات پر وحی نہ آتی تو ایک فتنہ عظیم برپا ہوجاتا۔

آپ اپنی عادت کے مطابق یقین کو بھی قیاس کہیے جاتے ہیں شبلی صاحب تمام مسلمان اس مظاہرہ کو غیر معمولی قیاس نہیں کرتے

بلکہ انہیں اس کا یقین کامل ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کا یہ مظاہرہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس معاشرت پاک سیرت اور صالح فطرت اور آپ کی شان آداب واکرام اخلاق کے سراسر منافی اور معارض واقع ہوا ہے جس کی اصل الاصول اور بانی ومبانی یہی دونوں خواتین اولٰ وثانی ہے۔

اتنا تمہید لکھ کر آپ اس مظاہرہ اس کی شہرت واشاعت میں منافقین مدینہ اوران مومنین کی تحریک واشتعال بتلانے میں جو افک عائشہ کی سازش میں شریک تھے آپ کی اس تدبیر وتاویل اور ترکیب وحیلہ سے ثابت ہوگیا کہ اب آپ کے پاس کوئی قوت استدلال باقی نہیں رہی۔ سب صرف ہوگئی آپ کا یہ سب کچھ لکھنا گویا ڈوبتے ہوئے کا ہاتھ پاؤں مارنا۔ اور دریا میں تنکے کا سہارا ڈھونڈنا ہے جس پر ہاتھ پڑ گیا۔ اسی کو تھام لینا ہے لیکن شبلی صاحب آپ کو یاد رہے کہ جب تک آپ اس الزام کی سند میں کوئی واقعہ نہ پیش کرینگے کوئی تفصیل نہ فرمائیں گے یہ دلیل بے دلیل نہ کوئی سنے گا اور نہ مانے گا واقعہ افک میں مذکورین کے تفصیلی واقعات موجود ہیں اس لیے ان کو ملزم بتلایا جاتا ہے اس واقعہ تحریم میں اپنی احادیث وتفاسیر کی تمام کتابیں ورق ورق کر کے پڑھتے جایئے نہ حسان کی شرکت پائیگا۔ اور نہ حمنہ اور سطح کی سازش تو پھر آپ اپنی مغالطہ دہی کی غرض خاص سے اتنے بیگناہوں کو کردہ ونا کردہ اس واقعہ میں بھی کیوں سمیٹتے اور لپیٹتے لیتے ہیں۔

اب رہا آپ کا آخر حصہ استدلال جس میں آپ افک عائشہ اوران کی برات پیش کر کے یہ مغالطہ دینا چاہتے کہ اس واقع کے الزام سے بھی گویا ان کی ویسی ہی برات ہوگئی۔ تو یہ بالکل شرمناک طرز استدلال ہے۔ اس واقعہ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلے صفائی ہوئی تھی اس پر بھی دھبہ آ گیا۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔ اس واقع میں منافقین کی شرکت کے مدعا کو یوں لکھا جاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہرات کی کشش خاطرہ کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا اور چونکہ مظاہرہ کی ارکان اعظم حضرت عائشہ وحفصہ تھیں ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ) کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے لیکن ان کو معلوم نہ تھا کہ ابوبکر وعمر حضرت عائشہ اور حفصہ کو رسولؐ کی خاک پا پر قربان کر سکتے تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لیکر آؤں۔

شبلی صاحب یہ ''معلوم ہوتا ہے'' کیا؟ کس روایت سے معلوم ہوا۔ کس کتاب میں پڑھا گیا؟ کس نے لکھا؟ کس نے بتلایا؟ کہاں پایا؟ کچھ بھی نہیں وہی کابوسانہ خواب وخیال اور مایوسانہ اشتباہ واحتمال اگر منافقین نے اس واقعہ کو سنکر اپنی شریر النفسی سے اسکی اشاعت میں اشتعال انگیزی سے کام لیا تو شبلی صاحب پہلے اصل علت کو دیکھئے پھر معلول کی تلاش فرمایئے گا۔ پہلے اس راز کا افشاء کس نے کیا؟ وہ تو انہیں دو خواتین نے یا پہلے فرد جرم میں اصل مجرمین کے نام قائم کر لیجئے۔ تو پھر سازش کرنیوالوں پر نمبر قائم کیجئے گا۔ پہلے ان خواتین کے طرز عمل پر غور کر لیجئے۔ کہ یہ شریف گھرانے کی بہو بیٹیاں کیوں ایسی ہونے لگیں کہ اپنے شوہروں کی خلوت کی باتوں کو دوسروں اور خاص کر دشمنوں کے ہاتھ میں دینے لگیں۔ حضرت عائشہؓ تو بقول آپ کے اس وقت رشیدہ بالغہ ہو چکی تھیں نہ معلوم کہ موصوفہ کی اس وقت وہ قوت اجتہادیہ جس پر بقول آپ کے سواد اعظم کے ارکان دینیات قائم ہیں کہاں چلی گئی تھی کہ آپ دوست دشمن مسلم اور منافق کی

معمولی تمیز بھی نہ فرما سکیں۔

اتنی طول وطویل خامہ فرسائیوں اور پر تفصیل عبارت آرائیوں کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔یعنی اگر عائشہ وحفصہؓ سازش بھی کرینگی اور منافقین ان سے کام بھی لینگے تو خدا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبریل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے وصالح المومنین کا ذکر یہاں ترک کر دیا گیا۔خدا جانے کیوں؟''

ہاں شبلی صاحب ان آیات (آیہ مظاہرہ) کے یہ مطالب ومعانی خود آپ نے نکالے ہیں یا کسی تفسیر وحدیث سے نقل کئے ہیں۔ اگر یہ صرف آپ کا قیاس ہے تو معانی قرآنی اور مطالب ربانی کے صریح مخالف ہے اگر کسی حدیث وتفسیر سے ماخوذ مستنبط ہے تو حوالہ دیجئے۔اور کتاب کی عبارت لکھئے۔ورنہ یہ آپ کی مغویانہ تحریف سمجھی جائیگی۔دیکھئے آپ کے مفسرین میں سب سے زیادہ معتبر ومستند دو مفسرین ہیں اور ان کی دو تفسیریں ایک تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی۔دوسری تفسیر کشاف زمخشری۔دونوں میرے پیش نظر ہیں۔ان دونوں مفسرین نے ان دونوں خواتین اور ان کے طرز عمل کی نسبت جو آخر میں اپنی رائے لکھی ہے وہ خاتمہ بحث میں بہت جلد حاضر کی جاتی ہے۔لیکن آپ پہلے انہیں مفسرین کی تحریر وعبارت سے اپنے اس قیاسات کا اثبات نکال دیں۔آپ حضرت عائشہ وحفصہ کی حمایت میں قیامت کرتے ہیں۔کہ خطابات وفقرات قرآنیہ کے کئی غلط ترجمے کر دیتے ہیں۔کہیں ان کے مفہوم کو بدل دیتے ہیں کہیں اصل مخاطب کی عوض دوسرے لوگوں (منافقین) کو مخاطب اصلی بتلاتے ہیں۔اور شمس العلما ہو کر آپ کو یہ نہیں دکھلائی دیتا کہ جہاں کہیں ذکر وخطاب ہے وہ ضمائر مونث کے ساتھ غضب خدا کا الفاظ خطاب میں، تو ضمائر ہوں مونث کے اور آپ راجع کریں ان کو (منافقین) کی طرف،عورت کو مرد مرد کو عورت بتلائیں۔اگر آپ کو ایسا ہی مغالطہ دینا منظور تھا تو یوں کیوں نہ بتلایا کہ یہ مونچ کے ضمائر اُم جُلدح اور حمنہ کی طرف راجع ہیں نہ حضرت حفصہ وعائشہ کی طرف کیونکہ آپ ان دونوں کو قصہ افک میں شریک اور ازواج رسولؐ کی بھڑکانے والیاں لکھ چکے ہیں۔یہ ترکیب کسی قدر چل سکتی تھی ورنہ آپ کی اس بے تکی ہانک کو کون سنے گا۔ہم خود حضرت عمر کے بیان سے اوپر لکھ کر ثابت کر آئے ہیں کہ **صغت قلوبکما** کی مخاطب اصلی حضرت عائشہؓ وحفصہؓ ہیں اس لیے اس سلسلہ خطابات آلہیہ میں تمام مقامات پر وہی خواتین حقیقی طور پر یقین کی جائیں گی۔شبلی صاحب اگر حضرت عمر سے زیادہ معتبر ہوں تو اپنی ذی اعتباری کا ثبوت پیش کریں۔

اس کے بعد لکھا جاتا ہے۔

ان واقعات میں کذابین رواہ نے اس قدر تلبیسات عیاں کی ہیں کہ بڑے بڑے ارباب سیر نے ان کی روایتیں اپنی تصانیف میں استناداً درج کر دی ہیں۔

ہاں شبلی صاحب آپ اتنا بیباک نہ ہو جایئے زبان کو روکئے۔آپ کے ہاں کف لسان تو جزو ایمان ہے دیکھئے آپ سرے سے رواۃ حدیث کو کاذبین بتلاتے ہیں اور ان کے تمام ذکر وبیان کو تلبیسات اور خدا عیان ٹھہراتے ہیں۔اور یہ نہیں خیال فرماتے کہ آپ کی اس فہرست میں کتنے صحابہ کرام اور تابعین عظام داخل ہیں۔پھر آخر میں یہ بھی سوچ رکھیئے کہ ان سب کو جھوٹا بنا کر آپ سچے رہ سکتے ہیں جن میں آپ نے نمبر اولاً خود عبداللہ بن عباس کو لکھا ہے یہ کون بزرگ ہیں محیط العلم ہیں الصحابہ جن کو آپ خود لکھتے ہیں اگر یہ شخص کاذب

ہے تو یاد رکھئے کہ صحاح اہلسنت ہی غائب ہو جائیگی۔

زبان تو بگڑی تھی خبر لیجئے داہن بگڑا۔

اس بیباکانہ اور عتابانہ تمہید کے بعد لکھا جاتا ہے۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی۔ بہت سی روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا تھا۔ ماریہ قبطیہ کی زوات تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جوراز حفصہؓ نے فاش کیا وہ انہیں ماریہ قبطیہ کا تھا۔ اگر چہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور نا قابل ذکر ہیں۔ لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخوں نے آنحضرت ﷺ کے معیار اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں ان کا کل سرسبد ہی ہے۔ اس لیے اس سے تعرض کرنا ضروری ہے ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگر چہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت ﷺ کی موطوہ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (جلد اول وقفہ ایلا)

مرقومہ بالا عبارت کی تنقید سے پہلے گذارش کرنا ہے کہ شبلی صاحب حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کی درستی اخلاق کی حمایت وطرفداری سے پہلے اپنے آداب تحریری کی مرمت ورفو کاری فرمالیں تو بہتر ہے۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہ کی نسبت ص346۔ میں لکھ چکے ہیں کہ نجاشی (نہیں مقوقس) نے جولفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ مصریوں میں ان کی بڑی عزت ہے یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کئے جاسکتے یہ لکھ کر بھی آپ اس واقعہ میں برابر ان کو کنیز لکھ کر ان کی مقدار شان کو مسلمانوں کی نگاہوں میں معمولی گھر کی لونڈیوں کی طرح دکھلانا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کی شان آداب اور طرز تہذیب کے یہی شایان ہے کہ ایک موقع پر تو اس مقدمہ کی نسبت اس لفظ کو ثقیل اور نا قابل استعمال بتلایا جائے اور جب اپنے مطلب کے لیے مفید ہو تو وہی لفظ بلا تامل ولحاظ ایک بار نہیں کئی بار استعمال فرمایا جائے۔

شبلی صاحب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ حضرت صفیہ ہوں یا ماریہ۔ ہمارے دلوں میں (ان کی پیغمبرؐ) کی بیبیاں تمہاری مائیں ہیں) تمام ازواج رسول صلعم کی جو قدر ومنزلت ہے وہ صرف آنحضرت صلعم کی نسبت قربت اور شرف مصاحبت کی وجہ سے ہے اور یہ وصف خاص تمام ازواج میں قدر مشترک ہے پھر ایک کی ترجیح دوسرے کی توہین کیسی؟ اگر ترجیح کی تفصیل وتصریح کرنی ہے تو پھر ان خواتین کے طرز عمل پر نظر ڈالنی ضرور ہوگی۔ اور جانبین کی اصابت واسائت عمل کی تمیز وتحقیق کے بعد آپ البتہ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں ان میں کون قابل عظمت ہے اور کون نہیں اور یہ بہت ہی اس موقع پر آسان ہے آپ کی یہی پیش کردہ آیات قرآنی بھی ابھی نہایت سہولت وآسانی سے اس کا فیصلہ کریں گی آپ خود دیکھ لیں پڑھ لیں اور سمجھ لیں کہ ان آیات میں جو ازواج رسولؐ مخاطب کی گئی ہیں اور جن دونوں خواتین مخصوصہ سے خطاب خاص کیا گیا ہے ان میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی شامل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس خطاب میں مورد عتاب یہ بھی سمجھی جائیں۔ اور اگر نہیں ہیں تو ثابت ہو جائے گا کہ ان کے طرز عمل خدائے سبحان وتعالیٰ کے نزدیک قابل اعتراض وعتاب

نہیں تھے۔

اس روئداد وحقیقت کو پیش نظر رکھ کر شبلی صاحب خود سمجھ لینگے کہ طرز عمل کے اعتبار سے ان کے لیے حضرت عائشہ وحفصہ قابل عظمت وتکریم ٹھہرتی ہیں یا حضرت ماریہ قبطیہ لائق تحریم۔شبلی صاحب کو ادب وتہذیب کا سبق دے کر ہم ان کے دوسرے ابہامات فی بیان الواقعات کے آئندہ انکشافات پیش کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے طول وطویل حزم واحتیاط کے بعد اصل مقصد کو لکھنا چاہا ہے لیکن تاہم کسی تفصیل سے بتلا دیا ہے کہ آنحضرت صلعم کا راز جو حضرت حفصہ نے فاش کیا تھا۔انہیں ماریہ قبطیہ کا راز تھا۔اس کے بعد آپ اپنے قدیم جبن اور ضعف فی الکلام پر آ گئے ہیں اور اپنے سرآمد محدثین کی مرویات کو بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ٹھہرا کر یورپین مولفین کی معیار اخلاق آنحضرت صلعم پر حرف گیریوں کا اصلی سبب اور پھر ان کو حرف گیریوں کا گل سرسبد بتلایا ہے۔اور یورپین مصنفین کی انہیں حرف گیریوں کے باعث سے ان مرویات میں تعریض کرنیکی ضرورت کا پیش آنا تحریر فرمایا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ تحقیق حق میں آپ کی مساعی جمیلہ کی حقیقت معلوم ہوگئی اور آپ کے انداز تحقیق کا اندازہ مل گیا گویا آپ خود نہیں بلکہ مصنفین یورپ کی تعریض کی تقید ضرورت سے مجبور ہو کر ان مرویات کی تعریض کرنے بیٹھے ہیں اگر وہ ان مرویات کی بنا پر اپنی مغویانہ اور کافرانہ خردہ گیریاں نہ کرتے تو آپ کو اس واقعہ میں تحقیق حق اور تمیز ملزم وغیر ملزم کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس وقت شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب کی طرح سکوت اور کف لسان کی راہ اختیار فرمائی جاتی اور سمجھ لیا گیا ہوتا کہ جب خدا نے اس راز اور اس کے افشاء کرنے والوں کے نام نہیں بتلائے تو ہم بندوں کو مناسب نہیں کہ خدا کے راز کو افشاء کریں۔ترجمہ قرآن سورہ تحریم۔

لیکن حافظ صاحب آپ کا یہ سکوت کس کام کا؟ جب آپ اس راز کے افشا کرنے والوں کا نام خود بتلا چکے ہیں۔اور آپ سے پہلے خود حضرت عمرؓ بتلا چکے ہیں اور ان کے علاوہ آپ کے تمام سلف صالحین جن کو آپ اس وقت از راہ سعادتمندی **کاذھین دوضاً عھم** اور خدا آپ کو ان بزرگوں کی یہ تفصیل ناگوار نہ ہوتی اور ان غریبوں کو کاذبین کا خطاب دینے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔اگر یہ یورو میں مصنفین اور عیسائی متعصبین ان کی روایات سے بے موقع فائدہ اٹھا کر اخلاق رسول صلعم پر حرف گیریاں نہ کرتے۔بہرحال آپ اپنے سلف صالحین کی تکذیب خود نہیں کرتے ہیں۔یورپین مولفین کی خوردہ گیریوں کی مجبوری آپ سے ان کی تعریض کراتی ہے۔

اس کے بعد تحریر فرمایا جاتا ہے۔

اسقدر سب کا مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موطوۃ کنیز تھیں۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کی ناراضی کیوجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔

مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب سنبھل سنبھل کر گرتے اور سمجھ سمجھ کر ناسمجھی کرتے ہیں مذکورہ بالا عبارت میں ماریہ قبطیہ کے واقعہ کا روایت مختلفہ میں مشترک ہونا تسلیم کرتے ہیں پھر صحت وجود کو تسلیم کر کے اس کے وجود کی جرح وقدح کرتے ہیں اور عیسائی مورخین کی تعریضات واہیہ سے مرعوب ہو کر اپنے سلف صالحین اور محدثین معتبرین کو جنہیں حضرت عمر حضرت عبداللہ بن عباس سے لے کر ابن ہشم

۔طبرانی۔عسقلانی۔ابن حجر۔محدث شیرازی اور خدا جانے کتنے داخل ہیں سب کو ایک طرف سے کاذب ٹھہراتے ہیں۔استغفر اللہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی ضعیف استدلال ہوسکتا ہے۔

عیسائیوں کی مغویانہ تعریض کا جواب

آپ ان متعصبین کی کافرانہ تعریضات کے جواب میں کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اگر جناب ماریہ قبطیہ کے ساتھ مان بھی لیا جائے خانہ حفصہ ہی میں لطف صحبت اٹھایا گیا تو منافی اخلاق کیا ہوا۔اپنی زوجہ محللہ اور اپنی دولت سرا حضرت حفصہ کے والدین کا گھر ہوتا یعنی ان کا میکے کا گھر تو کسی قدر عذر ومضائقہ کی بات ہوسکتی تھی۔اب رہا یہ امر کہ حفصہؓ کی محض خفتگی وناراضی کی وجہ سے ماریہ سے ترک صحبت کا اقرار کرنا جسے آپ اخلاق نبویہ کی نعوذ باللہ کمزوری کہتے ہیں وہ غایت اخلاق اور نہایت مروت واشفاق رسالت کے کامل ثبوت ہیں۔اس لیے کہ حضرت حفصہؓ کے مزاج کی ناہمواری زبان درازی تنگ چشمی اور اخلاقی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قضیہ نامرضیۃ کو طے فرمادیا۔اور حضرت ماریہ سے ترک مقاربت کا اقرار فرما کر خود حضرت حفصہؓ سے بھی اسکا اقرار لے لیا کہ وہ اس بات کو اپنے ہی تک رکھیں گی۔دوسروں سے نہ کہیں گی لیکن موصوفہ پیٹ کی اتنی ہلکی تھیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو کچا چٹھا سنا دیا۔

واقعہ کا خلاصہ اتنا ہے جو آئینہ کی طرح صاف ہے۔اس میں ناحق شناس متعصبین یورپ کس امر کو منافی اخلاق رسولؐ پا کر مغویانہ حرفگیریاں کرتے ہیں۔اگر اپنی زوجہ منوحہ یا کنیز موطوءہ سے اپنے گھر یا اتفاقاً اپنے ہی فرش خواب پر جو کسی دوسری زوجہ کو مصرف میں لانے یا اپنے خاص آرام فرمانے کے لیے عنایت کیا گیا ہو مقاربت کرنا کسی مذہبی قومی اور ملکی دستور سے ممنوع نہیں ہے۔تو معترضین کی نفسانیت اور متعصبین مسیحیت کا تعصب محض یقین کیا جائے گا۔

عیسائی متعصبین سے احتجاج

اس پر بھی اگر ان ناشنوا ورنابینا متعصبتین کی تشفی خاطر نہ ہو۔تو پھر ان سے بطور احتجاج کہنا پڑے گا کہ تمہاری مقدس کتابوں میں (نعوذ باللہ) جناب داؤد علی نبینا والہ وعلیہ السلام زن اوریا کو دیکھ کر عاشق ہونا اس کو چپکے سے گھر بلا کر اس کے ساتھ ہم بستر ہونا اور یا کو خود فرمان دیکر میدان جنگ میں قتل کرا دینا کامل شرح وبسط سے منقول ومذکور ہے یہ امور ناقص ایک پیغمبرؑ سے تو کہاں تک ظاہر ہوں گے کسی ذلیل اور رزیل طبقہ کے معمولی آدمی سے بھی ایسے عیوب وفواحش کا اظہار وارتکاب نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ عیسائی متعصبین خود ان لغویات کا جواب نہ دیں لیں ان کو پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینہ اخلاق پر خاک ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی بداخلاقیاں تنگ ظرفیاں اور اصول فطرت کے مطابق نسوانی کمزوریاں اپنی حد سے زیادہ بڑھ کر ان تمام مفسروں اور فتنہ انگیزیوں کا اصلی باعث ہوئی ہیں کوتہ بین اور ناحق شناس مخالفین اسلام ان خواتین کی اخلاقی کمزویوں سے اخلاق رسول کی سوء اخلاقیوں کے مغویانہ معنی لگاتے ہیں۔لیکن حقیقت بین اور حقیقت شناس محققین جانتے ہیں کہ یہ فریب ہی فریب ہے اصلیت کچھ بھی نہیں جیسا کہ اس بحث کے آخر میں ہم اس امر خاص پر کافی روشنی ڈالیں گے۔

ہم جلد اول دوئم کے تمام ایسے مقامات پر شبلی صاحب کو بتلا آئے ہیں کہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اپنے رواہ محدثین کی تنہا تردید وتکذیب سے کام نہیں چلتا اوران کے اعتراض کا جواب نہیں ہوتا اس لیے کہ اپنے راۃ اوراپنی رواہ کے آپ ذمہ دار ہیں وہ نہیں اس بنا پر ضروری ہے کہ انہیں کی ذمہ داریوں سے ان کے اعتراض کا جواب دیا جائے جیسا کہ ان کے لغویات کی صرف ایک مثال دی گئی اور اس سے زیادہ جلد اول کے تبصرہ میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔

اب رہا انکا یہ مغویانہ اعتراض کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے حکم خدا۔صرف ایک بی بی کے کہنے سے حلال چیز کو کیونکر حرام کرلیا۔یہی بدگمانی عیسائیوں کی تمام فتنہ انگیزیوں اور مفسدہ خیزیوں کی باعث ہے۔حالانکہ اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

نابینا نہیں تو کم بین معترضین کو پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ وکلام پر۔جو مرویات احادیث کے متون میں آپ کی زبانی مرقوم ہیں اوران کے مطالب ومعانی پر نظر رکھنی چاہیے۔شبلی صاحب کی کتاب کے علاوہ۔احادیث وتفاسیر کی کثیر التعداد کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کی مفسدہ انگزیوں کے خیال سے تنگ آ کر۔آئندہ شہد کے نہ کھانے یا ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جانے کا جو اقرار کیا تھا۔اس کے الفاظ یہی تھے اور اتنے ہی تھے کہ میں اب شہد کا شربت نہ پیوں گا۔روضہ الاحباب ص 477 یا میں اپنی مملوکہ کے پاس نہ جاؤں گا ابن حجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بمقتضائے مصلحت وقت آپ کی وقتی احتیاط کو بتلاتے ہیں اور نہ آپ کے حرام مستمر یا موبد کے معنوں میں آتے ہیں۔

لیکن معترضین کہیں گے کہ خود قرآن مجید میں اس کو حرام کے لفظ خاص سے تعبیر فرمایا ہے۔مگر ان کو جان لینا چاہیے کہ ابھی عیسائی عالموں کو علم عربی سے واقف کاری ضرور ہوئی ہے لیک باانہمہ دہ ادبیات قرانیہ اور مصطلحات ومستعملات کلام ربانیۃ کی تفہم وادراک سے کوسوں دور ہیں اوران کی واقف کاری کے لیے ابھی انہیں زمانہ چاہیے۔پہلے وہ ادب قرآنیہ کے ان علوم ورموز کے افہام وتفہیم کا سلیقہ پیدا کرلیں۔تب قرآن کے مقاصد ومعانی سے اپنی حرف گیریوں کے استنباط کی جرأت کرینگے۔

قرآن پاک میں ہم بھی جانتے ہیں لم تحرم کا لفظ ضرور ہے۔جس کے معنی حرام کر لینے کے ہیں۔لیکن اس کا استعمال پیرایہ اطلاعیۃ وتمثالیہ میں ہوا ہے۔یعنی حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے جیسا کہ آپ کے اقرار احتیاط سے سمجھ لیا تھا اور مشہور کر رکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے عسل یا ماریہ قبطیہ کو اپنے لیے حرام قرار دیا۔قرآن مجید نے بھی انہیں کے مفہوم اور الفاظ مفہومہ میں اس واقعہ کی شہرت کو بیان کر دیا ہے۔کیونکہ اس کی شہرت امر تعجب خیز تھی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اقرار کو وہ دونوں خواتین استمرار کے معنوں میں سمجھ کر بیحد مسرور ہوئیں۔اور ایک دوسرے کو اس کی فوری نوید پہنچائی خدائے سبحانہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط مدعا اوراس کے اشتہار وافشا کو شان رسالت کے سخت مناقض ومنافی پا کر ان پر خطابات عتابانہ نازل فرمائے۔جیسا کہ تمام آیات سورۂ تحریم سے ثابت ہے۔

نعوذ باللہ من ذلك اگر حقیقی اور ابدی طور پر ان اشیاء کے حرام فرما لینے کی لغزش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس کی طرف پائی جاتی تو ان خطابات عتابانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک کر لیے جاتے۔جب آپ کی ذات پاک کی طرف اس عتاب کی کوئی

اشارت نہیں پائی جاتی تو آپ کو ذات کی طرف اس کے حرام کر لینے کا الزام لگانا حقیقت اور واقعیت دونوں کے خلاف ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ذرا ذرا سی ناموزونیت کے لیے خداے تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو **کصاحب الحوت وھو مکظوم۔**

تم بھی یونس کی طرح غصہ میں آلودہ نہ ہو جاؤ) **ولا تعجل بالقران** (اور قرآن کے بیان میں جلد ہی نہ کیا کرو) وغیر الشالہا تو کیا وہ اس موقع پر اپنے نبیؐ کو اس کے عمل کی ناموزنیت پر مطلع و متنبہ نہ فرمائے۔

جب خداوند عالم کی نظر میں آنحضرت ﷺ اقرار اور عملی اظہار قابل تنبیہ اور تعرض نہیں ٹھہرا تو عیسائی متعصبین کی سیہ قلبی اور تیرہ نظری اس کی حرفگیری میں کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ کی نسبت عیسائی معترضین کی مغویانہ اور کافرانہ قلمکاریاں ایسی بے اصل اور مہمل تھیں کہ مسلمان تو مسلمان عیسائی محققین نے بھی ان کی کامل تنقید و تردید کر دی ہے۔

مسٹر یل ڈاکٹر ائیڈ ئس کی غلط بیانیوں کی تردید

عیسائیوں کے مشہور و معروف پیشوا۔ ڈاکٹر برائیڈ کس۔

نے اس واقعہ کے متعلق جو کافرانہ تعریض کی ہے وہ ایسی کھلی کھلی اور صاف صاف افترا پردازی ہے جس کی مسٹر ئیل عیسائیت کا حامی مسیحیت کا پیشوا اور بہی خواہ بھی اسے دیکھ کر اس کی تردید و تکذیب کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ہم مسٹر سیل کے ترجمہ قرآن ص416۔ مطبوعہ لندن سے ان کی عبارت تنقیدی کا پورا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ہم کو اس مقام پر لکھ کر بتلا دینا نہایت ضروری ہے جیسا کہ مجھے قبل ایک قابل مولف مسٹر جینجیر لم تحرم لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ ڈاکٹر پر ایڈکس نے قرآن کے اس آیہ کے غلط معنی لیے (یا ایھا النبی) حضرت ماریہ کے ساتھ آپ کی صحبت کا ذکر کر کے ڈاکٹر موصوف مختصراً نمونہ کے طور پر اپنے سلسلہ بیان میں لکھ کر ہم کو بتلاتے ہیں کہ اس آیت میں محمد صلعم نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیے خدا کی طرف سے یہ اجازت حاصل کر لی ہے کہ وہ علاوہ منکوحہ بی بیوں کے جاریات سے جب چاہیں مقاربت کریں (حالانکہ الفاظ قرآنی میں یہ اجازت و اختیارات صرف رسول ﷺ کی ذات مقدس تک محدود تھے۔ کیونکہ یہ اذن و اختیار بطور خاص تو پہلے ہی آپ کو مل چکا ہے۔ اور سوائے آپ کی ذات کے کسی دوسرے کو نہیں دیکھو سورہ احزاب اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف اس اجازت و اختیار کے متعلق اضافہ کرتے ہیں کہ اس آیت میں الفاظ خطاب یہ ہیں اے رسول تم صرف اپنی بیبیوں کو خوش اور راضی رکھنے کی وجہ سے ان چیزوں کو اپنے اوپر کیوں ممنوع کر لیتے ہو۔ جس کی خدا نے تمہیں اجازت دیدی ہے۔ خدا نے تو تمہیں کنیزوں کا اختیار دے ہی دیا ہے۔

مسٹر ئیل صاحب نہایت تعجب و حیرت لکھتے ہیں کہ یہ آخر فقرہ تو عبارت قرآن میں نہ اس مقام پر نہ کسی اور دوسرے مقام پر موجود ہے۔ جس میں ایک ایسے امر کی اجازت ہے جو متعدد مقامات میں ممنوع کر دیا گیا ہے دیکھو سورہ مومنوں سورہ نساء اور سورہ سبحان الذی جزو ۱۵) حالانکہ ان تمام مقامات کے احکام امتناعی پر خود ڈاکٹر صاحب موصوف نے چند نظریہ لکھے ہیں لیکن اس وقت آپ ان نظریوں کو بھی نظر انداز کر گئے۔ مسٹر سیل لکھتے ہیں کہ میں اس کے متعلق اس سے زیادہ لکھ کر اس قصہ کو بیکار طول دینا نہیں چاہتا ناظرین خود دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ یہ محترم مقدس (ڈاکٹر پرائیڈکس) اگر کسی مسلمان کو ان افعال کا مرتکب دیکھتا تو کیا کچھ طوفان نہ اٹھاتا۔

اس بیان کے متعلق بھی عرض کرنیکی جرات کرتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ماریہ قبطیہ کے خاص حالات میں نقل کیا ہے ان کا یہ بیان ہے کہ جناب رسول خداصلعم کے انتقال کے بعد ماریہ قبطیہ اوران کے لڑکے کا جو پیغمبر کے صلب سے تھا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا۔سوائے اس کے کہ دونوں ماں بیٹے مصر میں نکال دیے گئے اور پھر اہل مصر میں ان دونوں کے حالات نہیں ملتے یہ لکھ کر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں لیکن میرا قیاس یہ کہتا ہے کہ عائشہ نے اپنے اس کینہ دیرینہ کے تقاضے سے جوان کو ماریہ کے ساتھ ہمیشہ سے تھا اپنے باپ کو جو پیغمبر کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا تھا۔اس امر پر آمادہ کرلیا کہ اس کا یوں خاتمہ کردیا جائے۔سیل صاحب لکھتے ہیں لیکن تمام مشرقی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے پانچ برس بعد انتقال فرما گئیں۔اور مقبرۂ مومنین جنت البقیع میں مدفون ہوئیں ان کے صاحبزادے (ابراہیمؑ) تو جناب رسولخدا صلعم کے سامنے ہی انتقال کر گئے تھے۔ڈاکٹر جینجیر نے ڈاکٹر پرائیڈکس سے اس روایت کی سند مانگی ہے۔

سیل صاحب لکھتے ہیں۔میرا خیال یہ ہے کہ پرائیڈکس صاحب نے کچھ تو اس کو تاریخ ابوالفاریغوس سے لیا ہے جس کے مطبوعہ نسخہ میں ماریہ قبطیہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ وہ اور ان کی بہن سیرین (نہ ان کے صاحبزادے) مقوقس کی طرف اسکندریہ میں بھیجے گئے تھے۔ہم کو اس روایت کے وجود میں کوئی شبہہ نہیں لیکن اس کے ترجمہ کو ڈاکٹر پوکاک (Pokok) صاحب کی کتاب والفاظ ترجمہ سے مقابل کر لینا چاہیے۔جس میں ہم لوگوں کو من (سے) کو بجائے الی (طرف) کے معنی میں سمجھنا چاہیے یعنی مقوقس نے ماریہ اوران کی بہن سرین کو اسکندریہ سے بھیجا۔مسٹر پوکاک کی کتاب کا ایک صحیح نسخہ میرے (سیل صاحب) کے پاس بھی موجود ہے۔اس میں یہی مضمون مندرج ہے سیل صاحب کا ترجمہ قرآن ص416۔

واقعات اسلامی کی نقل وترجمہ میں عیسائی مولفین کی یہ ذہنیت اورصلاحیت ہے جوان کے ہموطن ہمقوم اور ہم مذہب محقق کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔تو پھران کی مغویانہ تعریضات اورملحدانہ تلمیحات سے مرعوب ہونا تو اپنی مزید کم مائیگی اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس شورش انگیز واقعہ میں جو کچھ شورش۔سازش اور کاوش معلوم ہوتی ہے وہ سب حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ کے اخلاقی ضعف ونزاکت کے باعث ہے اس لیے تمام سورہ مقدسہ میں جو خطاب عتاب ہے وہ تمام تر انہیں دونوں خواتین امہات مومنین کی نسبت ہے۔ذات مقدس رسالت بفحوائے آیہ کریمہ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫

خدا اور خدا کے رسولؐ کی اطاعت کرواگر اس سے تم روگردانی کرو گے تو ہمارے انبیاء سوائے تبلیغ ظاہر کے اور (تمہارے) کسی امر کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

ان تمام تعلیمات۔تناسب اور تخاطب سے بالکل مبرہ اورمنزہ ہے چنانچہ اس مسئلہ کا خود الفاظ قرآنی نے اس سورہ کے آخر عبارت میں تصفیہ کردیا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ

عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۝۱۲

کافروں کے عبرت پکڑنے کے لیے خدا نوحؑ کی بی بی اور لوطؑ کی بی بی کی مثال دیتا ہے کہ یہ (دونوں عورتیں) ہمارے بندوں سے اور نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان کو دغا دی کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی ہیں) تو دونوں شوہر (باوجودیکہ پیغمبر تھے) اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ (جہنم میں) داخل ہوئے ہیں تم بھی انہیں کے ساتھ جہنم میں جاؤ داخل ہو اور (سچے) مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک تو فرعون کی بی بی آسیہ کی مثال دیتا ہے کہ ان کی بی بی نے دعا کی کہ میرے پروردگار میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھ کو فرعون اور اس کے کردار بد سے نجات دے اور نیز مجھ کو ان ظالم لوگوں سے نجات دے اور دوسری مثال عمرانکی بیٹی مریمؑ کی ہے جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان کے پیٹ میں اپنی (قدرت سے) روح پھونکدی اور اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہیں اور وہ (ہمارے) فرمانبردار بندوں سے تھیں۔ ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی ص 897۔

ان آیات قرآنیہ نے تمام معاملات کو آئینہ کر دیا ہے پہلے کافروں سے جس میں اسلام کے مخالف تمام فرقے شامل ہیں خطاب ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ اس شرمناک واقعہ میں وہ ازواج رسولؐ ہونے کی نسبت اور خصوصیت ظاہری پر نظر کر کے تعجب کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف گیری نہ کریں۔ اس سے قبل بھی انبیاء کرام کے ازواج سے کردار بد ظاہر ہو چکے ہیں اور وہ بلالحاظ پاس ان مقدسین مرسلین کے جن سے وہ منسوب تھیں عذاب وعقاب الٰہی میں گرفتار ہو چکی ہیں۔ ان کے مقدس شوہروں کی نسبت اور خصوصیت نہ ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکی اور نہ جہنم سے واپس لا سکی ثابت ہو گیا کہ باوجود خصوصیت نسبت اور قربت خاص کے بھی ان کی جزا وسزا ان کے اعمال وافعال کی اصابت پر منحصر رہی اور ان کی بدکرداریوں اور بدفعالیوں کا کوئی اثر ان کے مقدس شوہروں کے دامان تقدس کو داغدار نہ کر سکا۔ اسی طرح مسلمانوں کے خاص اطمینان کے لیے حضرت آسیہ ومریم علیہما السلام کی شان دے کر سمجھا دیا گیا ہے کہ باوجود اس کے جناب آسیہ فرعون کے ایسے بدکردار سے منسوب تھیں لیکن ان کے اعمال حسنہ ان کا نفس ان کی خداشناسی ایسی کامل تھی کہ وہ ہمیشہ خدا سے

دست بدعا رہتی تھیں کہ وہ ان کو فرعون اور اس کی بدکرداریوں اور تمام ظلمہ وقت کے ہاتھوں سے نجات دلوائے اسی طرح جناب مریم بنت عمران نے باوجود یکہ بیدین یہود اور ان کے خاص گھر والوں نے ان پر کیسی کیسی تہمتیں نہ لگائیں لیکن اس مقدسہ نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا خدا کی اطاعت اور احکام خدا کی اطاعت پر قائم رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں خواتین باتمکین باوجود یکہ کفار سے ان کے تعلقات تھے خداوند عالم کے نیکوترین بندوں میں داخل ہوئیں۔ اس مثال خاص سے یہ تعلیم و تفہیم مراد ہے کہ مسلمان محض پیغمبرؐ کی بی بی ہونے پر ان کے اعمال صالحہ اور عادات حسنہ کا یقین نہ کر لیں۔ کافروں کی بیبیاں اور رشتہ دار عورتیں بھی مثل حضرت آسیہ و مریم علیہما السلام کے مقرب ترین بارگاہ الٰہی ہو سکتی ہیں۔

مسلمانوں کی عبرت پذیری کے لیے دونوں مثالیں تاکیداً دکھلا دیں اور بتلا دی گئیں۔ اس واقعہ خاص کی مثال پہلے انبیائے سابقین کی دو بدکردار بیبیوں کے حالات سے دکھلا دی گئیں ہیں اور بتلا دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ محض اس لیے کہ ازواج رسولؐ بدکردار ہوئیں اور مورد عتاب الٰہی ہوئیں تعجب خیز اور عبرت انگیز نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ان سے قبل دو پیغمبر کی بیبیاں ایسی ثابت ہو چکی ہیں پھر آخر مثال جناب آسیہ (فرعون کی بی بی) اور حضرت مریم (یوسف نجاز کی منسوبہ) کی دی گئی اور بتلا دیا گیا ہے کہ ان خواتین محترمہ کی مقدس زندگی اگرچہ کفار کے ساتھ رہی لیکن ان کے اعمال حسنہ پر کفار کی بدکرداریاں کوئی اثر نہ لاسکیں اور وہ نیکوترین طبقہ نسوانی اور مقرب ترین بارگاہ یزدانی ثابت ہوئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ امور تمام تر اعمال انسانی کی نیکی پر منحصر ہیں کسی کے ساتھ اس کی قرابت وخصوصیت کام نہیں آسکتی۔ قرآن مجید نے کھلے کھلے الفاظ میں بتلایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بدکردار بیبیوں کو ان کے مقدس شوہر کے مدارج رسالت عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے اور نہ ان کی لغزشیں ان بزرگواروں کے دامن تقدس میں کوئی دھبہ لاسکیں اسی طرح حضرت آسیہ اگرچہ فرعون ایسے کافر زبردست کے ہمراہ تھیں اور جناب مریم جو غدر میں گرفتار تھیں محض اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے خدا کی مقرب ترین بندیاں ثابت ہوئیں۔ اور فرعون اور دیگر کفار کی صحبت یا قربت ان کے اعمال و اخلاق کو نہ بگاڑ سکی ایسی مفصل اور مدلل مثالوں کے بعد جو تاریخ و سیر سے مشاہد عینی ثابت ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کی ان ناشائستہ حرکات کی وجہ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و آداب پر حرف گیری خندہ زنی اور طعن افگنی کرنا مخالف اسلام کی صریح نفسانیت خباثت اور تعصب ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو امام فخر الدین رازی اور علامی زمخشری نے اپنی اپنی تفسیروں میں بزیل آیات مرقومہ بالا نقل فرمایا ہے جس کی اصل فارسی عبارت ترجمہ کو ہم اردو ترجمہ کے ساتھ ذیل میں نقل کر کے اس بحث کو تمام کیے دیتے ہیں۔

واین دوتمیل کہ حق تعالیٰ دراین آیہ وابدازین آیہ درباب زن فرعون بیان کردہ
کنایہ عظمے است بدومادر مومنان بہ سبب آنچہ ازایشان صادرشد ازاتفاق
برآزارانحضرت صلعم وافشاے راز آنحضرت نمودن وحق تعالیٰ دراین مثلہا
بیان آن نمودہ کہ باوجود کفر وانفاق روابط نسبی وسببی نفع نمی بخشد ہر چند

انتساب باشرف خلق که پیغمبر آیند بود باشد وباوجود ایمان انتساب یکا فران ضرر نیرساند ہر چند کافرے مانند فرعون نبوده باشدو بدانکه معاتبه که حق تعالیٰ یا حضرت رسول مقبول دراول سوه فرموده معلوم است که از غایت لطف ومرحمت اس نسبت باآنحضرت صلعم که چراازبرے رضا جوئی زنان خود برخود حرام می گردانی لذت چندرا که خدا براۓ توحلال گرواپند است ومنع حضرت خدرازان لذات خصوصاً وقتے که ظاہر امتضمن مصلحتے باشدبر آنحضرت صلعم حرام نبود که فعل آنحضرت متضمن معصیتے باشد۔ منقول ازحیات القلوب جلددوم ص 580۔

ان دونوں آیتوں میں اوراس کے بعدوالی آیت میں جس میں فرعون کی بی بی کا ذکر کیا گیا ہے خدائے سبحانہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا مقصد مخفی رکھا ہے ان امور کے متعلق جوان دونوں امہات (عائشہ،حفصہ) سے صادر ائے اور آپس میں اتفاق وسازش کی وجہ سے رسول صلعم کو آزاد پہنچا اور آپ کا افشائے راز ہوا جناب بار غراسمہ نے آنحضرت صلعم کوان امور پر مطلع فرما کر بتلا دیا کہ کفرونفاق کی حالت خاص میں کسی کے ساتھ کسی نسبی سببی خصائص وروابط کوئی نفع نہیں پہنچاتے، عام اس سے کہ یہ قربت ونسبت پیغمبروں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہواسی طرح ایمان کی حالت کو نہیں بگاڑ سکتی اگرچہ فرعون کے ایسا ہی کافر کیوں نہ ہواور یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتدائے سورہ میں جو کہ دیانہ خطاب رسول اللہ صلعم سے کیا ہے وہ کوئی معانیہ نہیں ہے بلکہ غایت لطف ومرحمت کے ساتھ خطاب استفہامیہ کے انداز میں خدا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھتا تا ہے کہ تم نے اپنے ان بیبیوں کی محض رضا جوئی کیلئے ان اشیاء سے لذت پذیری کو اپنے اوپر کیوں حرام کرلیا ہے جو خدا کی طرف سے تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ ان چیزوں کے محفوظ ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رک جانا یا پرہیز اختیار کرنا کسی طریقہ سے آپ کیلئے ممنوع وحرام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے آپ پر نعوذ باللہ ارتکاب معصیت کا گمان کیا جائے

غزوہ تبوک

(رجب 9 ہجری بمطابق اکتوبر و نومبر 635ء)

تبوک۔ مدینہ اور دمشق کے بیچ میں چودہ منزل کی مسافت پر ایک مشہور مقام ہے۔ قدیم زمانہ میں اقوام قدیم کا مرکز تھا۔ جنگ موتہ میں فوج اسلامی کی واپسی نے عیسائیوں کو اتنا جری کر دیا تھا کہ وہ مدینۃ النبیؐ پر چڑھائی کا برابر ارادہ کر رہے تھے غسان جو علاقہ شام میں قیصر روم کی طرف سے نیابتاً حکومت کر رہا تھا دارالاسلام مدینہ کی فتح کرنے کے لیے سخت بے چین تھا ایک تو عرب ہونے کی فطرتی مخالفت اس کو اسلام کے پر آمادہ کر رہی تھی پھر اس کے بعد عیسائی ہونے کا خلوص اس کے سمند شوق پر تازیانہ کا کام کر رہا تھا۔ لیکن اسلام سے اب مقابلہ بڑے جیوٹ کا کام تھا۔ اور دارالاسلام مدینہ پر چڑھائی جان سے ہاتھ دھونے کا نام تھا۔ موقع کی اہمیت کے پیش نظر رکھ کر غسانی حاکم نے ہرقل رومی سے کمک مانگی اور اپنی عرضداشت میں جھوٹی سچی خبریں لکھ کر قیصر کو اپنی امداد حمایت پر امادہ کر لیا۔ قیصر کو جو عرضی بھیجی تھی اس میں جھوٹی خبر تو یہ تھی کہ پیغمبر اسلام نے انتقال فرمایا۔ اسلام اور اہل اسلام کے استحصال کا اس سے بہتر دوسرا موقع ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ جزیرہ عرب بالکل خالی پڑا ہے اور مدینہ کی خاص حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ وہاں قحط عظیم برپا ہے ہزار ہا بندگان خدا بھوک پیاس سے مر گئے اور اجڑ گئے۔ جو بچ گئے وہ بلا و مصیبت سے جان بلب ہیں۔ قیصر نے ملک گیری کے اصول اور توسیع فتوحات کے دستور کے مطابق ماتحت حکمران کی امداد کو قبول کر لیا اور کمک میں چالیس ہزار شاہی فوج روانہ کر دیں ادھر غسان کے حاکم نے عرب کے آس پاس والے تمام قبائل کو اسلام کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ بنی لخم بنی جذام اور بنی غسان سب کے سب استحصال اسلام پر تل گئے۔

ادھر کی یہ حالت تھی ادھر مدینہ کی یہ مصیبت تھی کہ ایک برس سے چار طرف قحط عظیم برپا تھا پانی کا ایک قطرہ نہ برساتھا۔ خرموں کی فصل ماری گئی تھی۔ وہی انکا آذوقہ تھا مویشیوں کے چرنے کو زمین پر گھاس تک میسر نہیں تھی آدمی اور جانور زیادہ تر درختوں کے پتوں پر بسر کرتے تھے۔ بے آب و دانہ علاقہ میں چاروں طرف ہزاروں جانیں تلف ہو رہی تھیں۔ انہیں ایام میں شام کے زیتون بیچنے والے نبطی مدینہ میں آئے اور یہ خبر لائے کہ رومی اور غسانی فوجیں مدینہ پر چڑھائی کرنے والی ہیں بلکہ ان کا مقدمۃ الجیش دمشق سے روانہ ہو کر جابلقا تک پہنچ گیا ہے۔ روم کی تازہ دم فوجیں اور قبائل عرب کے لشکر ملکر اپنی متحدہ قوتوں سے تخت گاہ اسلام کو پامال کر دیں گی۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر اور اس کی دشواریاں

اسلام غسانیوں کی مخالفت سے غافل نہیں تھا۔ جنگ موتہ کی واپسی کے وقت سے یہ مخالفانہ خبریں مدینہ کی گلی کوچوں میں مشہور ہو رہی تھیں اور ایک ان سے تقابل و تصادم یقینی تھا اس بنا پر نبطیوں کی یہ خبر مسلمانوں کے لیے کوئی نئی خبر نہیں تھی۔ لیکن اس تازہ خبر کی شہرت میں اتنی اہمیت ضرور تھی کہ مخالف کے طلیعہ کا شہر جابلقا تک پہنچ جانا ایسا امر نہیں تھا کہ اسلام بے پرواہ ہو کر سکوت اور خموشی اختیار کر لے۔ ان امور کو پیش نظر رکھ کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تجویز فرمایا کہ غنیم کے شہر میں آ جانے سے پہلے باہر نکل کر ان کی سدراہ

ہوجانا بہتر ہے۔اس لیے کہ اسلامی مقبوضات کے اندرونی تمام مقامات میں امن قائم رہے گا لیکن بااین ہمہ یہ مقابلہ ایک ایسی عظیم الشان سلطنت سے تھا اور نصف سے زاید دنیا پر حکمران تھی اور تھوڑا ہی عرصہ گذارا تھا کہ اپنی قوت سے ایران کے ایسی عظیم وقدیم سلطنت کو مغلوب کر چکی تھی۔

لیکن آنحضرت صلعم کو تجمیع سامان جنگ میں جو دقتیں حائل اور دشواریاں لاحق تھیں وہ یہ تھیں تمام مسلمان سپاہی سے لیکر اہل فلاحت وتجارت کیا صاحبان مال ودولت تک پریشان اور بالکل بے سروسامان تھے سال بھر کے قحط شدید میں انکا اندوختہ سرمایہ صرف ہوچکا تھا۔ بڑی دور کا سفر تھا۔ ان مفلسوں کے پاس سواری کے جانور تک باقی نہیں رہے تھے قحط میں سب پیٹ کے نذر ہوچکے تھے اسلحات بھی بک کر اس دوزخ میں جھنک چکے تھے سلاح جنگ کیسی، پہننے کے کرتے تک اُتر کر گرد ہوچکے تھے۔عرب کی قیامت والی گرمی پڑ رہی تھی بھوک پیاس سے بچ بھی گئے تھے تو دھوپ اور گرمی جھلسائے دیتی تھی۔

کسی کی لاکھ مشکل اور ہماری ایک آسانی مدبر رسالت علیہ السلام والتحیۃ نے ان تمام دشواریوں مقتوں اور مصیبتوں پر اسلام کی حمایت اعلاء کلمۃ اللہ توحید کی اشاعت مخالفین کے مظالم کی مدافعت اہل اسلام کی جان مال آبرو اور اہل وعیال کی محافظت کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی کثیر التعداد فوجوں سے مقابلہ کے لیے سفر جہاد کا اعلان فرمادیا اگرچہ مسلمانوں کے افلاس تنگدستی اور عسرت کی جو حالت ہورہی تھی وہ نہایت تفصیل سے اوپر بیان ہوچکی ہے۔لیکن جب غیرت قومی اور احیائے ایمانی کا قدم درمیان آ گیا تو ان تمام مصیبتوں کا خیال دل سے جاتا رہا۔

اصحاب رسولؐ اور فراہمی سامان جنگ میں امداد

حسب الامکان تمام اکابر صحابہ نے سامان جنگ کی فراہمی میں شرکت کی۔ان تمام امدادی سرمایہ میں حضرت عثمان کا سرمایہ زیادہ تھا۔لیکن ابوعقیل انصاری کا ہدیہ سب سے زیادہ گرانقدر نکلا۔اس لیے سب کی عطیہ رقموں کے اوپر رکھوایا گیا۔ یہ ہدیہ نہ درہم ودینار تھا نہ غلاہ اور نہ اسلحہ کا انبار بلکہ صرف خشک چھوہارے تھے وہ بھی کل دوسیر،صاحب رحمۃ العالمین تاریخ ابن خلدون سے اس کی تفصیل کیفیت یوں نقل فرماتے ہیں۔

ابوعقیل انصاری نے دوسیر چھوہارے لاکر پیش کیے اورعرض کی رات بھر پانی کھینچ کھینچ کر ایک شخص کے کھیت کو سیراب کیا تھا اس کی مزدوری میں چارسیر چھوہارے ملے تھے۔دوسیر بچوں کے لیے گھر میں چھوڑ دیئے باقی دوسیر لے آیا ہوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ قیمتی مال ومتاع کے اوپر بچھادو رحمۃ ص 141 مطبوعہ امرت سر۔

صحابہ کا شرکت جنگ سے اعماض

غزوہ تبوک کی تیاری ایک طرف سے اہل اسلام کی حمایت دین میں استقلال وپاداری اور ان کے ایثار مالی اعلیٰ مناظر ومشاہد پیش کرتی ہے۔دوسری طرف سے ان کے ابتلا وامتحان کی کیفیت دکھلا رہی ہے تمام محدثین ومورخین نے بالا تفاق لکھا ہے کہ

86 مسلمانوں نے شرکت جنگ سے پہلوتہی اختیار کی اور گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہے صاحب رحمۃ العالمین نے تو کھلے الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ قریباً 86 شخص جو دکھاوے کے مسلمان تھے بہانے کر کے اپنے اپنے گھروں میں چھپ رہے عبداللہ بن ابی اسلول منافق نے ان لوگوں کو اطمینان دلایا تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی مدینہ واپس نہ آ سکیں گے قیصر انہیں گرفتار کر کے مختلف ممالک میں بھیجد ے گا۔ص 146۔

شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں ان اسباب سے لوگوں کیلئے گھر سے نکلنا مشکل تھا منافقین جو بظاہر آپ کو مسلمان کہتے تھے ان کا پردہ فاش ہو چلا وہ خود بھی دل چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔سویلم ایک یہودی تھا اس کے گھر میں منافقین جمع ہوتے اور لڑائی پر جانے سے لوگوں کو روکتے ص 410۔

ابن ہشام کے الفاظ ہیں۔

ان رسول الله صلعم امر اصحابه بالتهبوا الغزوا روم وذلك فی زمن عسرة من الناس وشدة من الحر وجدب من البلآء وحین طابت الثمار والناس یحبون المقام فی ثمارهم وضلالهم ویکرهون الشخوص علی الحال من الزمان الذی هم علیه وکان رسول الله فلما یخرج فی غزوه الا کنے عنها واخبرانه غیر الوجه الذے یصمدله الا ماکان من غز وه تبوك وانبنها اللناس سعد الشقه وشدة الزمان و کثرة العدد الذی یصمد له التیاب الناس اهتبه فامر الناس بالجهاز وجه هم انه یرید الروم۔

جناب رسولخدا صلعم نے صحابہ کو رومیوں سے جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور یہ حکم لوگوں کو عین شدت کی تنگی گرمی قحط وبلا کے زمانہ میں مہیا کیا اور نیز ایسی فصل ووقت میں کہ ان کے خرمے پک رہے تھے اور تمام لوگ اپنے پھلوں اور ان کے سایوں میں آرام اور مقام کرنا پسند کرتے تھے اور ایسی حالت خاص میں گھر سے باہر نکلنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا حکم غزوہ کے اظہار کے وقت اصل مقام کے خلاف دوسرے مقام کی طرف جانے کی لوگوں کو اطلاع دیتے تھے۔اس لیے کہ دشمن کو آپ کی نقل وحرکت کی خبر نہ ہو بخلاف اس دستور کے غزوہ تبوک میں آپ نے ابتدا ہی سے صاف صاف بتلا دیا کہ روم سے مقابلہ کا قصد ہے اس لیے کہ سفر کی دوری گرمی کی تیزی بے سروسامانی اور تنگ حالی کی کیفیت ان پر

پوشیدہ نہ رہے۔ص 36ج 2 مصر۔

ہم لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے استقلال فی الایمان کا بہت بڑا امتحان تھا۔ابن ہشام کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اکثر لوگ بن آسانی کے خیال سے بھی گھر سے قدم باہر نکالنا نہیں چاہتے تھے اور اکثر لوگ منافقین کے بہکانے سے بھی رک رہے تھے چنانچہ قرآن مجید میں دونوں امور کی طرف حسب ذیل اشارت فرمائی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸

اے ایمان والو تمہیں زیبا نہیں ہے کہ تم راہ خدا کے کاموں سے گریز کرو اور دنیا میں بار بن کر جمے بیٹھے رہو۔ کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا اختیار کرنے کے لیے راضی ہو۔حالانکہ دولت دنیا نعمت عقبیٰ کے مقابلہ میں بالکل بے مقدار ہے۔

بعض وفادار صحابہ کے جان نثارانہ حالات

ان ظاہر نما مسلمانوں کے خلاف اکثر وفادار ایسے بھی تھے جو حقیقت میں اپنی تنگدستی پریشانی اور بے سروسامانی کے باعث سفر کرنے سے مجبور تھے۔وہ بارگاہ الٰہی سے اس خطاب عتاب آمیز کو سن کر بیتاب ہوگئے۔آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیساختہ دوڑے آئے۔اور بکمال حزن و ملال اپنی مجبوریوں کا اظہار حال کرنے لگے اور پیادہ روی سے اپنی مجبوری اور برہنہ پائی کی حالت خراب دکھلا کر سواری کے خواستگار ہوئے یہاں خود سواری کی اتنی قلت شدید تھی کہ اٹھارہ شخصوں کی شرکت میں ایک اونٹ دیا گیا تھا جن پر باری باری سے لوگ سوار ہوا کرتے تھے۔اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان سے خود اپنی مجبوری دکھلائی قرآن مجید نے بھی ان خاص الایمان مسلمانوں کی تصدیق حال ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲

ان لوگوں پر کچھ اعتراض نہیں ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے۔جس پر تمہیں سوار کرسکوں تو وہ واپس آگئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس کچھ خرچ نہیں ہے۔

صاحب روضۃ الاحباب نے ان مخلصین کے حسب ذیل نام لکھے ہیں۔

سالم بن عمیر (۲) علقمہ بن زید (۳) ابولیلی عبدالرحمن ابن کعب مازنی (۴) عمر بن غنمہ (۵) سلمہ بن صخر (۶) عریاض بن

ساریہ (۷) عبداللہ بن معقل (۸) معقل ابن یسار (۹) مہدی بن عبدالرحمن (۱۰) عمر ابن الحمام ابن الجموع۔ انہیں بزرگواروں کی وفاداری کے ساتھ عبداللہ ملقب ذوالجادین کی جان نثاری بھی قابل ذکر ہے۔ جس کو ہم صاحب رحمۃ العلمین کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عبداللہ ملقب ذوالجادین

ان کا نام عبداللہ تھا۔ ابھی بچہ تھے کہ باپ مر گیا۔ چچا نے پرورش کی جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ بکریاں غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی حسن اتفاق سے عبداللہ نے اسلام کا شہرہ سنا۔ دل میں توحید کا ذوق پیدا ہوا لیکن چچا کا خوف اس قدر طاری تھا کہ اظہار اسلام نہ کر سکے جب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے واپس ہوئے تو فتح مکہ کا حال سن کر عبداللہ بے چین ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوق زیارت میں بیتاب ہو کر چچا کے پاس آئے اور کہنے لگے چچا مجھے برسوں اس امر کے انتظار میں گذر گئے کہ کس دن آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہو گی اور آپ کب مسلمان ہوں گے لیکن آپ کا حال ابتک ویسا کا ویسا ہے چلا آیا ہے میں اپنی عمر پر زیادہ اعتبار نہیں کرتا۔ مجھے آپ اجازت دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں چچا یہ سن کر غصہ سے جل اٹھا اور کہنے لگا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کرنا چاہے گا تو یقین کر لے میں ابھی ابھی سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا۔ تیرے بدن چادر اور تہہ بند تک نہ چھوڑوں گا عبداللہ نے نہایت استقلال سے جواب دیا۔ چچا میں اب تو مسلمان ہو کر رہوں گا۔ اور محمد صلعم کی اطاعت ومتابعت ضرور اختیار کروں گا میں شرک اور بت پرستی سے بالکل بیزار ہو چکا ہوں۔ میرا تو یہ مصمم ارادہ ہو چکا ہے اب آپ کا جو قصد ہو وہ کیجئے۔ جو کچھ میرے قبضہ میں زر ومال ہے سب چھین لیجئے۔ میں تو یقین کر چکا ہوں کہ آخر ایک دن مجھے ان سب چیزوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ ہی کو واپس کرتا جاؤں۔ میں ان تعلقات فانی کے لیے دین کے ذخائر روحانی کو نہیں ترک کر سکتا۔ یہ کہہ کر عبداللہ نے چچا کے سامنے کھڑے کھڑے تمام بدن کے کپڑے اتار دیے اور مادر زاد برہنہ ہو کر ماں کے پاس چلے گئے۔ ماں ان کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔ پوچھا ارے کیا ہوا۔ عبداللہ نے کہا میں مومن اور موحد ہو گیا اب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں چچا نے مارے غصہ کے یہ حال کر دیا اگر آپ سے ہو سکے تو ایک کپڑے کا ٹکڑا۔ پارچہ دے دیجئے۔ ورنہ میرا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ ماں نے ترس کھا کر ایک کمل اٹھا دیا عبداللہ نے وہیں کھڑے کھڑے اس کمل کے دو ٹکڑے کیے ایک ٹکڑے کا تہبند باندھا دوسرا ٹکڑا کندے پر ڈال کر ان کے پاس سے باہر نکل آئے اور مدینہ منورہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راتوں رات چلے گئے صبح کو مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے اس وقت تک جناب رسول خدا روحی اور الفدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت سراء سے برآمد نہیں ہوئے تھے عبداللہ بڑی بے تکلفی سے دیوار کا تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ آپ تشریف لائے تو ایک مرد غریب صورت پا کر استفسار فرمایا کہ تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی مجھے عبدالعزیٰ کہتے ہیں۔ میں ایک مرد فقیر ہوں مسافر ہوں غریب ہوں آپ کے جمال کا عاشق ہوں اور ہدایت کا طالب حصول امید کا آسرا لگا کر در دولت تک پہنچا ہوں کجا روم چہ کنم بردر کہ روآ رم اس تقدیر نے آپ کی خاطر مبارک پر بڑا اثر کیا۔ اپنے قریب بلا کر نہایت شفقت وعنایت سے ارشاد فرمایا۔ تمہارا نام آج سے عبداللہ ہے۔ اور ذوالجادین لقب تم ہمارے قریب

قیام کرو اور مسجد ہی میں رہا کرو۔

الغرض یہ خوش نصیب وہی دن سے دائرہ مسلمین میں داخل ہوا اور طبقہ اصحاب میں شامل ہو گیا جناب رسالت مآب ﷺ سے قرآن پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قرات میں مزاحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عمر اسے کچھ نہ کہو یہ تو خدا اور رسولؐ کی محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ کے سامنے غزوہ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی جناب رسولخدا ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہؐ دعا فرمایئے کہ میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں نبی ﷺ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا اُتار لاؤ عبداللہ گئے کا چھلکا اتار لائے آپ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ الٰہی میں اس کے خون کو کافروں پر حرام کرتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو شہادت کا طلب گار ہوں آپ میری حفاظت جان کے تعویذ فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا جب غزوا کی نیت سے نکلو گے تمہیں تپ آ جائے گی اور مر جاؤ گے۔ تب بھی تم شہید ہی میں داخل ہو گے عبداللہ یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے اور خوش خوش لشکر اسلام کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ رحمۃ صف 147۔

عبداللہ کا خاتمہ احوال عنقریب سلسلہ بیان میں آتا ہے۔

شبلی صاحب نہ معلوم کیوں ایسے قابل الذکر واقعات کو قلم انداز فرماتے چلے جاتے ہیں۔ وہ جانے اور ان کی مصلحت ان واقعات کی نقل وتحریر سے میرا مدعا یہ تھا کہ ظاہر نما اور حقیقت آزما یا وفا اہل اسلام کا فرق ما بہ الامتیاز معلوم ہو جائے مندرجہ بالا شواہد سے ثابت ہو گیا کہ اہل اسلام میں اس وقت دو قسم کے لوگ تھے بعض وہی ظاہر نما تھے جو محض غرض دنیا اور تکلیف سفر کے خیال سے گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہتے تھے اور بعض حقیقتاً مجبور تھے قرآن مجید نے دونوں قسم کے لوگوں کی تصریح کی ہے شبلی صاحب قرآن مجید سے صرف ایک کی تصریح فرماتے ہیں۔ دوسرے کی نہیں یہ موالفانہ تدین کے بالکل خلاف ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ان دونوں گروہوں کے علاوہ منافقین کا ایک تیسرا گروہ بھی تیار تھا جو اپنی شرارت طبعی سے طرح طرح کی افواہ جمعیت اسلامی میں پھیلایا کرتا تھا۔ ہمارے شبلی صاحب اسی گروہ پر برس پڑے ہیں۔ ان کی مخالفت ومخاصمت اور فتنہ سازی وحیلہ پروازی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اور نہ ان کا گروہ نیا تھا۔ وہ تو جا وبیجا زیبا و نازیبا فتنے پیدا ہی کیا کرتے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مسلمان کیسے تھے اور ان کا رسوخ بالا ایمان کیسا تھا کہ وہ اس سادہ لوحی سے ان کے چکموں میں آ جاتے تھے۔

تبوک کی طرف لشکر اسلام کی روانگی

جناب رسالت مآب ﷺ بیس ہزار کی جمعیت لیکر جس میں بقول شبلی صاحب دس ہزار گھوڑے تھے مدینہ منورہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کا انتظام سباع ابن عرفطہ انصاری کو سپرد ہوا۔ (طبری) اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اہل بیت کی حفاظت ونگرانی پر مامور فرمایا۔

یہ سفر تکلیف راہ قلت زاد اور احلہ کے اعتبار سے قیامت کا سفر تھا۔ راہ تمام سنگلاخ پہاڑوں اور دروں میں کوسوں منزلیں طے

کرنی تھیں کوسوں چلے جایئے منزلیں طے کر دیجئے لیکن پانی کا کہیں نشان نہیں صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں۔لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی اٹھارہ شخصوں کے لیے ایک اونٹ مقرر تھا رسد کے نہ ہونے کی وجہ سے اکثر جگہ درختوں کے پتے کھانے پڑے جس سے ہونٹ سوج آئے۔ پانی بعض جگہ ملا ہی نہیں اونٹوں کو اگرچہ سواری کے لیے پہلے ہی سے کم تھے ذبح کر کے ان کے معاء کا پانی پیا کرتے تھے رحمۃ بحوالہ مدارج النبوۃ ص 146۔ ابھی لشکر اسلام حوالی مدینہ ہی میں تھا کہ منافقین مدینہ نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے مدینہ میں رہ جانے کے فتنہ انگیز اسباب بیان کرنے شروع کر دیئے۔صاحب رحمۃ العالمین نے ان کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔

اعلان حدیث منزلت

ابھی تبوک کے راستہ ہی میں تھے کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام پہنچ گئے۔معلوم ہوا کہ منافقین بعد میں حضرت علی علیہ السلام کو چڑھانے اور کھجانے (شرمانے) لگے۔کوئی کہتا نکما (نعوذ باللہ) سمجھ کر چھوڑ دیا۔

کوئی کہتا ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ان باتوں سے شیر خدا کو غیرت آئی۔دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے لمبے لمبے سفر اور سخت گرمی کی تکلیف سے پاؤں متورم تھے اور چھالے پڑ گئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا۔ الا ترضی ان تکون منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لانبی بعدی علی۔کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہوں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔گو یا میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے سن کر حضرت علیؑ مرتضیٰ خوش وخرم مدینہ کو واپس گئے ص 124۔بحوالہ بخاری۔

یہاں ایک امر کا صاف کرنا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی منافقین کے چکموں میں آ گئے اور مدینہ سے فرو گا نبوی تک دوڑ گئے۔جب آپ کا طرز عمل بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے تو پھر دوسروں کے طرز عمل پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے وہ بھی منافقین کی باتوں میں پڑ کر مدینہ میں بیٹھ گئے یا ذرائے فقرے میں مدینہ سے لشکر گاہ تک دوڑ گئے۔

یہ بالکل منافقانہ وہم ہے اول حضرت علیؑ کے مدینہ رہ جانے اور دوسروں کے گھر بیٹھے رہنے میں بڑا فرق ہے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم واجازت سے مدینہ میں رہ گئے تھے۔گویا آپ کے بٹھلائے ہوئے بیٹھے تھے ان کے خلاف دوسرے لوگ بلا حکم ورضائے رسول غرض دنیا سے گھر میں چھپ رہے تھے۔یا منافقین کے بٹھلانے سے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔

بخاری صاحب ہوں یا شبلی صاحب یا ان کے ایسے کسی صاحب کو ایسی کیا پڑی ہے کہ حضرت علیؑ کی نسبت اصل حقیقت کی تلاش کرے علیؑ کی حقیقت واصلیت کا ہر دم مشاہدہ فرماسکتے تھے۔مگر یہ امور ان کے دیکھنے کے قابل ہی نہیں تھے۔بہر حال اب تو دیکھئے جناب علیؑ مرتضیٰ کو صدور حکم ہی کے وقت منافقین کی اس طعن وتشنیع کا خیال آیا۔اور آپ نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کو عرض کر دیا تھا۔پڑھیے امام نسائی کی مفصلہ ذیل عبارت۔

عن سعد قال خرج رسول الله فی غزوة تبوك وخلف عليا فقال اتخلفنی فقال اما ترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی۔

سعد (ابن ابی وقاص) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم غزوہ تبوک کے قصد سے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑا حضرت علیؑ کہنے لگے یارسول اللہ کیا آپ مجھے یہیں چھوڑ جائینگے آپ نے فرمایا کہ اے علی علیہ السلام کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے اس منزلت پر ہو جس منزلت پر موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔

اس سے زیادہ تفصیل امام حاکم نے مستدرک میں کی ہے۔

عن علی فدعانی رسول الله فغزم علی اما تخلفت قبل ان تكلم قال فبكيت فقال رسول اله مايبكيك ياعلی قلت يارسول الله خصال غير واحد نقول فريش ما اسرع ما تخلف عن ابن عم وخذلی ببكينی حضلة اخری كنت ان يدان تعرض اللجهاد فی سبيل الله قلت اريد ان اتعرض للاجرويبكتنی حضلة اخرىٰ كنت اليدان تعرض بفضل الله فقال رسول الله اما فولك مشعل قرش ماأسرع ماخلف عن ابن عمه وخذله فان لك لی اسوة قد قالو اساحر و وكاهن وكاذب وماً قولك اتعرض للاجرامترضی ان تكون يمنی بمنزلة ها رون من موسی الا انه لاينی بعدی وما قولك اتعرض بفضل الله هدابازمن فلفل جآء نامن اليمن فيه واستمتع به انت وفاطمة حتیٰ يأيتكم الله من فضله فان المدينه لاتصلح الا بی اوبك اخرجه الحاكم فی المستدرك وقال هذاحديث صحيح الاسناد والنراز وابكر العاقولی فی موائد واين مردويه وابراهيم بن عبدالله الوصابی اليمنی فی الالتفاء فی فضاله الاربعة الخلفاء۔ منقول الدارج المطالب ص5-5

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے (وقت روانگی تبوک) مجھے بلایا اور پیشتر اس کے کہ میں کچھ بولوں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے قسم لے کر مجھے پیچھے رہ جانے کا حکم دیا۔ میں رونے لگا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں روتے ہو اور تمہیں کیا چیز رُلاتی ہے میں نے عرض کی مجھے ایک چیز نہیں رلاتی ہے بلکہ

بہت سی وجہیں ہیں کل قریش کے لوگ کہیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ابن عم سے کس قدر جلد بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا۔ دوم یہ کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ میرا ارادہ فی سبیل اللہ جہاد کرنے کا ہے اور اجر حاصل کرنے کا ہے سوم یہ کہ میرا ارادہ فضل خدا حاصل کرنے کا ہے پس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس لیے روتا ہوں کہ قریش کے لوگ کہیں گے کہ حضرت نے اپنے ابن عم سے کس قدر جلد بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا پس اس میں تمہارے لیے میری ایک سنت مقتدا ہے لوگ مجھے بھی ساحر کاہن اور کاذب کہتے تھے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ میں اس میں شریک ہو کر خدا سے اجر لینے کا امیدوار تھا تو کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت مجھ سے ایسی ہے کہ جیسے ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے مگر میرے بعد نبی نہ ہوگا۔ اور تم جو یہ کہتے ہو کہ مجھے خدا کی مہربانی سے غنیمت میں حصہ ملنے کی امید تھی تو یہ سیاہ مرچوں کے بستے جو عافیہ یمن سے آئے ہیں تم ان کو فروخت کرواور تم اور فاطمہؑ اس سے فائدہ اٹھاؤ جہاں تک خدا کی مہربانی سے تمہارا غنیمت میں حصہ ہے کیونکہ بے شک نظم واصلاح بغیر میرے تمہارے ممکن نہیں۔ حاکم نے اس کو مستدرک میں لکھ کر صحیح الاسناد بتلایا ہے اور بزاز ابوبکر عاقولی نے موئد میں اور ابراہیم بن عبداللہ الوصابی لمنی نے اپنی کتاب مسمی بہ اکتفافی فضائل الا یقہ الخلقاء میں نقل کیا ہے۔ ارجح لمطالب ص505۔

محدث شیرازی بھی اس کو حسب ذیل الفاظ مختصر میں لکھتے ہیں۔

بصحت رسیده که چون پیغمبر عزم بیرون رفتن کرد علی ابن ابی طالب کرم اللّٰہ وجهه زواہل خود خلیفه گردانید علی بغرض سانید که دربیچ غزوه تخلف نموده ام چگونه است کراین نوبت مرامی گذاری فرمود واما ترضیٰ ان تکون منی بمترلدھارون من موسیٰ الا انه لا بنی بعدی اے علی ایا رضی نبستی کراشبی نسبت یمن مترله ہاون نسبت موسیٰ لیکن فرق اینست که بع داومن ہیچکس رامرتبه نبوت تحواہد بود پس بزرعات مطہرات خویش فرمود علی علیہ السلام رابر شاخلفه گرد ایندم باید که سخن ویرا بشویده فرمانبرداری اویجا اورید۔ روضۃ الاحباب ص 487

بطریق صحیح منقول ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (غزوہ تبوک میں باہر جانے کا قصد کیا تو علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے ازواج پر خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی کہ میں آج تک کسی غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہا۔ پھر مجھ کو کیوں چھوڑا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری

منزلت میرے نزدیک ویسی ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام کی منزلت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی شخص درجہ نبوت پر فائز نہ ہوگا یہ فرما کر آپ نے تمام ازواج مطہرات سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ میں نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو تم سب پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔تم سب اس کی ہدایت کو سنا کرو اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری کیا کرو۔

یہ روایتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر میں رخصت ہوتے وقت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو یہ ضرورت بتلا کر اور ہدایت فرما کر مدینہ میں رہ جانے کا حکم فرمادیا۔ جناب علی مرتضیٰؑ ضرورت کی اہمیت اور حکم رسولؐ کی مصلحت کو گوش اطاعت سے سن کر مدینہ میں رہ گئے لیکن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے بعد منافقین سے زیادہ ان مسلمین (قریش بروایت حاکم) کی تردید وتکذیب کی ضرورت حضرت علیؑ کو پیش آئی جو محض آرام طلبی اور تن آسانی سے گھر میں چھپے بیٹھے تھے اور آپ کے گھر رہ جانے کی صحیح وجوہات میں معنی پہنا رہے تھے۔ یہ منافقین کے فقرے نہیں تھے۔ بلکہ ظاہر نما مسلمانوں کے حیلے اور طعن آمیز آوازے تھے۔کیونکہ امام حاکم نے قریش کا لفظ لکھا ہے۔

حضرت علیؑ مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام حُرف میں پہنچ کر لشکر اسلامی سے مل گئے۔اور جو ضرورت مدینہ سے آنے کی لاحق حال ہوئی تھی خدمت نبویؐ میں عرض کردی اور جو منزلت آپ کی شہنشاہ رسالت کو مدنظر تھی وہ زبان رسالت سے علی روس الاشہاد ظاہر کرادی۔اس لیے کہ حدیث منزلت یا استخلاف فی دارالہجرت کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا تھا وہ دولسترائے رسالت کے اندر فرمایا گیا تھا سننے والے اس کو خلوت کی باتیں یا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے مصنوعی اضافات ٹھہراتے۔اس لیے ضرور تھا کہ جناب علی مرتضیٰ ان فتنہ پردازیوں کی مغویانہ افوہوں کی خاص زبان رسالت سے عامۃ المسلمین کے سامنے اصلاح فرمادیں یہی ضرورت تھی جو آپ کو مدینہ سے اتنی تکلیف دہی کی باعث ہوئی۔

افسوس تو اس پر آتا ہے کہ تمام ماخذوں میں یہ واقعات پوری اصلیت اور واقعیت کے ساتھ موجود ہیں مگر تعصب ہے نفسانیت ہے اور خودغرضی ہے کہ نہ ان کی تصریح کرنے دیتی ہے اور نہ تشریح متعدد محدثین کی اسناد سے دونوں روایتیں لکھ دیں۔ جو علی رؤس الاشہاد ثابت کررہی ہیں کہ حدیث میں دوسری بار مقام جرف میں اعلان عام کی صورت میں۔

حضرت ابوذر کی سعی فی الجہاد

ہم اپنے سلسلہ بیان میں لکھ چکے کہ بہت سے مومنین مخلصین حقیقتاً اپنی غایت مجبوری سے پیچھے رہ گئے تھے جس طرح کعب بن مالک جن کا پورا حال ہم غزوہ تبوک کے خاتمہ میں لکھیں گے پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت ابوذر غفاری بھی تھے۔ان کے زاہدانہ حالات وعادات اور درویشانہ واقعات حیات سے کون مسلمان واقف نہیں ہے خیریت سے ان کے پاس اونٹ تھا لیکن آقا کی حالت جب فاقوں سے درست نہیں تھی تو ناقہ کو کون پوچھتا ہے۔یہ غریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے بعد اسی لاغر اور کمزور اونٹ پر لشکر کے

ہمراہ چلنے نتیجہ یہ ہوا کہ فوج سے کوسوں دور ہو گئے۔ تاریخ الخمیس میں ہے۔

نزل رسول فی بعض متازله فنظر ناظراً من المسلمین فقال یارسول هذا رجل یمشی فی الطریق وحده فقال سلعم کن اباذر فلما تامله القوم قالو یارسول الله هووالله ابوذر فقال رسول الله صلعم رحم الله ابوذر یمشی وحده ویموت وحده۔

رسول مقبول کسی جگہ سفر میں منزل گزیں تھے کسی صحابی نے دوسرے ایک مرد کو آتے ہوئے دیکھا اور عرض کی یارسول صلعم کوئی شخص اکیلا اور پیادہ آ رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوذر ہیں لوگوں نے بغور تامل دیکھ کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی قسم وہی ہیں ابوذرؓ! آپ نے ارشاد فرمایا۔ خدا ابوذر پر رحم فرمائے وہ جس طرح بحالت بیکسی وتنہائی اس وقت آ رہا ہے اسی طرح بحالت تنہائی وبیکسی وفات بھی پائیگا۔

حضرت ابوذرؓ کا بحالت بے کسی وتنہائی آنا تو معلوم ہو گیا۔ لیکن بے کسی وتنہا ہو کر ان کا دنیا سے جانا۔ جس کی پیشین گوئی زبان رسالت سے کی گئی ہے وہ بھی سن لیا جائے محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ کے خاتمہ حالات

سلم پرسید ابوذرچه حال داری پس قصه شتر رابعه نس رسانیه آن سرور فرموده به رسته که تواز جمله اعزاہل سنی که تخلف نموده اندر بہرگاے که برگرفنی بسوئے خداوند تعالیٰ گہتا ہے ۔ از تودرگذر تادگویند ورزمان خلاف امیر المومنین عثمان بن عفان ابوذررضی اللّٰه عنه ایجست مصلحت از مدینه بیرون کرو ندوبذ فرستا وند درآن منزل پی بودتا وقت وفاتش دررسید درآن وقت وفاکسے نبودالازن وغلام ہوصیت کردابشان راکه چون مرا بشوئید دورکفن سنجید وجملے از شرسوار که اول شمار برسند بگوئید که این ابوذر است مصاحب پیغمبر مارا عانت تمائید درد فن اوچون وفات افت موجب وصیت اوعمل نمودنداول جماعتیے که بالسیشان رسید عبدلله بن مسعود بودکه باگردے ازاہل عراق بعمره گزارون می رفته ند جنازه رابرسرراه ویدند غلام برخاست وگفت ابن ابوذراست مصاحب رسول اعانت نمائیدارادفن اوعبداللّٰه بن مسعود با بلند درگریه شدو گفت صدق رسول اللّٰه تمشی وحدک وتموت وحدک وتبعث وحدے فرود آمد ندونمازبروےگزاردنددفعن کروند۔ ص394 لکھنئو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابوذرؓ سے اصل حال پوچھا تو انہوں نے اونٹ کی کیفیت کہی آپ نے فرمایا کہ جولوگ کہہ، پیچھے تو رہ گئے ہیں ان میں تو مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہے وہ قدم جو تو نے اس طرف آنے میں اٹھایا ہے خدا تیرے گناہ بخش دیا ہے اور منقول ہے کہ امیر المومنین عثمان بن عفان نے اپنے زمانہ حکومت وخلافت میں مصلحت وقت کی وجہ سے ابوذر کو مدینہ سے ربذہ کی طرف نکال دیا تھا اور یہ وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات کا زمانہ آ گیا اور ان کے پاس سوائے ان کی بی بی اور ایک غلام کے کوئی دوسرا شخص نہیں تھا انہوں نے اپنے غلام سے وصیت کردی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میری میت کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر شارع عام پر رکھ دینا اور شتر سواروں کا جو پہلا گروہ ادھر سے گذرے اس سے کہنا کہ یہ ابوذر غفاری صحابی رسول صلعم کی میت ہے آپ ان کے دفن میں میری اعانت کریں چنانچہ جب ان کی وفات ہوگئی تو اس غلام نے حسب وصیت عمل کیا میت کو غسل دے کر کفن پہنا کر سرراہ لا کر رکھ دیا شتر سواروں کا پہلا گروہ جو ادھر آیا۔ وہ عبداللہ بن مسعود صحابی رسول صلعم کا تھا ان کے ہمراہ اور لوگ عراق سے بقصد ادائے عمرہ آئے تھے غلام نے بڑھ کر ان لوگوں سے کہا کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی جناب رسولخدا صلعم کی میت ہے آپ ان کے دفن میں میری اعانت فرمائیں یہ سن کر عبداللہ بن مسعود با آواز بلند رونے لگے اور فرمانے لگے جناب رسول مقبول صلعم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر تنہا آیا ہے۔ تنہائی میں مریگا اور تنہا ہی قبر سے اٹھایا جائیگا۔ تمام لوگ اتر پڑے میت پر نماز پڑھی اور مدفون کردیا محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

روز بغایت گرم بود اوزن واشت وزنا دے ہر ایک بردر عریش ابستاوہ آن روافتہ وآب زدہ وکوزاے آب سرد مہیا واشتہ وطعام نیکو ترتیب وادہ بووند ابوخیثمہ از بیرون آمدہ بردر عریش ابسا دودورئے نہتان خوددید وآن ترتیب ملاحظہ نمود وگفت رسول وریبابان وشت حرارت وآفتاب وباہائے گرم رامی رواابوخیثمہ درسایہ آب خنک وآب سر وطعام متلد ذہنوشد وبازان خوبرو معاشرت کند ہرچند ثنان دے باوے خند گفتند باہیچ کدام تکلم نمود واز عقب آنحضرت صلعم روان شد ودر منزل تبوک باآنحضرت ملحق شد وقصہ آمدن رابعرض رسانید سید عالم دعائے خیر درشان وے فرمود۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روانگی تبوک سے چند روز بعد ابوخیثمہ ایک دن اپنے گھر میں آئے وہ دن بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ گرم تھا۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں دیکھا کہ وہ دونوں بیبیاں مکان کی چھت پر بیٹھی ہیں اور اس کو جھاڑو دے کر اور پانی چھڑک کر خوب صاف ستھرا

اور ٹھنڈا کر رکھا ہے اور لذیذ و خوشگوار کھانے پکا رکھے ہیں ابو خیثمہ یہ سامان دیکھ کر گھر کے دروازوں ہی پر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور اپنی بیبیوں کے چہروں کو غور سے دیکھنے لگے اور دل میں کہنے لگے کس قدر شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس دھوپ طپش اور سخت ترین گرمی میں دشت وصحرا میں بادیہ پیمائی کرتے ہوں اور میں سایہ میں بیٹھ کر ٹھنڈے پانی اور لذیذ و پرتکلف کھانوں سے لطف اٹھاؤں اور حسین عورتوں سے معاشرت کروں یہ انصاف اور اخلاق سے قطعاً بعید ہے خدا کی قسم ہے کہ میں ان دونوں گھروں میں سے کسی گھر کے اندر قدم نہیں رکھوں گا تاوقت یہ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق نہ ہو جاؤں پس نہایت اختصار کے ساتھ ان کھانوں میں سے توشہ سفر کے لیے ہمراہ رکھ لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر سامان سفر پیچھے باندھ کر روانہ ہوا۔ ان کی بیبیوں نے ہر چند چاہا کہ اس سے کچھ باتیں کرلیں لیکن اس نے نہ ان کی سنی نہ اپنی کہی اور مدینہ سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں روانہ ہوا یہاں تک کہ مقام تبوک میں پہنچ کر شرف زیارت سے مشرف ہوا اور حقیقت حال خدمت مبارک میں عرض کردی جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعائے خیر سے مشرف فرمایا۔

تبوک میں نزول اجلال عبداللہ ذوالجہادین کا

نہیں معلوم شبلی صاحب کو کون سی عجلت اور کون سے ضرورت مجبور کرتی تھی کہ آپ نے ان تمام اخلاص مندوں کے حالات کو جو ان کی وفاداری اور خلوص وعقیدت کے بے نظیر کارنامے ہیں قلم انداز فرمادیا اور نہیں معلوم کہ ایک واقعہ نگار کی حیثیت میں آپ کی یہ فروگذاشت کہاں تک مسلمانوں میں پسندیدہ سمجھی جائیگی۔ تمام قدیم ماخذوں میں یہ واقعات مرقوم ہیں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان بزرگواروں نے کس ضرورت وفادہ سے ان حالات کی نقل کو ضروری سمجھا تھا اور آپ نہیں سمجھتے اسی لیے ناظرین کتاب آپ کی عجلت تالیف اور ان کی صلاحیت واطمینان تالیف کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔

بہر حال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے سنگلاخ اور ناہموار اور دشوار راستوں سے لشکر لے جانا ہوا جس کا اتفاق نہ آپ کو ہوا نہ آپ کے لشکر کو اس وقت تک ہوا تھا۔ اثنائے سفر میں ان پہاڑوں سے گذرنا ہوا جو قوم عاد وثمود کے مسکن قدیم تھے ان مقامات میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو نہایت تیزی سے گذر جانے کا حکم دیا اس لیے کہ خداوند قہار کے نزول قہر وعذاب کے یہ خاص مقامات تھے۔

تبوک میں نزول اجلال ہوا تو غریب عبداللہ ذوالجہادین کو حسب الارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاپ آئی تاپ کیا آئی طلب آئی وعدہ پورا ہو گیا اسی تپ میں وہ جان بحق تسلیم ہو گئے شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی اسناد سے صاحب رحمۃ العلمین لکھتے ہیں۔

رات کا وقت تھا۔ بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا ابوبکر وعمر عبداللہ کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے اور ابوبکرؓ وعمرؓ سے فرمارہے تھے۔ ادبا الی اخا کما (اپنے بھائی کا آداب واحترام ملحوظ رکھو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قبر پر اینٹیں رکھیں اور پھر دعا میں یوں فرمایا میں آج کی شام تک اس سے خوشنود رہا ہوں تو بھی اس سے راضی وخوشنود رہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کاش اس قبر میں میں دبادیا جاتا۔ رحمہ ص 148۔ مدارج النبوۃ ج 2 ص 463۔

تبوک تک کا سفر بیکار نہیں گیا

تبوک تک کی زحمت سر بیکار نہیں گئی اہل شام مسیحی حکمران اور عیسائی اقوام کی وہ ہمتیں سست اور ارادے پست ہوگئے جو دارالسلام مدینہ پر فوج کشی اور حملہ آوری کے نسبت رکھتے تھے۔لشکر اسلام کی جمعیت وکثرت۔جرأت وہمت نے کہ اتنی دور دراز سفر کی مصیبت کاٹ کر یہاں تک چلے آئے۔ان کے کلیجے پانی کردیئے۔نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں۔

فلاڈیلفا (Philadalphia) کا قدیم کلیسا جس کا ذکر مکاشفات یوحنا باب 3 درس 7و3 میں ہے تبوک ہی کے متصل تھا۔عرب اسے القصر کہتے تھے حجاز ریلوے کی سڑک میں اس کے کھنڈر پائے گئے ہیں۔زمانہ نبوت میں یہاں عیسائی قومیں آباد تھیں اس لیے (ایام قیام تبوک میں ان اقوام میں تبلیغ اسلام کی گئی اور ان سے معاہدات بھی کئے گئے۔

عیسائی قوموں کی خاص رعایت

عسائیت پر قائم رہنے والی قوموں کو مذہب کی آزادی دے دی گئی۔اور ان کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ اسلام نے اپنے ذمہ لے لیا۔یہ وہی عہد نامہ مقدس ہے جو عیسائیوں کے پاس اب تک محفوظ ہے اس طرف چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی عیسائیوں کی تھیں مثلا اکیدر دومۃ الجندل میں حکمران تھا اور یوحنا ایلہ کا فرمانروا تھا۔اسلام نے ان ریاستوں کو اپنی حالت پر قائم رکھا گیا۔ان معاملات میں جس فیاضی بے تعصبی بلکہ محبت کا اظہار کیا گیا وہ آج تک تمام دنیا کا مسلمہ ہے عیسائیوں نے یروشلم اور فضا کا نیا نام جس کا ذکر مکاشفات باب 3 درس 12 میں ہے۔اسی جگہ سنا تھا اکیدر والی دومۃ الجندل نے جسے خالد بن ولید نے شکار کھیلتے گرفتار کیا تھا۔نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر جزیہ دینا منظور کیا پھر معاہدے کے بعد مسلمان ہوگیا۔رحمۃ حاشیہ ص 143۔محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں بھی ان حالات کو پوری تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ ہو ص 497۔

شبلی صاحب بھی اس کی تفصیل میں حسب ذیل رقمطراز ہیں۔

تبوک پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بیس دن تک قیام فرمایا ایلہ کا سردار جس کا نام یوحنا تھا حاضر خدمت ہوکر اسے جزیہ دینا منظور کیا۔ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کو ردائے مبارک بھی عنایت فرمائی جربا اور ازرج کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی دومۃ الخندل جو دمشق سے پانچ منزل ہے۔وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا۔آنحضرت ﷺ نے خالد کو چار سو کی جمعیت کیساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا خالد نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہوکر شرائط صلح پیش کرے چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا آپ نے اس کے معاملات طے فرمائے۔جلد اول ص 411۔

تبوک سے واپسی واقعہ عقبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قتل کی ترکیب

ہم ابتدا میں لکھ آئے ہیں کہ تبوک کی زمین وہاں کا سفر مسلمانوں کے خلوص فی الایمان اور استقلال فی الاسلام کی آماجگاہ تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ منافقین کے اغوا وفتنہ انگیزی سے یا فطرت کی ناہمواری وشورش خیزی سے بہت سے دولتمند اور آرام پسند مسلمانوں کے دل میں عرب کی قدیم آزادی نافرمانی اور مطلق العنائی کی ہوا سما گئی تھی۔ جیسا کہ آغاز واقعات سے مترشح ہو رہا ہے چنانچہ اس کا اظہار تبوک سے واپسی میں نہایت شرمناک طریقہ سے ہوا۔ سامان اس قیامت کا تھا اور سازش اس بلا کی تھی کہ خدانخواستہ جان رسالت کا خاتمہ ہی ہو گیا تھا لیکن حافظ حقیقی اپنے رسول کی مقدس جان کا محافظ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تو بال بال بچ گئے لیکن منافقین اسلام کی ظاہر نما عقیدت وخلوص کا پردہ فاش ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی رحمت عالم نے اپنی رحمت ہی کی شان دکھلائی منافقین مسلمین اور مار آستین معتقدین کو صریحاً جان کر اور پہچان کر بھی نہ بتلایا۔ محدث شیرازی کی زبانی پوری تفصیل حسب ذیل ہے۔

شبے دراثنا مرجعت عقبه پیش آمد حجرت رسالت پناه منادی رافرموتاند کرد که آہیچس برین عقبه بالا نردتازمانے که رسول ازین عقبه نه گزردپس آنحضرت باحذیفه مہاراشترراگرفت بودومی کشید وعمار ازعقب شتر رامی ند وحذیفه گوید ناگاه دیدم دولزسواروبروایتے چہارده سوارد یدم که متوجه بآن شدندآن سرورازان حال متنبه کردم بانگے بریشان زدہمه باگریختہند و روایتے آئکه عمار پیش رفت وسرورے شتر ایشان راہزدوبعد ازان فرمودشنا ختید این قوم را گفتم نایارسول اللّٰه راویہاے خود وابسته بودند گفت اینہا جماعتے ہستند که درین عقبه مزاحم من بشوند وشتر مرارم وہندتابیفتم ومرابقتل آورندگفتیم یارسول اللّٰه پس چرانمی فرستی بشیره وقبیله ہر یکے ازانہانا سروے رابریده بہتر تو بفر پسند فرمود خوشم نمی آید که عرب گویند محمدبمرافقت قومے بادشمنان خویش مقاتله نمود تابرایشان ظفر ایافت آنگاه آن قوم رافتل آورد بعد ازان فرمودبارخدایا ایشان را بزحمت دبیله گرفتارکن گفتیم یارسول اللّٰه وبیله چیست فرمود شعله آتش که دردل ایشان افتروہلک سازد آنگاه نامہائے ایشان و نہامہاے پدرایشان باحذیفه رضی اللہ عنہ وعمار رضی اللہ عنہ گفت وامر فرمود ایشان راکه ازمردم پوشیده دارند وآن قوم رارسوا سا بیہقی رضی اللہ عنہ گوید گواہی میدہدبصحت این قصه انچه مسلم روایت کرده از طریق ابوالطفیل که گفت میان مردے از اہل عقبه و ومیان حذیفه رضی اللہ عنہ بن الیمان گفتگوے واقع شد آنمرد گفت سوگند میدہم ترا بخدا بس بگوکه اصحاب عقبه چند

کس بودند حصار مجلس گفتند اے حذیفه ﷺ بگو چون ترا سوگند میدد گفت مارا خیر دادند که ایشان چهار کس بوند اگر تو از جمله ایشان بوده پانزرو دنفر بوده باشند سوگند میخورم بخدا که دوازده کس از ایشان دشمن خدا و رسول اندر دنیا ودر روز ویو قیامت وسه کس از نجمله اعتذر نمودند که ندائے منادی آنحضرت بسمع مانه رسید واز آنچه آن جماعت منافق اراده کرده بودند خبر نداشتم پیغمبر ایشان را معزور داشت وایضاً مسلم از طریق عمار یاسر روایت می کند که گفت حذیفه مرا خبر دار گرد ینده که حضرت صلعم فرموده که درمیان اصحاب من وازده منافق اند که وے بهشت نخواہند دید وبوے آن نخواہند شمیر تازمانے که شتر در سوراخ سوزن در دو دهشت کس از ایشان برحمت دبیله گرفتار خواہند شدشعله از آتش درمیان شانہاے ایشان ظاہری بشودواز سینه ہائے ایشان سریزید واز ینجہت اصحاب رسول درشان حذیفه ﷺ می گفتند صاحب السرالذی لااهله الا غیره وحضرت صلعم گاہے که فضائل اصحاب بیان فرمودے گفتے اعلمهم بشان المنفقین حذیفه وگویند بعد پیغمبر گاہے که جنازه حاضر شدے عمر بن خطاب ناظر حذیفه ﷺ بودے اگر دے برآن جنازه نماز گزار وے عمر نیز گذاردے واگر حذیفه ﷺ حاضر نه شدے یا نماز نگزارے دے عمر نیز نماز نگزارے دے۔

تبوک سے مراجعت فرماتے ہوئے ایک رات کو آنحضرت ﷺ کو ایک گھاٹی نظر آئی آپ نے منادی سے یہ کہہ کر ندادی کرادی کہ کوئی شخص اس گھاٹی سے پار نہ ہو یہاں تک کہ رسول ﷺ پار نہ ہو لیں پھر آپ حذیفہ بن ایمان اور عمار یاسرؓ کے ہمراہ اس گھاٹی پر آئے حذیفہؓ آپ کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے اور عمار یاسر اس کے پیچھے سے اسے چلا رہے تھے حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اس درمیان میں میں نے بارہ آدمیوں کو دیکھا اور ایک روایت کے موافق 14 آدمیوں کو دیکھا حذیفہ کا بیان ہے کہ وہ ہم لوگوں کی طرف بڑھے آرہے تھے ہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اطلاع کی آپ نے بلند آواز سے ان کو ڈانٹا اور وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ عمار نے آگے بڑھ کر ان لوگوں کے منہ پر مارا بھی اُسکے بعد آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تم لوگوں نے ان لوگوں کو پہچانا۔ یا نہیں ہم لوگوں نے عرض کی ہم نے تو نہیں پہچانا اس لئے کہ وہ اپنے منہ کو چادر سے چھپائے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا

کہ یہ وہ جماعت ہے جو قیامت تک منافق رہے گی اور یہ بھی تم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ اپنے دل میں کیا قصد رکھتے تھے۔ ہم لوگوں نے عرض کی ہمیں تو معلوم نہیں ارشاد فرمایا لوگوں کا قصد تھا کہ اس گھاٹی میں میرے مزاحم ہوں میرے اونٹ کو بھگا دیں تاکہ میں اونٹ سے گر جاؤں اور یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں یہ سن کر ہم لوگوں نے عرض کی کہ پھر آپ ان لوگوں کے قوم وقبیلہ کے پاس کیوں نہیں کہہ بھیجتے کہ ان لوگوں کے سرکاٹ کے ہمارے پاس بھیج دیں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ امر مجھے پسند نہیں ہے کہ تمام عرب کہنے لگیں کہ محمدؐ نے پہلے تو ایک قوم کو ساتھ لے کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور دشمنوں پر فتح پا جانے کے بعد پھر اسی قوم کو قتل کروا دیا اس کے بعد آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اس قوم کو عذاب دبیلہ میں گرفتار کر ہم لوگوں نے عرض کی کہ دبیلہ کس قسم کے عذاب کا نام ہے ارشاد ہوا کہ یہ شعلہ اندرونی ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اس کے بعد آپ نے ان تمام لوگوں کے نام بقید ولدیت عمارؓ اور حذیفہؓ کو بتلا دیئے اور حکم فرما دیا کہ ان کے نام کسی کو نہ بتلائیں اور ان کو رسوا نہ کریں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں اس واقعہ کی صحت پر صحیح مسلم کی یہ روایت صادق ہے کہ ابوالطفیل سے مروی ہے کہ انہیں اہل عبقہ میں سے ایک آدمی اور حذیفہ بن الیمان کے مابین کچھ گفتگو واقع ہوگئی اس آدمی نے حذیفہ سے کہا کہ ہم تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ تم اہل عقبہ شمار میں کتنے آدمی تھے حاضرین نے حذیفہ سے کہا کہ جب یہ شخص تمہیں قسم دیتا ہے تو اب تمہیں بتلا دینا ضروری ہے حذیفہ نے کہا خدا کی قسم ہے وہ 14 شخص ہیں اگر ذرہ بھی ان سے داخل تھا تو ان کی 15 پندرہ کی تھی۔ خدا کی قسم ان میں سے بارہ 12 شخص تو دنیا و آخرت میں خدا اور رسول خداصلعم کے دشمن ہیں ان میں سے تین آدمیوں نے معذرت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی کی ندا انہوں نے نہیں سنی تھی یہ سن کر حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معزور سمجھ کر چھوڑ دیا اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں عمار یاسرؓ سے منقول ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرماتے تھے کہ میرے اصحاب میں بارہ آدمی ایسے منافق ہیں کہ وہ بہشت کا منہ نہ دیکھیں گے اور نہ اس کی بو سونگھیں گے تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے یعنی ان کا بہشت میں جانا ایسا محال ہے جیسا کہ سوئی کے ناکے میں پیٹھنا اور آٹھ آدمی ان میں ایسے ہیں جو عذاب دبیلہ میں گرفتار ہونگے ایک شعلہ اندرونی ان کے سینوں میں مشتعل ہو جائیگا۔ انہیں امور کی اطلاع رسانی کے باعث صحابہ

کیا خذیفہ بن الیمان کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ ان اسرار کے جاننے والے جن کو سوائے ان کے کوئی دوسرا نہیں جانتا اور خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کے فضائل بیان فرماتے تھے تو حذیفہ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ یہ منافقین کے عیوب کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور مروی ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جب کسی کا نماز جنازہ لایا جاتا تھا تو حضرت عمر دیکھا کرتے تھے کہ اس جنازہ میں حذیفہ شریک ہیں یا نہیں اگر حذیفہ شریک ہوتے تو حضرت عمر اس جنازہ کی نماز پڑھتے اگر وہ شریک نہ ہوتے تو نماز نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت عمر اور منافقین کے ناموں کی ہمیشہ فکر و تلاش

حضرت عمر کو ان منافقین کے نام معلوم کرنے کی ہمیشہ تلاش رہی خدا جانے کیوں؟ حذیفہ بن الیمان سے بار بار خلوت وجلوت میں ان منافقین کے نام پوچھا کرتے تھے آخر ایک مرتبہ کھل پڑے۔امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

کان عمر یسأل حذیفه یقول له انت صاحب سر رسول الله فی المنافقینفهل تری علی شیئاً من اثار التفاق۔(جلد3نولکشور ص37)

حضرت عمر حذیفہؓ سے سوال کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے حذیفہ تم منافقین کے متعلق جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دار ہو بتلاؤ تم مجھ میں بھی کوئی آثار نفاق پاتے ہو۔

مسجد ضرار اور اس کا انہدام آثار

عقبہ کے حالات کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین امت کی زد سے بال بال بچکر مع الخیر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔مدینہ کے قریب پہنچ کر مرکب رسالت مسجد ضرار کے پاس پہنچا تو اس نام نہاد مسجد کے بانی آپ کے وعدہ کی یاد ہانی کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے شبلی صاحب مسجد ضرار کے تفصیلی حالات حسب ذیل قلمبند فرماتے ہیں۔

منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اسی خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ (جوڑ) پر وہیں ایک مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبویؐ میں نہ پہنچ سکیں یہاں آکر نماز ادا کیا کریں۔ابو عامر انصاری جو انصار میں عیسائی ہوگیا تھا اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو میں قیصر کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردے۔(بحوالہ زرقانی باسناد ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک جانے لگے۔تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول

ہوجائے آپ نے فرمایا اس وقت میں مہم پر جارہا ہوں جب تبوک سے واپس آئے تو مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد میں آگ لگادیں۔

نفس مطلب کا خلاصہ تو اس عبارت سے ضرور ظاہر ہوگیا۔لیکن تاہم چند امور خاص کی تفصیل اس سے زیادہ ضروری تھی ابوعامر انصاری کی تفصیل معرفت ضرور قابل الذکر تھی۔ بیمار و معذور کی ادائے نماز کی ظاہری ضرورت کے علاوہ منافقین کی اس مسجد کی بنا سے جو حقیقی غرض تھی۔اس کو اشارات کی جگہ تفصیل سے بیان کرنا چاہیے تھا محدث شیرازی نے ان تمام امور کو پوری تفصیل سے لکھا ہے ہم اُسی کے نقل و ترجمہ کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھ کر ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

پیش از آمدن رسول اللّٰہ بہ مدینہ ابوعامر زاہب کہ راب کہ از اشراف قبیلہ خزرج بود و دین نصرانیت اختیار کردہ ومہارتے درعلم انجیل وتوریت تحصیل نمودہ وطریق عبادت وزہادت پیش گرفتہ وراعیہ ریاست داشت دائماوصف لغت پیغمبر آخرزمان رابراہل مدینہ می خواند ودعویٰ می کرد کہ وصف از جن وانس شنیدہ ام چون آنحضرت بمدینہ آمد مسلمانان انحطر شریفہ چنان شیفتہ جمال وکمال محمدی شدند کہ برابروے کاملے دیگر نداشتند باین سبب منزلے عظیم درکار ابوعامر پیدااشد وبنا برین آتش حسد ازکانون باطن اورعلہ زدو مردم راازمتابعت پیغمبر منع می کرد سما اوفی گفتندتو نہ آن بودی کہ وصف ونعت اورابرائے تقریرھی کردی چگونہ است کہ اکنون مردم راز متابعث وبازمینداری درجواب میگفت کہ این نبی وانیست کہ من فی گفتم این مشابہتے باودرادوآنکہ میکگتم پیدا خواہدشد ورسول نبی اور بخواند ودعوت اسلام باد نمود وے قبول نہ کردوسبیل تمرد وعناد پیمودچنانچہ آیہ کریمہ ولما جآھم کتابٌ من عند اللّٰہ مصدقِ لما معھم وکانو من قبلُ یستفتحون علی الذین کفرو فلما جائۓ۔ ھم ما عرفو کفروابہٖ فلعنہ اللّٰہ علی الکافرین تحقیق احوال و امثال اومینماید وچون اہل اسلام اور حرب بدر برکفار قریش غلبہ یا فتند واسلام قوت گرفت ابو عامر ازمدینہ گرفت وبمکہ رفت و کفار قریش رابحرب پیغمبر ولیسر ساخت ودر جنگ احد حاضر شدواوں تیر برلشکر اسلام انداخت وے بود مسلمانان اورا فاسق خواندندو روایتے آنکہ حضرت وے راملقب بہ فاسق ساخت ودعاے بدبروے کردوگفت یار خدایا اوے راطریدووحید بمیران ابو عامر از حرب احد بگریخت وبردم رفت وروایتے آنکہ ازحنین نیر حاضر شدہ فرار

نمو و پیندرہر قل رفت وملازم شد و میخواست کہازوے لشکر بستاند و یحنگ آن سرور صلعم بیایدو این معنی بدیر صورت می بست از انجابمنا فقان مدینه از قوم خویش نوشت که شمادر مقابله مسجدقبا درمحله خویش براے من مسجدے بسا زید که چون بمدینه آیم درآن مسجد بافاده علوم مشغول بشوم وآن مسجد مارا مرصدے بودتا ہر فکرے که در خاطرد اشته باشم بفرصت درآنجا بظہور رسانم پس آن قومسجدے بسا ختندن ودرتر صیص و استحکام آن سعی نمودن وپیش از توجه آنحضرت بغزوه تبوک یا تمام رسانیدندوچونه آن سروربآن غزوبیرون می آمد آمد ند وگفتند یا رسول اللّٰہ مسجد ےدرمحله خویش بنا کرده ایم بر آئے صنعیفان وبیماران ووقت سرما وبارندگیخاطر ماچنین میخواہد که قدم رنجه فرمائی وبیماز گزاردن آن مسجد مشرف سازی میخو استدکه بواسطه نماز آنحضرت صلعم در آنجا آنر استحکام وشبہات وند لا جرم انواع چرب زبانی نمودندیه پیغمبرﷺ درجواب آن منافقان فرمود که حالا متوجه غزوه ایم ان شاء اللّٰہ اگریاز ائیم درآنجا نماز گذاریم ودقت باز گشتن از غزوه تبوک چون بمزله متوجه غزه ایم ان شاء اللّٰہ اگرباز آئیم درآنجانان زگزاریم ووقت پاز گشتن از غزوه تبوک چون بمنزل ذی اون که ازبچا تا مدینه یک سعت راه است رسید اہل مسج آمد تمدو استدراع اموندند که وعده فرموده بودی اکنون وقت وقابو عده است جبرئیل آمدواین آیه اور

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

پس آنحضرتﷺ مالک بن الدخشم ومعن بن عدی وروایدتے عامر بن عدی رفلید وگفت بردیدباآن مسجد که ظالمان بنا کرده امد وآنربکنید وبسوزداینِد وبسوز ایند بموجب فرموده روان شدمذ ودراه به بنی سالم بن عوف ہ درمحله مالک بن الدخشم بود رسید ن مالک بامعن گفت ساعتی صبرکن تابخانه خود روم وشعله آتش باخود پیاریم پس رفت وشاعرحرنا روشن ساخت وآمدودویده میرفتند نابمسجدضرار رو اہل

آن مسجد و بانیا آن آنجا بودند و آتش در آن مسجد زوند۔

وہ پیغمبر آخر الزمان کے اوصاف وتعریف کی بشارتیں اہل مدینہ کو پہنچایا کرتا تھا اور یہ دعوی کرتا تھا کہ ان کے یہ اوصاف وتعریف ہم نے آدمیوں اور جناب سے معلوم کئے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں آئے تو باشندگان مدینہ آپ کے جمال وکمال کے ایسے شیفتہ وگرویدہ ہوگئے کہ پھر آپ کے مقابلہ میں وہ کسی کو کوئی شئے نہیں سمجھنے لگے اس وجہ سے ابو عامر کے اثر میں بہت بڑی کمی آ گئی اور اسی سبب سے آپ کی طرف سے اس کے دل میں حسد ومخالفت کی آگ بھڑک اٹھی تو ابو عامر اب مدینہ والوں کو آپکی متابعت سے منع کرنے لگا لوگوں نے کہا کہ تم تو ہم سے ان کی اتنی تعریفیں اور اتنے اوصاف بیان کرتے تھے اور اب تمہیں کیا ہوگیا کہ ہم لوگوں کو ان کی متابعت سے باز رکھنا چاہتے ہو ابو عامر نے کہا وہ نبی آخر زمان تو اب پیدا ہونگے۔

ابو عامر نے کہا وہ نبی آخر الزمان یہ نہیں ہیں۔ یہ صرف ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ نبی آخر الزمان تو اب پیدا ہونگے ابو عامر کے ان مغویانہ امور کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ نے ابو عامر کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے قطعی انکار کردیا اور اس وقت سے حسد ومخالفت اسلام پر آمادہ ہوگیا خدا کے پاس سے جب کتاب ان کے لیے اتری تو وہ اس کی تصدیق کرتے تھے اور اس کتاب (قرآن) کی پہلے بھی منکرین سے تعریفیں کرتے تھے لیکن جب یہ کتاب (قرآن، ان کے پاس آئی تو انہوں نے اس کو نہ پہچانا اور اس سے انکار کیا پس کافروں انکار کرنیوالوں) پر خدا کی پھٹکار ہو یہ آیہ وفی ہدایا ابو عامر کے احوال اور اس کے مثال پر شاید صادق ہے پھر جب بدر کی جنگ میں کفار قریش پر اہل اسلام نے فتح حاصل کی تو ابو عامر مدینہ سے بھاگ کر مکہ پہنچا۔ اور کفار قریش کو آنحضرت صلعم کے ساتھ جنگ ومحاربہ پر آمادہ وتیار کرتا رہا۔ اور جنگ احد میں کافروں کے ساتھ آیا جس شخص نے سب سے پہلے تیر لشکر اسلام کی طرف پھینکا وہی ابو عامر تھا مسلمان اس کو فاسق کہتے تھے اور ایک روایت میں یوں آیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فاسق کا لقب دیا ہے اور دعائے بد سے یاد کیا اور اس کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی ہے کہ الٰہی ابو عامر کو پریشانی اور تنہائی کی موت دے جنگ احد سے ابو عامر بھاگ کر روم کے ملک میں چلا گیا۔ اور پھر غزوہ حنین میں آ کر کفار کی طرف سے شریک جنگ ہوا پھر اسی جنگ سے بھاگ کر

ہرقل کے پاس پہنچا اور اس کا نوکر ہوگیا۔ اس ملازمت سے اس کی غرض خاص یہی تھی کہ وہ ہرقل سے ایک امدادی لشکر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کرے لیکن اس انتظام و بندوبست میں تاخیر درکار تھی اس وجہ سے اس سے منافقین کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ مسجد قبا کے آمنے سامنے اپنے محلہ میں مسجد کے نام سے ایک عمارت تیار کرو کہ جب مدینہ میں آؤں اور وہ مسجد ہمارے لیے وہ مقام قرار پا جائے جہاں سے ہم بیٹھ کر اپنے مقاصد دلی کو عملی صورت میں لائیں اور بفراغت اور انہیں انجام دے دیں چنانچہ اسی کے مطابق انہوں نے مسجد کے نام سے ایک عمارت بنائی اور اس کے استحکام و مضبوطی میں خاص طور پر انتظام کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کی نیت سے روانہ ہو کر اس مقام میں پہنچے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ ہم لوگوں نے سردی اور بارش میں بیماروں اور کمزوروں کے نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد بنائی ہے ہماری تمنا یہ ہے کہ آپ اس مسجد میں قدم رنجہ فرما کر اس کو مشرف فرمائیں ان کا مدعا تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے مسجد کی عظمت بڑھ جائے گی۔ اس بنا پر انہوں نے اپنی استدعا میں بڑی چرب زبانی سے کام لیا آنحضرت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس وقت تو ایک مہم پر جا رہے ہیں وہاں سے واپس آ کر اگر رضائے خدا ہوگی تو ہم اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ جب غزوہ تبوک سے لوٹ کر آپ منزل ذی اوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ منورہ کل ایک گھنٹہ کا راستہ ہے تو اہل مسجد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا اب وعدہ وفائی کا وقت آ گیا اس اثنا میں یہ وحی نازل ہوئی۔

اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے (اس مسجد کے بنانے سے) سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں، (اے حبیب!) آپ اس (مسجد کے نام پر بنائی گئی عمارت) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوٰی پر رکھی گئی ہے، حق دار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (ظاہراً و باطناً) پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت

شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

آپ نے اسی وقت مالک ابن الدخشم اور معن بن عدی اور ایک روایت کے موافق معن بن عدی کے بھائی کو حکم دیا کہ اس مسجد میں جا کر جس کو ان ظلمہ وقت نے بنایا ہے کھود ڈالو اور جلا ڈالو چنانچہ حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہوئے اور جب قبیلہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے جو مالک ابن الدخشم کا محلہ تھا تو مالک نے اپنے رفیق سے کہا کہ تم اپنے گھر سے جا کر آگ لیتا آؤ معن ٹھہر گئے اور مالک اپنے گھر جا کر خرمے کی ایک جلتی ہوئی شاخ اٹھائی اور پھر یہ دونوں آدمی وہاں سے دوڑتے ہوئے چلے اور مسجد کے پاس پہنچے وہاں اس کے بانیاں اور اس کے ہمراہیان موجود تھے ان لوگوں نے ان کے سامنے اس کی عمارت میں آگ لگا دی اور پھر اس کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔

شبلی صاحب کے مجرد اس لکھ دینے سے کہ ابو عامر عیسائی تھا اسلام کی صفائی تو نہیں ہوتی بلکہ معترضین کے لیے تعریضات کی اور گنجائش ہو جاتی ہے اس لیے اس کی تفصیل اطوار کردار لکھ کر یہ دکھلا دینا تھا کہ اس کی عیسائیت بھی اب عیسائیت نہیں رہی تھی بلکہ صاف صاف اسلام کی مخالفت اور بانی اسلام علیہ السلام کی کھلی کھلی عداوت تھی حالت بتلا رہے ہیں کہ وہ ابتدائے ہجرت سے اس وقت تک اسلام کے درپے آزار تھا۔ بدرؔ احدؔ اور حنینؔ کے متواتر معرکوں میں برابر ناکامیاب رہ کر اسلام میں پھوٹ ڈال کر گھر کے اندر ہی اندر تباہ کر دینے کی یہ اس کی آخری کوشش تھی جو ہرقل رومی کے ذریعہ اور منافقین کے وسیلہ سے عمل میں لانا چاہتا تھا۔

اسی طرح صرف مسجد ضرار کے لکھ دینے سے پوری توضیح نہیں ہوتی صاف صاف حالات لکھ کر بتلا دینا ضروری تھا کہ اس کا بظاہر مسجد نام تھا ورنہ حقیقتاً وہ ہزاروں مفسدہ انگیزیوں اور فتنہ خیزیوں کا مقام تھا وہ عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ مخالفین اسلام کی کمین گاہ جیسا کہ خود ابو عامر کے وہ الفاظ بتلا رہے ہیں جو اس نے اپنے خط میں منافقین مدینہ کے نام لکھے ہیں لیکن خداوند عالم و دانا نے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کے حقیقی حال سے مطلع فرما دیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بحکم خدا اس مقام فتنہ و فساد کو گرا دیا۔

کعب ابن مالک صحابی کی سرگذشت اور معافی

مسجد ضرار کو مسمار فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بخیریت تمام مدینہ منورہ میں داخل ہوئے متخفین لشکر تبوک حاضر خدمت ہوئے ان میں کعب ابن مالک بھی تھے کعب اپنا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں میرا گھر جانا ابتلائے محض تھا۔ ایسا کرنے کا میرا ارادہ نہ تھا اور نہ کوئی عذر تھا سفر کا جملہ سامان مرتب تھا۔ عمدہ عمدہ اونٹنیاں میرے پاس موجود تھیں۔ میری مالی حالت بھی ایسی اچھی تھی کہ پہلے کسی کی ایسی نہیں تھی اس سفر کے لیے میں نے دو مضبوط شتر بھی خرید کر رکھے تھے۔ حالانکہ اس سے پیشتر میرے پاس کبھی دو اونٹ نہیں ہوئے تھے لوگ سفر کی تیاری کرتے تھے۔ اور مجھے ذرا فکر نہ تھی میں نے سوچ رکھا تھا۔

کہ جس روز کوچ ہوگا میں چل کھڑا ہوں گا لشکر اسلام جس روز روانہ ہوا مجھے کچھ تھوڑا سا کام تھا میں نے کہا خیر میں کل جاؤں گا دو تین روز اسی سستی اور تذبذب میں گذر گئے۔ اب لشکر اتنا دور نکل گیا تھا کہ اس سے ملنا مشکل تھا۔ مجھے نہایت صدمہ تھا کہ یہ کیا ہوا۔ میں ایک روز گھر سے نکلا۔ مجھے ان منافقین کے سوا جو جھوٹ موٹ عذر کرنے کے عادی تھے اور کوئی بھی راستہ میں نہ ملا یہ دیکھ کر میرے تن بدن میں مارے رنج وغم کے آگ لگ گئی۔ یہ دن برے اسی طرح گذر گئے یہاں تک کہ نبی صلعم تشریف لائے اب میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں اور کیوں کر خدا اور رسول کے عتاب سے بچا کروں لوگوں نے مجھے بعض بہانے بتلائے مگر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نجات سچ ہی سے مل سکتی ہے میں نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا نبی صلعم نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا۔ تبسم خشم آمیز تھا۔ میرے تو ہوش اسی وقت جاتے رہے نبی صلعم نے پوچھا کعب تم کیوں رہ گئے تھے کیا تمہارے پاس کوئی سامان مہیا نہ تھا میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے پاس تو سب کچھ تھا میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا کاہلی نے مجھ پر غلبہ کر دیا شطان نے حملہ کیا اور مجھے حرامان وخذلان کے گرداب میں ڈال دیا نبی صلعم نے کہا تم اپنے گھر ٹھہرو اور حکم الہٰی کا انتظار کرو۔

بعض لوگوں نے کہا دیکھو اگر تم بھی کوئی حیلہ بنا لیتے تو ایسا ہوتا میں نے کہا تب بھی وحی الہٰی سے میرا جھوٹ کھل جاتا اور پھر میں کہیں کا نہ رہتا۔ معاملہ کسی دنیا دار سے نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ہے میں نے دریافت کیا کہ جو حکم میرے لیے ہوا ہے کسی اور کے لیے بھی ہوا ہے لوگوں نے کہا ہاں ہلال ابن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی بھی یہی حالت ہے۔ یہ سن کر مجھے ذرا تسلی ہوئی کہ دو مرد صالح اور بھی میری جیسی حالت میں ہیں۔

اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرے اور نہ ہمارے پاس آکر بیٹھے۔ اب دنیا ہمارے لیے وبال معلوم ہونے لگی۔ ان دونوں میں ہلال اور مرارہ تو گھر سے بھی باہر نہ نکلے۔ اس لیے کہ وہ بوڑھے بھی تھے۔ لیکن میں جوان تھا اور روزانہ گھر سے نکلتا۔ مسجد نبویؐ میں جاتا نماز پڑھ کر مجلس مبارک کے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت بھری دیدہ نگاہ سے مجھے دیکھا کرتے میرے شکستگی کا حال ملاحظہ فرمایا کرتے اور جب میں ان کی طرف آنکھ اٹھاتا تو حضور اعراض وتغافل فرمایا کرتے۔ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ کوئی مجھے بات کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک روز میں نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا۔

میرا چچیرا بھائی اور ہم دونوں میں بڑی محبت تھی سامنے اس کا باغ تھا۔ وہ باغ میں کچھ عمارت بنوا رہا تھا۔ میں اس کے پاس چلا گیا اسے سلام کیا اس نے جواب تک نہ دیا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ ابو قتادہ تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا اور رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور کفر ونفاق کا مجھ پر اثر نہیں ہے پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے۔ ابو قتادہ نے اب بھی جواب نہ دیا۔ جب میں نے تین بار اسی بات کو دُہرایا۔ تو میرے چچیرے بھائی نے صرف اسقدر جواب دیا۔ کہ خدا اور رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ مجھے بہت رقت آئی۔ اور میں بہت رویا۔

پھر میں مدینہ میں لوٹ آیا تو مجھے ایک عیسائی ملا۔ شہر میں مجھے تلاش کر رہا تھا لوگوں نے بتلا دیا وہ یہی شخص ہے۔ اس کے پاس بادشاہ غستان کا ایک خط میرے نام تھا۔ خط میں لکھا تھا۔ ہم نے سنا ہی کہ تمہارا آقا تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ تم کو اپنے پاس سے نکلوا دیا

ہے اور باقی سب لوگ بھی تم پر جور و جفا کرتے ہیں ہم کو تمہارا درجہ منزلت کا حال پورے طور سے معلوم ہے اور تم اس قابل نہیں کہ کوئی تم سے ذرا بھی بے التفاقی کرے یا تمہاری عزت کے خلاف تم سے کوئی سوال کیا جائے۔ اب تم یہ خط پڑھتے ہی میرے پاس چلے آ ؤ اور اگر دیکھو کہ میں تمہارا اعزاز و اکرام کیا کرتا ہوں۔

خط پڑھتے ہی میں نے کہا یہ اور ایک مصیبت پھر آئی۔ ہے اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوسکتی ہے کہ آج ایک عیسائی مجھ پر اور میرے دین پر قابو پانے کی آرزو کرنے لگا ہے اور مجھے کفر کی دعوت دیتا ہے اس خیال سے میرا اندوہ رنج چند در چند بڑھ گیا۔ خط کو قاصد کے سامنے ہی آگ میں ڈال دیا اور قاصد سے کہا جاؤ اور کہہ دینا کہ آپ کی عنایات والتفات سے مجھے اپنے آقا کی بے التفاقی لاکھ درجہ بہتر اور خوشتر ہے۔

میں وہاں سے لوٹ کر گھر پہنچا تو دیکھا نبی صلعم کی طرف سے ایک شخص آیا ہوا موجود ہے اُس نے کہا نبی صلعم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہا کرو۔ یہ سن کر میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ہلال اور مرارہ کے پاس بھی یہی حکم پہنچا تھا۔ بلال بالکل کمزور اور ضعیف ہے اور راسکی خدمت کے لیے کوئی خادم بھی نہیں اگر اذن ہو تو میں اس کی خدمت کرتی رہوں فرمایا ہاں مگر اسکے بستر سے دور رہو۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ بلال کا تو غم وملال سے ایسا حال ہے کہ اسے تو کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ اب مجھ سے لوگوں نے کہا کہ تم بھی اپنے لیے اتنی اجازت لے لو کہ تمہاری بیوی تمہارا کام کاج تو کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں تو ایسی جرأت نہیں کرنے کا ۔پھر کیا خبر ہے حضورؐ اجازت دیں یا نہ دیں اور میں تو جوان ہوں آپ اپنا کام کرسکتا ہوں۔ مجھے خدمت کی ضرورت نہیں۔

الغرض اسی مصیبت میں پچاس دن گذر گئے ایک رات اپنی چھت پر لیٹا ہوا تھا اور اپنی مصیبت پر سخت نالاں تھا کہ کوہ ملع پر چڑھ کر جو میرے گھر کے قریب تھا۔ ابوبکر صدیقؓ نے آواز دی کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی۔ یہ آواز سنتے ہی میرے دوست احباب دوڑ پڑے اور مبارکباد کہنے لگے کہ مخلص کی دعا توبہ قبول ہوگئی۔ یہ سنتے ہی میں نے پیشانی کو خاک پر رکھ دیا اور سجدہ شکرانہ ادا کیا اور پھر دوڑا دوڑا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا نبی ﷺ مہاجر وانصار کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر مہاجرین نے مبارک باددی اور انصار خاموش رہے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اس وقت چہرہ مبارک جوش مسرت سے ماہ چہاردہ کی طرح تاباں ودرخشاں ہو رہا تھا اور عادت مبارک تھی کہ خوشی میں چہرہ مبارک اور بھی زیادہ روشن ہو جاتا تھا۔ مجھے فرمایا کعب مبارک ہو اس بہترین دن کے لیے جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا کوئی دن ایسا مبارک تجھ پر آج تک نہیں گذرا آ ؤ تمہاری توبہ کو رب العالمین نے قبول فرمالیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس قبولیت کے شکرانہ میں میں اپنا کل مال راہ خدا میں صدقہ دیتا ہوں نبی صلعم نے فرمایا۔ نہیں میں نے عرض کی نصف فرمایا نہیں میں نے عرض کی ثلث فرمایا ہاں ثلث خوب ہے اور ثلث بھی بہت ہے رحمۃ ارض 149-173۔

حج اکبر حضرت علیؑ کے محاسن خدمات تبلیغ سورہ برأت

(01/ ذی الحجہ 9 ہجری)

شبلی صاحب کی قلم آ رائی اور طبع آ زمائی کا یہ بھی ایک موقع ہے۔ چنانچہ حقیقت حال جن قلمی ترکیبوں سے چھپائی گئی۔ وہ آپ کے مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

> 9 ہجری۔ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر وشرک کی ظلمت سے پاک ہوکر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیعقدہ یا ذی الحجہ ۹ ہجری میں آپ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا ان میں حضرت ابوبکر قافلہ سالار اور حضرت علیؑ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن وقاص وجابر وابوہریرہ وغیرہ معلم تھے۔ قربانی کے بیس اونٹ ساتھ (سیرۃ النبی جلد اول)

چونکہ اس واقعہ میں حقیقتاً پہلے حضرت ابوبکرؓ کی امارت حج اور پھر بحکم خدا ان کی معزولی اور حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام کی ماموری کی حقیقت داخل تھی۔ اس لیے آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی امارت اور تبلیغ سورۂ برأت کے منصب کو جو تنازع فیہ ہے اصل واقعہ ہی سے نکال دیا۔ اور اس کو قافلہ سالاری کے منصب سے تبدیل فرما دیا۔ حالانکہ امارت قوم اور قافلہ سالاری میں جو فرق مابہ الامتیاز ہے وہ آپ کی نگاہوں سے سے پوشیدہ نہیں ہے۔

بہر حال چونکہ جب حضرت ابوبکرؓ کی امارت معمولی قافلہ سالاری بتلادی گئی تو ضروری تھا کہ حضرت علیؑ مرتضٰی کی امارت بھی اپنے مرتبے سے اتار کر کسی نیچے اور معمولی درجہ پر لائی جاتی ہے۔ اس لیے وہ نقابت ٹھہرائی گئی۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کی گئی۔ اس واقعہ کی اہمیت کو صرف حضرت علیؑ کے استخلاف عظمت ومنزلت کی غرض خاص ہے بالکل تفہیمی صورت وحیثیت میں بیان کیا گیا۔ سعد بن ابی وقاص جابر اور ابو ہریرہ کو بھی اس کی عظمت واہمیت میں بدرجہ مساوی شریک ٹھہرایا گیا اور ان تمام ترکیب وتدبیر سے مدعائے خاص آپ کا یہ تھا کہ اس موقع اور واقعہ خاص کی عظمت واہمیت کسی کو معلوم نہ ہو۔ تمہیداً اتنا لکھ کر گذارش خدمت یہ ہے کہ شبلی صاحب کو بار بار ہم لکھ کر بتلاتے آتے ہیں کہ خدارا حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہ کیجیے۔ کیونکہ حقیقت چھپ ہی نہیں سکتی۔ اگر چھپ جائے تو وہ حقیقت ہی نہیں ہے آپ کی انسانی قوت کی امکانی مقدار وبساط اتنی ہی تھی کہ آپ نے واقعہ کی اصلیت کو اپنی سیرۃ النبی میں چھپا دیا اور چھپانے کے بعد پھر اس کو تخصیص کی صورت خاص سے تعمیم کی شکل عام میں ملا دیا۔ لیکن سیرۃ النبی سے پہلے کے دفتر کے دفتر۔ کارنامے کے کارنامے۔ پشتارے کے پشتارے جو اس کی حقیقت اصلیت اور واقعیت سے بھرے پڑے ہیں وہ کیا ہو جائیں گے۔ اور کیسے مٹ جائیں گے۔ اور ایک آپ صحیح ترمذی (۱)۔ امام ابن حنبل (۲)۔ طبری (۳)۔ کواشی (۴)۔ نسائی (۵)۔ حموی (۶)۔ سہیلی (۷)۔ ثعلبی (۸)۔ حاکم (۹)۔ ابن مرویہ (۱۰)۔ ابن ابی شیبہ (۱۱)۔ ابن حبان (۱۲)۔ عبدالرزاق (۱۳)۔ ابن المنذر (۱۴)۔ ابن ابی حاتم (۱۵)۔ ابن خزیمہ

(۱۶)۔ابوعوانہ (۱۷)۔طبرانی (۱۸)۔دارقطنی (۱۹)۔بیہقی (۲۰)۔سب ابن جوزی (۲۱)۔سعید ابن مسعود گازرونی (۲۲)۔عینی (۲۳)۔ابن حجر (۲۴)۔ابن کثیر (۲۵)۔امام قندوری (۲۶)۔محدث شیرازی (۲۷) اور محدث دہلوی (۲۸) کے اقوال متواترہ اور مختار متکاثرہ پر کیسے قلم ایراد پھیر دینگے۔

اور اتنے متواترات کے خلاف اپنی نوایجاد روئداد کو کیسے ثابت کر دینگے۔ہم آپ کی اس صناعت کے خلاف اور حقیقت کے انکشاف میں مرقومۂ بالا اسناد سے صرف اہل صحاح۔اہل تفسیر۔اہلحدیث اور اہل تاریخ کے دو دو قول ذیل میں لکھ کر ثابت کر دیں گے کہ واقعہ کیا ہے اور شبلی صاحب لکھتے کیا ہیں۔

صحیح ترمذی میں ہے

حدثنا بندار نا عفان بن مسلم و عبد الصمد قالا نا حماد بن سلمه عن سماك بن حرب عن انس بن مالك قال بعث للنبی صلے الله علی وآله وسلم ببرائة مع ابی بکر ثم دعاه فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ هذا الا رجل من اهلی فدعا علیاً و اعطاه ایاه

بندارے عفان بن مسلم سے۔عفان عبدالصمد سے۔ان دونوں نے حماد بن سلمہ سے۔حماد نے سماک بن حرب سے۔سماک نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ صلعم نے سورۂ براۃ دے کر حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا پھر ان کو (راستہ سے) بلا بھیجا اور فرمایا کہ اس کو سوائے میرے اہلبیت میں سے کوئی اور آدمی کہیں نہیں لے جاسکتا۔پھر علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بلایا اور وہ آیات ان کو عطا فرمائیں۔

امام نسائی لکھتے ہیں:

اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا عفان وعبد الصمد قالا حدثنا حماد بن سلمه۔عن سماك بن حرب عن انس بن مالك قال بعث النبی ببراءة مع ابوبکر ثم دعاه فقال لا ینبغی ان یبلغ هذا الا رجل من اهلی فدعاه علیاً واعطاه ایاه اخبرنا العباس بن محمد الدوری قال حدثنا ابو نوح فراد عن یونس بن ابی اسحاق عن زید بن بثیع عن علی قال ان رسول الله بعث ببرأة الی اهل مکة مع ابوبکر ثم ابتعه لعلی فقال له خذا لکتاب فامض به الی اهل مکة قال فلنحقه واخذت الکتاب منه فانصرف ابوبکر وهو کئیب فقال یا رسول الله انزل فی شئ قال لا الا انی امرت ان ابلغه انا اورجل من اهل بیتی قال حدثنا عبد الله بن عمر قال حدثنا اسباط عن

فطر عن عبد الله بن شريك عن عبد الله بن رقيم عن سعد قال بعث رسول الله صلعم ابا بكر ببرأ ة حتى اذا كان ببعض الطريق ارسل علياً فاخذها منه ثم سار بها فوجد ابوبكر فى نفسه فقال قال رسول الله صلعم انه لا يودى عنى الا انا اورجل منى

محمد بن بشار نے عفان اور عبدالصمد سے اور ان دونوں نے حماد بن سلمہ سے اور حماد نے سماک بن حرب سے اور سماک نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ برأت دے کر حضرت ابوبکر کو مکہ بھیجا پھر (راستہ سے) بلا کر اس سے کہا کہ اس کو کوئی دوسرا سوائے میرے اہلبیت کے نہیں لے جا سکتا۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور وہ سورہ انھیں عطا فرمایا۔ عباس ابن محمد الدوری نے ابونوح قراد سے ابونوح نے یونس بن ابی اسحاق سے۔ یونس نے زید بن یثیع سے انھوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو سورۂ برأت دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجا پھر علیؑ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ راستہ میں وہ سورہ اس سے لے لیں اور اس کو اہل مکہ کے پاس لے جائیں۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ ہم چلے اور راہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ملے اور سورہ ان سے لے لیا حضرت ابوبکرؓ ملول ہو کر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ کیا میرے حق میں کچھ وحی آئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ صرف یہی حکم ہوا ہے کہ اس کی تبلیغ میں خود یا اپنے اہلبیت میں سے کسی شخص سے کراؤں عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن اوسباط سے۔ اس نے فطر سے فطر نے عبداللہ بن شریک سے۔ اس نے عبداللہ بن رقیم سے اس نے سعد سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو سورہ برأت دے کر بھیجا وہ ابھی راہ ہی میں تھے کہ حضرت علیؑ کو بھیجا کہ وہ سورہ ان سے لے لیں۔ حضرت علیؑ وہ سورہ لے کر چلے اور حضرت ابوبکرؓ سے راہ میں ملے حضرت ابوبکر کے دل میں خیال گذرا اور خدمت رسول میں حاضر ہو کر ہم سر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو کوئی شخص نہیں پہنچا سکتا ہے سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو۔

اہل صحاح کے بعد اہل تفاسیر کے اقوال ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ تفسیر نیشاپوری میں مرقوم ہے۔

نزلت هٰذه السورة سنة تسع و كان قد امر فيها ابابكر على الموسم فلما نزلت السورة

اتبعه علیاً راکب العضباء لیقرء ھا علی اھل الموسم فقیل له لو بعثت بھا الی ابی بکر فقال لا یودی منی الا رجل منی

یہ سورہ ۹ ہجری میں نازل ہوا اور اس سال امیرِ حج حضرت ابوبکرؓ تھے پس جب یہ سورہ اترا تو آپ نے حضرت علیؑ کو بھیجا اور وہ آپ کے ناقہ عضبا پرسوار ہو کر گئے اور اس سورہ کو حجاج کے سامنے پڑھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کام حضرت ابوبکرؓ سے کیوں نہ لیا گیا ارشاد ہوا کہ اس کام کو میری طرف سے کوئی شخص نہیں ادا کرسکتا تھا سوائے اس کے جو مجھ سے ہو۔

تفسیر درمنثور امام سیوطی میں ہے۔

اخرج عبد الله بن احمد بن حنبل فی زواید المسند وابو الشیخ وابن مردوید عن علی قال لما نزلت عشر ایات من برأة علی النبی دعا ابابکر لیقراء ھا علی اعن مکه ثم دعانی فقال لی ادرك علی ابو بکر فحیثما لقیته فخذ الکتاب منه فاقرء علی اھل مکه فلحقسته فاخذت الکتاب منه ورجع ابوبکر فقال یا رسول الله انزل فی شئ قال ولکن جبرئیل جاء فی فقال لن یودی عنك الا انت اورجل منك واخرج ابن ابی شیبه واحمد والترمذی وحسنه وابو الشیخ وابن مردویه عن انس قال بعث البنی ببراءة مع ابو بکر ثم دعاہ فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی فدعا علیاً فاعطاہ ایاہ واخرج ابن مردویه عن ابن ابی وقاص ان رسول الله صلعم بعث ابا بکر ببرأة الی اھل مکة ثم بعث علیاً علی اثرہ فاخذھا منه فکان ابوبکر وجد فی نفسه فقال النبی یا ابابکر انه لا یودی منی الا انا اورجل منی۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زوایدِ مسند میں اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ جب سورہ برأت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت صلعم نے وہ آیتیں حضرت ابوبکرؓ کو دیں کہ اہل مکہ کو جاکر سنادیں اور پھر مجھے بلا کر حکم دیا کہ جاؤ اور ابوبکرؓ سے جاکر مل جاؤ اور جہاں وہ تمھیں ملیں تم ان سے وہ سورہ لے لو۔ اور جاکر اہل مکہ کو سنادو۔ حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ یہ سن کر میں روانہ ہوا حضرت ابوبکرؓ سے ملا۔ حضرت ابوبکرؓ وہاں سے رخصت ہوئے اور حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں لوٹ آئے اور آپ

سے پوچھنے لگے کہ آیا میرے حق میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن اس سورہ کو سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو کوئی دوسرا شخص نہیں لے جا سکتا اور ابن ابی شیبہ اور احمد بن حنبل اور ترمذی نے یہ روایت کی ہے اور اس کو حسن بتلایا ہے اور ابوالشیخ اور ابن مرویہ نے بھی انس بن مالک کی اسناد سے بیان کیا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت ابوبکرؓ کو سورۂ برأت دے کر اہل مکہ کی طرف روانہ کیا ان کے پیچھے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ وہ سورہ ان سے لے لیں حضرت ابوبکرؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا تو آنحضرت صلعم نے ان سے کہا کہ اس کو کوئی شخص لے جا نہیں سکتا ہے سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو۔

اہل تفاسیر کے بعد اصحاب حدیث کے دو اقوال ذیل میں ملاحظہ ہو علامہ عینی عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال السھیلی کان سیدنا رسول اللہ حین قدم من تبوك اراد الحج فذکر مخالطة المشرکین للناس فی جمعھم وتنبیتھم بالشرك وطوافھم عراۃ بالبیت وکانوا تقصدون بذلك ان یطوفوا کما ولد وبغیر الثیاب التی اذنبوا فیھا فاظلموا فامسك عن الحج فی ذلك العام وبعث ابوبکر بسورۃ برأۃ لینبذ الی کل ذی گعھد عھدہ من الشمرکین الا بعض بنی بکر الذین کان لھم عھد الی اجل خاص ثم اردف بعلی فخرج ابو بکر الیٰ النبی فقال ھل انزل فی قرأن قال لا ولکن اردت ان یبلغ عنی من ھو من اھلبیتی۔

سہیل کہتے ہیں کہ ہمارے مولا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک سے واپس آئے۔ تو آپ نے حج کا قصد فرمایا اور آپ نے مشرکین کا مومنین کے ساتھ خلط ملط ہونا۔ اور بطریقہ شرک مراسم تلبیہ بجالانا۔ اور برہنہ بدن ہو کر طواف کرنا۔ جیسا کہ مشرکین اپنے اس خیال کی بنا پر کیا کرتے تھے کہ ہم برہنہ پیدا کیے گئے ہیں اس لیے ہمیں حالت اصلی کے ساتھ بے لباس ہی طواف کرنا چاہیے۔ ان کے ان تمام امور کو آپ نے گناہ اور سخت ظلم قرار دیا۔ اس لیے آپ اس سال قصد ادائے حج سے باز رہے پھر آپ نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برات دے کر روانہ کیا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ آنحضرت صلعم نے معاہدہ فرمایا ہے۔ سوائے بنی بکر کے چند اشخاص کے۔ جن کے معاہدے ایک میعاد خاص تک تھے۔ سنا

دیئے جائیں۔اس حکم کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو پیچھے سے روانہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں لوٹ آئیں اور پوچھنے لگے کہ میری نسبت کیا کوئی وحی آئی ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن میرا ارادہ یہ ہوا کہ اس کی تبلیغ میری طرف سے وہ شخص کرے جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔

حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاین تحریر فرماتے ہیں۔

اصل قصه آن است كه ابوبكر بلا نزاع امير حج بود و سوره برأت اول بدست حضرت صديق داده بودند بعد ازاں جبرائيل فرود آمدكه آنرا بدست مرتضیٰ بايد فرستاد اخرج الترمذی عن انس بن مالک قال بعث النبی صلی اللّٰہ علیه وآلہ وسلم ببرأة مع ابوبكر ثم دعاه فقال لا ينبغی لا حدٍان يبلغ هذا الا رجل من اهلی فدعاه علياً فاعطاه اياها و عن سعد بن ابی وقاص ان رسول اللّٰہ بعث ابا بكر ببرأة الی اهل مكه ثم بعث عليا علی اثره فاخذها منه وقال ابوبكروجدفی نفسه فقال النبی يا ابا بكر لا يودی عنی الا ناا ورجل منی۔

اصل قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بلا نزاع امیر حج مقرر ہو چکے تھے اور سورہ برأت بھی پہلے حضرت صدیق کے ہمراہ دیا گیا تھا لیکن حضرت جبرئیل نے نازل ہو کر کہا کہ اس کو علیؑ مرتضیٰ کے ہمراہ بھیجنا چاہیے ترمذی نے انس بن مالک کی اسناد سے مروی کیا ہے کہ سورہ برأت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا پھر ان کو واپس بلایا اور ارشاد کیا کہ اس کی تبلیغ کوئی دوسرا شخص سوائے اس کو جو میرے اہلبیت سے ہو۔نہیں کرسکتا۔پھر اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور سورۂ برأت ان کے حوالہ کیا اور سعد بن ابی وقاص سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر سورہ لے کر چلے پھر ان کے پیچھے سے حضرت علیؑ روانہ ہوئے اور انھوں نے وہ سورہ ان سے لے لیا تو حضرت ابوبکر کے دل میں خیال گذرا اور انھوں نے آکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پوچھا کہ میرے حق میں کوئی وحی تو نہیں آئی۔ارشاد ہوا نہیں۔ لیکن اس کو سوائے میرے یا میرے اہلبیت کے کوئی دوسرا انجام دے نہیں سکتا۔

صحاح۔تفاسیر۔احادیث ہو چکی۔تاریخ کے مفصلۂ ذیل اسناد ملاحظہ ہوں۔علامہ سعید بن مسعود گازرونی لکھتے ہیں

اخبرنا شيخنا صدر الدين ابو الجامع ابراهيم بن محمد بن المويد الحموی حدثنا اشيخنا السيد محب الدين ابو العباس احمد بن عبد الله الظهير حدثنا اصيل الدين ابوبكر عبد الله بن عبد الا علی بن محمد بن ابی القاسم القطان حدثنا موفق

الدین داؤدبن معمر بن عبد العزیز الفارسی حدثنا عبد الرحمن بن ابی شریح حدثنا البغوی حدثنا العلاء بن موسی حدثنا سوار بن مصیب عن عطیة العوفی عن ابی سعید الخدری قال بعث رسول الله صلعم ابابکر علی الموسم وبعثا معه بسورة برأة واربع کلمات الی الناس فلحقه علی بن ابی طالب فی الطریق فاخذ علی السورة وکلمات و کان یبلغ ابوبکر علی الموسم فاذا قرأ السورة نادی الا یدخل الجنة الا نفس مسلمة ولا یقرب المسجد الحرام مشرك بعد عامه هذا ولا یطوفون بالبیت عریان ومن کان بینه و بین رسول الله عهد فاجله الی مدته فلما راجعا قال ابوبکر هل نزل فی شئ قال لا الا خیر وما ذاك قال ان علیًا لحق بی واخذ منی السورة واکلمات فقال اجل لم یکن یبلغها الا انا اورجل منی۔

ہمارے شیخ صدرالدین ابوالجامع ابراہیم بن محمد ابوالموید حموی نے۔ان سے ہمارے شیخ سید محب الدین ابو العباس احمد بن عبداللہ الطہیر نے۔ان سے اصیل الدین ابوبکر عبداللہ بن الاعلیٰ بن محمد بن ابی القاسم القطان نے ان سے موفق الدین داؤد بن معمر بن عبدالعزیز الفارسی نے ان سے عبدالرحمن بن ابی شریح نے ان سے بغوی نے ان سے علاء بن موسیٰ نے ان سے سوار بن مصیب نے ان سے عطیہ عوفی نے ان سے ابی سعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا اوران کو سورہ برأت اور احکام اربعہ دے کر اطلاع عام کے لیے روانہ فرمایا پھران سے حضرت علیؑ مرتضی راستہ میں ملے اور سورۂ برات اور احکام اربعہ ان سے لے لیا جو حضرت ابوبکر تبلیغ کے لیے لیے جاتے تھے اور جا کر اس سورہ کو پڑھا اوراعلان عام جاری کیا کہ کوئی شخص غیر مسلم جنت میں نہ داخل ہوگا اور کوئی شخص مشرک آج سے مسجد حرام میں نہیں داخل ہوسکتا اور کوئی شخص ننگے بدن بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتا اور جس شخص کے ساتھ رسول اللہ صلعم کا معاہدہ ہوگا وہ اپنی مدت تک باقی رہے گا جب وہاں ں سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا میرے حق میں کوئی حکم خدا آیا تھا آپ نے فرمایا نہیں سب خیریت ہے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ علیؑ مرتضیٰ نے مجھ سے راہ میں مل کر وہ سورہ اور کلمات مجھ سے لے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو کوئی شخص نہیں پہنچا سکتا

سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو۔
تاریخ ابن کثیر شامی میں ہے۔

قال الامام احمد حدثنا عفان حدثنا حماد عن سماك عن انس ابن مالك ان رسول الله صلعم بعث ببرأة مع ابوبكر فلما ذالحليفة قال يبلغها الا انا او رجل من اهلبيتي فبعث بها مع علی ابن ابی طالب وقد رواه الترمذی۔

امام احمد نے عفان سے عفان نے حماد سے حماد نے سماک سے سماک نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت دے کر روانہ کیا۔ جب وہ ذوالحلیفہ تک پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو کوئی شخص پہنچا نہیں سکتا سوائے میرے یا اس شخص کے جو میرے اہلبیت سے ہو۔ اس کے بعد اس کو حضرت علیؑ کی معرفت بھیجا۔ ایسے ہی ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

اب محققین واقعیت اور متلاشین حقیقت مرقومۂ بالا عبارات صحاح۔ تفاسیر۔ احادیث اور تواریخ کو مندرجۂ بالا مضامین کو شبلی صاحب کے اس بیان سے جو آپ کی عبارت میں اوپر نقل کی گئی ہے مقابلہ فرما کر خود سمجھ لیں کہ اتنے علمائے متقدین کے قدیم ماخذ اس واقعہ کی حقیقت کیا بتلاتے ہیں اور شبلی صاحب کی نئی کتاب اسلامی دنیا کو کیا سمجھاتی ہے۔ شبلی صاحب صرف حضرت علیؑ مرتضیٰ کی فضیلت وعظمت کو لفظوں میں چھپاتے ہیں اور حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی حوالگی اور اس کے اعلان کے لیے ان کی پہلی ماموری۔ پھر ان کی جگہ ان تبلیغی خدمات پر حضرت علیؑ کی تقرری حضرت ابوبکر کی خدمت رسول میں واپسی اور استدعائے توجیہ آنحضرت صلعم کی تصریح ان تمام واقعیت واصلیت کو بالکل نسیاً منسیاً فرماتے ہیں۔ یہی آپ کی تاریخ نویسی کا فلسفۂ حقیقت ہے۔ آپ کو بخاری کی ایک آڑ مل گئی ہے۔ جس کو پہاڑ کا اوٹ سمجھے ہیں۔ حالانکہ وہ تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اور نا مضبوط ہے اور اتنے متواتر اقوال ومختار کے مقابلہ میں نہ اس کا شمار ہوسکتا ہے اور نہ اعتبار اس بنا پر نہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک بخاری کے مختار پر نہ کسی نے اعتبار کیا اور نہ آپ ہی کے قول پر کوئی اعتبار کرسکتا ہے چنانچہ جمع بین الصحیحین میں حمیدی نے بخاری کی اس حدیث پر جو نظریہ لکھا ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

قال ابوبكر بعثنى فى تلك الحجة فى الموذنين يوذنون بمنى ان لا يحج بعد عام المشرك ولا يطوف بالبيت عريان قال حميد ثم اردف النبى صلى الله عليه وآله وسلم بعلى ابن ابی طالب فامره ان یوذن ببرأة قال ابوهريرة فاذن معنا علی فی اهل منى يوم النحر ببرأة وان لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان۔

بخاری حضرت ابوبکرؓ کی زبانی لکھتے ہیں کہ اس سال مجھ کو حج کے ایام میں بمقام منیٰ اس اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے اور کوئی شخص ننگے بدن بیت اللہ کا طواف نہ کرے حمید کہتے ہیں پس اس کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو پیچھے سے بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ سورہ برأت کا اعلان کریں چنانچہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ہم لوگوں کے ساتھ مقام منیٰ میں قربانی والے دن اعلان برأت کیا کہ کوئی مشرک امسال کے بعد حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے بدن بیت اللہ معظم کا طواف نہ کرے۔

محققین کو اب بخوبی معلوم ہو گیا کہ حقیقت کبھی نہیں چھپ سکتی۔ بخاری نے تو چھپائی لیکن اسی وقت کے محققین اور خصوصاً ان کے شارحین نے اس کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا۔ جیسا کہ حمیدی کی مرقومۂ بالا عبارت سے کماحقہ ثابت ہو گیا۔

یہ نکتہ بھی لکھ کر بتلا دینا ضروری ہے کہ حمیدی نے اپنی عبارت کو ثم کے لفظ سے آغاز کیا ہے۔ شبلی صاحب تو ماشاء اللہ۔ عربی کے مستعد ادیب اور مدرسۃ العلوم کے نامی پروفیسر ضرور جانتے ہونگے کہ عربی کے قواعد نحو میں ثم۔ حرف تراخی و ترتیبی مشہور ہے۔ اس کا استعمال خاص طور پر ایسے موقع پر ہوتا ہے جہاں عبارت غیر مرتب میں ترتیب دینی ضروری ہوتی ہے۔ اب بخاری کے استخفاف واقعہ کی حقیقت ثم کی ضرورت استعمال سے ملائی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ بخاری نے چونکہ حضرت ابوبکرؓ کی ماموری اعلان برأت کے واقعہ کو لکھا اور مابعد کے واقعہ کو چھوڑ دیا اس لیے امام حمیدی نے ضرورت ترتیب حدیث کی ضرورت سے مابعد کے واقعہ کو جب لکھا تو ثم کے حرف ترتیبی سے شروع کیا۔

بخاری صاحب و نیز شبلی صاحب کے استخفاف حقیقت کا پورا انکشاف کر کے اب ہم اس واقعہ میں شبلی صاحب کی اس ترکیب خاص کی حقیقت کھولتے ہیں۔ جس میں آپ نے حضرت جابر۔ سعد بن ابی وقاص اور ابوہریرہ کو داخل کر کے اس کی صورت تخصیص کو تعمیم کی معمولی شکل میں بدل ڈالا۔ ان حضرات کی مداخلت کی ضرورت کی نسبت امام طحاوی مشکل الآثار میں تحریر فرماتے ہیں۔

هذا مشكل لان الاخبار فی هذه القصة تدل علیٰ ان النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم بعث ابا بکر فذلك ثم اتبعه علیاً فامره ان یوذن فکیف یبعث ابوبکر اباهریرہ ومن معه بالتاذین بلا خلاف وکان علیٰ هو المامور بالتاذین بذلك وکان علیاً لم یطق التاذین بذلك وحده واحتاج الی من بعینه علیٰ ذلك فارسل معه ابابکر هریرہ وغیرہ لیسا عدوہ علیٰ ذلك۔

یہ مشکل مسئلہ ہے کیونکہ اس واقعہ میں تمام حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جناب رسول خداصلعم نے

حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علیؑ کو بھیجا جبکہ اس کا حکم حضرت علی علیہ السلام کو مل چکا تھا۔ لیکن ان تمام اختلافات کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلا خلاف حضرت ابوبکرؓ امسال امیر حج تھے اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اعلان کے لیے مخصوص طور پر مامور تھے۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اتنے بڑے مجمع میں تن تنہا اعلان نہیں فرما سکتے تھے (اور تمام آواز نہیں پہنچا سکتے تھے)۔ اس لیے ضرور تھا کہ کچھ لوگ اس امر میں ان کی معاونت کریں۔ اس لیے ابوبکرؓ نے ابوہریرہؓ اور ان کے ہمراہیوں کو اس امر میں ان کی حمایت کے لیے بھیج دیا۔

اب ناظرین عبارت اور متلاشین حقیقت شبلی صاحب کی اس عبارت کو کہ۔

"آنحضرت صلعم نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا اس میں حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار حضرت علیؑ نقیب اور حضرت سعد بن ابی وقاص جابر اور ابوہریرہ وغیرہ معلم تھے۔

ایک طرف رکھیں اور امام طحاوی کی تفصیل تحقیق کو ایک طرف۔ تو پھر خود سمجھ لیں کہ قصہ کی اصلیت مسئلہ کی حقیقت اور واقعہ کی خصوصیت پر شبلی صاحب کے تعمیمی الفاظ ...... کیسے اور کتنی نقاب انگنی فرما رہے ہیں۔ جو ایک حقیقت نگار مؤلف کی شان سے کوسوں دور ہے۔ اب اس معزولی اور ماموری کی ضرورت کو بھی تفسیر زاہدی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہم از ہجرت صدیق را بحج فرستاد علی علیہ السلام رابدم او فرستاد باز دادن عہد بکافران کہ عرب راعادت بود درباز داد عہد کہ ہمان کس بائستے کہ عہد بادے کردہ بودندے یاکسے از قرابت وے کہ ہم تن وے بود۔

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے 9 میں صدیقؓ کو حج کے لیے بھیجا تھا اور علیؑ کو ان کے پیچھے بھیجا کہ معاہدے والوں کو ان کے معاہدے واپس کر دیں اس لیے کہ عرب میں واپسی معاہدہ کا یہ دستور قائم تھا کہ معاہدے وہی شخص واپس کرتا تھا جس نے وہ معاہدہ لکھا تھا۔ یا وہ شخص جو اس کا اتنا قریبی ہو کہ تن واحد سمجھا جائے۔

مدارج النبوۃ میں شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی میں بھی یہی مضمون لکھتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

چون ابوبکر صدیق از مسجد ذوالحلیفہ احرام بستہ روان شد جبرئیل بر آنحضرت نازل شد کہ ادائے رسالت و پیغام نکند مگر تو یا علی علیہ السلام دور روا نتے یا مردیکہ از تو باشد زیرا کہ ثبوت عہد و نقض آن کار مردے است کہ صاحب

معامله است باکسیکه خویش و قرابت او باشد پس آنحضرت صلعم بعلی مرتضیٰ فرمود که عقب ابی بکر برو واین آیات از بستان و در روز حج برمردم بخوان۔

جب حضرت ابوبکرؓ صدیق مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو اس اثنا میں حضرت جبریل نازل ہوئے اور فرمایا کہ یارسول صلعم ادائے رسالت و پیغام یا آپ کر سکتے ہیں یا علیؑ اور ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ سے ہو۔ کیونکہ عہد کرنا یا توڑنا اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو یا وہ شخص جو اس کا خویش یا قریب ہو۔ یہ سن کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عقب میں روانہ ہوں۔ ان سے وہ سورہ لے لیں اور حج کے روز لوگوں کو سنا دیں۔

اس کے بعد شبلی صاحب اس اعلان کی یہ کیفیت لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کھڑے ہوئے۔ سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ داخل ہو سکے گا۔ نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا۔ اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینہ کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کہ گلہ پڑ گیا۔ سورہ برأت کی ابتدائی آیتیں جس میں خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا یہ ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ (توبہ)

اے مسلمانو جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور انھوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) ان کی خدا اور رسول خدا صلعم کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (تو اب اے مشرکین) ہم نے تم کو چار مہینے کی مہلت دی ہے۔ اس میں تم ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے۔ حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان

عام ہے کہ خدا اور رسولؐ ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کر لی تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین کر لو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے اے پیغمبر تو مشرکین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھوں نے اس کی کچھ خلاف ورزی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلہ میں انھوں نے تمھارے دشمنوں کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو۔ خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اس اعلان مبارک کا وہ نتیجہ نکلا کہ اس کے بعد ہی عرب کے ایسے فتنہ خیز اور جنگجو ملک میں چاروں طرف امن و امان اور آرام و اطمینان قائم ہو گیا۔

واقعات متفرقات ۹ ہجری

(۱) اسی سال ادائے زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور اس کے نصاب قائم ہوئے۔

(۲) تمام مسلم قبائل میں عمال زکواۃ مقرر ہوئے۔ اسلام کی ظل حمایت میں غیر مسلم قومیں آنے لگیں۔ ان کے واسطے جزیہ کا حکم ہوا۔ اور آیہ نازل ہوا

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ

یہاں تک کہ وہ (حکمِ اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریں،

(۳) سود کی حرمت کا حکم جاری ہوا۔ اور شبلی صاحب کی تحقیق میں نزول سے ایک مدت کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ہجری میں اس کا اعلان فرمایا گیا احل اللہ البیع و حرم الربوا۔ کہ دائے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور سود لینے کو حرام فرمایا۔

(۴) نجاشی بادشاہ حبشہ نے جو صرف مسلم ہی نہیں تھا بلکہ اپنے اسلام لانے کے پہلے سے بھی اسلام کا معاون اور محسن تھا۔ اسی سال انتقال کیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی رحلت کے متعلق یہ الفاظ لکھ کر تمام اعلان فرمایا کہ آج تمھارے صالح اور نیکو کار دینی بھائی اصحمہ نے وفات پائی سب مل کر اس کے لیے دعائے مغفرت مانگو۔ اس کے بعد آپ نے نجاشی کی ہدیہ میت کی نماز پڑھی۔

شبلی صاحب کی آئندہ ترتیب مضامین

شبلی صاحب نے ۹ ہجری تک کے حالات و واقعات تمام کر کے جلد اول کے آخر میں غزوات رسول کی حقیقت و اصلیت کے بیان و تفصیل کو ایک نئے عنوان سے ایک علیحدہ باب میں قلمبند فرمایا ہے۔ اور دو جزو کے قریب لکھ کر جلد اول کو تمام کر دیا ہے۔ اور جلد

دوم کو اسلام کی امن کی زندگی سے شروع فرمایا ہے۔ ۹ ہجری سے لے کر ۱۱ ہجری تک مقام امن۔ اشاعت اسلام۔ تاسیس خلافت اور تکمیل شریعت کے حالات مندرج فرمائے ہیں۔

واقعات آئندہ کے تسلسل کے اعتبار سے یہ ترتیب مضامین بہت ہی مناسب ہے اور تمام تاریخ وسیرت میں قریب قریب یہی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غزوات کا سلسلہ تمام شبلی صاحب نے اپنی مصلحت خاص سے غزوات کی تفصیلی توجیح کو یہیں لکھ دینا ضروری سمجھا ہے لیکن ہم اس کو آئندہ واقعات کے سلسلہ بیان میں تاخیر و بے ربطی پیدا ہوجانے کی وجہ سے قبل از وقت سمجھتے ہیں ختم واقعات کے بعد ان شاء اللہ ہم ان توجیہات کو اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسی سال ادائے زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب تک ملک وقوم میں سکونی حالت پیدا نہیں ہوئی تھی اور خوشحالی نہیں آئی تھی۔ اس وقت تک کسی قسم کے مطالبات کو عام اس سے کہ فوائد دینی کی بنا پر ہوں یا منافع دنیاوی کی مدعا پر۔ مدابران قدرت نے مصلحت نہیں سمجھا۔ لیکن ملک وقوم میں جوں جوں امن وامان کے ساتھ تمدن۔ معاشرت میں فراغت اور کشادگی پیدا ہوتی گئی۔ ملک وقوم میں نفع رسانی کی غرض خاص سے ان مطالبات کی تعیین بھی ضروری سمجھی گئی شبلی صاحب جلد دوم ص 81 میں لکھتے ہیں۔

عمال صدقات کی ماموری اور ان کا مقام ماموریت

جو ممالک زیر اثر آ رہے تھے۔ وہاں زکوٰۃ وصدقہ وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے گئے وہ اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس۔ زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اسی کے ساتھ وہ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے۔ اور اس لیے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے۔ ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام ماموریت	کیفیت
(۱) مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہؓ (زوجہ نبیؐ کے بھائی تھے۔
(۲) زیاد بن لبید	حضر موت	یہ ان صحابہ میں ہیں جو بدر میں شریک تھے۔
(۳) خالد بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں سب سے پہلے انھوں نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔
(۴) عدی بن حاتم	قبیلہ طے۔ یمن	مشہور صحابی ہیں۔ حاتم طائی انھیں کا باپ تھا۔
(۵) علاء بن خضرمی	بحرین	☆
(۶) حضرت ابوموسیٰ الاشعری	زبید وعدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ مشہور صاحب علم صحابی ہیں (مگر عمر عاص کے معمولی چکمہ میں آ گئے)

(۷) جریر بن عبداللہ الجیلی　　جریر مشہور صحابی ہیں (ان کے صاحبزادے عبداللہ ابن جریر الجلی شہدائے کبرلا میں داخل ہیں۔ رضی اللہ عنہ)

(۸) ذوالکلاع حمیری　　یمن کے سلاطینی خاندان سے تھے۔ ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا۔ جریر کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کیے۔

(۹) حضرت معاذ بن جبل　　جند　　مشہور صحابی ہیں۔

اسلامی مبلغین

اسلام نے ایک طرف ملک وقوم میں امن عام قائم کیا جو اولاً اس کے نام سے ظاہر تھا اور ثانیاً اس کے تبلیغی پیام کا حقیقی مدعا۔ جس کی تعلیم کا وہ تمام ملک وقوم میں تیس برسوں سے اعلان عام کر رہا تھا اور ملک وقوم کے غلط فہم اور جہالت پسند سفہا اور اس کے ایسے پر امن اور صلح عام کی تبلیغ وتعلیم سے قبولیت کی جگہ نفرت کا اظہار کر رہے تھے اور پھر اس شدت کے ساتھ کہ اس کے استحصال اور کامل تباہ و برباد کرنے کی کوششوں میں ملک وقوم کا کتنا سرمایہ اٹھ گیا۔ کتنی جانیں تلف ہوگئیں کتنے قبیلے اجڑ گئے۔ کتنے خاندان ویران ہوگئے۔ مختلف اور متفرق مقامات کے معارکہائے جنگ میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ لہو کے دریا ابل پڑے۔ یہ اسلام کی حقانیت ہی کی پاداری تھی۔ اور اس کی حقیقت کی استواری کہ وہ تمام ملک وقوم کے ایک بار مخالف ہوجانے پر بھی مرکز حق سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ اور تنہا ہو کر بڑے حوصلہ وجگرداری کے ساتھ ہر موقع جنگ اور ہر معرکہ کارزار میں دشمنوں کی بزدلی کے مقابلہ میں سینہ سپر بنے رہے اور کامل نو برس تک ان تمام مصیبتوں اور آفتوں کو جھیل کر اپنے اصل مدعائے تبلیغ وتعلیم کو پورا کیا اور اس مرتبہ تک پہنچایا کہ ملک کے تمام سرکشان قبائل نے بالآخر اس کے آگے متابعت کا سر خم کیا اور اطاعت کی گردن جھکائی۔

کچھ ملک وقوم کے خاص قبائل وعشائر کی ذواثری کا یہ حال نہیں تھا بلکہ غیر مذہب واعتقاد کے قوم وقبائل نے بھی اس کی حمایت و اعانت اپنے تحفظ وامن کی ضرورت سے اختیار کی۔ یہ بھی قدرت کا عجیب منظر تھا کہ جس اسلام سے ایسی شدید نفرت تھی اور سخت مخالفت۔ ۹ ہجری میں احکام برأت کے اعلان کے بعد ہی سے چاروں طرف سے قبائل واقوام کے وفود خود دارالنبوۃ مدینہ میں حاضر آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام لانے لگے جیسا کہ بہت جلد وفود کے بیان سے معلوم ہوگا۔

اسلام کو جب ملک کے امن عام کی طرف اسے اطمینان اور جمعیت خاطر حاصل ہو چکی تو اس نے اطراف و جوانب کے باقی قبائل وعشائر میں مبلغین اور معلمین اسلامی کو دینیات وعملیات کی تعلیم کے لیے مقرر کیا۔ مفصلہ ذیل معلمین ومبلغین اسلامی کے نام شبلی صاحب نے لکھ کر بتلائے ہیں۔

نام	مقام ماموریت	نام	مقام دعوت
(۱) حضرت علی ابن ابی طالب	قبیلہ ہمدان۔ خذیمہ مذحج	(۴) عمر عاص	عمان

(۲) مغیرہ بن شعبہ	نجران	(۵) وبر بن نخیس	آبنائے فارس
(۳) خالد بن ولید	اطراف مکہ	(۶) مہاجر بن ابی امیہ	بطرف حارث بن کلال شہزادۂ یمن
		(۷) محصنہ بن مسعود	فدک

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھا۔ دعاۃ اطراف مکہ میں بھیج دیے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے قرآن پاک کی آیتیں اس موقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ۔(نصر)

جب خدا کی فتح ونصرت آئی تو تم نے دیکھ لیا کہ لوگ عموماً فوج درفوج خدا کے دین میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ پس تم حمد خدا کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو کہ وہی بخشنے والا ہے۔

فتح مکہ کے تین مہینے بعد 9 ہجری کے موسم حج میں اعلان برأۃ ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کرلیا۔ (بحوالہ طبری واقعات 9 ہجری) حجاز سے باہر۔ نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا۔ اور خال خال مسلمان ادھر ادھر نظر آتے تھے لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں 8-9-10 میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن۔ بحرین۔ یمامہ اور عمان اور دوسری طرف عراق وشام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ عرب کے دو صوبے ہیں۔ جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں۔ اور اس وقت بھی وہ روم وفارس۔ دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح وامن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔ (سیرۃ النبی جلد اول)

وفودعرب کا آنا اور اسلام لانا

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلۂ آخر کا انتظار کر رہا تھا۔مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام مدینہ میں جا کر کوئی فیصلہ کر لے۔اہل عرب کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ اب وہ اسلام سے سرکشی نہیں کر سکتے تھے۔لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتے ہیں۔فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انھوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال تھے۔عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔بنوتمیم۔بنوسعد۔بنوحنیفہ۔بنواسد کندہ۔سلاطین حمیری۔ہمدان۔ازد اور طے تھے۔ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں۔ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں۔جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیں۔لیکن اکثر اس غرض سے آ رہے تھے کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آ جائیں۔یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد 8،9اور10ہجری میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزوں ہوگا۔سیرۃ النبی جلد2 ص 82

وفد مزینہ

ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔جو مصر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے نعمان بن مقرن صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے۔اسی قبیلہ سے تھے۔اصفہان انھیں نے فتح کیا تھا۔5ہجری میں اس قبیلہ کے چارسو شخص تمام قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔(اصابہ فی احوال الصحابہ) عراقی نے سیرت منظوم میں لکھا ہے۔

اول الوفد وفد المنی ینۃ سنۃ خمس وافدوا مزینہۃ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو 9ھ میں آیا۔

وفد بنی تمیم

یہ وفد بڑی شان وشوکت سے آیا۔قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس زبرقان۔عمر بن الاثیم اور نعیم ابن یزید سب اسی سفارت میں شامل تھے۔عینیہ بن حصین فرازی جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا۔وہ بھی ساتھ تھا۔یہ لوگ اگر چہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آ رہے تھے۔تاہم عربی فخر وغرور کا نشہ سر میں ابھی باقی تھا۔دربار نبوت یعنی مسجد رسولؐ میں پہنچے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔آستانہ مقدس پر جا کر پکارے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر آؤ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے تو بولے کہ محمد (صلعم) ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔آپ نے اجازت دی۔عطارد بن حاجب جو

مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیروان کے دربار سے حسن تقریر کے صلہ میں کم خواب کا خلعت حاصل کیا تھا۔ اٹھا اور اپنی قوم کی مفاخرت پر ایک پرزور دار تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا۔ خدا کا شکر ہے جس کی بدولت ہم آج صاحب تاج وتخت۔ خزانہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے۔ ہماری ہم مرتبگی کا جس کو دعویٰ ہوا۔ وہ یہ خصائص واوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت ابن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا انھوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا۔ اس خدا کی تعریف جس نے زمین وآسمان بنائے اس نے ہم کو بادشاہی دی۔ اپنے بہترین بندوں میں سے بہترین شخص کو منتخب کیا۔ جو سب سے زیادہ شریف النسب۔ سب سے زیادہ راست گفتار سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لیے خدا نے اس پر کتاب اتاری۔ اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور اس کے بعد ہم (انصار) نے دعوت پر لبیک کہی۔

تقریریں ہوچکیں تو اشعار کی باری آئی۔ سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا۔

نحن الکرام فلاحی یعادلنا منا الملوك وفینا تنصب البیع

ہم شرفائے قوم ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہوسکتا۔ ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آکر خطبہ دیا تو اس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنادیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ ان من البیان السحراً۔ بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کرچکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربار رسالت کے شاعر حسان ابن ثابت کی طرف دیکھا۔ انہوں نے برجستہ کہا۔

ان الذوائب من فھر واخواتھم قد بینوا للناس یتبعوا

شرفائے قبیلہ اور برادران فہر نے وہ راستہ بتلا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکیم تھا یعنی مقدمات قومی کا مرافعہ اسی کے پاس جاتا تھا اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا۔ اس کو یہ دعویٰ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالتؐ میں آیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ان حمدی لزین وان ذمی لستین۔ میں جس کی تعریف کرتا ہوں وہ چمک اٹھتا ہے اور میں جس کی برائی کرتا ہوں اس کو داغ لگ جاتا ہے۔ نظم ونثر کی معرکہ آرائی ہوچکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب وشاعر دونوں ہمارے خطیب اور شاعر سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔ (سیرۃ النبی ص 303)

وفد بنوسعد

بنوسعد نے ضماد بن تعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا وہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی سادگی اور اصل آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی عبارت حسب ذیل ہے۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے۔ ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحن مسجد میں آ کر اتر پڑا پھر حاضرین سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس کا نام ہے ہم لوگوں نے آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ پاس آکر کہا۔ عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں جواب دے چکا۔ بولا کہ میں تم سے کچھ پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا۔ اس پر ناراض نہ ہونا۔ ارشاد ہوا جو پوچھنا ہے پوچھو۔ بولا کہ اپنے رب کی قسم کھا کر کہو کہ خدا نے کیا تم کو تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا۔ ہاں پھر قسم دلا کر پوچھا کہ کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے اسی طرح زکوۃ اور حج کی نسبت پوچھا۔ اور آپ برابر ہاں فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ میرا نام ضماد بن ثعلبہ ہے۔ اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور اپنی قوم سے جو بتلایا ہے ایک ذرہ زیادہ کروں گا نہ کم۔ جب وہ جاچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔ ضماد نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ لات وعزی کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا کیا کہتے ہو۔ تم کو جنون یا جذام نہ ہوجائے۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر میں تو خدا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر ہوا کہ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن ومرد بچے سب کے سب مسلمان تھے۔

وفد اشعرئیین 7 ہجری

یمن کا ایک نہایت معزز ترین قبیلہ اشعرئیین کا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا اس قافلہ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہوکر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفر طیار موجود تھے۔ وہ اپنے ساتھ عرب کو روانہ ہوئے، اس زمانہ میں خیبر فتح ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔ یہ صحیح مسلم (فضائل اشعرئیین) کی روایت ہے صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تمھارے یہاں میں کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے۔ یہ کل ہم دوستوں سے ملیں گے۔ محمدؐ اور پیروان محمدؐ سے۔ بارگاہ نبوت میں پہنچے تو عرض کی یا رسول اللہؐ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے آپ کے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حال پوچھیں۔ آپ نے فرمایا۔ پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اور اس کا تخت پانی پر تھا۔ (بحوالہ بخاری بدرالخلق)

وفد دوس 7ھ

عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔حضرت ابو ہریرہ اسی قبیلہ کے ہیں۔اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمر تھے۔اور ہجرت سے پہلے مکہ گئے۔قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائیں۔لیکن ایک دن اتفاقاً یہ حرم میں گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عرض کی کہ آپ مجھے اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قران مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور وہ نہایت خلوص سے سن کر اسلام لائے۔وطن جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی۔لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا۔لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔اس لیے لوگوں نے تامل کیا۔طفیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ حقیقت بیان کی۔آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا اس کو ہدایت دے پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے۔غرض کہ دعائے نبوی کی برکت اور طفیل کی ترغیب و ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے۔(بحوالہ اصابہ و زادالمعاد)

وفد حرث بن کعب 9ہجری

شبلی صاحب نے اس کو 9ہجری کا واقعہ بتلایا ہے۔اور صاحب روضۃ الاحباب اور صاحب رحمۃ العلمین نے 10ہجری کے آخر زمانہ کا۔آنحضرت صلعم کے انتقال سے کل چار مہینہ قبل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔اس لیے ہم اس کو 9ہجری کے واقعات میں قلمبند کریں گے۔

وفد قبیلہ طے

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔اس قبیلہ کے رؤسا زید الخیل اور عدی بن حاتم الطائی تھے اور ان کے حدود ملک علیحدہ تھے۔زید زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر۔خطیب۔خوش جمال۔فیاض اور بہادر تھے۔9ہجری میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔انھوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام کی تصدیق کی۔اور ایمان قبول کیا شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔آنحضرت صلعم نے اس لقب کو زید الخیر کے لقب سے بدل دیا۔

عدی ابن حاتم 9ہجری

عدی۔مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں۔یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بڑی عزت وحرمت سے رخصت کیا وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے آنحضرت صلعم مسجد میں تھے، عدی نے مسجد میں جا کر سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا پھر ان کو گھر کی طرف لے کر چلے۔ اس اثنا میں ایک بڑھیا آ گئی۔ اس نے آپ کو روک لیا اور دیر تک آپ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ عدی خود رئیس تھے۔ شام رومیوں کا دربار دیکھا تھا۔ ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے۔ چمڑے کا ایک گدا تھا۔ اس کو عدی کی طرف بڑھا دیا۔ یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں عدی تم اپنی قوم سے مرباع (چوتھائی) لیتے ہو۔ لیکن یہ تو تمھارے مذہب میں جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔ غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردۃ کے زمانے میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ باپ کی سخاوت کا اثر ان میں بھی تھا۔ ایک شخص نے ایک دفعہ ان سے سو روپیہ طلب کئے۔ بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم طلب کرتے ہو۔ بخدا ہرگز نہ دوں گا

اهد ثقیف

یاد ہوگا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے۔ تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ نے ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی یہ تھی۔ اللھم اھد ثقیفا وائت بھم ۔ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔ یہ دعا کرشمۂ ربانی کا اعجاز تھی وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہوا صداقت کے جلال نے آستانہ اعلیٰ پر اس کی گردن جھکا دی۔ طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا۔ جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ وحی الٰہی اترتی تو ان پر اترتی۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ لیکن مادہ قابل رکھتے تھے۔ حدیبیہ کی صلح بھی انھیں کی سفارت سے انجام پائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انھوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کو بہت برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالا خانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا منہ برسا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں ان کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

عروہ کا خون رائگاں نہیں جا سکتا تھا۔ صخر بن عیلہ۔ رئیس احمس یہ سن کر آنحضرت صلعم طائف کا محاصرے کیے ہوئے ہیں کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت قبول نہ کر لیں گے۔ میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کی۔ صخر نے خدمت نبوی میں اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی میں سب کو جمع کیا۔ احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی۔ (داؤد۔ باب اقطاع الارضین)

چند روز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا۔ اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیے جائیں۔ ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ ابن شعبہ دوڑ پڑے کہ آنحضرت صلعم کو جا کر خبر کریں۔ راہ میں حضرت ابوبکرؓ مل گئے۔ ان کو معلوم ہوا تو مغیرہ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری مجھے پہنچانے دو۔ مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جائیں تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن یہ لوگ اسی دستور قدیم کے مطابق آداب بجالائے۔ عبد یا لیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو (حالانکہ وہ اب تک کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا کہ مسلمانوں کی محویت و استغراق کو دیکھ کر متاثر ہو) یہ لوگ مسجد کے صحن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ حاضر رہتے تھے۔ گو خود شریک نہیں رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ خطبوں میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں ذکر کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں۔ لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں۔ جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے۔ سفراء دربار نبوی میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے عثمان گو کمسن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے۔ یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیے۔ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائیں ان کو بیان فرماتے۔ مدینہ میں آکر جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی ذکر فرماتے۔ بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

(۱) زنا ہمارے لیے جائز کی جائے کیونکہ ہم اکثر مجرد رہتے ہیں۔ اور اس لیے ہم کو اس سے چارہ نہیں۔

(۲) ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے۔ اس لیے سود خواری جائز رکھی جائے۔

(۳) شراب سے نہ روکا جائے ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ بالآخر ان لوگوں نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے معبود۔ طائف کے سب سے بڑے بت (جس کا نام لات) کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ توڑ دیا جائے گا یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو۔ لات یا منات تو صرف ایک پتھر ہیں۔ ان لوگوں نے کہا اے عمر ہم تمھارے پاس نہیں آئے۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ جو چاہیں کریں۔ لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے آپ نے یہ درخواست منظور کر لی ان لوگوں نے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور جہاد مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہیں تھی۔ جو ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز تھی۔ لیکن زکوٰۃ سال

بھر کے بعد واجب ہوتی تھی اور جہاد واجب کفایہ ہے ہر شخص پر واجب نہیں۔اور جب بھی ہوتو اس کے خاص موقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرلیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آ جائے گی۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے۔چنانچہ دوہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس نے اسلام نہ قبول کرلیا ہو۔

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے مطابق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔مغیرہ نے طائف پہنچ کر بتکدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی سر ننگے گھروں سے نکل آئیں۔جو یہ اشعار پڑھتی جاتی

الا بکین دفاع اسلمها الرضاع لم یحسنوا المصاح

لوگوں پر روکہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد کردیا اور معرکہ آرائی نہ کرسکے۔

وفد نصارائے نجران اور واقعۂ مباہلہ

وفد نصارائے بنی نجران اور واقعۂ مباہلہ

نجران۔ مکہ معظّمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ جہاں عیسائی عرب آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا۔ جس کو وہ کعبہ کہتے تھے۔ اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے۔ جن کا لقب سید اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہیں تھا۔ اعشٰی شاعر اسی کی شان میں کہتا ہے۔

وکعبة نجران حتم عليك حتى تناخي بابوابها

تزور يزيدا وعبدالمسيح وقيسا هم خيرا ربا بها

یہ کعبہ سوکھالوں سے گنبد کی شکل میں بنالیا گیا تھا۔ جو شخص اس کے حدود میں آتا تھا وہ محفوظ ہوجاتا تھا اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو دعوت کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اتارا تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ ابوحارثہ جو لارڈ بشپ تھا۔ نہایت محترم اور فاضل شخص تھا۔ قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کے رو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا۔ جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی۔ وہ یہ ہے۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (آل عمران)

کہہ دے (اے پیغمبر) اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے۔ اور اگر یہ لوگ نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ تم گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو۔عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو۔جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرو۔یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل و عیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

تو جو شخص تمھارے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ لاؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنی ذات کو بلائیں پھر مباہلہ کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔غرض ان لوگوں نے سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

واقعہ مباہلہ کا انکشاف حقیقت

اس واقعہ کے متعلق تھوڑے انکشاف کی ضرورت ہے۔اس لیے کہ یہ اہل بیت علیہم السلام کے فضائل مخصوصہ کے اظہار کا اصل موقع ہے۔شبلی صاحب کے لیے استخفاف ضرور ہے اور میرے لیے اس کا انکشاف۔اس لیے شبلی صاحب سے عرض ہے۔

اول تو آپ نے ان عیسائیوں کی مغرورانہ آمد۔متکبرانہ لباس۔وغیرہ کے وہ تمام حالات مرفوع القلم فرما دیے جو شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں تفصیل سے لکھ کر بتلائے ہیں۔آپ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلبیت کی آمد محض معمولی لوگوں کی آمد قرار دے کر ان عامیانہ الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔

لیکن جب آنحضرت صلعم حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور امام حسن وحسین علیہم السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو ایک شخص نے رائے دی کہ ان سے مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔

اسی مضمون کو محدث دہلوی کس حفظ مراتب کے انداز میں تفصیل سے لکھتے ہیں۔قدر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ملاحظہ ہو ان کی حسب ذیل عبارت۔

حضرت صلعم خود از حجرۂ شریف بیرون آمدہ۔حسین ابن علی علیہ السلام را در زیر بغل و دست حسن علیہ السلام۔ اگرفتہ و حضرت فاطمہ زہرا رضی اللّٰہ عنہا اور عقب آنحضرت صلعم

و علی مرتضیٰ او ر عقب فاطمه علیہا السلام۔ و با ایشان فرمود چون من دعا کنیم شما آمین بگوئید۔
سبحان اللّٰه چه وقت و حالت است و چه شاہد و مشہود۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ سے باہر آئے کہ خود بنفس نفیس حسینؑ بن علیؑ کو گود میں لیے تھے۔حسن مجتبیٰ کا ہاتھ تھامے ہوئے۔آپ کے عقب میں حضرت فاطمہؑ رضی اللہ عنہا۔اوران کے پیچھے حضرت علی مرتضیؑ۔آپ نے ان حضرات سے کہا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔سبحان اللہ کیا وقت و حالت ہے اور کیا شاہد و مشہود ہیں۔

محققین واقعہ اور ناظرین کتاب دونوں عبارتوں کے فرق مابہ الامتیاز کو پورے طور سے آپ سمجھ لیں گے یہ اپنا اپنا خلوص ہے اور اپنی اپنی توفیق۔مجھ کو نہ عدم اظہار کی شکایت ہے اور نہ تکرار کی ضرورت۔بڑی دلیری سے جو استخفاف حقیقت کیا گیا اور مجھ کو جس کا خاص انکشاف مقصود ہے وہ حضرت علیؑ کی شرکت کو شبلی صاحب کا متروک کر دینا ہے۔

حضرت علیؑ مباہلہ میں شریک نہیں تھے۔

صاحبِ رحمۃ العلمین نے بھی ایسا ہی لکھا تھا۔لیکن پھر ان کو یاد آ گیا اور انھوں نے فوراً حاشیہ میں یہ عبارت لکھ دی دیگر روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی بھی درج ہے۔ص 203 حاشیہ نمبر 2

امام حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں۔

اخرج الحاکم فی المستدرك وصححه عن جابر رضی اللہ عنہ قال رسول الله صلعم والذی بعثنی بالحق لو فعلوا لا مطرا الوادی علیهم نارا قال جابر رضی اللہ عنہ فیهم نزلت۔ فقال فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴿۶۱﴾ قال جابر انفسنا رسول الله وعلی وابنائنا الحسن والحسین علیہما السلام ونسائنا فاطمه علیہا السلام۔

حاکم مستدرک میں بسند صحیح جابر سے روایت کرتے ہیں کہ جب نصارائے نجران نے مباہلہ نہ کیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو اس دشت میں ان پر آگ برستی۔جابر کہتے ہیں کہ اسی واقعۂ مباہلہ کے متعلق آیت اتری کہ آؤ ہم تم بلائیں اپنے فرزندوں۔اپنی عورتوں اور اپنے نفوس کو اور بارگاہ ایزدی میں تضرع کے ساتھ جھوٹوں پر بد دعا کریں۔جابر کہتے ہیں کہ اس آیت میں انفسنا سے نبیؐ اور علیؑ مراد ہیں۔ابنائنا سے حسنؑ و حسینؑ اور نسائنا سے فاطمہ زہراؑ

مقصود ہیں۔ احمدی ص 84

ابوحاتم رازی ایک طولانی حدیث میں لکھتے ہیں۔

اقبل معه علی علیہ السلام والحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام و فاطمه علیہ السلام۔

جب صبح ہوئی جناب رسول خدا صلعم جناب علی مرتضی علیہ السلام حسینؑ اور فاطمہؑ کو لے کر نکلے۔ ارجح المطالب ص 60 لاہور

محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

حال آنکه حضرت از حجره شریف بیرون آمده بود و حسین ابن علی را در زیر بغل دوست حسن علیہ السلام را بدست خویش گرفته. فاطمه علیہ السلام و علی مرتضیٰ علیہ السلام ا زعقب آن سرور بودند. روضه ص 532

آنحضرت صلعم اپنے حجرہ سے باہر آئے۔ اس طرح کہ حسین ابن علیؑ کو گود میں لیے ہوئے تھے۔ حسنؑ کا ہاتھ تھامے تھے۔ حضرت فاطمہؑ اور علی مرتضیٰؑ آپ کے پیچھے تھے۔

یہ وہ معرکتہ الآرا حضرت علی مرتضیٰؑ کا شرف مخصوصہ ہے۔ جس کو آپ نے سقیفۂ بنی ساعدہ کی کمیٹی میں بطور احتجاج پیش کیا تھا۔ مگر سنتا کون ہے؟ دیکھئے امام دارقطنی لکھتے ہیں۔

ان علیا یوم الشوری احتج علی اهلها افقال لهم انشدكم بالله هل فيكم احد اقرب الى رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی الرحم منی ومن جعله صلی الله علیه وآله وسلم نفسه وابناء ہ ابناء ہ غیری قالوا اللهم لا۔

حضرت علیؑ نے مشورت کے روز اہل شوریٰ سے تکرار (اتمام حجت) کرتے وقت پوچھا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کوئی تم میں سے میرے ایسا شخص موجود ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجھ سے زیادہ قرابت رکھتا ہو اور کس کی جان آنحضرت صلعم نے اپنی جان اور کسی کے بیٹوں کو اپنے بیٹے قرار دیا ہے سب نے کہا قسم خدا کی نہیں۔

محدث دہلوی کی تحریر اوپر نقل ہو چکی ہے۔ کیا اتنے متعدد اسناد کے بعد بھی شبلی صاحب کے نزدیک حضرت کی مشارکت ثبوت کی محتاج رہ جائے گی؟

اہل بیتؑ کی شان میں نزول آیۂ تطہیر آل عباء۔ آل کساء پنجتن پاک کے القاب کی توجیہ تخصیص

اسی فروگذاشت کی طرح۔ شبلی صاحب سے ایک اور سہوالنظری واقع ہوئی ہے۔ خدا جانے یہ فروگذاشت حقیقت میں آپ سے سہواً واقع ہوئی ہے یا عمداً واقعۂ نجران کے بعد ہی حضرات اہل بیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی منزلت میں نزول آیہ تطہیر کا موقع تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ اس کی تفصیل وتصریح میں ارباب سیر وتاریخ سے زیادہ اصحاب صحاح وسنن کے اقوال و مختار پائے جاتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے نقل واستنباط کے اصول مقررہ کے خلاف اس واقعہ کو بھی کیوں نہ لکھا اس لیے کہ یہ واقعہ تو تمام تر محدثین ہی کے متخرجات خاص سے ثابت ہوتا ہے اور آپ مرویات احادیث کی نقل واستخادکو سیر وتاریخ کی مرویات پر ہمیشہ ترجیح دیتے آئے ہیں۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیلی کیفیت۔ صحیح مسلم۔ صحیح ترمذی۔ خصائص نسائی۔ اور مسند امام احمد بن حنبل کے متفقہ اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص لما نزلت ھذہ الایۃ فقال فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلْ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیاً وفاطمۃ وحسنا وحسیناً فقال اللھم ھولاء اھل بیتی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کہ اے محمدؐ کہو کہ جھگڑا کرنے والوں سے کہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمھارے بیٹوں کو اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو اپنی جان اور تمھاری جانوں کو پھر دعا کریں اللہ سے پس لعنت ڈالیں جھوٹوں پر نازل ہوئی تو جناب رسول خداؐ نے علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام کو بلا کر کہا اے میرے پروردگار یہی میرے اہلبیتؑ ہیں۔

اتنے ارباب صحاح کے اقوال متفقہ سے معلوم ہوگیا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں پانچ بزرگواروں (پنجتن پاک) کو اپنا اہلبیتؑ بتلایا اور خدا کے آگے پیش کیا۔ اور انھیں بزرگواروں کی ذاتی اور صفاتی وجاہت وعظمت کے باعث عیسائیوں نے مخوف ومرعوب ہو کر شرائط صلح کر لیے۔ اس کے بعد خداوند عالم نے ان حضرات مقدسین کی شان خاص میں آیہ تطہیر نازل فرمائی۔ مسلم۔ ترمذی۔ دولابی بیہقی۔ ابن مندہ۔ ابن جریر۔ حاکم۔ ابن مردویہ اور امام سیوطی بیک لفظ لکھتے ہیں۔

عن ام المومنین ام سلمه قالت ان هذا الاية اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ نذلت فی بیتی وانا جالسةً عند الباب وفی البیت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وعلی و فاطمه و حسن و حسین فحللهم بکساء وقال اللهم هولاء اهلبیتی وحامتی اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا فقالت وانا معهم یارسول الله قال انك علی الخیر۔ ارجح المطالب ص 75

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تحقیق یہ آیت کہ نہیں چاہتا ہے اللہ مگر یہ کہ دور لے جائے تم سے نجاست کواے گھر والو اور پاک رکھے تم کو خوب پاک کرنا۔ میرے گھر میں نازل ہوئی ہے میں دروازے کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور گھر (حجرہ) میں جناب رسول خداؐ۔ علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام۔ فاطمہؑ زہرا اور حسنین علیہم السلام تھے حضرت نے ان کو ایک چادر اوڑھا کر فرمایا اے میرے پروردگار میرے اہلبیتؑ اور میرے مددگار یہی ہیں۔ ان سے نجاست کو دور کر اور پاک کر خوب پاک کرنا۔ پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ فرمایا تم بہتری پر ہو۔

موقع نزول میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل۔ ابوحاتم رازی۔ امام حاکم۔ بیہقی۔ دیلمی۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن مندہ۔ ابن جریر اور سیوطی ایک دوسری روایت ہے جو واثلہ بن الاسقع کی زبانی مروی ہے۔ آیہ تطہیر کا نزول خاص جناب سیدۃ نساء العلمین حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی خاص عصمت سرا میں ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح رداء۔ عباء اور کساء میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ سے جو روایت منقول ہے اس میں رداء اور عبا کا لفظ ہے اور جو واثلہ بن الاسقع کی زبانی حضرت ام المومنین عائشہؓ سے مروی ہے کہ جس کو مسلم ترمذی احمد بن حنبل۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ حاکم اور سیوطی نے لکھا ہے اس میں کساء (کملی) کا لفظ ہے۔ انھیں تصریحات و توجیہات کی بنا پر۔ اور اپنی تعداد کی نسبت خاص سے یہ حضرات مقدسین خمسۃ النقبا النجبا اور پنجتن پاک کے القاب مخصوص سے دنیائے اسلام میں یاد کیے جاتے ہیں۔ رداء و عبا کے اعتبار سے آل عبا اور کسا (کملی) کے لحاظ سے آل کسا مشہور ہیں۔

حسنت جمیع خصاله صلوا علیه وآله

نجران کے عیسائیوں پر اسلام کی صداقت کا اثر، مدینہ سے ان کی واپسی بشیر کا خاتمہ بالخیر

شبلی صاحب اکثر کام کی باتوں کو بھی اپنی عجلت رقمی کی بنا پر ادھوری اور نا تمام چھوڑ دیتے ہیں۔ اہل نجران کی واپسی کے حالات بھی محاسن اسلام کے اظہار کی غرض سے ضرور قابل ذکر تھے۔ اس لیے ہم ان کو رحمۃ العلمین کی عبارت سے ذیل میں خاص طور پر نقل

کرتے ہیں۔

جو معاہدہ انھیں لکھ کر دیا گیا تھا اسے مغیرہ بن شعبہ نے لکھا تھا۔ اور ابوسفیان بن حرب۔ عجلان بن عمر مالک ابن عوف اور اقرع بن حابس صحابہ کی شہادت اور سپر ثبت تھیں۔ اس کے حسب ذیل فقرات خاص طور پر ناظرین کے لیے ملاحظہ طلب ہیں۔ اس لیے کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیوں کو کیسے کھلے دل سے ان کے حقوق مرحمت فرماتے تھے۔

لنجران جوار الله وذمة محمد النبی علی انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وعشیرتهم وتبعهم وان لا یغیر کلما کانوا علیه ولا بغیر حق من حقوقهم ولا ملتهم ولا یغیر کلما تحت ایدیهم من قلیل او کثیر ولیس علیهم ریبة ولا دم جاهلیة ولا یحشرون ولا یطاء ارضهم الجیش۔ (بحواله فتوح البلدان بلاذری)

نجران والوں کو خدا اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت حاصل ہوگی جان۔ مذہب۔ زمین۔ مال اور جائیداد کے متعلق۔ اور ان سب کو جو حاضر اور غائب ہیں۔ صاحب قبیلہ ہیں۔ یا ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ ان کی حالت اور حقوق میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔ اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسے نہ بدلا جائے گا۔ پچھلے زمانہ کے شبہات یا قتل کے جھگڑے ان پر نہ چلائے جائیں گے۔ وہ بیگار میں نہ پکڑے جائیں گے……ان کے علاقہ سے فوج نہ عبور کرے گی۔

سند حاصل کرکے یہ لوگ نجران کو واپس گئے۔ بشپ (اسقف) اور دیگر سر برآوردہ لوگوں نے ایک منزل آگے بڑھ کر ان لوگوں سے ملاقات کی۔ وفد نے یہ سند اسقف کے سامنے پیش کر دی وہ راستہ ہی میں چلتے چلتے اسے پڑھنے لگا۔ اس کا چچیرا بھائی بشر بن معاویہ۔ جس کی کنیت ابوعلقمہ تھی اس کے نزدیک تھا وہ بھی اس کے مضمون کی طرف اس قدر متوجہ ہوا کہ بے حال ہوگیا اور اونٹنی نے اسے زمین پر گرا دیا۔ اس نے گرتے ہی کہا خرابی ہو اس شخص کی جس نے اس قدر ہمیں تکلیف میں ڈالا ہے۔ بشر نے یہ اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیا تھا۔ اسقف بولا۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے۔ بخدا وہ نبی مرسل ہے بشر نے جواب دیا۔ اب میں بھی اس کا پالان اسی کے پاس جا کر اتاروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا رخ بدلا اور مدینہ کو چل کھڑا ہوا۔ اسقف نے اس کے پیچھے اپنا ناقہ لگایا۔ چلا چلا کر کہتا تھا میری بات تو سنو میرا مطلب تو سمجھو۔ میں نے یہ فقرہ اس لیے کہا تھا کہ ان قبائل میں یہ مشتہر ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے اس سند کے حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے۔ یا فیاضی قبول کر لی ہے۔ حالانکہ ابھی تک دیگر قبائل نے اس کی فیاضی کو قبول نہیں کیا ہے اور ہماری شوکت وطاقت اوروں سے بڑھ کر یہی ہے کہ ہمیں کسی کی فیاضی کی ضرورت نہیں۔ بشر بولا۔ نہیں نہیں۔ بخدا نہیں۔ اب میں نہیں رک سکتا تیرے مغز سے ایسی بات نکل ہی نہیں سکتی۔ بشر نے یہ اشعار پڑھے اور مدینہ چلا آیا۔

الیك نعدو نلقاً وضینها معترضاً فی جنبیها
مخالفاً دین النصاری دینها

بشر تو خدمت نبوی میں پہنچ کر وہیں حضور میں رہا۔ اور بالآخر درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ اب اس وفد واپس شدہ کی اثر پذیری کا حال یہ ہے۔

جب یہ لوگ نجران پہنچ گئے تو نجران کے گرجا میں ایک رہنے والے مانک (راہب) نے بھی کسی سے یہ داستان سن پائی کہ ایک نبی تہامہ میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا خط آیا تھا۔ یہاں سے تین شخص اس کے پاس بھیجے گئے تھے وہ اس سے سند لے کر آئے تھے۔ اسقف (بشپ) وہ سند لے کر آیا تھا۔ اسے پڑھ رہا تھا۔ اس کا بھائی سواری سے گر گیا اس نے نبی کو برا بھلا کہا۔ اسقف نے اسے منع کیا۔ اور بتلایا کہ وہ سچا نبی ہے۔ اسے برا نہ کہو۔ وہ یہ سن کر مدینہ کو چلا گیا۔ اسقف نے بہت روکا۔ نہ رکا۔ راہب نے جو گرجا کے برج کے بالائی حصہ (سالہا سال سے) رہا کرتا تھا چیخنا شروع کر دیا۔ مجھے اتارو مجھے اتارو ورنہ میں اوپر سے کود پڑوں گا۔ خواہ میری جان جاتی رہے۔ لوگوں نے اسے اتارا۔ وہ راہب بھی چند تحائف لے کر نبی صلعم کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ ایک پیالہ۔ ایک عصا اور ایک چادر اس راہب نے بطور تحفہ پیش کی تھی۔ وہ چادر خلفاء عباسیہ کے عہد تک برابر محفوظ رہی تھی۔ راہب نے کچھ عرصہ تک مدینہ میں ٹھہر کر اسلامی تعلیم سے واقفیت حاصل کی اور پھر آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر اور پھر واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔ مگر نبی صلعم کی حیات تک واپس نہ آیا۔ رحمۃ العالمین۔ ص602

وفد ہمدان ۹ ہجری

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ ان میں اشاعت کے لیے پہلے خالد بن ولید بھیجے گئے۔ یہ چھ مہینہ تک وہاں مقیم رہے۔ لیکن کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اس قبیلہ میں اشاعت اسلام کے لیے مامور فرمایا۔ ان کے فیضان سے تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ کا خط اطلاعی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور زبانِ مبارک سے تین بار کہا۔ السلام علی همدان السلام علی همدان یہ وفد انھیں لوگوں کا تھا جو حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ایمان لا رہے تھے۔ اور اب دیدار نبویؐ سے مشرف ہونے آرہے تھے۔ (رحمۃ ص781)

وفد طارق بن عبداللہ

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ میں سوق المجاز میں کھڑا تھا۔ اتنے میں وہاں ایک شخص تھا جو پکار پکار کر کہتا تھا قولوا لا اله الا الله تفلحوا۔ لوگو۔ لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے۔ ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے آیا جو اسے کنکریاں مارتا تھا۔ اور کہتا تھا یا ایها الناس لا تصدقوا فانه کذاب۔ لوگو اسے سچا نہ جانو۔ یہ تو جھوٹا شخص ہے۔ میں نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو رسول اللہ سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبدالعزی (ابولہب) ہے طارق کا بیان ہے

کہ اس واقعہ کو برسوں گذر گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں ہجرت فرما گئے پھر ایک مدت کے بعد ہماری قوم کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا مدینہ گئے۔ تاکہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچے تو ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں۔ اس نے سلام کر کے پوچھا کدھر سے آرہے۔ کدھر جاؤ گے۔ ہم نے کہا ربذہ سے آئے ہیں اور یہیں تک کا ارادہ ہے۔ پوچھا مدعا کیا ہے۔ ہم نے کہا کھجوریں خریدنے آرہے ہیں۔ اس شخص نے کہا اونٹ بیچتے ہو۔ ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا۔ جس کی مہار ڈالی ہوئی تھی۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس قدر کھجوروں کے عوض ہم اونٹ دیں گے۔ یہ سن کر اس شخص نے قیمت گھٹانے کی نسبت بھی کچھ نہیں کہا اور مہار شتر تھا مگر شہر میں چلا گیا جب وہ شہر میں پہنچ گیا تو ہمارے ہمراہی آپس میں کہنے لگے یہ ہم نے کیا کیا۔ ایک ایسے شخص کو اونٹ دے دیا۔ جس سے ہم واقف تک بھی نہیں اور قیمت کے وصول کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین تھی (سردار قوم کی عورت تھی) وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔ اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کروں گی۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے اور قیمت شتر کی کھجوریں بھیجی ہیں۔ اور تمھاری ضیافت کی الگ کھجوریں بھیجی ہیں۔ کھاؤ پیو اور قیمت کی کھجوروں کو وزن کر لو۔ جب ہم کھا پی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے منبر پر کھڑا وعظ کہہ رہا ہے ہم نے مندرجۂ ذیل الفاظ وعظ آپ کی زبان سے سنے۔

تصدقوا فان الصدقة خير لكم. اليد العليا خير من اليد السفلى. امك واباك واخاك واقرباك وادناك

لوگو خیرات دیا کرو۔ خیرات کا دینا تمھارے لیے بہتر ہے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ماں کو۔ باپ کو۔ بہن کو قریبی رشتہ اور دور والے رشتہ مندوں کو۔ (رحمۃ العالمین 981)

وفد بنوحرث بن کعب ۹ ہجری

یہ نجران کا ایک معزز خاندان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبدالمدان۔ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر وہ غالب رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمھارے غلبہ کے کیا اسباب تھے۔ بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کر دیا۔ (سیرۃ النبی)

وفد بنو اسد ۹ ہجری

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و باز و تھا۔ طلیحہ بن خویلد۔ جس نے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ ھ میں یہ لوگ بھی ایمان لائے۔ اور سفارت بھیجی۔ لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ تھا۔ سفرا در بار رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الحجرات)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں ہم اسلام لائے۔ کہہ دو کے مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو اسلام کی ہدایت کی۔ اگر تم سچے ہو۔

وفد بنی فرازہ

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عینیہ بن حصین اسی قبیلہ سے تھے۔ اس قبیلہ نے رمضان ۹ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ و آلہ وسلم تبوک سے واپس آئے اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔

وفد بنو عامر بن صعصعہ ۹ھ

بنو عامر کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس ابن غیلان کی شاخ تھا۔ بنو عامر اس وقت میں رئیس تھے۔ عامر بن طفیل۔ اربد بن قیس اور جبار بن سلمی۔ عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے۔ یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے عام لوگ خلوص نیت سے صداقت کے طالب تھے عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا۔ جبار اور مشہور صحابی کعب ابن مالک میں پہلے کے مراسم تھے۔ اس لیے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ انھیں کے گھر مہمان ہوا۔ اور اسی تقریب سے کعب ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ شک میں آنحضرت صلعم سے مخاطب ہو کے کہا انت سیدنا۔ آپ ہمارے آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا السید اللہ۔ خدا سب کا آقا ہے۔ انھوں نے پھر عرض کی۔ حضور ہم میں سب سے افضل اور فیاض ہیں۔ ارشاد ہوا۔ بات بولو تو اس کا لحاظ رکھو کہ شیطان تمھیں بہکا نہ لے جائے۔ یعنی یہ تکلف اور تعلق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ عامر بن طفیل نے کہا محمدؐ۔ باتیں تین ہیں۔ تم اہل بادیہ پر حکومت کرو۔ اور شہر میرے قبضہ میں رہیں۔ اگر یہ دونوں نہیں تو پھر تم اپنے بعد مجھے جانشین بنا جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو۔ تو میں غطفان کو لے کر تم پر چڑھ آؤں گا۔ عامر نے اربد کو سمجھا دیا تھا کہ میں محمدؐ کو ادھر باتوں میں لگاؤں گا۔ ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہیں تھی۔ نبوت کے غیر مرئی جلال نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ دونوں اٹھ کر چلے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ خدایا ان کے شر سے بچانا۔ عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی۔ عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔ جبار اور قوم کے عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دار الاسلام سے واپس آئے۔

وفد حمیر

حمیری سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عرب میں ان کا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود تو نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ (سیرۃ النبی 73-24 جلد 2)

وفد کندہ آغاز سال 10ھ

حضرموت یمن کے اضلاع میں ایک شہر ہے۔ یہاں کندہ خاندان کی سلطنت تھی اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ یہ 10 ہجری میں اسی سواروں کے ہمراہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ۔ حیرہ کی چادریں۔ جن کے سنجاف حریر کے تھے۔ کاندھوں پر ڈالے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آنحضرت صلعم نے انھیں دیکھ کر فرمایا کیا تم اسلام نہیں لا چکے بولے ہاں۔ آپ نے فرمایا پھر یہ حریر کیسا؟ ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن ام فروہ سے ان کی شادی کر دی تھی۔ نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا۔ تلوار سے اس کی کونچیں اوڑا دیں۔ تھوڑی دیر میں بیسوں اونٹ زمین پر ڈھیر تھے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ انھوں نے کہا اگر دارالریاست میں ہوتے تو اور ہی سامان ہوتا یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیے اور لوگوں سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے۔ یہ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔ اور صفین میں حضرت علیؑ کے شریک تھے۔

شبلی صاحب۔ اپنے مطلب کو شامل کر لیتے ہیں اور غیر کے مطلب کو ہضم کر جاتے ہیں اتنا اور لکھ دیا ہوتا صفین میں سب سے پہلے خلیفہ وقت کو چھوڑ کر رافضی یا خارجی بھی ہو گئے۔ اور ان کے صاحبزادے محمد ابن اشعث حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں شمار ہوئے۔

نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوئے

وفد بنی عبدالقیس

یہ قبیلہ بحرین کا رہنے والا تھا۔ یہاں اسلام کا اثر پہنچ چکا تھا۔ سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی 5ھ میں اس کے آگے پیچھے حاضر خدمت نبویؐ میں ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ عرض کی یا رسول اللہؐ۔ ہم لوگ خاندان ربیعہ سے ہیں۔

ان لوگوں نے عرض کی۔ ہمارا ملک (بحرین) بہت دور ہے۔ اور بیچ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں۔ ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آ سکتے۔ چند باتیں ایسی تلقین فرمائیں جائیں۔ جن پر ہم ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں۔ ارشاد ہوا کہ میں تمھیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ اور خمس دو۔ اور چار چیزوں سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ دُبا۔ حنتم۔ نقیر۔ مزفت۔ دبا۔ حنتم۔ نقیر اور مزفت۔ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے ہیں۔ جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی یہ عادت شریف جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو عیوب ہوتے تھے ان کی پند وموعظت میں انھیں کی خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ حضور نے ان ظروف کا مخصوص طور پر کیوں ذکر فرمایا۔ چنانچہ انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو۔ جب ابال کم ہو جاتا ہے تو تم اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔ اتفاق یہ کہ اس وفد میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا۔ ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ تھا۔ اور اس کو وہ شرم سے چھپا رہے تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا تھا کہ ہم کو کیا پینا نہ چاہیے۔ اس کے جواب میں آپ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا۔ بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں بن عبدالقیس کے اس وفد کا ذکر کیا ہے۔ ابن مندہ اور دَولابی وغیرہ میں اس قبیلہ کے اور وعدوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں 40 آدمی شریک تھے۔ اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اس قبیلہ کے دو وفد قرار دیئے ہیں۔ پہلا تقریباً 5 ہجری میں اور دوسرا 10 ہجری میں۔ حافظ ابن حجر کی کتاب المغازی میں بعینہ یہی تحقیق ہے۔

وفد تحیب

قبیلہ تحیب کے تیرہ آدمی حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے مال مویشی کی زکوٰۃ لے کر آ رہے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ ان سے بہتر کوئی وفد اس وقت تک نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہدایت خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ خدا جس کی بہبودی چاہتا ہے۔ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے چند باتوں کا سوال کیا۔ آنحضرت صلعم نے ان کے جوابات لکھوا دیئے۔ یہ لوگ قرآن اور سنن ہدی سیکھنے کے بہت ہی شائق تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال کو ان کی تواضع کے لیے خاص طور پر معین کیا تھا یہ لوگ واپسی کے لیے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے اور بار بار خدمت نبوی سے اجازت طلب کرتے تھے۔ صحابہ نے پوچھا تم لوگ یہاں سے جانے کے لیے کیوں اس قدر گھبراتے ہو۔ کہا دل میں یہ خوشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کیے آپ کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے۔ جو فوائد اور برکات ایمان یہاں آ کر ہم کو حاصل ہوئے ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد از جلد پہنچا دیں۔ آنحضرت صلعم نے ان کو عطیات سے سرفراز فرمایا۔ اور رخصت کیا تو پوچھا کوئی شخص تم میں سے باقی تو نہیں رہ گیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ ایک جوان لڑکا ہے جسے اسباب کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا اسے بھیج دینا۔ وہ حاضر ہوا۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہؐ میرا مدعا میری قوم کے مدعا سے الگ ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں محبت اسلام سے آ رہے تھے۔ اور صدقات کا مال بھی لائے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تم کیا چاہتے ہو یہ بھی تو کہو۔ میں تو اپنے گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے مجھ پر رحم کرے۔ اور میرے دل کو غنی کر دے نبی صلعم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

حجۃ الوداع 10ھ میں یہ لوگ پھر آپ سے ملے۔ نبی صلعم نے پوچھا کہو اس نوجوان کی کیا خبر ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا۔ اور اس جیسا قانع شخص سنا ہی نہیں گیا۔ اگر دنیا بھر کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اٹھا کر بھی

نہیں دیکھتا۔(بحوالہ زادالمعاد۔رحمۃ45 جلد1)

وفد بنوسعد ہدیم

یہ قبیلہ بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھا۔جس وقت مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے ہیں۔ انھوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ بیعت سے پہلے ہمیں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔اس لیے یہ لوگ ایک طرف ہو کر بیٹھے رہے۔جب آنحضرت صلعم ادھر سے فارغ ہوئے ان کو بلایا پوچھا تم کیا مسلمان ہو۔انھوں نے کہا۔ہاں۔فرمایا تم اپنے بھائی کے لیے دعا میں کیوں نہ شریک ہوئے۔عرض کی ہم سمجھتے تھے کہ بیعت رسول اللہؐ سے پہلے ہم کسی کام کے مجاز نہیں۔فرمایا جس وقت تم نے اسلام قبول کیا۔تم مسلمان ہو گئے۔اس اثناء میں وہ لڑکا آ گیا جسے یہ لوگ اپنی سواریوں کے پاس بٹھلا آئے تھے۔وفد نے کہا یا رسول اللہؐ یہ ہم سے چھوٹا ہے اس لیے ہمارا خادم ہے فرمایا ہاں اصغر القوم خادمھم۔چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے۔خدا اسے برکت دے۔اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا سب سے اچھا جاننے والا ہو گیا۔جب یہ وفد لوٹ کر گھر گیا تو تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔

وفد بہراء

یہ لوگ مدینہ آئے۔حضرت مقدادؓ کے گھر کے سامنے انھوں نے اپنے اونٹ باندھے۔مقداد نے گھر والوں سے کہا کہ ان کے لیے کچھ تیار کرو اور خود ان کے پاس گئے۔اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے گئے ان کے سامنے جیش (ایک کھانا ہے جو کھجور اور ستو ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے اور کبھی گھی کی جگہ چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں) رکھا گیا۔اس کھانے میں سے کچھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی مقداد نے بھیج دیا۔نبی صلعم نے اس میں سے کچھ کھایا اور برتن واپس دیا اب مقداد دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ مزے لے کر کھایا کرتے۔خوب کھایا کرتے۔مگر کھانا کم نہ ہوتا۔ان لوگوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔آخر ایک روز اپنے میزبان سے پوچھا کہ مقداد۔ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستو جو وغیرہ ہیں۔تم تو ہمیں ہر وقت وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے ہاں بہت ہی عمدہ سمجھا جاتا ہے اور جو ہر روز ہمیں میسر بھی نہیں ہوتا۔اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں تھا۔مقداد نے کہا صاحبو۔یہ سب کچھ آنحضرت صلعم کی برکت ہے کیونکہ اس میں انگشت مبارک لگ چکی ہیں۔یہ سنتے ہی سب نے بالاتفاق کہا کہ وہ بے شک رسولؐ برحق ہیں اور اپنا ایمان تازہ کیا۔یہ لوگ کچھ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔قرآن اور احکام اسلام سیکھے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔

وفد خولان 10 ہجری

یہ دس شخص تھے جو ماہ شعبان 10 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔انھوں نے آکر عرض کی کہ ہم اپنے باقی ماندگان قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے ہیں۔خدا اور رسولؐ پر ہمارا ایمان ہے۔ہم حضور کی خدمت میں لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ہم پر احسان ہے۔ہم یہاں محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:من زانی فی المدینۃ کان فی جواری یوم القیامۃ۔جس نے مدینہ میں آ کر میری زیارت

کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا پھر آنحضرت صلعم نے پوچھا غم انس کا کیا حال ہوا۔(یہ ایک بت کا نام ہے جو اس قوم کا بت تھا) وفد نے عرض کی۔ ہزار شکر ہے کہ خدا نے حضور کی تعلیم کو ہمارے لیے اس کا بدل بنا دیا ہے۔ اب بعض بعض بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں رہ گئی ہیں جو اس کی پوجا کیلئے جاتی ہیں۔ اب ان شاء اللہ ہم اسے جا کر گرا دیں گے۔ ہم مدتوں اس دھوکہ اور فتنہ میں مبتلا رہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کسی دن کا ذکر سناؤ تو۔ وفد نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ۔ ایک دفعہ ہم نے سوٗ گاؤ (بیل) جمع کیے وہ سب کے سب ایک ہی دن حم انس کے لیے قربانی کیے گئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیئے گئے۔ حالانکہ ہمیں گوشت اور جانوروں کی بہت ضرورت تھی۔ انھوں نے یہ بھی عرض کی کہ چوپاؤں اور زراعت میں سے برابر عم انس کا حصہ نکالا جاتا تھا۔ جب کوئی زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لیے مقرر کرتا۔ اور ایک کنارہ خدا کے نام پر مقرر کرتا۔ اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں عقائد اسلام سکھلائے۔ فرائض دین بتلائے اور خصوصیت سے مفصلہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی۔

(۱) اپنے عہد کو پورا کرنا۔ (۲) امانت کو ادا کرنا۔ (۳) ہمسایہ لوگوں سے اچھے برتاؤ کرنا۔ (۴) کسی شخص پر ظلم نہ کرنا۔ (۵) یہ بھی فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی کی صورت نظر آئے گا۔

وفد محارب

یہ دس شخص تھے جو قوم کے وکیل بن کر 10 ہجری میں آئے۔ بلال ان کی خدمت کے لیے مامور تھے۔ صبح و شام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے۔ ایک دن ظہر سے لے کر عصر تک کا پورا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کو دیا۔ ان میں سے ایک شخص کو پہچان کر کہا کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہے۔ یہ شخص بولا۔ ہاں۔ خدا کی قسم حضور نے مجھے دیکھا بھی تھا۔ مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین شک سے حضور کو جواب بھی دیا تھا اور بہت بری طرح حضور کے شک کا رد کیا تھا۔ یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو موعظت فرماتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس شخص نے کہا۔ یا رسول اللہؐ اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دور رہنے والا نہیں تھا۔ وہ سب تو اپنے آبائی مذہب پر مر گئے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور پر مجھے ایمان لانا نصیب ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب کے دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ اس شخص نے کہا میری پہلی حالت کی معافی کے لیے دعا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہیں۔

وفد غسان

قبیلہ غسان کے تین آدمی 10 ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اسلام لانے کے بعد اپنی قوم کی ہدایت کا ارادہ کر کے واپس گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشاعت اسلام میں کامیابی نہیں ہوئی ان میں سے دو وفات پا چکے تھے اور

ایک اس وقت زندہ تھا جبکہ ابوعبیدہ جراح نے شام کو فتح کیا۔

وفد بنی عیش

یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے۔انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم ہم نے منادیاں اسلام سے سنا ہے کہ حضور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ لا اسلام لمن لا ھجرۃ لہ۔جس نے ہجرت نہیں کی اس کا اسلام نہیں۔ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی جن پر ہماری گذران ہے۔پس اگر ہجرت کے بغیر اسلام ہی ٹھیک نہیں۔مال و متاع ہمارے کیا کام آئیں گے۔اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اتقو اللہ حیث کنتم فلن یلتکم من اعمالکم شیئا۔تم جہاں آباد ہو وہیں رہ کر خدا ترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو تمھارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی۔

وفد بنی عائذ

یہ وفد 10 ہجری میں آیا۔اس میں دس آدمی تھے۔یہ مدینہ سے باہر اترے ایک لڑکے کو بٹھلا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے۔نبی صلعم نے پوچھا تم اسباب کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو۔لوگوں نے کہا ایک لڑکے کو۔فرمایا تمھارے بعد وہ سو گیا۔ایک شخص آیا خرجی چرالے گیا۔ایک شخص بولا۔یا رسول اللہؐ وہ خرجی تو میری تھی فرمایا۔ہاں گھبراؤ نہیں۔وہ لڑکا اٹھا۔چور کے پیچھے دوڑا۔اس کو جا پکڑا۔سب اسباب صحیح وسالم مل گیا۔یہ لوگ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے واپس ہوئے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح ماجرا ہوا تھا۔یہ لوگ اسی امر پر مسلمان ہو گئے۔نبی صلعم نے ابی بن کعب کو مقرر فرمایا کہ انھیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھلائیں۔جب وہ گھروں کو واپس جانے لگے تو انھیں شرائع اسلام ایک کاغذ میں لکھوا کر دے دیے گئے۔

بحوالہ زاد المعاد ص 215 رحمۃ 791

وفد سلامان

یہ سترہ شخص تھے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شوال 10 ہجری میں حاضر ہوئے اسلام سے مشرف ہوئے۔ان میں حبیب بن عمر بھی تھا۔اس نے سوال کیا سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے۔رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔وقت پر نماز پڑھنا۔ان لوگوں نے عرض کی کہ ہمارے یہاں بارش نہیں ہوئی۔دعا فرمائیے۔آنخضرت صلعم نے زبان مبارک سے فرمایا اللھم اسقھم الغیث فی دارھم۔پروردگار ان کے گھروں میں پانی برسا۔حبیب نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم ان مبارک ہاتھوں کو بھی اٹھا کر دعا فرمائیے۔آنخضرت صلعم مسکرا دیئے اور دعا میں ہاتھ اٹھا دیئے۔جب وفد اپنے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی جس دن نبی صلعم نے دعا فرمائی تھی۔

وفد بن حنیفہ 10ھ

بنی حنیفہ کا وفد نبی صلعم کی خدمت میں 10 ہجری میں حاضر ہوا۔ ثمامہ ابن آثال کی کوشش سے اس اطراف میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہ وفد مدینہ میں آ کر مسلمان نہیں ہوا تھا اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ مدینہ آ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر محمدؐ صاحب یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو حضور کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی فرمایا میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا۔ مسیلمہ کذاب نے اگرچہ رسالت کا دعویٰ کیا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رسول تسلیم کرتا تھا۔ اس سے مدعا اس کا غالباً یہ تھا کہ اس علاقہ کے مسلمان مخالف نہ ہوں۔ 10 ہجری میں مسیلمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین یہ خط و کتابت ہوئی تھی۔

مسیلمہ کا خط آنحضرت صلعم کے نام

من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله اما بعد فان لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولکن قریش لا یتصفون والسلام۔

خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے خدا کے رسول محمد صلعم کے نام۔ واضح ہو کہ نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی ہے مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔

آنحضرت صلعم کا جواب

بسم الله الرحمن الرحیم من محمد النبی الی مسیلمة الکذاب اما بعد فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین والسلام علی من اتبع الهدیٰ

اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور بڑا رحم والا ہے۔ خدا کے نبی محمد صلعم کی طرف سے مسیلمہ دروغگو کے نام واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے وہ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے اور عاقبت خدا ترس لوگوں کے لیے ہے سلام ان پر جو سیدھی راہ پر چلتے ہیں۔ محررہ ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خط لے کر حبیب ابن زید بن عاصم گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے ان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا ڈالے۔ رحمۃ 381

وفد ازد

سات شخصوں کا یہ وفد تھا۔ نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان لوگوں کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ پوچھا تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا ہم مومن ہیں۔ آپ نے ارشاد کیا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے بتلاؤ کہ تمھارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے انھوں نے عرض کی ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں۔ پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے کا اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپ کے مبلغین نے ہمیں دیا ہے اور پانچ وہ چیزیں ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔ پانچ چیزیں جن پر حضور کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ یہ ہیں۔ خدا پر۔ فرشتوں پر۔ خدا کی کتابوں پر۔ خدا کے رسولوں پر۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا۔ پانچ چیزیں عمل کرنے کی یہ بتلائی گئی ہیں۔ لا الہ الا اللہ کہنا۔ پانچ وقتوں کی نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ روزے رکھنا۔ بیت الحرام کا حج کرنا۔ جسے راہ کی استطاعت ہو۔ پانچ چیزیں جو ہمیں پہلے سے معلوم تھیں۔ آسودگی کے وقت شکر کرنا۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا قضاء الٰہی پر رضامندر ہنا۔ امتحان کے مقامات میں راستبازی پر قائم رہنا۔ اعدا کی بھی شماتت نہ کرنا۔ یہ سن کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جنھوں نے تمھیں ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے۔ اور ان کی دانشمندی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء تھے۔ پانچ چیزیں اور تمھیں بتائے دیتا ہوں۔ تاکہ تم میں پوری پوری بیس خصلتیں جمع ہوجائیں۔ (۱) وہ چیز جمع نہ کرو۔ جسے کھانا نہ ہو۔ (۲) وہ مکان نہ بناؤ جس میں رہنا نہ ہو۔ (۳) ایسی باتوں کے لیے مقابلہ نہ کرو۔ جنھیں کل چھوڑ دینا ہو۔ (۴) خدا سے تقویٰ کرو۔ جس کی طرف لوٹ جانا اور جس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (۵) ان چیزوں کی طرف رغبت کرو جو آخرت میں تمھارے کام آئیں۔ اس لیے کہ تمھیں وہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔ رحمۃ ص 581

تبلیغِ اسلام اور تاسیس نظام مقبوضاتِ اسلام

(آغاز سال دہم ہجری)

فتح مکہ سے لے کر احکام عشرہ کے اعلان تک یعنی کامل دو برس (۸ و ۹ ھ) میں علاقہ حجاز میں اسلام کا پورا تسلط ہو گیا۔ اور تمام صوبہ کے گوشہ گوشہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ عرب کے تمام قبائل و اقوام نے اسلام کی متابعت اختیار کر لی۔ اسلام کے یہ فیوض علاقہ حجاز ہی تک محدود نہیں رہے۔ بلکہ علاقہ جات یمن۔ حضرت موت سے ایک طرف بڑھتے ہوئے دوسری طرف حدود شام اور علاقہ بحرین تک پہنچ گئے۔ ان علاقوں میں قبولیت اسلام کے دو باعث قرار پائے ہیں۔ ایک تو وہی جو تمہید میں بیان ہو چکا ہے کہ عرب کے قبائل و اقوام سالہا سال کے تصادم و تجارب سے یقین کر چکے تھے کہ اسلام کے زیر حمایت آئے بغیر ان کے دینی اور دنیاوی مطالب و مقاصد پر امن طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے خاطر بارگاہ نبوت میں اگر مشرف بہ اسلام ہوتے گئے۔ باقی رہے وہ لوگ جو فاصلہ و مسافت کی وجہ سے حاضری سے مجبور تھے۔ ان کے پاس مبلغین بھیجے گئے۔ اور وہ ان کی پند و موعظت سے اثر پذیر ہو کر دعوت اسلام سے مشرف ہوئے ان علاقوں میں سب سے بڑا علاقہ یمن کا تھا۔

علاقہ یمن میں اشاعتِ اسلام

علامہ یمن باعتبار رقبہ۔ آبادی۔ پیداوار۔ تمدن۔ معاشرت۔ تہذیب۔ تجارت۔ صنعت و حرفت غرض تمام ملکی اور مالی اوصاف و اصناف میں عرب کے تمام علاقوں سے بڑھا ہوا تھا۔ شبلی صاحب نے تفصیل سے اس علاقہ کے اسلام لانے کے حالات قلمبند فرمائے ہیں۔ ہم اسی کی نقل اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

یمن ملک عرب کے تمام صوبوں میں سب سے زیادہ زرخیز ہے اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادت نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے 525ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا اور ولادت نبویؐ کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔ یمن میں اسلام کی تحریک کے لیے متعدد اسباب موجود تھے۔ مثلاً اختلاف جنسیت کے یمن قحطانی تھے اہل داعی اسلام اسمٰعیلی۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور حکومت و تمدن پر ناز تھا۔ اور تمام عرب خاص طور پر ان کی پیشروی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق تسلیم کیے جاتے تھے۔ چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ملکی خاندان تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عرب کا فرمانروا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ اور ہم۔ ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کنانہ بن نضر کے خاندان سے ہیں نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔ یمن میں سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا

تھا کہ وہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھا۔اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی تھے یا عیسائی تھے۔لیکن قبول حق کے لیے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی۔یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی یمن میں دوس کا ایک ممتاز قبیلہ تھا۔اس قبیلہ کا رئیس طفیل ابن عمر اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لیے مکہ آیا تھا۔آنحضرت صلعم نے ان کو دعوت دی۔لیکن انھوں نے انکار کیا۔7ھ میں آنحضرت صلعم خیبر میں تشریف فرما تھے۔دوس کا قبیلہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا۔یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا۔وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اس زمانہ میں بلاتحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوا۔ابوہریرہ دوسی اور ابوموسیٰ الاشعری انھیں قبائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 8ہجری میں ان کو دعوت اسلام دینے کے لیے خالد بن ولید کو بھیجا۔خالد چھ مہینہ تک ان کو دعوت دیتے رہے۔لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد کو بلا بھیجا۔حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو جمع کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔حضرت علیؑ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں پہنچادی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا۔السلام علی الھمدان السلام علی الھمدان۔(بحوالہ زرقانی)

حضرت علیؑ اور یمن میں دوسری بار ماموری

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں روانہ کیا کہ یہ مذہب اگر تمھیں پسند آئے تو ہم سب اسی مذہب کے قبول کرنے پر تیار ہیں۔اور اگر ناپسند ہو تب بھی ہم تمھارے ساتھ ہیں عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نور اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی ساتھ سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ممکن ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہوں اور دونوں میں کامیابی ہوئی ہو۔

شبلی صاحب کی دلی کوشش تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کی کوئی خصوصیت بے داغ نہ چھوٹے۔اپنی اس کوشش میں کیسے ہی مجہول۔غیر معروف موضوع اور مصنوع کسی قسم کا کوئی واقعہ آپ کو ملنا چاہیے۔وہ فوراً درج کتاب ہے۔اب نہ اس وقت آپ کو اصول روایت کی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ خود اپنے سیاق عبارت درست کرنے کی احتیاج۔دیکھیے قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کا واقعہ جو مشہور۔متواتر اور متفقہ جمہور ہے۔وہ زرقانی کے حوالے سے کم وبیش اسی طرح آپ لکھ چکے جس طرح چھوٹی بڑی تمام اسلامی کتابوں میں قلمبند ہیں۔اب اس کے بعد بلا سند وحوالہ یہ لکھ کر بعض روایتوں میں آیا ہے اپنے تحریر کردہ واقعہ کے مخالف واقعہ جو غالباً حالات وفود ہیں۔کسی کتاب مین آپ نے دیکھا ہو۔لکھ دینا۔خصوصاً اس متفقہ اور مسلمہ واقعہ کے مقابل کس قدر مضحکہ انگیز ہے۔اور جس کی وجہ سوائے استخفاف خصوصیت حضرت علیؑ کے اور کوئی دوسری وجہ نہیں ہوسکتی۔خلاف تدوین مولفانہ آپ نہ روایت کا حوالہ دیتے ہیں اور نہ راوی کا نام بتلاتے ہیں اور نہ کتاب کا نام ونشان لکھتے ہیں۔

اس کے آگے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

یمن میں لوگ حضرت علیؑ سے مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاول 10 ہجری میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھران کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا اور ساتھ ہی تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؑ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مالگذاری وصول کرنے کے لیے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اس اثنا مین قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علیؑ نے ان کے سامنے دعوت پیش کی لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا۔ اس کے بعد رؤسائے قبائل خود حاضر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اور دوسروں کی طرف سے بھی نیابتاً اسلام کا اعلان کیا۔ ہم ان واقعات کی تفصیل عنقریب لکھیں گے۔

یمن میں فارس کے جو امراء قیام پذیر ہو گئے تھے ان کو ابناء کہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 10 ھ میں وبر بن خنیس کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر ان کے بیٹوں کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی۔ مرکبود۔ وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ صنعاء میں جس نے پہلے اسلام قبول کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب منبہ تھے عام یمن میں تبلیغ اسلام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ الاشعری کو نامزد کیا۔ دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے۔ چلتے وقت آپ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں۔ وہ درحقیقت تبلیغ اسلام کے اصول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ (۱) سہولیت سے کام لینا۔ (۲) سخت گیری نہ کرنا۔ (۳) لوگوں کو خوشخبری سنانا۔ (۴) نفرت نہ دلانا۔ (۵) اور دونوں مل کر کام کرنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں۔ وہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید و رسالت کی تعلیم و دعوت دینا جب وہ اسے تسلیم کر لیں تو کہنا خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی۔ دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا قبول کر لین تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لینا۔ مظلوموں کی دعائے بد سے ڈرتے رہنا۔ کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے پوچھا یا رسول اللہؐ۔ ہمارے ملک میں (یمن میں) جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔

نجران میں اشاعت اسلام

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے۔ نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ میں چلے آئے تھے۔ اہل نجران کے دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو۔ اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کی غرض سے مدینہ میں بھیجا۔ اس وفد کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی آبادی تھی۔ ان مین ایک قبیلہ تھا جو بنو حرث بن زیاد کے نام سے مشہور تھا۔ وہ مدان

نامی ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبدالمدان کہلاتا تھا۔ ربیع الآخر 10 ہجری میں آنحضرت صلعم نے خالد بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد وہاں پہنچے تو تین دن میں سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالد نے تھوڑے دن یہاں قیام کیا اور قرآن و احکام اسلام کی تعلیم دی۔ اہل یمن کا بغیر کسی ترغیب وترہیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا۔ جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہ ہو۔ جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ کل اہل یمن آئے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ جب ہمدان مسلمان ہوئے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ان کیلئے غائبانہ سلامتی کی دعا دی۔ حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ نے سب سے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا۔ تمیم۔ بشارت قبول کرو۔ بنو تمیم نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہم نے بشارت تو قبول کی۔ کچھ عطا بھی فرمائیے۔ آپ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کون چیز ہوسکتی ہے۔ پھر اہل یمن (حمیر) کی طرف رخ کر کے کہا۔ بشارت قبول کرو۔ بنو تمیم نے قبول نہ کی۔ تم قبول کرلو۔ اہل یمن بے اختیار بول اٹھے اے خدا کے رسولؐ ہم نے قبول کی۔ پھر آپ نے عام طور سے فرمایا۔ ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے مبلغین یمن حضرت علی علیہ السلام اور معاذ ابن جبل اور ابوموسیٰ لاشعری حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ چنانچہ یمن کے بہت سے نو مسلم بھی حج وزیارت کو آئے تھے۔

بحرین میں اسلام

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا۔ عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے۔ جن میں مشہور اور با اثر خاندان عبدالقیس۔ بنی بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ بن منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ وہاں ٹھہرے آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اور سورۂ فاتحہ واقراء سیکھا آنحضرت صلعم نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا۔ وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہ کیا۔ لیکن ان کی بیوی نے انھیں نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی انھوں نے منقذ سے دریافت کیا بحث ومباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک ان کو دکھایا سب نے اسلام قبول کر لیا۔ (صحیح بخاری) کتاب الجمعہ میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی۔ جو جواثی میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ اشخاص کی ایک سفارت آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجی۔ جس کے افسر منذر بن الحرث تھے۔ ان کا قافلہ شانہ نبوت کے قریب آیا۔ تو یہ لوگ اس قدر بیتاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ چومے۔ لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا۔ انھوں نے قیام گاہ پر جا کر کپڑے بدلے۔ پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی 8 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاء خضرمی کو تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ بحرین میں ان دنوں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ بحرین کے علاقہ میں ہجر ایک مقام ہے یہاں ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ عمان۔ اس شہر پر ازد کا قبضہ تھا۔ اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے۔ 8 ہجری میں آنحضرت صلعم نے ابوزید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے اور عمر بن عاص کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام کو قبول کیا اور ان کے بعد وہاں کے تمام عرب ان کی ترغیب سے اسلام لائے۔

عرب شام میں اشاعت اسلام

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے۔ ان میں متعدد ریاستیں تھیں۔ انھیں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمر کے زیر فرمان تھے۔ لیکن خود فروہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھا۔ اس نے اسلام کی طرف سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ عیسائی رومیوں کو ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی دے دی۔ اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا۔

بلغ سراۃ المسلمین بانی
سلم لربی اعظمی و مقامی

مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب پروردگار کے نام پر نثار ہے

شام اور عرب کے درمیان۔ عذرہ۔ بلی۔ اور جذام وغیرہ قبائل آباد تھے۔ قبیلہ بلی میں عمر عاص کا ننھیال تھا۔ اس لیے یہ ایک جماعت کے ساتھ ان اطراف میں بھیجے گئے جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو ان کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت میں اطلاع کی۔ وہاں سے حضرت ابوعبیدہ کی ماتحتی میں بغرض حمایت کچھ فوج بھیجی گئی۔ اس کو اہل السیر وں کی اصطلاح میں غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

مرقومۂ بالا عبارات سے مفصل طور پر اسلامی توسیعات کے حالات معلوم ہو گئے اور ثابت ہو گیا کہ صرف دو ہی تین برسوں کی مدت میں اسلام نے اپنی تبلیغ و تعلیم کے فیض پہنچا کر قریب قریب تمام جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا ان توسیعات اسلامی کے واقعات و حالات میں جو بہت بڑی خوبی قابل غور و لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ سوائے علاقہ حجاز اور وہاں کے خاص قوم و قبائل قریش و یہود کے۔ تمام عرب کے اتنے متعدد اور مختلف قبائل و اقوام میں کسی ایک کے ساتھ بھی اسلام کو دست بقبضہ ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ قریش اور یہود کے ساتھ جو معرکے پیش آئے۔ وہ بالکل دفاعی تھے۔

ان میں اسلام نے حفاظت خود اختیاری اور استحکام امن عام کے طریقے اختیار کیے۔ جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اسلام نے جب حجاز کے اس سرکش علاقہ کو زیر کر لیا تھا تو اس کو علاقہ یمن پر فوج لے کر چڑھ جانے اور اس کو مطیع بنانے میں کون سی دشواری حاصل تھی۔ اسلام کا مدعا اگر صرف فتوحات ملکی ہوتا۔ یا اس کی تبلیغ و تعلیم صرف سیاسی نقطۂ نظر پر منحصر ہوتی۔ تو فتح مکہ کے بعد دارالاسلام مدینہ میں فتح یمن کے انتظام کیے جاتے۔ اسی طرح فتح یمن کے بعد۔ بحرین۔ ہجر اور عمان پر فوجوں کی چڑھائی ہوتی۔ اور اسی طرح یہ تمام علاقے بالتدریج نوک شمشیر سے مطیع و منقاد بنا لیے جاتے۔ لیکن اسلام کا مدعا۔ اس کی تبلیغ و تعلیم کا منشا ان تمام آلائشوں

سے پاک وصاف تھا۔اس کا اصلی مقصد دینیات کی تعلیم تھی اور اس ضرورت سے ملک وقوم میں امن وامان کی تعیین۔جاہل قریش نے اور ان کے دیکھا دیکھی ظالم یہود اس کی تعلیم وتبلیغ کے راستے میں سدراہ ہوئے۔اور اس کے استحصال کی فکر میں خون کے دریا بہا دیئے۔لیکن اتنی کاوش وکوشش کے بعد جب وہ اس کے اصلی محاسن کو سمجھے تو سارا حجاز اسلام سے بہرہ اندوز تھا۔بخلاف حجاز کے۔علاقہ یمن اور دیگر مقامات مرقومۂ بالا علاقہ جات میں اسلام کے تعلیمی فیوض قبل سے پہنچ گئے تھے۔اکثر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر احکام قرآن اور واجبات اسلام کو سن کر اور سیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔جیسا کہ وفود کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے۔اس بنا پر ان علاقوں کے تمام لوگوں نے اہلاً وسہلاً کہہ کر دعوت اسلام کو قبول کر لیا۔اور اس صورت واقعیت کے متعلق آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی جو عدی بن حاتم الطائی سے خاص طور پر ارشاد فرمائی گئی تھی کہ عنقریب تم دیکھو گے کہ ترکستان سے ایک عورت تن تنہا حج کے لیے روانہ ہوگی اور اپنا فرض ادا کر کے بے خوف وخطر اپنے وطن کو واپس جائے گی۔'' ہر طریقہ سے پوری ہوگئی۔عیسائی معترضین اور یورپ کے سیاسی مدمغین آنکھیں کھول کر ان واقعات کو پڑھیں اور اسلام (وتھ سورڈس) sords (اسلام بالصمصام) کے غلط الزام کو شرم وغیرت کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

یمن میں حضرت علیؑ کی تبلیغی خدمات

شبلی صاحب نے اپنی قدیم عادت ومجبوری کی وجہ سے اس واقعہ کو احذافات استخفافات اور اختصارات کے خاص انداز سے تحریر فرمایا ہے۔عادت ومجبوری بھی وہی؟ فضائل علیؑ کے اظہار کا خوف دامنگیر ہے۔حالانکہ اسی واقعہ کی حقیقت جب حدیث وتاریخ کے ماخذوں میں تلاش کی جاتی ہے تو آپ کے مرقومات سے بالکل مخالف پائی جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بہت سی ان مفید تفصیلات وتوجیہات کی نقل کو اپنے مدعا کے خلاف سمجھ کر قلمزد فرما دیا ہے۔ہم آپ کے ان قلمی مصنوعات کی حقیقت کا انکشاف محدث شیرازی کی حسب ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

ودرین سال سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بجهت علیؑ مرتضیٰ کرم اللہ وجهه لوائے عقد فرموده و دستار بدست مبارك خود بروے پیچیده و گویند آن دستار سه پیچ بود دو علالت گذاشت یکے از جانب پیش و دیگرے از جانب قضا وسه صد سوار همراه وے گردانیده بجانب یمن فرستاد و گفت یا علیؑ۔ بروتا بساحت ایشان و باید که مقابله نه کنی تا ایشان با تو مقاتله نکنند۔ پس علی علیه السلام بموجب فرمودهٔ نبی صلعم روان شد و روا نتے آنکه آن اول خیلے بود از اهل اسلام که درآن بلاد آمدند و روا نتے آئکه علیؑ گفت مرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بجانب یمن فرستاد گفیتم یا رسول مرا ید یار

جماعتے از اهل کتاب میفریسی و حالانکه من جوانم و علم قضایا نیکو یمند انم حضرت دست مبارك بر سینه من نهاد و فرمود اللهم ثبت لسانه واهد قلبه و روا نتے آن که فرمود که ذوباشد که الله تعالیٰ ترا هدایت بخشد و زبان ترا براستی ثابت گرداند و فرموداے علیؑ چون دو خصم بنزد تو آیند و مدعی دعوی کند میان ایشان حکم مکن تاز مانیکه سخن آن خصم دیگر نشنوی که این طریقه سزاوار تراست تاآنکه بر تو روشن گردو که حکم چیست۔ علیؑ گوید که بعد از دیگر هر گز درتتبع قضیه مراشك واقع نه نشدلا جرم در علم فضایا چنان ماهر گشت که زبان معجز بیان محمدی در وصف او فرمود۔ افضا کم علیا علی قاضی ترین امت اسلام دست (روضه ال حباب ص 925)

اس سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے لیے ایک علم ترتیب دیا اوران کے سر پر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا۔عمامہ تین پیچ کا تھا اس کے دوسرے آگے پیچھے چھوٹے ہوئے تھے اور آپ کی ہمراہی میں تین سو سوار دے کر یمن کی طرف روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ جاؤ اور جب ان کی زمین میں پہنچو تو ان کے ساتھ مقابلہ نہ کرنا جب تک کہ وہ تم سے خود مقابلہ نہ کریں۔حضرت علیؑ حسب الحکم روانہ ہوئے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ پہلی جماعت تھی جو یمن کی طرف روانہ فرمائی گئی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے خدمت نبوی میں گذارش کی کہ آپ مجھ جیسے نوجوان شخص کو ان لوگوں کی طرف بھیجتے ہیں حالانکہ مجھے حکم قضایا اچھی طرح معلوم نہیں حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ یہ سن کر جناب رسول خدا صلعم نے اپنا دست مطہر میرے سینہ پر رکھ دیا اور فرمایا ’’خدایا تو اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے قلب کو ہدایت فرما اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہت جلد خدا تعالیٰ تمھیں کمال ہدایت عنایت فرمائے گا اور تمھاری زبان کو مستقل اور ثابت بصداقت رکھے گا اور یہ بھی فرمایا کہ یا علیؑ جب دو دعویدار اپنے تصفیہ کے لیے تمھارے پاس آئیں تو تم ان کے بارے میں کوئی حکم نہ کرنا جب تک دونوں کا بیان نہ سن لینا تا کہ حقیقت حال تم پر ظاہر ہو جائے۔اور یہی طریقہ اجرائے احکام کا بہترین ہے۔حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ اسی کے بعد پھر کسی امر کے تصفیہ میں مجھے کبھی تامل نہیں ہوا اور

بالآخر آپ کی قوت فیصلہ کی شہرت اتنی مشہور ہوئی کہ زبان رسالت نے بھی آپ کے فیصلوں کی تعریف میں فرمایا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یمن میں حضرت علیؑ دوبار بھیجے گئے تھے۔ایک بار تبلیغ کی ضرورت سے اور دوسری بار خالد بن ولید سے رقم خمس وصول کرنے کے لیے۔لیکن اکثر محدثین ومورخین نے آپ کی دونوں خدمتوں کو ایک ہی تفصیل میں بیان کر دیا ہے۔لیکن ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اس کی تفریق کر دی ہے اور محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب ص725 میں تصریح فرمادی ہے۔

قبیلہ ہمدان میں تبلیغ کا تو وہی واقعہ ہے جو شبلی صاحب نے اوپر نقل کیا ہے۔لیکن طبری کی عبارت سے اس میں اتنے اضافہ کی ضرورت ہے کہ یمن میں جو جماعت اسلامی خدمات تبلیغ کے لیے بھیجی گئی تھی۔اس میں متفرق لوگ مختلف قبائل یمن میں تبلیغ کے لیے مامور ہوئے تھے۔چنانچہ خالد بن ولید پہلے قبیلہ ہمدان کی طرف بھیجے گئے تھے۔لیکن وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔جب اس کی خبر بارگاہ نبوت میں پہنچی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو قبیلہ ہمدان کی طرف بھیجا۔تاریخ طبری کی عبارت یہ ہے۔

فی ھذہ السنۃ بعث رسول اللہ صلعم علیاً الی الیمن وقد کان ارسل قبلہ خالد بن ولید الیھم یدعوھم الی الاسلام فلم یجیبوہ وارسل علیاً وامرہ ان یعزل خالدا ومن شاء امن اصحابہ۔

اس سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو یمن کی طرف روانہ کیا۔اور ان سے پہلے خالد بن ولید کو روانہ کر چکے تھے کہ اہل یمن کو اسلام کی دعوت دیں لیکن ان لوگوں نے اسلام نہیں قبول کیا تو آپ نے حضرت علیؑ کو بھیجا اور حکم دیا کہ خالد اور ان کے ساتھیوں میں جس کو چاہیں معزول کر دیں۔

شبلی صاحب نے تبلیغ سورۂ برأت میں حضرت ابوبکر کے عزل رسالت کی طرح اس واقعہ میں خالد بن ولید کے معزولی کو مرفوع القلم فرمادیا ہے۔کیونکہ دونوں حضرات ایک ہی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے اور آپ کو دونوں بزرگوں سے عقیدت کا شرف خاص حاصل تھا۔ترک ادب سے ترک قلم بہتر سمجھا گیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؑ جمعیت اسلامی کے امیر بااختیار بنا کر بھیجے گئے تھے۔خالد جس طبیعت کے آدمی تھے وہ ظاہر ہے۔ان کو حضرت علیؑ کی یہ ترجیح وتفصیل سخت ناگوار گذری۔لیکن بارگاہ نبوت کا حکم تھا۔چپ رہ گئے۔مگر مخفی طور پر اکثر اہالیان لشکر کو حضرت علیؑ کے طرز عمل پر خواہ مخواہ شکایت پر برانگیختہ کرنے لگے۔اہل اسلام میں بریدہ اپنی سادہ لوحی سے خالد کے اس حیلہ میں آ گئے۔اور کنیز والے مشہور ومعروف واقعہ کی شکایت آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کی۔امام بخاری نے صرف خالد کی حمایت میں اس واقعہ کو جس مبہم طریقہ سے بیان کیا ہے اور اس کی تصریح وتنقید ہم پہلے پوری تفصیل سے کر چکے ہیں۔ہم ذیل میں پھر اس واقعہ کو امام نسائی اور امام احمد بن حنبل کی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

عن عبد الله بن بريده قال حدثني ابي قال لم يكن من الناس ابغض الى من على حتى احببت رجلا ولا احببته الا على بعض على فبعث ذلك الرجل على خيل فصحبته وما صحبته الا على بغض على فاصاب سبيا نكتب الى النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان يبعث اليه من تخمسه فبعث الينا علياً وفى السبى وصيفة افضل من السبى حين خمس صارت فى الخمس ثم صارت فى اهل بيت النبى صلى الله عليه وآله وسلم ثم صارت فى ال على فاتانا وراسه يقطر فقلنا ما هذا فقال اما تروا لو صيفه صارت فى الخمس ثم صارت فى اهل بيت النبى صلعم مصدقاً ثم صارت فى آل على فوقعت عليها فكتب۔ و بعثنى مضافاً لكتابة الى النبى صلعم مصدقاً لما قال فى على فلما اتيت النبى صلى الله عليه وآله وسلم وقرع كتابه فجعلت اقول عليه صدق فامسك بيدى وقال اتبغض علياً فقلت نعم فقال لى لا تبغضه وان كنت تحبه فازدد له حباً فوالذى نفسى بيده لنصيب آل على فى الخمس افضل من وصيفة فما كان بعد رسول الله صلى الله عليه واله وسلم احب الى من على قال عبد الله هو ابن بريده والله ما كان فى الحديث بينى و بين النبى صلعم غير ابى۔ (اخرجه الا حمد والنسائى)

عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ لوگوں میں سے کسی کا اتنا بغض نہیں تھا جس قدر کہ جناب امیرؑ کا یہاں تک کہ میں ایک آدمی کو اس وجہ سے عزیز رکھتا تھا کہ وہ جناب امیرؑ سے بغض رکھتا تھا وہ آدمی ایک گروہ کے ساتھ بھیجا گیا میں نے جناب امیرؑ کے بغض کی وجہ سے اس کی رفاقت اختیار کی۔ اس نے آ کر اس گروہ کو گرفتار کر لیا۔ اور حضرت محمد صلعم کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ کوئی آدمی بھیجا جائے تا کہ خمس کا مال اس کے حوالہ کیا جائے۔ حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو خمس لینے کے لیے بھیجا۔ قیدیوں میں ایک کنیز تھی۔ جو سب قیدیوں میں افضل تھی۔ جب پانچواں حصہ چھانٹا گیا تو وہ کنیز خمس میں آ گئی اور خمس سے اہلبیت نبویؐ کے حصہ میں آ گئی۔ اور اہل بیت کے حصہ سے علی کی آل کے حصہ میں آ گئی۔ ایک روز جناب امیرؑ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ہم نے پوچھا آپ کے غسل فرمانے کی کیا

وجہ ہے فرمانے لگے تم نے نہیں دیکھا وہ کنیز خمس میں آ گئی۔ اور خمس سے اہلبیت کے حصہ میں آئی اور اہلبیت کے حصہ سے علی علیہ السلام کی آل کے حصہ میں آئی۔ میں نے اس سے صحبت کی ہے پس اس شخص نے یہ تمام واقعہ لکھ کر مجھے تصدیق کرنے کے لیے حضرت کے پاس بھیجا۔ جب میں حضرت کے پاس پہنچا اور خط حضور کو دیا اور آپ نے اس خط کو پڑھا۔ میں نے لفظاً لفظاً اس کی تصدیق کی آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کیا تو علیؑ سے بغض رکھتا ہے۔ میں نے کہا ہاں فرمایا اس سے بغض نہ رکھ۔ بلکہ اگر تو اس کو دوست رکھتا ہے تو اب اور زیادہ دوست رکھ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ خمس میں علیؑ کی آل کا حصہ کنیز سے بدرجہا افضل ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جناب رسول اللہ صلعم کے بعد مجھے جناب امیرؑ سے کوئی زیادہ عزیز نہیں تھا۔ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان پھر میرے والد کے اور کوئی دوسرا واسطہ نہیں تھا۔

یہ واقعات ہیں جو شبلی صاحب نے اپنی مصلحت خاص سے نا قابل ذکر سمجھ کر مرفوع القلم فرما دیئے ہیں۔ لیکن آپ سے پہلے تمام چھوٹے بڑے مولفین نے اپنے اپنے تالیفات میں بلا تامل مندرج فرمائے ہیں۔ لیکن آپ ان مجبوریوں سے کہ ان واقعات سے آپ کے حضرت خالد کی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے خواہ مخواہ بغض وعداوت۔ اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کے فضائل ومراتب ظاہر ہوتے تھے اس لیے یمن کے واقعات میں ایسے مشہور ومعروف واقعہ کو جو تنہا مورخین ہی کا نہیں بلکہ تمام محدثین معتقدین کا مختار قرار پا چکا ہے۔ مرفوع القلم فرما دیا۔

شبلی صاحب کی نئی ترتیب تالیف

شبلی صاحب نے ان مضامین کو لکھ کر ترتیب تالیف کو بدل دیا ہے۔ اور واقعہ نگاری اور سانحہ نویسی کے تسلسل سے بالکل الگ ہو کر عملیات رسالت کے محاسن کی تفصیل شروع کر دی ہے اور قریب قریب تین چار جز میں تبلیغ تعلیم دینیات اور تدوین وتنظیم ملک واقوام کے تمام حالات وواقعات گذشتہ وموجودہ بلا خیال سنین وسال جمع کر دیئے ہیں۔ ان تمام واقعات وحالات کی نقل وتحریر تفصیل وتصریح کے بعد پھر پلٹ کر تاریخ نویسی کی چھوڑی ہوئی راہ پر آ گئے ہیں اور حجۃ الوداع 10 ہجری سے سیرۃ النبی صلعم کے واقعات کا پھر سلسلہ اٹھایا گیا ہے اور وفات 11 ہجری کے حالات تک پہنچا کر ختم فرمایا گیا ہے۔

دنیا بھر کی سیرۃ وتاریخ کے اصول تالیف سے علیحدہ ہو کر۔ یہ گا ہے چنین گا ہے چنان کا خاص طرز تحریر اور انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔ یہ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ تنظیم وسیاسیات کے بیانات سے خلافت کا سنگ بنیاد رکھنا اور سیاسات رسالت کے رنگ خلافت آئندہ کے خاکے میں بھرنا ہے جب ہی تو اس باب خاص کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا گیا ہے۔ تاسیس حکومت الٰہی اور استخلاف فی الارض اور اس عنوان کے نیچے آیہ استخلاف کو نقل کیا ہے۔

اگر شبلی صاحب کا مدعا یہ ہے کہ حکومت الٰہی اور استخلاف فی الارض۔ جس کی بشارت سورہ نور۔ جز و میں موجود ہیں۔ جیسا آپ کے سیاق تحریر اور ترکیب ترتیب سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ زمانہ رسالت ہی میں تمام ہوگئی۔ تو ہم کو آپ سے پورا اتفاق ہے۔ اور اگر آپ اس کو کھینچ تان کر خلافت راشدہ تک لے جاتے ہیں۔ اور فتوحات شام۔ مصر اور فارس وغیرہ کو اس کا مفہوم اصلی بتلاتے ہیں تو جناب والا۔ خلفائے امویہ و بنی عباسیہ نے کیا قصور کیا ہے۔ ان کی فتوحات وتوسیعات ملکی کو بھی اسی کے اندر کیوں نہیں لاتے۔ اس لیے کہ وہ بھی تو خلفائے رسول اللہ تھے اور امیر المومنین کہے جاتے تھے۔ سعدی شیرازی نے آخر خلیفہ عباسیہ مستعصم باللہ کا جو مرثیہ لکھا ہے اس میں برابر امیر المومنین کے لقب مخصوص سے اس کو یاد کیا ہے۔ کیا اس امیر المومنین اور خلافت راشدہ کے امیر المومنین میں آپ کوئی فرق بتلا سکتے ہیں۔

ابھی اور آگے چلیے۔ اسی سلسلہ خلفائے رسولؐ میں۔ بنی فاطمیین۔ خلفائے مصر۔ ان کے بعد خلفائے سلسلۂ ایوبیہ فاتحین شام و بیت المقدس۔ پھر ان کے بعد خلفائے سلسلہ عثمانیہ قسطنطنیہ بھی۔ جو قریب قریب چار سو برس تک مسند نشین خلافت رہے۔ اور ابھی چند سال پیشتر تک تمام ملکی وقومی اور مذہبی جرائد وصحائف میں ان کے خلیفۃ المسلمین مطلق اور امیر المومنین برحق ہونے پر بڑی بڑی معرکۃ الآرا انجمنیں کی گئیں۔ بڑی بڑی پرزور تحریریں لکھی گئیں۔ اسی تعریف وتوصیف میں کیوں نہ داخل کیے جائیں گے۔ تو گویا اس وقت تک اس بشارت ایزدی کا سلسلہ پورا نہ ہونا تسلیم کرنا ہوگا۔ اور اس بشارت کے سلسلہ میں ہر خلیفہ مسند نشین کے بعد۔ ''باقی وارد'' کی یاددہانی کا اضافہ کرنا ہوگا۔ خیریت ہوگئی کہ مصطفےٰ کمال پاشا غازی نے اس سلسلہ کو تمام کر دیا اور خلافت کے نام ہی کو جریدہ سیاست سے محو کر دیا۔ اب نہ کہیں خلافت رہی اور نہ کوئی خلیفہ۔ نہیں معلوم کہ خاتمۂ خلافت کے ساتھ یہ بشارت بھی تمام ہوگئی یا نہیں۔ العلم عنداللہ۔

بہر حال یہ تحریر تو شبلی صاحب کی تمہید حفظ ما تقدم کے جواب میں ایک مختصر سا جملہ معترضہ تھا جو ضرورتاً حائل ہوگیا۔ اس کا متقدانہ انکشاف حال کر کے پھر شبلی صاحب کی اس ترتیب خاص کے انداز نو ایجاد کو دکھلاتے ہیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ تمام سیر و تاریخ کی ترتیب سے علیحدہ آپ نے اپنی کتاب میں یہ ترتیب اختیار فرمائی ہے۔ جتنی اسلامی تاریخ وسیرت کی کتابیں میرے پیش نظر ہیں کم وبیش یا قریب قریب اتنی ہی کتابیں آپ کے مطالعہ وملاحظہ میں بھی آئی ہونگی۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان تمام کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ علم تاریخ کے بیان میں آپ نے تاریخ ابن خلدون کا مقدمہ تو ضرور پڑھا ہوگا مجھے یاد آتا ہے کہ آپ نے اپنی کسی تالیف میں اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس مقدمہ کو باردیگر مطالعہ فرمایا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ موجدین علم تاریخ اور کاملین فن سیرت نے تدوین واقعات تاریخ وسوانحات سیرت کے کیا اصول مدون فرمائے ہیں۔ شاید ابن خلدون کا کوئی نسخہ (جیسا کہ میں خود دیکھ آیا ہوں) آپ کے کتب خانہ دار المصنفین میں نہیں ہے۔ اسی وجہ و مجبوری سے سیرۃ النبیؐ کے مجلدات میں اس کے حوالے کم پائے جاتے ہیں۔ بہتر وہ نہیں تو صرف خاوندشاہ ہروی سمرقندی کی تاریخ روضۃ الصفا کا مقدمہ یا دیباچہ بھی آپ کی اطلاع کے لیے کافی ہوگا۔ اسی کو ملاحظہ کیا جائے گا تو معلوم ہوجائے گا کہ تدوین مضامین تاریخ وسیرت کے یہ خاص اصول مقرر کیے گئے ہیں کہ پہلے صاحب کتاب (ہیرو) کے تمام وکمال حالات وواقعات وسوانحات حیات جو مدعائے تاریخ وسیرت کی تعریف خاص کے اندر آتے ہوں ولادت کے روز سے لے کر وفات کے دن تک مفصل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کر لیے جاتے ہیں۔ ان کے بعد اس کے عملیات۔ جن میں دینیات۔

سیاسیات۔ اخلاقیات۔ غرض تمام محاسنات شامل ہیں۔ اور مفصل اور مسلسل طریقہ سے یکے باد دیگرے سلسلہ تحریر میں بیان کیے جاتے ہیں۔ یہی جمہور مورخین اور ارباب سیرت کا طریقہ تالیف ہے۔ جس پر متقدمین سے لے کر متاخرین تک کا برابر عملدر آمد ثابت ہے۔ شبلی صاحب نے یورپین مصنفین کی تقلید میں اور اپنی سیرت کو فلسفہ تاریخ کی صورت میں لانے کی تمنائے شدید میں اس ترتیب و ترکیب خاص کا نسخہ تیار کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے واقعات قبل از وقوع قلمبند ہو گئے اور بہت سے ایسے حالات جو پہلے بیان ہونے چاہیے تھے۔ سب سے پیچھے بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً وہ احکام حلال و حرام جو حجۃ الوداع میں نازل ہوئے ہیں وہ ابھی سے احکام دینیات میں مندرج فرما دیئے گئے ہیں حالانکہ واقعیت کے اعتبار سے۔ سلسلۂ بیان میں حجۃ الوداع کا ابھی نام و نشان بھی نہیں ہے۔ تکمیل اسلام اور تمام نعمت ایمان کی کل بشارتیں بیان فرما دی گئی ہیں۔ حالانکہ ان کا موقع نزول ابھی آ گے آنے والا ہے۔

اسی طرح سے بہت سے احکام دینی اور نظام قومی جو بہت قبل نفاذ پا چکے تھے ان کے بیان سے اصل موقع اور مقام تو خالی چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ان سب کو بلا لحاظ و خیال ایام و سال اسی تفصیل میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حرمت خمر کا بالتدریج حکم نزول جس کی ابتدا غزوہ احد 3 ہجری سے بتلائی گئی ہے اور فتح مکہ سے اس کی قطعی ممانعت بتلائی گئی ہے۔ 3 ہجری سے لے کر 7 ہجری تک اس کی بالتدریج حرمت و امتناع کی اصل کتاب میں کہیں کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ یہ مواد جلد دوم کی اس تفصیل میں خلط مبحث بنا کر اکٹھا کر دیا گیا ہے گو یا 3 ہجری کے واقعہ حرمت خمر کو 9 ہجری سے بعد کے واقعات کی تفصیل میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی تفصیل میں حضرت علیؑ کی شرابخواری والی ناپاک روایت بھی ہے۔ جس کو ابوداؤد کی گندہ دماغی نے اپنے پراگندہ سلسلہ سے لکھا ہوا ہے اور اس کے نجس قلم نے اس کو نقل بھی کر دیا ہے۔ اس بنا پر 7 یا 8 ہجری کے واقعہ 9 ہجری کے مابعد کے سلسلہ حالات میں بیان کیا ہے۔ ہمارا موجودہ سلسلۂ تنقید تو اس ناپاک روایت کی تردید و تکذیب کے لیے اسی وقت اور موقع پر مصر تھا لیکن ہم اس کو دو وجھوں سے آئندہ مضامین کی تفصیل تک اٹھائے رکھتے ہیں۔ اوّل تو وہی کہ پھر میرے ترتیب واقعات میں بھی آپ ہی کے ایسے بے ترتیبی اور بے ربطی پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ واقعات احکام دینیات کے ذیل میں عملیات سے تعلق رکھتے ہیں اور عملیات کا بیان جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں۔ سوانحات کے بیانات کے بعد ہوتا ہے اس بنا پر وفات کے بعد ان شاء اللہ سلسلۂ بیان میں اس کے تنقیدی انکشافات مندرج کیے جائیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شبلی صاحب کی کتاب چھپتے ہی اس جھوٹی اور فتنہ انگیز روایت کی ملک و قوم میں اتنی دھجیاں اڑ چکی ہیں کہ اس کی موضوعیت و مصنوعیت کا بال تک باقی نہیں چھوڑا گیا۔ فتنۂ شبلی کی دو تیار جلدیں ملک و قوم کے ہاتھوں ہاتھ پہنچ چکیں۔ اس لیے اس کی تنقید و تردید کی اتنی عجلت ضروری بھی نہیں تھی کہ آپ کی انھیں بد ترتیبیو ں کو مدنظر کر کے ہم نے اپنے سلسلۂ بیان میں اس ترکیب و تفصیل سے علیحدہ ہونا کسی طرح پسند نہیں کرتے جس کو ہم چالیس برسوں سے اپنی سوانحات کی ترتیب و تالیف میں قائم رکھ چکے ہیں اس لیے کہ ہم نے سیرت کو منطق اور تاریخ کو فلسفہ بنانے کی الٹی منطق نہیں پڑھی ہے۔

حجۃ الوداع 10 ہجری

شبلی صاحب اس کی تفصیلی کیفیت حسب ذیل قلمبند فرماتے ہیں۔

سال آخر۔ حجۃ الوداع۔ اختتام فرض نبوت۔ ذی الحجہ 10 ہجری مطابق فروری 633ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (نصر)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو مہربان اور رحیم ہے جب خدا کی فتح آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ نصرت و فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیے۔ تسبیح و استغفار سے فتح کو کیا مناسبت ہے۔ اس بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنی پوچھے تو لوگوں نے مختلف معنی بتلائے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا وہ کمسن تھا۔ جواب دیتے جھجکتے تھے جب حضرت عمر نے ڈھارس بندھائی تو انھوں نے کہا کہ یہ آیت آنحضرت صلعم کی قربت وفات کا اعلان ہے کہ استغفار کے لیے مخصوص ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی توجیہ اور آپ کی تفصیل کے تسلیم کر لینے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے مگر تاہم اتنا انکشاف حقیقت ضروری ہے کہ آیا حقیقتاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لیے استغفار کی ضرورت تھی یا نہیں اس لیے کہ آپ اسلام کے عقائد مسلمہ کے موافق معصوم تھے۔ پھر جب ارتکاب معصیت آپ سے ممکن نہیں تو استغفار کی کیا ضرورت تھی۔ شبلی صاحب نے توجیہ بھی لکھ دی۔ تفصیل بھی کر دی۔ مگر مسئلہ کے اس پہلو پر نظر نہ ڈالی معلوم ہوتا ہے کہ عصمت رسول کے متعلق آپ اس گروہ کے ہم خیال ہیں۔ جو رسولؐ کو جائز الخطا قرار دیتا ہے۔ غالباً اس کے انکشاف حقیقت سے آپ کا سکوت اسی خیال خاص پر مبنی ہے۔ اس لیے ہم کو اس کی نسبت یہ لکھ کر بتلا دینا ضروری ہے کہ اگر حقیقتاً آپ کا ایسا خیال ہے تو اسلام کے عقیدۂ مسلمہ کے سراسر خلاف ہے۔

اس آیہ وافی ہدایہ میں حکم استغفار بغرض تمثیل تعمیم اور بطریق تعمیل تعلیم آیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ (سورہ فتح)

ہم نے تجھے (اے پیغمبر) کھلی کھلی فتح عنایت کی۔ تیرے قبل و آخر کے تمام گناہوں کو بخش دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صدور معصیت قطعی ممنوع ہے۔ ان آیات میں جو ذکر استغفار ہے وہ محض عام لوگوں کی تعلیم و تلقین کی خاص ضرورت سے بتلایا گیا ہے کہ باوجود معصوم ہونے کے بھی تم خود طریقہ استغفار دکھلا کر اور بتلا کر

گنہگاران امت کو آمرزش معاصی کے لیے بارگاہ ایزدی سے طلب استغفار کی تعلیم کرو کہ ان کے یہ طرز عمل اور ترکیب توبہ و انابت تمھارے ارشاد و ہدایت کے مطابق ان کی نجات اور عفو جرائم کا ذریعہ و وسیلہ قائم ہوں۔ انہیں دو مقامات پر منحصر نہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم استغفار آیا ہے۔ اس سے یہی مراد ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرے معنی نہیں۔

اس کے بعد شبلی صاحب اپنے سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں۔ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول سیاسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا۔ لیکن مصالح ملکی اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔ بہر حال۔ ذیقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم بارادۂ حج مکہ تشریف لیے جا رہے ہیں یہ خبر دفعتاً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب امنڈ آیا۔ سنیچر کے دن۔ ذیقعدہ کی 26 تاریخ آپ نے غسل فرمایا اور چادر۔ تہد باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر۔ ذوالحلیفہ ایک مقام ہے۔ جو مدینہ کی مضافات ہے یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے جسم مبارک میں عطر لگایا۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر ناقہ قصوا پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

لبيك لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و النعمه لك و الملك لك لا شريك لك

اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں تعریف و نعمت رب تیری ہے۔ ملک وسلطنت تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمی کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلعم لبیک فرماتے تھے ہر طرف سے صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی۔ اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔ فتح مکہ میں آپ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی۔ وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنائی تھیں۔ آنحضرت صلعم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ شرف میں پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن اتوار کے روز۔ ذی الحجہ کی 4 تاریخ کو۔ صبح کے وقت مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر۔ نو دن میں طے ہوا خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔ آپ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا کہ اے خدا اس گھر کو اور عزت وشرف دے۔ پھر کعبہ کا طواف کیا طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی۔

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحي و يميت وهو على كل شئ قدير

لا الہ الا اللہ وحدہ والجز وعدہ وانصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہ۔

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس کے لیے سلطنت ملک اور حمد ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی خدا نہیں۔ مگر وہ اکیلا خدا ہے اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے۔ عمرہ تمام کر کے احرام اتار دینے کا حکم دے دیا۔ بعض صحابہ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ حضرت علیؑ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے بھیجے گئے تھے۔ اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے انھوں نے احرام نہیں اتارا۔ مرقومۂ بالا عبارت۔ حضرت علیؑ کے ذکر تک تو آپ نے حدیث و تاریخ کے ماخذوں کا صحیح نقل و ترجمہ کیا۔ حضرت علیؑ کا ذکر آیا۔ اور آپ کا قلم حقیقت نگاری سے گھوم گیا۔ آپ کے یہ الفاظ کہ ''چونکہ ان کے (حضرت علیؑ کے) ساتھ قربانی کے جانور تھے۔ اس لیے انھوں نے احرام نہیں اتارا بالکل۔ واقعیت۔ اصلیت۔ حقیقت کے خلاف ہے حالانکہ حضرت علیؑ کا اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ لانا۔ کسی حدیث و تاریخ میں نہیں ہے اور نہ آپ نے اپنی اس عبارت پر کسی حوالہ کا نشان دیا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد کے دونوں حوالے جو حاشیہ میں درج ہیں وہ اوپر کی عبارتوں کے متعلق ہیں۔ اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ امور صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ فقرہ آپ کی مخترعات سے ہے۔ جو آپ نے اپنی قدیم عادت استخفاف خصائص و فضائل علیؑ کی خاص ضرورت سے لکھا ہے۔ اب اس کے خلاف پہلے تاریخ ابن ہشام کی عبارت میں اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کان بعث علیاً الی نجران فلقیہ مکۃ وقد احرم فدخل علی فاطمہؑ فوجدھا قد حلت و تھیات فقال مالك یا بنت رسول اللہ صلعم قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان نحل بعمرۃ فحللنا قال ثم اتی رسول اللہ فلما فرغ من الخبر عن سفرہ قال لہ رسولہ اللہ انطلق فطف بالبیت وحل کما حل اصحابك قال یا رسول اللہ ﷺ انی قلت حین احرمت اللھم انی احل بما احل بہ نبیك وعبدك ورسولك قال فھل معك من ھدی قال لا فاشرکہ رسول اللہ فی ھدیہ وثبت علی احرامہ مع رسول اللہ حتی فرغ من الحج ونحر رسول اللہ صلعم عنہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو نجران (یمن) کی طرف بھیجا تھا۔ جب وہ وہاں سے لوٹ کر آئے تو احرام باندھے ہوئے حضرت سے مکہ میں ملاقات کی اور جناب سیدہؑ کو دیکھا کہ احرام سے نکلنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ جناب امیرؑ نے کہا اے رسول اللہؐ کی بیٹی تم نے کیوں احرام کھول دیا ہے۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت نے عمرہ کے احرام کے کھولنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم نے احرام کھول دیا ہے۔ جناب امیرؑ حضرت صلعم کے پاس گئے جب سفر کی حالت حضرت سے عرض کر چکے تو حضرت نے فرمایا جاؤ طواف کر کے اپنے دوستوں کی طرح تم بھی احرام کھول ڈالو۔ جناب امیر نے گذارش کی ہم نے احرام باندھنے کے وقت دعا کی تھی کہ اے پروردگار جس طرح تیرا نبیؐ تیرا بندہ اور تیرا رسول احرام کھولے گا اسی طرح میں بھی اپنا کھولوں گا۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا تمھارے پاس قربانی کی کوئی چیز ہے۔ کہا نہیں۔ پس حضرت نے جناب امیر کو بھی اپنی قربانی کا شریک کر لیا۔ اور جناب امیر بدستور سابق جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے احرام باندھے رہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم نے حج سے فارغ ہو کر جناب امیرؑ کی طرف سے بھی قربانی کی۔

مرقومۂ بالا شاہد تاریخی سے جناب علیؑ مرتضیٰ کا قربانی کے اونٹ اپنے ہمراہ نہ لانا پورے طور سے ثابت ہو گیا۔ قیامت انگیز تعجب تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تو بذات خاص جناب رسول خدا صلعم کے سامنے انکار فرماتے ہیں کہ میرے پاس قربانی کے لیے کوئی چیز نہیں۔ لیکن شبلی صاحب اقرار کرتے ہیں اور چودہ سو برسوں کے بعد بتلاتے ہیں کہ قربانی کی اشیاء یعنی اونٹ وہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ یہ ہے شبلی صاحب کی حقیقت نویسی۔

مرقومۂ بالا عبارت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو اپنی قربانی کے اونٹوں میں شریک کر لیا۔ اب اس مشارکت کی تفصیل بھی صحیح مسلم کی حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

عن جابر قال نحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاثا وستین بدنة واعطا علیاً المنحر فنحر ما غیر منہا واشرکہ فی ہدیة ثم امر من کل بدنة ببضعة فجعلت فی قدر فطبخت فاکلا من لحمہا و شربا من عرقہا

جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ قربانی کیے۔ ان کے علاوہ جس قدر کے قربانی کے لیے اونٹ رہ گئے تھے۔ ان کی قربانی کے لیے حکم دیا اور برچھا

دیا اوران کو اپنی قربانی میں شریک کیا۔ پھر ہر ایک اونٹ میں سے تھوڑا سا گوشت کاٹ لینے کا حکم دیا۔ پس وہ ایک ہنڈیا میں پکوا کر دونوں صاحبوں نے کھایا اور اس کا شوربا پیا۔

پھر اسی صحیح مسلم میں ایک دوسری حدیث یہ ہے۔

عن علیؑ قال امرنی رسول الله صلی الله علیه وآلهٖ وسلم ان اقوم علیٰ بدنه وان اصدق بلحمها وجلودها وان لا اعطی الجزار منها شیئاً۔

جناب امیر علیہ السلام کہتے ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مجھے اپنے اونٹ کی قربانی کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ اس کا تمام گوشت اور پوست خیرات کردو اور قصاب کو اس میں سے کوئی چیز نہ دیا جائے۔ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ ہم قصاب کو اپنی طرف سے دیتے ہیں۔

اب کتاب کے ناظرین کو عموماً اور معتقدین شبلی صاحب کو خصوصاً یہ بھی دکھلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ مرتضی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس استحسان کی یاد کو اپنی تمام عمر تک زندہ اور قائم رکھا مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح ترمذی میں ہے۔

عن علیؑ امرنی رسول الله صلعم ان اضحیٰ عنه ابدا فکان یضحی عنه الی ان استشهد بکیشین املحین۔

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ مجھے جناب رسول اکرم صلعم نے اپنی طرف سے ہمیشہ قربانی کرنے کا حکم دیا تھا پس جناب امیرؑ اپنی شہادت تک آنحضرت صلعم کی طرف سے دو مینڈھے ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے۔

یہ نکتہ بھی ضرور ملحوظ خاطر رہے۔ اس حدیث کے تحت میں محمدؐ ابن شہاب الزہری۔ جنھوں نے سب سے اول بحکم عمر بن عبد العزیز حدیث کو مدوّن کیا ہے۔ لکھتے ہیں

انما خص علیاً بذلك دون اقاربه واهله لقربة فكانه صلی الله علیه وآلهٖ وسلم فعل بنفسه

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے تمام اقارب اور ازواج کے سوا جناب علیؑ مرتضیٰ کو اس قربانی کے لیے بوجہ ان کی قرابت قریبہ کے مخصوص فرمایا ہے اس لیے کہ جناب امیرؑ کا قربانی کرنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قربانی فرمانا تھا۔

یہ سب تفصیل کتاب ارجح المطالب ص 513، ص 533 میں مندرج ہے کبھی ممکن تھا کہ شبلی صاحب ان مرویات حدیث وتاریخ

کی تصریح فرماتے۔ جس سے حضرت علیؑ کے فضائل مخصوص معلوم ہوتے۔ ان هذا منه ابعد الابعاد آپ نے تو اپنی تحریر میں واقعیت ہی کو بالکل معکوس فرما دیا تھا۔ مگر ہم پھر وہی عرض کریں گے۔ وہی حقیقت تھی۔ جو نہ چھپ سکی۔ اور آخر ظاہر ہو گئی۔

اس کے آگے شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا دوسرے دن نویں ذی الحجہ جمعہ کے روز نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔ قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بدلے مزدلفہ میں مقام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آ جائے گا۔ لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی۔ اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لیے خدا نے حکم دیا۔

ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔

آپ بھی عام مسلمانوں کی طرح عرفات میں آئے اور یہ اعلان فرمایا۔

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراهیم۔

اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی وراثت پر ہو۔

یعنی عرفات میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور انھیں نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے۔ وہاں آپ نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصوا تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ دیا۔ آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا اس لیے آپ نے فرمایا۔

الا کل شی من اصرا الجاهلیة تحت قدمی موضوع (صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد باب الاشہر الحرام وحجۃ النبی)

ہاں۔ آج جاہلیت کے تمام دستور میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

تکمیل انسان کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا۔ جو دنیا کی قوموں نے۔ تمام مذاہب نے تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایہ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چوں و چرا کی مجال نہیں تھی۔ اور مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفا رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام تفرقے یہ تمام امتیازات۔ یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء ادم و ادم من تراب۔ عقد الفرید خطب نبوی ان کل مسلم اخوا لمسلم و ان المسلمین

اخوۃ ارقائکم ارقائکم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون۔ (ابن سعد)

عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔تم سب آدم کی اولاد ہو۔اور آدم خاک سے بنے ہیں۔ مسلمان مسلمان بھائی ہیں (طبری وابن اسحاق) تمھارے غلام تمھارے غلام ہیں۔ جوخود کھاؤ وہ انھیں کھلا جوخود پہنو انھیں پہناؤ۔

خون جاہلیت کی معافی

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوجاتا تھا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ سینکڑوں برس گذرجانے کے بعد بھی یہ فرض باقی رہتا تھا۔اوراس بنا پرلڑائیوں کا ایک غیرمنقطع سلسلہ قائم ہوجاتا تھا۔اورعرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ یہ سب سے قدیم رسم عرب کا مقدم فخرخاندان کا پرفخر مشغلہ برباد کیا جاتا ہے اوراس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے۔

ودماء الجاھلیة موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا درابن ربیعه بن الحرث (بخاری ومسلم وابوداؤد)

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کردیئے گئے اورسب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن حرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

سود کی قطعی ممانعت

عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا تھا۔اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔آج وہ دن ہے کہ اس کا تارتار الگ کردیا گیا۔اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلم برحق سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربا الجاھلیة موضوع واول ربا اضع ربانا رباعباس بن عبدالمطلب (مسلم ابوداؤد)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیئے گئے۔اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان میں عباس ابن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

حقوق نسوانی کی مراعات

آج تک عورتیں مردوں کی جائداد منقولہ تھیں جو قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھادی جاسکتی تھیں آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم ۔یہ صنف لطیف اور یہ جو ہرنازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے۔

فاتقوا اللہ فی النساء (مسلم وبخاری) ان لکم نسائکم حقاً وطن علیکم حقا (طبری و ابن ہشام)

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

قتل وخونریزی کی ممانعت

عرب میں جان و مال کی کچھ حقیقت نہیں تھی۔اور نہ کوئی قیمت۔جو شخص جس کو چاہتا تھا قتل کردیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے۔

ان دمائکم واموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا الی یوم تلقون ربکم (بخاری مسلم وابوداؤد)

آج سے تمھارے خون اور اموال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہوئے جس طرح آج کے دن کی حرمت اور وہ لقائے خدا کے وقت تک حرام رہیں گے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذہب دنیا میں پیدا ہوئے۔لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی۔ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں۔بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کردی تھی۔ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد آیات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ۔ (صحاح)

میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے۔وہ چیز کیا ہے۔کتاب اللہ۔

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا۔

ان اللہ عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث

خدا نے ہر حقدار کو (ازروئے وراثت) اس کا حق دے دیا۔اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

الولد للفراش للعاھر الحجر وحسابھم علی اللہ۔

لڑکا اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ زنا کار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

من لیدعی الی غیر ابیه وانتمی الیٰ غیر موالیه فعلیه لعنة اللہ۔

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو غلام اپنے مولا کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اور اس پر خدا کی لعنت ہے ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔

الدین مقضی والعادیة مواداۃ والزعیم غارم۔

قرض ادا کیا جائے۔ عاریت واپس کی جائے۔ عطیہ لوٹا دیا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف خطاب کیا۔

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون (مسلم و ابوداؤد)

تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ نے عرض کی۔ ہم کہیں گے آپ نے خدا کا پیغام پہنچا۔ اپنا فرض ادا فرمایا۔ (یہ سن کر) آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔

اللھم اشھد اللھم اشھد اللھم اشھد (مسلم و ابوداؤد)

خدایا تو گواہ رہنا۔ خدایا تو گواہ رہنا۔ خدایا تو گواہ رہنا۔

عین اس وقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے۔ یہ آیت اتری۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

(بخاری۔ مسلم وابوداؤد)

آج میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

شبلی صاحب۔ آپ بخاری۔ مسلم اور ابوداؤد کے حوالہ سے۔ نزول آیہ اکملت لکم کا یہ موقع بتلاتے ہیں۔ لیکن حافظ ابو نعیم۔ امام سیوطی۔ ابن مردویہ۔ دیلمی۔ حموینی۔ ابن مغازلی۔ نظیری۔ صالحانی وغیرہم اس کا کوئی اور موقع بتلاتے ہیں۔ جو عنقریب سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا۔ ابھی ہم آپ کی عبارت کے سلسلہ نقل کو منتشر کرنا نہیں چاہتے اس کے آگے تحریر ہوتا ہے۔

نہایت عبرت انگیز اور حسرت خیز یہ منظر تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا اور اس کے تخت شاہی کی مسند وقالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ کی قیمت سے زیادہ کا نہیں تھا۔خطبہ سے فارغ ہوکر آپ نے حضرت بلالؓ کواذان کا حکم دیا اور ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔پھر سوار ہوکر موقف میں تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہوکر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف ہوئے۔جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی حضرت اسامہ بن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے۔یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آ کر لگتی تھی لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا۔لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑے سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ۔

السکینۃ ایھا الناس السکینۃ ایھا الناس

لوگو آہستہ۔لوگو آہستہ (بخاری ومسلم وابوداؤد)

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی۔اسامہ نے کہا یارسول اللہؐ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے۔یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا ابھی سامان کھولنے بھی نہیں پائے تھے کہ فوراًنماز عشا کی تکبیر ہوئی۔نماز سے فارغ ہوکر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آپ نے آرام فرمایا۔بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار ہوئے۔محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ نے تہجد کی نماز ادا نہیں کی۔کفار قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔اس وقت با آواز بلند کہتے تھے۔کوہ شیر۔دھوپ سے چمک جاؤ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے ہی یہاں سے کوچ کر دیا یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سینچر کا دن تھا۔فضل ابن عباس آپ کے برادر عم زاد آپ کے ساتھ ناقہ پر سوار تھے اہل حاجت دائیں بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آرہے تھے۔آپ جواب دیتے جاتے تھے۔اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔

مسائل واحکام متفرقہ کی تعلیم

وادی محسہ کے راستے سے آپ جمرہ کے پاس آئے ابن عباس سے جو اس وقت تک کم سن تھے فرمایا مجھے کنکریاں چن کر دو۔آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا۔

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلك

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو۔کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس سے برباد ہوگئیں۔

اسی اثنا مین آپ یہ بھی فرماتے جاتے تھے۔

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا اجج بعد حجتی ھذا۔

حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شائد کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی بھی نوبت آئے۔ (مسلم ابو داوٗد)

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان تشریف لائے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا مہاجرین داہنے انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے تھے۔ اور کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے 23 سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول واعتراف حق کا نور ضوافشاں تھا۔ دیوان قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تحقیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام ودہن میں زمزمہ پرواز ہوئی۔ اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا۔

ان الزمن قد استداء کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض۔ (بروایت ابو بکر رضی اللہ عنہ)

ابتدا میں خدا نے جب زمین وآسمان کو پیدا کر دیا زمانہ پھر پھرا کر اسی نقطہ پر آ گیا۔

ابراہیم خلیل اللہ کا طریق عبادات (حج کا موسم) اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے لیے اشہر حرم کی تعین کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا:

السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدہ وذوالحجۃ و محرم ورجب شھر مضر الذی بین جمادی و شعبان۔

سال کے بارہ مہینہ ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں۔ ذیقعدہ ذوالحجہ محرم اور اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

آپس کی خونریزی سے اجتناب کا حکم

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں۔ جان۔ مال اور آبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل خطبہ میں۔ گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے۔ لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپ نے اس کے لیے عجیب انداز تبلیغ اختیار کیا۔ لوگوں سے پوچھا آج کون سا دن ہے۔ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کے رسولؐ زیادہ علم

ہے آپ دیر تک چپ رہے۔لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام لیں گے۔دیر تک سکوت فرمانے کے بعد فرمایا۔آج قربانی کا دن ہے۔لوگوں نے کہا۔ہاں بیشک ہے۔پھر پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے لوگوں نے بدستور جواب دیا۔آپ نے اسی طرح دیر تک سکوت فرمایا پھر کہا ذی الحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے۔پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا آپ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا۔یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہاں بے شک ہے۔جب سامعین کے دل میں یہ خیال پورے طور سے جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی۔مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن اس مہینہ اور اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں تو فرمایا

فان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحریۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا وفی بلدتکم ھذا

تمھارا خون۔تمھارا مال اور تمھاری آبرو(تا قیامت)اسی طرح محترم ہے۔جس طرح یہ دن۔یہ مہینہ اور شہر محترم ہے۔(بروایت ابوبکرؓ)اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا ہے۔اس نے اپنے پیروؤں سے باآواز بلند کہا۔

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم (بروایت ابوبکر)

ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تمھیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

اس ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا مجرم قانونی......سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت مین بادشاہ کا اس خاندان سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔باپ کے جرم کے بدلے بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا یہ سخت ظالمانہ تھا۔جو مدت سے دنیا پر حکمران تھا اگرچہ قرآن مجید نے

لا تزر واوازرۃ وزرا اخریٰ

ایک دوسرے کے بار کا ذمہ دار نہیں ہے۔

کے وسیع قانون کے رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی تھی۔لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبرؐ ایک نیا نظم سیاست ترتیب دے رہا تھا۔اس اصول کو فراموش نہیں کرسکتا تھا۔آپ نے فرمایا۔

الا لا یجنی جان الا علی نفسہ الا لا یجنی جان علی ولدہ ولا مولود علی والدہ۔(ابن

ماجہ و ترمذی)

ہاں مجرم صرف اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا جوابدہ باپ نہیں ہے۔

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بدترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ و عار جانتا تھا ارشاد ہوا۔

ان امر علیکم عبد الجدع اسود یقود کم بکتاب اللہ فاسمعوا له واطیعو۔ (مسلم)

اگر کوئی حبشی بینی بریدہ (نکھٹو) غلام بھی تمھارا امیر ہو اور وہ تمھیں خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملت ابراہیمی کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پرداز قومیں پامال ہو چکی تھیں۔ اس بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

الا ان الشیطان قد ایئس ان یعبد فی بلد کم هذا ابدا ولکن ستکون له طاعته فیما اتحقرون ومن اعمالکم فسیرینی به۔ (ابن ماجہ و ترمذی)

ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمھارے شہر میں اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں تم اس کی پیروی کرو گے۔

سب سے آخر میں آپ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے۔

اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا الجنة ربکم (زادالمعاد)

اپنے پروردگار کو پوجو۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو۔ مہینہ بھر کے روزہ رکھو اور میرے احکام کی متابعت کرو۔ خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

مکہ معظّمہ سے روانگی

13 ذی الحجہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور اسی مقام پر آرام فرمایا پچھلے

پھر اٹھ کر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کرکے وہیں صبح کی نماز ادا کی اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے مقام کو روانہ ہو گیا اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

مقام خم (غدیر) میں قیام

شبلی صاحب کی سرخ القلمی کا یہ خاص الخاص مقام ہے۔ غدیر خم کا خاص موقع اور اس موقع خاص کا معرکۃ الآرا واقعہ اور اس کا ذکر و مذکور اشارۃً و کنایتاً بھی بالکل نامطبوع خاطر ہے کیا ہوا کیسے ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ نہ کوئی موقع تھا اور نہ یہ کوئی واقعہ۔ تقلید اسلاف اور تعلیم اخلاف کی غرض و غایت کے لیے اس کی تفصیل بے حد مضر۔ اس بنا پر شبلی صاحب نے اس خار دار وادی کو بڑی پھرتی سے طے کر دیا ہے اور اس موقع کے ان تمام واقعات کو جن پر آیات قرآنی کے نصوص شاہد ہیں، اپنی خود غرضی کی رواداری میں مرفوع القلم فرماتے چلے گئے ہیں۔ کوتہ قلمی اور استخفاف رقمی اتنی اختیار کی گئی ہے کہ خم غدیر کے قیام کو علیحدہ نہیں لکھا۔ سلسلہ کے معمولی واقعات کے ساتھ مخلوط و مستور کر دیا ہے اور یوں اس واقعہ خاص کی اہمیت اور عظمت مخصوصہ پر اپنی تحریری تعمیم کی چادر ڈال دی ہے کہ حقیقت حال نہ ظاہر ہونے پائے۔ لیکن پھر وہی سوال پیش ہوتا ہے کہ کیا حقیقت چھپ سکتی ہے۔ لا واللہ۔ خود شبلی صاحب نے اس سے قبل کثیر التعداد موقعوں پر ایسی کوشش کی۔ لیکن کیا ہوا۔ تمام کوششیں بے کار گئیں۔ تدبیریں ضائع ہوئیں اور جو حقیقت حال تھی دنیا پر کھل گئی اس عظیم الشان واقعہ میں جس قدر اسقاط و استخفاف واقعات سے کام لیا گیا ہے اور تفصیلات و تصریحات ہیں جتنی اور جیسی کوتہ رقمی اور قصیر القلمی اختیار کی گئی ہے وہ بہت جلد ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو گی۔ ہم اپنی تنقیدی عبارت سے پہلے شبلی صاحب کی اسی عبارت کو ذیل میں نقل کرتے ہیں جو مختلف اقسام کی قلمکاریوں کے ساتھ آپ نے اس واقعہ کے متعلق تحریر فرمائی ہے۔

شبلی صاحب کا واقعہ غدیر خم

راہ میں ایک مقام خم پڑا۔ جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارك فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا۔ کتاب اللہ و استمسکوا بہ واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگوں میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ان میں پہلے خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور دوسری چیز پر میرے اہلبیت ہیں۔ میں اپنے

اہلبیت کے بارے میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپ نے تین بار مکرر فرمایا (مسلم) یہ صحیح (مناقب حضرت علیؑ) کی روایت ہے۔نسائی۔مسند امام بن حنبل۔ ترمذی۔طبرانی۔طبری اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔جن میں حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال۔من والاہ وعاد من عاداہ

جس کا میں محبوب ہوں اور اس کا علی محبوب ہونا چاہیے۔الٰہی جو علیؑ سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علیؑ سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

احادیث میں یہ خاص تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے گئے تھے جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔یمن میں انھوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔آپ نے فرمایا علیؑ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر یہ الفاظ فرمائے گئے۔سیرۃ النبیؐ جلد اول

غدیر خم کے ایسے عظیم الشان اور معرکۃ الآرا واقعہ کو شبلی صاحب نے کل گیارہ سطروں میں لکھ کر تمام کر دیا یہ فن مختصر معانی میں آپ کے کمال کا بین ثبوت ہے بہت ہی غنیمت ہے کہ آپ نے غدیر خم کے نام سے تاریخ اسلام میں ایک واقعہ کا وجود تو تسلیم کیا۔ورنہ اگر سرے سے اس کا انکار ہی کر دیا ہوتا تو کوئی آپ کا کیا کر لیتا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔شبلی صاحب۔یہ مختصر سا خطبہ نہیں ہے بلکہ نہایت ہی طویل و پر تفصیل ارشاد ہدایت بنیاد ہے۔جسے آپ بھی خود جانتے ہیں اور عنقریب میرے سلسلۂ بیان سے بھی جان لیں گے۔بہرحال آپ نے جو عبارت خطبۂ خم غدیر کے نام سے عام مسلمانوں کی مغالط دہی کی غرض خاص سے لکھی ہے اس کو تو سوائے آپ کے کوئی پڑھا لکھا آدمی خطبہ نہیں کہہ سکتا۔کیونکہ اس میں کلام ارشاد و ہدایت ہیں اور نہ احکام شریعت۔بظاہر تو وہ ایک معمولی روایت ہے یا حدیث وصیت۔جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وفات فرمانے کا یقین کر کے قرآن کی اتباع و اہلبیت کے ساتھ محاسن سلوک قائم رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔اگرچہ آپ نے بڑی جانکاہی سے بڑی دیدہ ریزی اور کمال دماغ سوزی سے۔بڑے حفظ تقدم کے ساتھ۔حدیث ثقلین کی مرویات کثیرہ میں سے مسلم کی یہ دم بریدہ روایت چن لی ہے۔جس میں قرآن کے اتباع کے ساتھ اہلبیت کی اتباع کی مساوات نہ قائم ہو سکے۔اور الفاظ روایت میں فاستمسکوا (قرآن کے لیے) اور اذکروا (اہلبیت کے لیے) کے فرق مابہ الامتیاز کو دکھلا کر گویا مسلمانوں کو یہ سمجھانا چاہا ہے کہ تمسک کا حکم صرف قرآن کے لیے آیا ہے۔اہلبیت کے ساتھ صرف ذکر کرنے کی شرط ہے۔ یعنی انھیں بھی یاد کر لیا کرو۔گویا حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللہ کی تصدیق کا مقدمہ قائم کیا گیا ہے۔

مگر دیکھیے شبلی صاحب ہم آپ کو یہیں پر ٹوک بتلائے دیتے ہیں کہ آخر حقیقت نہ چھپ سکی۔ظاہر ہو ہی گئی۔وہ اس طرح کہ

آپ ہوں یا آپ کے امام مسلم صاحب۔ دونوں نے اس روایت سے قرآن کے ساتھ اہلبیت کی مساوات فی المنزلت کو چھپانا چاہا تھا۔ وہ نہ چھپی۔ آپ نے مسلم کی جو حدیث لکھی ہے اس میں خود مسلم صاحب گو یا جناب رسول خداصلعم کے یہ خاص الفاظ انی تارك فیكم الثقلين۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ لکھ چکے ہیں۔ جو ان دونوں کے باہم مساوی و مقابل ہونے پر دال ہیں۔ کیونکہ تثنیہ کے صیغہ میں آیا ہے۔ کوئی ان کا تیسرا مقابل نہیں ہوسکتا۔ جب سوائے ان دو اشیائے عظیم کے کوئی تیسرا ان کا مقابل نہیں تو عقلاً اور نقلاً یہ دونوں اشیا باہمی مقابل و مماثل اور مساوی و مترادف ضرور ہونگے۔ اس بنا پر آپ ہی کے نقل و اعتراف سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ان کی باہمانہ تقابل۔ مساوات اور ترادف تو ضرور ثابت ہوگیا۔ اب الفاظ تفصیلی میں آپ اور آپ کے رواۃ اپنے استخفاظ عقائد اور تقلید اسلاف کی خودغرضیوں سے جو افراط و تفریط اور اختلاف و تفریق نہ پیدا کرلیں۔ وہ آپ کا کام ہے۔ نعوذ باللہ۔ رسول اللہؐ کا کلام خاص نہیں۔

اس کے بعد آپ کی آئندہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث مسلم کی نقل کے وقت آپ کو تنقید کا خوف لگا ہوا تھا۔ اس بنا پر اس کے بعد فوراً ہی لکھ دیا گیا کہ نسائی۔ مسند امام بن حنبل۔ ترمذی۔ طبرانی۔ طبری اور حاکم وغیرہم میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔ جن میں حضرت علی علیہ السلام کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔

شبلی صاحب۔ ایمان سے کہیے کہ اتنے اکابر علما و محدثین کی مرویات حدیث کے ہوتے ہوئے۔ جن میں دو بزرگوار تو اصحاب صحاح ہونے کی حیثیت سے۔ مسلم کے ہم وزن و ہم پایہ ہیں۔ آپ نے پھر مسلم کی روایت کو کیوں ترجیح دی اور صرف انھیں کی روایت کیوں لکھا؟ اس سوال کا آپ صرف یہی جواب دینگے کہ طائفہ محدثین میں مسلم کا اعتبار اور لوگوں سے بڑھا ہے۔ جس کی تصریح دیباچہ میں ہوچکی ہے۔ ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ آپ کا یہ جواب حقیت پر مبنی ہے اور نہ اصلیت کا مقتضی۔ یہ ترجیح و تفصیل آپ کی اور آپ کے علما کی پیش بندیاں ہیں جو انھیں واقعات کے استخفاف و احذاف کی غرض خاص سے ایجاد کی گئی ہیں۔ جس کا منقدانہ انکشاف آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں ہم کامل طور سے کر چکے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ انھیں مقامات اور واقعات خاص کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے کے لیے۔ ارباب صحاح میں بخاری و مسلم کی ترجیح کا مسئلہ ایجاد کیا گیا ہے کیونکہ ان حضرات کو ان واقعات کے استخفاف و احذاف میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ مگر کیا؟ وہی حقیقت تھی۔ سچی اور اصلی۔ بالآخر نہ چھپ سکی۔ امام حاکم کو مستدرک میں اس کا ادراک ہوا۔ تو جھلا کر لکھ دیا۔

هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه

یہ حدیث شرط مسلم کی رو سے صحیح ہے اگرچہ مسلم و بخاری نے اس کو نہیں لکھا ہے

کہیے مسلم و بخاری کے استخفاف حقیقت سے کیا ہوا۔ اتنے علما نے اصل عبارت و حقیقت لکھ کر صحیحین بخاری و مسلم کی قلمکاریوں کے چھلکے اتار دیئے۔ ہم آپ کے مولفانہ تدوین کی اس وقت تعریف کرتے جب مسلم کی صرف مرقومۂ بالا حدیث کی نقل پر اکتفا نہ فرمائی گئی ہوتی۔ اس کے ساتھ نامبردہ محدثین کی حدیثیں بھی لکھ دی گئیں ہوتیں اور اسی کے ساتھ ٹھنڈے دل سے ان فقرات کو بھی لکھ دیا ہوتا۔ جو مسلم کی روایت سے ان روایتوں میں زیادہ تھے۔ اور جن سے بقول آپ کے حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر ہوتی تھی۔ نہیں معلوم کہ مولفانہ

تدوین کے خلاف آپ نے محدثین کی نقل مرویات سے کیوں احتیاط فرمائی۔سوائے دووجھوں کے تیسری کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ایک تو یہ کہ اتنے اقوال متواترہ سے مسلم کے قول منفردہ کی تردید وتکذیب لازم آجائے گی۔دوسری وجہ آپ کی وہی قدیم عادت اور عظیم مجبوری ہے کہ حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر ہوجائے گی۔بہرحال آپ مجبور تھے۔بحمد اللہ ہم تو مجبور نہیں۔ان تمام علماء کے قول ہم ایک ایک کرکے (واقعہ غدیر میں حدیث ثقلین کے تفصیلی الفاظ کے ساتھ) ہم ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

غدیرخم میں حدیث ثقلین

سب سے پہلے آپ نسائی کا نام لکھتے ہیں۔نسائی لکھتے ہیں۔

عن زید بن ارقمؓ قال لما حج رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم حجة الوداع وعاد قاصد المدینة قام بغدیر خم وھو مابین مکة و مدینه وذلك فی الیوم الثالث عشر من ذی الحجة فقال یا ایھا الناس انی مسئول وانتم مسئولون ھل بلغت قالوا اشھد ان لا اله الا الله وانك رسول الله وقال وانا اشھد مثل ماشھدتم ثم قال ایھا الناس قد خلفت علیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی کتاب الله واھلبیتی وان اللطیف الخبیر اخبرنی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض وسعة حوضی ما بین بصره وصنعا عدد انیة عدد النجوم ان الله اسئلکم کیف خلفتمونی فی کتاب الله واھلبیتی۔ الی اٰخر الحدیث۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حج الوداع سے بقصد مدینہ منورہ واپس ہوئے تو غدیرخم پر قیام کیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔اس روز ماہ ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ تھی۔لوگوں سے حضرت نے فرمایا۔اے لوگو مجھ سے پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا کہ آیا میں نے تمھیں خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔تمام لوگوں نے عرض کیا (کی) ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور نصیحت کرنے کا حق ادا فرما دیا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور آپ خدا کے رسول برحق ہیں حضرت نے فرمایا تمھاری گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔پھر فرمایا اے لوگو میں تم میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم نے ان دونوں سے تمسک کیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔وہ خدا کی کتاب اور میرے اہلبیت ہیں خدائے مہربان خبردینے والے نے مجھے خبر دی ہے

کہ جب تک وہ دونوں حوض پر وارد نہ ہوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی بصرہ سے صنعا (یمن) تک اس کے پیالے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں تحقیق کہ خدا تم سے پوچھنے والا ہے کہ تم نے میرے بعد خدا کی کتاب اور میرے اہلبیتؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

اگر چہ مسلم کی حدیث سے بھی قرآن و اہلبیتؑ کی مساوات ثابت ہوتی تھی مگر چونکہ اس میں تمسکو ا یعنی اتباع کا حکم صرف قرآن کے ساتھ تھا اور اہلبیت کے ساتھ واذکروا کا لفظ آیا تھا اس بنا پر مذبذین اور مشکوکین فی العقاید کو ان کے باہمی اتباع کے اتحاد میں شک کرنے کی کس قدر گنجائش رہ جاتی تھی۔ چنانچہ اسی خیال سے آپ نے بھی اس سے بے جا فائدہ اٹھانا چاہا ہے کہ حقیقت جہاں تک چھپی رہے اور مناقب علیؑ واہلبیت کے الفاظ جہاں تک کم رہیں وہیں تک بہتر ہے۔

اب مرقومۂ بالا عبارت امام نسائی کی پیش نظر کر دی گئی ہے اس کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ جس طرح قرآن و اہلبیت منزلت میں برابر ہیں اسی طرح شرط اتباع و متابعت میں بھی مساوی ہیں اور تمسّکو ا کا تنہا لفظ دونوں کے تمسک کا حکم دیتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ ان کا یہ اتحاد و اتصال باہمی بھی ابدی ہے اور دائمی۔ یہ ایک دوسرے سے تا یوم **الورود علی الحوض** یعنی قیامت تک جدا نہیں ہو سکتے۔ ان کا عدم تمسک اور انکار متابعت ضلالت کا یقینی باعث ہے پھر اپنی اسی آخری موعظت علی الامت میں بطور وصیت ذات رسالت علیہ وآلہٖ وسلم والتحیہ نے اس شک کی عظمت و اہمیت کو ان الفاظ میں تاکید و تہدید دونوں طریقوں سے بتلا دیا ہے کہ اس میں تمھاری آزمائش کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ تم ان دونوں اشیائے عظیم کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو۔

اب محققین خود دیکھ لیں گے کہ مسلم کی حدیث کے الفاظ مساوات و اتباع بالقرآن کی نسبت کیسے مبہم تھے اور اس حدیث نسائی کی عبارت کس قدر صاف اور مفصل ہے۔ شبلی صاحب سے ہم کیا پوچھیں؟ خدا پوچھے یا وہ جس کی کتاب لکھی گئی ہے (صلوا علیہ وآلہ) کہ ایسی صاف اور روشن حدیث کے ہوتے ہوئے ویسی ہی مبہم اور گنجلک روایت کیوں لکھی گئی۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں شبلی صاحب عادتاً وہاں بھی جواب میں یہ نہ فرما دیں کہ نسائی جھوٹا تھا۔ اور مسلم سچا تو اور بن جائے۔ فافہم فتدبر۔

نسائی کے بعد شبلی صاحب نے اپنی ترتیب میں امام ابن حنبل کا نام لکھا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی بلفظہ یہی الفاظ حدیث درج ہیں جو نسائی کی حدیث میں ہے۔ اس لیے اس کا نقل کرنا بیکار ہے۔

احمد بن حنبل کے بعد آپ نے ترمذی شریف کا حوالہ دیا ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

عن حذیفه عن ابن اسید الغفاری ان رسول الله صلعم قال انی اسئلکم حین تردون علی عن الثقلین فانظروا کیف تخلقونی فیهما فیهما الثقل الاکبر کتاب الله عزوجل سبب طرفه بید الله وطرفه بایدیکم واستمسکوا به لا تضلوا ولا تبدلوا و عترتی واهلبیتی وانه قد نبانی اللطیف الخبیر انهما لن ینقصیا حتی یردا

علی الحوض۔

حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت کرتے ہیں کہ بتحقیق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے دو بھاری چیزوں کی نسبت پوچھنے والا ہوں دیکھو تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔پہلی بڑی چیز تو خدا تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی رسی کا ایک سرا تمھارے خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمھارے ہاتھوں میں ہے۔تم اس کو مضبوط پکڑلو تو گمراہ نہ ہوگے۔اور نہ تم بدلوگے۔اور یہ میرے قریبی اہل بیت ہیں مجھے خدائے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ وہ دونوں جب تک کہ میرے پاس حوض پر وارد نہ ہوں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوسکتے۔

اس کے بعد آپ نے طبرانی اور طبری کی مرویات کا حوالہ دیا ہے۔ان دونوں کتابوں میں یہ روایت نسائی کے الفاظ روایت کے ساتھ مرقوم ہے تفصیل کے لیے ارجح المطالب مطبوعہ لاہور از صفحہ 194 تا 197 ملاحظہ ہو۔

حدیث ثقلین کی نسبت جو شبلی صاحب نے تلخیص کی تھی اور قطع وبرید فرمائی تھی۔صرف اسی کی تنقید کی گئی ہے اور آپ کے اقرار واعتراف کے موافق صحیح مسلم کی حدیث سے ان میں جو فقرے زائد تھے۔اور آپ نے ضرورتاً ان کو نہیں لکھا تھا۔وہ ایک ایک کر کے ان تمام محدثین نے لکھ دیئے ہیں اور بتلا دیئے ہیں۔وہ فقرات یہ ہیں۔

(۱) ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی

اگر تم ان سے تمسک کروگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

(۲) انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

اور تا وقتیکہ دونوں لوٹ کر میرے پاس حوض کوثر پر نہ آئیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔

(۳) ان اللہ لسئالکم کیف خلفتمونی فی کتاب اللہ واھل بیتی۔

اور تحقیق کہ خدا تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ تم لوگوں نے میرے بعد کتاب خدا اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیا سلوک کیے۔

ان فقرات حدیث سے اہلبیت علیہم السلام کی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت مقابلت اور مرادفت پورے طور سے ثابت ہے اور انھیں مرافقت وموافقت کے ساتھ اتباع باہمی بھی متحد ہے یعنی وجوب اتباع میں قرآن مجید کا بھی وہی مرتبہ جو اہل بیت کا۔اور اہلبیت رسول اللہ بھی ویسی ہی مطاع المومنین ہیں جیسے کلام اللہ۔

مسلم والی حدیث میں جس کو شبلی صاحب نے چن کر قلمبند فرمایا ہے۔اہلبیت علیہم السلام کے یہ خصوصیات ایک بھی مذکور نہیں۔

صرف لفظ ثقلین کا بصیغہ تثنیہ ہونا ان کی مرادفت بالقرآن کی طرف اشارہ کن ہے۔ جیسا کہ تمہید میں بیان ہو چکا ہے۔ مسلم صاحب کا اندراج اور آپ کا تمام حدیثوں میں سے اسی حدیث کا خاص انتخاب صرف اہلبیت رسول علیہم السلام کے استخفاف عظمت و منزلت کی ضرورت کی غرض سے تھا اور آپ کی تمام تالیفات میں یہ موضوع خالص طور پر آپ کا مطبوع ہے۔ چنانچہ آپ کی ان کوتہ قلمیوں کے تمام مقامات میں ہم اپنے منقدانہ انکشافات سے حقیقت حال دکھلاتے آئے ہیں۔ آپ اپنی ضرورت اور عادت سے مجبور تھے۔ اس مقام پر بھی آپ نے ضرورتاً وہی طریقہ اختیار کیا جو تمام ایسے مقام پر اختیار فرما چکے تھے۔ مگر کیا! آپ کی ان کوششوں سے بھی حقیقت حال چھپ سکی؟ اور کیا قرآن اور اہلبیت اپنی باہمی مساوات۔ منزلت اور حکم متابعت میں ایک دوسرے سے علیحدہ ثابت ہو گئے۔ مرزا اوج مرحوم

قرآن مٹے کسی کے مٹائے تو ہم مٹیں

حدیث میں کنت مولا فعلی مولاہ

حدیث ثقلین کے متعلق ہم اپنے منقدانہ انکشافات کو لکھ کر حدیث میں **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** (جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے) کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ نے تنہا یہ فقرہ لکھ دیا ہے اور وہ حدیث نہیں لکھی جس میں یہ فقرہ داخل ہے جس سے ایسے متواتر مشہور اور معرکۃ الآرا واقعہ کی تفصیلی حقیقت کے کسی پہلو پر کوئی روشنی نہیں پڑتی اور آپ بھی اس کی حقیقت حال پر کسی طرح روشنی ڈالنا نہیں چاہتے۔ اس لیے کہ یہی ایک حقیقت نگاری خلافت کی تمام مصنوعی قلمکاریوں کو بیکار و مستاصل کر دیتی۔ اگرچہ چودہ سو برسوں کے بعد خلافت کا طلسم غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا۔ اور اب اس خلافت مصنوعی کا دنیائے اسلام میں کہیں نام و نشان نہیں۔ یہاں تک تو نوبت پہنچ گئی کہ دنیاوی سلطنتوں اور ملکی حکومتوں کے معمولی اور عام اسلامی سلاطین بھی اپنے نام کے ساتھ اس لقب کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس کی مصنوعی عظمت اور موضوع اہمیت کا پردہ ایسا فاش ہو چکا ہے کہ اب اس موضوع پر قلم اٹھانا ہی بیکار ہے۔ حقیقتاً ابتدا ہی سے اس واقعہ خاص کی حقیقت چھپائی گئی۔ اور پھر اس شد و مد اس زور و شور اور اس نظم و اہتمام کے ساتھ کہ اس کے اسقاط و استخفاف کی ضرورتوں کے آگے نہ نص الٰہی مانی گئی اور نہ احادیث رسالت پناہی۔ صرف اپنے مصنوعات منفردہ اور موضوعات غیر مقیدہ کے جال در جال تمام دنیا میں حکومت کی شمشیر اور حکمت عملی کی تدبیر و تزویر سے پھیلائے گئے۔ حالانکہ حقیقت حال اور صورت واقعہ تمام کتابوں میں موجود تھی۔ اصلیت اور واقعیت تمام تر مرویات میں مرقوم تھی۔ واقعیت خود ان کے علم و یقین میں محفوظ تھی۔ لیکن وہی خود غرضی۔ حفظ عقائد۔ تقلید اسلاف اور تعصب نہ حق کہنے دیتا تھا اور نہ حق سننے دیتا تھا اور نہ حق بتلانے دیتا تھا۔ لطف تو یہ ہے کہ خلافت تو رخصت ہوگئی۔ لیکن اس کی مصنوعی حقیقت اور جعلی ترکیب حیثیت پر اب تک اصرار باقی ہے

نکل کے سانپ گیا ہے لکیر پیٹا کر۔

چونکہ شبلی صاحب نے اپنی خود غرضی سے اتنے بڑے مشہور و معروف اور عظیم الشان تاریخی واقعہ اپنے سلسلہ بیان سے قلمز د فرما دیا ہے بلکہ اس کے متعلق تمام نصوص قرآنی اور احادیث و احکام رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چھپایا ہے اور اتنے بڑے واقعہ تاریخی اور

خطبہ نبویؐ کو بالکل نسیاً منسیاً کر دیا ہے اس لیے ہم کو ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار ہونے کے اعتبار سے اس کی حقیقت حال کو پوری تفصیل سے لکھ کر دکھلا دینا نہایت ضروری ہے۔

حدیث من کنت مولاہ اور خطبہ غدیر خم

شبلی صاحب۔ غنیمت ہے کہ حدیث من کنت مولاہ کو نسائی۔ ابن حنبل۔ ترمذی۔ طبرانی۔ طبری اور حاکم وغیرہم۔ اتنے محدثین ومورخین کی مرویات کا کلمہ مشترک بتلاتے ہیں۔ اور متفق لکھنے سے احتیاط فرماتے ہیں۔ آپ سے مشترک اور متفق کی تفریق ومساوات پر کون الجھے شبلی صاحب آپ جس کو فقرہ مشترک بتلاتے ہیں۔ وہ بہت بڑی طولانی۔ بہت بڑی مستند۔ معتبر اور متواتر حدیث غدیر ہے۔ جس کے معتبر۔ مستند اور متواتر ہونے پر۔ آپ اپنے علمائے محدثین کے پہلے حسب ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد اس کے اسباب وقوع اور مفصل حقیقت واقعت کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

علامہ جزری اسنی المطالب میں لکھتے ہیں۔

قال شمس الدین محمد بن محمد الجزری صاحب الحصن الحصین فی امسنی المطالب فی ذکر حدیث القدیر ولا غیرہ یمن حاول تضعیفه حمن لا اطلاع له فی هذا العلم۔

شمس الدین محمد بن محمد الجزری صاحب کتاب حصن الحصین اپنی کتاب اسنی المطالب میں بذیل ذکر حدیث غدیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے تضعیف کرنے والے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس کو اس علم حدیث میں کچھ خبر نہیں۔

۲۔ مرزا محمد معتمد خان بدخشی۔ نزل الابرار میں لکھتے ہیں۔

هذا حدیث صحیح مشهور لم یتکلم فی صحته الا متعصب جاهد لا اعتبار بقوله

یہ حدیث صحیح ہے اور مشہور ہے۔ اس کی صحت میں منکر متعصب کے سوا اور کسی نے عذر وکلام نہیں کیا۔ اور ایسے شخص کی بات کا اعتبار نہیں۔

(۳) امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں۔

واما حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فله طریق جیدۃ وقد اقردت ذلك ایضاً

حدیث میں کنت مولاہ فعلی مولاہ کے بہت سے طریقے کھڑے ہیں میں نے ایک مستقل رسالہ میں اس کی تفرید کی ہے۔

ذہبی کی یہ عبارت بذیل ترجمہ عبداللہ الحاکم صاحب مستدرک۔ تذکرۃ الحفاظ میں موجود ہے۔

(۴) ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔

ان ھذا حدیث صحیح لا مریۃ فیہ بل بعض الحفاظ عدۃ متواترا

بے شک یہ حدیث صحیح ہے جس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے بلکہ بعض حفاظ حدیث نے اس کو متواترات میں شمار کیا ہے۔

(۵) محدث شیرازی کتاب اربعین لکھتے ہیں۔

ھذا الحدیث متواتر عن النبی صلعم رواہ جم عفیر من النبی صلعم

یہ حدیث آنحضرت صلعم سے متواتر روایت ہوئی ہے ایک جماعت کثیرہ اور بڑے گروہ نے اس کو روایت کیا ہے۔

(۶) علامہ مقبلی تحریر کرتے ہیں۔

قال العلامۃ ضیاء الدین صالح بن مھدی المقبلی فی کتابہ المسمی بابحاث المسددۃ فی فنون المتعددۃ ومن شواھد ذلك ماورد فی حق علی فی الجنۃ وھو علی حدیثہ متواتر معنی واشھر روایۃ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

علامہ ضیاء الدین صالح بن مہدی القبلی کتاب ابحاث مسددہ فی فنون المتعدد وۃ میں لکھتے ہیں کہ انھیں اقسام حدیث میں سے وہ حدیثیں ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے قطعی جنتی ہونے کی نسبت وارد ہوئی ہیں۔ جو اپنے دور میں بمعنی متواتر ہیں اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ انھیں احادیث میں سے ہے۔

(۷) امام عبدالرؤف مناوی کتاب تیسیر میں لکھتے ہیں۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اخرجہ احمد وغیرہ رجال لہ ثقاۃ بل قالہ المولف حدیث متواتر وھذا اذکرہ علی بن احمد نور الدین محمد بن ابراھیم العزیزی فی سراج المنیر شرح جامع الصغیر۔

عبدالرؤف مناوی کتب التیسیر شرح جامع صغیر سیوطی میں لکھتے ہیں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو امام احمد بن حنبل وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے اور امام احمد کے تمام راوی ثقہ ہیں مؤلف جامع صغیر کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اور علی بن احمد بن نور الدین محمد بن ابراہیم العزیزی نے بھی سراج المنیر شرح جامع صغیر میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(۸) علامہ ابراہیم عزیزی لکھتے ہیں۔

وھذا الحدیث اخرجه السیوطی فی الفوائد المتکاثرہ فی الاخبار المتواترہ وفی الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ وعلی المتقی فی مختصر قطف الازھار۔

اس حدیث کو حافظ جلال الدین سیوطی نے فوائد متکاثرہ اور ازھار متاثرہ میں لکھا ہے اور علی متقی نے مختصر قطف الازہار میں لکھا ہے اور ان کتابوں میں ان دونوں صاحبوں نے احادیث متواتر کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔

(۹) علامہ حلبی السان العیون فی سیرۃ الامین المامون میں لکھتے ہیں۔

ھذا حدیث صحیح و د باسانید صحاح و حسان ولا التفات عن قدح فی صحته کابی داؤد وابی حاتم الرازی

یہ حدیث صحیح ہے اور اسانید صحیحہ وحسن سے مروی ہے ابوداؤد اور ابوحاتم رازی کے اقوال۔جنھوں نے اس حدیث میں قدح کی ہے۔التفات کے قابل نہیں۔

(۱۰) امام عاصمی زین الفتی میں لکھتے ہیں۔

ھذا الحدیث تلفته الامة بالقبول وھو موافق الاصول۔

اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور یہ حدیث بالکل مطابق اصول کے ہے۔

(۱۱) حافظ محمود بن محمد بن علی الشیخانی کتاب صراط السوی میں لکھتے ہیں۔

قال الذھبی ھذا حدیث حسن اتفق علی ما ذکرنا جمھور اھل السنة والجماعة۔

حافظ ذہبی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اس پر جمہور اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

(۱۲) فقیہ ابن المغازنی کتاب مناقب میں لکھتے ہیں۔

قال الحافظ ابو القاسم الفضل بن محمد ھذا حدیث صحح عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وقد روی عنه نحو مائة نفس منھم العشرۃ وھو ثابت لا اعرف له علة تفرد علی رضی الله عنه بھذا الفضیلة لم یشر که احد۔

ابوالقاسم فضل بن محمد کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلعم سے نہایت صحت کے ساتھ روایت ہوئی ہے اور

سو آدمیوں نے اس حدیث کو حضور سے روایت کیا ہے۔ میں کوئی سقم اس حدیث میں نہیں پاتا۔ حضرت علیؑ اس فضیلت میں یکتا ہیں کوئی صحابی آپ کا اس میں شریک نہیں ہے۔

(۱۳) حافظ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

قال الحافظ ابن حجر حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اخرج الترمذی والنسائی وھو کثیر الطریق جدا وقد استوعبھا ابن عقدہ فی کتاب مفرد و کثیر من اسانیدھا صحاح وحسان

خاتم المحدثین ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو ترمذی اور نسائی نے لکھا ہے اور اس حدیث کے طریقہ کثرت سے ہیں۔ ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب میں ان کو جمع کیا ہے اور اس کی اکثر سندین صحیح اور حسن ہیں۔

(۱۴) شاہ عبدالحق صاحب لمعاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔

قال الشیخ عبد الحق فی اللمعات شرح مشکوۃ ھذا حدیث صحیح لا مریۃ فیہ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی واحمد وطرقہ کثیرۃ جداً رواہ ستہ صحابیاً وفی روایۃ احمد انہ سمعہ من النبی صلعم ثلثون صحابیاً وشھدوابہ لعلی لما تورع فی ایام خلافتہ و کثیر من اسانیدہ صحاح وحسان ولا التفات لمن قد فی صحتہ

شیخ عبدالحق محدث لمعات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے مثل ترمذی۔ نسائی اور امام احمد بن حنبل کے اس کی تخریج کی اور اس حدیث کے بہت سے طریقے ہیں۔ سولہ صحابیوں نے اس کو روایت کیا ہے امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیس صحابیوں نے سنا ہے اور جبکہ اپنے ایام خلافت میں حضرت علیؑ نے تنازع کیا تو ان لوگوں نے گواہی دی۔ اور اس کی اکثر مسندین صحیح اور حسن ہیں اور جس شخص نے کہ اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کے قول کا اعتبار نہیں۔

(۱۵) علامہ محمد بن اسمٰعیل بن صلاح الامیر الیمانی الصنعانی کتاب روضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں۔

قال محمد بن اسماعیل بن صلاح لا میر الیمانی الصنعا نے فی کتاب روضۃ الندیہ

وحدیث غدیر متواتر عند اکثر ائمۃ۔

محمدؒ بن اسماعیل بن صلاح الامیر الیمانی الصنعانی کتاب روضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں کہ حدیث غدیر اکثر آئمہ حدیث کے آگے متواترات سے ہے۔

(١٦) حافظ محمد صدر عالم کتاب معارج العلیٰ میں لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان حدیث الموالاۃ متواتر عند السیوطی کما ذکرہ فی قطف الانہار فاردت ان اسوق طرقہ لینفتح المتواتر فاقول اخرجہ احمد و الحاکم عن ابن عباس وابن ابی شیبہ واحمد عنہ و عن بریدہ واحمد وابن ماجد عن البراء والطبرانی وابن جریر وابو نعیم عن جندب الا نصاری وابن قانع عن حبشی بن جنادہ والترمذی عنہ وقال حسن غریب والنسائی والطبرانی وضیاء المقدسی عن ابی الطفیل وعن زید بن ارقم وحذیفہ بن اسید الغفاری وابن ابی شیبہ والطبرانی عن ابو ایوب وابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم والضیاء عن سعد بن ابی وقاص والشیرازی فی الالقاب عن عمر بن الخطاب والطبرانی عن مالک بن الحویرث وابو نعیم فی فضائل الصحابۃ عن یحییٰ بن جعدہ وعن زید بن ارقم وابن عقدہ فی کتاب الموالۃ عن حبیب بن بدیل بن ورقاء و قیس بن ثابت و زید بن شراحیل الانصاری واحمد بن علی و ثلثۃ عشر رجلا و ابن ابی شیبہ عن جابر قالوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

آ گاہ رہو کہ حدیث مولاۃ حافظ سیوطی کے نزدیک متواترات سے ہے جیسا کہ حافظ موصوف قطف الازہار میں لکھتے ہیں میں اس حدیث کے طریقوں کو شمار کرکے دکھاتا ہوں تاکہ اس کا متواتر ہونا واضح ہوجائے پس میں کہتا ہوں کہ امام احمد اور حاکم نے ابن عباس سے اور ابن ابی شیبہ اور احمد نے بریدہ سے اور احمد اور ابن ماجہ نے براء بن عازب سے اور طبرانی ابن جریر اور ابونعیم نے جندالانصاری سے اور ابن قانع نے حبشی بن جنادہ سے اور ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اقسام حسن اور غریب میں سے ہے اور نسائی اور طبرانی اور ضیاء مقدسی ابوالطفیل سے اور زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید الغفاری سے اور ابن ابی شیبہ اور احمد ان سے اور

بریدہ سے اور ابن ابی شیبہ اور طبرانی ابوایوب سے اور ابن ابی شیبہ اور ابن ابی العاصم اور ضیاء سعد بن وقاص سے اور شیرازی القاب میں عمر بن الخطاب سے اور طبرانی مالک ابن الحویرث سے اور ابونعیم فضائل الصحابہ میں یحیٰی بن جعدہ سے اور وہ زید بن ارقم سے اور ابن عقدہ کتاب المولاۃ میں حبیب بن بدیل بن ورقاء اور قیس بن ثابت سے اور زید بن شراحیل، انصاری سے اور احمد حضرت علی مرتضیٰؑ اور دیگر تیرہ صحابیوں سے اور ابن شیبہ جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

(۱۷) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سیف مسلول میں لکھتے ہیں۔

ابن حدیث (غدیر) بدرجہ تواتر رسیدہ وازی سی کس از اصحاب ازا ینہا علیؑ وابو ایوب و زید بن ارقم و براء بن عازب و عمر ابن مرہ وابوھریرہ و ابن عباس و عمارہ بن بریدہ و سعد بن ابی وقاص وابن عمرو انس و جریر ابن عبد اللہ الیحلی و مالك بن الحویرث وا بو سعید الخدری و طلحہ و ابو الطفیل و حذیفہ بن اسید وغیرہ مروی گشتہ وجمھور محدثین این حدیث را در صحاح و سنن ومسانید روایت کردہ اند۔

یہ حدیث (غدیر) درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اور صحابہ میں سے تیس آدمیوں نے جن میں حضرت علیؑ۔ ابو ایوب زید بن ارقم براء بن عازب عمر بن مرہ ابوہریرہ ابن عباس عمارہ بن بریدہ سعد بن ابی وقاص ابن عمر انس جریر بن عبداللہ البجلی۔ مالک ابن الحویرث۔ ابوسعید الخذری۔ طلحہ وابوالطفیل۔ حذیفہ بن اسید وغیرہ داخل ہیں مروی ہے اور جمہور محدثین نے اس کو اپنی صحاح اور سنن اور مسانید میں لکھا ہے۔

(۱۸) عبید اللہ بن عبداللہ الحکانی المتوفی 470 نے اس حدیث کی اسناد کو بارہ جزو کے رسالہ میں جمع کرکے اس کا نام دعاۃ الہداۃ الی اداءِ حق المولاۃ رکھا ہے۔

(۱۹) علامہ ابوسعید مسعود بن ناصر السجزی السجستانی المتوفی 477 نے اس حدیث کو ایک سو بیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرکے سترہ جزو کا رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام درایۃ حدیث الولا رکھا ہے۔

(۲۰) ان علمائے محدثین سے بڑھ کر بعض اہل الحدیث نے اس حدیث کے طریقوں کے جمع کرنے میں اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر شامی۔ علامہ ابوالمعانی جوینی سے نقل کرتے ہیں۔

انه کان یتعجب و یقول شاھدت مجلدا ببغداد فی ید صحاف فیه روایات ھذا الخبر مکتوباً علیه المجلدۃ الثامنة والعشرون من طرق من کنت مولاہ فعلی مولاہ ویتلوہ المجلد التاسع العشرون۔

ابوالمعانی جوینی تعجب کیا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک صحاف کے پاس اس حدیث کی روایتوں سے متعلق ایک ضخیم جلد دیکھی اس پر لکھا ہوا تھا کہ من کنت مولاہ کے طریقوں کے متعلق یہ اٹھائیسویں جلد ہے اس کے بعد انتیسویں جلد لکھی جائے گی۔

(یہ تمام تفصیل کتاب ارجح المطالب بحث حدیث غدیر مطبوعہ لاہور سے نقل کی گئی ہے فمن شاءفلیرجع الیہ)

اب شبلی صاحب بظاہر چشم عبرت ملاحظہ فرمالیں کہ آپ نے جس حدیث کو چند فقرے بتلا کر عام مسلمانوں کو فقرہ دیا ہے۔وہ کتنی بڑی مہتم بالشان۔طویل البیان۔معتبر۔مستند۔اور متواتر حدیث ثابت ہوتی ہے۔جس کو قرن اولیٰ سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ اور ہر وقت کے علماومحدثین نے برابر نقل و ماخوذ کیا ہے۔آپ کی کیا ہستی اور کیا مقدار ہے جو آپ اس کی حقیقت کو چھپا سکیں۔لیکن آپ استحفاظ عقائد۔تقلیداسلاف اور تعلیم اخلاف کی ضرورتوں سے مجبور ہیں۔

بہرحال اب اس کے اسباب ارشاد کے واقعات اور مشاہدات بھی حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

غم غدیر میں نزول آیہ بلغ

آپ نے حجۃ الوداع کے خطبات کو جستہ جستہ کر کے لکھا ہے اور کسی ایک خطبہ کو پورا نہیں لکھا ہے اور حواشی میں ان کی بے ربطی۔اختلاف بیانات اور عدم ترتیب کی معذرت تحریر فرمائی ہے مگر باوجود ان عذرات کے اگر آپ چاہتے تو ان خطبات کو مفصل اور مسلسل طور پر مختلف ماخذوں سے جمع کر کے مرتب کر سکتے تھے۔لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔اس لیے آپ کو تو خطبہ غدیر کو بھی اسی قطع و برید بے ربطی اور بے ترتیبی کے ساتھ لکھنا مقصود تھا کہ اس کی تفصیلی حقیقت پر کسی طرح روشنی نہ پڑنے پائے۔اگر وہ خطبات کسی ربط و ترتیب سے لکھے جاتے تو خطبہ غدیر بھی سلسلۂ بیان میں وہی تفصیل و ترتیب چاہتا۔بہرحال جس انداز و عنوان سے آپ چاہیں بیان کریں آپ کو اختیار ہے جو حقیقت ہے اور اصلیت۔وہ تو نہ کہیں اور نہ کبھی چھپی ہے اور نہ چھپ سکتی ہے۔آپ کی عبرت اور غیرت کے لیے اتنی ہی تمہید کافی ہے۔

غدیر خم میں بقول آپ کے مرکب رسالت مسلمانوں کی اتنی کثیر جمعیت کے ساتھ خیمہ زن ہوا تھا۔وہ حقیقتاً کوئی مشہور و معروف مقام نہیں تھا۔نہ عرب کی وہ منزل گاہ تھا۔اور نہ وہاں کوئی آبادی تھی نہ منڈی۔اور نہ سیر و تفریگاہ۔ایک چٹیل میدان تھا اور کوسوں کا بے آب وگیاہ ریگستان۔اس بنا پر وہاں ایک خاص اہتمام کر کے ایسے عظیم الشان خطبہ اور واجب التعمیل ارشاد و ہدایت کی کیا ضرورت شہنشاہ رسالت کو واقع ہوئی؟ تعلیم و ہدایت کے متعلق جتنے احکام اصولی و فروعی۔دین و دنیا کی ضرورت کے لیے مفید اور ضروری سمجھے

گئے۔ وہ ایک ایک کر کے بقول آپ کے حجۃ الوداع کے دوران قیام اور مکہ سے لے کر منیٰ۔ جحفہ تک کے میدان میں اور مختلف مقامات میں متعدد خطبات وارشادات کی صورتوں میں تعلیم کر دیئے گئے۔ سنا دیئے گئے اور بتلا دیئے گئے۔ پھر اب وہ کون سا ضروری امر اور نا قابل تاخیر حکم تھا جو سلطان رسالت کو یکا یک اس غیر معروف مقام میں پیش آیا۔ جس کے لیے اتنے وسیع پیمانہ پر انتظام فرمایا گیا۔ وہ یکا یک آیہ مبارکہ

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا دو اس کو (امت پر) جو تم پر نازل کیا گیا ہے تمھارے پروردگار کی طرف سے اور اگر تم نے نہیں کیا۔ پس تم نے رسالت ہی نہیں پہنچائی اور خدا تمھیں لوگوں (کے شہر) سے بچانے والا ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہاں کوئی منزل نہیں تھی۔ لیکن اس سفر میں جناب رسالت مآب صلعم درگاہ احدیت کا یہ حکم تاکیدی اور فرمان تہدیدی سن کر اتر پڑے اور اس کی تعمیل وتبلیغ میں نہایت بلیغ کوشش فرمائی جس پہلو سے غور کیا جائے اور جس قرینہ سے دیکھا جائے یہ آیہ وافی ہدایہ ایک ایسے ہی ضروری امر کی تعمیل پر مبنی تھا۔ جس پر تکمیل اسلام کے ایسا سخت اور ضروری مسئلہ رکا ہوا تھا۔

ہم نے اس آیہ کو ایک سخت تاکیدی حکم لکھا ہے۔ چنانچہ یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع رسالت سے کہ شعب ابی طالب میں بھی محصور رہے۔ مکہ سے مدینہ کو بھی ہجرت فرمائی۔ غزوات بدر احد اور خندق وغیرہ جو قبل فتح مکہ واقع ہوئے اور جو خوف واندیشے۔ دقتیں اور مشکلیں ان مقامات پر پیش آئیں۔ وہ سب کے پیش نظر ہیں لیکن ایسی سختی سے حکم کرنے والی اور پھر خوف سے اطمینان دلانے والی آیت اب تک نازل نہیں ہوئی تھی۔ جب ہم اس آیت کے ہر جملہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ماانزل الیك سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو کسی امر خاص کی تعمیل کا حکم پہلے سے آ چکا تھا۔ اور الفاظ ان لم تفعل بتلا رہے ہیں کہ وہ حکم کسی واقعہ اندرونی سے متعلق ہے۔ اور فما بلغت رسالته سے ثابت ہے کہ وہ حکم ایسا ہی واجب التعمیل تھا کہ اس پر۔ رسالت کی جملہ تبلیغ محصور و موقوف تھی۔ سب سے آخر فقرہ والله يعصمك من الناس اس بات کا شاہد ہے کہ اس کام کے کرنے میں آنحضرت صلعم کو ضرور کوئی اندیشہ یا کھٹکا تھا اور یہی اب تک تاخیر کا باعث تھا وہ خوف واندیشہ بھی گرد وپیش کی اندرونی مخالفت تھی اور اندرونی مخالفت ہمیشہ سخت سے مراد نازک معاملہ ہوا کرتی ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم شبلی صاحب کے علمائے محدثین ومفسرین کے اقوال سے اس آیہ وافی ہدایہ کی شان نزول کو مفصلہ ذیل عبارتوں میں علیحدہ علیحدہ لکھ کر اپنے بیان کردہ دعویٰ کے ثبوت کامل پہنچاتے ہیں۔

امام واحدی اسباب النزول میں حافظ محمد بن یوسف کفایۃ الطالب میں امام نووی اپنی شرح میں امام ابی حاتم رازی اور حافظ ابو

نعیم۔ کتاب مانزل من القرآن فی علیؑ میں لکھتے ہیں۔

عن ابو سعید الخدری قال نزلت هذا لاية يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك يوم غدير۔

ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت کہ اے رسولؐ پہنچا دے اس چیز کو جو نازل ہوئی ہے تجھ پر تیرے رب کی طرف سے غدیر خم کے روز نازل ہوئی ہے۔

حافظ ابوعبداللہ محمد یوسف الگنجی الشافعی کفایۃ الطالب میں لکھتے ہیں۔

هكذا ذكره شيخ محى الدين النووى فقال ابوبكر النقاش انها نزلت فى بيان ولاية علىؑ

ایسے ہی شیخ محی الدین نووی نے لکھا ہے اور ابوبکر نقاش کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی ولایت میں نازل ہوتی ہے۔

(۲) امام واحدی تفسیر میں امام رازی تفسیر کبیر میں۔ نظام اعرج تفسیر نیشاپوری میں۔ حافظ ابن کثیر شامی اپنی تفسیر میں۔ حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیا میں۔ علامہ عینی شرح صحیح البخاری میں۔ ابن مردویہ مناقب میں اور امام سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں۔

عن عبد الله بن مسعود وقال كنا نقرء على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك ان علياً مولى المومنين وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ اے رسولؐ پہنچا دے اس چیز کو کہ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اتاری گئی یہ کہ علیؑ مومنین کا مولاہ ہے اگر تو نے نہیں کیا تو میری رسالت ہی کو نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

(۳) امام واحدی تفسیر اسباب النزول میں اور امام ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

عن البراء ابن عازب قال فى قوله تعالىٰ يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك اى بلغ من فضائل على نزلت فى غدير خم فخطب رسول الله صلعم ثم قال من كنت مولاه فعلى مولاه فقال عمر بخ بخ لك يا على اصبحت مولائى ومولى كل مومن و

مومنة۔

براء بن عازب سے آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك کے متعلق روایت ہے کہ اے رسول علیؑ کے فضائل کو پہنچا دے۔ جب یہ غدیر خم کے روز نازل ہوئی تو حضرت محمد صلعم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے حضرت عمرؓ کہنے لگے مبارک ہو مبارک ہو تمھیں اے علیؑ تم آج سے میرے اور کل مومن اور مومنہ کے مولا بنائے گئے ہو۔

(۴) امام شوکانی فتح القدیر میں تحریر کرتے ہیں۔

نزلت هذه الاية یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك علی رسول الله یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب رضی الله عنه۔

یہ آیہ ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك روز غدیر خم جناب رسول خدا صلعم پر حضرت علی رضی اللہ کی شان میں نازل ہوا ہے۔

(۵) علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

معناه بلغ ما انزل الیك فی فضل علی ابن ابی طالب فلما نزلت هذه الاية اخذ بید علی وقال من کنت مولاء فعلی مولاه۔

آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك کے یہ معنی مذکور ہیں کہ اے رسول اس حکم کو پہنچا دو جو تمھارے رب نے علی ابن ابی طالبؑ کی فضیلت میں نازل کیا ہے پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔

(۶) علامہ نیشاپوری تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں۔

ان هذا الآية یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك نزلت فی فضل علی بن ابی طالب یوم غدیر خم فاخذ رسول الله صلعم بیده وقال من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه۔

ابوسعید کہتے ہیں کہ جب آیہ یا ایھا الرسولؐ نازل ہوا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے الٰہی تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور

تو اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے۔

(۷) مسندامام احمد بن حنبل میں ہے۔

عن البراء بن عازف قال کنا مع رسول اللہ فی سفر فنزلنا بغدیر خم فنودی مناد الصلوۃ جامعۃ و کسح لرسول اللہ صلعم تحت شجرتین فضلی الظھر و اخذ بید علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال الستم تعلمون انی اولی بالمومنین عن انفسھم قالوا بلی قال الستم تعلمون انی اولی لکل مومن من نفسہ قالوا بلیٰ فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ قال فلقیہ عمر بن الخطاب بعد ذلک فقال لہ ھنیأ لك یابن ابی طالب صبحت و امسیت مولا کل مومن و مومنۃ۔

براء بن عازب سے مروی ہے کہ ہم لوگ جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ سفر میں تھے جب غدیر خم میں وارد ہوئے تو منادی نے ندا کی کہ الصلوۃ جامعۃ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے درختوں کے نیچے زمین صاف کی گئی پس آنحضرت صلعم نے نماز ظہر کے بعد علی بن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے ارشاد کیا ایھا الناس کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنوں کے لیے ان کے نفوس سے اولیٰ ہوں سب نے کہا بے شک پھر آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کے لیے اس کے نفس سے اولیٰ ہوں۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہر مومن کے لیے اس کے نفس سے اولیٰ ہیں تب آپ نے ارشاد کیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے، الٰہی دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے مل کر کہا مبارک ہو تمھیں اے فرزند ابی طالبؑ کہ آج تم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو۔

حضرت علیؑ کے سر پر دستار امامت

اس واقعہ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کے سر پر دستار (امامت) باندھی۔ اصابہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اخرج البغوی وقال نی کنز العمال اخرج ابن ابی شیبہ و ابو داؤد الطیالسی والبیھقی عن علی قال عممتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم غدیر خم بعمامۃ سودآء اطرق طرافیھا علی منکبی۔

ابن حجر اصابہ میں بروایت لغوی اور کنزل العمال میں بروایت ابن ابی شیبہ و ابوداوٗد طیالسی و بیہقی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بروز غدیر خم میرے سر پر ایک عمامہ سیاہ باندھا اور اس کے دونوں کنارے میرے کاندھوں پر ڈال دیئے۔

خطیب بغدادی۔ علامہ دیلمی۔ ابوداوٗد طیالسی۔ ملا علی متقی۔ ابن ابی شیبہ۔ محب الطبری اور ابن صباغ مالکی پھر اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

عن علی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ عزوجل امدنی یوم بدر و یوم حنین بملئکۃ متعممین ھذہ العمامۃ والعما متہ حاجزہ بین المسلمین والمشرکین قالہ بعلی لما عمم یوم غدیر خم وسدل طرفھا علی منکیہ

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بدر و حنین کے روز ہماری مدد رب العزت نے ایسے فرشتوں سے کی جو عمامہ پوش تھے اور عمامہ مسلمین و مشرکین کے درمیان فرق بتلانے والا ہے۔ یہ حدیث آنحضرت صلعم نے مجھے غدیر خم کے روز ارشاد فرمائی جبکہ آنحضرت صلعم نے میرے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا اور اس کے دونوں سرے میرے کندھے پر لٹکا دیئے۔

اس دستار مبارک کی عظمت

اب یہ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے کہ یہ عمامہ مبارک کون تھا؟ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کس قدر عزیز رکھتے تھے۔ علامہ علی بن برہان الدین شافعی لسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں لکھتے ہیں۔

وکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عمامہ تسمی الصحاب کساھا علی بن ابی طالب بغدیر ثم فکان ربما طلع علیہ علی فیقول صل اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتاکم علی فی السحاب یعنی عمامۃ التی وھب لہ (منقول از ارجح المطالب جلد دوم مطبوعہ لاہور ص ۲۲۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا۔ حضرت محمد صلعم نے وہ عمامہ بروز غدیر خم جناب امیر علیہ السلام کے سر پر باندھا تھا جب کبھی جناب امیر اس عمامہ کو باندھے ہوئے حضرت کے حضور میں حاضر ہوتے تھے تو سرورِ عالم لوگوں سے ارشاد فرماتے تھے کہ دیکھو علیؑ سحاب میں تمھارے پاس آرہے

ہیں یعنی اسی عمامہ کو باندھے ہوئے جو انھیں خلعت میں ہوا تھا۔

خطبہ خم غدیر

اب ہم اس خطبہ کو اپنے سلسلہ بیان میں تحریر کرتے ہیں جو خم غدیر کے موقع پر زبان رسالت سے ارشاد فرمایا گیا تھا اور جس کے جستہ جستہ فقرات آپ کے علمانے اپنی اپنی مرویات میں مندرج کیے ہیں۔ لیکن اس کی پوری نقل کرنے کی کسی کو بھی توفیق نہیں ہوئی۔
علامہ شہاب الدین احمد نے اپنی مشہور کتاب توضیح الدلائل میں اس خطبہ کو تمام وکمال لکھا ہے ہم اسی کتاب سے اس کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

الحمد الله على الآئه فى نفسى وبلائه فى عترتى واهلبيتى استعينه على نكيات الدنيا و موبقات الآخرة واشهد ان لا اله الا الله الواحد الا احد الفرد الصمد لم يتخذ صاحبة ولا ولد ولا شريكا ولا عمد اوانى عبد من عبيده ارسلنى برسالته الى جميع خلقه ليهلك من هلك عن بينة و يحيى من حى عن بينة واصطفانى على العلمين من الاولين والآخر واعطانى مفاتيح خزائنه كذا على بعزائمه واستودعنى سره و امدنى فابصرت له فانا الفاتح وانا الخاتم ولا قوة الا بالله اتقو الله ايها الناس حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون واعلموا ان الله بكل شئ محيط وانه ستكون من بعدى اقوام يكذبون على فيقبل منهم و معاذالله ان اقول على الله الا الحق او انطق بأمره الى بالصدق وما امركم الى ما امرنى به ولا ادعوكم الا الى الله وسيعلمون الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون فقام اليه عبادة بن الصامت فقال و متى ذاك يا رسول الله ومن هولاء عرفناهم لتحذركم قال اقوام قد استعد والنامن يومهم و سيظهرون لكم اذا بلغت النفس منى ههنا واشار صلى الله عليه وآله وسلم الى حلقه فقال عبادة اذا كان ذلك فالى من رسول الله فقال صلعم عليكم بالسمع والطاعة السابقين من عترتى والاخذين من نبوُّنى فانهم يصدونكم عن الغى ويدعونكم الى الخير وهم اهل الحق ومعادن الصدق يحيون فيكم الكتاب والسنة ويحبونكم الا لحاد والبدعة و يقمعون بالحق اهل الباطل

لا يميلون مع الجاهل ايها الناس خلقتني و خلق اهلبيتي من طينة لم يخلق منها غيرها كنا اول من ابتداء من خلقه فلما خلقانا نور بنورنا كل ظلمة واحى بنا كل طينة ثم قال صلى الله عليه وآله وسلم هولاء خيارا متى وحملة علمى و خزانة سرى و سادة اهل الارض الداعون الى الحق المخبرون بالصدق غير شاكين ولا مرتابين ولا ناكصين ولا ناكثين هولاء الهذاة المهتدون والا ئمة الراشدون المهتدى من جآء فى بطاعتهم وولا بتهم والضال من من عدل منهم و جاء فى عدواتهم حبهم ايمان وبغضهم نفاق هم الائمة الهادية وعرى الاحكام لواثقة بهم يتم الا عمال الصالحة وهم وصبة الله فى الاولين والآخرين والارحام التى اقسمكم الله بها اذ يقول واتقوا الله الذى تساء لون به الارحام ان الله كان عليكم رقيبا ثم يدعو كم بحبهم فقال قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى۔ هم الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا الصادقون اذا نطقوا والعملون اذا سئلوا الحفظون لما استودعوا جمعت فهم الخصال العشر لا جمع الا فى عترتى واهلبيتى الحلم والعلم والنبوة والنيل والسماحة والشجاعة والصيدق والطهارة والعفاف والحكم فهم كلمة التقوى ووسيلة الهدى والحجة العظمى والعروة الوثقى هم اولياء كم عن قول وبكم عن قول ربى ما امرتكم لا من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله اوحى الى ربى فيه ثلثا انه سيد المسلمين وامام الخيرة المتقين و قائد الغرا المحجلين وقد بلغت عن ربى ما امرت واستودعهم الله فيكم واستغفر الله لى ولكم۔

میں خدا کی حمد ان نعمتوں کے لیے ادا کرتا ہوں جو میری ذات میں اس کی طرف سے ودیعت ہوئی ہیں اور ان امتحان و بلا کے لیے بھی شت گذار ہوں۔ جو میری عترت اور اہلبیت پر نازل ہونے والی ہیں۔ اور دنیا کی ناگوار مصیبتوں اور روز آخرت کی مہلک زحمتوں پر اس سے مدد مانگتا ہوں پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ

سوائے خدائے واحد کے اور کوئی خدا نہیں ہے وہ بالکل یکتا ہے اور بڑی عظمت والا ہے اس نے اپنے لیے کوئی زوجہ یا فرزند یا مدد گار نہیں قرار دیا ہے اور اس کے بندوں میں سے میں بھی ایک بندہ ہوں لیکن اس نے اپنی پیغمبری کے لیے مجھے تمام خلق کے اوپر بھیجا ہے تاکہ وہ لوگ جو ہلاک ہونے والے ہیں وہ ایک حجت کے ساتھ ہلاک ہوں اور جو نجات پانے والے ہیں۔ وہ ایک حجت کے ساتھ نجات پائیں مجھے خدا نے تمام عالم میں کہ جن میں اولین و آخرین بھی شامل ہیں۔ برگزیدہ فرمایا ہے اور کنجیاں خزانے کی مجھے عطا فرمائی ہیں اور جو عہد کہ مجھے فرمائے ہیں ان کا مجھے استحکام فرمایا ہے اور اپنا راز میرے سپرد فرمایا ہے اور میری امداد کی اس وجہ سے مجھے اس کی بصیرت حاصل ہوئی ہے پس میں آغاز کرنے والا ہوں اور میں ہی انتہا پر پہنچانے والا ہوں۔ سوائے ذات اقدس الٰہی کے اور کسی ذریعہ سے قوت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اے لوگو خدا سے اتنا ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے، ورنہ جنگ کرو مگر دین اسلام پر اور یاد رکھو خدا تمام چیزوں پر احاطہ کیے ہوئے قریب ہے، کہ میرے بعد کچھ قومیں ہونگی وہ مجھ پر تہمتیں باندھیں گی اور لوگ ان کے جھوٹ کو قبول کریں گے۔ مگر خدا کی پناہ۔ اگر میں خدا کی طرف سے سوائے امر حق کے اور کچھ زبان سے نکالوں اور سوائے اس حکم کے جو خدا نے مجھے دیا ہے میں تمھیں کوئی اور حکم کروں اور سوائے اللہ کے اور چیزوں کی طرف تمھاری دعوت کروں اور جو لوگ کہ ظالم ہیں۔ وہ بہت جلد جان لیں گے کہ کیسی بازگشت ان کی ہونے والی ہے۔ (خطبہ کے اس مقام تک آپ پہنچے تھے کہ) عبادۃ بن صامت کھڑے ہو گئے اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کب ہوگا اور وہ کون لوگ ہیں ہمیں بتا دیجیے اور پہنچوا دیجیے تاکہ ہم ان سے پرہیز کریں آنحضرتؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ابتداء سے ہماری دشمنی کے لیے آمادہ ہیں اور جب میری جان یہاں تک۔ (حلق مبارک کی طرف اشارہ کر کے) پہنچے گی اس وقت ظاہر ہوں گے عبادۃ نے کہا پھر ہم ایسے وقت میں کس کی طرف رجوع کریں۔ فرمایا کہ تم ان لوگوں کی پیروی اور اطاعت کرو جو میری عترت میں سب سے زیادہ پیش قدم ہیں میری پیغمبری کے علم کے لینے والے ہیں۔ وہی تم کو گمراہی سے باز رکھیں گے اور نیکی کی طرف دعوت کریں گے۔ یہی اہلبیت اہل حق ہیں۔ صدق و راستی کے معدن ہیں۔ کتاب وسنت کو تم لوگوں میں زندہ رکھیں گے اور الحاد و بدعت سے تمھیں بچائیں گے۔ حق کے ذریعہ سے باطل کو پست کریں گے اور کسی جاہل کی طرف میلان نہ کریں گے۔ اے لوگو۔ خدا نے مجھے اور میرے اہلبیت کو ایک مٹی

سے بنایا اور اس سے سوائے میرے اور میرے اہلبیت کے کسی اور کو نہیں بنایا۔ ہم اول وہ لوگ ہیں کہ جن کی سب سے اول خلقت ہوئی اور جب خدا ہمیں پیدا کر چکا تو ہمارے نور سے تاریکی کو روشن کر دیا اور پھر ایک طینت کو ہمارے سبب سے زندہ کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ بہترین امت سے ہیں۔ میرے علم کے حامل ہیں۔ میرے اسرار کے خازن ہیں سرداران اہل زمین اور حق کی طرف دعوت کرنے والے ہیں اور راستی کے ساتھ خبر دینے والے ہیں۔ ان کو کبھی شک نہیں ہوتا۔ کوئی ریب اور ان کو عارض نہیں ہوتا۔ یہ کبھی راہ خدا سے پیچھے ہٹنے کے نہیں۔ کبھی خدا کے عہد کو توڑتے نہیں۔ یہ وہ ہادی ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ ائمہ راشدین ہیں۔ جو ان کی ولایت و اطاعت کو لیے میرے پاس آئے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جو ان کی عداوت لے کر آئے وہی گمراہ ہے ان کی محبت ایمان ہے۔ ان کا بغض نفاق ہے۔ یہی ائمہ ہدایت کرنے والے اور احکام خدا کی مضبوط رسیاں ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے اعمال صالح تمام ہوتے ہیں اور انھیں کی محبت کا ہمیشہ اولین اور آخرین سے عہد لیا گیا ہے اور یہی وہ ارحام ہیں۔ جن کو قسم خدا نے اپنے کلام مجید میں یاد دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ ڈرو اس خدا سے جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا اور ارحام سے خدا تمھارا نگہبان ہے۔ پھر دعوت دی تمھیں ان کی محبت کی طرف اور فرمایا کہ کہہ اے محمدؐ میں تم سے اجر رسالت سوائے اس کے کچھ اور نہیں چاہتا کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا نے ہر عیب و نجاست کو دور کر کے طیب و طاہر کیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جب گویا ہوتے ہیں۔ تب نہایت راستگو ہوتے ہیں اور جب ان سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے اس وقت بڑے جاننے والے ثابت ہوتے ہیں اور جو چیز ان کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور میرے اہلبیت میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ سوائے ان کے اور کسی میں وہ جمع نہیں ہوسکتیں حلم علم نبوت بزرگی شجاعت راستگوئی۔ پاکیزگی۔ عفت یہی لوگ کلمۂ تقویٰ ہیں یہی وسیلہ ہدایت ہیں۔ حجت عظمٰی ہیں۔ عروۃ الوثقی (مضبوط رسیاں) ہیں یہ لوگ بموجب ارشاد خدا تمھارے سید و سردار ہیں اور جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ میرے خدا کا حکم ہے۔ حاضرین آگاہ رہو (حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر) ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اسے دشمن رکھے اور مدد کر اس جو مدد کرے اس کی اور اس کی نہ مدد کرے اور ذلیل کر اس کو جو ذلیل کرے اس کو حاضرین۔ علیؑ کے بارے میں خدا نے وحی فرمائی ہے کہ وہ

سید المسلمین ہے۔ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کا امام ہے اوران لوگوں کا پیشوا ہے جن کی پیشانیاں نورانی ہیں۔ جو کچھ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا وہ میں نے تمھیں پہنچا دیا اب میں علیؑ کو تمھارے سپرد کرتا ہوں اور اپنے لیے اور تمھارے لیے مغفرت کا خواستگار رہوں۔

یہ خطبہ کتب صحاح میں بصورت خاص مفصل اور مسلسل طریقہ سے درج نہیں ہے مگر اس کے تمام فقرات کو جو متعدد احادیث مندرجہ صحاح ستہ کے مختلف اور متفرق مقامات میں پائے جاتے ہیں ان سب کو مرحوم سید العلما جناب سید محمد صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے ایک رسالہ خاص میں کتب صحاح سے چن کر جمع کیا ہے۔اسی خطبہ کے بعض بعض مقامات کا ترجمہ مسٹر جان ڈیونپورٹ (Mr. Jhon Devenport) نے اپنی کتاب اپالوجیز آف محمدؐ اینڈ ہز قرآن (Appology of Mohammad and his Quran) میں بھی کیا ہے۔

تکمیل اسلام اور نزول آیہ اکملت لکم دینکم

اس خطبہ کے ارشاد اور حدیث میں کنت مولاہ فعلی مولاہ کے اعلان عام کے بعد ہی تکمیل اسلام اور کفیل نعمت اسلام اور تنزیل رضائے خدائے انام کی بشارت یکبار آیہ وافی ہدایہ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا کے الفاظ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی وقت پہنچائی گئی۔ چنانچہ فقیہ ابن المغازنی مناقب میں علامہ ابراہیم النظری کتاب خصائص العلویہ علامہ صالحانی اپنی کتاب للمناقب میں اور علامہ شہاب الدین احمد توضیح الدلائل میں مجاہد کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

عن مجاهد عن ابوهريره قال صام من ثمانية عشر من ذالحجة كتب له صيام ستين شهرا وهو يوم غدير خم لما اخذ النبى صلى الله عليه وآله وسلم بيد علی ابن ابی طالبؑ فقال الست اولیٰ بالمومنين من انفسهم قالوا بلیٰ يا رسول الله قال من كنت مولاه فعلی مولاه فقال عمر بن الخطاب بخ بخ لك يا بن ابيطالب اصبحت مولائی ومولیٰ كل مومن و مومنة فانزل الله تعالیٰ اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الاسلام دينا۔

مجاہد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اٹھارویں ذی الحجہ کو روزہ رکھے اس کے نامہ اعمال میں ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ وہ غدیر خم کا دن ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا میں مومنوں کے لیے ان کے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بے شک اولیٰ ہیں ہمارے نفسوں سے آپ نے ارشاد کیا جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں عمر ابن الخطاب کہنے لگے مبارک ہو تمھیں اے علی ابن ابی طالبؑ تم آج سے میرے اور کل

مومنین ومومنات کے آ قا قرار دیئے گئے پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی آج کے دن میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کوتم پرتمام کر دیا اورتمھارے دین اسلام سے راضی وخوشنود ہوا۔

علامہ ابن واضح اپنی تاریخ یعقوبی میں تحریر فرماتے ہیں۔

قد قیل انه اٰخر مانزل علیه الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی وهی الروایة الصحیحة الثابتة الصریحة وکان نزولها بغدیر خم

بروایت صحیح ثابتہ و صریحہ آیہ اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی قرآن مجید کی آخری آیت ہے اوراس کا نزول غدیرخم میں ہوا ہے۔

ان محدثین کے علاوہ حافظ ابونعیم۔ امام سیوطی۔ ابن مردویہ۔ دیلمی اور حموینی وغیرامثالہم نے بالاتفاق نزول آیہ اکملت لکم دینکم کو خاص خم غدیر کے موقع پر بتلایا ہے۔اب غریب شبلی صاحب اس وقت کہاں ہیں جن سے استفسار کیا جائے کہ ان اسنادمتواترہ اورمتکاثرہ کے مقابلہ میں اس آیہ کے موقع تنزل میں خواہ مخواہ آپ کا ان خودغرضانہ تحریف وتبدیل سے کیا فائدہ ہوا۔ محققین وناظرین کتاب نے دیکھ لیا اورسمجھ لیا کہ آپ کونصوص الٰہی اوراحادیث رسالت پناہی کے موقع پر شان نزول وغیرہ کے بدل دینے اور ادھر سے ادھر کر دینے میں ذرا بھی خوف نہیں ہوتا۔

بہرحال تاریخ وحدیث کے تمام ماخذوں سے ثابت ہوگیا کہ آیہ بلغ ما انزل الیك کے حکم تنزیل کے حسن تعمیل حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی صورت میں واقع ہوئی اوراس حکم خداوندی کی ادا کاری کے صلہ میں خدائے سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ سے تکمیل دین اتمام نعمت اورقبولیت مذہب اسلام کی بشارت آیہ اکملت لکم دینکم کے الفاظ مقدسہ میں نازل فرمائی گئی۔ہم اس واقعہ کے متعلق جواہتمام خاص کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کیا گیا تھا اوپر بیان کر چکے ہیں اورحضرت عمرکی ادائے تہنیت تک کے حالات لکھ چکے ہیں۔ملامعین لاہوری معارج النبوۃ میں لکھتے ہیں۔

تہنیت امہات المومنین

اس سلسلہ میں بیشتر اصحاب حتیٰ کہ امہات مومنین امیر المومنین علی ابن ابی طالب راتہنیت بجا آوردند۔

کہتے ہیں کہ اکثر اصحاب یہاں تک کہ امہات مومنین نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں مبارکبادعرض کی۔

حسان بن ثابت کا قصیدۂ غدیر

جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اس تقریب ولی عہدی کے موقع پر دربارِ رسالت کے ملک الشعراء حضرت

حسان بن ثابت نے ذیل کا قصیدہ انشاء فرمایا۔ جس کو امام ابوبکر ابن مرویہ نے مناقب میں۔ حافظ ابونعیم نے ومانزل فی القرآن فطی العلی میں۔ اخطب خوارزمی نے مناقب میں۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ میں۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب باز ہار فیما عقدہ الشعراء من الاشعار میں اور محمدؐ بن یوسف الگنجی الشافعی نے کفایۃ الطالب میں۔ امام حموینی نے فرایدالسمطین میں اور علامہ ابراہیم النظری نے خصائص العلویہ میں تحریر فرمایا ہے۔

عن ابو سعید الخدری قال لما قال رسول الله صلعم من کنت مولاہ فعلی مولاہ بغدیر خم قال حسان بن ثابت افاذن یا رسول الله صلعم ان اقول ابیاتا فقال رسول الله صلعم قل علی برکة الله فقال حسان یا معشر القریش اسمعوا شهادة رسول الله صلعم فقال

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام میں ارشاد کیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے حضرت حسان بن ثابت عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ مجھے چند اشعار کے پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی برکت سے بیان کرو۔ حسان بن ثابت نے کہا کہ اے قریش کے لوگو جناب رسول خدا صلعم کی گواہی کو سن رکھو۔ پھر یہ اشعار پڑھے

ینا دیهم یوم الغدیر نبیهم
نجم واسمع بالرسول منادیاً
وقال فمن مولاکم وولیکم
فقالوا ولم یبدو هناك التعامیا
الهك مولانا وانت ولینا
ولن تجدن فی ذلك الیوم عاصیاً
فقال له قم یا علیؑ فاننی
رضیتك من بعدی اماماً وهادیا
فمن کنت مولاہ فهذا ولیه
فکونوا له انصار صدق موالیا
هناك دعا اللهم وال ولیه
وکن للذی عاد علیا معاذیا

فخص بها دون البريه كلها
وسماه الوزير المواخيا
(حوالہ ارجح المطالب جلد اوّل ص 206 مطبوعہ لاہور)

غدیر خم کے دن ان کے پیغمبرؐ نے خم کے مقام پر پکارا
اور جناب رسول خدا صلعم نے کہا اچھی منادی کی
ارشاد فرمایا کہ تمھارا کون مولا اور ولی ہے
ان لوگوں نے جو اس مقام پر سرکشی نہیں کرتے تھے عرض کیا
تیرا خدا ہمارا مولیٰ ہے اور تو ہمارا ولی ہے
اور آج کے روز سے تو ہمیں نافرمان نہیں پائے گا
پس حضرت نے فرمایا اے علیؑ اٹھ کھڑا ہو
بے شبہ میں نے تجھے اپنے بعد امام اور ہادی پسند کیا ہے
پس جس کا کہ میں مولا ہوں اس کا یہ مولا ہے
تم لوگ اس کے سچے مددگار بن جاؤ
وہیں آپ نے دعا کی کہ بارالہا علی کے دوست کو دوست رکھ
اور علیؑ کے دشمن کو دشمن رکھ
تمام لوگوں میں علیؑ کو اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص کیا
اور ان کا نام وزیر اور بھائی رکھا
(ارجح المطالب جلد اول ص ۲۰۶ مطبوعہ لاہور)

اسباب نزول آیہ سئال سائل بعذاب واقع

جس حسن انتظام اور اہتمام خاص سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم خداوندی کی تعمیل فرمائی اور اہل اسلام کے اتنے بڑے مجمع کثیر میں کہ شاید ہی دنیائے اسلام میں اتنے بڑے کثیر مجمع کی کسی موقع پر کوئی مثال یا نظیر بتلائی جا سکے۔ ولایت و امامت حضرت علیؑ کا اعلان عام فرمایا گیا اور تمام حاضرین و مجتمعین نے اس کا جناب رسول خدا صلعم کے سامنے اقرار و اعتراف کیا۔ وہ مرقومۂ بالا تاریخ و احادیث کے مشاہدات متواترات سے بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ اس موقع پر اہل اسلام کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ چالیس ہزار تک بتلائی گئی ہے۔ علامہ ابن اثیر تاریخ کامل میں ایک لاکھ چالیس ہزار کی تعداد پر اپنا نظریہ

قائم کرتے ہیں۔ خصائص میں امام نسائی لکھتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص قال کنا مع رسول اللہ صلعم بطریق مکۃ فلما بلغ غدیر خم وقف الناس ثم رد من تبعہ ولحقہ من تخلف۔

سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ ہم لوگ جناب رسول خداصلعم کے ساتھ ہم سفر تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غدیرخم میں پہنچے تو آپ نے لوگوں کوٹھہرنے کا حکم دیا چنانچہ جولوگ آگے نکل گئے تھے۔ واپس آئے جو پیچھے رہ گئے تھے ملحق ہو گئے۔

یہ مہتم بالشان واقعہ من احسن الوجوہ تمام ہوگیا۔ تو بالکل خلاف توقع۔ باوجودیکہ اس کی قبولیت اس کا اعتراف واقرار اہل اسلام کے اتنے بڑے مجمع میں ہو چکا تھا۔ اس کی مخالفت بھی ہوگئی۔ اور بارگاہ ایزدی سے مخالفت کوفوراً دعائے رسالت کی برکت سے عادِ من عاداہ سزا وعقوبت بھی مل گئی جس طرح ابتداہی سے اس واقعہ کے ہر شعبہ کی خبر نص قرآنی سے دی گئی ہے اسی طرح اس کے اس شعبۂ آخر کی بھی نص قرآن سے خبر پہنچائی گئی۔

ہم اس کی پوری تفصیل علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامہ۔ علامہ محمد بن یوسف الزرندی کی کتاب معارج الوصول۔ ملک العلمائے دولت آبادی کی مناقب السادات۔ علامہ سمہودی کی جواہر العقدین محدث شیرازی کی روضۃ الاحباب۔ علامہ عبدالرؤف منادی کی فیض القدیر۔ اور علامہ محمود بن محمد القادری کی صراط السوی۔ اور حلبی کی لسان العیون۔ علامہ احمد بن فضل بن محمد کثیر کی وسیلۃ ال آمال اور علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر کی روضۃ الندیہ اور حافظ محمد بن یوسف الگنجی کی کفایۃ الطالب اور امام ابواسحاق ثعلبی کی تفسیر سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

قال الامام ابو اسحاق الثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فی تفسیرہ ان سفیان بن عینیہ سئل عنی قولہ تعالی سأل سآئل بعذاب واقع فیمن تزلت فقال للسائل لقد سئلتنی عن مسئلۃ ما سئتلی احد عنہا

امام ابواسحاق ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آیہ سئل سائل بعذاب واقع کس کے حق میں نازل ہوا ہے سفیان بن عینیہ سائل سے کہنے لگے تو مجھ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا ہے

تلك حدثنی ا بو جعفر محمد عن ابآئہ علیہم السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لما کان بغدیر خم نادی الناس فاجتمعوا فاخذ بید علیؑ وقال من

کنت مولاہ فعلی مولاہ فشاء ذلك قطار فی البلاد وبلغ ذلك بحارث بن النعمان الفهری انی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی ناقة له فاناخ راحلته ونزل عنها وقال یا محمد امرتنا ... ان نشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله فقبلناه منك وامرتنا ان تصلی خمساً فقبلناه منك وامرتنا بالزکوة فقلناه منك وامرتنا بصوم فقبلناه وامرتنا بالحج فقبلناه منك ثم لم ترض بهذا حتی رفعت یضعی ابن عمك تفضله علینا فقلت من کنت مولاہ فعلی مولاہ فهذا شئ منك ام من الله عزوجل فقال النبی صلعم والذی لا اله الا هوا ان هذا من عند الله فتولی الحارث یرید راحلته وهو یقول اللهم ان کان ما یقول محمد احقاً فامطر علینا حجارة من السماء واتنا بعذاب الیم فلما وصل راحلته حتی رماہ الله عزوجل الحجر سقط علی هامته فخرج من دبرہ فقتله فانزل الله تعالیٰ عزوجل سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس له دافع من الله ذی المعارج

کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی نہیں پوچھا تھا مجھ سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے روایتاً اپنے آبائے کرام سے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر کے مقام پر پہنچے تو لوگوں کو جمع کر کے سب کے سامنے جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں۔ اس کا علیؑ مولا ہے اور یہ بات اور لوگوں میں تمام جگہ مشہور ہو گئی تو یہ خبر نعمان ابن حارث فہری کو بھی معلوم ہوئی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ناقہ کو بٹھا کر اور اس سے اتر کر آپ کے قریب پہنچا اور کہنے لگا یا محمدؐ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس بات کی گواہی دیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک آپ اس کے رسول برحق ہیں۔ ہم نے آپ کا یہ حکم مان لیا پھر آپ نے ہمیں پانچ وقتوں کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی ہم نے قبول کر لیا۔ پھر آپ نے ہمیں روزہ رکھنے کے لیے کہا ہم نے وہ بھی قبول کر لیا۔ پھر آپ نے ہمیں حج کرنے کے لیے حکم دیا ہم نے وہ بھی قبول کر لیا پھر اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے اور اپنے ابن عم کا بازو تھام کر اٹھایا اور ان کو ہم لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ یہ بات حضور اپنی طرف سے فرماتے ہیں یا خدا کی طرف سے حضرت صلعم

نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے یہ بات خدا کی طرف سے ہے۔ پس حارث یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کی طرف لوٹا کہ اے خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بیان فرماتے ہیں اگر سچ ہے تو (معاذ اللہ) ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں عذاب دردناک میں مبتلا فرما جب وہ اپنے ناقہ کی طرف لوٹا اور ابھی اس تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اس پر پتھر پھینکا جو اس کے سر پر گرا اور پشت سے نکل گیا اور وہ ہلاک ہو گیا پس خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو کہ کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ عذاب اللہ کی طرف سے ہے جو مالک ہے سیڑھیوں کا۔''

(ارجح المطالب مطبوعۂ لاہور جلد دوم ص305)

استخفاف واقعات غدیر اور اس کے انکشافات

شبلی صاحب نے جب اس واقعہ کو اتنے اختصار و استخفاف کے طریقہ سے لکھنا شروع کیا ہے تو وہ اس کی تفصیلات کو لکھنا کب گوارا کر سکتے ہیں۔ اور کیسے لکھ سکتے ہیں جب یہ تفصیلات و تصریحات ابتدا ہی سے شبلی صاحب کو استحفاظ عقائد اور تقلید اسلاف و تعلیم احناف کے استقرار کے مقابلہ میں نہ آیات قرآنی پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی حدیث کے خبر رکھنے کی حاجت ہے۔ عام اس سے کہ نصوص الٰہی اور احادیث حضرت رسالت پناہی سے اس واقعہ کی نسبت کیسی ہی تفصیل و تصریح نہ ثابت ہوتی ہو۔ کوئی پرواہ نہیں ہے آپ کے نزدیک سب کی سب مرفوع القلم ہیں اور ایک بھی قابل الذکر نہیں۔ دیکھئے اس واقعہ کی نسبت ایک نہیں تین تین نصوص قرآنی ہم آپ کے متعدد علمائے معتبرین کے اقوال و نظریہ سے باسناد متواترہ لکھ آئے ہیں۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ ان میں سے ایک قول بھی شبلی صاحب کے ملاحظہ سے نہ گذرا ہو۔ لیکن ان میں سے ایک کو بھی آپ نے نہ لکھا اور لکھنا کیسا اشارتاً اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ ممکن تھا کہ ذکر ونقل کے بعد اپنے مفید مطلب کی کوئی تاویل ہی فرما دی جاتی۔ جیسا کہ اکثر مقامات پر تاویلات زبانی سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن شبلی صاحب بہت ہی ہوشیار اور محتاط ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سیرۃ النبی صلعم میں یہی ایک واقعہ ان کے قلم کے سب سے بڑا دشوار اور اہم ہے۔ اس بنا پر اس کے لفظ لفظ پر آپ کو اپنا قلم روک روک کر اور سنبھل سنبھل کر نہایت احتیاط سے اٹھانا پڑا ہے۔ چونکہ ان واقعات صحیحہ اور مشاہدات صریحہ کے لیے آپ سے کوئی تاویل ممکن نہیں ہوئی۔ اس ضرورت سے آپ نے ان تمام نصوص الٰہی اور احادیث حضرت رسالت پناہی سے قطعی انکار ہی کو مفید کار سمجھا۔ اور عام اس سے کہ نصوص الٰہی ہوں یا احادیث نبویؐ سب کو نسیاً منسیاً فرما دیا۔ ابن کار از تو آید و مردوان چنین کنند۔ لیکن اگر اس کے ساتھ آپ نے اپنے تمام قدیم ماخذوں کو بھی نذر آتش کر دیا ہوتا تو گویا ہمیشہ کے لیے یہ قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ نہ وہ قدیم ماخذ باقی رہتے۔ نہ آپ کی تحریر کے خلاف شہود و ثبوت پیش کیے جاتے مگر جب تک یہ ماخذ دنیائے اسلام میں قائم ہیں آپ کی سیرۃ النبیؐ کی نقل و تحریر پر برابر تنقید و تردید ہوتی رہے گی اور کوئی پڑھا لکھا عقل و تمیز والا مسلمان آپ کی اس یک طرفہ

قلمکاریوں پر اعتبار نہ کرے گا۔

حقیقت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس سوانح میں کوئی واقعہ اس شہرت و اعلان اور تفصیل و بیان کے ساتھ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ اور غالباً جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں کسی واقعہ کے متعلق اتنے نصوص متواترہ کا نزول بھی نہیں ہوا۔ کوئی مفسر کوئی محدث اور کوئی مورخ دنیائے اسلام کے متعلق بتلاتا ہو۔ جیسا کہ یہ آیہ بلغ سے لے کر آیہ سأل سائل تک اور حدیث ثقلین سے لے کر حدیث من کنت مولاہ کے ارشاد تک اقوال معتبرہ و متواترہ سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے۔ اب اتنے شہود و ثبوت کے مقابلہ میں شبلی صاحب کا سکوت کیسا مہمل اور مضحکہ خیز ہے۔ سکوت سے تو بدرجہا یہ بہتر تھا کہ آپ ان اقوال و اخبار کو لکھ کر ان کا سبب نزول اور باعث ارشاد واقعہ غدیر کے سوا اور کسی دوسرے واقعہ کے متعلق ثابت فرماتے یا کم سے کم لکھ کر بتلا ہی دیتے تو یہ واقعہ اختلافی تو ہو جاتا۔ یوں تو ویسا کا ویسا ہی ثابت رہ گیا۔ لیکن چونکہ اس واقعہ پر اتنے شواہد متواتر و متکاثر جمع تھے اور ایک سے لے کر ایک لاکھ چالیس ہزار تک اس کے دیکھنے والے اور اقرار کرنے والے موجود تھے کہ آپ اس میں کسی تبدیل و تاویل پر جرأت نہ کر سکے۔

لیکن اس واقعہ کی مرقومہ بالا تمام خصوصیات کے ساتھ اس کی خصوصیات کا بھی ذکر کر دینا نہایت ضروری ہے کہ اس کے وقوع اور اعلان عام کے کل دو ہی برس بعد جب طمع دنیاوی اور حرص مال و دولت کی ضرورت سامنے آ گئی تو پھر جس طرح اس عظیم الشان واقعہ کی نقل و یاد بھلا دی گئی۔ اور اس کی حقیقت و اصلیت اور واقعیت چھپائی گئی۔ گھٹائی گئی اور دنیائے اسلام سے مٹائی گئی اور اس کے خلاف خلافت کی چار دیواری بنائی گئی۔ ویسی کسی واقعہ اسلامی کی نہیں۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی سے ضبط نہ ہو سکا تو انھوں نے اپنی کتاب سر العالمین میں اہل اسلام کے اس کتمان حقیقت پر عبرت و حسرت کے آنسو بہا کر حسب ذیل عبارت لکھ دی۔

اجمعت الجماهير على المتن الحديث فی يوم غدير باتفاق الجميع وهو يقول من كنت مولاه فعلی مولاه فقال عمر بن الخطاب بخ بخ لك يا ابا الحسن علیہ السلام اصبحت مولائی ومولا كل مومن ومومنة فهذا تسليم ورضى و تحكيم ثم بعد ذلك غلب الهوىٰ لحب الرياسة او حمل حمولا الخلافة وعفود النبود وخفقان الهواء فی قعقعة الرايات واشيال واژدهام الخيول و فتح الامصار و سقاهم كاس الهوىٰ فحملهم الى الخلافة فعادو الى الخلاف الاول فنبذ وه وراء ظهور هم واشتروا بهم ثمناً قليلاً فبئس ما يشترون۔

جمہور نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع کر لیا ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے پس عمر بن خطاب نے کہا مبارک ہو مبارک ہو آپ کو اے ابوالحسن درآنحالیکہ آپ کو صبح ہوئی اور آپ ہمارے اور کل مومن و مومنہ کے مولا ہوئے۔ بعد اس کے

امام غزالی کہتے ہیں کہ ایسا کہنا حضرت عمرؓ کا خلافت علیؑ کو تسلیم کر لینا ہے اور ان کے استخلاف پر راضی ہو جانا ہے اور حضرت علیؑ کو حاکم سمجھ لینا ہے۔ مگر بعد اس سمجھنے کے خواہش نفسانی نے واسطے حاصل کرنے ریاست اور حکومت فانی کے غلبہ کیا۔ ایک ریاست عظیمہ کا ہاتھ آنا۔ اور خلافت کے نشان کا ہر دیار و امصار میں گڑ جانا اور علم کے پھریروں کا ہوا میں اڑنا اور ہوا کا بیرقوں سے لپٹنا اور سواروں کا دونوں طرف جلوس میں چلنا اور گھوڑوں کی ٹاپوں کا مثل جال کے معلوم ہونا اور ملکوں اور شہروں کا فتح ہونا۔ ان سب خیالات نے ان لوگوں کو خواہش نفسانی کا جام پلا کر مخمور کر دیا اور اسی مدہوشی نے ان کو خلیفہ کر دیا اور جیسے اسلام کے قبل تھے پھر ویسے کے ویسے ہی ہو گئے۔ اس عہد کو انھوں نے پیچھے ڈال دیا اور اس عہد شکنی کے ساتھ ادنی چیز کو خرید کر لیا۔ پس کیا بری چیز ان لوگوں نے خرید کی۔

امام غزالی کے اس قول کو خلاصہ کر کے علامہ سبط ان جوزی نے بھی تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے۔ اس واقعہ کے نزول بشارت اور حصول قبولیت کے ساتھ ہی مخالفت اور معارضیت شروع ہوگئی۔ اور حارث بن نعمان فہری کی کافرانہ تعریض پر عذاب الیم کی جبارانہ تنزیل نے اسی وقت اس کی حقانیت کے مشاہدات امت اسلام کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیئے۔ اس کا جو ہر حقیت ی علم الاشیاء باصنداد ھا کے اصول مسلمہ کے معیار کے اوپر کامل اتر گیا اور اس کی صداقت وصحت مدارج آزمائش اور معارج امتحان میں پوری ثابت ہوگئی۔

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیان تا سیہ روے شود ہر چہ در و نش باشد۔

اس کی تصدیق و توثیق کا سلسلہ کچھ زمانہ رسول اللہ صلعم ہی تک محدود موقوف نہیں رہا بلکہ خلافت کے نظم جدید کے وقت حضرت علیؑ مرتضٰی نے بطور احتجاج امت اسلام کے سامنے استدلالاً پیش کیا ہے لیکن بقول امام غزالی جب خود غرضی نفسانیت۔ حصول سلطنت وریاست جمع مال و دولت کے غیر متحمل اشتیاق و تمنائیں سامنے آ گئیں تو پھر خدا کی کون سنتا ہے اور رسول کی کون مانتا ہے۔ چنانچہ ابتدائے اجماع اور آغاز انعقاد خلافت اور تعیین خلیفہ کے وقت خود جناب صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے اپنے طولانی خطبہ میں بطور استدلال احتجاجیہ اس واقعہ کی بشارتوں کو پیش کر کے حضرت علیؑ مرتضیٰ کی حقیقت خلافت ثابت فرمائی تھی۔ چنانچہ علامہ جزیری صاحب حصن حصین اسنی المطالب میں اور حافظ عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن احمد المقدسی الصالحی الحنبلی مناقب میں لکھتے ہیں۔

عن بکر بن احمد القصری قال حدثنا فاطمة بنت علی بن موسیٰ الرضا قالت حدثتنی فاطمة وزینب وام کلثوم بنات موسی بن جعفر الکاظم قلن حدثتنا فاطمة بنت جعفر بن محمدؓ الصادق قالت حدثتنی فاطمة بنت علی بن الحسینؑ زین العابدینؑ قال حدثتنی فاطمة و سکینة ابنتا الحسینؑ بن علی

عن ام کلثوم بنت فاطمة بنت النبی صلی الله علیه واله وسلم عن فاطمة الزهراء بنت رسول الله صلعم ورضی الله عنها قال انسیتم قول رسول الله صلعم یوم غدیر من کنت مولاہ۔ اخرجه الحافظ ابو موسیٰ المدینی فی کتاب المسلسل بالاسمآء وقال هذا الحدیث المسلسل من وجهه وهو ان کل واحدة من الفواطم تروی عمة لها فهو روایة خمس بنات اخ کل واحده منهن عن عمتها۔

بکر بن احمد قصری ناقل ہیں کہ ہم سے فاطمہ بنت علی بن مولیٰ الرضاء نے بیان کیا کہ مجھے میری پھوپھیوں۔ فاطمہؑ زینبؑ اور ام کلثوم موسیٰ بن جعفرؑ الکاظم کی صاحبزادیوں نے بیان کیا کہ ان سے فاطمہ بنت جعفر بن محمدؑ الصادقؑ ذکر کرتی تھیں کہ ان سے ان کی پھوپھی فاطمہؑ بنت علی بن الحسینؑ زین العابدین فرماتی تھیں کہ مجھ سے میری پھوپھی فاطمہ اور سکینہ جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیاں ارشاد کرتی تھیں کہ ان سے ان کی پھوپھی ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ میری والدہ ماجدہ جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ نے لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد کیا کہ تم لوگ جناب رسول خدا صلعم کے اس ارشاد کو بھول گئے جو غدیر خم میں فرمایا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ المدینی نے اس حدیث کو اپنی کتاب مسلسل بالاسماء میں روایت کیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ایک وجہ سے یہ حدیث خود بھی مسلسل کیونکہ ہر ایک فاطمہ نام رکھنے والی مخدومہ نے اس حدیث کو اپنی پھوپھی سے روایت کیا ہے اور یہ ایسی پانچ بھتیجیوں کی روایت ہے کہ ہر ایک اپنی پھوپھی سے روایت کرتی ہے۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں امام حاکم مستدرک میں اور ملا علی متقی کنز العمال میں لکھتے ہیں۔

عن رفاعة بن ایاس الضبی عن ابیه عن جده قال کنت مع علی فی الجمل فبعث الیٰ طلحه ان القنی فلقسیه فقال النشدك الله اسمعت رسول اللهﷺ یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللهم وال من والاہ وعاد من عاداہ قال نعم فقال فلم تقاتلنی قال فانصرف طلحة بن عبید الله۔ (ارجح المطالب ص 208۔ ج2)

رفاعہ بن ایاس الضبی اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے ناقل ہیں کہ میں جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے ہمراہیوں میں تھا جناب امیرؑ نے طلحہ کو بلا بھیجا کہ مجھ سے ملاقات کریں۔ طلحہ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔

جناب امیر علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے جناب رسالت مآب صلعم کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے میرے پروردگار اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ طلحہ نے کہا ہاں سنا ہے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا پھر تم کیوں میرے ساتھ جنگ کرتے ہو۔ طلحہ اسی وقت جنگ کرنے سے لوٹ گئے۔

علامہ ابن عقدہ۔ حافظ محمد بن حبان بستی۔ علامہ محب الدین طبری۔ ابن عساکر اور امام سمہودی جواہر العقدین میں لکھتے ہیں۔

عن ابی الطفیل علیاً قام فحمد الله ثم قال انشد بالله من شهد یوم غدیر ان یقوم ولا یقم رجل یقول نبئت او بلغنی الا رجل سمعت اذناه ودعاه قلبه فقام سبعة عشر رجلا منهم خزیمه بن ثابت وسهل بن سعد و عدی بن حاتم و عقبه بن عامر و ابو ایوب الانصاری و ابو لیلی و الهیثم بن البتهان وابو سعید الخدری و شریح الخزاعی و ابو قدامة الانصاری و رجال من قریش فقال علی علیه السلام هاتوا ما سمعتم فقالوا اشهدانا اقبلنا مع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من حجة الودا ع حتی اذا کان الظهر خرج رسول الله صلعم فامر بشجرات فشذهن والقا علیهن ثوبة ثم نادی بالصلوة فخرجنا وصلینا ثم قام فحمد الله واثنی علیه ثم قال ایها الناس ما انتم قائلون قالوا قد بلغت قال اللهم اشهد ثلاث مرات فقال انی اوشك ان ادعی فاجیب دا نی مسئول وانتم مسئولون ثم قال الا ان دمائکم واموالکم حرام کحرمة یومکم هذا و حرمة شهرکم هذا وصیکم بالنساء اوصیکم بالجار و اوصیکم بالمالیك و اوصیکم بالعدل والاحسان ثم قال ایها الناس انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی فانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض نبانی بذالك اللطیف الخبیر ثم اخذ بید علی فقال من کنت مولاه فعلی مولاه فقال علی صدقتم وانا علی ذلك من الشاهدین

ابوالطفیل سے مروی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خطبہ میں خدا کی حمد کے بعد فرمایا ہے خدا کی قسم دے کر

اس شخص کو جو غدیر خم کے روز حاضر ہوا ہے کھڑا ہو جائے اور وہ شخص نہ کھڑا ہو جو یہ کہے کہ مجھے خبر لگی ہے یا خبر دی گئی ہے بلکہ وہ شخص بیان کرے کہ جس کے کانوں نے سنا ہو اور دل نے یاد رکھا ہو۔ پس ستر آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں خزیمہ بن ثابت۔ سہل بن سعد۔ عدی بن حاتم۔ عتبہ بن عامر ابوایوب انصاری۔ ابولیلی۔ ابو الہثیم بن بتہان۔ ابوسعید خدری۔ شریح۔ ابوقدامۃ الانصاری رضی اللہ عنہم اور نیز قریش کے اور آدمی موجود تھے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ بیان کرو تم نے کیا سنا ہے وہ کہنے لگے ہم حجۃ الوداع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب باسعادت میں مکہ سے واپس آ رہے تھے کہ ظہر کے وقت حضرت باہر تشریف لائے اور درختوں کی کاٹ چھانٹ کا حکم دیا اوران پر کپڑا ڈال دیا گیا پھر نماز کے لیے منادی کرائی گئی ہم لوگ اپنے اپنے خیموں سے نماز کے لیے باہر نکلے۔ آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر خطبہ میں خدا کی صفت وثنا کے بعد بیان کیا اے لوگو تم کیا کہتے ہو حاضرین نے عرض کی آپ نے خدا کا پیغام پہنچایا اس بات کو تین مرتبہ فرما کر آپ نے کہا اے خدا گواہ رہو۔ پھر ارشاد کیا میرا گمان ہے کہ میں بلایا جاؤں گا اور تم بھی پوچھے جاؤ گے بے شبہ تمھارا خون تمھارا مال ایک دوسرے پر حرام ہو گیا ہے جیسا کہ یہ تمھارا آج کا دن اور یہ تمھارا مہینہ حرمت والا ہے۔ تمھیں وصیت کرتا ہوں تمھاری عورتوں کے لیے تمھارے ہمسایوں کے لیے اور تمھاری لونڈی غلاموں کے لیے اور تمھیں وصیت کرتا ہوں عدل واحسان کی پھر فرمایا ایھا الناس میں تم میں دو چیزیں بزرگ چھوڑے جاتا ہوں خدا کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہلبیت یہ دونوں جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں یہ مجھے خبر دی میرے خدائے لطیف وخبیر نے پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑا پس فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس یہ علیؑ اس کے مولی ہیں پس حضرت علیؑ نے فرمایا تم لوگ سچ کہتے ہو اور میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں۔

اس مناشدہ مقدسہ کی فوری حقانیت کے ثبوت بھی مفصلۂ ذیل عبارات احادیث میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

صحابہ اور حالات غدیر کی شہادت سے خاموشی اس کی پاداش

امام ابوالحسن احمدؒ بن یحییٰ البلاذری۔ کتاب انساب الاشراف میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن عمیر بن سعد قال قال علیؑ علی منبر انشد رجلاً سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ

وعاد من عاداه من یقوم و یشھد و تحت المنبر انس بن مالك وبراء بن عازب و جریر بن عبد الله البجلی فاعادھا فلم یجبه احد فقال اللھم من کتم ھذه الشھادة وھو یعرفھا فلا تخرجه من الدنیا حتی تجعل به ایة یعرف بھا قال فبرص انس و عمی البرآء ورجع جریر اعرابیاً بعد ھجرته فاتی الشرّ ات فمات فی بیت امه۔

عمیر بن سعد ناقل ہیں کہ حضرت علیؑ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو قسم دی کہ جس شخص نے غدیر خم کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو سنا ہو وہ کھڑا ہو کر بیان کر دے۔ پس لوگوں نے گواہی دی اور منبر کے نیچے انس بن مالک براء بن عازب اور جریر بن عبداللہ الجبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جناب امیرؑ نے ان لوگوں سے مکرر فرمایا مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی کچھ نہ کہا جناب امیر نے فرمایا۔ بارالہا جس شخص نے اس شہادت کو چھپایا ہے باجود اس کے کہ وہ جانتا ہے اس شخص کو اس وقت تک نہ مار جب تک کہ تو اس کے لیے کوئی نشان نہ مقرر کر دے کہ وہ اس سے دنیا میں پہچان لیے جائیں۔ عمیر بن سعد کہتے ہیں کہ انس تو مبروص ہو گئے براء بن عازب اندھے ہو گئے۔ اور جریر بوڑھے ہو کر واپس آئے اور بکواس کرنے لگے یہاں تک کہ اپنی ماں کے گھر میں (بند رہ کر) دنیا سے انتقال کر گئے۔

اسی روایت کو حافظ ابونعیم اور علامہ ابن مردویہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عن طلحه بن عمر قال شھدت علیاً علی المنبر نا شد اصحاب رسول الله صلعم وفیھم ابو سعید و ابوھریرہ وانس وھم حول المنبر وعلی علی المنبر وحول اثنا عشر بدریاً من الانصار والمھا جرین فقال علی انشد تکم ھل سمعتم رسول الله یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقاموا کلھم وانس بن مالك فی القوم ما شھد فقال له امیر المومنین ما منعك یا انس ان تشھد وقد سمعت ما سمعوا قال یا امیر المومنین کبرت ونسیت فقال امیر المومنین اللھم ان کان کاذباً فاضربه ببیاض او یوضح لا تواریه العمامة فقال طلحه بن عمر فاشھد بالله لقد رایته بیضاً بین عینیه۔

طلحہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو منبر پر دیکھا کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کے اصحاب کو قسم دے رہے تھے۔ ان میں ابوسعید۔ ابوہریرہ اور انس بن مالک بھی منبر کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور جناب امیر منبر پر تشریف رکھتے تھے اور منبر کے اردگرد مہاجرین و انصار بیٹھے تھے۔ جن میں بارہ بزرگوار بدری تھے۔ جناب امیرؑ نے ان سے کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے ارشاد کو سنا ہے۔ پس جب سب لوگ کھڑے ہوگئے۔ انس بن مالک بھی ان لوگوں میں موجود تھے۔ انھوں نے گواہی نہیں دی۔ جناب امیرؑ نے بھی سنا تھا جو کچھ کہ ان لوگوں نے سنا ہے۔ انس کہنے لگے۔ امیرالمومنین میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ مجھے یہ بات بھول گئی۔ جناب امیرؑ نے دعا کی اے پروردگار اگر یہ شخص جھوٹ بولتا ہے تو اسے برص کے مرض میں مبتلا کر دے کہ اسے یہ اپنے عمامہ سے چھپا نہ سکے۔ طلحہ بن عمر کہتا ہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے انس بن مالک کی پیشانی پر وہ سفید دھبّا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

حافظ جمال الدین فضل اللہ شیرازی المدعو بہ محدث شیرازی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں۔

عن ذربن جیش قال خرج علی من القصر فاستقبله رکبان متقلدی السیوف علیهم العمائم حدثنی عهد بسفر فقالوا السلام علیکم یا مولانا فقال علی بعد مارد السلام علیهم من ههنا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فقال اثنا عشر رجلا منهم خالد بن زید وابو ایوب الا نصاری وخزیمة بن ثابت ذوا الشهادتین وثابت بن قیس بن شماس وعمار بن یاسر وابو الهیثم بن التیهان وهاشم بن عتبه وسعد بن وقاص وحبیب بن بدیل بن ورقاء فشهدوا انهم سمعوا رسول الله صلی الله علیه واله وسلم یوم غدیر خم من کنت مولاه فعلی مولاه فقال علی لانس بن مالك والبراء بن عازب ما منعکما ان تقوما لتشهدا فقد سمعتما کما سمع القوم فقال اللهم ان کتماها معاندة فابلها فاما البراء فعمیٰ وکان یسئله عن منزله فیقول کیف یرشدون ادرکته الدعوة و اما انس فقد برصت قدماه وقیل لما استشهد علی علیہ السلام قول النبی صلی الله علیه واله وسلم من کنت مولاه فعلی

مولاہ اعتذر بالنسیان فقال علی اللھم ان کان کاذباً فاضربه بیاض او یوضح لا تواریه العمامه فبرص وجهه فدل بعا ذلك برقعا علی وجهه۔

ذر بن جیش ناقل ہیں کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام قصر سے برآمد ہوئے ان کے سامنے عمامہ پوش سوار تلواریں لٹکائے ہوئے آئے جن کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سفر سے آئے ہیں انھوں نے جناب امیرؑ سے کہا کہ السلام علیک یا مولانا۔ جناب امیرؑ نے ان کو جواب سلام دے کر فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کون کون اس مقام پر موجود ہیں۔ بارہ آدمی حاضر تھے۔ جن میں خالد ولید بن زید۔ ابوایوب انصاری۔ خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین۔ ثابت بن قیس قیس بن شماس۔ عمار بن یاسر۔ ابوالہیثم بن التیہان۔ ہاشم بن عتبہ۔ مسعد بن وقاص اور حبیب بن بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اٹھ کر گواہی دینے لگے کہ ہم نے جناب رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے جناب امیرؑ نے انس بن مالک اور براء بن عازب سے کہا تمھیں اٹھ کر گواہی دینے سے کس نے منع کیا ہے۔ تم نے بھی وہی سنا تھا جو کچھ کہ لوگوں نے سنا تھا پس جناب امیر علیہ السلام نے دعا کی کہ پروردگار اگر انھوں نے گواہی کو عناد کی وجہ سے چھپایا ہے تو ان کو ناگہانی بلا میں مبتلا کر پس براء بن عازب اندھے ہوگئے یہاں تک کہ اپنے گھر کا راستہ پوچھا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے بھلا وہ شخص کیونکر راستہ دیکھ سکتا ہے جس کو بددعا لگ گئی ہو اور انس بن مالک کا یہ حال ہوا کہ ان کے پاؤں پر برص پیدا ہوگیا اور یہ بھی روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ پر لوگوں سے گواہی طلب کی۔ اس پر انس بن مالک نے نسیان کا عذر پیش کیا جناب امیرؑ نے دعا کی کہ اگر یہ شخص جھوٹ کہتا ہے اسے برص کے مرض میں مبتلا کردے کہ عمامہ سے نہ چھپ سکے پس انس اپنے منہ کے برص کو برقع میں چھپائے رکھتے تھے۔ ارجح المطالب ج2ص216

حافظ ابن کثیر شامی اور امام دارقطنی لکھتے ہیں۔

عن عبد الله بن ابی لیلی قال اخطب علی فقال انشد الله امرا انشدة الاسلام مع رسول الله صلعم یوم غدیر خم اخذ بید علیؑ یقول الست اولی بکم یا معشر المسلمین من انفسکم قالوا بلی یا رسول الله قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ

اللھم وال من ولاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ان یوم و یشھد فقام بضعۃ عشر رجلاً فشھدوا کتم قوم فماخرجوا من الدنیا حتی عموا اوبرصوا۔

عبدالرحمن بن ابی لیلی سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ علیہ السلام نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اس مرد خدا کو جس نے اسلام قبول کیا ہے قسم دیتا ہوں اور آنحضرت صلعم کے اس ارشاد سے کہ علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر غدیر خم کے روز کہا تھا پوچھتا ہوں کہ جس شخص نے آنحضرت صلعم سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ کی حدیث کو سنا ہے وہ اٹھ کر اس کی شہادت بیان کرے پس دس آدمیوں سے چند آدمیوں نے کھڑے ہوکر گواہی دی اور ایک گروہ صحابہ نے اس شہادت کو چھپایا پس وہ لوگ اس وقت تک دنیا سے عالم آخرت کو نہیں گئے جب تک کہ وہ لوگ اندھے اور مبروص نہیں ہو گئے۔

حافظ ابوموسیٰ اور علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں۔

عن ابن اسحق قال حدثنی من لا احصیٰ ان علیاً نشد الناس فی الرحبۃ من سمع رسول اللہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ واعد من عاداہ فقام نفر فشھدا انھم سمعوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و کتم قوم فما خرجوا من الدنیا حتی عموا او یرصوا واصابتھم أفتہ منھم یزید بن ودیعہ و عبد الرحمن بن مدلج۔

ابن اسحاق ناقل ہیں کہ مجھ سے بہت سے آدمیوں نے بیان کیا جن کا شمار مشکل ہے کہ جناب امیرؑ نے رحبہ میں لوگوں کو قسم دے کر پوچھا کہ جس کسی نے من کنت مولاہ فعلی اللہ مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ کی حدیث کو آنحضرت صلعم سے سنا ہو بیان کرے پس چند آدمیوں نے کھڑے ہوکر گواہی دی کہ انھوں نے اس حدیث کو آنحضرت صلعم کی زبانی سنا ہے اور ایک گروہ نے اس حدیث کو چھپایا وہ لوگ جب تک اندھے یا مبروص یا کسی اور بلا میں مبتلا نہ ہولیے دنیا سے آخرت کو نہ سدھارے چنانچہ یزید بن ودیعہ اور عبدالرحمن بن مدلج بھی انھیں میں تھے۔

اتنے طول وطویل اور پرتفصیل مشاہدات ثبوت کے بعدبھی کیا کوئی صحیح الدماغ شخص کہہ سکتا ہے کہ اس واقعہ کی شہرت قبولیت اورتصدیق وتوثیق میں خیرالقرون کا کوئی زمانہ خالی گذرا ہے۔خلفائے راشدین حضرات عشرہ مبشرہ۔اصحاب حل وعقداور صحابہ سابقین کےممتاز طبقات میں ممتازین ومعززین صحابہ نے اس واقعہ کا صاف صاف اقرار واعتراف فرمایا ہےاوراس کی حقیقت کوحلفاً بیان کیا ہےاورحارث بن نعمان فہری کی طرح ان میں سے انکار کرنے والوں نے عذاب ومصیبت کی سزابھی پائی ہے۔لیکن اس کے باوجود پھرکیا ہوا؟ دنیا پرستی اورزرمستی ایسی بری بلاہے کہ وہ نہ خدا کی سننے دیتی ہےاورنہ رسولؐ کی۔اسی پیش آنے والے منظر کومدنظر رکھ کرجناب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نےمتواتر تاکید کےساتھ ارشادفرمایا تھا۔

لا ادری ما تحدثون بعدی

نہیں معلوم تم لوگ میرے بعدکیا احداث کروگے۔(موطاء مالک)

فرمود بلی شما اصحاب من اید لیکن ندانم که شما بعد از من چه کنید (مدارج النبوۃ محدث دهلوی)

ارشادہوا تم میرے اصحاب توہومگر مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعدتم لوگ کیا کیا کروگے۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پرارشادفرمایا گیاتھا۔

مجھے تمھارے مشرک یا کافر ہوجانے کا اندیشہ نہیں ہے۔لیکن خوف ہےتو یہ کہ تم کہیں دنیا میں نہ پھنس جاؤ،وہی ہوکررہا۔

صدقت یارسول اللہ بابی انت وامی فداہ۔

اس واقعہ میں حکم خدااوررسولؐ کےتفصیلی حالات۔وقت وقوع سے لےکروفات رسول مقبول تک اسنادصحیح ومتواترہ سےمستنبط کرکےلکھ دیئے گئے ہیں۔ان تمام واقعات کوان حالات سے مقابل کیا جائے جووفات رسولؐ کے بعداس حکم الٰہی اورارشادحضرت رسالت پناہی کےخلاف عمل میں لائے گئےتوجناب مخبرصادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورۂ بالا پیشین گوئیوں کی جواس کی خلاف ورزی کےمتعلق ارشادفرمائی گئی تھیں۔پوری اورکامل تصدیق ہوجاتی ہے۔

جب دینداری دنیاداری سے بدل گئی اوراوامرواحکام دین ملکی آئین اورسیاسی قوانین کےمحکوم اورزیراثرآ گئےتواستحفاظ حکم وحکومت اوراستقرارخلیفہ وخلافت کی غرض وغایت سےان احکام الٰہی کےمقاصداورفرمان رسالت پناہی کےمطالب بدل دیئے گئے۔ان کی حقیقت اورواقعیت کچھ سے کچھ کردی گئی۔اصلی معانی ومطالب توذکرونقل سےمتروک وممنوع کردیئے گئے۔قیاسی اورموہوم تاویلات مہملہ ان کی جگہوں پرقائم کردیں گئیں۔

انھیں ضرورتوں کومدنظر رکھ کرآغازخلافت سے لےکرآخرخلافت راشدہ تک جناب علیؑ مرتضیٰ علیہ السلام نےتمام صحابہ کبار سےمتواترموقعوں اورمختلف مقاموں پراس کےاعتراف کرائے اورکھڑے کھڑے اقرارلئے حالانکہ چالیس برسوں سے اس کے

خلاف مسلمانوں کا عملدرآمد چلا آتا تھا لیکن جناب علی مرتضی علیہ السلام کا استحقاق فی الخلافت کسی وقت و زمانہ میں مسلمانوں کی خلاف ورزی سے یا سوءعملی اور بدعہدی سے زائل یا باطل ہونے والا نہیں تھا یہ وہ ابدی نعمت تھی اور ازلی دولت۔ جو خدائے لازوال کی بارگاہ سے مخبر صادق علیہ السلام کی معرفت آپ کو مرحمت ہوئی تھی۔ اور جس کو سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد آپ نے ان الفاظ میں تمام ارباب اسلام اور اصحاب حل وعقد کے سامنے ارشاد فرمایا تھا۔ علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں۔

عن علی قال قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم انت بمنزلة الکعبة توتی ولاتاتی فان اتاك هولاء القوم وسلموها الیك یعنی الخلافة فاقبل منهم وان لم یاتوك فلا تاتهم حتی یاتوك ارجح المطالب ج2ص218

حضرت علی مرتضی علیہ السلام نے کہا کہ جناب رسول خدا صلعم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے علیؑ تو بمنزلہ کعبہ کے ہے کہ اس کے حضور میں سب حاضر ہوتے ہیں اور وہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ پس اگر یہ قوم تیرے پاس آ کر بیعت خلافت کرے تو تم قبول کر لینا ورنہ تم خود اس غرض سے ان کے پاس نہ جانا۔

خلافت راشدہ تک اگر چہ اس حدیث پر عمل درآمد نہ ہوا۔ مگر اس کی حقیقت اور واقعیت سے کسی کو انکار کی جرأت بھی نہیں ہوئی اور ہر مناشدہ و مستفسرہ کے موقع پر اس کی شہادت دی گئی۔ اور اقرار کیا گیا۔ اس لیے کہ بدیہیات سے انکار ناممکن تھا۔ اور اس وقت اس کے دیکھنے والے سینکڑوں سے لے کر سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اب رہا عملدرآمد۔ وہ حصول سلطنت۔ وصول مال و دولت کے سیاسی اصول اور ملکی ضرورتوں پر مبنی تھا۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ منتظمین خلافت اور اہل حل وعقد نے خدا اور رسولؐ کے نصوص متعددہ و متواترہ کو اپنے احکام مجوزہ کے مقابلہ میں کالعدم کر دیا تھا۔ خیر القرون یا خلافت راشدہ کے زمانہ تک تو یہ کیفیت رہی خلافت راشدہ کی مدت تمام ہونے کے بعد جب مملکت عضوضہ کا زمانہ آیا اور حکومت امویہ وعباسیہ کا دور شروع ہوا۔ جس میں بقول شبلی صاحب سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بن گئیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں تو ایک ایک خلیفہ کی نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں (سیرۃ النبی ج اول ص ۴۹ دیباچہ) تو حدیث غدیر کے متعلق سلطنت کے محدثین وظیفہ خوار اور حکومت کے مفسرین فرمانبرار نے۔ جب انکار کی صورت نہیں دیکھی تو اس حدیث صحیحہ و متواترہ کے معنوں میں نزاع لفظی پیدا کی اور لفظ مولا کے مختلف المعنی ہونے کی وجہ سے غیر موقع اور محض بے جا فائدہ اٹھانا چاہا۔

لفظ مولا پر نزاع لفظی

بعض نے ولایت جناب علی مرتضی علیہ السلام سے انکار کر کے بریدہ کی رفع شکایت اور حضرت علیؑ کے اظہار منقبت کو اس حدیث کے ارشاد کا باعث بتلایا۔ یہ دونوں تاویلیں جیسی مہمل ہیں وہ عقل سلیم اور شعور کامل رکھنے والے حضرات پر ظاہر ہیں۔ اسی طرح مولا کے کسی معنی کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف اور کھلے الفاظ میں

پہلے اپنی نسبت اس کنیت مولاہ فرما کر۔ پھر حضرت علیؑ کی نسبت وہی الفاظ فعلی مولاہ بتلا کر مساوات ومماثلت بالمعنی خود دکھلا دی ہے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ مولا کے جس معنی میں خود جناب رسول اللہؐ سمجھے جائیں گے بعینہ اسی معنی میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی۔ تو پھر اب اس کے معنی میں نزاع کیسی اور اختلاف کیا۔

بریدہ والی شکایت کی مہمل تاویل اور مولانا شبلی صاحب

اب رہا بریدہ والی شکایت کا معاملہ۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

احادیث میں یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے (من کنت مولاہ) کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس زمانہ میں یمن بھیجے گئے۔ تھے۔ جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انھوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا علیؑ کو اس سے زیادہ حق تھا۔ عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 132

قاضی محمد سلیمان صاحب رحمۃ العالمین

صاحب رحمۃ العلمین بھی شبلی صاحب کے ہم آہنگ ہیں۔ ان کی عبارت حسب ذیل ہے۔

راہ میں بریدہ اسلمی نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کی شکایت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمع مبارک تک پہنچائی۔ شکایات کا تعلق حضرت علیؑ کے چند افعال سے تھا جو حکومت یمن میں جناب علی مرتضیٰؑ سے تقسیم غنیمت وغیرہ کے متعلق صادر ہوئے تھے۔ درحقیقت شکایت کی بنیاد بریدہ کے قصور کا فہم تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خم غدیر پر ایک فصیح خطبہ پڑھا اور اسی خطبہ میں اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی شان منزلت کا اظہار فرمایا اور علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا **کنت مولاہ فعلی مولاہ** جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ اسی خطبہ کے بعد حضرت عمر فاروق نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو اس شرف کی مبارک باد دی اور بریدہ نے بقیۃ العمر علی مرتضیٰ علیہ السلام کی محبت ومتابعت کو پورا کیا یا آخر یہ بزرگوار جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ رحمۃ مطبوعہ امرتسر ص 263

مولانا عبیداللہ صاحب ارجح المطالب

صاحب ارجح المطالب بھی انھیں دونوں صاحبوں کے ہمرنگ ہیں۔ آپ مولیٰ کے معنی اولیٰ بالنفس قرار دیتے ہیں اور اپنی استدلال کی طولانی بحث کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ اس کے بعد حضرت صلعم نے حج نہیں کیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت اسی یا نوے روز بقید حیات رہے۔ تمام اہل سیر متفق ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت نے جناب امیرؑ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا تھا اور خالد بن

ولید کو بھی دوسرے لشکر کے ساتھ یمن کی طرف بھیجا تھا اور وقت روانہ کرنے دونوں لشکروں سے فرمادیا تھا کہ جناب امیر علیہ السلام ہی امیر سمجھے جائیں گے اور خالد بن ولید آپ کی ماتحتی میں کارروائی کرینگے۔ چنانچہ دونوں لشکر یمن میں مقام زبید پر جا ملے اور بنی زبید سے لڑائی ہوئی اور لشکر اسلام ظفر یاب ہوا۔ اور کفار کے زن و بچہ اسیر ہوئے۔ ان میں ایک لونڈی نہایت خوبصورت تھی۔ جناب امیرؑ اس کو اپنے تصرف میں لائے۔ یہ امر بعض لوگوں کو شاق گذرا جب دونوں لشکر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ چند آدمیوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جناب امیرؑ کی شکایت کی۔ حضرت صلعم نے بعض لوگوں کو اسی وقت جواب دیا کہ تم علیؑ کے پیچھے نہ پڑو علیؑ میرا ہے اور میں علیؑ کا ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا اولیٰ ہے۔ پھر جب حضرت حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت نے باقی لوگوں کے شکوک رفع کرنے کے لیے خطبہ میں جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد کیا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ یعنی تم لوگ جو اس کنیز میں تصرف کرنے کی نسبت شکایت کرتے ہو۔ وہ تو میری طرح مومنوں کے ہر ایک امر میں اولیٰ بالتصرف ہے کتب سیر و رجال اور تاریخ و احادیث میں اس واقعہ کی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے بھی صواعق محرقہ میں اس حدیث کے ارشاد کی یہی وجہ بتلائی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

فسبب ذلك كما نقله الحافظ شمس الدين محمد بن محمد الجزرى عن ابن اسحق ان علياً تكلم فيه بعض من كان معه فى اليمن فلما قضى صلى الله عليه وآله وسلم حجة خطبها تبيها على قدره ورد على من تكلف فيهم كبريده كما فى البخارى ان كان يبغضه فسبب ذالك ما صححه الذهبى انهم خرج معهم اليمن فراے منه جفوه نقصه للنبى صلى الله عليه واله وسلم فجعل ويتغير وجهه ويقول يا بريده الست اولىٰ بالمومنين من انفسهم قال بلى يا رسول الله صلعم قال من كنت مولاه فعلى مولاه۔

اس حدیث کے ارشاد ہونے کا سبب یہ ہے کہ جس کا ذکر حافظ شمس الدین محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسنی المطالب میں سیرۃ ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں نے جو جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ یمن میں گئے ہوئے تھے واپس آ کر جناب امیرؑ کی شکایت کی جب آنحضرت صلعم حج سے فارغ ہو کر واپس آئے تو لوگوں کو جناب امیر علیہ السلام کی شان اور منزلت پر مطلع کرنے کے لیے اور ان سندوں کے رد کرنے کے لیے آپ نے خطبہ ارشاد کیا اور جو لوگ شکایت کرتے تھے مثل بریدہ وغیرہ کے جن کا ذکر امام بخاری نے بھی کیا ہے کہ بریدہؓ ابتدا میں جناب امیر سے بغض رکھا کرتے تھے اور بغض کی وجہ یہ ہے کہ جس کی صحت حافظ

ذہبی نے کی ہے کہ بریدہؓ جناب امیرؑ کے ساتھ یمن کو گئے تھے۔راہ میں باہم کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی اس وجہ سے بریدہ جناب رسول خداصلعم کے حضور میں جناب امیر علیہ السلام کی شکایت کرنے لگے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا۔آپ نے فرمایا بریدہ کیا میں مومنوں کے لیے ان کی جان سے اولیٰ نہیں ہوں۔بریدہ نے عرض کی یارسول اللہ صلعم حضور بے شک اولیٰ ہیں۔حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

بعض محدثین نے اس حدیث کا سبب ارشاد یہ بیان کیا ہے۔

كان سبب ذلك ان اسامه بن زيد قال لعلى لست مولائى انما مولائى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فقال رسول الله صلعم من كنت مولاه فعلى مولاه (نقله شمس الدين مظفر الخلخالى فى المفاتيح شرح المصابيح)

اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ اسامہ بن زیدؓ نے جناب امیرؑ سے کہا تھا کہ آپ میرے مولا نہیں ہیں میرے مولا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جب یہ بات آنحضرت صلعم کو معلوم ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے (اس کو شمس الدین مظفر الخلخالی نے مفاتیح شرح مصابیح میں نقل کیا ہے)۔

لیکن وجہ اول زیادہ ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد دو دفعہ کیا ہو ایک دفعہ اس ارشاد کے محرک اسامہ بن زید ہوئے ہوں اور دوبارہ بریدہ اسلمیؓ کی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد علی رؤس الاشہاد بیان کیا ہو۔بہرحال یہ کہنا کہ حضرت امیر علیہ السلام حجۃ الوداع میں شریک ہی نہیں تھے۔یا یہ حدیث متواتر نہیں ہے یا مولیٰ کے معنی متعین کرنے میں چون وچرا کرنا بالکل سفاہت اور جنون ہے جو اکثر تعصب کے بڑھ جانے سے پیدا ہو جاتا ہے۔**واولوا الارحام بعضكم اولىٰ ببعض** میں لفظ ولی بغیر من کے مستعمل ہوا ہے۔اس تسویلات سے لوگوں کو فریفتہ کر کے راہ حق سے بے راہ کرنا نہ چاہیے۔ارجح المطالب جلد دوم 225

ہم نے زمانۂ حال کے تینوں مصنفین کی جدا جدا رائیں لکھ دی ہیں۔ان تاویلات مہملات کے موجد اول وہی بخاری صاحب جن سے پہلے کسی کے دماغ میں اس تاویل اور بے عقلی کی تخیل کا خیال بھی نہیں تھا۔یہ تاویلات ایسی مہمل ہیں جو کسی طرح نہ معیار نقل کے موافق اترتی ہیں اور نہ شعار عقل کے مطابق۔

معیار نقل کے مخالف ومعارض تو یوں ہیں کہ ان تینوں مصنفین میں سے کوئی صاحب بریدہ کے واقعہ کو اس کے سبب ارشاد قرار دینے میں یقین کامل نہیں رکھتے۔صرف احتمال ہی کی حد تک بتلاتے ہیں شبلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

قاضی محمد سلیمان صاحب۔ صاحب رحمۃ العالمین کے بھی یہی الفاظ بیان ہیں۔

خواجہ عبید اللہ صاحب۔ مصنف کتاب ارجح المطالب نے بریدہ کے ساتھ اسامہ بن زید کا واقعہ بھی لکھا ہے اور دونوں واقعات کو لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔ لیکن وجہ اول صحیح تر ہے۔ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد دو دفعہ کیا ہو۔ ایک دفعہ اس ارشاد کے محرک اسامہ بن زید ہوں۔ دوسری دفعہ بریدہ اسلمی کی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد علیٰ رؤس الاشہاد فرمایا ہو۔

یہ بیان بھی مشکوک۔ نا مستحکم اور بالکل مبہم ہے۔ ان دونوں توجیہوں میں۔ وجہ اول صحیح تر بتلائی جاتی ہے۔ لیکن وجہ دوم کی تردید و تکذیب پر جرأت بھی نہیں کی جاتی۔ اس لیے محض وہم و قیاس کی بنا پر دونوں روایتوں میں تجمیع کی ترکیب بھی داخل کی جاتی ہے۔ نقل و بیان کی یہ شان بالکل خلاف تحقیق ہے۔

مخالف نقل ہونے کی یہ صورت ہے۔ اب اس کی عقلی حیثیت ملاحظہ ہو۔ تو کوئی محدث۔ کوئی مفسر۔ کوئی مورخ۔ یہاں تک کہ خود بخاری صاحب بھی واقعہ غدیر اور اس ارشاد حدیث کی ذیل میں بریدہ اسلمی کے واقعہ شکایت کو یاد نہیں کرتے اور نہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طولانی خطبہ سے جس کو ہم نے توضیح الدلائل سے نقل کیا ہے۔ ان تمام خطبہائے مبارک کے کسی لفظ لفظ و حرف سے جس کا شبلی صاحب نے حجۃ الوداع کے ذکر میں مکہ معظمہ کے مختلف مقامات میں ارشاد ہونا نقل فرمایا ہے اور ان کو تمام کتب صحاح سے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ چن چن کر لکھا ہے۔ ان میں بھی کہیں بریدہ والی شکایت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہم ان تمام خطبات کو ان کے خاص خاص مقامات پر نقل کر چکے ہیں۔ ان سب میں زیادہ تر دینیات و اخلاقیات کے احکام ہیں۔ یا اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ محاسن سلوک قائم رکھنے کی تاکیدیں فرمائی ہیں۔ مکہ معظمہ سے لے کر جحفہ کے قیام تک۔ حرمت خون مسلمین۔ احترام شہر ہائے حرام۔ عظمت بیت الحرم۔ ادائے حقوق نسواں وغیرہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ حدیث ثقلین۔ **اوصیکم فی اھلبیتی۔ اذکروا فی اھلبیتی۔ فانظروا کیف تخلفونی فیھما کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی۔** وغیرہ ذالک الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جن سے خاص طور پر جناب علی مرتضیٰ کی خاص منقبت کا نہ کوئی اعلان پایا جاتا ہے اور نہ بریدہ اسلمی والی شکایت کا کوئی نام و نشان۔

اب اتنے شواہد صحیحہ وصریحہ کے مخالف ایک بے سروپا اور محض خبر بے مبتدا کی تاویل کو اس ارشاد کا باعث بتلایا گیا ہے۔ جس کو نہ عین موقع پر ارشاد فرمانے والے نے اپنے کسی خطبہ میں اشارتاً و کنایۃً بتلایا اور نہ ایک لاکھ چالیس ہزار سننے والوں میں سے کسی فرد واحد نے اس کی سماعت کا اظہار کیا۔ ہاں۔ وقت وقوع سے تقریباً سو دو سو برس بعد جب بدقسمتی اسلام کے اخبار و آثار تمام سیاسی نقطہ نظر سے قلمبند اور اصول عقائد بھی حکومت کی ضرورت استحکام کو مدنظر رکھ کر مرتب ہونے لگے۔ اور احکام دینیات فرامین سیاسیات میں جذب کر لئے گئے اور علمائے شکم پرور نے السنۃ قاضیۃ علی الکتاب (سنت قرآن پر حاکم ہے) کے اصول موضوعہ تمام معتقدات و مسلمات اسلامیہ میں قائم کر آئے تو اس وقت ان تمام مشاہدات اسلامی کی حقیقت اور اصلیت بدل گئی۔ ان کے حقیقی مدعا و مقاصد پر انواع و اقسام کے مصنوعات سے نقاب پوشی کی گئی اصل واقعات حقیقت مٹائے گئے۔ گھٹائے گئے اور چھپائے گئے۔ اور جب یہ کوئی صورتیں ممکن نہ

ہو سکیں تو ان کے مفہوم بدلے گئے۔ اصل مطالب کچھ سے کچھ کر دیئے گئے۔ یہ بھی امکان سے باہر دیکھا گیا تو تاویلات رکیکہ سے کام لیا گیا۔ انھیں موضوعات کثیرہ میں سے بریدہ اسلمی کے واقعہ شکایت کو حدیث غدیر کے ارشاد کا باعث بتلانا بھی داخل ہے۔

ہم نے واقعات غدیر کی ابتدائی تفصیل میں پہلے قرآن مجید کی نص صریح کو متعدد محدثین ومفسرین کے اقوال متواترہ سے لکھ دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ ان نصوص اور آیات مخصوص کا نزول خم غدیر کے خاص موقع پر ہوا ہے پھر ہم نے ان احکامات الٰہیہ میں نصوص احادیث درج کئے ہیں۔ اس تفصیل وتصریح کے ساتھ کہ حکم خدا پاتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہتمام خاص سے ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کو جمع فرما کر (آگے چلے جانے والوں کو واپس بلوا کر اور پیچھے رہ جانے والوں کے پہنچ جانے تک کا انتظار کر کے) ایک طولانی خطبہ میں حدیث غدیر ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد محدثین۔ مفسرین ومورخین کے متعدد اقوال وآراء سے اس واقعہ کا متواتر ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اور بتلا دیا ہے کہ حکم قدرت کے مطابق شہنشاہ رسالت کے اس اہتمام انتظام کا مدعائے خاص جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ولایت وامامت کا اعلان تھا۔

اب انصاف پسند اور حقیقت میں ناظرین ولایت وامامت کی اہمیت وضرورت کو ایک طرف رکھیں اور بریدہ اسلمی کی شکایت والے معمولی واقعہ کی مقدار حیثیت کو ایک طرف۔ دونوں کے معائنہ کے بعد خود تجویز فرمالیں اور تصفیہ کر لیں کہ آنحضرت صلعم کا اتنا بڑا عظیم الشان اہتمام۔ مقام خم کے ایسے ویران ریگستان اور محض غیر معروف بیابان میں دفعۃً آپ کا قیام۔ ایک معمولی شخص کی رفع شکایت کی غرض وغایت کے ساتھ منطبق ہوتا ہے اپنے بعد اپنے مقرب ترین عزیز کو اپنا قائمقام اور جانشین مقرر فرمانے کی ضرورت واشاعت کے ساتھ موزوں ہوتا ہے پھر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی تصفیہ کر لیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کا خطاب تہنیت بخ بخ لك یا ابا الحسن اصبحت مولائی ومولا کل مومن و مومنة بریدہ کے واقعہ شکایت کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ یا جناب امیر علیہ السلام کی امامت وامارت کے ساتھ موزوں ہوتا ہے۔

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ تنہا اسی تاویل قیاسی پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ اس واقعہ کی حقیقت چھپانے اور مٹانے میں کوئی امکانی قوت اٹھا نہیں رکھی گئی۔ بعض نافہموں نے سرے سے اس واقعہ کے وجود ہی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تو حجۃ الوداع میں شریک ہی نہیں تھے۔ پھر امامت اور امارت کس کی؟ بعض نافہموں نے صورت واقعہ اور مقام وقوع ہی کو بدل دیا ہے۔ اور بریدہ اسلمی کے واقعات شکایت کی مقدار سے بھی گھٹا کر۔ اسامہ بن زید کی نزاع لفظی کو اس کا باعث ٹھہرایا ہے۔ بعض کج بحثوں نے مولا کے معنی بتلانے میں ذہن ودماغ خالی کر کے عربی ادب کو بھی بدنام کر دیا ہے۔ بعض کوتاہ بینوں نے من کنت مولاہ میں حرف من کے استعمال کو قرآن مجید کی ترکیب زبان کے خلاف ٹھہرایا ہے اور آیہ لوالارحام بعضکم ولی ببعض کو استدلالاً پیش فرمایا ہے تو کار زمین رانکو ساختی کہ بر آسمان نیز پرداختی۔

گویا۔ افصح العرب والعجم کے ادبی کمال کو ناقص بتلایا ہے۔ اعوذ باللہ من ھذہ الھفوات۔

لیکن خیریت تھی کہ صاحب ارجح المطالب نے خود ان تمام توہمات باطلہ کی ایسی تردید کر دی ہے کہ مجھے مزید تنقید کی ضرورت

نہیں رہی۔ان کی عبارت حسب ذیل ہے۔

بہرحال یہ کہنا کہ جناب امیر علیہ السلام حجۃ الوداع میں شریک ہی نہیں تھے یا یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔یا مولیٰ کے معنی میں چوں و چرا کرنا بالکل سفاہت اور جنون ہے جو اکثر تعصب کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتا ہے یا اولو الارحام بعضکم اولی ببعض میں اولی بغیر من کے استعمال ہے۔ایسی تسویلات سے لوگوں کو فریفتہ کر کے راہ حق سے بے راہ نہ کرنا چاہیے۔ ؎

کر گئے احمدؐ غدیر خم میں حیدرؑ کو امام
لوگ مانیں یا نہ مانیں بات ہے مانی ہوئی

(مولف عفی عنہ)

وفات جناب سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

28 صفر یا 12 ربیع الاول 11 ہجری

(آغاز سال یازدہم ہجری)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

تمام چیزیں فنا ہوجانے والی ہیں صرف ذات اقدس ذوالجلال والاکرام باقی رہ جانے والی ہے۔

اسلام نے جس طرح ذات الٰہی کی توحید وتفرید کے شعبوں کو تمام داخلی اور خارجی۔ آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کردیا تھا اسی طرح مسئلہ فنا و بقا کے متعلق بھی حدوث وقدم اور ازلیت وعارضیت کی حقیقت کا بھی انکشاف فرمادیا تھا اور بتلادیا تھا کہ قدم و ازلیت ذات الوہیت کے ساتھ مخصوص ہیں اور حدوث وعارضیت نفوس مخلوقات کے ساتھ ضروری اور لازمی۔ اسی بنا پر انك ميت و انهم ميتون۔ (تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی) کے حکم محکم۔ كل شئي هالك الا وجهه (سوائے ذات خدا کے سب ہلاک ہونے والے ہیں) کے امر مسلم (كل من عليها فان (سب فانی ہونیوالے ہیں) کے لازمی فرمان بطور عام بھیج کر حاکم قضا وقدر نے خاص طور پر بتلادیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اور سراپا نورانی ہستی بھی ایک دن ضرور فانی ہونے والی ہے۔ وہ دن آگئے تھے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی اس امر ناگزیر کی خبر ہوچکی تھی اسی امر کی تعمیل وبجاآوری کی غرض سے حجۃ الوداع کے مہتمم بالشان انتظامات مرتب ومکمل فرمائے گئے تھے اور اس حج کو خاص کر حج آخر بتلا کر اس کے تمام مناسکات میں دینیات واخلاقیات کی تفصیل وتصریح کے متعلق مختلف اور متعدد مقامات میں خطبات ارشاد فرمائے گئے تھے اور ان کے بیانات میں دنیا سے مفارقت فرمانے کی طرف کھلے الفاظ میں تلمیح وارشادات فرمادی گئی تھی اور خم غدیر کے مشہور موقع تک پہنچ کر دینیات واخلاقیات کی تعلیمی ضروریات کو پورا فرما کر سیاسیات۔ اور نظم بلا دور عایائے اسلامی کی نسبت بھی وہ تمام لوازم ومراسم بتلادیئے گئے اور خود عملی طور سے ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کے مجمع عام کی دونوں آنکھوں کے سامنے دکھلادئے گئے جو ایک ناشر شریعت اور حاکم حکومت اپنے بعد اپنے نظم ونسق ملکی کے آئندہ انتظام وقیام کی نسبت اختیار کرتا ہے۔ اعلان وفات کی ان ضرورتوں کے ساتھ بہت بڑا حقیقی اور اصلی مدعا اس امر کی تعلیم دینا اور اس بات کا یقین کرانا تھا کہ باوجود مرتبۂ رسالت کے ذات نبوت بھی ایک فانی ہونے والی ہستی تھی۔ نہ عیسائیوں کے گمراہانہ اور کافرانہ یقین واعتماد کی طرح الوہیت میں شامل اور ازلیت میں داخل ہونے والی۔

ان ضرورتوں کے علاوہ۔ فرائض منصبی جو قدرت کی طرف سے اس متمم رسالت کو خاص طور پر سپرد فرمائے گئے تھے وہ من احسن الوجوہ تعمیل وتکمیل پاچکے تھے۔ توحید خالص کی تعلیم کامل ہوچکی تھی۔ خوف الٰہی تقویٰ اور پرہیزگاری کے دستور جاری ہوچکے تھے۔

اخلاق۔تمدن اور معاشرت کی ترتیب ودرستی۔کرداروا طوار کی شائستگی کے احکام وقوانین ہو چکے تھے۔ملک وقوم میں امن وامان اور آرام واطمینان قائم ہو چکے تھے۔ہر قرینہ اور ہر طریقہ سے اس آخر رسالت اور خاتم نبوت سے جوراز ھائے قدرت تھا اور منشائے مشیت۔وہ بھی پورا ہو چکا تھا۔اب رضائے الٰہی کو زیادہ تکلیف دہی منظور نہیں تھی۔ بلکہ اپنی محنت وریاضت شاقہ کے بعد اپنے رسولؐ کو بار فرائض سے سبکدوش کر کے نعمت ہائے قادس سے بہرہ اندوز فرمانا مقصود تھا۔

سورۂ فتح میں اس تقدیر الٰہی کی طرف اشارت ہو چکا تھی اور فسبح بحمد ربك واستغفره کے صاف الفاظ میں اس کا حکم صریح نازل ہو چکا تھا (بخاری باب التفسیر۔طبری۔ابن خزیمہ۔ابن مردویہ) اس بنا پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر وعبادت معمول سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ہر سال رمضان المبارک کے آخرعشرہ میں اعتکاف کیا جاتا تھا۔اس سال دس روز کی جگہ بیس روز تک مسجد میں اعتکاف فرمایا گیا۔ہر سال ماہ صیام میں ایک بار پورا قرآن روح الامین کی زبانی سن لیا جاتا تھا۔اب کی سال دوبار قرآن مجید کی ساعت روح القدس سے فرمائی گئی پھر آخر سال میں حجۃ الوداع کے موقع پر تو آنحضرت صلعم نے اس ارادۂ الٰہی کو آپ نے ان الفاظ میں صاف صاف بیان کر دیا کہ۔

مجھے امید نہیں ہے کہ آئندہ سال پھر میں (اس مقام پر) تم لوگوں سے مل سکوں۔

بعض روایتوں میں آپ کے الفاظ اطلاعی یہ تھے۔

شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں۔

زیارت شہدائے احد

حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ میں تشریف لائے۔تو جنت البقیع میں شہدائے احد کے مزاروں پر تشریف لے گئے۔یہ مصیبت نصیب غریب وہی مظلوم تھے جو اب تک نماز جنازہ سے محروم تھے۔اور اسلامی غزوات میں ایک یہی معرکۂ جنگ ایسا ثابت ہوتا ہے جس میں مسلمانوں نے بڑی مصیبت اور غربت سے اپنی جانیں خدا کی نذر کر دی تھیں ان کے رفقاو مددگار بھی اسی بلاؤ مصیبت میں ان سے گرفتار تھے کہ ان کی اس آخری خدمتوں کو بھی انجام نہ دے سکے۔اس کی یاد اس کی حسرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل دردمند میں ہر وقت نشتر زن تھی۔مدینہ میں آ کر خاطر قدسی آثر میں یہ آیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر تو قریب قریب تمام اہل اسلام کو آخری بار دیکھ لیا۔اور الوداعی ملاقات کر لی۔شہدائے احد وہاں کہاں تھے کہ ان سے بھی لقائے ظاہری کئے جاتے۔لیکن چونکہ شہدائے احد (لیکن وہ تو زندہ ہیں) زندہ جاوید ہیں اس لیے ان سے مل لینا بھی ضروری ہے۔اس لقائے روحانی کے اشارے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمعیت صحابہ کے ساتھ جنت البقیع کا قصد فرمایا۔شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی زمانہ میں آپ ان کی (شہدائے احد) قبر پر تشریف لے گئے۔اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو رخصت کیا جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو وداع کرتا ہے اس کے بعد ایک خطبہ دیا۔جس میں فرمایا۔میں

تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے۔ لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔ اور اس لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو تو پھر اسی طرح تم بھی ہلاک ہو جاؤ۔ جس طرح تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے۔ سیرۃ النبی ص134 جلد دوم

اکثر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدائے احد کی یہ خدمت کچھ ایک ہی بار پر موقوف نہیں رکھی گئی بلکہ اس وقت سے لے کر زمانۂ وفات تک کئی بار جنت البقیع میں تشریف لے جا کر شہدائے احد کی یاد فرمائی اور عزت افزائی کی گئی۔

جیش اسامہ کا حکم اول

11 ہجری کا محرم تمام ہو کر صفر کا مہینہ بھی نصف سے زائد گزر چکا تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان غدار اور خونخوار عربوں کی سزا دہی اور گوشمالی کا قصد فرمایا۔ جنھوں نے زید بن حارثہ کو حدود شام میں محض بے قصور و بے گناہ قتل کر ڈالا تھا۔ فرامین و مکتوبات رسالت کے باب میں حدود شام کی سفارت اور زید کی شہادت کے تفصیلی حالات قلمبند ہو چکے ہیں۔ شبلی صاحب اس موقع پر صرف اتنا ہی لکھتے ہیں۔

آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہ بن زید کو مامور کیا وہ فوج لے کر (اہل شام کی طرف) جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔ 18 یا 19 صفر 11ھ میں آدھی رات کو آپ جنت البقیع (جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا) تشریف لائے۔ وہاں سے واپس آئے تو مزاج ناساز ہوا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص153

افسوس ہے کہ شبلی صاحب ایسا اختصار فرما دیتے ہیں کہ ان کے اصلی موضوع تالیف میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے ابھی بھی شہدائے احد کے حالات میں اخلاق نبویہ کے مفصل بیان خود تحریر فرما چکے ہیں۔ اس بنا پر ضرور تھا کہ مومنین مدفونین جنت البقیع کے لیے دعا و مناجات میں جو کلمات ارشاد فرمائے گئے تھے وہ لکھ دیئے جاتے کہ ان کے شرف و وقار خاص اور ان کے ساتھ آپ کے اشفاق و اخلاق مزید کا کامل اظہار ہو جاتا بہرحال ہم اس کی تفصیل کو محدث شیرازی کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

> از عائشه مروی ست که گفت شبے از خواب برآمدم و رسول صلعم را ورجامه خواب نیا فتم از عقب آن سرور بیرون رفتم دیدم که در بقیع درآمد گفت السلام علیکم دار قوم مومنین انتم لها فرط وانا بکم لا حقون اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم اللهم اغفر لا هل البقیع الغرقد۔ وروایتے آنکه عائشه گفت در اول شبے بود که آنحضرت صلعم از جامه خواب برجست دروان شد گفتم پدر و مادرم فدائے تو باوبکجا می روی گفت مامور گشتیم باستغفار برایے اہل گورستان بقیع۔ وابو رافع و بروایتے ابو مویہبه و بروایتے ہردو

که آزاد کرده وے بودند با خود یسرو۔ ابو مویہبه گوید آمد به بقیع و بجہت اہل آن مقبره زمانے طویل استغفار نمود و چندان دعائے خیر کرد بر ایشان که آرزو کردم که کاشکے من ہم از اہل آن گورستان بودمے تا شرف آن دعا را یافتمے۔ آنگاه فرمود گوارا بادت آن نعیم که در آید۔ ودور آید از آن فتنہا که مردم در آنند۔ نجات داده است خداوند تعالیٰ شمار از آنکه رو بمردم دارد و فتنہا ہمچون قطعہائے شب تاریک اتد آخر آن باول ان متصل است۔ آخر آن فتنہا بدتر است از اول۔ بعد از ان رو بمن کرد۔ وگفت اے بو مویہبه۔ خزائن دنیا را برمن عرض کردند و مرا مخیر ساختند میان آنکه در دنیا باقی باشم و بعد از آن بہشت را اختیار بکنم میان لقائے پروردگار خود بعد از ان به بہشت گفتم یا رسول اللّٰه پردو مادرم فدائے تو باد خزاین دنیا و بقائے آن و بعد ازان بہشت را اختیار بکن فرمودنه۔ بتحقیق که لقائے پروردگارِ خویش و بہشت را اختیار کردم۔ وچون ازا نجا باز گشت مریض شد۔ و منقولست از عطاء بن یسار که گفت رسول اللّٰه راشبے گفتند برو به بقیع و جہت اہل آن مقبره استغفار کن۔ حضرت رفت و استغفار نمود و باز گشت دور خواب شد باز زیادے گفتند برو برائے اہل بقیع استغفار کن باز رقت و طلب آمرزش۔ نمود و باز گشت و باستراحت مشغول شد باز بادی گفتند برو برائے شہدائے احد دعائے خیر بتقدیم رسان حضرت صلعم بکوه احد رفت و درشان شہدائے احد دعائے خیر بتقدیم رسانید و مرآن حضرت را صواع گشته و سر خود را بعصابه بربسته بود۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک بار رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے جناب رسول خداصلعم کو فرش خواب پر نہ پایا میں اٹھی اور آپ کی تلاش میں باہر نکلی۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔سلام ہو تم پر مومنین کے گھروں۔تم اس وقت ہم سے جدا ہو۔لیکن ہم تم سے بہت جلد آکر ملنے والے ہیں پروردگار تو ان کے ثوابوں سے ہمیں محروم نہ رکھنا۔ پروردگار بقیع غرقد کے مدفونین کی آمرزش کرنا اور ایک روایت میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفعۃً فرش خواب سے اٹھ کر باہر جانے لگے تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضور اس وقت کہاں تشریف لیے جاتے ہیں ارشاد ہوا کہ بقیع غرقد کے مدفونین کی طلب

آمرزش کے لیے خدا کی طرف سے مجھے حکم ہوا ہے اس کے بعد ایک روایت کے مطابق ابورافع یا ابومویہیہ اور دوسری روایت کے مطابق دونوں کو جو آپ کے غلام تھے آزاد کردہ ہمراہ لے کر بقیع کی طرف روانہ ہوئے۔ابومویہیہ کا بیان ہے کہ آپ بقیع میں تشریف لا کر بڑی دیر تک وہاں کے مدفونین کے لیے استغفار وطلب آمرزش فرماتے رہے اوران کے لیے اتنی دعائے خیر کرتے رہے کہ مجھے بڑی حسرت آئی کہ کاش میں بھی ان مرنے والوں میں ہوتا تو اس وقت آپ کی اس دعاومناجات کی شرفیابی کا مستحق ہوتا۔دعا کے بعد آپ نے مدفونین جنت البقیع سے خطاب کر کے کہا خوشا حال تمھارا کہ تم لوگ خدا کی نعمتوں پر فائز ہوا اوران تمام فتنہ وفساد سے دوراور علیحدہ ہو جس میں اہل دنیا مبتلا اور گرفتار ہیں تم لوگ وہ ہو خدا جن کونجات دے چکا ہے اوراب تم کو کسی سے امید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔دنیا کے فتنہ وفسادات کی تاریکی کی مثل ہیں اول حصہ آخر حصہ سے ملا ہوا ہے اورآخر حصہ ان کا اول سے بھی بدتر ہے ابومویہیہ کا بیان ہے کہ یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلعم مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے اے مویہیہ۔خداوند عالم نے مجھے دولت دنیا پر فائز ہو کر داخل بہشت ہونے اورلقائے پروردگار پر فائز ہو کر داخل ہونے کی حالتہائے مشروطہ میں اختیار دیا ہے اوراستفسار کیا ہے کہ میں جس شرط کو چاہوں اختیار کروں ابومویہیہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ آپ دولت دنیا پر فائز ہو کر داخل بہشت ہونے والی شرط کو اختیار فرمائیں۔آپ نے فرمایا۔نہیں میں تو حاضری بارگاہ الٰہی کی شرط کو قبول کر چکا اورعطاء بن یسار سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت حکم آیا کہ جنت البقیع کے مردوں کے لیے دعا کرو۔چنانچہ آنحضرت صلعم وہاں تشریف لے گئے اورحسب الحکم ان کے لیے طلب آمرزش اوردعائے استغفار فرمائی اورواپس آ کر سورہے۔پھر حکم آیا کہ باردیگر جاؤ اوراہل بقیع کے لیے دعائے آمرزش کرو۔حسب الحکم آپ خود اٹھے اوردعائے مغفرت کی اورواپس ہوئے اوراستراحت فرمائی پھر حکم آیا کہ جاؤ کوہِ احد پر اورشہدا کے لیے دعائے خیر کرو آپ پھر کوہِ احد پر تشریف لے گئے اورشہدائے احد کے لیے دعائے خیر اورطلب آمرزش فرما کر دولت سرا میں واپس آئے اسی وقت سے دردسر میں مبتلا ہوئے۔(روضۃ الاحباب)ص545

ابتدائے مرض اور حضرت عائشہؓ سے اظہار مرض

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس دعا ومناجات سے مدعا کیا تھا۔ وہی جو ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ ان بزرگواروں کے احوال اور محاسنِ خدمات پر مزید اشفاق واخلاق کا اظہار۔ ان کی قدر وعظمت کا اعلان۔ اور بالکل زندوں کی طرح ان مردوں (رضی اللہ عنہم) سے سلام الوداع اور پیام الفراق۔

تمام محدثین ومورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات کو یہ واقعہ گذرا۔ صبح کو اٹھے تو سر میں شدید درد تھا۔ شدت درد سے آپ نے رومال سے سر باندھ لیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ خود بیان فرماتی ہیں۔

> ابتدائے مرض آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم درخانہ میمونہ بودودرروز نوبت او ازانجا بخانہ من آمدو از اتفاق مرانیز صداع طاری گشتہ بودومی گفتم وارا ساہ۔ فرمود چہ ضرر بود ترا اے حمیرا کہ پیش من از دنیا بروی ومن تجہیز وتکفین تو نمائم وبرتو نماز گزارم عائشہ گوید از روئے غیرت گفتم یا رسول اللّٰہؐ تو این معنی رامیخواہی وگمان من اینست کہ درہمان روز کہ از دفن من فارغ بشوی بازن دیگر درخانہ امن عروسی بکنی۔ حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم متبسم شد وفرمود بل انا وارساہ یعنی اے عائشہ درد سر توبہ می شود ولکن درد سر من دریست کہ خلاصی ازان مشکل است۔ ودرآن سخن اشارتے بود برآنکہ درآن مرض از عالم خوابدرفت۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتدا میمونہ کے گھر سے ہوئی وہ انھیں کی باری کا دن تھا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ اس دن میمونہ کے گھر سے ہو کر میرے گھر میں آئے۔ اتفاق سے مجھے بھی اس دن دردِ سر تھا اور میں بھی سر پکڑے کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ہائے میرا سر آپ بھی دردِ سر کی اسی حالت میں تشریف لائے۔ بیٹھے اور مجھ سے فرمانے لگے اے عائشہؓ کیا اچھا ہوتا کہ تم میرے سامنے دنیا سے گذر جاتیں، تو میں تمھاری تجہیز وتکفین کر کے تم پر نماز پڑھتا۔ عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ازارہ غیرت کہا کہ یا رسول اللہؐ شاید اس سے آپ کی یہ خواہش اور میرا یہ گمان ہے کہ آپ مجھے دفن کر کے اس روز ایک نئی عورت میرے ہی گھر میں بیاہ کر لائیں گے۔ یہ سن کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا۔ لیکن افسوس ہے میرے سر کا درد وہ درد ہے جس سے نجات مشکل ہے۔ آپ کے اس کلمہ میں صاف اشارہ تھا کہ آپ اسی مرض میں انتقال فرمائیں گے۔ روضۃ الاحباب ص546

تاریخ ابوالفدا میں اس واقعہ کے یہ الفاظ ہیں۔

عن عائشه قالت جآء رسول الله صلعم وبی صداع وانا اقول وا راساه وقال بل انا والله یا عائشه ثم قال ما ضرك قبل فقمت علیك و كفتك و صلیت علیك و د فنتك فقلت كاني بك والله لو فعلت ذلك فرجعت اے بیتی فعرست ببعض نسآئك۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ بعدازاں جناب رسول خدا صلعم میرے یہاں تشریف لائے اس وقت میں دردسر کی شدت سے واہ راساہ کہہ کر کراہتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے میری یہ حالت دیکھ کر فرمایا واللہ اے عائشہؓ میں خود دردسر میں مبتلا ہوں۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا اے عائشہؓ اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تو تمھیں کیا ضرر ہے میں تمھاری تجہیز وتکفین کا کفیل ہوں گا۔ کفن دے کر اور نماز پڑھ کر تم دفن کو کردوں گا۔ یہ سن کر میں نے کہا واللہ میرا گمان تو یہ ہے کہ میری تجہیز وتکفین سے فارغ ہوتے ہی آپ میرے ہی گھر میں کسی دوسری بی بی سے ہم صحبت ہوں گے۔ احمدی ص 92

بیماری اور حضرت عائشہؓ کے گھر تیمارداری

شبلی صاحب کی تحقیق میں یہ صفر 11ھ کی انیسویں تاریخ تھی اور بدھ کا دن۔ مورخ ابوالفدا کہتے ہیں۔

وابتداء ابرسول الله صلعم مرضه فی اواخر الصفر

جناب رسول خدا صلعم کے مرض کا آغاز صفر کی آخری تاریخوں میں ہوا۔

صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے مرقومۂ بالا گفتگو ہونے کے بعد پھر آپ حضرت میمونہؓ کے گھر واپس گئے اس لیے کہ وہ دن انہیں کی باری کا تھا۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

آپ اسی حالت (مرض) میں بھی از راہ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ پیر کے دن 24 رصفر مرض میں شدت ہوئی۔ ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ کے گھر میں قیام فرمائیں۔ خلق عظیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہیں تھی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن پیر کے دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؑ اور عباس دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ کے حجرہ میں لائے۔ سیرۃ النبی جلد دوم

شبلی صاحب کی بڑی مہربانی کہ آپ نے آزادی سے اس واقعہ میں حضرت علیؑ کا ذکر کردیا ورنہ حضرت عائشہؓ تو اس واقعہ میں حضرت علیؑ کا نام لینا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ ملاحظہ ہوں طبری کے الفاظ۔

عن عبید اللہ بن عباس بن عائشہ قالت فخرج رسول اللہ صلعم بین رجلین من احدھما الفضل بن عباس ورجل اخر تخط قدماہ الارض عاصبا راسہ حتی دخل بیتی قال عبید اللہ حدثت ھذا الحدیث عبد اللہ ابن عباس فقال ھل تدری من الرجل قلت لا قال علی ابن ابی طالب ولکنھا لا تقدر علی ان تذکرہ بخیرہ۔

عبیداللہ بن عباس سے حضرت عائشہؓ کی زبانی مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلعم اسی حالت (مرض) میں فضل ابن عباس اور ایک دوسرے مرد کے سہارے سے اس حالت میں میرے گھر میں تشریف لائے کہ سر مبارک رومال سے بندھا ہوا تھا اور چلنے میں دونوں پاؤں کی رگڑ کا نشان زمین پر پڑتا جاتا تھا۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر عبداللہ بن عباس سے کیا تو انھوں نے کہا تم جانتے ہو وہ دوسرا مرد کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا میں نے کہا نہیں۔ ابن عباس بولے کہ وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ لیکن عائشہ اس پر قادر نہیں تھیں کہ علیؑ کا ذکر خیر کے ساتھ کریں۔

بہر حال شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے آخری نماز جو پڑھائی وہ مغرب کی تھی۔ ج 2 ص 136

شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ربطی

یہاں سے شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ربطی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ آپ حضرت ابوبکر کی پیش نمازی کی تصدیق کی دھن میں اور اس کی تعیین وقت کے خیال میں ایسے وارفتہ ہوگئے ہیں کہ تقدیم و تاخیر واقعات کی بھی خبر نہیں۔ پیش نمازی کے بعد واقعہ قرطاس کو فوراً بیان کردیا ہے۔ اس عجلت کی غرض وغایت یہ ہے کہ جلدی سے رسالت ختم ہوجائے اور خلافت مل جائے۔ واقعہ قرطاس کے لکھ دینے سے دوسری غرض خاص یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ جمعرات کا واقعہ قرار پاتا ہے۔ اس طرح مدت پیش نمازی بھی بڑھ جاتی ہے جو آپ کا خاص مدعا ہے وہ محض بیکار و بیجا ہے۔ ان سے کام چلے گا اور نہ چلا ہے۔ یہ ترتیب آپ کی محض خودغرضانہ ہے اور غیر متدیانہ۔ نہ واقعات اس سلسلہ و ترتیب سے واقع ہوئے اور نہ آج تک کسی مورخ یا اہل سیر نے اس ترکیب سے اس کو لکھا۔ اس لیے مجھے شبلی صاحب کی تقلید خودغرضی کی ضرورت نہیں۔ جو ترتیب و ترکیب متقدمین اہل سیرت و تاریخ نے قائم کی ہے میں اسی کی نقل کو

کافی سمجھتا ہوں۔

شدت مرض اور صبر وسکون آنحضرت صلعم

مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ابھی تک صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کو صرف دردسر کی شکایت پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ تپ شدید میں بدل ہوگئی چنانچہ صاحب روضۃ الاحباب حضرت ابن مسعود کی اسناد سے لکھتے ہیں۔

به ثبوت پیوسته که عبد الله بن مسعودؓ گفت درآمدم نزد آنحضرت صلعم و او تپ شدید داشت دست بروے مالیدم۔ چنان گرم بودکه دستم تحمل آن حرارت نه داشت و از ابوسعید خدری منقول است که گفت درآمدم نزد آنحضرت صلعم قطیفه برخود پوشیده بود حرارت تپ ویرانه بالائے قطیفه درمی یافتم و دست ماتحمل آن نه داشت که دست بے واسطه ببدن آنحضرت صلی الله علیه وآله وسلم برسانم ازروے سخت تراز ابنیانیست و چندانکه بلائے ایشان مضاعف است اجر ایشان نیز مضاعف است و بعضے ازایشان کا حق تعالیٰ مبتلا ساخته بفقر و درویشی تابحدے که از ملبوس قادر نه بودے برجزیک عباکه شب و روز ہمان بوشیدے و فرح بعضے از نبیا زیاده بوود از فرح شما بعطا (روضۃ الاسباب ص 547)

بسند صحیح عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں ایام علالت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کو گیا۔ دیکھا کہ آپ کو شدید بخار لاحق ہے۔ میں نے جسم مبارک پر ہاتھ رکھا تو اتنا گرم پایا کہ مجھے اس حرارت کی برداشت کا تحمل نہیں رہا۔ ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں جب آپ کی عیادت کو گیا تو آپ لحاف اوڑھے ہوئے تھے اور بخار کی حرارت بالا پوش کے اوپر سے محسوس ہوتی تھی اور اتنی شدید حرارت تھی کہ میں بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر اپنا ہاتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے یہ حال دیکھ کر استعجاباً۔ سبحان اللہ کہا۔ فرمایا کہ بنی انسان میں کسی فرد واحد پر انبیاؑ سے زیادہ تکلیف و بلا نہیں ہوتی۔ جتنی ان کی بلا ومصیبت زیادہ ہوتی ہے اتنے ہی ان کے اجر وثواب بھی زیادہ ہوتے ہیں انبیاؑ کے گروہ میں بعض حضرات انبیا کو فقر وافلاس کی ایسی حالت میں مبتلا فرمایا گیا ہے کہ فی عمرہم ان کے پاس سوائے ایک عبا کے دوسری عبا پہننے کے لیے میسر نہیں تھی۔ لیکن انبیا اس مصیبت وبلا میں اس سے زیادہ مسرور الحال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تم حصول عطاونعمت کے وقت مسرور ہوتے ہو۔

اشتداد مرض اس کی ایذا و تکلیف کو آپ باعث اجر و ثواب ہمیشہ بتلاتے رہے، اور درد و مصیبت میں صبر و سکون ۔ رضا و تسلیم کی روحانی تعلیم و ہدایت فرماتے رہے۔ چنانچہ روضۃ الاحباب میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

از عائشه صدیقه منقول است که گفت رسول اللّٰه صلعم در مرض موت بسیار اضطراب می مود و برفرش خویش منقلب می شد گفتم یا رسول اللّٰہؐ اگر مثل این حالت از کدام ماور وجود آید ہر آئینه که بروے غضب نمائی فرمودا ے عائشه مرض من بغایت صعب است و بدرستی که خدا تعالیٰ بلا بر مومنان و صالحان بسیار صعب و شدیدمی فرستد و ہیچ مومن نبا شد که بوے بلا و ایذا برسد حتی که خارے که درپاے وے بر د دالا ئکه حق تعالیٰ آن سب درجه براے آن بلند گرداند و خطیه وے کم کند

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض میں سخت بے چینی تھی اور شدت مرض سے فرش علالت پر آپ برابر کروٹیں بدلا کرتے تھے میں نے خدمت مبارک میں عرض کی کہ یہ حالت اگر ہم لوگوں پر طاری ہوتی اور ہم سے ایسی بے چینی جاری ہوتی حضور ہم پر ضرور عتاب فرماتے۔ ارشاد ہوا کہ خداوند عالم بندگان مومنین وصالحین پر سخت مصیبتیں نازل فرماتا ہے کوئی بندۂ مومن ایسا نہیں ہوتا کہ اس کو کوئی نہ کوئی ایذا نہ پہنچتی ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک کانٹا بھی پاؤں میں گڑ جائے تو اس کے لیے بھی اس کے مدارج میں اضافہ ہوگا اور خطاء و گناہ میں ازالہ۔

انصار کے متعلق مہاجرین کو اور مہاجرین کی نسبت انصار کو اتحاد و سلوک کی وصیت

مرض میں شدت ہوئی اور تکلیف روز بروز بڑھتی گئی۔ جسم مبارک کی طاقت گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ نشست و برخاست بھی مشکل ہوگئی۔ لیکن اس ضعف و اضمحلال شدت مرض اور نقاہت جسم کی خاص حالتوں میں بھی وہ ہادی دو جہاں ۔ وہ رہبر عالم فرائض رسالت ۔ لوازم نبوت ۔ ہدایت مومنین اور وصیت مسلمین کو نہ بھولا ۔ چہار شنبہ کا دن بھر مرض کی خاص شدت میں گذارا اور پنج شنبہ صبح تک اس میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مشکوں سے غسل فرمایا۔ غسل فرمانے سے حرارت میں کسی قدر کمی آئی اور طبیعت میں قدرے سکون ہوا۔ تو آپ حضرت علیؑ اور حضرت عباس کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے حافظ جمال الدین محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلعم از خانه بیرون آمد با مردم نماز گذارد و خطبه خواند و بعد از حمد و ثنائے خداوند تعالیٰ و استغفار برائے شہدائے احد فرمود۔ بدرستیکه الفصار خاصه من

ومحل اسرار من اندبا ایشان ہجرت کردم و مرا جائے داوند۔ نیکون ایشان راگرامی وارید و از بدایشان درگزرانید مگر حدے از حدود اللّٰہ و روایتے آئکہ فرمودائے گروہ مردمان بدرستیکہ شما زیادمی گردید و انصارکم خواہند شد بآن خدائیکہ نفس من بید قدرت اوست کہ من ایشان رادوست بیدارم انچہ برایشان بود بتقدیم رسایندند و حق مواساۃ و جوانمردی بجا آوردند واکنون انچہ ایشان رابشما ست باقی ماندہ۔ پس بانیکان ایشان نیکوئی بکنید و از بدایشان عفو نمائید وروایتے آنکہ چون انصار دیدنکہ مرض حضرت روزبروز زیادہ میگردددرخانہ خویش صبروآرام نداشتند حیران وسراسیمہ گرد مسجد نبوی می گشتند عباس بن عبد المطلب درآمد و حضرت را از حال انصار اعلام کرد و باز فضل بن عباس آمد و حال انصار رابعرض رسانید پس علیؑ بن ابی طالب بیا مد و مثل آن اعلام نمود و حضرت دست خود برداشت حضرت رامدد داند تابنشست وفرمود انصار چہ گویند علیؑ گفت می گویند می ترسیم کہ پیغمبر از دنیا نقل بکند و نمیرانیم کہ حال ما بعد ازدے چہ خواہد شد پس سید عالم برخاست و دستے بردوش علیؑ دوست دیگر بردوش فضل انداخت و پاپہائے اوبر زمین می کشید و عباس پیش آن سروری رفت تابمسجد درآمد وبرپایہ اول از منبر نشست و عصابہ سرمبارک بستہ بود۔ مردم بروئے جمع شدندو بعداز حمدو ثنائے خداوند تعالیٰ فرمودائے گروہ مردم یمن رسیدہ کہ شما از موت می ترسید گوئیا منکر موت اید و بچہ جہت انکار موت پیغمبر خود مینمائید۔ شمارانہ خبردار کردہ انداز مرگ من واز مرگ شما۔ ہمانا این سخن اشارت نمودبآیت کریمہ انک میت وانھم میتون وفرمودکہ ہیچ پیغمبر درمیان قوم خود جاوید ماندہ تامن درمیان جارید بمانم۔ بدانید و آگاہ باشید کہ باز گشت من و شما بخدا است وصیت میکنم شماراکہ مہاجرین اولین نیکوئی بجا آرید و وصیت میکنم مہاجرین راکہ بایکدیگر نیکی کنند حق تعالیٰ فرمود والعصر ان الانسان لفی خسر۔ وتاآخر سورہ بخواند۔ آنگاہ فرمود جریان امور باذن خدا است باید کہ باعث نشود برشمردن امرے شمارا براستعجال آن۔ زیراکہ خداوند تعالیٰ تعجیل نمیکندو ہیچ کارے برائے تعجیل احدے وہرکس کے درصدد آن درآید تابرقضائے حق غالب بشود مغلوب بگر

دد و ہر کس که با خدا وند تعالیٰ مخادعه نماید خود فریفته و منکوب شوداین آیت رابخواند هل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم بعدازاں فرمود اے گروہ مہاجران شمارا وصیت می کنم درشان انصارچه ایشان کسانے اندکه مستعدو آماده واشتند برائے ہجرت یعنی مدینه رابرائے شما و سبقت گرفتند بایمان پیش از آنکه شما ہجرت با ایشان کنیدو شمارمیوہائے بستان خودرابا شما مناصفه کردندودرمنازل خود شمارا برنفس خود ایثار کردند و ہرکس که از شما برایشان حاکم شود بایدکه از محسن ایشان قبول کند و از مئی ایشان تجاوز نماید و برایشان کسے اختیار تکنداے انصاربعداز من جماعتے رابرشما ایثار خواہندکردو برشما ترجیح خواہند نمودانصار گفتند یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم باایشان چه کنیم فرمودصبرکنیدتاز مانیکه در لب حوض کوثر بمن برسید عباس گفت یا رسول الله درشان قریش نیز مردم را وصیت فرمائی۔ فرمودوصیت میکنیم باین امریعنی خلافت مرقریش رازیراکه مروران پیران قاریش اندنیکوکارایشان تابع نیکوکارایشان وبدکارایشان تابع بدکارایشان۔اے قریش قبول کنیدوصیت مرادرشان مردم به نیکوئی و باایشان تانیکی بجاآریداے گروه مردم بدرستیکه گناه سبب تغیرنعم وواسطه تبدل قسم است چون مردم نیکوکارباشند حاکمان ووالیان ایشان باایشان نیکی بجاآرندوچون بدکارباشند باایشان بدی کنندو حق تعالیٰ فرمود کذلک نولی بعض الظلمین بعضاً بما کانوا یکسبون و باین طریق بعضے از ظلمین ظالمان دیگررابدخواہندگفت برائے آنکه ایشان عمل نموده اند۔

جناب رسالت مآب صلعم (قریب نصف النہار) باہر تشریف لائے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ ارشاد فرمایا حمد ثنائے الٰہی کے بعد شہدائے احد کے لیے دعائے مغفرت فرما کر ارشاد کیا کہ انصار میرے نزدیک میرے مخصوصین میں ہیں اور میرے رازدار ہیں۔ میں نے ان کے لیے ہجرت کی انھوں نے مجھے رہنے کی جگہ دی۔ ان کے نیک لوگوں کی قدرومنزلت کیا کرو اور ان کے برے لوگوں کو معاف کردیا کرو سوائے ان قصوروں کے جو خدا کے نزدیک واجب الحد قرار پاچکے ہیں اس کے بعد روایت میں یوں آیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ایھا الناس ایک دن وہ آنے والا ہے کہ تم لوگ زیادہ ہوجاؤ گے اور انصار کم رہ جائیں

گے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں انصار کو دوست رکھتا ہوں جو کچھ میرا حق ان پر تھا وہ ان لوگوں نے پورا کر دیا اور رفاقت دلیری اور ہمت کی خدمات بجالائے۔ اور اب ان لوگوں کے حقوق تم لوگوں کے ذمہ باقی ہیں۔ ان کے نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرو اور ان کے بدلوگوں کو معاف کردو اور ایک دوسری روایت کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انصار نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو وہ لوگ فرط قلق واضطراب سے بے قرار گھروں سے نکل پڑے اور پریشان وحیران سراسیمہ وسرگرداں مسجد نبوی کے چاروں طرف پھرنے لگے حضرت عباس ابن عبد المطلب نے ان کی یہ کیفیت خدمت رسالتؐ میں عرض کی پھر ان کی یہی حالت فضل ابن عباس نے بھی آکر گذارش کی فضل کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام بھی باہر سے آئے تو وہی انصار کی کیفیت دھرانے لگے حضرت نے مفصل کیفیت سن کر اور ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا کہ مجھے بٹھاؤ حاضرین موجود تھے انھیں کے سہارے سے آپ اٹھ کر فرش پر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے انصار کیا کہتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ پیغمبر خداؐ صلعم کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ یہ سن کر آپ اٹھے۔ اپنا ایک ہاتھ علیؑ کے دوش پر اور دوسرا فضل کے دوش پر رکھا اور پائے اقدس کو زمین پر کھینچتے ہوئے مسجد تک تشریف لائے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ حضرت عباس آپ کے آگے لوگوں کو ہٹاتے جاتے تھے آپ مسجد میں تشریف لاکر منبر کے اول زینہ پر بیٹھ گئے۔ سر اقدس پر رومال باندھا ہوا تھا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو خدا کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا ایھا الناس مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ میری موت سے ڈرتے ہو گویا میری موت کا انکار کرتے ہو۔ نہیں معلوم تم کس وجہ سے اپنے پیغمبرؐ کی موت کا انکار کرتے ہو۔ تمھیں تو میری اور تمھاری موت کی خبر پہنچ چکی ہے اور اس کلمہ سے آنحضرت صلعم کی مراد اس آیہ سے تھی کہ اے پیغمبر تم بھی مرنے والے ہو اور یہ لوگ بھی پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی پیغمبر اپنی امت کے درمیان ہمیشہ زندہ نہیں رہا اور یہ سمجھ لو کہ ہماری اور تمھاری بازگشت خدا کی طرف ہونے والی ہے۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ اس کے بعد آپ نے سورہ والعصر آخر تک پڑھا اور فرمایا کہ جملہ امور کی اجرا خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے تمھیں چاہیے کہ اپنے امور کے صدور میں اپنی طرف سے جلدی نہ کرو۔ کیونکہ عادت الٰہی عجلت پسند نہیں ہے اور ہر آمر اور ایسا شخص جو کسی کام میں اس لیے جلدی

کرے کہ حکم خدا پر غالب آ جائے گا خراب ہوجائے گا اور وہ شخص حکم خدا سے مغلوب ہوکر رہے گا اور جو شخص کہ حکم خدا سے مخالفت ومخاصمت کرے گا وہ ضرور ہی نادم وپشیمان ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کے معنی یہ ہیں۔ پھر بسا اوقات تم خدا کی راہ سے منحرف ہوگئے۔ اور تم نے دنیا میں فساد برپا کیے اور اپنے قریبی لوگوں سے صلہ رحم قطع کرڈالے یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین سے مخاطب ہوئے اور ارشاد کیا کہ میں گروہ انصار کے حق میں تم سے وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے ہجرت اور غربت کے عالم میں خاص ہم لوگوں کے لیے مکان تیار کررکھے اور قبول اسلام میں تم پر سبقت کی اور اپنے تمام نخلستان کے میوے اور پھل تمھیں اپنی طرف سے دے دیئے اور ہجرت کے زمانہ میں ہم لوگوں کو اپنے مکانوں میں اتارا اور آرام دیا اور باوجود یکہ وہ خود نادار تھے لیکن انھوں نے اپنے نفوس پر تمھارے نفوس کو ترجیح دے کر تم پر لطف وایثار کیا اس لیے جو شخص تم سے ان پر حکمران ہوجائے چاہیے کہ ان کو اپنا محسن قبول کرے اور ان کی فروگذاشتوں کو معاف فرمائے اور کسی کو ان پر ترجیح نہ دے یہ کہہ کر آپ انصار کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے گروہ انصار میرے بعد ایک قوم تم پر غالب آ جائے گی اور تم پر دوسروں کو ترجیح دے گی انصار نے عرض کی یا رسول اللہ ہم ایسے وقت میں کیا کریں۔ جواب میں ارشاد ہوا۔ صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر آ کر مل جانا۔ اس اثنا میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ صلعم قریش کے حق میں بھی کچھ وصیت فرمایئے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا تم لوگوں کو قریش کے حق میں وصیت کرتا ہوں اور بتلا دیتا ہوں کہ امارت وخلافت قریش میں ہے کیونکہ تمام لوگ قریش کے پیرو اور مطیع ہیں۔ نیک لوگ قریش کے نیک لوگوں کے ساتھ اور بدلوگ قریش کے بدلوگوں کے ساتھ ہیں اور اے قوم قریش کے لوگو میری وصیت کو سنو اور اس کو قبول کرو اور وہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ بطریق مساوات نیکی کے ساتھ پیش آؤ اور نیکی کرو اور یاد رکھو کہ صرف گناہ کی وجہ سے تمام دولت ونعمت متغیر اور متبدل ہوجاتی ہے جب رعایا نیکوکار ہوگی تو ان کے حاکمان ووالیان بھی ان کے ساتھ نیکی کریں گے۔ اور جب وہ بدکردار ہونگے تو ان کے حکام بھی بدکردار ہونگے کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ان میں سے بعض بعض منحرف ہوکر ظالم ہوگئے اور اب وہ اس کی جزا پائیں گے۔

خطبہ ہدایت عام اور ادائے مطالبات

اس کے بعد عصر کا وقت ہوگیا تو بقول محدث شیرازی ایک موعظت عام اور ہدایت اہل اسلام کا خاص اہتمام کیا گیا۔ بلال کو حکم ہوا۔ وہ مدینہ کی تمام گلی کوچوں میں اعلان کر آئے اور الصلوۃ جامعہ کی ندا دے آئے۔ نبوت ختم ہورہی تھی اور دنیا کی بدقسمتی سے خاتم النبیین خود ختم ہونے والا تھا۔ اگرچہ نبوت ورسالت کے فرائض تمام شعائب وصوائغ کے ساتھ تمام ہو چکے تھے۔ ان کی تکمیل کی تصدیق و تعلیم کی بشارت بھی خدا کی طرف سے نازل ہوچکی تھی۔ لیکن بایں ہمہ اتمام حجت بھی حضرت ختم المرسلین کی تبلیغ کا آخر مدعا تھا اس کی تبلیغ آخر بھی رسالت کے فرائضات میں داخل تھی۔ اس بنا پر بارگاہ رسالت سے اس کے نفاذ واجرا کا خاص طور پر اہتمام فرمایا گیا۔ محدث شیرازی اس کی حسب ذیل تفصیل فرماتے ہیں۔

فضل بن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار (ایام مرض میں) میرا ہاتھ پکڑ کر بیت الشرف سے باہر آئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ رومال سر مبارک پر باندھا ہوا تھا۔ بلالؓ کو پاس بلایا اور کہا تمام مدینہ میں منادی کر دو کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں۔ اس لیے کہ خدا کا رسولؐ انھیں اپنی وصیت کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ حسب الحکم بلال نے اعلان عام کیا اور مدینہ کے تمام لوگ اپنے گھر کے دروازے اور دوکانیں کھلی چھوڑ کر فوراً مسجد نبوی میں جمع ہوگئے یہاں تک کہ عورتیں اور بچیاں لڑکیاں بھی رسول مقبول صلعم کی آخری وصیت سننے کے لیے دوڑی آئیں۔ مسجد نبوی میں اس قدر ہجوم ہوگیا کہ بیٹھنے کی گنجایش نہیں رہی۔ یہ کثرت دیکھ کر آپ فرماتے جاتے تھے۔ اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کر دو۔

اس کے بعد آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد کیا کہ اب تم لوگوں کے درمیان سے میرے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جس شخص کو میں نے بے قصور مارا ہو وہ کھڑا ہوجائے اور مجھ سے قصاص لے لے اگر میں نے کسی کو برا کہا ہو یا اس کی ذات کے ساتھ کوئی قصور کیا ہو تو میری ذات اس کے سامنے حاضر ہے وہ مجھ سے معاوضہ لے لے۔ اگر میں نے بلا استحقاق کسی شخص کا مال لے لیا ہو تو میرا مال حاضر ہے مناسب ہے کہ اس میں سے اپنا حق لے لے اور اپنے دل میں ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اگر تم معاوضہ لوگے تو رسول اللہ صلعم میرے ساتھ خلش اور عداوتیں پیدا کریں گے سمجھ رکھو کہ خلش اور عداوت میری طبیعت میں نہیں ہے اور میں ان سے بہت دور ہوں۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تم میں سے میرے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو شخص اپنا حق مجھ سے لے لے یا مجھ پر اس کو حلال کردے تاکہ میں پاک و پاکیزہ ہو کر قربت الٰہی کے شرف پر فائز ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میرا یہ ایک بار کہہ دینا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا۔ اس لیے میں اسے مکرر بیان کروں گا کہ جس حقدار کا حق میرے ذمہ رہ گیا ہو وہ خوشی سے مجھ سے لے لے۔

فضل بن عباس بیان کرتے ہیں کہ اس اثنا میں نماز عصر کا وقت آ گیا۔ آپ منبر سے نیچے تشریف لائے نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لائے اور انھیں کلمات کا وعدہ فرمایا۔ آپ کا ارشاد مکرر سن کر ایک شخص مجمع سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ حضور کے اوپر میرے تین درہم باقی آتے ہیں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں جھٹلاتا نہیں ہوں اور نہ میں تمھارے دعویٰ پر قسم وحلف دیتا ہوں

صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ آیا تم مجھے بتلا سکتے ہو کہ میں نے یہ تین درہم تم سے کیوں لیے تھے۔اس نے عرض کی یارسول اللہ صلعم ایک روز ایک سائل مستحق حضور کے پاس آیا۔میں حاضر خدمت تھا مجھ سے ارشاد ہوا کہ اسے تین درہم دے دو۔میں نے فوراً دے دیے۔یہ سن کر آپ نے فضل بن عباس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اسے تین درہم دے دو۔انھوں نے فوراً دے دیے۔

اس کے بعد آپ نے رشاد فرمایا کہ اسی طرح میرا حق اگر کسی کے پاس رہ گیا ہو تو اس کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ اپنی گردن کو اس کے بار ہلکا کرائے۔اور اپنے دل میں یہ وہم وگمان نہ کرے کہ ایسے اقرار سے بھرے مجمع میں میری فضیحت ہوگی کیونکہ سمجھ رکھو کہ دنیا کی فضیحت عقبیٰ کی فضیحت سے کہیں زیادہ آسان ہے۔دفعتاً ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں نے مال غنیمت سے درہم کی خیانت کرلی ہے اور وہ آج تک میرے ذمہ باقی ہیں۔رحمتؐ عالم نے پوچھا خیانت کی کیا ضرورت واقع ہوئی۔اس نے عرض کی اس دن مجھے تین درہموں کی سخت ضرورت لاحق ہوئی تھی آپ نے فضل بن عباس کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ ان سے تین درہم لے لو۔

امت کے لیے دعائے نیکی اخلاق وسیرت

پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جس شخص میں کوئی بری عادت پڑ گئی ہو اور وہ اس کی برائی اور رسوائی کا باعث ہوتی ہو تو کھڑا ہوجائے۔مجھ سے بیان کرے تو میں اس کے دفعیہ کے لیے خدا سے دعا کروں۔یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔میں جھوٹا ہوں اور فحش بکتا ہوں اور بہت سویا کرتا ہوں۔جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی کہ پروردگار تو اس کو صدق زبانی عطا فرما۔فحش سے اور جاگنے کی ضرورت کے وقت سونے سے اس کو محفوظ رکھ اس کے بعد ایک دوسرا شخص مجمع سے کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں تو جھوٹا بھی ہوں اور منافق بھی ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے وجود میں نہ آئی ہو۔یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم تو عجب آدمی ہو۔بھرے مجمع میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو رسوا و بدنام کر رہے ہو۔چپ بھی رہو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی فضیحت عقبیٰ کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔پھر دست مبارک اٹھا کر اس شخص کے حق میں یہ دعا فرمائی۔پروردگار تو اس کو ثبات ایمان عطا فرما۔اس کے دل کو برائیوں سے دور اور نیکی کی طرف مائل کردے۔

جناب سید المرسلین حضرت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی یہ ہدایتیں اور وصیتیں ایسی ہیں جو امت اسلامیہ کے تمام موجودہ اور آیندہ دینی اور دنیوی فوائد پر شامل ہیں اور ایسی جامع اور کامل ہیں کہ پھر ان کے مقابل کسی معلم یا مبلغ کی ضرورت نہیں۔ان وصایا وہدایا سے آنحضرت صلعم کے ان جذبات قلبی کا بھی پورا پتا مل جاتا ہے جو آپ کو امت اسلامیہ کی محبت والفت کے متعلق ہمیشہ دلنشین تھے۔گو یہ سلسلہ پند وموعظت حجۃ الوداع کے زمانہ ہی سے عموماً شروع تھا۔لیکن یہ مواعظ ونصائح بالخصوص عام مسلمانوں کی بہی خواہی۔فلاح دارین اور فوائد دین ودنیا پر حاوی ہیں۔اس ارشاد کے الفاظ ومضامین میں دینیات واخلاقیات کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ۔مسلمانوں کے آیندہ ملکی قومی اور سیاسی مصالح اور منافع بھی مشتمل ہیں جن سے ان کی سبق آموزی اور غیرت پذیری مقصود تھی۔باعتبار اسناد کے ان مواعظ وصایا کو قریب قریب تمام تاریخ وسیر اور اصحاب حدیث نے بے کم وکاست نقل کیا ہے۔لیکن ہمارے شبلی صاحب کا

قلم ان واقعات کونظرانداز کیے جاتا ہے۔

مرض میں بار دیگر شدت

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتمام حجت کے مرقومہ بالا فرائض تمام کر کے بیت الشرف میں تشریف لائے تو مرض پہلے سے زیادہ شدید ہو گیا یہ گو یا بدھ کا دن تمام ہو کر جمعرات کی رات تھی۔ معمول پسند اور ظاہر میں تو یہی کہیں گے کہ خلاف معمول محنت کی گئی۔ جسمانی اور دماغی قوت صرف کی گئی یہی اضمحلال طبیعت اور غلبہ مرض کا باعث ہوا لیکن حقیقت شناس اور حقیقت میں خوب جانتے ہیں کہ ایک معلم ربانی موسس عالم اور مجاہد فی سبیل اللہ اپنے فرائضات منصبی کے مقابل جان و مال کی پرواہ نہیں کرتا مقدرات کا مطیع و منقاد ہوتا ہے مرض کی شدت اور اس کی خاص علت کی تصریح میں جو کچھ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا گیا تھا وہ اوپر حضرت عائشہ کی زبانی نقل ہو چکا ہے۔ اس بار شدت مرض کے خاص عالم میں بھی آپ ہمہ تن راضی برضائے الٰہی تھے اور مقدرات پر متوکل۔ پھر اس استقلال و استحکام اور اثبات وقرار سے کہ نہ مرض کی شکایت ہے اور نہ اس کی شدت کا کوئی شکوہ۔ نہ فکر علاج تھی نہ خیال مداوا۔

اگرم خلاص گوئی اگر ہلاک خواہی
سربندگی بخدمت بنہم کہ بادشاہی

ثبات علیٰ مقدر رضا برضائے الٰہی

محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سکینۂ الٰہی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

درصحاح احادیث آوردہ شدہ کہ عائشہ گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماران را تعویذمی کرد باین کلمات اذھب الباس برب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءك شفاء لا یغادر سقماً و روایتے آنکہ چون مریض شدے خود تعویذ کردے مرنفس خود را باین کلمات دوست مبارك خویش بربدن اطھر بما لیدے چون مریض شد بمرض موت و ثقیل گشت من آن دعا خواندم وخواستم کہ دست او ابربدنش بمالم دست خود را ابر کشید از من و گفت رب اغفرلی والحقنی بالرفیق الا علیٰ وروایتے آنکہ فرمود اللھم اجعل جنۃ الخلد وروایتے آنکہ فرمود این تعویذ پیش از این مرا نفع می رسانید اکنون اینها ھیچ سود نمیدھند

فغان وناله زار و سرشك لعل چه سود

چو داونی همه داندو بودنی همه بود

ومروی است که پیغمبرصلی اللّٰه علیه وآله وسلم درہمه مرعنهائے خوداز خداوندتعالیٰ عافیت و شفا خواستے۔ مگردرمرض موت که دعائے شفا نکردے وگفتے۔اے نفس چه بوده است تراکه پناه بہرملجا و ملامادامی جوئی و نیز از عائشه صدیقه مروی ست که گفت ورایام صحت از پیغمبرصلی اللّٰه علیه وآله وسلم شنیده بودم که ہیچ پیغمبراز دنیا نرود الا آنکه قبل ازان مخیرگردانند اورادرمیان دنیاو آخرت و چون مریض شد بمرض موت اوراسرفه گرفت می گفت مع الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا آنگاه فرمودمع الرفیق الا علیٰ۔

احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماروں کو ان الفاظ میں لکھ کر تعویذ دیا کرتے تھے۔اے انسانوں کے پروردگار خوف کو دور کر۔شفا عنایت فرما۔اس لیے کہ تو شفا دینے والا ہے۔تیری ہی شفا اصل شفا ہے۔ایسی شفا عنایت فرما جو مرض کو بالکلیہ دور کردے۔اور جب کبھی آپ کا مزاج خود ناساز ہوتا تھا تو یہی دعا پڑھ کر دستہائے مبارک کو جسم اطہر پر پھیر لیتے تھے لیکن جب مرض الموت میں آپ مریض ہوئے اور صاحب فراش ہو گئے تو حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے یہی دعا پڑھ کر چاہا کہ آپ کا دست مبارک آپ کے جسم اطہر پر پھیروں۔تو آپ نے ہاتھ فوراً کھینچ لیا اور مجھے مخاطب کرکے یہ دعا پڑھی۔ پروردگار تو مجھے بخش دے اور رفیق اعلیٰ سے ملا دے اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ بھی فرمایا کہ یہ تعویذ مجھے پہلے نفع کرتا تھا لیکن اب اس سے کوئی فائدہ نہیں۔(شعرفارسی کا ترجمہ)

فغان و نالہ اور اشک خونیں سے اب کیا فائدہ

جو کچھ دینا تھا وہ دے دیا گیا اور جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا

ایک روایت میں منقول ہے کہ طبع مبارک کی ناسازی کے وقت آپ ہمیشہ خدا سے شفا وصحت کی دعا فرماتے تھے لیکن جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو ایک دن بھی آپ نے شافی برحق اور حکیم مطلق سے حصول صحت کے لیے دعا نہیں مانگی بلکہ ارشاد فرمایا کہ اے نفس تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو ادھر ادھر امن اور جائے پناہ

ڈھونڈھتی پھرتی ہے حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایام صحت میں میں نے آنحضرت صلعم کی زبانی سنا تھا کہ کوئی پیغمبرؑ ایسا نہیں گذرا ہے جس سے اس کی حیات وممات اختیار کرنے کے لیے اس سے نہ استفسار فرمایا گیا ہو اور اس کو دونوں میں سے ایک شے کے قبول کرنے کا اختیار نہ دے دیا گیا ہو۔ جب مرض الموت میں آپ مبتلا ہوئے تو آپ کو کھانسی آتی تھی تو آپ فرماتے تھے ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل فرمائیں وہ انبیاء صدیق اور شہدا ہیں اور بندگان نیکوکار ہیں۔ اور وہی رفیق ہیں یہ کہہ کر آپ فرماتے تھے ان سب کے ساتھ اوپر والے رفیق کے ساتھ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ کلمات سنتے ہی مجھے یقین ہوگیا کہ آپ نے حیات پر وفات کو اختیار فرمالیا ہے۔

ان روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنج وبلا۔ درد وایذا کے موقع پر۔ صبر وتحمل۔ تسلیم ورضا واستقلال واستحکام باقصیٰ المرام ثابت ہوگیا اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ سوائے فطرت صالحہ کے طبیعت عامہ سے ان کا اظہار دشوار ہے اس لیے عام طبیعت والے ان کو آزاد سمجھتے ہیں اور فطرت صالحہ والے اسے عین راحت وآرام۔ امراض جسمانی ان کے آگے الطاف ربانی کا مرادف ہے۔ اس لیے کہ وہ امراض وآزار جسمانی کے تحمل وبرداشت کو اپنے لیے نعمت ہائے الٰہی اور ثوابہائے لامتناہی کا اصلی باعث قرار دیتے ہیں۔ اور بحکم محکم لاتشرک بعبادۃ ربہ احداً (اپنے رب کی عبادت میں کسی فرد واحد کو بھی شریک نہ کرو) حالت مرض میں بھی کسی غیر کی خدمت اور ملازمت کے استحسان ظاہر کو بھی گوارا نہیں فرماتے۔ محدث شیرازی کی حسب ذیل عبارت سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

گویند ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آمد و گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می خواھم کہ درایام خستگی تیمار داری تو بجا آرم و شرط خدمت بتقدیم رسانم۔ فرمودائے ابوبکر من در این تیمار داری و معالجہ خود را ا گربہ غیر دختران و زنان خویش بفرمایم مصیبت ایشان زیاد و عظیم گردو تحقیقکہ اجر تو بر خدا تعالیٰ است۔ روضہ ص546

حالت مرض میں حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے میری تمنا ہے کہ میں موجودہ علالت کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر رہ کر خدمت تیمارداری بجالاؤں آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اے ابوبکرؓ بات یہ ہے کہ اگر میں اپنی علالت میں اپنی لڑکیوں اور بیویوں سے تیمارداری کی خدمت علیحدہ کرلوں اور کسی غیر کے حوالہ کروں تو ان کی مصیبت اور زیادہ عظیم ہوجائے گی لیکن تمھارا ثواب خدا پر ہے۔

واقعۂ قرطاس جمعرات 11ھ

بدھ تک کی حالت اور مرض کی شدت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ جمعرات کی صبح سے علالت اور زیادہ بڑھ گئی۔ ضعف و نقاہت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ فرش علالت سے نقل و حرکت دشوار ہوگئی۔ ضعف و اضمحلال کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بار بار غشی طاری ہونے لگی حرارت و یبوست اتنی بڑھ گئی کہ طشت میں پانی بھروا کر پاس رکھوالیا گیا تھا پانی میں رومال تر کر کے سر اور منہ بار بار پونچھا جاتا تھا تاہم تسکین نہیں ہوتی تھی۔ دوپہر قریب تھی۔ شدت مرض سن کر تمام ممتاز ین صحابہ کا مجمع تھا۔ اہلبیت و ازواج مطہرین پردہ میں تھیں۔ تمام حجرہ علالت بھرا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی حالت تھی۔ صحیح مسلم میں ہے۔

عن عبيد الله بن عباس قال لما حضر رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وفى البيت رجال فيهم عمر بن الخطاب قال النبى صلى الله عليه وآلهٖ وسلم هلم اكتب لكم كتابا لا تضلون بعده فقال عمر ان رسول الله قد غلب عليه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختصموا منهم من يقول قربوا يكتب لكم رسول الله كتاباًلم تضلوا بعده ومنهم من يقول من قال عمر فلما اكثر واللغو والاختلاف عند رسول الله قال رسول الله قوموا عنى قال عبيد الله فكان ابن عباس يقول ان الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وبين ان يكتب لهم ذلك الكتاب من اختلافهم نعطهم

عبید اللہ بن عباس نے ابن عباس سے روایت لی ہے کہ جب جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت اختصار قریب ہوا تو دولت کدہ نبوت میں حضرت عمر بن الخطاب اور دیگر اصحاب مجتمع تھے رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ آؤ میں تمھارے لیے کچھ لکھ دوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو حضرت عمرؓ بولے کہ پیغمبرؐ صاحب مرض کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ قرآن ہمارے لیے کافی ہے اس بات پر حضار جلسہ میں اختلاف ہوا بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنا ضروری ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ چاہیں ہمارے لیے تحریر فرما دیں اور بعض حضرت عمر کے ہمزبان تھے جب اس بات پر بہت شور و اختلاف ہونے لگا تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ مصیبت اور سخت مصیبت تھی وہ

چیز جولوگوں کے شوروا ختلاف کی وجہ سے رسول اللہ صلعم کے ارادۂ کتابت میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے آنحضرت صلعم کچھ نہ لکھ سکے۔صحیح بخاری میں ہے۔تاریخ احمدی ص37

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ صلعم وجمہ یوم الخمیس فقال ایتونی بکتاب اکتب لکم کتاباًلن تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بروایت سعید ابن جبیر عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ روز جمعرات کیسا دن تھا اور یہ کہہ کر ایسا روئے کہ جو سنگریزے اس جگہ پڑے ہوئے تھے ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے بعد ازاں کہنے لگے کہ جب بروز جمعرات رسول اللہ صلعم پر مرض کی شدت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ مجھے کتابت کا سامان دو تاکہ میں تمھارے لیے کچھ لکھ دوں جس سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو اس بات پر لوگوں میں نزاع واختلاف ہوا اور کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بذبان پر مبنی ہے۔حالانکہ نبی کریم کے حضور میں تنازع مناسب نہ تھا۔

علامہ طبرانی اس واقعہ کو مفصلہ ذیل الفاظ میں خاص حضرت عمر کی زبانی لکھتے ہیں۔

عن عمر قال لما مرمن رسول اللہ صلعم قال ادعوا الی بصحیفۃ ودواۃ اکتب کتابا لا تضلوا بعدہ ابدا فقال النسوۃ من ورآء الستر لا تسمعون ما یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلت ان کن صلوا حیات یوسف اذا مرض رسول اللہ صلعم عصرتن اعینکن واذا صح رکبتن عنقہ فقال رسول اللہ صلعم دعوھن فانھن خیر منکم۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت مرض میں ارشاد کیا کہ کاغذ اور دوات وغیرہ (سامان کتابت) لاؤ تاکہ میں تمھارے لیے ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔مخدرات عصمت نے پردہ کے اندر سے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم لوگ رسول اللہ صلعم کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔حضرت عمر نے ان بیبیوں کو جواب دیا کہ تمھاری مثال حضرت یوسفؑ کی

بیبیوں کی ہے پیغمبر صاحب کی بیماری میں تو روتی ہو اور بوقت صحت ان کی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے فرمایا ان عورتوں سے تعرض نہ کرو۔ یہ تم سے بدرجہا بہتر ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انه قال یوما لخمیس وما یوم الخمیس ثم یسیل دموعه حتی رایت علی خدیه کانها نظام اللولو۔ قال رسول الله صلعم ائتونی بکتاب والدواۃ اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعده ابدا فقالوا ان رسول الله صلعم یهجر۔

سعید ابن جبیر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ روز جمعرات کا دن تھا۔ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ موتیوں کی لڑی کی طرح آنسو جاری ہو گئے۔ بعد ازاں کہا جمعرات وہ دن تھا کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا کہ مجھے سامان کتابت لا دو کہ میں تمھارے لیے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ مگر افسوس لوگوں نے کہہ دیا کہ آنحضرت صلعم الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

قدردانی عالم بالا معلوم شد رسالت کی زبان صداقت ترجمان اور ہذیان۔ سبحانہ ما اعظم شانہ۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاضرین کے خلوص وعقیدت کا پورا اندازہ ہو گیا۔ بالآخر۔ جیسا کہ الفاظ مرویات بتلا رہے ہیں۔ سب کو پاس سے ہٹوا دیا گیا اور سکوت اختیار فرما لیا گیا۔ اب اس گستاخانہ شوروشغب کا اثر اسلام اور اس کے معاملات پر کیسا پڑا وہ علامہ شہرستانی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

قال الشهر ستانی فی الملل والنحل اول تنازع فی مرضه علیه السلام فیما روی محمد بن اسمعیل البخاری باسناده عن عبد الله بن عباس قال لما اشتد برسول الله صلعم مرضه الذی مات فیه قال ائتونی بدواۃ وقرطاس اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدی فقال عمران رسول الله قد غلبه الوجع حسبنا کتاب الله و کثرا للغط فقال النبی صلعم قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع قال ابن عباس رضی اللہ عنہ الرزیة کل الرزیة ما حال بیننا وبین کتاب رسول الله صلعم۔

علامہ شہرستانی کتاب ملل ونحل میں لکھتے ہیں کہ پہلا تنازع اور اختلاف جو رسول مقبول صلعم کے زمانۂ مرض

میں واقع ہوا وہ تھا کہ جس کو بخاری نے کتاب صحیح میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عباس سے یوں روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے سامان کتابت لادو تاکہ میں تمھارے لیے کچھ لکھ دوں۔ جس کی وجہ سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پیغمبر صاحب غلبہ مرض کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے۔ چنانچہ اس بات پر شور وغل ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ تم لوگوں کو لازم نہیں ہے کہ میرے سامنے تنازع اور اختلاف کرو۔ اسی پر عبداللہ بن عباسؓ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مصیبت اور عظیم مصیبت تھا وہ اختلاف جس نے ہمارے اور پیغمبر اکرمؐ کی تحریر میں حائل ہو کر آنحضرت صلعم کو کتاب سراپا ہدایت سے باز رکھا۔

حضرت علیؓ کی طلبی

آنحضرت صلعم کے پاس سے سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ تخلیہ ہو گیا۔ تو آپ نے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ علیؑ کو میرے پاس بلالاؤ۔ تاریخ طبری میں ہے۔

عن ابن عباس قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ابعثوا الى عليا فادعوه فقالت عائشة لو بعثت الى ابو بكر و وقالت حفصه لو بعثت الى عمر فاجتمعوا عنده جميعاً فقال رسول الله صلعم انصرفوا فان تك لى حاجة ابعث اليكم انصرفوا۔

ابن عباس نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے اس بیماری کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ علیؑ کو میرے پاس بلالاؤ۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کاش ابوبکر کو بلایا ہوتا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا کاش عمرؓ کو بلایا ہوتا اتنے میں یہ حضرات وہاں جمع ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ واپس جاؤ۔ اگر تمھاری ضرورت ہوگی تو میں خود تم لوگوں کو بلالوں گا۔ یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے۔

حضرت علیؑ کو بلا کر اس موقع پر ارشاد کیا گیا۔ اس کی تفصیل محدث شیرازی کے الفاظ میں حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

فرمود بخوایند برادر من علی علیہ السلام را۔ علی علیہ السلام بیامد و بربالین وے نشست حضرت سر خود را از بستر برداشت۔ امیر در شیب بغل وے درآمد سر مبارکش را بازوئے خویش بنہاد۔

آن سرور فرمود اے علیؑ فلان یہودی پیش من چندین مبلغ وارد کہ ازوے برائے تجہیز الشکر اسامہ قرض گرفتہ بودم زنہارکہ وے رااز ذمہ من اداکنی واے علیؑ تو اول کے خواہی بود کہ برلب حوض کوثر بمن رسی و بعد از من بسے امور مکروہ بتو خواہند رسید بایدکہ تنگدل نشوی وطریق مصابرت پیش گیری وچون بینی کہ مردم دنیا اختیار کردند تو بایدکہ آخرت رااختیارکنی

فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلعم نے اپنا سر اٹھا کر ان کے بازو پر رکھ دیا اور حضرت امیرؑ کو اپنی بغل میں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ فلاں یہودی سے میں نے لشکر (اسامہ) کے سامان کے لیے اس قدر قرض لیا ہے۔ خبردار اس کو میری طرف سے ادا کر دینا۔ اور اے علیؑ تم وہ شخص ہو جو سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوگے اور میرے بعد تم کو بہت سے مکروہات امور پیش آئیں گے۔ ان کو بطریق صبر برداشت کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔

حضرت ابوبکرؓ کی پیش نمازی کی مقدار حقیقت

جمعہ اور سینچر کے دن بھی مرض کی اسی شدت میں گذر گئے۔ اشتداد مرض کے ساتھ ضعف و اضمحلال بھی زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ پے در پے بے ہوشی اور خاموشی طاری ہوتی جاتی تھی۔ اتوار کے دن تو صبح سے اس قیامت کی ناتوانی تھی کہ بستر سے سر اٹھانا اور پہلو بدلنا مشکل تھا۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ بلال نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ نماز کا وقت ہے۔ سیرۃ الحلبیہ میں ہے۔

فقال علیه السلام لا استطیع الصلوۃ خارجاً ومر عمر بن الخطاب فلیصل بالناس فخرج بلال وهو یبکی فقال له المسلمون ما ورآئك فقال ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لا یستطیع الصلوۃ خارجاً فبکوا وقال لعمر ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم یا مرك ان تصلی بالناس فقال عمر رضی الله عنه ما کنت لا نقدم بین یدی ابابکر ابدا فادخل علی نبی الله صلعم فاخبره ان ابابکر علی الباب فدخل علیه صلعم بلال فاخبره بذلك فقال نعم ما رای مرا ابابکر فلیصل بالناس فخرج الی ابابکر فامره ان یصلی بالناس فصلی بالناس۔

بلال نے خدمت نبوی میں آ کر عرض کی یا رسول اللہ صلعم نماز کا وقت آ گیا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد کیا کہ اس وقت مجھ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ نماز کے لیے باہر نکل سکوں۔ تم عمرؓ ابن الخطاب کے پاس جا کر کہو کہ وہ لوگوں کو جا کر نماز پڑھائیں۔ بلال روتے ہوئے باہر نکلے۔ لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بلال نے کہا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف نہیں لا سکتے۔ یہ سن کر سب رونے لگے بلال نے جا کر حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول صلعم نے آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا حضرت ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے ہرگز نماز نہیں پڑھا سکتا۔ تم جا کر رسول اللہ صلعم سے کہو کہ ابوبکر یہاں موجود ہیں بلال نے واپس آ کر آنحضرت صلعم سے یہ حال بیان کیا۔ آنحضرت صلعم نے کہا کہ عمر کی رائے بہتر ہے۔ تم ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کو نماز پڑھانے کا حکم ہوا ہے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

دوسری روایت روضۃ الاحباب میں ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے۔

عائشه صدیقه گفت چون مرض پیغمبرخدا صلعم سنگین شد یاران نماز خفتنی بود که در مسجد منتظر آن سرور بودند فرمود آیا مردم نماز گذاردند۔ گفتم بلے یا رسول اللّٰہ صلعم انتظار نومی کشند گفت آبے برائے من در مخصب نمائیند۔ چنان کردیم۔ آن سرور آن آب را بر خود ریخت و بدن خود رابشست آنگاه خواست که برخیزد۔ بیهوش شد۔ تاسه نوبت آن صورت متحقق گشت و ہر بارکه بهوش می آمدمی پرسید که مردم نماز گذاردندمی گفتم نه انتظار تو می کشند و در کرتت سوم کے رافرستاد به نزد ابوبکر که بامردم نماز گذارد و فرستاده آنحضرت صلعم رفت و پیغام با ابوبکر رسانید۔ ابوبکر مردے بود رفیق القلب گفت یا عمر تو بامردم نماز گذار عمر باوے گفت تو احقی از من درین امر۔ پس ابو بکر نماز بامرم بگذارد و بعد از آن پیغمبر خدا صلعم را خفتے از مرض حاصل شه روز دیگر ابو بکر بامردم نماز پیشین میگذارد که آن سرور درمیان د ومرد یکے ازان عباس بود بیرون رفت و باایشان گفت مرابه پہلوے ابوبکر بنشایند چنان کردند چون ابوبکر دانست که رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم آمد خواست که متاخر بشود حضرت اشارت نمود که درمقام خویش باش آنسرور در نشسته نماز گذارد و ابوبکر

مقتدی شد بوے و مردمان مقتدی بابوبکر بود ند یعنی بواسطه تکبیر واے برافعال و انتقالات پیغمبر وقوف می یافتند۔

عائشہؓ صدیقہ کہتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض سنگین ہو گیا اور وہ وقت نماز عشا کا تھا لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے آنحضرت صلعم کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا لوگ نماز پڑھ چکے۔ عرض کی گئی نہیں۔ سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے لیے طشت میں پانی بھرو۔ چنانچہ پانی بھرا گیا آپ نے جسم مطہر کو دھونا چاہا کہ اٹھیں مگر بے ہوشی طاری ہو گئی جب ہوش آیا تو پوچھا لوگ نماز پڑھ چکے۔ عرض کی گئی نہیں بلکہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا طشت میں پانی بھرو۔ پانی بھرا گیا۔ آپ نے پھر تمام بدن پر پانی ڈالا اور جسم مطہر کو دھویا مگر پھر غش آ گیا۔ تین بار پے در پے یہی صورت ہوئی۔ ہر بار جب ہوش آتا تھا تو آپ پوچھتے تھے نماز ہو گئی۔ کہا جاتا تھا۔ نہیں۔ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تیسری بار آپ نے کسی کو بھیج کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ نماز پڑھا دو۔ اس آدمی نے آ کر حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلعم کا حکم سنایا۔ حضرت ابوبکر چونکہ رقیق القلب بزرگ تھے۔ حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کہ آپ نماز پڑھا دیں حضرت عمرؓ بولے آپ اس امر کے لیے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسرے دن آنحضرت صلعم کے مرض میں کچھ تخفیف ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ آنحضرت صلعم دو آدمیوں کے سہارے جن میں ایک عباس تھے۔ مسجد میں تشریف لائے اور ہمراہیوں سے کہا کہ مجھے ابوبکر کے پاس بٹھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم آ گئے تو انھوں نے پیچھے ہو جانے کا قصد کیا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو۔ آپ نے بیٹھے بیٹھے نماز پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کی اقتدا کی اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کی۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ کی آواز تکبیر سن کر صحابہ آنحضرت صلعم کے ارکان وسکنات نماز سے واقف و مطلع ہوتے تھے۔

اسی روضۃ الاحباب میں تیسری روایت یوں مرقوم ہے۔

چون موذن آنحضرت صلی اللّٰه علیه وآله وسلم را اعلام کرداز وقت نماز عصر عبداللّٰه بن زمعه پیش آن سرور بود بادے گفت بگو مردم راکه نماز بگذارند۔ عبد اللّٰه بن ربیعه بیرون آمد و بعمر رسید و گفت بامردم نماز گزار عمر پیش رفت و نماز گذارد و قرأت بجهر کرد۔

سید عالم از حجرۂ خود آواز قرأت عمر شنید گفت آیا این آواز عمر نیست گفتند آرے۔ فرمود تابی اللّٰہ ولک والمومنین و سراز دریچہ خانہ بیرون کرد گفت نے نے باید کہ ابوبکر بامردم نماز بگزارد۔ عمر منصرف شدو با عبد اللّٰہ بن زمعہ گفت حضرت ترا نگفتہ بود کہ بامردم نماز بگذارد عبد اللّٰہ جوابداد ہیحکیس رامعین نہ کردہ بود لیکن چون ابوبکر رادرمیان مردم اصحاب ندیدم تراگفتم کہ بامردم نماز گذار چہ نزدمن کسے از حاضران اولے از تو نہ بود۔ عمر گفت من ندانستم کہ چنین است والا امام مردم نمی شدم۔

جب موذن نے نماز کا اعلان کیا تو عبداللہ بن زمعہ اس وقت آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے ان سے ارشاد کیا کہ جا کر لوگوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھ لیں۔ عبداللہ بن زمعہ باہر آئے تو انھیں حضرت عمرؓ مل گئے۔ عبداللہ نے کہا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عمرؓ آگے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھانے لگے اور نماز میں زور زور سے قرأت کرنے لگے جناب سرورکائنات نے اپنے حجرہ میں ان کی آواز سنی تو پوچھا کیا عمر کی آواز نہیں ہے۔ لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہ یہ خدا ہی کو پسند ہے اور نہ مومنین کو آپ نے اپنا سر دریچہ سے باہر نکالا اور فرمایا۔ نہیں نہیں۔ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ عمر وہاں سے چلے آئے اور عبداللہ بن زمعہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ کون شخص نماز پڑھائے گا۔ عبداللہ نے کہا مجھ سے تو کسی شخص خاص کا تعین نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں نے اس وقت لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ کو نہ پایا میں نے تم کو نماز پڑھانے کے لیے کہا اس لیے کہ حاضرین میں میرے نزدیک تم سے بہتر کوئی شخص اس وقت موجود نہیں حضرت عمرؓ بولے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو میں کبھی لوگوں کا امام نہ بنتا۔

اسی روایت کو امام عبدالبر نے استیعاب میں۔ بذیل ذکر مناقب ابوبکر ان الفاظ میں لکھا ہے۔

روی المزطاری عن عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمن بن اسیہ عن ابیہ عن عبد اللہ بن زمعہ بن الاسود قال کنت عند رسول اللہ وھو علیل فدعاہ بلال الی الصلوۃ فقال لما مروا من یصلی الناس فقال فخرجت فاذا عمر فی الناس وکان ابوبکر غائباً فقال قم یا عمر فصل بالناس فقام عمر فلما کبر سمع رسول اللہ صلعم صوتہ وکان مجھرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم این ابوبکر یابی

الله ذلك والمسلمون بعث الى ابى بكر فجاء بعد ان صلى عمر تلك الصلوة فصلى بالناس طول علية حتى قبض رسول الله صلعم۔

زہری عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمن بن امیہ سے اور وہ اپنے باپ سے اور اس کا باپ عبداللہ بن زمعہ بن اسود کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زمعہ کا بیان ہے کہ میں جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں ان کی علالت کے زمانہ میں حاضر تھا کہ بلال نے نماز کے لیے اذان دی آپ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھ لیں یہ سن کر باہر آیا اور میں نے حضرت عمرؓ کو لوگوں میں پایا۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت وہاں نہیں تھے میں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ نماز پڑھائیں حضرت عمرؓ کھڑے ہوگئے اور تکبیر کہی آنحضرت صلعم نے ان کی تکبیر بلند کی آواز سنی تو پوچھا ابوبکر کہاں ہیں۔ یہ خدا اور مسلمانوں کو پسند نہیں ہے لوگ حضرت ابوبکر کو بلا لائے لیکن وہ اس وقت آئے جب وہ نماز پڑھا چکے تھے پھر ابوبکرؓ آپ کی وفات کے وقت تک نماز پڑھاتے رہے۔ (تشئید المطاعن ص 63-64)

امامت حضرت ابوبکرؓ کی نسبت اتنا اختلاف ہے۔ جس کا تصفیہ دشوار ہے۔ ہم نے صرف تین روایتیں مختلف بیانات کے ساتھ لکھ دی ہیں۔ جن سے اس کے اختلافات بیانات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ شبلی صاحب نے اول روایت کو بیان کیا ہے اور باقی دو روایتوں کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حاشیہ کی عبارت میں کسی قدر ان اختلافات کا ذکر کیا ہے جو حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے۔

کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی زندگی کے دن تک نماز پڑھائی۔ ابن سعد نے واقدی سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ 17 وقتوں کی نماز پڑھائی دوسری یہ کہ تین دن تک امامت کی شب جمعہ کی عشاء سے دوشنبہ کی صبح تک جس دن آپ نے وفات پائی حساب لگایا جاوے کہ 17 نمازیں ہوتی ہیں اور جمعہ سینچر۔ اتوار تین دن ہوتے ہیں۔ لیکن اصولاً یہ دونوں روایتیں نہایت کمزور ہیں۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے اس اختلاف کو بہت چھپا کر اور گھٹا کر دکھلایا ہے۔ اور صرف تعداد نماز کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ حالانکہ اس میں اور ابھی کثیر اختلافات موجود ہیں۔ جن کو آپ بالکل مرفوع القلم فرما گئے ہیں۔ ہم ان کو فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مفصلہ ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

وراویته هذه وصلحا البزاز قال حدثنا ابو موسے محمد بن المثنی حدثنا داؤد به ولفظه كان رسول صلعم المقدم بين يدى ابوبكر كذارواه مختصراً وهو موافق القصة حديث الباب لكن رواه ابن خزيمة فى صحيحه من محمد بن بشار عن ابى داؤد

بسنده هذا عن عائشه قالت من الناس من يقول كان ابوبكر المقدم بين يدى رسول الله من الصف ومنهم من يقول كان النبى المقدم ورواه مسلم بن ابراهيم عن شعبه بلقطان النبى صلى الله خلف ابوبكر اخرجه ابن المنذر و هذا عكس رواية ابو موسىٰ وهو اختلاف شديد و وقع فى رواية مسروق عنها ايضاً اختلاف فاخرجه ابن حبان من رواية عاصم عن شفيق عنه بلفظ ان النبى صلى خلف ابى بكر و ظاهر رواية محمد بن بشار ان عائشه لم تشاهدا لهيئة المذكورة لكن تظاهرت الروايات عنها بالجزم بما يدل ان النبى كان هوالامام فى تلك الصلوٰة منها رواية موسى ابن ابى عائشة التى اشرنا اليها ففيها فجعل ابوبكر يصلى الصلواة النبیؐ والناس الصلوة ابوبكر و هذا رواية زايدة بن قداه عن موسى و خالفه شعبه ايضاً فرواه عن موسىٰ بلفظ ان ابابكر صلى بالناس و رسول الله صلعم فى الصف خلفه ومن العلماء من سلك الترجيح فقدم الرواية التى فيها ان ابوبكر كان ماموماً للجزم بها ولان ابا معاوية احفظ فى حديث الا عمش من غيره ومنهم من عكس ذلك ورجح انه كان امام وتمسك يقول ابوبكر الا تى فى باب من دخل ليوم الناس حيث قال ما كان لا بن ابى قحافه ان يتقدم بين يدى رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم۔

اس روایت کے متعلق بزاز کی یہ روایت ہے کہ ابوموسیٰ محمد بن مثنی نے اوران سے ابوداؤد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ جناب رسول خداصلعم حضرت ابوبکر سے مقدم تھے۔جیسا کہ مختصراً روایت ہوااور یہ اس حدیث کے قصہ مندرجہ باب کے موافق ہے لیکن ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں محمد بن بشار سے۔اس نے ابوداؤد سے حضرت عائشہ کے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صف نماز میں آنحضرت صلعم سے مقدم تھے۔یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر سے مقدم تھے۔ اور مسلم ابن ابراہیم نے شبہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ابن منذر نے لکھا ہے اور یہ روایت ابوموسیٰ کے برعکس ہے اور یہ اختلاف

شدید ہے اور مسروق کی روایت میں بھی جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ سخت اختلاف ہے۔ اور ابن حبان نے عاصم بن شقیق کی اسناد سے جو روایت لکھی ہے اور اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور ترمذی نسائی اور ابن خزیمہ میں شعبہ عن نعیم بن ابی بکر عن زید عن شقیق کے سلسلہ سے جو روایت لکھی ہے اس کے یہ لفظ ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی اور محمد بن بشار کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو حقیقتاً اپنی آنکھوں سے اس صورت میں نہیں دیکھا تھا لیکن ان تمام روایات کی تجمیع سے علی الظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نماز میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے جیسا کہ ہم نے موسیٰ بن ابی عائشہ کی روایت لکھ کر اشارہ کیا ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کی تقلید کرتے تھے اور تمام لوگ حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کرتے تھے یہ اور وہ روایت ہے جو زائدہ بن قدامہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے نقل کی ہے اس کی مخالف شعبہ کی روایت ہے جس میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صف میں ان سے پیچھے تھے۔ ان علماء سے جو ترجیح کے قائل ہیں انھوں نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جس میں تحقیق کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے۔ لیکن ابا معاویہ نے اعمش سے اس کی نسبت جو کچھ سنا ہے وہ اس کے خلاف ہے اور بالکل برعکس۔ اس میں بیان مرجح ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے اور اس کے ثبوت میں خود حضرت ابوبکر کا قول نقل کیا ہے جو باب امامت بالناس میں مفصل مذکور ہے اور اس وجہ سے وہ لکھتے ہیں کہ کون شخص ابن ابوقحافہ کے برابر ہوسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے آگے کھڑے ہوئے تھے۔ (نعوذ باللہ)

یہ واقعہ پیش نمازی کی حالت ہے جس کے ہر ہر جزئیات میں اختلاف واقعہ ہے۔ واقعات نماز۔ تعداد نماز اذن نماز اور سب سے آخر میں امام نماز کی شخصیت کی نسبت بھی اختلافات کی وہی کثرت ہے۔ کوئی کہتا ہے رسول امام تھے کوئی کہتا ہے ابوبکر۔ اس پر جو طول وطویل بحثیں علما میں ہوئیں اور انھیں اختلافات کی بنا پر ان علما میں جو فرقہ بندیاں ہوئیں اور جیسے جیسے موضوعات ومصنوعات مرویات اپنے استدلال کے استحکام میں طرفین سے پیش ہوئے وہ ابن حجر کے الفاظ سے ظاہر ہوئے۔ بڑا افسوس تو ان علمائے سلام کی ذہانت اور قوت حافظہ پر ہے کہ اپنے اپنے ان اقوال وآراء کے استحکام میں ان لوگوں نے اتنا شور وغل مچایا۔ لیکن اپنے اس شور وشغف میں کسی کے منہ سے اتنی آواز نہ پھوٹی کہ رسولؐ متبع اور امام ماموم اور فاضل مفضول ہوا جاتا ہے جو عقلاً اور نقلاً قطعاً محال ہے۔ یہ صحابیت کی مجنونانہ وارفتگی کا نتیجہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

پیش نمازی سے خلافت کا خواب غلط

انھیں روایت موضوعہ کی بنا پر اسی امامت نماز سے حضرت ابوبکر کی خلافت کا مضمون تراشا گیا ہے۔ اول تو اصول حدیث کے رو سے جب ان مرویات امامت نماز میں اتنے اختلافات کثیر واقع ہیں تو اصولاً وساقط از اعتبار اور نا قابل الاستناد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کو استخلاف کی نص صریح مان بھی لی جائے تو حضرت عمرؓ کی یہ متفقہ اور مسلمہ۔ مفصلہ ذیل حدیث متواتر بالکل غلط اور جھوٹ ثابت ہوجائے گی صریح بخاری ومسلم میں ہے۔

قال عمر ان لم استخلف فان رسول الله صلعم لم يستخلف وان استخلف فان ابابكر استخلف وهذا تصريح منه بعدم استخلاف النبى صلعم۔

حضرت عمر نے کہا کہ اگر میں نے کسی کو اپنے بعد وصی نہیں کیا تو رسول اللہ صلعم نے بھی کسی کو وصی نہیں کیا اور اگر میں وصی مقرر کر جاؤں تو ابوبکر بھی وصی مقرر کر چکے ہیں اور یہ آنحضرت صلعم کے کسی کو نہ وصی کرنے پر دلیل صریح ہے۔

قاضی عبدالجبار کتاب مغنی میں لکھتے ہیں۔

ان ابابكر نص على عمرو ترك الناسى بالرسول لانه لم يستخلف۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر پر نص کیا اور یہ اتباع وتقلید رسول صلعم کے بالکل خلاف تھا اس لیے کہ رسولؐ نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔

ابن حجر بھی صواعق محرقہ کے پہلے باب چوتھی فصل کی اسی بحث میں کہ ”خلافت کے لیے کسی پر نص نہیں فرمائی گئی“ تحریر کرتے ہیں۔

اخرجه الشيخان عن عمر انه قال حين طعن ان استخلف فقد استخلف من هو خير منى يعنى ابوبكر وان اتر ككم فقد تر ككم من هو خير منى يعنى رسول الله صلعم۔

شیخین بخاری ومسلم نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے جب ان پر طعن کی گئی کہ میں نے اگر استخلاف کیا تو مجھ سے پہلے وہ شخص استخلاف کر چکا ہے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی ابوبکر اور اگر میں نے ترک استخلاف کیا تب بھی اس شخص نے ترک استخلاف کیا ہے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شاہ ولی اللہ صاحب۔ رسالہ تفصیل الشیخین میں حضرت عمر کے ان اقوال کو لکھ کر تحریر فرماتے ہیں۔

فعرف الناس ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لم يستخلف احدا و كان عمر منهم على ابوبكر

جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا اس لیے حضرت عمرؓ پر حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کا الزام عاید نہیں ہوسکتا۔

یہاں رسول اللہ صلعم کا اصل امر استخلاف ہی ثابت نہیں ہوتا تو پیش نمازی کو دلیل استخلاف بنا کر پیش کرنا کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں پر عتاب

پیش نمازی کی بحث تنقیدی کو تمام کر کے ہم پھر اپنے گذشتہ سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آغاز علالت سے ایک دن پہلے جیش اسامہ کی تیاری اور تمام صحابہ کو باستثنائے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ہمراہی لشکر کا حکم دے دیا گیا تھا۔ شبلی صاحب بھی اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھ چکے ہیں۔

آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے جنھوں نے ان کے باپ حضرت زید بن حارثہ کو حدود شام میں قتل کر ڈالا تھا اپنے باپ کا انتقام لیں۔ صحابہ میں اس کے متعلق چہ میگویاں ہوتی رہیں۔

اور انھیں چہ میگوئیوں میں تقریباً ایک ہفتہ گذر گیا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو حالت علالت میں اور ملالت خاطر بڑھ گئی۔ شبلی صاحب پھر لکھتے ہیں۔

اوپر گذر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسامہ بن زید کو تفویض فرمائی تھی اس پر بعض لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد کیا کہ اگر اس کی یعنی اسامہ کی سرداری پر تمھیں اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا۔ اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب ہے۔

شبلی صاحب تو ایسے ایسے موقع پر واقعات کو بس وہیں تک لکھیں گے جہاں تک ان کے مفید مطلب ہوگا اس کے بعد چاہے وہ کیسا ہی نامکمل غیر مفصل مبہم اور مہمل ہی کیوں نہ ہوجائے پھر اس کا ایک حرف نہیں لکھیں گے۔ اگرچہ آپ نے اپنے ان مختصرات کو بڑے حزم واحتیاط کے ساتھ لکھا ہے اور جب کچھ نہیں چلی ہے تو صحابہ کی تعریض خاص ابن سعد کی سند منفرد ہ سے منافقین کے سر باندھی ہے لیکن باایں ہمہ بیان ویسا ہی کا ویسا مبہم اور مبتدا رویسا ہی کا ویسا بے خبر رہ گیا ہے۔ یہ کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلعم کی اس تاکید وتہدید کے بعد صحابہ کرام لشکر اسامہ کے ساتھ گئے بھی یا نہیں۔ اگر گئے تو کوئی عذر وکلام نہیں۔ نہیں گئے تو پھر کیا ہوا؟ شبلی صاحب نے سطحی طور پر

واقعہ خلاصہ تو لکھ دیا نتیجہ کچھ نہ نکالا۔ اس لیے کہ آپ کے مدعا کے خلاف تھا۔

اب ہم اس واقعہ کی شروع سے آخر تک پوری تفصیل ابن حجر کی زبانی مفصلہ ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

بعث النبی صلعم اسامه بن زید فی مرضه الذی توفی فیه انما اخر المص (کتاب الغزوات) هذه الترجمة لما جاء انه کان تجهیز اسامه یوم السب قبل موت النبی ﷺ بیومین وکان ابتداء ذلك قبل مرض النبی صلعم فندب الناس لغز والروم فی اٰخر صفر و دعا اسامه فقال سر الی موضع مقتل ابیك فاوطعهم الخیل فقد ولیتك هذا الجیش واغد صباحا و حرق علیهم و سرع السیر تبق لخیر فان ظفرك الله بهم فاقلل اللبث فیهم فبدی برسول الله وجعه فی الیوم الثالث فعقد لا سامه لوآء بیده سامیا فاخذه اسامه ودفعه الی بریده وعسکر بجرف وکان انسان مع اسامه کان کبار المهاجرین والانصار منهم ابیکر و عمر ابو عبیدة وسعد (بن ابی وقاص) وسعید) (بن العاص) وقتادة بن النعمان وسلمه بن اسلم فتکلم قوم فی ذلك منهم عیاش بن ربیعه المخزومی فرد علیه عمر واخبر النبی صلی الله علیه وآله وسلم فخطب مما ذکر فی هذا الحدیث ثم اشتد برسول الله وجعه فقال انفذوا بعث اسامه فجهزه ابو بکر بعد ان استخلف فی الجهة التی امربها فار عشرین لیلة و قتل قاتل ابیه ورجع بالجیش سالماً وقد غنموا وقد قص اصحاب المغازی قصة المطولة فلخصها وکانت اخر سریة جهزها النبی صلی الله علیه وآله وسلم واول شئ جهزه ابوبکر و قد انکر ابن تیمیه ؒ کتاب الرد علی ابن المطهر ان یکون ابوبکر و عمر کانا فی بعث اسامه بن مستند من ذکره اخرجه الواقدی باسناده فی المغازی وذکره ابن سعد فی اواخر الترجمة النبویة بغیر اسناد و ذکره ابن اسحاق فی سیرة الصغری المشهورة ولفظه بدی برسول الله صلعم وجعه یوم الاربعاء فاصبح الخمیس فعقد لا سامه وقال اعز فی سبیل الله وسر الی موضع مقتل ابیك فقد ولیتك علی هذه الجیش فذکر القصه وفیها لم یبق احد من

المهاجرين والانصار الا انتدب في تلك الغزوة منهم ابوبكر و عمر و لما جهزه ابوبكر ان ياذن له باقامته فاذن ذكر ذلك في المنتظم جاز بابه۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس مرض کی حالت میں جس میں آپ کا انتقال ہوا آپ نے اسامہ کو لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور آپ کے اس حکم وارادہ کی ابتدا آغاز مرض کے قبل سے ہو چکی تھی۔ اور آپ نے تمام لوگوں کو غزوہ روم کا حکم آخر ماہ صفر میں دیدیا تھا اس طرح کہ اسامہ بن زید کو اپنی خدمت میں بلا کر ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ کی قتل گاہ کی طرف جاؤ۔ لشکر کو جمع کرو ہم نے تم کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا۔ جلد چلا جانا خیر کا باعث ہوتا ہے۔ خداوند عالم تم کو ان پر فتحیاب فرمادے اور ان کی جماعت کو قلیل کرے پھر منگل کے دن آپ پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ نے اسامہ کے لیے اپنے ہاتھ سے ایک علم آراستہ کیا۔ اسامہ نے اسے اٹھالیا اور بریدہ کو دے دیا مقام جرف کو اپنی لشکرگاہ بنایا اور تمام اکابر مہاجرین وانصار کو اسامہ کی ہمراہی کا حکم دیا۔ جن میں ابوبکر عمر ابوعبیدہ۔ سعد (ابن ابی وقاص) سعید (ابن العاص) قتادہ بن نعمان اور سلمہ بن اسلم شامل تھے۔ اس امر میں لوگوں نے کلام کیا جن میں عیاش بن ربیعہ مخزومی بھی تھے۔ حضرت عمر نے عیاش کے اس اعتراض کی تردید کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر کر دی۔ اس پر آپ نے تمام لوگوں کو بلا کر خطبہ دیا جو اس حدیث میں مذکور ہے اس کے بعد آنحضرت صلعم کے مرض میں شدت ہوگئی اور اسامہ کی روانگی رک گئی پھر حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے کے بعد ابوبکرؓ نے اسامہ کو اس طرف بھیجا اور وہ بیس شبانہ روز میں پہنچے اور اپنے باپ کے قاتلوں کو لڑ کر مارا اور صحیح وسالم لشکر کے ہمراہ واپس آئے اور مال غنیمت لائے اصحاب مغازی نے اس قصہ کو طولانی طریقہ سے لکھا ہے۔ ہم نے صرف اس کا خلاصہ درج کیا ہے اور آنحضرت کا آخری سریہ تھا جس کو جناب رسالت مآب صلعم نے روانہ فرمایا تھا۔ پہلی لشکرکشی جس کی تیاری حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کی۔ اور ابن تیمیہ نے ابن مطہر (علامہ حلی علیہ الرحمہ) پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا ہے کہ ابوبکر وعمر جیش اسامہ کے ساتھ کیسے جاسکتے تھے۔ لیکن مستند وہی امر ہے جو ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جس کو واقدی نے اپنے اسناد کے ساتھ لکھا ہے اور ابن سعد نے بغیر سند کے لکھا ہے آنحضرت صلعم کے آخر حال میں۔ اور ابن اسحٰق نے سیرۃ صغریٰ میں لکھا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ بدھ کے روز آنحضرت صلعم پر مرض کی شدت ہوئی۔ اور صبح ہوئی تو جمعرات کے دن

آپ نے اسامہ بن زید کے لیے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ارشاد فرمایا جاؤ خدا کی راہ میں جہاد کرو اور اپنے باپ کے مقتل کی طرف جاؤ ہم نے تم کو اس لشکر پر امیر کیا۔ پھر اس کے بعد تمام قصہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ مہاجرین وانصار کے طبقہ میں کوئی متنفس ایسا نہیں بچا جو اس لشکر کے ہمراہ نہ بھیجا گیا ہو۔ انھیں میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ بھی تھے اور جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے وقت میں اس لشکر کو بھیجا تو اسامہ سے اپنے رہ جانے کی اجازت چاہی اور انھوں نے اجازت دے دی ان تمام باتوں کو ابن جوزی نے کتاب منتظم کے ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے۔

اس عبارت سے صاف صاف معلوم ہو گیا کہ معترضین خاص منافقین نہیں تھے بلکہ مہاجرین ہی کی ایک جماعت تھی جس کے نمایندے عیاش تھے اور اسی لیے حضرت عمر نے ان پر اعتراض بھی کیا تھا اور ان کے اس اعتراض کی خبر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچا دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بڑے شوق وذوق سے اسامہ اوران کے باپ کی امارت کو تسلیم کرتے تھے لیکن افسوس ہے کہ آپ کا یہ شوق و جوش۔ آپ کی یہ پر جوشی اور حلقہ بگوشی صرف آنحضرت صلعم کے سامنے ہی تک تھی۔ جب آپ کی آنکھیں بند ہو گئیں تو یہ اطاعت ومتابعت صریح مخالفت ومنافرت سے تبدیل ہو گئی۔ جیسا کہ بہت جلد تفصیل سے بیان ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی جانبداری میں ابن تیمیہ نے جو ان حضرات کی عدم شرکت کی تاویل کی تھی وہ کیسی بے اصل اور مہمل تھی۔ جس کی تفصیل ہم اور وضاحت سے آئندہ کریںگے۔ بااین ہمہ اس عبارت سے بھی اصل واقعہ کا نتیجہ نہیں معلوم ہوا۔ اس لیے ہم محدث دہلوی شاہ عبدالحق صاحب کی اصل عبارت سے جو ان کی کتاب مدارج النبوۃ میں مندرج ہے۔ حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

حکم عالی چنان صادر شد که اعیان مهاجر وانصار مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق وعثمان ذوالنورین و سعد ابن ابی وقاص و ابوعبیدۃ الجراح وغیرہم الا علی مرتضی که همراه نگردو۔ درآن لشکر اسامه همراه باشند و درمجالس سخنان ازین جماعت درین باب بظهور می آمد و رود ومی یافت این اخبار چون بسمع شریف رسید خاطر مبارکش رنجیده شد و بغضب درآمد و باوجود تپ و درد سر از خانه سرمبارک بعصابه بسته بیرون آمد و برسر منبر رفت و خطبه خواند وگفت اے معشرالناس این چه سخن است که درباب امیرساختن من اسامه راازشما سرپرمی زند و درباب امارت پدرش درغزوه موته نیزسخن میکردید بخدا سوگند که سزاوار لامارت است و پدرش نیز سزاوامارت بودو اسامه از دوست ترین مردم است نزدمن بعد از پدروے و هرود مظنه خیر اند۔ اکنون

وصیت من درشان وے به نیکی قبول کنید که وے از جمله اخیار شماست پس از منیر فرود آمد و بخانه درود رفت و اسامه بنا بر فرمودۂ حضرت صلعم به لشکر گاه معاددت نمود وفرمان داد تا لشکر کوچ کند و چون خواست که خود اسوار شود مادرش ام ایمان پیغام فرستاد که رسول خدا صلعم در نزاع است اسامه بازگشت و اشراف صحابه نیز مراجعت نمودند۔

حکم عالی یوں صادر ہوا کہ تمام اکابر مہاجرین وانصار مثل ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان ذوالنورین۔ سعد ابن ابی وقاص ابوعبیدہ جراح وغیرہم۔ سوائے علی مرتضیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ہمراہ نہ جائیں۔ سب لشکر اسامہ بن زید کے ساتھ جائیں تو لوگوں نے اسامہ کی امارت لشکر کے باب میں گفتگو شروع کی۔ جب یہ خبریں آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچیں تو باوجود بخار اور دردسر کے سر مبارک کو رومال سے باندھ کر آپ باہر تشریف لائے۔ منبر پر گئے اور ارشاد فرمایا لوگو۔ یہ کیا باتیں ہیں جو تم اسامہ کے امیر بنانے کی نسبت کہا کرتے ہو۔ ایسے ہی لوگ غزوہ موتہ کے موقع پر بھی اس کے باپ زید کی امارت کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے۔ خدا کی قسم۔ اسامہ بھی امارت کے قابل ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے قابل تھا اور میرے نزدیک دونوں خیر سے ذکر کیے جانے کے قابل ہیں اب ان کے بارے میں میری وصیت نیکی کے ساتھ قبول کرتے جاؤ کیونکہ یہ تمھارے نیک لوگوں میں ہے۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے اور دولت سرا میں تشریف لے گئے اور اسامہ حسب الحکم لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں جا کر انھوں نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور خود چاہتے تھے کہ سوار ہوں کہ اتنے میں ان کی ماں ام ایمن نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حالت نزع طاری ہے۔ یہ سن کر اسامہ واپس آئے اور ممیزین صحابہ بھی واپس آئے۔

مرقومۂ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا کہ باستثنائے حضرت علی مرتضیٰؑ تمام مہاجرین وانصار کو معیت لشکر اور تعیت اسامہ کا حکم تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ جناب شاہ صاحب نے واقعہ کو نتیجہ تک تو ضرور پہنچا دیا لیکن شرف صحابیت کی رعایت سے جیش اسامہ سے تخلف کرنے والے حضرات اور ان پر آنحضرت صلعم کے عتابانہ خطابات کو بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔ لیکن ع۔ کجا باشد نہاں رازے کزو سازند محفلہا۔ اب باقی تفصیل بھی محدث شیرازی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔ روضتا لا احباب میں آنحضرت صلعم کی آخر امامت نماز کے بعد مرقوم ہے۔

آنحضرت صلعم ابوبکر و عمرو جماعتے (از مسلمانان راطلبید و فرمود که نه گفتم بالشکر اسامه بیرون۔ روید گفتند بلے یا رسول اللّٰه گفتی۔ فرمود پس چرا امرا مرا اطاعت نه کردید ابوبکر گفت من بیرون رفتم وبرگشتم برائے آنکه عهد تراتازه بکنم و عمر گفت یا رسول اللّٰه من بیرون رفتم و برگشتم برائے آنکه نخواستم که خبر بیماری ترا از دیگران پرسم پس حضرت رسول خدا صلی اللّٰه علیه وآله وسلم فرمود که روان کنید لشکر اسامه راد بیرون روید بالشکر اسامه خدا لعنت کند کسے راکه تخلف نماید از لشکر اسامه سه مرتبه این سخن را فرمود و مدہوش شد

حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو آنحضرت صلعم نے بلایا اور فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ لشکر اسامہ کے ساتھ باہر چلے جاؤ۔ سب نے کہا ہاں آپ نے کہا تھا فرمایا پھر تم لوگوں نے میرے حکم کی کیوں تعمیل نہیں کی حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں باہر گیا اور پھر واپس چلا آیا اس لیے کہ آپ کے ساتھ عہد و پیمان کو پھر تازہ کرلوں حضرت عمر نے عرض کی میں باہر گیا اور پھر لوٹ آیا اس لیے کہ میں نے نہیں چاہا کہ آپ کی بیماری کی خبر دوسروں کی زبانی سنوں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے ارشاد فرمایا کہ اسامہ کا لشکر روانہ کردو اور سب کے سب اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو اسامہ کے لشکر سے تخلف کریں یہ فرما کر آپ پھر بے ہوش ہو گئے۔

حافظ جمال الدین فضل اللہ شیرازی صاحب روضۃ الاحباب کے الفاظ سے معلوم ہو گیا کہ نہایت سخت و شدید الفاظ میں معیت وشرکت لشکر اسامہ کی تاکید فرمائی گئی اور لشکر سے پیچھے رہ جانے والے نفرین الٰہی کے مستحق ٹھہرائے گئے۔ جب موید ین صحابیت اور معتقدین خلافت سے عموماً اور امام المتکلمین جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے اس واقعہ کی تردید میں کچھ نہ چلی تو آپ نے حافظ جمال الدین محدث شرازی کے ایسے معتبر اور مستند بزرگ کو جن کو وہ خود اور ان کے والد بزرگوار اپنے سلسلہ اجازت میں داخل ہونے کا اقرار فرما چکے ہیں۔ فارسی نویس لکھ کر غیر ثقہ اور غیر معتبر قرار دے دیا ہے۔ افسوس ہے کہ امام ملت حضرت ابوحنیفہ تو ارکان نماز میں عبارات قرآنی کو زبان فارسی میں ترجمہ کر کے پڑھنے کی عام طور سے اجازت دیں اور آپ ترجمہ ومعانی حدیث کو فارسی میں ترجمہ ہونے کے باعث غیر معتبر اور ناقابل الاستناد قرار دیں۔ سبحانہ اللہ وبحمدہ۔

بہتر اگر عربی عبارت ہی کے ثبوت پر اصرار ہے تو وہ بھی تیار ہے۔ علامہ ابوبکر جوہری لکھتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر فی مرض مرتہ اسامہ بن زید بن حارثہ علی جیش فیه اجلة المهاجرین والانصار منهم ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ بن

الجراح وعبدالرحمان بن عون وطلحه والزبير وامره ان يغزوا على موته حيث قتل ابوه زيد وان يغزوا وادى فلسطين فتتا ولا سامه وتثاقل الجيش بتثا ويخف و يوكد القول فى تنقيد ذلك البعث حتى قال له اسامه يابى انت وامى اتاذن لى ان امكث اياماً حتى يشفيك الله قال اخرج و سر على بركة الله فقال يا رسول الله ان اخرجت وانت على هذه الحال خرجت و فى قلبى قرحة منك فقال سر على انتصر والعافية فقال يا رسول اللهﷺ انى اكره ان اسأل الركبان فقال انفذ لما امرتك ثم اغمى على رسول الله صلعم وقام اسامه فتجهز المخرج فلما افاق رسول الله صلعم سأل عن اسامه والبعث فاخبر انهم يتجهزون فجعل يقول انفذ وابعث اسامه لعن الله من تخلف عنه ويكرر ذلك فخرج اسامه واللواء على راسه والصحابة بين يديه حتى اذا كان بالجرف نزل ومعه ابوبكر و عمر و اكثر الماجهارين ومن الانصار اسيد بن خضير و بشر بن سعد وغيرها من الوجوه فجاءه رسول ام ايمن يقول له ادخل فان رسول اللهﷺ يموت فقام من فورة فدخل المدينه اللوآء على راسه فجآء به حتى ركزه فى باب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وقد مات فى تلك الساعة قال فما كان ابوبكر و عمر يخاطبان اسامه ان ماتا الا بالامير۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت مرض موت میں اسامہ بن زید بن حارثہ کو لشکر کے ساتھ جانے کا حکم فرمایا۔جس میں اکابر مہاجرین وانصار مثل حضرت ابوبکر۔عمر۔ابوعبیدہ جرح۔عبدالرحمن ابن عوف طلحہ زبیر داخل تھے اور اسامہ کو حکم دیا کہ لشکر لے کر جاؤ اور مقام موتہ میں پہنچ کر جہاد کرو جس طرح کہ انھوں نے تمھارے باپ کو وہاں قتل کر ڈالا ہے اور وادی فلسطین تک جہاد کرو۔آپ نے اس لشکر پر اسامہ کو امیر بنایا اور لشکر سنگین جمع ہوگیا۔لیکن آنحضرت صلعم کا مرض بھی سنگین اور گرانبار ہوگیا آپ نے اسی شدت مرض میں لشکر اسامہ کی روانگی کی نسبت تاکید فرمائی اسامہ نے عرض کی میرے باپ آپ پر فدا ہوں مجھے اتنے دن یہاں رہجانے کی اور اجازت دی جائے کہ خداوند عالم حضور کو اس مرض سے شفادے۔ارشاد فرمایا۔جاؤ اور خدا کی برکت پر روانہ ہو

اسامہ نے باردیگرعرض کی کہ اگر میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر باہر چلا گیا تو آپ کی علالت کی وجہ سے میرا دل ہمیشہ دونیم رہا کرے گا ارشاد ہوا کہ خدا کی اعانت وسلامتی پر یقین کر کے چلے جاؤ اسامہ نے پھر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اہل لشکر کی موجودہ حالت عرض کرنے سے کراہت کرتا ہوں فرمایا۔ جاؤ۔ جیسا میں حکم دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ پر پھر غشی طاری ہو گئی اور اسامہ تہیہ سفر کرنے لگے۔ جب آپ کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے اسامہ اور ان کے لشکر کی روانگی کی نسبت استفسار فرمایا تو کہا گیا کہ لوگ تہیہ سفر کرتے ہیں ارشاد ہوا سب سے کہہ دو کہ اسامہ کے ساتھ چلے جائیں خدا لعنت کرے اس پر جو لشکر اسامہ سے پیچھے رہ جائے اور اس کلمہ کو آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ اسامہ نکلے ان کے سر پر علم لشکر سایہ فگن تھا اور صحابہ ساتھ ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ وہ مقام جرف میں پہنچ کر منزل گزین ہوئے ان کے ساتھ حضرت ابوبکر وعمر وغیرہم تھے مہاجرین سے اور انصار سے اسید بن خضیر اور بشر بن سعد وغیرہم ہمرکاب تھے۔ اس اثنا میں ام ایمن اسامہ کی ماں نے آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ واپس چلے آؤ رسول اللہ صلعم نے قضا کی۔ یہ سن کر اسامہ واپس ہو کر داخل مدینہ ہوئے اس طرح کہ ان کے سر پر علم تھا۔ اسامہ نے رسول صلعم کے دروازے پر علم کو گاڑ دیا آنحضرت صلعم نے اسی وقت انتقال فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب تک حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ زندہ رہے اسامہ کو برابر امیر کہہ کر خطاب فرماتے رہے۔

علامہ ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالمنعم الشافی تاریخ مظفری میں لکھتے ہیں

ثم دخلت سنة احد عشر و فيها ضرب صلى الله عليه وآله وسلم بعث الى الشام وامر عليهم اسامه بن زيد وامره ان يوطى الخيل تخرم البلقاء والدارم فبينماهم يتهيون للسفر و بدابرسول الله صلعم الوجع فاشتغلوا به فقال لهم رسول اللهﷺ جهزوا جيش اسامه لعن الله من تخلف عنها فوقع بينها الخلاف فقال بعضهم بمثل قول انبى صلعم والسير وللغزو وقال بعضم الا تطيب قلوبنا الفرقة وهو مريض فنصير حتى يبصر ما يكون من الامر۔

پھر 11 ہجری داخل ہوا۔ اسال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر شام کی طرف بھیجنے کا حکم کیا اور اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا اور اس کو حکم دیا کہ جا بلقا اور دارم تک چلے جاؤ۔ لوگ تہیہ سفر کر رہے تھے

کہ آنحضرت کی تکلیف مرض بڑھ گئی۔ اور تمام لوگ اس میں مشغول ہو گئے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خدا لعنت کرے ان پر جو لشکر اسامہ سے تخلف اختیار کریں۔ لوگوں میں اختلاف کثیر واقع ہوا بعض حکم رسول صلعم کی تعمیل کرنا چاہتے تھے اور بعض جہاد پر روانہ ہونے پر اصرار کرتے بعض کہتے تھے ہمارے قلوب اس وقت آپ سے جدائی کی حالت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ مریض ہیں اس لیئے ہمیں اس وقت تک توقف کرنا چاہیے کہ آپ کے مرض کا نتیجہ دیکھ لیں۔

علامہ امدی اپنی شرح کی فصل رابع قاعدہ سابعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

واختلافهم بعد ذلك فی التخلف عن جیش اسامه وقد قال النبی صلی الله علیه وآله وسلم لجیش اسامه لعن الله من تخلف عنه قال قوم بوجوب الاتباع وقال قوم بالتخلف انتظار الما یکون رسول الله فی مرضه۔

پھر اختلاف جیش اسامہ کی نسبت واقع ہوا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق فرما چکے تھے۔ اس پر خدا کی لعنت ہو جو جیش اسامہ سے تخلف کرے اس حکم کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا۔ بعض اس کو واجب الاتباع سمجھتے تھے۔ بعض اس کے خلاف تھے۔ کہتے تھے کہ ہمیں مرض رسول اللہ صلعم کے نتیجہ تک ضرور انتظار کرنا چاہیے۔

علامہ عبدالرحمن بن عبدالرسول بن قاسم کتاب مرأة الاسرار میں لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللّٰه علیه وآله وسلم سه روز پیش از وفات نماز بامامت ابوبکر صدیق امر فرمود اسامه بن زید بن حارثه راکه پیشتر امیر کرده نامزد شام ساخته بود دو روز پیش از وفات که روز شنبه دہم ربیع الاول بود باوجود مرض بدست مبارک خود لوائے عقد نموده باسامه سپر فرموده و دعائے خیر درشان او کرده رخصت فرموده اسامه لوائے گرفته بیرون رفت و درحرف منزل ساخت تا لشکر جمع شود پس اعیان وانصار و مهاجر مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان بن عفان و سعد بن ابی وقاص و ابو عبیده جراح وغیرہم مامور گشتند برتا آنکه در لشکر همراه اسامه باشند آنصورت بر بعضی از مردم دشوار نمود برسبیل طعن گفتند که این غلام را آنحضرت برمهاجرین امیر میگردانیدیں مقاله بسمع آنحضرت صلعم رسید بسیار بغضب رفته فرمود من تخلف جیش اسامه

فهو ملعون پس لاچار جمله صحابه همراهی اسامه اختيار كردند وغير از بنی ہاشم واہلبیتؑ سے دیگر ہیچکس نزد آنحضرت صلعم نمانده بودند جميع صحابه ہمراه اسامه بحرف بودند وے امر فرمود بکوچ وميخواستند تاسوار شوندكه ام ايمن مادروے کسے رافرستاد که آنحضرت صلعم در نزاع است اسامه بازگشت واكابر صحابه كه بيرون رفته بودند بنابرين خير ايشان نيزمراجعت نمودند۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے تین روز پہلے حضرت ابوبکر کی نماز کی امامت عنایت فرمائی اور اسامہ بن زید کوغزوہ شام کی طرف نامزد فرما چکے تھے دوروز وفات سے پہلے کہ دسویں ربیع الاول روز شنبہ تھا۔ باوجود مرض شدید کے ایک علم خاص آراستہ فرما کراس کے حق میں دعائے خیر کی اور اسامہ کو شام کی طرف رخصت فرمایا۔ اسامہ علم لے کر باہر نکلے اور مقام جرف میں منزل کی اس لیے کہ لشکر وہاں جمع ہوجائے پس تمام مہاجر وانصار مثل ابوبکرؓ صدیق عمر فاروق عثان بن عفان سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ جراح وغیرہم کے لشکر اسامہ کی ہمراہی پر مامور ہوئے۔ یہ صورت بعض لوگوں کو ناگوار معلوم ہوئی وہ طعن کی راہ سے کہنے لگے کہ آنحضرت صلعم نے اس غلام کو ہمارے اوپر امیر مقرر کیا۔ ان لوگوں کے یہ کلام آنحضرت صلعم کو معلوم ہوئے تو آنحضرت صلعم کو سخت غصہ آیا اور ارشاد فرمایا۔ جس نے لشکر اسامہ سے تخلف اختیار کیا وہ ملعون ہے پس تمام مہاجر وانصار نے مجبور ہوکر اسامہ کی ہمراہی اختیار کی اور سوائے بنی ہاشم اور اہلبیت کے کوئی دوسرا شخص آنحضرت صلعم کے پاس باقی نہ رہا کیونکہ تمام صحابہ بہمراہی لشکر اسامہ مقام جرف میں چلے گئے تھے۔ اسامہ نے کوچ کا حکم دے دیا تھا اور لوگ سوار ہوکر چلنے کو تھے کہ اسامہ کی ماں ام ایمن نے کسی کو بھیج کر کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلعم حالت نزع میں ہیں اسامہ لوٹ آئے۔ تمام صحابہ بھی واپس چلے آئے۔

جیش اسامہ کے متعلق صحابہ کے تساہل اور تامّل کے باعث سے جونتیجہ آخر میں ظاہر ہوا وہ معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر مذکور ہو چکا۔ صحابہ کرام کا یہ طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنجیدگی اور سخت کبیدگی خاطر کا باعث ہوا ویسا ہی جیسا قرطاس والا واقعہ ان دونوں واقعات کی مذکورۂ بالا تفصیل پڑھ کر تحقیق کے مشتاق ناظرین پورے طور سے صحابہ کرام کے طرز عمل کے موجودہ تغیرات کو سمجھ جائیں گے۔ بلکہ تعجب کریں گے کہ ایسے اخلاص مندایسے عقیدت کیش اور فرمانبردار اصحاب اور حکم رسالت۔ فرمان نبوت میں اتنا تامل۔ ایسا تساہل اور اس درجہ کا مفرط تغافل۔

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔

اس واقعہ میں حضرت عمر کے تلوں کی زندہ مثال نہایت تعجب خیز ہے۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جو بقول شبلی صاحب واقعۂ ایلا میں اجازت باریابی نہ ملنے کے باعث حضرت حفصہ۔ اپنی صاحبزادی کے سر کاٹنے پر تیار تھے اور پھر اسی واقعہ جیش اسامہ میں۔ منتظرین کی انتظار کرنے والی رائے کے سخت مخالف اور خدمت نبوی میں امارت اسامہ پر معترضین کی تعریض کی خبر پہنچانے والے بھی یہی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر نے جب جیش اسامہ کو بھیجنا چاہا تو آپ نے سخت مخالفت کی۔ کنز العمال میں اس واقعہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائی جاوے۔

عن سیف بن عمر عن ابی حمزہ وابو عمر وغیرھما عن الحسن بن الحسن قال ضرب رسول الله صلعم بعثا قبل وفاته علی اهل المدینة ومن حولهم وفیهم عمر بن خطاب وامر علیهم اسامه بن زید فلم یجاوز اخرهم الخندق حتی قبض رسول الله صلعم توقف اسامه بن زید بالناس ثم قال لعمر ارجع الی خلیفة رسول الله فاستاذنه لی فارجع بالناس فان مع وجوه الناس فلا امن علی خلیفة رسول الله واثقال المسلمین ان یتخطفهم المشرکون وقالت الانصار فان ابی الان تمضی فابلغه عنا واطلب البیه ان یولی امرانا رجلا اقدم سبتاً من اسامه فخرج عمر بامر اسامه فاتی ابوبکر فاخبره بما قال اسامه فقال ابوبکر لواختطفنی الکلاب والذباب له اراد قضاء قضاؤہ رسول الله صلی الله علیه وآلہ وسلم قال فان الانصار امرونی ان ابلغك انهم یطلبون الیك ان تولی امرهم لجلا اقدم سناً من اسامه فوثب ابوبکر وکان جالساً فاخذ بلحیة عمر و قال تکلتك امك وعدمتك یابن الخطاب استعمله رسول الله صلی الله علیه وسلم وتامرنی ان انزعه فخرج عمر الی الناس فقالو اللهم ما صنعت فقال امضوا تکلتکم امهاتکم۔ ما لقیت من سبیکم الیوم من خلیفة رسول الله صلعم۔

سیف ابن عمر نے ابی حمزہ اور ابوعمر وغیرھا سے اور انھوں نے حسن بن حسن کی اسناد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ اور حوالی مدینہ کا ایک لشکر تیار کیا۔ جس میں عمر بن خطاب بھی داخل تھے اور اسامہ بن زید کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا یہ لوگ مقام خندق سے آگے نہیں بڑھے تھے کہ جناب

رسالت مآب صلعم نے قضا کی۔ اسامہ لشکر کے ساتھ رک گئے اور حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ رسولؐ سے جا کر میرے لیے لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت مانگئے کیونکہ میرے ہمراہی ایسے بھی لوگ ہیں جو خلیفہ رسول پر اور مقاصد رسول و مسلمین پر مشرکین متاصل کر دیئے جائیں اور اعتبار نہیں کرتے اور انصار نے کہا کہ آپ ہماری طرف سے ان سے جا کر کہہ دیجیے کہ ہمارے اوپر ایسے شخص کو امیر لشکر بنائیں جو اسامہ سے سن میں زیادہ ہو حضرت عمر وہاں سے چلے اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور پہلے جو کچھ اسامہ سے کہلا بھیجا تھا ان سے کہہ دیا۔ حضرت ابوبکر بولے خدا کی قسم اگر کتے اور بھیڑیے بھی مجھے کھا جائیں۔ تب بھی میں حکم رسول سے عدول نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ انصار نے آپ کو یہ پیام دیا ہے کہ آپ اسامہ سے زاید سن والے کسی شخص کو ان پر امیر مقرر فرمائیں۔ یہ سنتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ بیٹھے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے کہ تیری ماں تیرے سوگ میں روئے اور تو تمام ہو جائے۔ اے ابن خطاب تم جانتے ہو کہ ان کو رسول اللہ صلعم نے امیر مقرر کیا ہے۔ یہ جان کر تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ لشکر میں واپس آئے اور جو کچھ گذرا تھا بیان کر دیا اور ان سے کہا کہ تمھاری مائیں تمھارے سوگ میں روئیں کہ میں نے تمھارے باعث خلیفہ رسولؐ کے ہاتھوں یہ سب کچھ اٹھایا۔ (تشئید المطاعن ص 67)

یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے طرز عمل میں ان کے تغیر و تبدل رائے کا کافی ثبوت ہے۔ اور سیاسی نقطۂ خیال کے اعتبار سے ؎
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامی دارد کی عملی تدابیر پر مبنی ہے۔ آنحضرت صلعم کی حیات میں اس کی کچھ اور مصلحت تھی اور وفات کے بعد اب اس کی صورت و ضرورت کچھ اور ہو گئی۔ جدھر ہوا کا رخ ہوا ادھر تنکے اڑے۔

قریب وفات کے حالات

مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام میں واقعہ قرطاس۔ تجہیز جیش اسامہ، پیش نمازی حضرت ابوبکر کے تمام جزوی و کلی حالات و واقعات کے کامل انکشافات کر کے۔ ہم اب آپ کے قریب وفات کے حالات مفصل اور مسلسل قلمبند کرتے ہیں۔

مرقومۂ بالا حالات و واقعات صاف صاف ثابت کر رہے ہیں کہ مرض رسول اللہ صلعم کی شدت اور روز بروز آپ کی حالت نازک دیکھ کر آنحضرت صلعم کے کسی حکم و فرمان کی آپ کے مدعا و ایما کے موافق تعمیل نہیں کی گئی اور قریب قریب تمام گروہ مسلمین کے خیالات و جذبات میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ اور حکم رسولؐ کی تعمیل و اجراء میں ہر فرد واحد اطاعت خلوص اور متابعت کی جگہ اپنی جگہ قوت اجتہادیہ سے کام لینے لگا۔ اور جیسے جیسے اس نفس قدسی برکت کے فیوض روحانی کم ہوتے گئے۔ اسلام میں خودغرضی اور خواہشات نفسانی

بڑھتی گئیں۔اس عالم ناشنوائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سوائے خاموشی کے اور چارا ہی کیا تھا۔

اتوار کی دوپہر سے آپ کی حالت بالکل تغیر ہوگئی تھی۔آج تک مریض رسالت کو کوئی دوا نہیں دی گئی تھی اتوار کے دن حالت خراب دیکھ کرامہات مومنین نے بے ہوشی کی حالت میں آپ کو دوا پلادی۔جب افاقہ ہوا تو آپ کو دوا کا ذائقہ محسوس ہوا۔چونکہ آپ اس مرض کو مرض الموت یقین کر چکے تھے۔کسی مداوا کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اس بنا پر دوا کا پلایا جانا کسی قدر ناگوار طبع ہوا۔شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

وفات سے ایک دن پہلے (اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی۔چونکہ گوارا نہ تھا آپ نے انکار کیا۔اس حالت میں غشی طاری ہوگئی۔لوگوں نے منہ کھول کر پلادی افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا۔تو فرمایا سب کو دوا پلوائی جائے معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے۔اس لیے وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے محدثین اس واقعہ کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا۔یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا۔لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنگ مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔

ہمیں نہ شبلی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے اور نہ ان کے محدثین کے نظریہ سے۔اس لیے کہ شدت مرض کا موجودہ عالم اضطراب ہرگز نزاکت یا لطافت طبع کے مقتضی نہیں تھا۔بلکہ ان لوگوں کو دوا پلوانے کی ترکیب میں اس حکیم الٰہی کو اس امر کی تنبیہ وتعلیم منظور تھی جس کو ہم اوپر امتناع مداوا کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔یعنی دوا پلوانے والوں کو دوا پلوا کر بتلا دیا گیا کہ جس طرح اس دوا پینے سے تم لوگوں کو کوئی نفع وضرر نہیں ہوگا اسی طرح مجھے بھی اس سے کوئی نقصان یا فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ یہ مرض میرا مرض الموت قرار پا چکا ہے۔اور موت کا مرض کسی دوا سے نہیں جاسکتا۔اس لیے دوا کی کوشش بیکار ہے۔

اشرفیوں کا تصدق

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

مرض کی کرب وبے چینی میں ایک دن یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائیں تھیں دریافت فرمایا۔عائشہؓ وہ اشرفیاں کہاں ہیں۔محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر نہ ملے گا۔جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کردو۔

لیکن محدث شیرازی اس واقعہ کو ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

بصحت پیوسته که برائے آن سرور صلعم چند دینار زر سرخ از جائے آورده بودند همه رالفقرا قسمت فرموده الاشش یافت دینار که بعائشه سپرو بعد ازان و یرا در مرض اغمائے حاصل شد سه برسینه عائشه نهاده بود۔ چون بهوش آمد فرمودائے عائشه آن ونانیر راچه کردی گفت پیش من است فرمود بر فقرا تصدق کن و بے ہوش شد و چون

بہوش باز آمد فرمودائے عائشہ انفاق کردی آن را یانہ۔گفت نہ یا رسول اللہ صلعم۔وہما تاکہ تاخیر در انفاق آن بہ سبب آن واقع شدہ بود کہ عائشہ بہ تیمار داری و خدمت آن سرور مشغول بود فرمود تآن رابیا ورد۔او آورد و حضرت آن و نانیر رابر کف دست مبارک بنہا دولشبمرد و آنگاہ فرمود چہ گمان بود محمد رابہ پروردگار خود اگر بخدا رسد و واین ونایر نزدوے باشد پس آنہا رایہ پیش علی ابن ابی طالبؑ فرستاد تابر فقرا قسمت کردو فرمود این وقت استراحت یافتم۔

روایت صحیح میں مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس کہیں سے اشرفیاں آئی تھیں وہ سب مستحقین پر تقسیم کر دی گئیں۔ان میں سے چھ یا سات بچ گئیں تھیں۔آپ نے حضرت عائشہؓ کے پاس رکھوادی تھیں ایک بار بیماری کی اس حالت بے ہوشی میں کہ آپ کا سر حضرت عائشہ کے سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ہوش آیا تو آپ کو وہ اشرفیاں یاد آئیں۔فوراً عائشہ سے پوچھا کہ تم نے وہ اشرفیاں کہاں رکھیں۔فرمایا رکھی ہوئی ہیں۔ارشاد ہوا انھیں فوراً تصدق کردو۔یہ کہہ کر آپ پھر بے ہوش ہو گئے۔ہوش آیا تو پوچھا وہ اشرفیاں تصدق کر دیں۔حضرت عائشہ نے کہا نہیں تاخیر انفاق کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ آپ کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان اشرفیوں کو لے آؤ۔وہ لے آئیں۔آپ نے ان کو ہتھیلی پر رکھ کر شمار کیا پھر فرمایا محمدؐ کی نسبت پروردگار کا کیا گمان ہوتا ایسی حالت میں کہ وہ اس کے دربار میں حاضر ہو اور اس کے پاس یہ اشرفیاں باقی اور موجود ہوں۔یہ فرما کر آپ نے ان اشرفیوں کو حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس بھجوا دیا کہ فقراء پر تقسیم کر دی جائیں وہ تقسیم کر دی گئیں۔جب یہ خبر آپ کو ملی تو فرمایا اب مجھے اطمینان ہو گیا۔

روضۃ الاحباب ص556

حضرت عباس اور حضرت علیؑ سے گفتگو

پیر کا دن غضب کا روز اور قیامت کی صبح تھے۔وہ دن تھا کہ خاتم نبوت گھنٹہ دو گھنٹوں میں ختم اور متمم رسالت مرض الموت کے 13 یا چودہ دن پورے کر کے تمام ہونے والا تھا آفتاب ہدایت وارشاد لبِ بام تھا۔شمع ارشاد واتحاد خاموش ہونے والی تھی۔ظلمت کفر والحاد فضائے عالم میں چھانے والی تھی۔وحی الٰہی اور برکات لامتناہی مسدود ہو رہی تھی اور اسلام کے پیکر روحانیت میں۔خودغرضی۔نفسانیت اور تباہی موجود ہونے والی تھی۔صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو طبیعت میں بخلاف اور دونوں کے سکون تھا۔مگر یہ سکون وقفۃ الموت تھا جو بشریت کا لازمہ فطرت ہے اسی عالم سکون میں اپنے دست مبارک سے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا۔مسجد میں نماز

صبح کی جماعت دیکھ کر اظہار مسرت فرمایا اور پھر حجاب گرا دیا۔ گویا مسجد و جماعت کا یہ آخری معائنہ اور رخصتی مواجہ تھا۔ محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن عباس روایت میکند کہ علی ابن ابی طالب از نزد آنحضرت صلعم بیرون آمد مردم گفتند اے ابو الحسن رسول امروز چون است فرمود الحمد اللہ نیکو است و افاقہ و یر حاصل اشد عباس دست و یرا گرفتہ و بطریق خفیہ از وے گفت کہ رسولؐ بعد از سہ روز دیگر از دنیا نقل میکندو تو مامور امر دیگر خواہی شد و من علامتی در روے فرزندان عبد المطلب میدانم کہ درحین حاصل میشود آن علامت امروز درروئے آن سرور مشاہدہ کردم۔ بیاتا نزدوے رویم و پریم کہ امر خلافت بعد از وے از آن کیست۔ اگر از آن است بدانیم واگر از آن غیر ماست معلوم کنیم کہ کیست و از وے التماس بنمائیم واگر از آن غیر ماست معلوم کنیم کہ کیست و از وے التماس بنائیم تا برائے ما باو وصیت فرماید۔ علی علیہ السلام در جواب گفت بخدا سوگند کہ اگر سوال کنیم از وے خلافت را و مارا از وے منع نہ کند۔ مردم بعد از وے بما بخواہنداد۔ واللہ کہ من از رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این سوال نکتم و دنیا نطلبم۔ روضۃ الاحباب ص 555

عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ کی خدمت سے اٹھ کر باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ آج رسول صلعم کا مزاج کیسا ہے۔ بولے الحمد اللہ آج کچھ افاقہ ہے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ تھام کر بطور خفیہ ان سے کہا کہ رسول اللہ صلعم تین روز کے بعد انتقال کر جائیں گے۔ اور تم دوسروں کے محکوم ہو جاؤ گے اور میں اولاد عبد المطلب کی ان علامتوں کو خوب پہچانتا ہوں جو وقت موت ان پر طاری ہوتی آئی ہیں ہم لوگ ان کے پاس چلیں اور دریافت کریں کہ آپ کے بعد خلافت کس کیلئے ہونے والی ہے۔ اگر ہم لوگوں کیلئے ہونے والی ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے اور اگر دوسروں کو ملنے والی ہے تو ہم لوگ پھر آپ سے درخواست کریں کہ اسے ہمارے حق میں وصیت فرمادی جائے حضرت علی مرتضیٰؑ نے جواب میں ارشاد کیا کہ خدا کی قسم اگر خلافت کے لیے ہم آپ سے درخواست بھی کریں اور آپ ہمیں اس سے منع بھی نہ کریں یعنی دے بھی دیں تاہم لوگ بعد آپ کے اس کو ہمیں نہ دینگے اور واللہ میں جناب رسول خدا صلعم سے ایسا سوال کبھی نہ کروں گا اور دنیا نہ مانگوں گا۔

عام اس سے کہ یہ روایت اصولاً قابل اعتبار و احتجاج ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس سے حقیقت کے متلاشی۔ اصلیت کے متدعی حضرت عباس کی عمومیت اور حضرت علیؑ کی خصوصیت طبع کو کامل طور سے اندازہ کر لیں گے کہ دنیاوی امارت وثروت کی طرف مائل وراغب کون تھا اور ان خواہشات وتعلقات سے تائب کون۔ فیضی مرحوم

حضرت فاطمہؑ اور حسنین علیہما السلام سے الوداع

جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ہوشی۔ خاموشی اور پے درپے غشی بڑھتی جاتی تھی۔ ہوش آ تا تھا تو چشم مبارک کھول دیتے تھے پھر بند کر لیتے تھے اسی عالم میں ایک بار آنکھ کھلی تو جناب سیدہ کو سرہانے روتا دیکھا۔ ارشاد ہوا فاطمہؑ بچوں کو بلاؤ۔ محدث شرازی لکھتے ہیں۔

> جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دروقت اختصار) بافاطمہؑ فرمود پسرانت راپیش آر فاطمہ حسن و حسین علیہم التحیۃ والرضوان بہ نزدیک آنحضرت صلعم آورد۔ وے سلام کردند۔ و در برابر جد بزرگوار بنشستند و چون لورا باآن حال دیدند گریہ آگاز نہادند چنان زار زار بگریستند کہ ازگریہ شان ہرکہ درآن خانہ بودند بگریست حسنؑ روئے خویش رابرروئے مبارک آنحضرت و حسینؑ رابرسینہ پر سکینہ آن سرورنہاد آنحضرت صلعم چشمان نرگسین کشادودرایشان ازسرلطف و شفقت نظر کرد۔ ایشان راہوسید و ببوئید و رباب تعظیم واحترام ومحبت ایشان وصیت فرمود و روایتے آنکہ بعضے از خواص اصحاب برور حجرہ حضرت حاضر بودند واز گریہ حسنؑ و حسینؑ بگریستند پر ہوش آن سرور رسید وے نیز دراین حالت بگریست۔

عالم اختصار میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلاؤ حضرت فاطمہ حسنین علیہما السلام کو خدمت مبارک میں لے آئیں۔ انھوں نے سلام کیے اور اپنے جد بزرگوار کے پاس بیٹھ گئے۔ اور دونوں آپ کی یہ حالت زار دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ان کے رونے سے

ا۔ توثیق علامہ عبدالرحمن صاحب مرأۃ الاسرار شیخ الہند شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں کہ در مرأۃ اسرار مذکورست کہ حضرت گنج شکر دراحۃ القلوب میفر ماید کہ من می خواستم کہ نعمت سجادہ ملک ہندوستان رابکسے دیگر وہم ہاتقف گیب آواز داد کہ شیخ نظام الدین درراہ است بدارتاوے برسد (کمافی تشئید ص ۷۱-۷۲)المولف عفی عنہ

تمام حاضرین رونے لگے حسن علیہ السلام نے بے اختیار ہو کر اپنا منہ آنحضرت صلعم کے روئے مبارک پر رکھ دیا اور حسین علیہ السلام نے اپنا سر سینہ اقدس پر آنحضرت صلعم نے آنکھیں کھول کر دونوں بچوں کے منہ کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ دونوں کے بوسے لیے۔ دونوں کے گیسو سونگھے اور پھر تمام حاضرین کو ان دونوں کی تعظیم۔ احترام اور محبت کے متعلق وصیت فرمائی اور ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ بعض خواص صحابہ کی جماعت باہر دروازے پر جمع تھی وہ لوگ بھی ان بچوں کی گریہ وزاری سن کر ڈاڑھیں مار کر رونے لگے یہاں تک کہ ان لوگوں کی صدائے گریہ سن کر آنحضرت صلعم بھی رونے لگے۔

حضرت علی علیہ السلام سے آخری رخصت اور وصیت

امام فخرالدین رازی اور امام دارقطنی لکھتے ہیں۔

عن ام المومنین عائشه رضی الله عنها قالت لما حضر رسول الله الموت قال ادعوا لی جیبی فدعوت له ابابکر فنظر الیه ثم وضع راسه فقال ادعوا لی جیبی فدعوت له عمرا فنظر الیه ثم وضع راسه فقال ادعوا لی جیبی فقلت ویلکم ادعوا له علی ابن ابی طالب فوا الله ما یرید غیره فلما راه اخرجه الثواب الذی کان علیه ثم ادخله فیه فلم یزل لتحضنه حتی قیض وید ہ علیه۔ ارجح المطالب ص 334 ج 2۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ فرمایا میرے حبیب کو بلائیں میں نے حضرت ابوبکرؓ کو بلا بھیجا وہ جب آئے تو حضرت نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ میں نے جناب عمرؓ کو بلا بھیجا آپ نے سر اٹھا کر ان کو بھی دیکھا اور تکیہ پر سر رکھ لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ، تب میں نے لوگوں سے کہا افسوس ہے تم پر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بلاؤ۔ جب حضرت صلعم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دیکھا تو وہ کپڑا جو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے اٹھایا اور علیؑ کو اس میں لے لیا اور علیؑ سے بغلگیر رہے۔ یہاں تک کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔

مرقومۂ بالا روایت سے ثابت ہو گیا کہ ایام مرض میں شدت مرض کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجبوریاں دقتیں اور مشکلیں اتنی سخت اور دشوار ہو گئی تھیں کہ سوائے اخلاق رسولؐ کے عام طبائع انسانی ان کی تحمل و برداشت کی قوت نہیں رکھتی تھیں۔ تجویز

رسالت اور صحابہ کی قوت اجتہاد و متضاد صورتیں متصادم تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی موجودہ حالت۔ مرض کی شدت۔ ضعف و اضمحلال۔ بے کسی و مجبوری بیماری و بے یاری۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں۔ سوائے سکوت اور خاموشی کے اور کیا کرسکتی تھی۔ رسول الثقلینؐ بستر مرگ پر وصیت نہیں کرسکتا۔ شہنشاہ کونین اپنے خاص عزیز سے مرتے دم رخصت نہیں ہوسکتا۔ وہ آخری وصیت کے لیے اپنے حبیب خاص اپنے قریب مخصوص کو بلاتا ہے پیش کیے جاتے ہیں دوسرے لوگ۔ وہ صورت دیکھتا ہے اور مدعا کے خلاف پا کر خموشی سے پھر بالش علالت پر سر رکھ دیتا ہے اور آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ کہیں جا کر تیسری مرتبہ اس کی خواہش پوری کی جاتی ہے وہ اپنے حبیب اور قریب خاص کو دیکھ کر اپنے ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیتا ہے جو عموماً ہر ملک و قوم میں رخصت ہونے کا دستور ہے۔ ردائے مبارک اٹھا کر اس کو اپنی ردا میں لے لیتا ہے اور مرتے وقت جو کچھ وصیت آخری کی صورت میں کہنا ہوتا ہے کہہ دیتا ہے اسی خلوت خاص کے عالم میں بحکم وقت پورا ہوجاتا ہے خدا کی بارگاہ سے طلبی آجاتی ہے اور وہ بکمال سکون واطمینان الرفیق الاعلیٰ کہتا ہوا الصلوۃ وما ملکت ایمانکم کی آخری وصیت فرماتا ہوا خارستان دنیا سے چمنستان عقبیٰ کی طرف تشریف لے جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انك میت وانهم میتون اللهم صل وبارك وسلم علی محمد سید المرسلین واله الطیبین صلوۃ وسلاماً کثیراً کثیرا۔

وفات رسولؐ پر گریہ وبکاء

شبلی صاحب نے ذکر وفات کے بعد اہلبیت اور ازواج مطہرات کے حزن وملال اور گریہ وزاری کے حالات جو لازمہ فطرت انسانی ہیں۔ غالباً اس وجہ سے نہیں لکھے ہیں کہ ان کو تاریخ واقعات سے تعلق نہیں یا۔ اس سے جواز گریہ کی ایک خواہ مخواہ صورت قائم ہوجائے گی۔ جو آگے چل کر امتناع بکاء علی الحسینؑ کی مخالف ثابت ہوگی۔ شبلی صاحب کی مال اندیشی نتیجہ شناسی اور باریک بینی کی ہم ہمیشہ داد دیتے آئے ہیں اور اس وقت بھی ہم آپ کی اس حزم و احتیاط کی ضرور داد دیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اس مقام پر آپ کی تائید نہیں کرسکتے۔ اس لیے کہ لازمہ فطرت اور خاصہ طبیعت انسانی سے علیحدہ ہوجانا پڑے گا۔ اس ضرورت سے آپ کی ترتیب خاص کے خلاف ہم اپنے سلسلہ بیان میں وہی سلسلہ التفصیل ضرور قائم رکھیں گے جو تمام حدیث وتاریخ کے مؤلفین متقدمین ومتاخرین نے قائم رکھا ہے۔

فراق پدر میں جناب فاطمہؑ کی گریہ وزاری

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند ہوتے ہی گھر میں کہرام مچ گیا اہلبیت علیہم السلام اور جمیع بنی ہاشم کی گریہ وزاری عموماً اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی بے تابی وبے قراری بالکل ناقابل بیان ہے۔ ہر فرد خاص کی تفصیل مصائب کی پوری کتاب تیار کردے گی۔ اس وجہ سے صرف جناب سیدہؑ کے قلق واضطراب کی تفصیل محدث شرازی کے مفصلہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

بصحت پیوسته که چون آن سرور ازین عالم انتقال نمود فاطمه زہراعلیہا السلام نبیا دندبه و زاری کرد و گفت یا ابتاه اجاب ربأ دعاه من جنة الفردوس ماواه یا ابتا من الی جبریل تنعاه و

گویند بعد از پیغمبر صلعم ہرگز فاطمه را کسے خاندان ندید۔

روایت صحیح میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو جناب فاطمہ زہراؑ فرط گریہ وزاری میں فرمانے لگیں اے پدر بزرگوار آپ نے خداوند عالم کی دعوت قبول فرمائی۔ اور جنت الفردوس میں منزل گزیں ہوئے۔ اے پدر عالی مقدار کون ہے جو آپ کی وفات کی خبر جبریل کو پہنچا دے۔ منقول ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کسی نے پھر جناب فاطمہ زہراؑ کو ہنستے نہیں دیکھا۔

محدث دہلوی شاہ عبدالحق صاحب مدارج النبوت میں ان کلمات کے ساتھ اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں۔

وابتاه بعد از تووحی برکه فرود آید خداوند روح فاطمهؑ را بروح اورسان۔ بار خدا بامرابه رسول خویش بے نصیب مدارو در روز قیامت از شفاعت او محروم مگذار۔

اے پدر نامدار۔ بعد آپ کے وحی اب کس پر نازل ہوگی خدایا تو فاطمہؑ کی روح کو اس کی روح کے پاس پہنچا دے۔ یا خدایا مجھے اپنے رسولؐ سے قریب کردے۔ یا خدایا۔ مجھے اپنے حبیب کے ثواب سے محروم نہ رکھ۔ اور قیامت میں اس کی شفاعت سے محروم نہ چھوڑیو۔

حضرت عائشہؓ کی گریہ وزاری

حضرت عائشہ کی اسی کتاب میں یہ گریہ وزاری منقول ہے۔

مرویست که عائشه صدیقه زاری میکرد و میگفت دریغ پیغمبرے که فقر پر غنا اختیار کردو آن دین پرورے که از غم گنا ہان امت ہیچ شب تمام در بستر راحت باستراحت مشغول درشند و ہر گزاز میدان صبر وتحمل از محاربۂ نفس فرازنموده وچشمان او ہر گز بمنہیات التفات نه فرموده و باوجود کثرت ایذا و احتراز کفار و اہل ضلال گرد برروے با اقبال وے نشست و درانعام و افضال برروبے ہیچ فقیرے نوال نه لسبت و دندان درمثال دے بضرب سنگ دشمن شکسته و سروے بعصابه حوادث روزگار بسته شد و شکم وے در روز متتابع از نان جو سیر نشد۔

حضرت عائشہ رو رو کر کہنے لگیں آہ۔ وہ پیغمبر کہ جس نے ناداری مالداری پر اختیار کی۔ وہ دین پرور جو امت کے گناہوں کے غم سے کبھی رات بھر با آرام نہ سویا اور نفس کے مقابلہ میں میدان صبر و تحمل سے کبھی نہ ہٹا اور ضروریات دنیا کی طرف کبھی اس کی آنکھیں ملوث نہ ہوئیں اور باوجود اتنی ایذا و جبر کفار کے کبھی آپ کے

روئے مبارک پر گرد ملال نہ بیٹھی۔ جس کے عطا و جود کا دروازہ کسی فقیر بے نوا کے لیے کبھی بند نہ ہوا۔ ان کے موتی کے ایسے دانت توڑے گئے۔ ان کے سر پر درد مصائب کی وجہ سے رومال بندھے ان کا شکم مطہر کبھی ہمیشہ دو دن بھی نان جو سے سیر نہ ہوا۔

تعزیت اہلبیت علیہم السلام

اس کے آگے صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں۔

چون آن واقاعه ہائله رونمود مردانِ اہل بیت در آمد ندو پرده درمیان زنان و مردان بستند وازناحیه خانه آوازے شنید ند و ہیچ گوئنده رانمی دید نکه می گفت السلام علیکم یا اہل البیت ورحمة اللّٰه وبرکاته کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجورکم یوم القیمة بدانید که ہر مصیبتے رانزد خداوند تعالیٰ تسلیه و ہر فوت شده راخلقی است پس بخداوند تعالیٰ واثق باشید وباو باز گروید و جزع نه نمائید که بحقیقت مصیبت رسیده کسے است که از صواب محروم باشد والسلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته۔ علی کرم اللّٰه وجهه فرمود ہیچ می دانید که این گوئنده که بود گفتند نه فرمود که خضر بود که تعزیت بما رسانیده۔ روضه ص 562

جب یہ واقعہ عظیم رونما ہوا تو اہلبیتؑ کے مردوں نے گھر میں آ کر فوراً مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ کھینچ دیا اور اطراف خانہ سے یہ آواز سنائی دی مگر آواز دینے والا نہ دکھلائی دیا۔ وہ ندا یہ تھی کہ اے اہل بیت سلام ہو تم پر اور خدا کی رحمت و برکت۔ ہر جاندار شے موت سے لذت پذیر ہونے والی ہے اور تم لوگ بروز قیامت اپنے اجر پانے والے ہو۔ یہ سمجھ لو کہ ہر مصیبت کے لیے ایک تسکین و تسلی ہے اور ہر مصیبت رسیدہ کے واسطے ایک عالم خاص ہے۔ خداوند عالم کے وعدۂ و اقرار کے ساتھ سچے رہو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ آہ و نالہ نہ کرو حقیقتاً مصیبت زدہ تو وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے۔ سلام ہو اوپر تمھارے اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کچھ جانتے ہو کہ یہ ندا کرنے والا کون شخص تھا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ یہ خضر تھے۔ جو ہمیں تعزیت دینے آئے تھے۔

تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ 12 ربیع الاول کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔

(ا) (ان عقیدتمندوں کو یقین نہ آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کیا) چنانچہ حضرت عمر نے تلوار کھینچ لی کہ جو کہے گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اس کا سراڑادوں گا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا حضور کا اس خیال سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔(۲)اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز وتکفین سے فراغت ہوسکے۔

(۳) قبر کنی کا کام غسل وکفن کے بعد شروع ہوا۔اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

(۴) جس حجرے میں آپ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے۔پہلے بھی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن تمام ہوکر رات کو فراغت ملی۔

شبلی صاحب کے رقم کردہ وجوہات تاخیر تدفین کے انکشافات

حقیقت حال پر شبلی صاحب کی نقاب افگنی کا تو یہ خاص الخاص مقام ہے۔اور ہمارے انکشافات کا بھی خاص موقع۔ ہاں شبلی صاحب۔جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کی تاخیر کے متعلق جتنے اسباب خارجی اور ظاہری تھے وہ آپ نے لکھ کر دکھلا دیئے۔مسلمانوں کو عموماً اور حضرت عمرؓ کو خصوصاً آپ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا۔حضرت ابوبکرؓ آئے حضرت عمر کو سمجھایا۔اسی سمجھوتے میں دیر لگی۔شبلی صاحب۔آپ بیکار کیوں تمام مسلمانوں کو سمیٹتے ہیں۔اس واہمہ قیاس کے پھیلانے اس مخالف فطرت انسانی۔معارض احکام ربانی عقیدے کے بتلانے والے تو حضرت عمر ہی ثابت ہوئے ہیں۔ملاحظہ ہو بتاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت

توفی رسول اللہ وابوبکر یا لشیخ وعمر حاضر ولد اتوفی رسول اللہ قام عمر ابن الخطاب فقال ان رجالاً من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ توفی وان رسول اللہ صلعم مامات۔

رسول مقبول صلعم کی وفات کے وقت حضرت عمرؓ موجود تھے مگر حضرت ابوبکرؓ موضع سخ میں تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ منافقین کو گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوگئے۔مگر خدا کی قسم۔آنحضرت صلعم فوت نہیں ہوئے۔

علامہ شہرستانی۔کتاب ملل ونحل میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال عمر ابن الخطاب من قال ان محمداامات قتلتہ بسیفی ھذا۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے کہا کہ جو شخص کہے گا کہ رسولؐ کا انتقال ہوگیا۔میں اس کو اپنی اس تلوار سے قتل کر ڈالوں گا۔

محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

مردم بواسطه سخن عمر درشک افتادند درموت آنحضرت صلعم و درآن ساعت ابوبکر صدیق در منزل خویش در محلۂ سخ بود کسے رافرستادند تاوے راخبر دار گردایند پس ابوبکر به تعجیل سوار شد و نیگفت واه محمداه و میگریست تابه مسجد رسول درآمدودیدکه مردم متفرق الحال اند۔

حضرت عمرؓ کے اس قول کو سن کر لوگ شک میں پڑ گئے کہ آنحضرت صلعم کا انتقال ہوا یا نہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر اپنے مکان واقعہ محلہ سُخ میں تھے۔ ان کو رسول اللہؐ کے انتقال کی خبر دی گئی تو فوراً سوار ہو کر روتے ہوئے اور واہ محمداہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے اور مسجد نبویؐ میں آ کر دیکھا کہ لوگ مختلف الحال ہو رہے ہیں۔

قصور کریں حضرت عمرؓ۔ پکڑے جائیں سب مسلمان۔ اب تو شبلی صاحب اوران کے مویدین کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ ہی اس خیال کے بانی اور موجد تھے۔ سیدھے سادھے مسلمان انھیں کی شخصیت سے مرعوب ہو گئے۔ کہ اب اس کی تمام کیفیت اسی روضۃ الاحباب کی باقی عبارت سے حسب ذیل ملاحظہ کی جائے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ آپ کے اسباب اربعہ میں سے ایک بھی تاخیر تکفین وتدفین آنحضرت صلعم کا اصلی سبب نہیں تھا۔ بلکہ جو حقیقی وجہ تاخیر تھی وہ اس عبارت سے بکمال وضاحت معلوم ہو جائے گی۔

پس ابوبکر صدیق از خانه بیرون اند و عمر درمیان غله/ زمردم سخن میکردومی گفت پیغمبر وفات نیافته صدیق سه نوبت باوے گفت بنشین دهربار عمر ابانمود پس ابوبکر گفت ایها الرجل بد ستیکه رسول خدا وفات یافته۔ نشینده که حق تعالیٰ کتاب خویش باوے این خطاب فرمود انگ میت وانهم میتون وفرمود وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد فان مت هم الخالدون۔ آنگاه برمنبر رسول برآمده۔ مردم همه عمر را گذا شتند وبابوبکر متوجه شدن صدیق خطبۂ خواند مشتمل برحمد و ثنائے خداوند تعالیٰ و درود بر محمد مصطفیٰ و گفت من کان یعبد محمدا فان محمداً قد فات و من کان یعبد الله فان الله حی لا یموت و آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله انقلبتم علی اعقابکم تاآخر آیه خواند عمر گوید پائے من لرزید و بیفتادم و گوئیامن این آیت را نه شینده بودم و همه

مردم آن دو آیت را از ابوبکر فرا گرفتند دمی خواندند وابن عمر گویند گوئیا بر روئے ما پردہ بود وبواسطه ابوبکر برداشته شد پس اهالی مدینه واصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم دل برفوت آنحضرت صلعم نهادند انا لله وانا الیه راجعون گفتند ابوبکر صدیق رضی الله عنه تعزیت و تسلیه اهلبیت بجا آورد و گفت مهم غسل و تجهیز و تکفین آنحضرت تعلق بشما دارد و خود با اکابر مهاجر وانصار بسقیفه بنی ساعده رفت تا امر خلافت قرار دهد۔ ص 563

حضرت ابوبکرؓ (جسد رسول کی زیارت سے مشرف ہوکر) باہر نکلے تو لوگوں کے ہجوم میں حضرت عمر کو لوگوں سے کہتے ہوئے سنا کہ پیغمبرؐ خدا نے وفات نہیں پائی ہے حضرت صدیق نے تین بار پکار کر ان سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔لیکن ہر بار حضرت عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کیا تب تو حضرت صدیق نے ڈانٹ کر ان سے کہا کہ مرد خدا رسول اللہ صلعم نے یقیناً وفات پائی۔کیا تم نے آج تک نہیں سنا ہے کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے خود قرآن مجید میں ان سے خطاب کر کے کہا ہے۔تم بھی مرنے والے ہواور تم سے پہلے بھی لوگ (انبیائے متقدمین) مر چکے ہیں۔پھر ارشاد باری یہ بھی ہے کہ ہم نے کسی کو ابدی زندگانی نہیں دی ہے ہاں جب وہ مریں گے تب ابدی زندگانی پائیں گے۔یہ فرما کر حضرت ابوبکر منبر کی طرف بڑھے تمام لوگ اس وقت حضرت عمرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وثنائے الٰہی میں ایک خطبہ پڑھا اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ جو محمدؐ کی (نعوذ باللہ معبود سمجھ کر) عبادت کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ محمدؐ نے انتقال کیا اور جو شخص کہ خالص خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے وہ یقین کرے کہ خدائے بزرگ وواحد ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور کبھی مرنے والا نہیں ہے۔اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی کہ محمد صلعم ایک رسول ہیں۔اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم دین سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔اس آیہ کا آخر فقرہ۔تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے تھے۔تک تلاوت فرمایا۔حضرت عمر کا بیان ہے کہ یہ سن کر میرے پاؤں کانپنے لگے اور میں کھڑے کھڑے گر پڑا۔گویا کہ میں نے اب تک اس آیت کو سنا ہی نہیں تھا۔تمام لوگوں نے اس آیت کو حضرت ابوبکرؓ سے سن کر یاد کر لیا اور پڑھنے لگے۔عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ گویا اس وقت تک ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا تھا اور حضرت ابوبکرؓ

کے وسیلہ سے وہ حجاب اس وقت سامنے سے اٹھ گیا۔ پس باشندگان مدینہ ونیز تمامی صحابی رسول مقبول صلعم کو اس وقت سے آنحضرت صلعم کی وفات کا یقین ہوگیا۔ تب سب لوگوں نے آیہ ترجیع انا للہ وانا الیہ راجعون کو پڑھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اہلبیت علیہم السلام کی خدمت میں جا کر رسم تعزیت اورتسلیہ بجالائے اور فرمایا آپ حضرات سے جناب رسالت مآب صلعم کے غسل وتجہیز وتکفین کی ضروریات متعلق ہیں۔ آپ انھیں انجام دیں اور خود تمام بزرگان مہاجرین و انصار کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف لے گئے کہ امر خلافت کو قرار دیں۔

مرقومۂ بالاعبارت سے اصل وجہ تاخیر کا راز سربستہ کھل گیا کہ اس تمام التواوتاخیر کا اصلی باعث اور حقیقی سبب سقیفہ کی پنچایت اور خلافت کا دنگل تھا۔ جب یہ پنچایت اٹھ گئی اور یہ دنگل برخاست ہوگیا۔ تو رسول اللہؐ کی نعش مبارک دفن کی گئی۔ صحابۂ کرام کے اس خاص طرزعمل میں آج تک یہ شعر زبان زدخاص وعام ہے ۔

چون صحابہ حب دنیا داشتند　　　　مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

فاضل عباسی گورکھپوری نے اس موقع کی روئداد حاضرہ کی نسبت اپنی کتاب تاریخ الاسلام میں نہایت معقول اور پر واقع رائے قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ سلاطین کے مردے دفن نہیں کیے جاتے ہیں جب تک کہ ولی عہد کی تخت نشینی کا مسئلہ طے نہیں پالیتا ہے۔ افسوس ہے کہ خانۂ رسالت بھی اس دستور سے خالی نہ رہ سکا جب تک کہ خلافت کا مسئلہ طے نہ پالیا رسول اللہ صلعم کی نعش مبارک دفن نہیں کی گئی۔

فاضل مورخ کا استعجاب نہایت صحیح ہے۔ لیکن اس استعجاب سے پہلے ہمارے فاضل محقق کو سمجھ لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی احکام شریعت اور قوانین رسالت سب رخصت ہوگئے۔ اور ان کی جگہ نظام حکومت و سیاست قائم ہوگئے زمانۂ رسالت میں سیاست شریعت کی تبع تھی اور اب شریعت سیاست کا ایک ماتحت شعبہ قرار دے دی گئی جس کے نزدیک رسول اللہ صلعم کی مقدار ذات ایک ملکی حاکم اور قومی سردار سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ اس بنا پر وفات رسولؐ کے بعد بھی عموماً وہی کیا گیا جو عام حاکمان ملکی اور سرداران قومی کے مرنے کے بعد ملک وقوم میں کیا جاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر بنی ہاشم کو تاخیر کرنے کی کیا مجبوری تھی۔ ان میں سے تو ایک متنفس بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں شریک نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ اول تو بنی ہاشم میں اس وقت تک کل چھ آدمی مرد تو تھے ہی۔ اور باقی سب بچے۔ اگر یہ کل چھ آدمی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش مطہر کو بلا انتظار مہاجر وانصار دفن فرما دیتے تو جو فساد اور مصیبتیں ان کو وفات رسولؐ کے بعد معرکہائے جمل وصفین سے لے کر واقعہ کربلا تک پیش آئیں۔ وہ اسی وقت فوراً سامنے آجاتیں اس کے علاوہ ازواج مطہرات خصوصاً امہات المومنین حضرت عائشہؓ وحفصہؓ ودیگر خواتین جن کے اعزا واقارب ارباب سقیفہ اور اصحاب حل وعقد تھے۔ کب بلا مشارکت اپنے عزیزوں کے لاش رسولؐ کو دفن ہونے دیتیں۔ اس لیے حضرات اہلبیت علیہم السلام اور بزرگان بنی ہاشم مراسم تجہیز وتکفین سے فراغت

کر کے لاش مطہر رسول اللہ صلعم کو لیے بیٹھے رہے اور اسلام کی نئی دنیا کے انقلاب کو بہزار چشم حسرت وعبرت مشاہدہ فرماتے رہے۔

یہ سب شبلی صاحب اور ان کے اسلاف کی موضوعہ تاویلیں ہیں کہ اس وجہ سے دفن میں دیر ہوئی اس باعث سے قبر کنی میں تاخیر ہوئی۔ اور اس سبب سے آپس میں اختلاف رائے ہوا۔ اختلاف ہوا تو کیسے۔ اختلاف تو جب ہوتا ہے جب متعدد آدمی ہوتے ہیں۔ وہاں سب لوگ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے۔ یہاں سوائے بنی ہاشم کے تھا ہی کون جس سے اختلاف رائے ہوتا۔ حقیقت اتنی ہے کہ قبر مطہر کھد گئی۔ غسل وکفن بھی ہو گیا۔ نعش مبارک بھی تیار ہوگئی۔ یہ صاحب آلیں وہ بزرگ تشریف لالیں۔ اسی انتظار نے ایک دن کا دو دن کر دیا۔ بات تھی تو اتنی ہی۔ اب جتنا جی چاہے بڑھا لیجیے۔

روضۃ الاحباب کے مرقومہ بالا روایت سے علاوہ حقیقت حال کے مفصلہ ذیل حالات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ

(۱) تمام صحابہ کرام کو عموماً اور حضرت عمر بن الخطابؓ کو خصوصاً ان آیات قرآنیہ کا جن کو حضرت ابوبکرؓ نے تلاوت فرمایا اب تک کوئی علم و اطلاع نہیں تھی۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی پورا قرآن یاد نہیں تھا اور ان میں سرفہرست نمبر حضرت عمر قرار پاتے ہیں۔

(۲) یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باوجود انا بشر مثلکم کے یقین کامل کے تمام صحابہ کرام علی الخصوص حضرت عمر بن الخطابؓ جناب رسالت مآبؐ کے وجود ذیجود کو آج تک فنا پذیر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر وہ رسول اللہ صلعم کی موت سے انکار فرماتے تھے اور اس امر میں اپنی پوری قوت اجتہادیہ سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے۔

عن عباس ان عمر بن الخطاب ذکر له ما حمله علی مقالته التی قال حین توفی رسول اللهﷺ قال کنت اتامل هذا الایة و کذلك جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس فوالله ان کنت لا ظن انه سیبقی فی امته حتی یشهد علیها بآخر اعمالها وانه الذی حملنی ان قلت ما قلت (اخرجه البیهقی فی دلائل النبوة)

ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ذکر کیا کہ مجھے جناب رسول خدا صلعم کی وفات میں اس آیت نے تامل دلا دیا تھا۔ وہ آیت یہ ہے کہ میں نے تم کو امت وسطیٰ (درمیان) قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کا مشاہدہ حالات کیا کرو۔ اس وجہ سے میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی امت میں باقی رہ کر ان کے آخر اعمال تک کا مشاہدہ فرمائیں گے اور یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس وقت جو کہنے کی بات تھی کہہ دی تھی۔ (بیہقی فی الدلائل) منقول از کنز العمال)

حضرت عمر کا یہ اجتہاد کس قدر معارض اصول توحید تھا اور مخالف قرآن مجید ومحققین کے فیصلہ پر موقوف ہے۔

(۳) جب اتنے مسلمان ایک خاص شخص کو چاہے ارتقائے فطرت کے نقطہ انتہا تک کیوں نہ پہنچا ہو۔ فانی نہیں سمجھتے تھے۔

بلکہ اپنے خیال میں باقی اور ابدی سمجھتے تھے۔تو وہ کیسے اصول اسلام کے موافق کامل الاسلام اور خالص الایمان کہے جائیں گے۔ہم دیکھتے ہیں عموماً صحابہ کے علاوہ خود حضرت عبداللہ بن عمر سا متشرع بزرگ بھی یہ اقرار کرتا ہے کہ ہماری آنکھوں پر اب تک پردے پڑے ہوئے تھے۔ جو حضرت ابوبکرؓ کی تصریحات آیات نے سامنے سے اٹھا دیئے۔ان کے اقرار کے علاوہ۔خاص حضرت عمرؓ کا اعتراف ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے استدلال آیات قرآنیہ سے آپ پر مستولی ہوا تھا شاہد صادق ہے۔

(۴) اتنی مدت تک یہ حضرات جو اس عقیدہ پر قائم رہے وہ اصولاً عقائد اسلامی کے متمسک تھے یا نہیں۔

(۵) تدفین رسولؐ اور تعیین خلیفہ کی اہمیت اور فرق مابہ الامتیاز بھی پوری طور سے ثابت ہو گیا۔

(۶) اسی کے ساتھ بنی ہاشم اور اہلبیت رسول صلعم کے ساتھ تمام اہل اسلام کے موجودہ اور آیندہ طرز عمل بھی معلوم ہو گئے اور اسی وقت سے معلوم ہو گیا کہ ملکی تنظیم سیاسیات میں بنی ہاشم اور اہلبیت علیہم السلام کا ان تمام لوگوں کے نزدیک کوئی حق وحصہ نہیں تھا۔اور نہ ان میں اس کی کوئی صلاحیت وقابلیت تھی۔اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے ان بزرگواروں کو تجہیز وتدفین رسولؐ کے موجودہ کاموں کے لیے مخصوص طور پر علیحدہ کر دیا اور خود تمام مہاجر وانصار کے ساتھ نظام حکومت اور استحکام امارت کے لیے سقیفہ میں تشریف لے گئے۔بقولیکہ از صحن خانہ تابلبِ بام اذان سن اوز سقف خانہ تابہ ثریا اذانِ تو دیا سمجھنے والے یوں سمجھ لیں کہ۔جس کا مردہ ہو وہ گاڑے۔ہم کیوں ہاتھ لگانے جائیں۔

تجہیز وتکفین آنحضرت صلعم

شبلی صاحب اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔

تجہیز وتکفین کی خدمت خاص اعزا واقارب نے انجام دی۔فضل ابن عباس اور اسامہ نے پردہ کیا اور حضرت علیؑ نے غسل دیا۔ حضرت عباس بھی موقع پر حاضر تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انھیں نے پردہ کیا تھا چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا۔اس لیے حضرت علیؑ نے اندر سے کنواڑ بند کر لیے تھے انصار نے دروازے پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گذاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔حضرت ابوبکر نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے۔فرمایا کہ رسول اللہ صلعم میں کسی کا حق نہیں ہے اس لیے اگر سب کو اجازت دی گئی تو کام رہ جائے گا۔لیکن انصار کے اصرار پر حضرت علیؑ نے ابن خولی انصاری کو۔جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلا لیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔حضرت علیؑ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔

شبلی صاحب نے حقیقت حال تو لکھ دی۔لیکن عادت اور ضرورت سے مجبور تھے۔حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کو داخل ہی کر دیا۔ حالانکہ روضۃ الاحباب کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر خود تجہیز وتکفین رسولؐ کی خدمت بنی ہاشم اور اہل بیت علیہم السلام کو سپرد فرما کر سقیفہ میں تشریف لے گئے تھے۔پھر آپ موجود کہاں تھے جن سے انصار شمول خدمت کی اجازت لیتے۔یہ تو

بالکل خلاف واقع ہے۔ تجہیز و تکفین رسول اللہ صلعم سے حضرت ابوبکرؓ وغیرہم کی غیر حاضری محدثین و مورخین اور جملہ اسلامی مؤلفین کا اتفاقی مسئلہ۔ آپ خود بھی لکھ کر اقرار کر چکے ہیں کہ تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزا و اقارب نے انجام دی۔ بڑی تلاش اور سخت کدوکاوش کے بعد آپ کو واقدی کے ایک قول سے تجہیز و تکفین رسول اللہ صلعم میں حضرت ابوبکر کی شرکت معلوم ہوئی اور آپ نے اس کو لکھ مارا۔ چونکہ اس وقت اپنے مطلب کی ہے اس لیے واقدی کی تحریر نقد و تبصرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نیز اس کی مجہولیت و موضوعیت کی شہرت خاص سے کوئی بحث نہیں وہ تو اس وقت امامین بخاری و مسلم کے برابر قوی الاسناد ہیں۔ لیکن ہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں کہ واقدی وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت آپ خود لکھ چکے ہیں کہ واقدی کی مجہولیت کا مسئلہ عام ہے۔'' پھر ایسے مجہول خاص بھی نہیں مجہول عام سے آپ حضرت ابوبکر کی خصوصیت کی سند پیش کریں تو سوائے آپ کی خوش فہمی کے اور کیا کہا جائے۔

بہر حال اب تجہیز و تکفین رسول اللہ صلعم میں حضرت ابوبکر کی مشارکت کے واقعہ کو حسب ذیل محدثین و مورخین کی عبارت میں ملاحظہ فرما کر بتلایا جائے کہ ان حضرات کی مرویات میں۔ حضرت ابوبکرؓ کی مشارکت کا کہیں ذکر و مذکور بھی ہے۔

محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

عباس و علیؑ و فضل و قثم پسران عباس و اسامه بن زید و صالح حبشی که آزاد کرده رسول بود و شقران لقب داشت آن سرور ابرداشته دراندرون کله در آور وند و بغل مشغول شد ند و عباس فرمود تاد۔ رابر روئے مزدم بستند و درمغسل آنسرور بغیر ازان شش مرد که مذکور شدید ہیچکس درنیامد مااخوان آنحضرت ایم و حق قرابت و خدمت ما باوے ہمه رامعلوم است وصدق و اخلاص مادر اسلام بر ہمه روشن است۔ یک کس باید که از پیش شما باشد تاما راشرفے حاصل شود واز دولت تعہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم محروم نه مانیم درروایتے آنکه اس بن خولی خزرجی انصاری گفت اے علی بن ابی طالب سوگند میدہم ترا بخدا که مرا اجازت وہ تاکه درایم امیرؑ و یرادستوری داد که آمد۔ فاما درغسل ہیچ مدخل نه داشت و روایتے است که از چاه سعد بن خیثمه آب می کشید ومی آورد واہل بیت غسل میدادند۔ اسامه و شقران آب می ریختند و فضل پیراہن را از بدن وے جدانگاه می داشت تا علی علیه السلام با آسانی جسد اطہر آن سرور رامی شست و عباس و قثم درگرد انیدن و یرا از طرفے بطرفے اعانت و امداد حضرت علی می نمودند۔ سر نوبت به آب ورق کنار و آب خالص آنحضرت صلعم راشستند۔ ص 564

حضرت عباس حضرت علی علیہ السلام فضل وقثم پسران عباس اسامہ بن زید صالح حبشی۔ جو آنحضرت صلعم کا آزاد کردہ غلام تھا اور جس کا لقب شقران تھا۔ آپ کو اٹھا کر حجرہ میں لے آئے اور غسل میں مصروف ہوئے۔ حضرت عباس نے کہا کنواڑے بند کردو اور غسل میں سوائے ان چھ آدمیوں کے اور کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ باہر سے انصار نے فریاد کی اے اہلبیت رسولؐ ہم بھی جناب رسول خدا صلعم کے بھائی ہیں اور ہماری قربت وخدمت آنحضرت صلعم کے ساتھ سب کو معلوم ہے اور اسلام میں ہمارا اخلاص اور صداقت بھی سب پر روشن ہے۔ اس بنا پر لازم ہے کہ ہم لوگوں میں سے بھی ایک آدمی آپ کی خدمت غسل میں شریک کرلیا جائے کہ ہمیں بھی شرف حاصل ہو اور ہم بھی خدمت رسول سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اوس بن خولی خزرجی انصاری نے چلا کر کہا اے علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ آپ کو میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت امیرؑ نے اس کو اندر آنے کی اجازت عنایت فرمادی اور وہ اندر آیا۔ لیکن اس نے غسل میں کوئی مداخلت نہیں کی ایک روایت میں ہے کہ اوس چاہ سعد بن خیثمہ سے صرف پانی لاتے تھے اور آپ کے اہلبیت آپ کو غسل دیتے تھے۔ حضرت علیؑ قبلہ رو آپ کی میت کو غسل دیتے تھے۔ اور عباس وقثم آپ کے جسم مطہر کو ایک طرف سے دوسری طرف بدلتے تھے۔ فضل آپ کے کپڑوں کی حفاظت کرتے تھے۔ اور اسامہ وشقران پانی ڈالتے تھے۔ حضرت علیؑ آپ کو باآہستگی اور بجمیع خاطر آپ کو غسل دیتے تھے۔ تین مرتبہ بیری کی پتیوں سے اٹھائے ہوئے پانی سے اور اتنی ہی مرتبہ آب خالص سے آپ کو غسل دیا گیا اور اس طرح غسل کا کام انجام پایا۔

کہیں حضرت ابوبکرؓ کی شرکت یا موجودگی وقت غسل کا ذکر نہیں ہے۔

مورخ ابن الوردی اپنی تاریخ لکھتے ہیں۔

تولی غسله علی والعباس والفضل و قثم ابن العباس واسامه بن زید و شقران مولیٰ النبی صلعم فکان العباس وابناء ه یقلبونه واسامه وشقران یصبان الماء وعلی یغسله۔

رسول اللہ صلعم کے غسل کے متولی حضرت عباس علی فضل قثم ابنائے عباس اسامہ بن زید وشقران مولیٰ رسول اللہ صلعم تھے عباس اور ان کے صاحبزادے میت مبارک کو اس طرف اس طرف پھیرتے تھے۔ اسامہ وشقران

پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی غسل دیتے تھے۔
اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی کا ذکر نہیں۔
تاریخ خمیس دیار بکری میں ہے۔

كان العباس والفضل يقلبونه وكان اسامه و شقران يصب الماء واعينهم معصوبة۔

عباس اور فضل آپ کے جسد اطہر کو ادھر ادھر پلٹتے جاتے تھے۔ اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے اور سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی تھیں۔
اس میں بھی حضرت ابوبکر کی حاضری کا نام نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی غسل رسول کے لیے خصوصیت

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

عن على قال اوصانى النبى صلعم ان لا يغسله احد غيرى فانه لا يرى عودتى احد الاظميت عيناه۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کو غسل نہ دے۔ اس لیے کہ جو کوئی آپ کی عورتین دیکھے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔
سوائے ابن ہشام میں یہ عبارت مرقوم ہے۔

حدثنى عبد الله بن ابوبكر و حسين بن عبد الله وغيرهما من اصحابنا ان على بن ابى طالب والعباس بن عبد المطلب والفضل بن العباس وقثم بن العباس واسامه بن زيد و شقران مولى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم هم الذى ولو اغسله وان اوس بن خولى احدبنى عوف بن الخزرج قال لعلى بن ابى طالب انشدك الله يا على علیہ السلام و خطنا من رسول الله صلعم وكان اوس من اصحاب رسول الله واهل بدر قال ادخل فدخل مجلس و حضر غسل رسول الله صلعم فاسنده على ابن ابى طالب على صدره وكان العباس والفضل و قثم يقلبونه معه وكان اسامه بن زيد و

شقران مولاہ هما اللذان یصیان المآء علیه وعلی یغسله۔

عبد اللہ بن ابوبکر اور حسین بن عبد اللہ وغیرہما ہمارے اصحاب رواۃ نے بیان کیا ہے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ عباس ابن عبد المطلب اور فضل بن عباس اور قثم بن عباس۔ اسامہ بن زید اور شقران آنحضرت صلعم کے غلام تھے۔ یہ وہ بزرگوار تھے جو غسل وکفن رسول اللہ صلعم کے مہتمم خاص تھے اور اوس بن خولی نے جو بنی عوف بن خزرج کے قبیلہ انصار میں سے رسول اللہ صلعم کے صحابی اور شرکاء بدر میں تھے۔ چلا کر کہا اے علی بن ابی طالب علیہ السلام میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ہم کو بھی خدمت رسولؐ سے سرفراز فرمایئے۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی اور وہ اندر آ کر حاضر خدمت غسل ہوئے۔ عباس۔ فضل اور قثم آپ کو غسل دینے میں اس کروٹ سے اس کروٹ کرتے تھے۔ حضرت علیؑ سینہ سے لگائے تھے۔ اسامہ بن زید اور شقران آپ کے غلام آپ پر پانی ڈالتے تھے۔ اور علی بن ابی طالب علیہ السلام میت مبارک کو غسل دیتے تھے۔ جلد سوم ص 603 مصر

اب شبلی صاحب اور ان کے مویدین سمجھیں کہ آپ کے واقدی ایسے مجہول السند شخص کا قول موضوعہ ومنفردہ اتنے علمائے محدثین ومورخین کے اقوال متواترہ ومتکاثرہ کے مقابلہ میں کیسے قابل تسلیم سمجھا جائے گا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی ہوا خواہی میں یہ خبر اڑا دی جو سراپا خلاف واقعیت اور معارض اصلیت ہے پہلے آپ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی وہاں موجودگی ثابت کرلیں۔ پھر اوس بن خولی کو اجازت دینا نہ دینا بیان کریں گے۔ آپ کے امام واقدی کی ایک روایت مجہول وموضوع کے مقابلہ میں حدیث وتاریخ کے اتنے اسناد قوی الاعتماد والاستناد لکھ دیئے گئے ہیں جو پوری طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نہ اس وقت موجود تھے نہ اس نے آپ سے اجازت مانگی اور نہ آپ نے دی بلکہ اس بزرگ محترم نے اوس بن خولی کی استدعا پر اسے خدمت غسل میں صرف حاضر باشی کا شرف خاص عنایت فرمایا۔ جو منجانب الرسولؐ آپ کے غسل وتکفین کے لیے قبل سے مامور ہو چکا تھا ذالک فضل اللہ یوتیه من یشآء ان اللہ ذوالفضل العظیم

کفن کے لیے جو کپڑا تجویز کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی لائی ہوئی چادر تھی۔ لیکن بعد کو اتار لی گئی۔ اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے۔ کفن میں دیئے گئے۔ ان میں قمیض اور عمامہ نہیں تھا۔ سیرۃ النبی ج2 ص 144

جب آپ لکھ کر خود اقرار کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکر کی لائی ہوئی چادر پارچہ کفن میں استعمال نہیں ہوئی بلکہ اتار لی گئی۔ تو پھر اس کے بیان ونقل کی کیا ضرورت تھی۔ وہی حضرت ابوبکرؓ کی ہوا خواہی۔ اگرچہ بالکل واہی اور خوانخواہی سہی۔ ایک تو امام مسلم صاحب ہی کی خوش فہمی ہے۔ جنھوں نے خود اپنے مسترد اور انکاری واقعہ کو لکھا اور اس پر آپ کا طریقہ استخراج واستنباط اور مستزاد ہے کہ آپ نے اپنے ایسے ناقابل الذکر واقعہ کو سمجھ کر بھی نقل کر دیا۔ لیکن آپ یا مسلم صاحب کیا کریں۔ مطلب دونوں کا ایک مدعا مساوی اور

غرض مشترک۔

افسوس تو اس پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تو خلوص عقیدت کی یہ پر جوشی تھی لیکن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومنزلت کی طرف سے بالکل بے خبری اور گراں گوشی۔ اتنا بھی خیال نہ آیا کہ آخروہ عبداللہ کی چادر کیوں اتار لی گئی۔ اس لیے کہ عموماً تمام مستطیع مسلمان مردوں کے لیے مکان غسل۔ آب غسالہ۔ ملبوس کفن اور مقام قبر اس کی ملکیت خاص ہونا چاہیے۔ ان میں سے کسی شے کے لیے اس کو دوسروں کا زیر بار احسان نہیں ہونا چاہیے۔ جب عام مردوں کے لیے خدا اور رسولؐ نے شرائط قائم فرما دیئے ہیں تو پھر رسول اللہؐ کی میت کیونکر مال غیر کے احسان کی زیر بار کی جاتی اس لیے حضرت اہلبیت اور بزرگان بنی ہاشم نے ایک منٹ کے لیے بھی اسے گوارا نہ کیا اور عبداللہ کی دی ہوئی چادر فوراً اتار لی۔

اگر شبلی صاحب اس واقعہ کے ساتھ یہ توجیہ بھی قلمبند فرما دیتے تو اصل حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے اور بنی ہاشم کی غیرت و حمیت۔ مگر آپ کیسے لکھتے۔ یہ تو اوصاف بنی ہاشم کی تفضیل ہو جاتی۔ جو ہمیشہ سے ناگوار طبع لطیف ہے۔ جتنی تاریخ وحدیث کی کتابیں میرے پیش نظر ہیں۔ ان میں عبداللہ کی چادر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب وہ پارچہائے کفن سے خارج کر دی گئی تو پھر اس کے نقل کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ سمجھ کر کسی نے بھی اسے نہ لکھا۔ ابن ہشام تکفین کے متعلق صرف اتنی عبارت لکھ کر تمام کر دیتے ہیں۔

قال ابن اسحق فلما فرغ من غسل رسول الله صلعم کفن فی ثلاثة اثواب ثويين صحاريين وبردة حيرة۔

جب آنحضرت صلعم کے غسل سے فراغت ہوگئی۔ تو تین پارچوں میں آپ کو کفن دیا گیا۔ جس میں دو موٹے کپڑے تھے اور ایک حیرہ کی چادر تھی۔

روضۃ الاحباب میں یہ تصریح ہے۔

آنگاه سید عالم صلی الله علیه وآلہٖ وسلم اوږسه جامه سفید سمولی که درہیچ کدام از آنہا قمیص و عمامه نبود۔ کفن کردند۔

پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین پارچہائے سمولی جن میں عمامہ اور قمیص نہ تھی۔ کفن پہنایا۔

کوئی شخص عبداللہ کی چادر کا حال نہیں لکھتا۔ مگر شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ اور پھر لکھنے کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ چادر اتار لی گئی پھر لکھنے سے فائدہ؟ اس راز کو صرف شبلی صاحب بتلائیں گے؟

اس کے آگے صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں۔

ودر روایتے آنکه کفن وے دو جامه سفید دیک پر دیمانی بود و مشک وحنوط برکفن وسجده گاه وے پاشیدند و چون از این امور فارغ گشتند و برابر سریر یخوابانید تد

چنانکه وصیت فرموده بود۔ ص 564

اور ایک روایت میں منقول ہے کہ دو جامہ سفید اور ایک برد یمانی کا آپ کو کفن دیا گیا اور مشک وحنوط کفن مبارک اور سجدہ کی جگہوں پر مل دیا گیا۔ جب ان امور سے فراغت ہوگئی تو آپ کے جنازے کو چار پائی پر آپ کی وصیت کے مطابق رکھ دیا۔

تدفین رسول صلعم

تدفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے۔حضرت ابوعبیدہ جراح اور ابوطلحہ انصاری۔حضرت ابوعبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے۔اور ابوطلحہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے حضرت عمر نے کہا اختلاف مناسب نہیں۔دونوں آدمیوں کو بلا بھیجنا چاہیے جو پہلے آجائے۔لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔اتفاق یہ کہ ابوعبیدہ گھر موجود نہ تھے ابوطلحہ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی تھی۔یعنی بغلی نہیں تھی۔زمین چونکہ نم تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

شبلی صاحب کی موقع شناسی کبھی چوکنے والی نہیں۔وفات کے حالات میں آپ کن کن قلمکاریوں سے شیخین کی متفقہ اور مسلمہ غیر حاضری اور عدم موجودگی کے خلاف ہر واقعہ میں خواہ مخواہ اینچ تان کر ان کی مشارکت اور مداخلت تو کہاں۔کم سے کم حاضری اور موجودگی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ہم ان حالات کے آغاز ہی میں لکھ آئے ہیں اور اقوال متواترہ سے ثابت کر آئے ہیں کہ حضرات شیخین غسل وکفن ودفن رسول اللہؐ میں شریک نہیں تھے۔پھر ان میں سے کسی صاحب کی اس کی طرف نسبت یا اشارت کرنا کہ کس قدر خلاف واقعیت اور معارض حقیقت ہے۔مگر نہیں شبلی صاحب کے اکثر سلف صالحین نے اس داغ کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔شبلی صاحب بھی انھیں کی تقلید میں اپنے حسن عقیدت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور ابن ماجہ کے اس موضوعہ اضافہ کی اسناد سے جو محض حضرت عمرؓ کی خیر خواہی کے لیے تیار کیا گیا ہے لکھتے ہیں۔

لوگوں میں (بغلی اور لحدی کھودی جانے کے متعلق) اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں۔دونوں آدمیوں کے پاس آدمی بھیجا جائے۔جو پہلے آجائے۔

جب یہ مسلم ہو چکا ہے کہ حضرات شیخین وفات رسولؐ کے بعد تجہیز وتکفین وغیرہ کا اہتمام حضرات اہلبیت اور بزرگان بنی ہاشم سے متعلق کر کے خود مہاجر وانصار کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف نظم خلافت کی غرض سے تشریف لے گئے جیسا کہ محدث شیرازی خود حضرت ابوبکرؓ کی زبانی نقل فرماتے ہیں۔

ابوبکر صدیق تعزیة وتسلیه اہلبیت بجا آورد گفت سہم غسل وتجہیز وتکفین آن سرور

تعلق بشما دار و دخود با اکابر مہاجر و انصار بسقیفہ بنی ساعدہ رفت تا امر خلافت راقرار و بدو اہل بیتؑ کار سازی غسل می کردند۔

حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسم تعزیت وتسلی بجالا کر اہلبیتؑ سے کہنے لگے کہ غسل تجہیز وتکفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظام آپ لوگ کریں۔ یہ فرما کر خود اکابر مہاجر وانصار کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوگئے کہ امر خلافت کو قرار دیں۔ص 563

حضرات اہل بیتؑ آنحضرت صلعم کے غسل وکفن میں مصروف ہوگئے۔حضرت ابوبکر نے غسل وتکفین وغیرہ کی خدمت اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کیوں مخصوص کردی تھی۔اس میں بھی خاص مجبوری تھی۔اس لیے کہ خود مخبر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث ان کے پیش نظر تھی

عن علی قال اوصانی النبی صلعم ان لا یغسله احد غیری فانه لا یری عورتی احد الا طمیت عیناه

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص آنحضرت صلعم کو غسل نہ دے جو آپ کی عورتین دیکھے گا اندھا ہوجائے گا۔

بہرحال یہ ثابت ہوچکا ہے کہ تجہیز وتکفین کے آغاز ہی سے حضرات شیخین تنہا بھی نہیں بلکہ تمام اکابر مہاجر وانصار کو لے کر سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف تشریف لے گئے تھے تو پھر ان امور کی انجام دہی کے وقت یہ حضرات یا ان میں سے کوئی حضرت عمر کے ایسا فرد واحد موجود کہاں تھا جو ان کو مشورہ دیتا یا ہدایت کرتا۔کسی حدیث وتاریخ کے عنوان بیان سے یہ بھی تو ظاہر نہیں ہوا کہ یہ حضرات بیک وقت دونوں کام انجام دیتے تھے۔سقیفہ میں امور امارت وخلافت بھی سنبھالتے تھے اور وہاں سے بار بار آکر جسد رسول پر پانی بھی ڈالتے تھے اور کفن بھی پہناتے تھے اور اگر کوئی صاحب اپنی خدمت کے اظہار سے اس قیاس کا اعتبار فرمائے۔تو مسلمہ جمہور کے مخالف ہونے کے علاوہ۔خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قول وحکم کے معارض ثابت ہوگا جو خاص طور پر ان امور کی نسبت حضرات اہل بیت وسائر بنی ہاشم کو دے چکے تھے۔شبلی صاحب تو اپنے مفید مطلب کی خاطر ذرا سا شوشہ بھی پا کر بلا خیال پس وپیش لکھ مارتے ہیں اور ذرا بھی خیال نہیں فرماتے ؎ کین راہ کہ میروی بترکان است۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے موقعوں کے لیے آپ کی سیر صحاح کے مجلدات میں۔جو پہلی تو آپ کے عقائد کی کتابیں ہیں۔پھر اس کے بعد ہر قسم کے موضوعات وغیر موضوعات مرویات کے ذخیرے۔اگر وہ قابل تسلیم ہونگی تو آپ کے نزدیک دوسرے فرقہائے اسلامی ان پر کیوں اعتبار کرنے لگے۔آپ نے اپنے دیباچہ کتاب میں ترجیح حدیث علی التاریخ کا جو طلسم باندھا تھا اور جس کا تار تار تبصرہ گذشتہ جلدوں میں جدا جدا کردیا گیا ہے۔وہ اسی غرض وغایت سے تو تھا ہی اب محققین وناظرین خود تصفیہ فرمالیں کہ ان واقعات کی تفصیل و

تصریح علم حدیث کا موضوع صحیح قرار پاتی ہے۔ یا علم سیر و تاریخ کا اصلی مقصود۔ اگر ان کی عقل سلیم ہے اور سیر و تاریخ کی سیر کا مذاق صحیح ہے تو وہ ان واقعات کی تفصیل و تشریح کو کبھی احادیث کا موضوع نہیں بتلا سکتے۔ بلکہ صرف سیر و تاریخ ہی کو ان کا ماخذ خاص قرار دینگے۔ جب ان واقعات کی حقیقی ماخذ کتب تاریخ ہی قرار پائیں گی تو اب یہ دیکھنا ہے کہ عرب کی سب سے قدیم کتاب تاریخ ابن ہشام کی کیا صورت حال پائی جاتی ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں مرقوم ہے۔

حدثنی حسین بن عبد الله عن عکرمه عن ابن عباس قال لما ارادوان یحقرو والرسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم وکان ابو عبیدہ بن جراح یحفرح کحفر اهل المکة وکان ابو طلحه زید بن سهل هو الذی یحفر لاهل المدینه فکان یلحد فدعا العباس رجلین فقال لاحدهما اذهب الی ابی عبیدہ بن الحراح وللاخر اذهب الی ابو طلحه اللهم خرلرسول اللہ صلعم فوجد صاحب ابو طلحه فجآء به فلحد رسول اللہ صلعم (ص 102، ج3، مطبوعۂ مصر)

حسین بن عبد اللہ نے عکرمہ سے عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلعم کی قبر کھودنے کا انتظام ہونے لگا تو ابوعبیدہ بن جراح اہل مکہ کے دستور کے مطابق قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہ جن کا نام زید بن سہل تھا وہ اہل مدینہ کے رواج کے موافق قبر کھودتے تھے اور وہ لحدی ہوتی تھی۔ حضرت عباس نے دو آدمی بلائے اور ان میں سے ایک کو ابوعبیدہ بن جراح کے پاس بھیجا اور دوسرے کو ابوطلحہ کے پاس اور فرمایا خدایا اپنے رسول صلعم کے لیے ان میں سے کسی کو بھیجدے اتفاق سے ابوطلحہ کے پاس فرستادہ آدمی ابو طلحہ کو مل گیا اور وہ اس کے ساتھ چلے آئے اور انھیں نے آنحضرت صلعم کی قبر کھودی۔

لیجیے اس میں بھی نہ معارضہ ہے اور نہ حضرت عمرؓ کا محاکمہ۔ نہ سوائے مخصوصین بنی ہاشم کے لوگوں کا اجماع ہے اور وہ آپس میں نزاع۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ سب سامان تو صرف حضرت عمرؓ کی حاضری اور موجودگی ظاہر کرنے کے لیے مہیا کیے گئے تھے۔ سب سے سراپا موضوع واقعہ کی خوبی تو یہ ہے کہ ابتدائی حالات تو دونوں عبارتوں میں لفظاً لفظاً ایک ہی پائے جاتے ہیں حضرت عمر کے ذکر سے جو اصل جوڑ لگایا گیا ہے اس کے الفاظ صاف صاف مصنوعی ہونے کا فرق بتلا رہے ہیں۔ چنانچہ شبلی صاحب بھی اپنی عبارت میں حضرت عمر کا محاکمہ لکھ کر اصل و موضوع کا یوں منہ ملاتے ہیں کہ ''چنانچہ'' کے لفظ کو خطوط ہلالی (برائیکٹ) کے اندر رکھ کر لکھتے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبان کے پاس آدمی بھیجے حضرت عباسؓ کون بھیجنے والے۔ خود صاحب محاکمہ نے کیوں نہ بھیجے۔ کیا حضرت عباسؓ صرف آدمیوں پر حکم چلانے والے تھے۔ ان کے تنازعات کے تصفیہ فرمانے پر قادر نہیں تھے۔ جو حضرت عمرؓ کو سقیفہ سے۔ اتنی دور سے اس معمولی بات کے تصفیہ و محاکمہ کے لیے زحمت دی گئی۔ حقیقت حال یہی ہے کہ جو تاریخ ابن ہشام کی عبارت سے ثابت ہوئی اور اس کے

قبل اور علمائے محدثین و مورخین کے اقوال سے ثابت ہو چکی کہ اس اختلاف رائے کا تصفیہ خود حضرت عباسؓ نے اسی صورت میں فرما لیا۔ جس طرح تاریخ و حدیث کی متعدد کتابوں سے نقل کر کے دکھلا دیا گیا ہے۔ شبلی صاحب انھیں موضوعہ اضافات کو تحقیقات و اقعات اور انھیں جوڑ بندیوں کو اپنی قلمکاری اور کمال واقعہ نگاری سمجھتے ہیں جس کے نقل کرنے یا لکھنے سے کیا۔ اس کے ذکر کرنے تک سے صاحبان تحقیق احتیاط و احتراز کرتے ہیں۔

اس کے بعد شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

زمین چونکہ نم تھی۔ اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی۔ وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

قبر میں فرش پر میت کا دفن کرنا تمام اہل اسلام کے دستور عام کے خلاف ہے۔ اور خیر القرون کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک امت اسلامیہ کے کسی اعلیٰ یا ادنی طبقہ کی میت کے ساتھ یہ طرز عمل نہ کبھی پایا گیا۔ نہ سنا گیا۔ شبلی صاحب کو تو اس کی توجیہ و تصریح کی ضرورت نہیں اور نہ آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں اگر صحابہ کرام یا حضرات شیخین کی نسبت اس کا تعلق ہوتا تو آپ اس کی توجیہ و تصریح کا انبار لگا دیتے۔ حالانکہ اصلی ماخذوں میں اس کی توجیہ بھی موجود ہے اور تصریح بھی لکھ کر بتلا دیا گیا ہے کہ یہ جسد مطہر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ایسی خصوصیت ہے۔ جو بعد آپ کے پھر کسی مسلم میت کے ساتھ جائز نہیں ہو سکتی۔ ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام کی مفصلہ ذیل عبارت۔

قد كان مولاه شقران حين وضع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى حفرته و بنى عليه قد اخذ قطيفة قد كان رسول الله صلعم يلبسها و يفترشها فدفنها فى القبر و قال والله لا يلبسها احد بعدك ابدا قد فنت مع رسول الله صلعم

آپ کے غلام شقران نے جب جسد مطہر کو قبر کے پاس لا کر رکھا تو وہ چادر۔ جو آپ اوڑھے ہوئے تھے اتار کر قبر میں بچھا دی اور کہا کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا قیامت تک اسے نہیں اوڑھ سکتا۔ پس وہ چادر بھی قبر منور میں جسد مطہر رسول اللہ صلعم کے ساتھ مدفون کر دی گئی۔ ص 106۔ جلد سوم مصر

اصل ماخذ کی عبارت میں تو نمی۔ رطوبت یا کسی خارجی وجہ و ضرورت کا نام تک نہیں۔ پھر آپ کا یہ قیاس نہیں تو کیا اگر آپ کے قیاس کے موافق۔ زمین قبر کے نم ہونے کی وجہ سے قبر مطہر میں فرش کر دیا گیا تھا تو اس وقت بھی قبروں میں نمی کیا اکثر پانی نکل آتا ہے مگر فرش تو نہیں کیا جاتا اور مردہ فرش پر تو نہیں لٹایا جاتا۔ اس بنا پر آپ کا یہ قیاس بالکل غلط ہے۔ حقیقت اور واقعیت وہی ہے جو ابن ہشام نے لکھی ہے یہ صرف جسد مطہر کی خصوصیت اور ردائے مبارک کے استحفاظ عظمت کی ضرورت تھی۔ اور کچھ نہیں۔ چنانچہ محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں اس کو لکھ کر بتلا دیا ہے۔

علماء گفته اندکه این از جمله خصوصیات آنحضرت صلی الله علیه وآله وسلم است ص 565

علماء نے بتلایا ہے کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔

رسولؐ کی نماز جنازہ

اس کے بعد نماز جنازہ کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

جنازہ تیار ہوگیا۔ تو لوگ نماز کو ٹوٹے۔ جنازہ حجرے کے اندر تھا۔ باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے۔ پھر بچوں نے نماز پڑھی۔ لیکن کوئی امام نہیں تھا۔

کب جنازہ تیار ہوا کس وقت لوگ نماز جنازہ کے لیے ٹوٹے۔ کون کون آیا۔ کب اور کس وقت آیا۔ کوئی تصریح نہیں کوئی تفصیل نہیں۔ اور تو اور۔ خاص طور پر اپنے حضرات شیخین اور اصحاب عشرہ مبشرہ کی نسبت جو امر امارت اور انعقاد خلافت کے ارباب حل و عقد تھے۔ دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف آپ ثابت کرلیں اور بحث امامت میں اپنی مستند کتاب عقائد نسفی کی یہ عبارت دیکھ لیں۔ تو آگے بڑھیں۔

ولان الائمۃ قد جعلوا اھم المھمات بعد وفات النبی صلعم نصب الامام حتی قدموہ علی الدفن

مقتدایان دین نے بعد وفات رسول اللہ صلعم نصب امام کو اہم ترین مسائل تجویز کیا یہاں تک کہ اس کو دفن رسولؐ پر مقدم فرمایا۔

اور صواعق محرقہ ابن حجر کی یہ عبارت۔

بل جعلوا اھم الواجات حیث اشتغلوا بہ عن دفن رسول اللہ۔

نصب امام کو صحابۂ کرام نے واجبات سے بھی زیادہ اہم قرار دیا اسی لیے دفن رسولؐ کو چھوڑ کر اس میں مشغول ہوئے۔

وتر کوا لہ اھم الاشیاء وھو دفن رسول اللہ

نصب امام کے لیے انھوں نے سب سے ضروری اشیاء کو چھوڑ دیا اور وہ دفن رسول صلعم تھا۔

اب شبلی صاحب اور ان کے مویدین یا شائقین محققین اور ناظرین کتاب خود تصفیہ فرمالیں کہ مرقومۂ بالا عبارات سے جو ان کے محدثین معتبرین اور علمائے متجرین کے اقوال استدلالیہ اور ارشاد احتجاجیہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کی حاضری۔ موجودگی اور مشارکت تو ثابت ہوتی ہی نہیں۔ جنازہ مطہر پر بقصد نماز ان کا ٹوٹنا آپ کیسے ثابت کرسکیں گے۔ اگر ثابت کریں گے تو اسی طرح کہ پہلے ان کتابوں کو پانی میں دھو کر۔ اتباع عقاید اور تبعیت اسلاف سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھولینا ہوگا۔

ہاں۔ہم بھی ایک حد تک شبلی صاحب کے اس لکھنے کو صحیح مانتے ہیں کہ لوگ تیاری جنازہ کے بعد نماز کے لیے ٹوٹے جن میں بوڑھے۔جوان۔بچے اور عورتیں تھیں۔جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔مگر وہ کون لوگ تھے۔غربا اور مساکین مدینہ اور قرب و جوار کی مسلم قو تیں جو وفات رسول صلعم کی خبر سن کر حاضر ہوئیں تھیں۔وہی باری باری سے آ کر جنازۂ رسول صلعم پر نماز پڑھنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئیں۔

امامت نماز کا مسئلہ بھی خواہ مخواہ حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ بتلایا جاتا ہے۔محدث شیرازی کی عبارت سے یہ بھی حضرت علیؑ کا خاص حکم وہدایت معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب کی مفصلہ ذیل عبارت۔

ترتیبے کہ در خبر ابن مسعود رضی اللہ عنہ مقرر فرمودہ بود فوج فوج در آمدند و ہر یک نماز علیحدہ گذاردند و علی علیہ السلام گفت ہیچکس امامت نکند براؤ کہ وے امام شماست ہم در حیات و ہم در ممات

اور مرویات میں جو ترتیب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لوگ فوج فوج آتے گئے اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے گئے حضرت علیؑ نے فرمایا کوئی شخص امامت نہ کرے اس لیے کہ پیغمبرؐ حالت حیات و ممات دونوں میں تمہارا امام ہے۔

سب سے پہلے حضرت علیؑ نے نماز پڑھی

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

علی مرتضی کرم اللہ وجهه برطرف سر جنازہ ایستاد و گفت اے پیغمبر گرامی و دین پر درنامی۔ سلام و رحمت و برکات حق تعالیٰ بر تو باد۔ بار خدا یا ما گواهی میدهیم که دے رسانید انچه بروے نازل شده و شرط نصیحت و موعظت بجا آورده و در راه خدا جهاد کرده تا عزیز گردانید حق تعالیٰ دین خود را بار خدایا مارا از آن جمله گردان که پیرو آن باشیم که بروے نازل شده و میان ما داور در روز قیامت جمع کن مردم آئین گفتند ص 565

حضرت علی مرتضیؑ جنازہ مطہر کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ یا رسول گرامی منزلت۔ و نامی مرتبت خدائے بزرگ و برتر کا سلام اس کی رحمت اور اس کی برکت آپ پر نازل ہو۔ بارالہا۔ میں

گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے امور رسالت جو آپ پر نازل ہوئے تھے۔ ہمیں باحسن الوجوہ پہنچا دیئے اور جو شرائط نصیحت وموعظت رسالت تھے ان کو پورے طور سے بجالائے اور خدا کی راہ میں جہاد کیے یہاں تک کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزیز اور غالب بنایا پروردگار تو ہم سب کو ان کا پیرو ٹھہرا جو تو نے ان پر نازل فرمایا ہے اور ہم میں اور ان میں بروز قیامت یکجائی اور اتحاد عطا فرما۔ سب لوگوں نے آمین کہی۔

اس کے بعد۔ جیسا کہ مرویات مرقومہ بالا میں تصریح ہے۔ لوگ آتے گئے۔ نماز پڑھتے گئے۔ اور واپس جاتے گئے غرض جو آئے۔ وہ آئے اور جو نہ آئے وہ نہ آئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدفون ہوگئے۔ دفن کے بعد آنے والوں نے قبر مبارک پر نماز پڑھ دی۔

لاش مطہر کو لے کر قبر منور میں اترنے والے حضرات

شبلی صاحب دفن کی یہ کیفیت لکھتے ہیں۔

جسم مبارک کو حضرت علی۔ فضل بن عباس۔ اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے قبر میں اتارا۔

پھر اس عبارت پر نمبر 4 دے کر لکھا جاتا ہے۔ ابوداؤد کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ اور ابن سعد میں اسامہ بن زید اور عبدالرحمن بن عوف کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں کس کو ترجیح ہے۔

اس عبارت حاشیہ لکھنے پر بھی شبلی صاحب نے اپنے بیان کو مبہم ہی رکھا۔ اور کھل کر یہ نہ لکھا کہ آخر دونوں روایات میں صحیح اور قابل ترجیح کون ہے۔ جب تصفیہ منظور ہی نہیں تھا۔ تو نظر یہ یا حاشیہ چڑھانے کی ضرورت کیا تھی اور جب ناظرین ہی کے تصفیہ پر چھوڑ دینا تھا تو اصلی عبارت کتاب ہی۔ ابن ماجہ اور ابن سعد والی روایتوں کو بھی لکھ دیا ہوتا۔ کھل کر لکھتے تو آپ میں جرأت کہاں۔ مگر ہاں حاشیہ کی عبارت سے آپ کی چھپے ڈھکے مراد یہ ہے کہ ابوداود والی روایت جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی شرکت دفن ثابت ہوتی ہے۔ قابل ترجیح ہے۔ اس لیے کہ حضرت سعد سقیفہ کے رکن ممتاز تھے اور اصحاب حل وعقد میں سب سے پیش پیش۔ پھر وہ کیسے پیچھے رہ جائیں گے۔ حالانکہ یہ دلیل خلاف واقع ہونے کے علاوہ شبلی صاحب کے اصل مقرر کردہ کے مخالف بھی ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ کتب صحاح میں جو پایہ سنن ابوداؤد کا ہے وہی سنن ابی ماجہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ابن ماجہ پر مرویات ابی داؤد کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے علاوہ ابوداؤد منفرد ہیں۔ ان کی تائید میں آپ کسی دوسرے کا قول لکھتے نہیں۔ ابن ماجہ کی تائید میں آپ ابن سعد کا قول مؤید خود لکھ رہے ہیں۔ جب دونوں روایتوں میں یہ فرق مابہ الامتیاز معلوم ہوتا ہے تو ہم بھی شبلی صاحب کے الفاظ میں لکھنے کے مجاز ہیں کہ ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں صحیح اور قابل ترجیح کون ہے۔ لیکن ہمارے اس لکھ دینے سے بھی وہی شبلی صاحب کی طرح ابہام رہ جاتا ہے اور فیصلہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور ابن سعد سے قدیم تر ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے اور دیکھا جائے اس میں کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابن ہشام سے زیادہ قدیم ماخذ تاریخی مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ اس میں دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت صاف صاف

تحریر ہے۔

قال ابن اسحق وکان الذین نزوال فی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی بن ابی طالب و الفضل بن عباس وقثم بن عباس وشقران مولی رسول اللہ صلعم۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں اترے وہ علی ابن ابی طالب۔ فضل بن عباس۔ قثم بن عباس اور شقران آنحضرت صلعم کے غلام تھے۔

شبلی صاحب کی غرض خاص تو بنی ہاشم اور اہلبیت کے خصائص کا استخفاف ہے۔ جو آپ کی تمام تالیف کا موضوع خاص ہے اس لیے آپ ایسے موقعوں پر اپنے ان ذخائر موضوعات سے کام لیتے ہیں۔ جو محدثین کے صرف جوش عقیدگی اور خودغرضی کے اضافات ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ نہ واقعیت سے ان مرویات کو کوئی واسطہ ہے اور نہ اصلیت سے کوئی سروکار۔ ہم تجہیز و تکفین کے وقت ہی سے لے کر اس وقت تک برابر اور مسلسل طور پر اقوال متواتر سے لکھتے اور ثابت کرتے آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے موافق گویا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان تمام آخری خدمات کو انجام دینے والے اور شروع سے آخر تک تمام کرنے والے حضرات بنی ہاشم اور بزرگان اہلبیت علیہم السلام تھے۔ من اولھا الی آخر ھا بلا مشارکت احدے و مداخلت غیرے انھیں افراد مبارکہ نے انجام دیئے۔ پھر ان اخبار متواترہ اور نظریہ متکاثرہ کے مقابلہ میں کسی شخص خاص کی مداخلت و مشارکت کا اظہار اور پھر اس اظہار پر اصرار تو بدیہیات سے انکار ہے اور بالکل خلاف اصول روایت ودرایت ہے۔

حقیقت دفن وہی ہے جسے خود شبلی صاحب گویا حاشیہ میں لکھ بھی چکے ہیں کہ علی ابن ابی طالب۔ فضل ابن عباس قثم ابن عباس اور شقران نے قبر میں اتارا۔ اور یہی حقیقت حال تمام قدیم ماخذوں کا نظریہ ہے۔ اب خودغرضی نفسانیت اور تقلید اسلاف جتنے چاہے حاشیہ چڑھالے اور جیسے چاہے اضافات بڑھالے۔ وہ سب مشتے بعداز جنگ کا فائدہ دیں گے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ جذبات بھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے محض خلوص و عقیدت کی بنا پر مبنی نہیں تھے بلکہ آپ ان تمام خدمات کی انجام دہی اور بجا آوری پر منجانب رسولؐ ان کی وصیت کے موافق پہلے سے مامور ہو چکے تھے۔ اور غالباً یہ وہی راز داری کے امور خاص تھے۔ جو قریب وفات آنحضرت صلعم نے باصرار تمام حضرت علی علیہ السلام کو بلوا کر اور اپنی ردائے خاص میں لے کر۔ ان سے ارشاد فرمائے تھے۔ جیسا کہ حالات وفات میں پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اور ضرورتاً پھر ایک سند نقل کر دی جاتی ہے۔ علامہ دیلمی لکھتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم یا علی انت تغسل جثتی وتودی دینی و تواذینی فی حفرتی و نفی بذمتی وانت صاحب توآئے فی الدنیا والأخرۃ۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم فرماتے تھے یا علی علیہ السلام تم مجھے غسل دو گے۔ میرے قرض کو ادا کرو گے اور جو کچھ میرے ذمے ہے اسے ادا کرو گے۔ مجھے میری قبر میں اتارو گے اور دنیا و آخرت میں میرے علمبردار ہو گے۔

بہر حال۔ ان تمام تفصیلات وتوجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمام آخری خدمات حضرت علی مرتضی علیہ السلام نے بالنفس النفیس بہمراہی بزرگان بنی ہاشم اس احتیاط واہتمام خاص سے انجام دیں کہ اس کی لطافت۔ پاکیزگی اور نظافت کو کوئی غیر بنی ہاشم ہاتھ نہ لگا سکا۔ حضرت علی مرتضی علیہ السلام نے رفاقت وحمایت اور نصرت وخدمت رسالت کے ان وعدوں کی طرح۔ جو آپ نے سولہ برس کے سن میں دعوت قریش کی معرکۃ الآرا مجلس میں فرمایا تھا۔ آغاز نبوت سے لے کر انتہائے خدمت رسالت تک تمام فرمادیا۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝۴

انگاه خاک برقبران سرور ریختند و صورت قبر اور اسطح وبروایتے مسنم بر آوردند وبمقدار یک شبر از زمین بلند گردانیدند و آب بران پاشیدند۔ (روضۃ الاحباب ص 565)

اس کے بعد آپ کی قبر مطہر پر مٹی ڈال دی اور صورت قبر کو مسطح اور ایک روایت کے موافق ماہی پشت بنایا اور زمین سے ایک بالشت اونچا کیا اور اس پر پانی چھڑک دیا۔

اس کے آگے لکھتے ہیں۔

چون از دفن فارغ گشتند اول بدر خانۂ فاطمہ زہرا علیہما السلام آمدند و تعزیت و تسلیہ دے بتقدیم رسانیدند۔ پرسید کہ پیغمبر خود را دفن کردید۔ گفتند آرے۔ فرمود شمارا چون از دل برآمودہ کہ خاک برآن سرور پاشیدید آخر او بنی الرحمۃ نہ بود جواب دادند یا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاطر ما بجہت این معنی خود اندوہناک بود

در کاک فنادہ چون تو انم دیدن

آنکس کہ مراز خاک برداشتہ بود

لیکن از حکم ربانی چارۂ نیست۔

جب دفن سے فراغت ہوگئی۔ تو سب سے پہلے لوگ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دروازے پر ماتم پرسی اور تسلی کے لیے آئے تو جناب سیدہؑ نے لوگوں سے پوچھا کہ اپنے پیغمبرؐ کو دفن کر آئے۔ سب نے عرض کی۔ ہاں فرمایا تم سے یہ کیسے ہوا کہ تم نے جسد مطہر پر مٹی ڈالی کیا وہ نبیؐ رحمت نہیں تھے۔ عرض کی کہ یہ امر

خود ہم پر نہایت شاق تھا ہم اس پیکر کو کیسے خاک کے اندر دیکھ سکتے تھے جس نے زمین سے اٹھا کر ہمیں اونچا کیا تھا۔
لیکن حکم ربانی سے کوئی چارہ نہیں ہے۔

مرثیہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

اس کے بعد جناب سیدہؑ نے یہ اشعار پڑھے۔ جو اسلام کی تمام تاریخ وحدیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔

ماذا علی شتم تربة احمد ان لا یشم الزمان غوالیا صبت علی مصائب لوانها
صبت علی الایام صرن لیالیا

جس نے خاک پاک مرقد احمدی کو ایک بار سونگھ لیا پھر مدت تک کسی خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں رکھتا ہم پر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ دن پر پڑی ہوتیں۔ تو دن رات ہو گیا ہوتا۔

اولا دامجاد آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم

جناب سیدۃ النساء العٰلمین حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نو بیبیوں میں سوائے جناب صدیقہ کبری حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے اور کسی سے آپ کی اولا دنہیں ہوئی۔مرویات اہل بیتؑ کے اعتبار سے۔صلب رسالت سے جناب خدیجہؑ کی صرف تین اولادیں ہوئیں۔دوصاحبزادے اور ایک صاحبزادی۔دونوں صاحبزادے۔قاسم اور طاہر۔صغرسنی ہی میں انتقال فرما گئے۔صرف حضرت فاطمۃ الزہراؑ۔جو اصغر اولاد تھیں باقی رہیں۔

ماریہ قبطیہ کے بطن سے 8ہجری میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔لیکن چھ مہینوں کے بعد وہ بھی انتقال فرما گئے۔

علمائے اہلسنت کے اعتبار سے۔آنحضرت صلعم کے۔دوصاحبزادے اور چارصاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔دونوں صاحبزادے تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ الزہرا(۲) حضرت زینب (۳) حضرت رقیہ(۴) حضرت ام کلثوم۔ (سیرۃ النبی جلد ۲)

شبلی صاحب نے صاحبزادیوں کی یہ ترتیب باعتبار عظمت واعزاز کے فرمائی ہے۔اس لیے اصغر اولاد جناب سیدہ کو سب سے اول لکھا ہے۔ورنہ آپ کا نام نامی تو سب سے آخر میں ہونا چاہیے۔شبلی صاحب سے اتنا ہی حفظ مراتب غنیمت ہے۔

ازواج مطہرات

جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہؑ

ازواج مطہرات میں سابقیت اوراذلیت کا شرف آپ ہی کی خوش قسمتی کا سہرا تھا اور پھر اس استقرار واستمرار کے ساتھ کہ آپ کی حیات تک مشکوے رسالت میں کوئی دوسری معظّمہ اور محترمہ آپ کی پہلونشینی کا شرف نہ پاسکیں۔

آپ کے والد کا نام خویلد۔اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زایدہ تھا۔آپ کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں قصی بن کلاب پر پہنچ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل جاتا ہے۔مشکوے رسالت میں حضرت خدیجہ کے آنے اور زوجیت رسولؐ کے شرف و اعزاز پانے کے مفصل حالات جلد اول میں بیان ہو چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

جناب خدیجہ کی ایک بہن تھیں۔ ہالہ۔ دونوں بہنوں میں بڑی محبت تھی۔ دونوں بہنیں قدوقامت شکل وصورت اور آواز و

انداز میں قریب قریب مساوی تھیں۔ حضرت خدیجہ کے بعد ہالہ مدت تک زندہ رہیں بہن کے انتقال کے بعد مدینہ میں ایک بار ہالہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں ملنے آئیں۔ آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستور آداب کے موافق اجازت چاہی۔ آواز کی مشابہت کی وجہ سے آواز سنتے ہی جناب رسول خداؐ فوراً جھجک اٹھے۔ حضرت عائشہؓ موجود تھیں۔ ان سے فرمایا۔ ہالہ آئیں ہیں۔ دروازے کھول دو۔ مجھے ان کے پکارنے پر خدیجہ بے ساختہ یاد آ گئیں دونوں بہنوں کی آواز قدرتی طور پر کسی قدر یکساں ہیں۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ بولیں کہ آپ ایک بڑھیا کو کیا ہمیشہ یاد کیا کرتے ہیں۔ جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں (خدیجہؓ) نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہیں تھا تو انھوں نے میری مدد کی۔ (سیرۃ جلد 2)

شبلی صاحب نے آداب عقیدت مندی کے لحاظ سے حضرت عائشہ کے الفاظ تعریض کو بہت نرم کر کے لکھا ہے۔ حدیث و تاریخ کے ماخذ میں ان کے اصلی الفاظ یہ مرقوم ہیں۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ما غرت علی خدیجۃ ولقد هلکت قبل ان یتزوجنی رسول اللہ صلعم فقلت لہ صلعم یوما قدمدح خدیجۃ ما تذکر عجورا حمراء الشدقین قد بدلك اللہ خیرا منها فغضب رسول اللہ صلعم وقال ما ابدلنی اللہ خیرا منها امنت بے حین کذبنے الناس و رزقت منها الولد۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسا رشک نہیں کیا۔ جیسا خدیجہؓ پر کیا باوجود یکہ جب میری تزویج رسول اللہ صلعم سے ہوئی ان سے پہلے ہی حضرت خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا چنانچہ ایک روز جناب رسالت مآب صلعم حضرت خدیجہ کی تعریف کر رہے تھے میں نے کہا کیا آپ ایک بڑھیا کا ذکر کر رہے ہیں حالانکہ اللہ نے ان سے بہترین بیویاں آپ کو دیں ہیں۔ آنحضرت صلعم نے غضبناک ہو کر ارشاد فرمایا کہ قسم خدا کی۔ خدیجہ سے بہتر بی بی مجھے ہرگز نہیں ملی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں۔ جب لوگ میری تکذیب کرتے تھے۔ اور خدائے تعالی نے انھیں سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

حضرت عائشہؓ کی یہ تعریض گو وہ کسی خاص وجہ پر مبنی ہو۔ خلاف آداب و اخلاق تھی۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنجیدگی اور آزردگی خاطر کا باعث ہوئی۔

مخبر صادق علیہ وآلہ السلام کی زبان صداقت ترجمان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جناب خدیجہ کبریٰ ازواج مطہرات کے طبقہ

میں۔ باعتبار مراتب و مدارج۔ اخلاق و آداب کے سب سے۔ اول۔ افضل اور اعلیٰ ترین محترمہ تھیں سلام اللہ علیہا۔

نبوت کے دسویں برس۔ رمضان کے مہینہ میں باون برس کی عمر میں حضرت خدیجہؑ نے مکہ معظّمہ میں انتقال فرمایا اور مقام حجوں میں مدفون ہوئیں۔ جناب رسالت مآب صلعم ان کی لاش مبارک لے کر خود قبر میں اترے۔ ان کے لیے دعائے خیر کی اور مدفون فرمادیا۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

جناب خدیجہؑ کے بعد یہی بی بی اپنی خوش نصیبی سے پہلے رسول اللہؐ کے شرف زوجیت پر فائز ہوئیں۔ یہ پہلے سکران بن عمر کے نکاح میں تھیں۔ یہ دونوں میاں بی بی سابق الاسلام تھے۔ دوسری بار جب مسلمانوں کی جماعت حبشہ میں ہجرت کر کے گئی تھی اس میں یہ دونوں بزرگوار داخل تھے۔ حبشہ سے مکہ میں واپس آ کر سکران نے انتقال کیا۔ حضرت سودہ کا سکران سے ایک لڑکا عبدالرحمن تھا۔ جو جنگ جلولاء میں (حدود فارس) بزمانہ خلافت ثانیہ مارا گیا۔

سکران کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سودہ کے ساتھ تزویج کا پیام دیا شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

آپ کا ایما پا کر خولہ حضرت سودہ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا پھر نکاح کا پیام دیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ محمدؐ کا کفو شریف ہیں۔ لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو غرض سب مراتب طے ہو گئے۔ تو آنحضرت صلعم خود تشریف لے گئے۔ سودہ کے والد نے نکاح پڑھا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد۔ عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے۔ آئے اور ان کو یہ معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈالی کہ کیا غضب ہو گیا۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی حماقت شعاری پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔

حضرت سودہ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں۔ اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے آنحضرت صلعم سے اس بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہو گی۔ آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو یہ ناگوار ہوتا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پردے کی تحریک کرتے رہتے تھے۔ لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں۔ چونکہ ان کا قد نمایاں تھا۔ حضرت عمر نے کہا سودہ۔ تم کو ہم نے پہچان لیا۔ اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ (سیرۃ النبی جلد 2)

شبلی صاحب حضرت عمرؓ کی طرف سے چاہیں جتنی قبل از وقت تحریک پردہ کی پیش بندیاں باندھ لیں بفرض محال ان کے مان لینے کے بعد بھی حضرت عمرؓ سے حضرت سودہ کو اس موقع خاص ٹوک دینے کی نہایت نامردانہ شرمناک اور حد درجہ کی خلاف تہذیب و

اخلاق حرکت سرزد ہوئی۔ جسے کوئی شریف اور مہذب آدمی کبھی پسند نہیں کرسکتا۔

شبلی صاحب حضرت سودہ کے اوصاف میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت سودہ عادات و اخلاق رسالت کا نمونہ تھیں۔ اس لیے کہ مدت سے شرف ملازمت وخدمت پر ممتاز تھیں اور معارف نبوت کی خلوت وجلوت میں ہمراز ودمساز۔

لیکن اتنا لکھ کر بھی۔ شبلی صاحب۔ ان اوصاف میں حضرت سودہ پر حضرت عائشہؓ کو ترجیح دیتے ہیں ہمیں سوائے حسن عقیدت کے اور کوئی وجہ ترجیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے آگے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک باران کے وظیفہ کی رقم تھیلی میں رکھ کران کے پاس بھیج دی۔ لانے والا جب وہ تھیلی ان کے پاس لایا تو حضرت سودہ نے استفسار فرمایا اس میں کیا ہے۔ اس نے کہا۔ روپے ہیں۔ فرمایا کہ اب تھیلیوں میں بھر بھر کر روپیہ بھیجا جانے لگا۔ یہ فرمایا اور وہ تمام روپیہ مستحقین کو دے دیا۔

حضرت سودہ سے بہت کم روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ محدثین نے ان سے صرف پانچ حدیثیں نقل کی ہیں۔ بخاری صاحب نے ان کی ایک ہی روایت پر اکتفا فرمائی ہے۔ ایں ہم غنیمت است۔ صحابہ میں صرف دو حضرات عبداللہ بن عباس اور یحییٰ ابن عبدالرحمن نے روایت کی ہے۔ حضرت سودہ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی حکومت معاویہ کے زمانہ 55ھ میں ان کی وفات بتلاتے ہیں اور تعجب ہے کہ ابن حجر بھی اسی کو اپنا نظریہ بناتے ہیں لیکن امام بخاری اپنی تاریخ اور علامہ ذہبی تاریخ کبیر میں 23ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عمر، ان کی وفات کو لکھتے ہیں۔ امام ذہبی نے تو یہاں تک تصریح کردی ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے آخر ایام تھے۔ حضرت عمر کی وفات 23ھ میں ہوئی ہے۔ اس بنا پر حضرت سودہ کا انتقال 22ھ میں واقع ہوا۔ علامہ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس میں لکھتے ہیں کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عائشہؓ

اسم مبارک عائشہ تھا۔ صاحب اولاد نہیں تھیں۔ مگر عبداللہ بن زبیر اپنے بھانجے کی رعایت سے۔ جنھیں آپ نے پالا تھا۔ ام عبداللہ کی کنیت سے مشہور تھیں۔ ان کی ماں کا نام زینب تھا اور ام رومان کنیت۔ ان کی ولادت بعثت رسول سے چار برس بعد واقع ہوئی۔ والدین نے پہلے جبیر ابن مطعم کے ہاں بات لگائی تھی۔ اس لیے جب خولہ بنت حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی بات لے کر آئیں تو پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اسی بنا پر انکار کیا۔ مگر جب خولہ نے کہا کہ اب وہ اسلام کی وجہ سے تمھارے ساتھ پیوند نہیں کریں گے۔ تو حضرت ابوبکر جیسا کہ روضۃ الاحباب میں کتب انساب سے بیان کیا گیا ہے دریافت حال کی غرض سے خود جبیر کے ہاں گئے۔ جبیر سے تو ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر ان کی بیوی نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ تم اپنی بیٹی بیاہ کر میرے ہاں اسلام کے قدم جمانا چاہتے ہو۔ میں تمھیں

ایسا نہیں کرنے دونگی۔ حضرت ابوبکر وہاں سے براہ راست واپس آئے اور بلا ذریعہ و واسطہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں معروضہ پیش کیا۔ فوراً قبول فرما لیا گیا اور شوال کی بارھویں تاریخ کو حضرت عائشہؓ سے نکاح کر لیا گیا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کل چھ سال کی تھی۔ ہجرت کے تیسرے سال مدینہ منورہ میں عروسی ہوئی وہ بھی شوال ہی کا مہینہ تھا۔ احادیث کی مرویات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم عروسی کی تحریک بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کی طرف سے پیش ہوئی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تنگ دستی کی مجبوری دکھلائی تو حضرت ابوبکرؓ نے پچاس درہم قرضہ حسنہ دے کر عرض کی کہ اس سے سامان عروسی کر لیا جائے۔ بات طے ہوگئی۔ سامان عروسی شروع ہوگئے۔ شبلی صاحب عروسی اور رسم رخصتی کے متعلق لکھتے ہیں۔

مدینہ میں آ کر حضرت عائشہ سخت بخار میں مبتلا ہوگئیں۔ اشتدادِ مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے۔ صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت تک ان کی عمر 9 سال تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں ام رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی۔ ماں کے پاس آئیں انھوں نے منہ دھویا۔ بال درست کیے۔ گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی شوال ہی میں نکاح ہوا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ جلد دوم حالات ازواج ص 325

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام تقریبات نکاح کے موقع پر بڑے بڑے ولیمے دیے سوائے حضرت عائشہ کے ساتھ نکاح کے موقع پر اس لیے کہ وہ زمانہ آپ کے لیے شدت سے تنگی کا تھا۔ چنانچہ محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

از حضرت عائشہ منقول است حضرت با من زفاف کرو و ہیچ شتر د گوسفند نے نکشتند و طعام عروسی ما کاسۂ شیرے بود کہ از خانہ سعد بن عبادہ فرستادہ بودند و چن در آنروز نہ سالہ بودم و از اسماء بنت عمیس مری است کہ من در زقاف عائشہ حاضر بودم واللہ کہ اتروز ہیچ طعام ولیمہ نبود الا قدمے از شیر کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم مقدارے از ان شیر تناول نمودہ بعد ازان بعائشہ وادہ دوے شرم میداشت کہ بگیرومن گفتم دست پیغمبر را ودمکن وبستان ازان آشامید بعد ازان حضرت فرمود تابمن وہ۔ ماگفتم رغبت نداریم آنسرور گفت گرسنگی و دروغ باہم جمع مکنید من گفتم یا رسول اللہ اگر یکے از مار غبت چیزے داشتہ بادشد و گوید رغبت ندارم آنرا بدروغ می شمرند فرمودارے ان الکذب یکتب کذبا حتے یکتب الکذبۃ کذبتہ۔ (روضۃ الاحباب ص 205

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے دن کوئی بھیڑی ذبح نہیں کی گئی۔ ہمارا ولیمہ عروسی صرف ایک دودھ کا پیالہ تھا جو سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا تھا میرا سن اس وقت نو برس کا تھا اور اسماء بنت عمیس سے

مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ کی تقریب رخصتی مین حاضر تھی۔ خدا کی قسم اس دن ولیمہ کے لیے کسی قسم کا کوئی طعام تیار نہیں تھا۔سوائے ایک جام شیر کے جس میں سے تھوڑا جناب رسول خدا صلعم نے نوش فرما کر پیالہ کو حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھادیا انھوں نے فرط حجاب سے اس پیالہ کے لینے میں تامل کیا۔تو میں نے ان سے کہا کہ پیغمبرؐ کے دست (عنایت) کو رد نہیں کرتے پیالہ لے اور یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے نہایت حجاب کے ساتھ وہ پیالہ لے لیا۔اور اس میں سے تھوڑا سا پی لیا۔ پھر آنحضرت صلعم نے ان سے ارشاد کیا کہ باقی اسماء بنت عمیس کو دے دو میں نے عرض کی مجھے تو اس وقت اشتہا نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا بھوک اور جھوٹ ایک جا جمع نہ کرو میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلعم۔ اگر ہم میں سے کسی کو اشتہا ہو۔اور وہ کہے کہ مجھے اشتہا نہیں ہے تو کیا یہ بھی جھوٹ ہی میں شمار ہوگا۔ ارشاد ہوا جھوٹ جھوٹ ہی لکھا جائے گا اگر چہ جھوٹ لکھنے والے نے جھوٹ ہی لکھا ہو۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بڑی محبت تھی۔اسی محبت سے آپ نے مرض الموت میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ کے حجرے میں بسر کیے۔اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث وسیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔ آنحضرت صلعم کا حضرت عائشہؓ سے۔ یہ محبت کرنا تعجب انگیز نہیں اس لیے کہ فطرتاً ہر شوہر اپنی بی بی سے محبت کرتا ہے پھر اس میں حضرت عائشہ کے لیے شرف خصوصیت کیا ہے۔ پھر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ کو محبت نہیں تھی۔اگر ہوتی تو آپ آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی محبت کا اظہار بھی فرمادیتے۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرط محبت سے ان کے ساتھ یہ کیا انھوں نے اپنی شدت محبت کے تقاضہ سے آپ کے ساتھ کیا کیا۔مگر شبلی صاحب نے اسے نہیں لکھا۔اس بنا پر اس کا وجود ہی نہیں تھا۔اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ان کا ذرا ذرا سی بات پر روٹھنا جزوی شکایتوں پر منہ بنانا۔ نان ونفقہ ودیگر اخراجات خاص کے لیے رسول اللہ صلعم کو تنگ کرنا۔آیت تخییر کا نازل ہونا۔ پھر سال ہی بھر کے بعد۔قصہ تحریم میں دیگر ازواج مطہرات کو اپنی ہم آہنگ بنا کر رسول اللہ صلعم کے خلاف مظاہرہ کرنا۔جس کے نسبت آپ خود یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں کہ مظاہرہ کی ارکان اعظم حضرات عائشہؓ وحضرت حفصہؓ تھیں۔سیرہ جلد ا ص ۳۹۷۔آپ غریب کس شمار میں ہیں۔ خدائے تبارک وتعالیٰ۔اس مظاہرہ کے متعلق اور ان دونوں خواتین کی نسبت۔صغت قلوبکما۔(دل ان دونوں کے ٹیڑھے ہوگئے ہیں) کی صورت حال اور صواحب لوط ویوسف کی مثال قرآن مجید میں دے چکا ہے۔تو کیسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان محترمہ کو اپنے مقدس شوہر کے ساتھ محبت تھی۔

اب رہا مرض الموت میں ان کے حجرہ میں تشریف رکھنے سے افراط محبت کے جو معنی نکالے گئے ہیں۔اس کی نسبت گذارش

ہے کہ واقعات پر نظر رکھنے والے اور حقیقت کے جاننے والے اس کو منتہائے اخلاق رسولؐ کی مراعات یقین کرتے ہیں۔ آپ کی محبت مخصوصہ کی مضمون تراشی اس وقت صحیح ہوتی جب حجرۂ علالت حضرت عائشہؓ کی جلوت وخلوت کے لیے مخصوص ومحدود کر دیا جاتا واقعات بتلا رہے ہیں کہ ایام علالت میں حجرۂ حضرت عائشہ عام مسلمانوں کی گذرگاہ بنا ہوا تھا۔ تمام ازواج اور اہلبیت طاہرین بھی وہیں اٹھ آئیں تھیں۔ اس لیے اس محبت کی خصوصیت جس پر آپ کا استدلال قائم ہوتا ہے۔ عین عمومیت ثابت ہوتی ہے اور اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

اب رہا بخلاف وازواج مطہرات کے ان کے حجرۂ خاص میں اٹھ آنے کی مصلحت یہ تھی کہ موصوفہ کو شکایت کا موقع نہ ملے اور پھر کسی تازہ مظاہرہ کا اندیشہ نہ ہونے پائے اور خاص کر ان کی اور ان کے مویدین کی خاص اطلاع کے لیے اہلبیت طاہرین اور دیگر مومنین کے لیے جو وصیتیں فرمائی گئیں اور ان کے ساتھ مرتے دم تک جو محاسن سلوک قائم کیے گئے وہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے گذر جائیں۔ یہ خود مشاہدہ فرمالیں۔ پھر اختیار ہے۔ چاہیں ان پر عمل فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ اس کے بعد شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کے وقت میں فتویٰ دیتی تھیں۔''

نہیں معلوم حضرت علیؑ کا دورِ حکومت۔ ان کے اجرائے فتویٰ سے کیوں محروم رکھا گیا۔ شبلی صاحب خوامخواہ حقیقت کو کیوں چھپاتے ہیں۔ وہ تو چھپنے والی نہیں۔ حضرت علیؑ کے وقت میں بھی انھوں نے فتوے دے۔ ان کا سب سے بڑا موثر فتویٰ وہ عظیم الشان اور واجب الاذعان اعلان تھا۔ جس نے جنگ جمل قائم کرادی اور عراق عرب سے لے کر حجاز۔ شام مصر اور تمام ممالک اسلامیہ میں آگ لگا دی۔ اور خاص سرزمین بصرہ پر ہزاروں مسلمانوں کے خون بہادیئے۔ ہاں۔ بصرے میں شکست کھا کر گھر میں واپس آئیں تو کف لسان فرمائیں۔ اس کے بعد شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ نے صحابہ پر دقیق اعتراض کیے ہیں۔ جن کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔''

ہمیں اس کی تفصیل وتحقیق کی ضرورت نہیں کہ ان اعتراضات میں اصابت رائے کس طرف تھی۔ صحابہ کی رائے صحیح تھی یا حضرت عائشہ کی اسے صحابہ جانیں اور حضرت عائشہؓ۔ ہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ کے اعتراضات اور آپ کے اعترافات سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کی اصابت رائے کے متعلق آپ کا اصول کلھم عدول قابل قبول نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اصول موضوعہ صحابہ کے زمانہ سے بہت پیچھے وضع کیا گیا ہے۔

اب رہا حضرت عائشہؓ کا تبحر علمی۔ وہ تو ذیل کے واقعہ سے بخوبی ثابت ہے۔ امام حاکم مستدرک میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن عائشه دعوت ابوهريرة فقالت يا اباهريرة ما هذه الاحاديث التى يبلغنا انك يحدث بها عن النبى صلعم هل سمعت الا ما سمعنا وهل رأيت ما رايتنا قال يا اماه انه كان يشغلك عن رسول الله صلعم المرءة والملحة والتصنيفة لرسول الله صلعم وانى الله ما كان عنه شے وهذا حديث صحيح لم يخرجاه الشيخان۔

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کو بلا کر پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ کیسی حدیثیں ہیں جو ہمیں پہنچی ہیں کہ تم ان کو رسول اللہ صلعم کا قول بیان کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے بھی وہی سنا ہے جو لوگوں نے سنا اور تم نے بھی وہی دیکھا جو ہم لوگوں نے دیکھا۔ ابو ہریرہ نے کہا۔ اماں جان آپ کو آئینہ سرمہ دانی اور بناؤ سنگھار (احادیث رسول سننے سے) سے باز نہ رکھتا تھا جو تم رسول اللہ صلعم کے لیے کیا کرتی تھیں۔ اور خدا کی قسم ہمیں ان میں سے کوئی چیز بھی مانع نہیں تھی۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ یہ روایت (مکالمہ حضرت عائشہؓ و ابو ہریرہ) صحیح ہے۔ گو اس کو شیخین بخاری و مسلم نے نہیں لکھا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس نے جناب موصوفہ کی تفسیر یا اخت ہارون کو (ہارون سے مراد برادر حضرت موسیٰ ہیں) بدیہتاً غلط بتلایا۔ یہی دو مثالیں آپ کے تبحر علمی۔ ابطال دعوی کے لیے کافی ہیں۔

ہر امر کے لیے ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک شہرت عقیدت۔ اہل تحقیق کو اکتشاف و اکتساب حقیقت مد نظر رہتا ہے نہ ثواب عقیدت۔ اس لیے کتب احادیث میں فضل و کمال علمی حضرت عائشہؓ کی نسبت جو کچھ مذکور ہے وہ جناب موصوفہ کی علمی تجلیات نہیں ہیں۔ بلکہ خوش عقیدہ و مولفین کی تعلیات۔

حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نو برس تک زندگی بسر کی۔ نو برس کی عمر میں وہ آپ کی خدمت میں آئیں۔ جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر 18 سال کی تھی۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت عائشہ قریباً 48 برس تک زندہ رہیں 57ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 66 سال کی تھی وصیت کے مطابق جنۃ البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔

شبلی صاحب کے قلم عقیدت رقم نے جناب موصوفہ کی وفات کے متعلق تو یہ گہر افشانی فرمائی ہے جو مندرجۂ بالا عبارت میں لکھ کر دکھلائی گئی۔ اور طرفہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس قلمی عقیدت کو قید اسناد وغیرہ سے بالکل آزاد رکھا ہے۔ جس پر آپ کی عقید تمندانہ طباعی کا بھی گمان ہو سکتا ہے۔ لیکن میں آپ کی خدمت میں اس دیدہ دلیری کی نسبت نہیں کر سکتا۔ اور قرینہ یہ ہے کہ آپ نے ان مرقومات کو بھی کسی عقیدتمندانہ تحریر سے نقل فرمایا ہے۔

بہر حال اوائل السیوطی کی مفصلہ ذیل عبارت۔ آپ کی تحریر کے خلاف۔ حضرت عائشہ کی وفات کا واقعہ اس تفصیل سے بتلاتی ہے۔

وکان معویة علے المنبر رسول اللہ صلعم یاخذ البیعة لیزید فاخرجت عائشه راسها من الحجرة وقالت صرصه هل اسندعی الشیوخ لابنا هم البیعة قال لا قالت فیمن یقتدی انت فجعل ونزل عن المنبر دینی لها حفر فوقعت فیها و مانت۔

معاویہ منبر رسول اللہ صلعم پر بیٹھے ہوئے یزید کے لیے بیعت لے رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے حجرہ سے سر

نکالا۔اور کہا کہ چپ ہو چپ ہوا ے معاویہ آیا شیخین (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لی تھی۔معاویہ نے کہانہیں۔عائشہ نے کہا پھرتوکس کی تقلید کرتا ہے۔پس معاویہ شرمندہ ہوکر منبر سے نیچے اتر آئے اورام المومنین عائشہؓ کے لیے اس طرح ایک غار کھدوایا کہ وہ اس میں گرکرانتقال فرماگئیں۔

حکیم سنائی غزنوی۔جوبقول شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اولیائے کبار سے ہیں۔اپنے حدیقہ میں اس واقعہ کی طرف ان دو اشعار میں اشارت فرماتے ہیں۔

عاقبت ہم بدست آن طاغی
شد شہید وبکشت آن باغی
آن کہ باجفت مصطفیٰ زینسان
بدکند مردرا تو مرد مخوان

آخرکاراس گمراہ کے ہاتھوں سے وہ شہید ہوئیں اوراسی باغی نے انھیں مارا جوشخص زوجہ مصطفیٰ کے ساتھ ایسا سلوک کرے تواس مردکومرد نہ کہنا چاہیے۔

ان کے علاوہ اورمحدثین نے بھی یہی تفصیل وفات لکھی ہے۔جس کی تصریح کا یہ موقع نہیں ہے۔

اگرجنت البقیع کی دفن والی روایت پراعتبار کیا جائے تب بھی حالت بالکل دگرگوں معلوم ہوتی ہے۔

جیسا کہ معارف ابن قتیبہ کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

توفیت عائشة رضی اللہ عنھا سنة ثمان و خمسین فقیل لھا فدفتك عند رسول اللہ صلعم فقالت انی قد احدثت بعدہ فادفتونی مع اخواتی فدفنت بالبقیع۔

یعنی 58 میں حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا۔وقت وفات جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ہم تمھیں رسول اللہ صلعم کے پاس دفن کریں توحضرت عائشہؓ نے کہا کہ چونکہ حضرت رسول اللہ صلعم کے بعد مجھ سے ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جومناسب نہیں تھیں۔لہذا مجھے آنحضرت صلعم کے قریب دفن نہ کرنا بلکہ میری بہنوں کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔

علامہ عبدربہ بھی عقدالفرید میں یہی عبارت لکھتے ہیں۔

حضرت حفصہ

حضرت عمرابن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں۔ جس سال قریش کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اسی سال ان کی ولادت واقع ہوئی خنیس بن خذافہ سے ان کی شادی ہوئی۔ خنیس نے مسلمان ہوکر مدینہ میں ہجرت کی۔ بدر میں شریک ہوکر زخمی ہوئے گھر آ کر انھیں زخموں کے باعث انتقال کر گئے لیکن اصابہ میں غزوہ احد میں ان کا شہید ہونا بتلاتے ہیں۔ شبلی صاحب ان کی تنقید قول میں لکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہ کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریک بدر نہ ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیس نے غزوہ بدر کے بعد وفات پائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو۔ اس کی عدت گذر گئی۔'' اگر خنیس نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۴ھ ہوتا۔ حالانکہ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا۔ (بحوالہ فتح الباری جلد 9 ص 52-153)

ہمیں خنیس کی وفات کے متعلق جو اختلاف قول ہے یا شبلی صاحب نے اپنی منقدانہ تحقیق کے بعد جو اپنا نظریہ قائم کیا ہے اس کی نسبت کوئی عذر و کلام نہیں ہے صرف حضرت عمرؓ کے اظہار صاف اور موجودہ زمانہ کے اور سابق زمانہ کے اسلامی تمدن کے باہمی اختلاف کو اس واقعہ میں دکھلا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر راہ چلتے صاحبزادی کا نکاح کا پیام دیتے تھے اور تاہم کوئی شنوا نہیں ہوتا تھا چنانچہ شبلی صاحب پھر اس کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں لکھتے ہیں۔

حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انھوں نے کہا کہ اس معاملہ میں۔ میں غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی۔ نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تمھیں ناگوار گذرا۔ لیکن میں نے اس بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلعم نے ان سے نکاح کو نہ کہا ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (سیرۃ النبی جلد 2 ص 32)

حضرت ابوبکر کی خاموشی تک تو آپ کی نقل و تحریر میں واقعہ نگاری ہے۔ اس کے بعد محض عقیدت شعاری جو حضرت عمرؓ اور حضرت حفصہ کی حفظ مراتب کی ضرورت خاص سے اختیار فرمائی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ جواب ضرور ہے۔ لیکن اس میں سے یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود اپنی طرف سے حضرت حفصہؓ کا پیام دیا۔ واقعہ یہ ہے۔

حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی خاموشی سے رنجیدہ ہوکر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور ان دونوں حضرات کی بے التفاتی عرض کی۔ آپ نے ان کی استمالت اور مصلحت وقتی کے لحاظ سے حضرت حفصہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے لیے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ ان کی مایوسانہ شکایت کے جواب میں جو الفاظ زبان مبارک سے نکلے تھے۔ وہ یہ تھے کہ اچھا کوئی شخص حفصہؓ سے جب نکاح کے لیے راضی نہیں ہوتا تو میں سب سے اچھا شخص ان کے لیے تجویز کرتا ہوں۔ اور میں ہوں حفصہؓ اس وقت 35 برس کی ہو چکی تھیں شبلی صاحب حقیقت کو توڑ مروڑ کر چھپانا چاہتے ہیں اور وہ چھپتی نہیں۔ اس کے آگے لکھا جاتا ہے۔

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ واقعہ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا اتفاق سے میری بی بی نے مجھے مشورہ دیا۔ میں نے کہا تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے۔ بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ میری بیٹی رسول اللہ صلعم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی تم رسول اللہؐ کو جواب دیتی ہو۔ یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ بولیں۔ ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ خبردار۔ میں تمھیں غضب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم اس کے گھمنڈ میں نہ آ جانا جس کے حسن نے رسول اللہ صلعم کو فریفتہ کر لیا ہے۔ یعنی عائشہ۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص 327

شبلی صاحب کی موقع شناسی اس واقعہ کو اپنے خاص مقام پر ان الفاظ میں لکھتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ قریش لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی۔ ایک دن کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ انھوں نے الٹ کر جواب دیا۔ میں نے کہا میری بات کا تم جواب دیتی ہو۔ بولیں تم کیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ دن بھر آنحضرت صلعم سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا۔ اٹھ کر حفصہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا واقعی تو رسول اللہ صلعم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہؓ نے اقرار کیا۔ میں نے کہا تجھے یہ خیال نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا خیال کرتے ہیں۔ ورنہ تجھے طلاق دے چکے ہوتے۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص 401)

محققین دونوں عبارتوں کو فرق مابہ الامتیاز کو پڑھ کر خود سمجھ لینگے۔ جب جیسا۔ تب تیسا۔

افسوس ہے شبلی صاحب نے جناب موصوفہ کی نسبت نہ محبت رسول صلعم کا کوئی دعویٰ کیا اور نہ ان کی استعداد علمی اور اجتہاد فقہی کا کوئی اظہار فرمایا۔ کم سے کم محافظین قرآن ہی میں ان کا نام لکھ دیا ہوتا۔ جیسا کہ باتفاق جمہور ثابت ہوتا ہے کہ اس وفات حضرت حفصہؓ ہی کے پاس مجموعہ قرآن کا ایک نسخہ تھا جو حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں ان سے لے کر ضائع کرا دیا گیا۔ جس کا افسوس موصوفہ کو تمام عمر باقی رہا۔

حقیقتاً حضرت حفصہ کی ذات ان تمام کمزوریوں کا مجموعہ تھی جو فطرت نسوانی کی خصوصیات ہیں نیز مزاجی اور درشت طبعی تو

بقول شبلی صاحب موروثی تھی۔ اسی وجہ سے جناب رسول خداصلعم نے انھیں طلاق دے دی تھی مگر نظر بمصالح چند پھر رجعت فرمالی۔ مسند امام حنبل میں ہے۔

عن عاصم بن عمران رسول الله صلعم طلق حفصه بنت عمر بن الخطاب ثم ارتجعها (بحواله احمدی ص 37)

عاصم بن عمر سے منقول ہے کہ جناب رسول خداصلعم نے حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ کو طلاق دے دی تھی لیکن پھر رجعت فرمالی۔

موصوفہ کی اخلاقی کمزوریوں کی تفصیل میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رورہی تھیں۔ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انھوں نے کہا مجھے حضرت حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تم نبیؑ کی بیٹی ہو۔ تمھارا چچا پیغمبر ہے اور تم پیغمبرؐ کے نکاح میں ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہیں۔

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے صفیہؓ سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلعم کے نزدیک تم سے زیادہ عزیز ہیں ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور آپ کی چچازاد بہن بھی۔ حضرت صفیہؓ کو ناگوار گذرا انھوں نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی آپ نے فرمایا کہ تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے زیادہ معزز کیونکر ہوسکتی ہو۔ میرے شوہر محمدؐ۔ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰ۔

حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھے۔ اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حفصہ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں ایک تھیں۔ لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ دونوں آنحضرت صلعم کے ساتھ ہمسفر تھیں۔ رسول اللہ صلعم راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹوں پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمھارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے۔ جس پر حضرت حفصہ سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر ایک گھانس ہوتی ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں۔ خداوندا کسی سانپ بچھو کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص 328۔

یہ روایت خواتین موصوفین کے اخلاقی کمزوریوں کو اس طرح عام اور طشت از بام کررہی ہے کہ بالآخر شبلی صاحب کو بھی اس پر نظریہ کی ضرورت لاحق ہوئی۔ نظریہ زیر حاشیہ کی عبارت یہ ہے۔

اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات میں اس قسم کی روایتیں صرف حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے متعلق مذکور ہیں۔ اس لیے اس کے اسباب تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔

عبارت زیرین حاشیہ ص328

شبلی صاحب۔عبارت آرائی سے کام نہیں چلتا۔کہاں کہاں منافقین کو یاد کیجیے گا۔دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم لیجیے۔مان لیا۔منافقین نے یہ باتیں جھوٹ موٹ مشہور کردیں۔تو خیریت سے علماء کرام آپ کے ایسے سادہ لوح کیوں ہونے لگے کہ مومن ومنافق کے اقوال کی تمیز نہ کرسکے اور علما سے آگے چلیے تو خود حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اس غفلت شعاری اور بداحتیاطی سے کیوں کام لیا کہ اپنے سلسلہ اسناد میں منافقین اور مومنین سب کی بھرتی کرلی۔

هاتو برهانکم ان کنتم صادقین

حضرت حفصہؓ نے 45ھ میں وفات پائی۔اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کی تھی۔مروان الحکم (طرید رسول اللہؐ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور ابنائے حضرت عمرؓ نے قبر میں اتارا۔جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت زینب ام المساکین

زینب نام تھا۔چونکہ فقراء مساکین کے ساتھ خاص طور پر مسلوک ہوا کرتی تھیں۔اس لیے ام المساکین کے خاص لقب وکنیت سے مشہور تھیں۔پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالہ نکاح میں آئیں۔لیکن انھیں صرف دو یا تین مہینے اس شرف کو حاصل کیے۔ہوئے تھے کہ داعی حق کو لبیک فرما گئیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔وقت وفات ان کی عمر ۳۰ برس کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

نام ہند تھا۔کنیت ام سلمہ۔ماں کا نام عاتکہ بنت حضرت عبدالمطلب۔پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں آئیں اور ان کے صلب سے سلمہ نامی لڑکا پیدا ہوا۔جس کی رعایت سے ان کی کنیت ام سلمہ اور باپ کی کنیت ابوسلمہ مشہور ہوئی عبداللہ بن عبدالاسد سابق الاسلام بزرگواروں میں شامل ہیں۔اسی طرح حضرت ام سلمہؓ بھی۔یہ دونوں بزرگوار یکبار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پر بیعت اسلام سے مشرف ہوئے۔حضرت ام سلمہ نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کی چنانچہ سلمہ ان کے صاحبزادے کی پیدائش وہیں ہوئی۔پھر حبشہ سے مکہ میں آئیں اور مکہ سے مدینہ میں ہجرت فرمائی۔مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمانے کی وقت ان کے قبیلہ کے مشرکین کفار نے ان سے سخت مزاحمت کی بڑے ظلم وستم کیے۔یہاں تک کہ ان کی گود سے سلمہ کو چھین کرلے گئے۔سوچے کہ شاید اس تدبیر سے مدینہ جانے سے باز آئیں۔لیکن ان کی عقیدت اور رفاقت اسلام میں ذرا فرق نہ آیا۔آخرکار مشرکین نے بھی چھوڑ

دیا اور یہ مدینہ منورہ میں چلی آئیں۔

ان کے شوہر ابوسلمہ بہت بڑے شجاع تھے اور مشہور شہسوار۔ غزوات بدر و احد میں ان کی نمود اریاں اور جان نثاریاں اسلام کی تاریخوں میں یادگار ہیں۔ غزوۂ احد میں یہ زخمی ہو گئے تھے۔ اور زخم بھی کچھ ایسے کاری نکلے کہ غریب جان پر بر نہ ہو سکے اور قضا فرما کر شہدائے احد کے حسنات درجات پر فائز ہو گئے ان کی شہادت جمادی الثانی 4ھ میں واقع ہوئی۔ ان کے جنازہ کی نماز بڑے اہتمام سے پڑھی گئی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بخلاف معمول ان کی جنازہ کی نماز ۹ تکبیروں سے پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہؐ۔ حضور کو شمار تکبیر میں کہیں سہو تو نہیں ہو گیا ہے۔ ارشاد ہوا۔ نو تکبیریں کیا یہ تو ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔ سیرۃ النبی ج 2 ص 329

عدت گذر جانے کے بعد حضرت ام سلمہ کے پاس آنحضرت صلعم نے پیام عقد بھیجا تو بقول شبلی صاحب ام سلمہ نے ذیل کے چند عذر پیش کیے۔

(۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔

(۲) صاحب عیال ہوں۔

(۳) میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا کر لیا۔ اور عقد فرما لیا۔

حضرت ام سلمہؓ کے فضل و کمال اور علم و آداب کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل و کمال میں انھیں کا درجہ تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے۔ روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ میں جب مکہ سے باہر حلق (سر منڈوانا) اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور یہ آپ کی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔ سیرۃ النبی ج ج ۲۔

علم و کمال میں حضرت ام سلمہؓ کا حضرت عائشہؓ سے کم مایہ ہونا صرف شبلی صاحب کی عقیدتمندانہ باریک بینی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ واقعہ ایلا میں حضرت عمر کے سوال و جواب میں حضرت ام سلمہ کا یہ فرمانا کہ تم بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گئے کہ اب رسولؐ اور ان کی بیبیوں کے امور خاص میں بھی دخل دینے لگے۔ ان کی ذاتی عظمت و جلالت اور حیا و غیرت کی کامل مثال ہے۔

اسی طرح خدمت رسالت میں ایک صحابی جو رشتہ میں حضرت ام سلمہ کے عزیز تھے۔ مسائل نسوانی کے متعلق کسی قدر بے باکی سے استفسار کرنے لگے۔ حضرت ام سلمہ سنتی تھیں۔ وہیں سے انھیں ڈانٹ کر کہنے لگیں کہ تم مسائل شرعیہ اور احکام الٰہیہ پوچھنے آئے ہو یا عورتوں کو رسوا کرنے۔

حضرت ام سلمہ نے انت علی الخیر کی پیشین گوئی پوری کر دی اور قون فی بیو تکن کے مطابق جس گھر میں آئیں اسی

گھر میں اپنی زندگی تمام کردی۔ اور تمام عمر اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی رفاقت میں جس کی تمناو آرزو انھوں نے نزول تطہیر کے موقع پر کی تھی خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے اسے ان کی خواہش کے موافق پورا کر دیا۔ آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو گویا اپنی تبنیت میں لیا تھا۔ اور ان کی ولادت کے وقت ہی سے۔ ان کی پرورش اور آرام رسانی آپ ہی سے متعلق تھیں۔ اسی بنا پر واقعہ شہادت کی احادیث آپ ہی سے زیادہ تر مروی ہیں۔ جن کو ہم بالتفصیل کتاب ذبح عظیم میں بیان کر چکے ہیں۔

ان کے صاحبزادے سلمہ جنگ صفین میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ لڑکر شہید ہو گئے۔ حسن بصری انھیں کے خرید کردہ غلام تھے۔ جن کو کمسنی میں خدمت کے لیے خرید فرمایا تھا۔ اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر وغیرہم کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے تعلیم دلوائی تھی۔ لیکن جنگ جمل کے موقع پر۔ بقولیکہ ۔

کس نیا موخت علم تیرا ز من

که مرا عاقبت نشانه نکرو

حضرت علیؑ کی خدمت ورفاقت سے ان کی دست برداری جناب ام سلمہ کی ایسی سخت ناراضی کا باعث ٹھہری کہ پھر آپ نے عمر بھر حسن کا منہ نہ دیکھا اور نہ اپنے دروازے پر چڑھنے دیا۔

ان کی وفات کے متعلق شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

اہل سیر متفق ہیں کہ ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے وفات پائی۔ لیکن ان کے سن وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ واقدی نے 59ھ بتلایا ہے۔ ابراہیم حربی کے نزدیک 2ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ تکبیر میں لکھا ہے کہ 58ھ میں وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ 61ھ میں جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر آئی تو اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے۔ ابن عبداللہ نے روایت کی تصحیح کی ہے۔ اس اختلاف روایت کی حالت میں سن وفات کی تعیین مشکل ہے۔ تاہم یقینی یہ ہے کہ واقعۂ حرا تک زندہ تھیں۔ مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم ابن عقبہ کو لشکر شام لے کر مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرا پیش آیا تھا۔ واقعہ حرا 63ھ میں پیش آیا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام تاریخیں صحیح نہیں۔

شبلی صاحب کی تحقیق درست ہے۔ لیکن اتنے اضافہ کے ساتھ کہ جناب موصوفہ کی وفات یقینی طور پر 64ھ کے اواخر یا 65ھ کے اوائل میں واقع ہوئی۔ اس لیے کہ قاتلان امام حسین علیہ السلام کا خاتمہ کر کے جو تاریخ سے 64ھ کے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ جب امیر نظریہ بن ابوعبیدہ ثقفی مدینہ میں آئے تو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی زیارت کو حاضر ہوئے تو جناب موصوفہ نے اپنی کنیز خاص کے ہاتھ عطر دان باہر بھیج دیا کہ ان کے سر وریش کے بالوں کو معطر کر دے۔ اس بنا پر یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ حضرت ام سلمہ یقیناً 64ھ تک زندہ تھیں۔

اس کے بعد شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی۔لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے اس لیے کہ سعید بن زید نے باختلاف روایات 51ھ یا 52ھ یا 55ھ میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت حضرت ام سلمہ زندہ تھیں۔واقدی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو ابو ہریرہ خلافت وصیت کیونکر نماز جنازہ پڑھا سکتے تھے۔بہرحال ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ نے سب کے بعد وفات پائی۔وفات کے وقت ان کی عمر 84 سال کی تھی۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب اپنی خود غرضانہ خیال تعمیم کے آگے۔خصوصیت اور واقعیت کے حالات خاص کو عمداً قلم انداز فرما دیتے ہیں۔اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کو حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ سے تعلق وتقرب خاص کا شرف حاصل تھا اور کیونکر نہ ہوتا۔سلسلہ ایک۔خانوادہ ایک۔پھر فصل وجدائی کیسے ممکن تھی۔یہ جس گھر میں پہلے بیاہی تھیں وہ بھی یہی گھر تھا۔اور دوبارہ جس گھر میں آئیں وہ بھی یہی تھا۔پھر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی وفات کے دن تک اسی گھر میں تشریف فرما رہیں۔پھر ان واقعات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ وفات کے وقت سعید بن زید کو اپنے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت فرما گئیں کس قدر لغو اور واقعیت سے خلاف ہے۔کیا ان کے اپنے گھر میں کوئی ان کے وصی ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔اس میں شک نہیں کہ یزید کے مظالم نے خاندان رسالت کو بالکل ویران کر دیا تھا لیکن تاہم کاشانہ نبوت میں ابھی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا وجود ذی جود۔حضرت محمدؐ بن حنیفہ۔حسن مثنیٰ۔عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ وعبیداللہ پسران حضرت ابا الفضل عباس ابن علیؑ کی ایسی مبارک اور مقدس ہستیاں موجود تھیں جو ہر طریق وعنوان سے ان کے موصی لہ ہونے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔پھر کون مخبوط العقل اور مسلوب الحواس شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ مرنے والا اپنے گھر میں اتنے لائق بیٹے اور پوتے رکھ کر غیروں کو اپنا وصی کرنے جائے گا۔

یہی حالت نماز جنازہ کی بھی ہے۔جس کو آپ نے صرف واقدی کی سند سے لکھا ہے۔شکر ہے کہ دیباچہ اور تبصرہ میں اتنی بے نقطہ سنانے کے بعد آپ نے واقدی کو قابل الاسناد تو تسلیم کر لیا۔آپ اس وقت اپنی غرض سے واقدی کو جیسا کچھ نہ سمجھ لیں۔دوسرا کیوں سمجھنے لگا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ کا اپنی میت پر نماز جنازہ پڑھانے کی سعید بن زید کو وصیت کرنا یہ سب اتہام ہے۔جس کا مواخذہ واصنعان روایت کے ذمہ ہے۔حضرت ام سلمہ کا دامن بالکل پاک وصاف ہے اس طرح ابو ہریرہ کا نماز پڑھانا بھی بالکل لغو ہے اور سراسر جھوٹ ہے۔کیونکہ کوئی صحیح الدماغ اور سلیم العقل مسلمان کبھی باور نہیں کر سکتا کہ حضرت امام زین العابدین۔سید الساجدین حضرت علی بن الحسین علیہ السلام کے موجود ہوتے کسی شخص غیر نے حضرت ام المومنین ام سلمہ کے جنازہ کی نماز پڑھانے پر جرأت کی ہو۔

حضرت ام سلمہؓ سے 378 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے کل 3 حدیثوں کو بخاری نے اور 12 حدیثوں کو مسلم نے لکھا ہے۔باقی اور حدیثیں دوسرے محدثین نے اپنے اپنی مصنفات وتالیفات میں نقل کی ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش

یہ وہی محترمہ تھیں جو زید بن حارثہ کے عقد نکاح میں تھیں۔ اور زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف زوجیت پر ممتاز ہوئیں۔ آنحضرت صلعم نے جس ضرورت سے ان کو اپنے نکاح میں لیا وہ تفصیل سے ایک علیحدہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔ شبلی صاحب ان کے اوصاف میں لکھتے ہیں۔

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ سے ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب بھی تھیں خود حضرت عائشہ کہتی ہیں کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا۔ نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ عبادت میں نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ جب آنحضرت صلعم نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انھوں نے کہا میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں حضرت عمرؓ نے ڈانٹا۔ آپ نے فرمایا۔ ان سے درگذر کرو۔ یہ اواہ ہیں (یعنی خاشع اور متضرع)۔ نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ ا یک دفعہ حضرت عمر نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انھوں نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے انھوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمھارا حق ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے۔ جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمر کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا تم میں سے جلد مجھ سے وہ بی بی ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں۔ چنانچہ باہم اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کی مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انھوں نے انتقال کیا۔ اپنے کفن کا خود سامان کیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ یہ وصیت پوری ہوگئی۔ بیت المال سے آیا ہوا کفن دیا گیا اور ان کا اپنا تیار کردہ کفن تصدق کر دیا گیا۔ روضۃ الاحباب) حضرت عمر نے جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا۔ انھوں نے کہا جو شخص ان کے گھر میں داخل ہوتا ہو۔ چنانچہ اسامہ۔ محمد بن عبداللہ بن جحش۔ عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا حضرت زینب نے 53 برس کی عمر میں وفات پائی۔ جب آنحضرت صلعم سے نکاح ہوا تو 35 برس کی تھیں 20ھ میں وفات ہے۔

حضرت جویریہ

قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی لڑکی تھیں۔مسافع بن صفوان سے بیاہی تھی۔غزوہ مریسیع میں مسافع مارا گیا۔ غزوہ مریسیع میں بہت سے مرد عورتیں اسیر ہوئیں۔انھیں میں جویریہ بھی تھیں اور ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ غنیمت میں آئیں تھیں۔اسلام کے فیوض عام میں اسیران جنگ کے ساتھ ایک مخصوص رعایت قائم کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اسیر اپنی حقیقت آزادی کے لیے ایک رقم خاص اپنے آقا سے طے کر لیں اور وہ اسے قبول کرے تو وہ اسیر رقم مشروطہ ادا کرنے کے بعد بالکل آزاد ہوجائے گا۔اصطلاح فقہا میں اس کو مکاتبت کہتے ہیں۔حضرت جویریہ نے اس مکاتبت کے ذریعہ سے ثابت بن قیس سے اپنی آزادی حاصل کر لی تھی۔جس کی تفصیل جلد دوم کے ایک علیحدہ باب میں بیان ہو چکی ہے۔لیکن مقامی ضرورت کے اعتبار سے اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ نو اوقیہ طلاء خالص پر شرائط مکاتبت طے پائے تھے اور وہ جویریہ کے امکان سے بالکل باہر تھے۔یہ مایوس ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور رقم مشروطہ بطور امداد مانگی۔آپ نے فرمایا میں تمھیں اس سے بہتر ترکیب ادا ئیگی بتلا دوں۔انھوں نے عرض کی بتلائی جائے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پاس سے اتنی رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم مجھ سے بیاہ کرلو۔وہ راضی ہو گئیں۔ آپ نے ثابت بن قیس کو وہ رقم ادا کر کے ان کو آزادی دلوادی پھر حسب قرار ان سے نکاح کر لیا۔شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

جب ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے کا چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جویریہ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم سے خود حضرت جویریہ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم سے خود حضرت جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا حضرت جویریہؓ نے 50ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کا سن 65 برس کا تھا۔

حضرت ام حبیبہؓ

اصلی نام رملہ تھا۔کنیت ام حبیبہؓ۔ابوسفیان کی لڑکی۔معاویہ کی بہن تھیں۔بعثت سے سترہ برس پہلے پیدا ہوئیں۔قبل بعثت ان کا نکاح ابن جحش سے ہو گیا تھا اور یہ دونوں میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ہجرت حبشہ کے دوسرے دورے میں مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ یہ میاں بیوی مدینہ سے چلے گئے۔ان کی لڑکی حبیبہ وہیں حبشہ میں پیدا ہوئی۔عبداللہ بن جحش شرایط اسلام پر قائم نہ رہے اور عیسائی ہو گئے۔لیکن ام حبیبہ اپنے اسلام پر قائم رہیں۔اس بنا پر عبداللہ بن جحش نے ان سے مفارقت کی۔جب اس کی خبر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں معلوم ہوئی تو آپ نے عمر بن امیۃ الضمیری کو نجاشی کے پاس بھیج کر ان سے نکاح کا پیغام دیا ام حبیبہ نے بہزار مفاخرت و مسرت قبول کر لیا اور مشاطہ کو جو ابرہہ نامی نجاشی کی کنیز تھی۔ دو کنگن اور انگوٹھیاں چاندی کی انعام دیں اور نجاشی کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اپنی طرف سے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کرتی ہوں۔ شام ہوئی تو نجاشی نے تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبش میں موجود تھے۔ نوید میں بلایا۔ ان کے مجمع میں جعفر ابن ابی طالب بھی تھے۔ چار سو دینار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقد نکاح پڑھا اور رقم مہر اپنی طرف سے تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو ادا کر دی۔ نکاح کے بعد لوگوں نے مجلس شاہی سے رخصت ہونا چاہا تو نجاشی نے کہا کہ آپ حضرات ذرا اور توقف فرمائیں۔ اس لیے کہ دعوت تمام انبیا کی سنت خاص ہے اور اس کا سامان حاضر ہے۔ چنانچہ تمام حاضرین دعوت سلطانی سے محفوظ ہوئے اور اپنے مقام پر واپس آئے۔ خالد بن سعید نے چار سو دینار مہر کے جب ام حبیبہ کے سامنے رکھے تو انھوں نے ابرہہ کنیز نجاشی کو جو اس وقت موجود تھی اس میں سے پچاس دینار دیئے لیکن اس نے وہ روپیہ اور چاندی کے کنگن اور انگوٹھیاں واپس دیں اور عرض کی بادشاہ نے سختی سے ان چیزوں کے لینے کی ممانعت کر دی ہے۔ دوسرے روز ابرہہ بادشاہ کی طرف سے ان کی خدمت میں عود زعفران وعنبر ار دیگر طیبات تحفہ لے کر آئی جس کو حضرت ام حبیبہ اپنے ہمراہ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نجاشی نے پھر نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ شرحبیل بن حسنہ کی ہمراہی میں ام حبیبہ کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیج دیا۔

حضرت ام حبیبہؓ رابطہ عقیدت میں خالص اور کامل تھیں یہاں تک کہ معاملات ایمان میں ان کو کسی کی قرابت یا خصوصیت کا بھی کوئی لحاظ و پاس نہیں ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد۔ ان کے باپ۔ ابوسفیان شرائط حدیبیہ کی توسیع کے لیے درخواست لے کر دربار رسالت میں آئے تو اپنی لڑکی سمجھ کر انھیں کے ہاں فروکش ہوئے۔ لیکن یہ اپنے بستر پر بھی ان کے بیٹھنے تک کی روادار نہیں ہوئیں اور یہ کہہ کر فوراً بستر الٹ دیا۔ کہ یہ فرش رسولؐ ہے اور ابا جان۔ آپ اب تک مشرک ہیں۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے محض حضرت ابوسفیان اور معاویہ صاحبان کی پاسداری اور حفظ مراتب کے خیال سے اس واقعہ کو ان کے ذکر خاص میں نہیں لکھا۔ حالانکہ ان کے خلوص اور رسوخ فی الایمان کی اس سے بہتر دوسری شہادت نہیں ہو سکتی۔

حضرت ام حبیبہ نے 42ھ میں انتقال فرمایا اور مدینہ میں مدفون ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام تھا۔ باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ مسعود بن عمیر الثقفی ان کے پہلے شوہر تھے مسعود نے انھیں طلاق دے دی تو ابورہم بن عبدالعزے نے ان سے نکاح کر لیا۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف زوجیت میں آئیں۔ ان کے ساتھ نکاح کر لینے کی درخواست حضرت عباسؓ نے کی تھی اس لیے کہ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل کی یہ چھوٹی بہن

تھیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح واقع ہوا تھا اور وہیں انھوں نے انتقال بھی فرمایا۔ 50ھ کے آخر میں وفات ہوئی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی جب جنازہ لوگ لے چلے تو عبداللہ بن عباس نے تاکید فرمائی کہ آہستہ لے چلو۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ بادب آہستہ لے چلو۔ یہ رسول اللہ صلعم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

حضرت صفیہؓ

شبلی صاحب ان کے حالات میں رقمطراز ہیں۔ صفیہ اصل نام نہ تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے۔ چونکہ وہ جنگ خیبر میں اس طریقہ کے موافق۔ آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں تھیں۔ اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ورنہ اصلی نام ان کا زینب تھا باپ کا نام حی بن اخطب تھا۔ اور ماں کا نام ضرۃ۔ حضرت صفیہ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل تھی۔ باپ قبیلہ بنونضیر کا سردار۔ اور ماں قریظہ کی رئیس کی بیٹی تھی۔ سیرۃ النبی جلد دوم۔

شبلی صاحب کا یہ خیال سیادت غلط ہے۔ اسے آپ مالداری۔ سرداری اور دولت وثروت کی کثرت پر مبنی بتلاتے ہیں۔ سیادت کا شرف مال ودولت کی بہتات سے نہیں ہوتا ہے۔

این سعادت ز زور یاز و نیست
گر نہ بخشد خدآئے بخشند

حضرت صفیہؓ کی سیادت کا اصلی سبب خود آپ نے آخر میں حضرت عائشہؓ کی تعریض کے جواب میں زبان رسالت سے نقل فرمایا ہے۔ وہی اس کے انکشاف حقیقت کے لیے کافی ہے۔ اپنی عبارت ملاحظہ کی جائے۔

آنحضرت صلعم ایک بار حضرت صفیہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بھی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارونؑ میرے چچا موسیٰ اور میرے شوہر محمدؐ (صلعم) ہیں۔ اس لیے تم مجھ سے کیونکر افضل ہو سکتی ہو۔

آپ کی اس عبارت سے خود آپ معلوم کر سکتے تھے کہ سیادت کے لیے اصلاب شامخہ اور ارحام طاہرہ کی خاص ضرورت ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو آپ کی اختیار کردہ عمومیت میں نہیں آ سکتی۔

اس کے آگے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ مشکم نے طلاق دے دی تو کنانہ ابن ابی التحقیق کے نکاح میں

آئیں۔کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔حضرت صفیہ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔جب خیبر کے سب قیدی جمع ہوگئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت صلعم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انھوں نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا۔لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو دحیہ کو دے دیا۔وہ تو صرف آپ کے قابل ہے۔آپ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں۔وہ صفیہ کو لے کر آئے۔تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی۔اور صفیہ کو آزاد کرکے نکاح کرلیا۔جب خیبر سے روانہ ہوئے تو منزل صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس جمع تھا۔اس کو جمع کرکے دعوت ولیمہ فرمائی۔(سیرۃ النبی جلد دوم)

محدث شیرازی ان کے شرف زوجیت حاصل کرنے کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔

صفیه راچون آوردند بفرمود تانجیمۂ بردندش۔انگاه خود نجیمه تشریف داده صفیه چون آنحضرت راوید برخاست و فرشے که خود بران نشسته بود برداشت وبرائے پیغمبر صلعم بسیط کرده خود برزمین نشست حضرت فرمود اے صفیه پیوسته پدر تو بامن عداوت می نمود تا خداوند تعالیٰ وے راہلاک سلغت گفت خداوند تعالیٰ ہیچ بنده رابگناه دیگرے نمی گیرد انگاه سرور عالم اورامخیر ساخت میان انکه ازادش کند داد بقوم خود ملحق بشود درمیان انکه اسلام بیادردو حضرت اورانجواہد۔صفیه بسیار غنیمه و عاقله بود گفت یا رسول اللہ صلعم بتحقیق که آرزوئے اسلام دارم و تصدیق توکرده ام به بیش از انکه مراد عوت کنی۔واکنون بمنزل تو آمده ام و حالا مرابه یہودیت ہیچ حاجتے نیست۔نه پدرے دارم نه برادرے درمیان یہود۔یا رسول اللہ صلعم مرامیان کفر و اسلام مخیرمی گردانی۔واسدکه خدا و رسولؐ وے احب اندنزدمن از آزادی ولحق بقوم خود پس حضرت صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم راخوش آمد و اورا برآئے خود نگاه داشت و آزادش نمود واعتاق آورصداق او ساخت۔روضۃ الاحباب صفحه 595

حضرت صفیہؓ جب آپ کے پاس لائی گئیں تو آپ نے ان کے احترام کے لحاظ سے حکم دیا کہ ایک علیحدہ خیمہ میں رکھی جائیں پھر آپ اس خیمہ میں تشریف لے گئے۔صفیہ آپ کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور جس فرش پر بیٹھی تھیں وہ آپ کے لیے چھوڑ دیا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔آنحضرت صلعم نے فرمایا۔صفیہ تمھارے باپ اپنی زندگی بھر ہماری خصومت وعداوت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ خدا نے انھیں ہلاک کیا۔صفیہ نے کہا کہ یہ اعمال کی سزا تھی خدا تعالیٰ کسی بندے کو دوسرے کے گناہ کے لیے معذب نہیں فرماتا

آنحضرت صلعم نے کہا کہ میں تمھیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں ابھی آزاد کر دوں اور تم اپنی قوم میں چلی جاؤ اور اگر یہ قبول نہیں ہے تو اسلام لاؤ اور میں تمھیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت صفیہ نے جو فطرتاً بہت ہی عقیلہ اور فہیمہ خاتون تھیں۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ صلعم مجھے اسلام لانے کی خود تمنا ہے اور قبل اس کے کہ آپ مجھے دعوت دیں۔ میں آپ کی تصدیق کر چکی ہوں۔ اب نہ مجھے اپنی قوم میں جانے کی حاجت ہے اور نہ ملت یہود سے کوئی واسطہ۔ اور نہ قوم یہود میں میرا کوئی باپ یا بھائی خبر گیران یا پرسان حال باقی ہے تعجب ہے کہ ایسی حالت میں آپ مجھے کفر و اسلام کے درمیان نظریہ فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے خدا اور اس کا رسولؐ اپنی آزادی اور قوم و قبیلہ میں واپسی سے زیادہ عزیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صفیہ کی یہ عرضداشت بہت پسند آئی۔ اور آپ نے ان کو اپنی زوجیت کے لیے علیحدہ کر لیا۔ پھر آزاد کر دیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دے دیا۔

شبلی صاحب کے نظریہ کے خلاف منزل صہبا سے پہلے ''منزل بتار'' ہی ہے۔ محدث شیرازی۔ رسم عروسی کا ہونا ''بتار'' بتا رہے ہیں۔ بتار خیبر سے کل چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مگر رسم عروسی ہوجانے کے بعد یہاں زفاف واقع نہیں ہوا اس لیے کہ حضرت صفیہ نے کسی وجہ خاص سے معذرت کی جب منزل صہبا میں قیام ہوا تو آپ نے ام سلیم کو حضرت صفیہ کے خیمہ میں بھیجا۔

محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

ام سلیم بموجب فرمودہ اور انجیمہ بردوموی دسرا ورا شانه کردو اور اخوشبو ساخت۔ صفیه جوان و غایت صاحب جمال پودبوددران منزل آنحضرت صلی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلم باوے زفاف نمودو آن شب که رسول اللّٰہ صلعم نجیمۂ صفیه بود حضرت ابو ایوب انصاری سلاح پوشیده بحراست آنحضرتؐ آمد و شب رازنده داشت چون روز شد خواجه عالم صلی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلم از خیمه بیرون آمد و آواز سلاح ابو ایوب شنیده فرمود این کیست ایوب گفت این ابو ایوب است۔ یا رسول اللّٰہ صلعم۔ زن جوان است یہودیه۔ و پدر و شوہرے رانزدیک کشته ایم ترسیدم که ناگاه حرکتے ازوے بظہور آمد باخود گفتم مناسب آن است که اشب برسول خدا صلعم نزدیک باشم حضرت تبسمے فرمود اور دعائے خیر کرد و گفت اللهم احفظ ابا ایوب کما حفظ لبیک۔ روضة الاحباب ص595

حسب الارشاد نبویؐ ام سلیم حضرت صفیہؓ کو ایک خیمہ میں لے گئیں۔ ان کے سر اور بالوں میں کنگھی کی۔ ان کے کپڑوں میں خوشبو لگائی۔ حضرت صفیہ جوان خاتون تھیں اور صاحب حسن و جمال۔ اسی منزل میں ان کا زفاف واقع ہوا۔ مروی ہے کہ جب آنحضرت صلعم رات کو حضرت صفیہ کے خیمہ میں تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاری سلاح جنگ پہن کر رات بھر اس خیمہ کے گرد پھرتے رہے۔ صبح کو جب آپ اٹھے تو آپ نے سلاح جنگ کی آواز سنی پوچھا کون ہے۔ جواب ملا۔ ہم ہیں ابوایوب۔ عورت یہود بہ جوان تھی۔ اس کے باپ اور شوہر کو ہم لوگ قریب ہی قتل کر چکے تھے ہمیں خیال ہوا کہ شاید وہ حضور کو کوئی صدمہ نہ پہنچائے اس لیے بہتر ہے کہ میں آج رات بھر حضور کے خیمہ اقدس کے پاس رہوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے تبسم فرمایا اور ابوایوبؓ کے لیے دعائے خیر کی اور ارشاد فرمایا۔ پروردگار ابوایوب کی تو حفاظت کر جس طرح اس نے تیرے نبیؐ کی حفاظت کی۔

حضرت صفیہ نے بار اول امتناع زفاف کی وجہ ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان فرمائی محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

نقل است کہ چون پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در خیمہ صفیہ تشریف آورو فیہ عرض کرد کہ یا رسول اللہ صلعم ترسیدم از آنکہ یہود نزدیک بودند میادا بتو آسیبے رسانند آنسرور را خوش آمد و موجب زیادتی محبت شد۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفیہ کے خیمہ میں تشریف لائے تو صفیہ نے عرض کی۔ چونکہ اس منزل سے یہودی قریب تھے اس لیے مجھے خوف ہوا کہ خدانخواستہ وہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف دیں آپ کو صفیہ کا یہ کہنا بہت خوش آیا اور زیادتی محبت کا باعث ہوا۔

اس کے آگے محدث شیرازی تحریر فرماتے ہیں۔

چون پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از خیبر مدینہ جعت نمود صفیہ رادر خانہ از خانہائے حارثہ بن نعمان فرود آورد۔ زنان انصار چون معلوم کردند کہ صفیہ کجا منزل گرفتہ و آوازۂ حسن و جمال وے شنیدہ بودند۔ متبفرج او فتنید و اور ملاحظہ می نمودند و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نیز چادرے پوشیدہ و نقابے بر روے خود فرو گذاشتہ بنا شناخت درمیان زنان آمد تا صفیہ رابیند۔ رسول اللہ صلعم اور ابشناخت

چون بیرون می رفت حضرت از عقب دے بیرون می رفت داوردریافت چادردے رابرگفت و گفت اے حمیرا۔ صفیه را چگونه یافتی گفت یهودیه را دیدم که درمیان یهودیات نشسته بود فرمودلے عائشه چنین مگوکه دے مسلمان شده وحسن الاسلام گشته وروایتے از ام سنان اسلمیه این که درمیان زنان چهارزن از مهات مومنین ہیئت خویش را متغیرساخته و نقابها برروے خود آویخته بتفرج صفیه آمد بودند۔ عائشه صدیقه۔ حفصه۔ زینب بنت جحش و جویره۔ شنیدم که زینب باجویریه می گفت نمی بینم که این جاریه الا نکه زود باشد که برما غلبه کند جویریه گفت چنین نیست که تو میگوئی۔ وے ازان قومی است که زنان ایشان رانزد شوہر بخت کم می باشد و از عائشه صدیقه مردیست که نوبیتے یا پیغمبر صلی اللّٰه علیه وآلہٖ وسلم در سفر بودیم شتر صفیه خسته شد و از راہ رفتن دوامانذ زینب را شترزیاده بود حضرتؐ بازینب گفت شتر سفیه خسته۔ چه شود اگر شترے بوے وہی۔ چندانکه بمنزل برس۔ زینب گفت من بایں یہودیه چیزے ندہم۔ آن سرور صلعم ازوے بقررفت ودوماہ یاسه ماہ ترک وے نمود۔ روضۃ الاحباب

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیبر سے مدینہ میں واپس آئے تو حارثہ بن النعمان کے گھر میں حضرت صفیہ کو اتارا زنانِ انصار جب صفیہ کی آمد۔ ان کے قیام کی جگہ اوران کے حسن و جمال شہرت سے واقف ہوئیں تو ان کی جماعت کثیران کے دیکھنے کے لیے جمع ہوئیں۔ صفیہ کو دیکھنے آئیں حضرت عائشہ صدیقہ بھی ایک چادراوڑھ کراوراپنے منہ پرنقاب ڈال کرآئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں۔ اورعورتوں کی جماعت میں مل کر صفیہ کودیکھنے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں پہچان لیا۔ جب وہ اٹھ کر جانے لگیں تو آپ بھی اٹھ کران کے پیچھے چلے یہاں تک کہ آپ نے ان کو پالیا۔ پھران کا گوشہ ردا تھام کر پوچھا اے حمیرا۔ تم نے صفیہ کو کیسا پایا۔ بولیں ایک یہودیہ ہے جو بہت سی یہودیہ عورتوں میں بیٹھی ہیں۔ آپ نے ارشادفرمایا۔ عائشہ ایسا نہ کہو۔ بخداوہ اسلام سے مشرف ہوچکی ہے اوراس میں اسلام کے محاسن جاگزین ہوچکے ہیں۔ اور ام سنان اسلمیہ سے ایک دوسری روایت میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت صفیہ کے دیکھنے کے لیے ازواج مطہرات میں سے چار بیبیاں۔ تبدیل ہیت کرکے اوراپنے منہ پرنقابیں ڈال کرآئیں تھیں۔ وہ چار بیبیاں حضرت عائشہؓ حفصہ۔ زینب بنت جحش اور جویریہؓ تھیں۔ زینب بنت جحشؓ نے صفیہ کے حسن و

جمال کو دیکھ کر جویریہ سے کہا کہ یہ عورت ہم لوگوں پر غالب آ جائے گی۔ جویریہ بولیں۔ تمھارا یہ خیال غلط ہے۔ دختران یہود شوہروں کے نزدیک ہمیشہ کم نصیب ہوا کرتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے۔ حضرت صفیہ کا اونٹ بہت لاغر تھا۔ اور راہ نہیں چل سکتا تھا۔ زینب بنت جحش کے پاس متعدد اونٹ تھے۔ آنحضرت صلعم نے ان سے کہا کہ صفیہ کا اونٹ بالکل خستہ ہو گیا ہے اور راہ چلنے سے بالکل مجبور ہے۔ اس لیے صفیہ منزل پر نہیں پہنچ سکتیں۔ تم اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ انھیں دیدو انھوں نے جواب دیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنی کوئی چیز نہیں دے سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا جواب اس قدر گراں گذرا کہ دو مہینوں تک آپ نے زینب کے گھر جانا ترک فرما دیا۔

شبلی صاحب خود لکھتے ہیں۔

آپ ایک بار حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کی وجہ پوچھی انھوں نے کہا زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے علاوہ آپ کی چچازاد نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ۔ موسیٰ میرے چچا۔ اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لیے تم لوگ مجھ سے کیسے افضل ہو سکتی ہو۔

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے کھانا پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا آپ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کے زمین پر دے مارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے ٹکڑے چن کر یکجا کیے۔ ان کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اخلاقیات وسیاسیات

آپ کے اخلاقیات وسیاسیات کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل مبارکہ سے کی گئی ہے اس لئے کہ متقدمین ومتاخرین اہل سیرت نے اپنی اپنی تصنیفات میں یہی ترتیب اختیار فرمائی ہے بالاتفاق حدیث وسیرت کی کتابوں میں آپ کی یہ شمائل لکھے ہیں۔

شمائل نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قد مبارک میانہ تھا اور اعضاء متناسب، رنگ مبارک گورا سُرخی مائل تھا، پیشانی کشادہ تھی اور آبرو پیوستہ بینی مبارک قدرے لمبی تھی، دہن مبارک چوڑا تھا، سر کے بال زیادہ گنجان نہیں تھے۔ نہ بالکل سیدھے تھے نہ گھونگھریالے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ لانبا تھا، سیاہ وسرمگین آنکھیں تھیں اور بڑی بڑی پلکیں، شانے بھرے بھرے تھے، دونوں شانوں کی ہڈیاں چوڑی تھیں سینہ اقدس سے لے کر ناف مبارک تک سیاہ بالوں کی ایک لکیر قائم تھی، شانوں پر بھی بال تھے اور کلائیوں پر بھی۔ ہتھیلیاں چوڑی تھیں اور بھری بھری کلائیاں لمبی تھیں، پاؤں کی ایڑیاں ہلکی اور نازک تھی کف پا اتنے گہرے تھے کہ ان کے سے پانی نکل جاتا تھا۔ (شمائل ترمذی وحیات القلوب مجلسیؒ)

آفتاب رسالت مآبؐ کا نورافشاں جمال اپنی آپ مثال تھا، مدینہ میں آپ تشریف لائے اور یہودیوں نے آپ کے جمال جہان آرا کی زیارت کی تو عبد بن اسلام جو اس وقت تمام یہودیوں میں صاحب علم وادراک تھے کہنے لگے کہ یہ تو جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

جابر بن سمرہ صحابی ہمیشہ آپ کے چہرہ کو ماہ وخورشید کی مثال بتلاتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک بار کھلی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹھے تھے۔ اور چاند بھی نہایت صفائی سے نکلا ہوا تھی۔ میں اس فضائے خاص میں کبھی آپؐ کے روئے روشن کو دیکھتا تھا اور کبھی ماہ نورافگن کو میری نگاہوں میں تو آپؐ ماہتاب سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے۔

براء بن عازب کا بیان ہے کہ سرخ دھاری والی چادر آپ کے جسم مبارک پر بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی جلد بدن آپؐ کی نہات نرم تھی جبیں مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کے دانوں کی طرح چمکتے تھے آپ کے خادم انس کے قول کے مطابق رنگ مبارک کھلتا تھا۔ پسینہ موتیوں کی طرح چمکتا تھا۔ جلد مبارک دیبا دحریر سے بھی زیادہ نرم وملائم تھی جسم مبارک سے ہمیشہ خوشبو آیا کرتی تھی جو مشک وعنبر کو بھی نصیب نہیں تھی۔

مہر نبوت

مہر نبوت کی اجمالی صورت صحیح مسلم کی اس عبارت میں یوں بتلائی گئی ہے کہ وہ شانہائے مبارک کے نیچے تخم کبوتر کے برابر بھرا ہوا سرخ رنگ کا گوشت تھا صحیح ترمذی کے یہ الفاظ ہیں۔

رأيت الخاتم بين كعفي رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلم عذة حمراء مثل بيضة الحمامة

(راوی کا بیان ہے) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بائیں شانہ کے قریب چند دانوں کا مجموعہ تھا جو ایک معلوم ہوتا تھا اور چھوٹے دائرے کی صورت میں گول ہو گیا تھا اور اس پر بال بھی نکل آئے تھے ان دونوں روایتوں کی تطبیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے نیچے جسم مبارک کا کچھ حصہ ابھرا ہوا تھا۔ اس پر تل کے دانے تھے اور بال بھی نکل آئے۔

بعض عقیدتمند محدثین نے اسی کو مہر نبوت ٹھہرایا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اس کے دور میں کلمہ طیب لاَ اِلٰہ اِلاّ مُحمد رسول اللہ منقوش تھا۔ یہ حدیثیں بالکل ضعیف اور مقطوع الاسناد ہیں۔ ان خوش عقیدہ علما نے غلط فہمی سے اس کو مہر نبوت سمجھا ہے۔ باتفاق جمہوری مہر نبوت چاندی کی ایک انگوٹھی تھی جس پر سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا آپ اس کو ہاتھ کی آخری انگشت میں پہنے رہتے تھے وہ فرامین، خطوط اور دیگر معاہدہ وغیر پر مہر کرنے کے کام آتی تھی یہ وہی انگشتر مقدس تھی جو حضرت عثمان کے ایام خلافت میں ان کے ہاتھ میں ایک کنویں میں گر پڑی اور پھر نہ ملی

مُوے مبارک

اوائل میں فرق مبارک کے بالوں کا کوئی انتظام نہیں تھا بڑے تھے اور یوں ہی چھوٹے رہتے تھے فتح مکہ تک فرق مطہر پر چار گیسوں دیکھے گئے تھے فتح مکہ کے بعد یا آخر زمانہ نبوت میں بالوں میں مانگ نکالی جاتی تھی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ مشرکین قریش سر میں مانگ نکالتے تھے اور یہود و نصارصرف چھٹے بال رکھتے اس لئے آپ نے مقابلہ قریش کے اہل کتاب کی وضع اختیار کی جب فتح مکہ کے بعد مشرکین کا نام باقی نہیں رہا۔ تو آپ مانگ نکالنے لگے یعنی جب وہ قوم ہی نہیں رہی تو مشابہت کیسی۔ بہرحال ارباب حدیث و تاریخ اپنی اپنی مرویات کے اعتبار سے جو وجہ نہ قائم کریں مگر آپ کے طرز عمل سے بالوں میں مانگ نکالنے اور نہیں نکالنے دونوں طرح کا ایجاز بتلانا مقصود تھا۔ گیسوئے مبارک میں اکثر تیل پڑتا اور ایک دن بیچ دیکر کنگھی بھی برابر کی جاتی تھی وفات کے روز تک ریش مبارک کے چند بال سفید ہوئے تھے۔

رفتار مبارک

آپ میانہ رفتار تھے لیکن ضرورت کے وقت جب سرعت سے چلنے لگتے تھے تو رفتار اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ گویا آپ ڈھالوئے مقام سے اتر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ یہ روائتیں صرف راویوں کی عقیدتیں ہیں۔

طرز گفتگو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطرتاً شیریں گفتار تھے اور نرم زبان، گفتگو میں فقرہ فقرہ اور لفظ لفظ جدا جدا اور ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے۔ اسلئے کہ مخاطب کو ان کی تفہیم میں زحمت نہ ہو۔ افراط اخلاق کا اکثر اوقات اثنائے گفتگو میں یہ عالم ہوتا تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین مرتبہ فرماتے تھے۔ جس امر پر زور دینا ہوتا تھا بار بار اس کا اعادہ فرمایا جاتا تھا۔

آپؐ بلند آواز تھے اور نہایت خوش الحان حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم محترم میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور ہم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے تلاوت قرآن کے ثواب سے بہرہ یاب ہوا کرتے تھے۔

ہند ابی ہند سے مروی ہے کہ آپ اکثر اوقات متفکر رہا کرتے تھے۔ زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا ایک ایک فقرہ اور لفظ صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتو پورا ہاتھ اٹھاتے تو ہتھیلی کا رخ بدل دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں، ہنستے بہت کم تھے مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی۔

جریر ابن عبداللہ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مجھے دیکھا ہو اور مسکرایا نہ ہو۔ عین الحیوٰۃ ملا مجلسی میں بھی ہند کی زبانی آپ کی طرز گفتگو میں وہی باتیں مرقوم ہیں جو اوپر سیرۃ النبیؐ کی عبارت سے لکھی گئیں۔ لیکن مفصلہ ذیل فقرات زاید ہیں۔ کبھی مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ دلجوئی اور تسکین دہی کے انداز میں تقریر فرماتے تھے پر معنی فقرات فرماتے تھے اور مختصر کلمات میں آپؐ کے بہت سے معانی ومطالب ہوتے تھے۔ آپ کا کلام وبیان حق وباطل میں فرق وتمیز بتلانے والا ہوتا تھا۔ آپ کا کلام زوایداور لغویات سے باکل پاک ومنزہ ہوتا تھا۔ اور خلاف مطلب کوئی بیان نہ ہوتا تھا۔

اسوہ حسنہ

حیات القلوب میں ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عصر میں تمام لوگوں سے زیادہ عقل وحکمت رکھنے والے مردانگی اور دانشمندی میں کامل، سب سے زیادہ حلیم اور عادل تھے سب سے زیادہ شجاع اور مہربان تھے بہت بڑے غیور تھے سوائے اپنی حلال ازواج مطہرات کے کسی اور عوت کے بدن سے آپ کی انگلی نہ لگی۔ سخی ترین مرد تھے کبھی آپؐ کے پاس درہم ودینا جمع نہیں ہوا۔ اور اگر خرچ کے بعد کچھ بچ جاتا تو پھر جب تک کہ وہ خرچ نہ ہو جاتا تھا آپؐ کو چین نہ آتا تھا۔ اقسام غلہ میں بھی سال بھر کے کھانے سے زیادہ ایک دانہ کی بھی فکر نہ کی جاتی تھی۔ اور آذوقہ سالانہ کے فراہم ہو جانے کے بعد جتنا بچ جاتا تھا وہ سب کا سب خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ خود محض سادہ اور معمولی کھانا کھاتے تھے مثل جو اور خرما وغیرہ کے آپؐ سے جو مانگا جاتا تھا وہ آپؐ عطا فرماتے تھے۔ اور اپنے آذوقہ میں سے عطا فرماتے تھے۔ ہمیشہ زمین پر بیٹھے تھے اور زمین ہی پر کھانا کھاتے تھے اور زمین ہی پر

سوتے تھے اور اپنے کپڑوں اور نعلین میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے اپنے گھر کے دروازے آپ کھولتے اور بند فرماتے تھے دنبیوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے تھے اونٹوں کے پاؤں اپنے ہاتھ سے باندھتے تھے اور جب گھر کی لونڈیاں چکی پیستے پیستے تھک جاتیں تھیں تو خود ان کی امداد فرماتے تھے۔ وضو کا پانی آپ لاتے تھے رات کو سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آرام فرماتے تھے اور مجلس میں تکیہ لگا کر کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ اپنے عیال کی خدمت بذات خاص آپؐ فرماتے تھے، کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے اور جو شخص عام اس سے کہ وہ غلام ہو یا آزاد آپ کی دعوت کرتا تھا۔ اور آپ کو ضیافت میں بلاتا تھا آپؐ اسے قبول فرمالیتے تھے اگر وہ دعوت وضیافت ایک پارچہ گوشت ہی کی کیوں نہ ہو۔ اور کسی کا بھیجا ہوا تحفہ اگر چہ وہ کتنا ہی قلیل ہو قبول فرمالیتے تھے، مگر صدقے کی کسی شے پر نظر نہیں اٹھاتے تھے آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بہت کم باتیں کرتے تھے اور محض دنیا کیلئے کسی پر عتاب نہیں فرماتے تھے خدا کے حکم کے مطابق جو غضب کے قابل ہوتا۔ اس پر البتہ عتاب فرماتے تھے بھوک کی شدت سے پیٹ پر پٹی باندھے رہتے تھے اور جو آپؐ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ آپ تناول فرمالیتے تھے اور کسی چیز کے کھانے سے انکار نہیں فرماتے تھے چادر یمنی پہنتے تھے اور بالوں کا جبہ بھی اور محض موٹے جھوتے روئی بُنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے اکثر طور پر آپ کا لباس سفید رنگ کا ہوتا تھا ہمیشہ سر مبارک پر عمامہ باندھے رہتے تھے اور جب آپ نیا کپڑا پہنتے تھے تو پرانا اکثر محتاج و مسکین کو دے دیا کرتے تھے نفیس کپڑے کا بھی ایک جوڑا رکھتے تھے اسے جمعہ کے روز پہنا کرتے تھے اور عبا اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ جہاں جاتے وہاں چارتہہ کر کے بچھا لیتے تھے چاندی کی ایک انگوٹھی سیدھے ہاتھ میں آخری انگلی میں پہنے رہتے تھے۔ خربوزہ شوق سے کھاتے تھے۔ بدبودار چیزوں سے ہمیشہ نفرت فرماتے تھے اور ہمیشہ وضو سے پہلے مسواک کرلیا کرتے تھے جو سواری دستیاب ہوجاتی تھی بلاتکلف اس پر سوار ہوجاتے تھے کبھی اپنے غلاموں میں سے کسی کو، خواہ کسی اور کو سواری کے پیچھے بٹھلالیا کرتے تھے اونٹ گھوڑے خچر اور گدھے پر بغیر زین و پالان کے بھی سوار ہوجایا کرتے تھے اور کبھی کبھی (ضرورت) پاپیادہ اور سر برہنہ بے ردا و عمامہ گھر سے باہر نکل کر بیرون مدینہ تک مشایعت اور عیادت مریضاں کی ضرورت سے تشریف لایا کرتے تھے فقیر و مساکین کے ساتھ بلاتکلف بیٹھ جاتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا بھی تناول فرمالیتے تھے اصحاب علم و عقل اور ارباب اخلاق و اشفاق سے محبت رکھتے تھے اور بزرگان قوم کی بڑی عزت فرماتے تھے اپنے اعزا اور اقارب پر ہمیشہ احسان فرماتے تھے اور کبھی ان کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور جو کوئی شخص عذر خواہ خدمت ہوتا تھا اس کے عذر کو قبول فرمالیتے تھے اکثر طور پر تبسم فرماتے تھے اور آواز سے بہت کم ہنستے تھے بلکہ ہنستے ہی نہ تھے لیکن موعظت امت اور نزول کتاب اللہ کے وقت چہرہ مبارک جلال قدرت سے پر ہوجاتا تھا اس وقت تبسم تک پاس نہ آتا تھا۔ غلاموں کے ساتھ آپؐ کسی امر میں زیادتی نہیں فرماتے تھے کبھی ان کو کلمات سخت و سُست نہیں کہتے تھے اور جب کوئی غلام کنیز یا آزاد شخص آپؐ کو اپنی مدد کیلئے بلاتا تھا تو آپ فوراً اس کے ہمراہ ہوجاتے تھے طبیعت میں درشتی ذرا بھی نہیں تھی یہاں تک کہ گفتگو میں بھی کبھی صدائے مبارک درشت و بلند نہیں ہوتی بُرے لوگوں کے ساتھ نیکی ضرور کی جاتی تھی۔ یہی ان کی جزا اور معاوضہ تھا جو کوئی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا آپؐ پہلے اس کو سلام کہتے اور آپؐ اس سے مصافحہ فرماتے اور جس مجلس

یا مجمع میں آپ بیٹھتے تھے یادخدا فرماتے تھے اکثر آپ روبقبلہ ہوکر بیٹھتے تھے جو آپؐ کے پاس آتا تھا آپؐ اس کی قدر فرماتے تھے اوراعزاز واکرم فرماتے تھے کبھی اپنی رداا س کے لئے فرش کر دیتے تھے کبھی اپنا تکیہ اس کے آگے بڑھا دیتے تھے حق بات کہنے میں آپؐ کو کسی وقت کسی کی خوشی یا کسی کے غم وغصہ کا ذرا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ککری جو یا خرمے کے ساتھ کھائی جاتی تھی کبھی نمک کے ساتھ تر میووں اور ثرید کو بھی بہت دوست پسند تھے۔ اکثر خوراک آپ کی خرما اور پانی یا خرما اور دودھ ہوتی تھی گوشت اور ثرید کو بھی بہت دوست رکھتے تھے خود شکار نہیں فرماتے تھے مگر شکار کا گوشت بہت پسند فرماتے تھے پنیر اور روغن بھی مرغوب خاطر تھا گوشت میں دست وشانہ کا گوشت شوربے میں کدو کا شوربا۔کھاتے تھے روٹی کے ساتھ کھانے والی چیزوں میں سرکہ اورسبزی میں کاسنی اور بادروج زیادہ پسند تھا۔(حیات القلوب مطبوعہ نول کشور۔12۔11)

صحیح بخاری میں آپ کے اسوہ حسنہ کی تفصیل ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ مطیع کو بشارت پہنچاتے ۔گنا ہگاروں کو(عذاب سے)ڈرتے بے خبروں کے پناہ، خداکے بندے رسولؐ جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے بزرگ آپؐ نہ درشت خو تھے اور نہ درشت گو،آپ کبھی چیخ کر نہیں بولتے تھے۔ بدی کا بدلہ ویسا ہی نہیں لیتے،معافی مانگنے والوں کو معاف فرمادیتے، گنا ہگاروں کو بخش دیتے،آپ کا فرض منصبی مذاہب کی کجی کو درست کردینا تھا۔ آپؐ کی تعلیم اندھوں کو آنکھ،بہرے کو کان دیتا تھا۔آپؐ غافل دلوں کے پردے اٹھادیتے تھے،آنحضرت ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ،جملہ اخلاق فاصلہ سے متصف،سکینہ ان کا لباس،نیکی ان کا شعار،تقویٰ ان کا ضمیر،حکمت ان کا کلام،عدل ان کی سیرت ہے ۔ان کی معرفت سراپا راستی،ان کی ملت اسلام اور ہدایت ان کی رہنمائے خلق ہے۔وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے۔گمناموں کو رفعت دینے والے،مجہولوں کو نامور کردینے والے،قلب کو کثرت اور تنگدستی کو غنی سے بدل دینے والے ہیں۔(بحوالہ رحمت العلمین)

امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں۔آنحضرت ﷺ مویشی کو چارہ خود دیتے تھے ،اونٹ کو آپ باندھتے تھے گھر میں جھاڑو آپ دے لیتے تھے،بکری دوہ لیتے تھے،خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے تھے،خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ بازار سے خود جا کر سودا لاتے ،ہرادنی اعلیٰ خرد و بزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے ، جو کوئی ساتھ ہولیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر چلا کرتے۔غلام وآقا حبشی وترکی میں ذرا بھی فرق نہ فرماتے۔رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لئے کہتا قبول فرمالیتے جو کچھ سامنے رکھ دیا جاتا اسے برغبت کھالیتے،رات کے کھانے میں صبح کیلئے اورصبح کے کھانے میں شام کیلئے اٹھا نہ رکھتے تھے۔نیک خوراک کریم الطبع اور کشادہ رو تھے،مگر بہت ہنستے نہ تھے،چہرہ متفکر رہتا تھا مگر ترش رونہ تھے،متواضع تھے،جس میں درشتی نہیں تھی، باہیبت تھے جس میں درشتی نہیں تھی،سخی تھے،مگر مسرف نہیں تھے ہر ایک پر رحم وشفقت فرمایا کرتے تھے،کسی سے کچھ طمع نہیں رکھتے تھے،سرمبارک کو ہمیشہ جھکائے رکھتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں اپنے کنبہ والوں اور خادموں پر زیادہ مہربان تھے انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خدمت کی

تھی اس عرصہ میں انہیں کبھی اُف تک نہ کہی۔ زبان مبارک پر کبھی کوئی فحش لفظ نہ آیا کسی پر لعنت نہیں کی، دوسروں کی آفزادہی اور اذیت رسانی پر برابر صبر فرمایا کرتے تھے، خلق خدا پر ہمیشہ رحم فرماتے، آپ کے دست و زبان مطہر سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا، کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی کی طرف نہایت توجہ فرماتے۔ ہر شخص کی قدر اور منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی سلطنت کی طرف ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔

شفائے قاضی عیاض میں ہے انصاف کے معاملہ میں قریب و بعید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برابر تھے، مساکین سے محبت فرماتے تھے۔ غربا میں رہ کر خوش ہوتے تھے کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہیں جانتے تھے اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے علیحدہ نہ ہوتے جب تک کہ وہی نہ چلا جائے، صحابہ سے کمال محبت فرمایا کرتے، زمین پر بیٹھ جاتے، اپنے جوتے میں آپ پیوند لگا لیتے، اپنے کپڑے میں پیوندسی لیتے، دشمن اور کافر سے کشادہ پیشانی سے ملا کرتے۔ (شفائے قاضی عیاض 1312 ملخص از کتاب رحمۃ العالمین)

لباس مبارک

لباس کی نسبت نہ کوئی التزام تھا اور نہ کوئی پوشش و آرائش جسمانی کا کوئی انتظام، لباس رسالت صرف تین پارچوں پر تمام تھا۔ چادر قمیص، تہمد۔ پاجامہ کبھی نہیں پہنا لیکن امام احمد بن حنبل اور امام سنن اربعہ لکھتے ہیں کہ منیٰ کے بازار میں آپ نے ایک پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن القویم نے اسی پر قیاس کیا ہے کہ جب خریدا ہوگا تو پہنا بھی ہوگا۔ موزوں کی عادت نہیں تھی مگر نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے وہ آپؐ نے پہنے تھے۔ عمامے کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا کبھی تحت الحنک کی طرح لپیٹ لیا جاتا تھا، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، عمامہ کے نیچے کی ٹوپی سر سے لپٹی ہوئی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی نہیں استعمال کی گئی، عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنا ضروری تھا، اس لئے کہ ارشاد ہوتا تھا کہ عمامہ کی نیچے کی ٹوپی مشرکین اور منافقین کا معیار امتیاز ہے، ہم میں اور مشرکین میں یہی فرق ہے کہ وہ ٹوپیوں پر عمامہ نہیں باندھتے ہیں اور ہم باندھتے ہیں۔ لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاریدار (مخطط) چادریں بہت پسند تھیں جن کو حیرہ کہتے ہیں۔ شامی عبا بھی استعمال کی گئی تھی مگر اس کی آستینیں اتنی تنگ کہ وضو کرتے وقت آخر اتارنا پڑتا۔ اسلئے مطبوع خاطر نہیں ہوئیں۔ پاجامہ کو پسند نہ فرماتے۔ یہی صورت ہوئی قیصر رومی نے تحفہ میں پاجامہ بھیجا پہن کر نماز پڑھی نشست و برخاست نماز میں تکلیف ہونے لگی اس لئے نماز پڑھ کر اتارا پھر نہ پہنا، شامی عبا کے علاوہ نوشیروانی عبا بھی پہنی گئی ہے جس کی جیب اور آستینیوں پر دیبا کی سنجاف لگی تھی اور جب انتقال کیا تو گھر میں سوائے ایک کمبل اور ایک گزی کی تہمد کے کچھ اور نہ تھا۔ (سیرۃ النبی جل3)

ریشمی لباس پہننے کی ممانعت

جامہ حریر پہننے کی سخت ممانعت فرماتے تھے۔ ارشاد ہوتا تھا کہ جامہ حریر نہ پہنو کہ اس کی وجہ سے جلد آتش جہنم میں جلایا جائے

گا پشمینہ کے موٹے جھوٹے کپڑوں کے پہننے کی تاکید فرمائی جاتی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ میں پانچ چیزیں مرتے دم تک نہ ترک کروں گا۔ اول زمین پر بیٹھ کر غلاموں کے ساتھ کھانا کھانا۔ دوسری قاطر پر بغیر جھول کے سوار ہونا۔ تیسرے بکری کو اپنے ہاتھ سے دوہنا۔ چوتھے بچوں کو سلام کرنا۔ پانچویں ان پاپشمینے کے کپڑے پہننا۔ ہاں پشمینہ کے کپڑے اظہار تمول اور تفاخر کے لحاظ سے پہننے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک گروہ ہوگا جو جاڑے گرمی میں پشمینہ کے کپڑے پہنا کرینگے۔ اور یہ گمان کرینگے کہ ان کپڑوں کے پہننے سے ہمیں اوروں پر فضیلت اور رتبہ حاصل ہے مگر اس گروہ پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرینگے۔

سفید رنگ کا لباس بہت مطبوع تھا۔ ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑے پہنا کرو کہ یہ رنگ سب سے عمدہ اور پاکیزہ ہے اور اپنے مردوں کو بھی اسی رنگ کا کفن دیا کرو۔ زیادہ نیچے کپڑے پہننا۔ آستینیں زیادہ لمبی رکھنا اور کپڑوں کو از روئے تکبر زمین پر گھسیٹے چلنا مکروہ و مذموم بتلایا گیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے کپڑے از روئے تکبر زمین پر گھسیٹتے چلتا ہے حق تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ مرد کا پاجامہ زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک ہونا چاہیئے۔ اس سے زیادہ آتش دوزخ ہے۔ (ترجمہ حلیۃ المتقین مطبوعہ دہلی ص 13)

مشروبات

آپ سرد سے شوق تھا۔ دودھ سے خاص رغبت تھی دودھ کبھی خالص اور کبھی پانی ملا کر نوش فرماتے تھے کشمش، کھجور اور انگور پانی میں بھگو دیا جاتا کچھ دیر کے بعد وہ باقی نوش فرماتے۔ گھر میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا یا کاسہ ٹوٹا ہوا اور تاروں سے بندھا ہوا۔

آداب طعام

دسترخوان پر جو کھانا آتا تھا اگر وہ پسند خاطر نہ ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالا جاتا اور بس اس کی کسی طرف کی برائی یا خرابی نہیں ظاہر کی جاتی تھی۔ جو سالن سامنے ہوتا تھا اس میں ہاتھ ڈالا جاتا تھا اور گرد کے برتنوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا جاتا تھا۔ اس طریق سے اوروں کو بھی منع کیا جاتا تھا کہ کبھی تکیہ مسند یا دیوار وغیر پر ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ اور اس طریق سے کھانا کو بالکل ناپسند فرماتے میز یا خوان پر رکھ کر کبھی آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی عجم اسی پر رکھ کر کھانا کھاتے تھے چونکہ فخر و امتیاز کی علامت تھی یعنی امرا و اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی اس لیے آپؐ نے اس پر کھانا کھانا پسند نہ فرمایا۔ (سیرۃ النبی جلد دوم)

خوش لباسی

گو تکلف اور خودنمائی سے طبع مبارک ہمیشہ نفور تھی لیکن کبھی کبھی خوشنما اور بیش بہا لباس بھی زیب تن فرما لیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ بھاری کپڑے بیش قیمت پوشاکیں۔ بڑے بڑے قیمتی خلعت دنیائے اسلام میں ہمارے بعد حرام نہ سمجھ لئے جائیں حُروریہ کے خوارج نے حضرت عبداللہ بن عباس کے بیش قیمتی لباس پر اعتراض کیا جب عبداللہ ابن عباسؓ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف سے سفیر ہوکر خوارج کے پاس گئے تو عبداللہ بولے تم میری خوش پوشاکی پر معترض نہ ہو میں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑے پہنے دیکھا ہے۔

مرغوب رنگ

سرخ رنگ کسی وقت مطبوع خاطر نہ ہوا سوائے سرخ رنگ کے اور سب رنگ مرغوب خاطر تھے صرف لڑکوں کو زرد رنگ کے کپڑے پہنانے کی ممانعت کی جاتی تھی سبز رنگ سے خاص شوق تھا اس لئے کہ خاندان ہاشم کا یہ خاص رنگ ہے سیاہ رنگ کے لباس بھی ہمیشہ مستعمل ہوتے تھے عمامہ کبھی سبز ہوتا تھا کبھی سیاہ سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا ارشادہ ہوتا تھا کہ یہ رنگ تمام رنگوں سے بہتر ہے۔

نامرغوب رنگ

سوائے سرخ رنگ کے اور سب رنگ مرغوب خاطر تھے سرخ رنگ کبھی مطبوع خاطر نہ ہوا اور اس رنگ کو کبھی نہ خود استعمال کیا اور نہ ازواج مطہرات میں کسی کو سرخ رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے۔ ایک بار عبداللہ بن عمر سرخ لباس میں حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھ کر کہا یہ کیا پہن کر آئے ہو عبداللہ ابن عمر نے آپ کی ناراضی کے زیر اثر ہوکر کپڑے اتار کر گھر میں آکر آگ میں جلا دیئے۔ دوسرے کپڑے پہن کر خدمت رسالت میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ وہ سرخ جوڑا کیا ہوا عرض کیا میں نے جلا دیا، ارشاد فرمایا یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہتر تھا کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔ عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے۔ جس کو مغرۃ کہتے ہیں اہل عرب اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔ غالباً ہندوستان کے گیروکی جیسی ہوگی۔ یہ رنگ بھی نامرغوب خاطر تھا۔ ایک بار حضرت زینبؓ اس سے کپڑا رنگ رہی تھیں۔ آنحضرت صلعم گھر میں تشریف لائے آپؐ اس رنگ کے کپڑے رنگتے دیکھ کر الٹے پاؤں واپس گئے حضرت زینبؓ مزاجدان تھیں اس عتابانہ واپسی کے باعث کو سمجھ گئیں فوراً کپڑے دھوڈالے۔ جب آپ دوبارہ تشریف لائے اور گھر میں دیکھ لیا کہ اس رنگ کی اب کوئی چیز نہیں ہے آپ گھر میں تشریف لائے۔

ایک دن ایک صاحب سرخ لباس میں سلام کیلئے حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک مرتبہ دوران سفر میں صحابہ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ چادریں ڈال دیں آپ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم سب پر چھا جائے صحابہ بہت تیزی سے دوڑے اور لٹکی ہوئی چادریں جلدی سے اتار کر پھینک دیں۔ (سیرۃ النبی جلد دوم)

خوشبو سے خاص شوق

اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں میں تین چیزیں پسند آئیں ۔ایک دودھ، دوسرا شہداا ور خوشبو، خوشبو کا تحفہ کبھی واپس نہ دیا جاتا تھا۔ آپؐ ہمیشہ لباس میں خوشبو لگایا کرتے تھے اس لئے جس گلی کوچہ میں نکل جاتے تھے تمام معطر ہوجاتا تھا۔عرب میں اس وقت ایک قسم کا عطر ہوتا تھا جس کو سکہ کہتے ہیں آپؐ ہمیشہ اسی کا استعمال فرماتے تھے۔ملا مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا ﷺ کا یہ دستور تھا کہ اگر جمعہ کے دن آنحضرت صلعم کے توشہ خانہ میں خوشبو نہ ہوتی تھی تو امہات مومنین میں سے کسی کا رومال منگوالیتے تھے جس میں خوشبو لگی ہوتی تھی اس کو تر کر کے روئے اقدس پر مل لیتے تھے۔

ایک دن عثمان ابن مظعوم نے حاضر ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ میں خوشبو اور بعض اور لذت کی چیزوں کو ترک کر دوں ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خوشبو نہ ترک کرنا کیونکہ فرشتے مومن کی خوشبو سونگھتے ہیں اور جمعہ کے دن تو کسی طرح بھی ترک نہ ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ خوشبو میں جو رقم صرف ہو وہ اسراف میں داخل نہیں ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا روپیہ کھانے سے زیادہ خوشبو میں اٹھتا تھا آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے لگانے کی خوشبو ایسی ہو جس کی بو ظاہر اور رنگت مخفی ہو۔(ترجمہ حلیہ المتقین ص 165)

نفافت پسندی

مزاج میں بڑی نظافت اور صفائی تھی ۔ ذرا سی کدورت دیکھنی بھی طبع مبارک پر ناگوار تھی ایک صاحب زیارت کیلئے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے ان کے کپڑے میلے تھے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فوراًان سے پوچھا کہ تم کچھ مالی حیثیت رکھتے ہو انہوں نے عرض کی کہ ہاں کچھ صاحب مقدر ہو گیا ہوں ۔فرمایا جب منعم حقیقی نے تمہیں نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کو شکل وصورت سے بھی ظاہر کرو۔

اہل عرب کی طبیعت صفائی پسند نہیں تھی ۔ بادیہ وصحرا کے رہنے والے مکان کی صفائی کیا جانیں مسجد میں نماز یا خدمت رسولؐ میں اظہار نیاز کی غرض سے آتے تو عین حالت عباد یا مابین مکالمت مسجد کی دیواروں اور مسجد کے زمین پر بلا تکلف تھوک دیتے۔ آنحضرت صلعم ان کے اس غیر مہذبانہ طریقہ کو ازحد ناپسند فرماتے تھے اور خود چھڑی کی نوک سے زمین ودیوار کے دھبے چھڑاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہی دھبہ دیوار پر نظر آیا تو آپؐ کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک زن انصاریہ حاضر تھی ۔ وہ رسالت کی جلالت خاص کا عالم دیکھ کر فوراً آگے بڑھی پہلے اس دھبہ کو مٹایا پھر تھوڑی خوشبو پانی میں گھول کر اس مقام پر مل دی اس عورت کا یہ حسن سلیقہ دیکھ کر آپؐ نے بڑی تعریف فرمائی ۔موسم سرما میں انگیٹھیاں جلائی جاتی تھیں انہیں کبھی ''اگرکی'' خوشبو جلائی جاتی تھی مشک وعنبر کا بھی استعمال فرمایا جاتا تھا۔ ایک بار ایک صاحب زیارت کیلئے تشریف لائے اس کے بال پریشان تھے جناب رسالت مآب ﷺ کی نظران

پر جا پڑی ان سے ارشاد ہوا تم سے اتنا نہیں بن پڑتا کہ بالوں میں کنگھی کر لو۔ جمعہ کا غسل نظافت کی تعلیم دی۔ ایک بار مسجد میں لوگ کثرت سے آ گئے مسجد میں جگہ تنگ تھی۔ چاروں طرف آدمی بھر گئے چونکہ ان میں زیادہ تر دوکاندار اور پیشہ ور لوگ تھے وہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان لوگوں کی کثرت جمعیت کی وجہ سے جو پسینہ نکلا۔ تو چاروں طرف بو پھیل گئی آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر یہاں آئے ہوتے تو بہتر تھا۔ غسل جمعہ کا یہ واقعہ اصل مبتدا ہے اور اس کی اصلیت وحقیقت کا فلسفہ۔

ام محجن نامی ایک انصاریہ خاتون تھیں جو مسجد میں دونوں وقت جھاڑو دیا کرتی تھی گویا انہوں نے مسجد کو پاک وصاف رکھنے کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ اور آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلاتی تھیں۔ جنگل کے رہنے والے بدوی عرب مکان کی صفائی کیا جانیں ان کے آگے کپڑوں کی صفائی یا جسم کی طہارت کوئی شے نہیں تھی وہ گلی کوچے میں راہ میں منزل میں جہاں چاہتے تھے پاخانہ کر دیتے تھے پیشاب کر دیا کرتے تھے آپؐ انہیں ان حرکتوں سے سخت منع کرتے تھے حدیثوں میں وارد ہے کہ آپؐ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستہ میں یا سایہ دار درختوں کے نیچے پیشاب کر دیتے ہیں مخصوص برتن میں رئیسانہ طریقہ سے پیشاب کرنے کو منع فرماتے تھے۔

جاہل عرب نہ استنجا کرنا جانتے تھے اور نہ پیشاب کی نجاست سے واقف تھے ایک بار سفر میں ایک مقام پر دو قبریں نظر آئیں !ارشاد ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب قبر پر پیشاب میں کپڑے بھرے رہنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مسجد کی دیواروں پر ناسلیقہ شعار نماز گذار ادھر ادھر تھوک دیتے تھے آنحضرت صلعم کو ان کا یہ میلا پن بہت برا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار ان کی یہی حالت ملاحظہ فرمائی گئی تو حاضرین سے عتابانہ لہجہ میں جو خطاب کیا گیا اس کے الفاظ شبلی صاحب کی عبارت میں یہ ہیں۔ کیا تم لوگ پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے۔ جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنے جانب ہوتے ہیں اس لئے انسان کو سامنے یا داہنے جانب تھوکنا نہیں چاہیے بودار چیزیں مثل پیاز، لہسن اور مولی بھی پسند خاطر نہیں تھی۔

سواری

یوں تو تمام سواریوں کی مشق وعادت تھی مگر گھوڑے کی سواری خاص طور پر پسند خاطر تھی فرماتے تھے **الخیل معقود فی نواصیھا الخیر** نیکیاں گھوڑوں کی پیشانیوں سے گندھی ہیں۔

گھوڑے کے علاوہ گدھے خچر اور اونٹ پر بھی آپؐ سوار ہوتے تھے خاصہ کے گھوڑے کا نام لحیف تھا (جس کو ذوالجناح بروایت عام) اور مرتجز (بروایت صاحب ناسخ التواریخ بھی کہتے تھے) گدھے کا نام عفیر تھا خچر کا نام دلدل اور تہیہ اونٹوں کا نام قصوا اور غضبا تھا۔

اسپ دوانی

اسپ دوانی اور شہسواری کا بہت شوق تھا۔ مدینہ سے باہر ثنیۃ الوداع تک تقریباً چھ میل کا میدان اسی کیلئے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

شبلی صاحب نے تو امام دارقطنی کے اسناد سے اس کے بڑے بڑے اہتمام بتلائے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کو اس کا مہتمم خاص بھی بتلایا ہے مگر پھر حاشیہ میں اس کو ضعیف بھی بتلایا ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد دوم)

اس میں کوئی کلام نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے کی سواری کے بڑے مشتاق تھے اور آپؐ کو گھوڑے کی سواری کا شوق بھی بہت تھا۔ اور اکثر اس کی مشق و ریاضت بھی کی جاتی تھی اور باہمی مقابلہ کی شرطیں بھی باندھی جاتی تھیں۔

ترجمہ حلیۃ المتقین میں زمانہ رسالت کے گھوڑے دوڑانے کی مشق و ریاضت کے اصول و آئین نہایت شرح و بسط سے مرقوم ہیں جن کی تفصیل تو موجب تطویل ہے مگر بالاختصار حقیقت امر یہ ہے کہ امتحان و مقابلہ کے موقعوں پر دو گھوڑوں سے لیکر دس گھوڑوں تک ایک بار مقابلہ میں چھوڑے جاتے تھے سب سے آگے نکل جانے والے گھوڑے کو مُجلّی کہتے تھے اس سے پیچھے رہنے والے کو مصلی، تیسرے کو تالی چوتھے کو تارع پانچویں کو مرتاح، چھٹے کو خطی ساتویں کو عاطف آٹھویں کو مومل نویں کو لطیم اور دسویں کو جو سب سے پیچھے رہ جائے فکل کہتے ہیں۔ ہر ایک کیلئے کوئی رقم بطور شرط کے لگانا جائز ہے اور اگر دسوں گھوڑے ایک ساتھ منتہائے مسافت پر پہنچیں تو پھر کسی کو کچھ بھی نہ ملے گا۔

تیراندازی

اسی طرح تیراندازی کے اصول و آئین بھی اور اس کی مشق و ریاضت کے احکام بھی حلیۃ المتقین میں تفصیل سے مرقوم ہیں مختصراً یہ ہیں۔

اول، حاتی جو تیر پہلے زمین پر لگے اور پھر اچٹ کر نشانہ پر جا بیٹھے۔

دوسرے حاصر جو نشانہ کے پہلو میں سے کسی ایک کے قریب پڑے۔

تیسرے خارق جو نشانہ کو زخمی کر دے مگر اس کے اندر نہ بیٹھے۔

چوتھے خاسق جو نشانہ کو توڑ کر رک جائے۔

پانچویں مارق جو نشانہ کے پہلو کو توڑ کر باہر نکل جائے۔

چھٹے خارم جو نشانے کے پہلو کو توڑے مگر نشانہ کے اندر نہ بیٹھے۔

لازم ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں بھی جونسی صورت جیتنے کیلئے مشروط کریں وہ پہلے متعین کر لیں جو صورت بازی کی جیتنے کیلئے متعین ہوا گر کسی کا تیر اس سے اصلی صورت حاصل کرے تو وہ جیتے گا۔ مثلاً یہ شرط ہو کہ نشانہ کے پہلو پر تیر لگانے والا جیتے گا اور کوئی شخص نشانہ کے درمیان تیر پہنچائے تب بھی وہ جیتا۔ اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ تیر نشانہ کے اندر بیٹھ جائے اور کوئی ایسا تیر لگائے کہ وہ نشانہ کو توڑ کر نکل جائے تو وہ بھی جیت جائیگا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ تیراندازی اور اسپ دوانی کی شرطوں میں محلل بھی داخل ہے یعنی ایسے شخص کی شرکت جو اس شرط پر شریک ہو کہ جیتوں گا تو حصہ لے لوں گا اور ہاروں گا تو کچھ نہ دوں گا۔ ان کی احتیاط کے یہ حکم ہیں کہ جس قسم کی شرط

بدی ہو۔اس میں شرط بدلنے والے آپس میں صیغہ جاری کریں یعنی ہر ایک آپس کے عہد و پیمان لفظوں میں بیان کرے اور دوسرا اسے قبول کر لے۔

سنت ہے کہ تیز اندازی اور اسپ دوانی سے غرض محض لہولعب نہ ہو بلکہ خاص ورزش اور ریاضت مراد ہو کہ خدا کی راہ میں دین وایمان کو قوت دینے کیلئے اور مومنین و مسلمین کو شر و فساد سے محفوظ رکھنے کیلئے جہاد کریں۔کہ جس سے بڑا ثواب ہے۔معتبر حدیثوں میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں ضرورتوں کی بنا پر اپنے اصحاب کو اسپ دوانی کا حکم دیا۔اور جو رقم اس شرط میں لگائی گئی وہ اپنے پاس سے ادا کردی۔دوسری روایت میں منقول ہے کہ وہ رقم ایک سو چون (154) مثقال (57 تولہ 9 ماشہ) چاندی تھی۔تبوک سے واپسی کے وقت جناب مقدس نبوت سلام اللہ علیہ وآلہ نے اسامہ بن زید کے ساتھ شرط کے بغیر خود اونٹ دوڑایا۔واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ لہولعب سے بالکل منزہ تھے۔یہ جو کچھ بھی تھا دین اسلام کو قوت دینے کیلئے اور لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی رغبت دلانے کیلئے تاکہ کفار مسلمانوں پر اور منافقین پر غلبہ نہ پاسکیں۔اور لوگوں کی جان وآبرو و مال بداندشیوں کے شر سے محفوظ رہے۔ترجمہ حلیۃ المتقین ص537

شبلی صاحب ان امور کو جتنی اہمیت دیں انہیں اختیار ہے ورنہ حقیقت اور ضرورت ان امور کی وہی ہے جو حلیۃ المتقین کی عبارت سے لکھ کر اوپر بتلائی گئی۔اسپ دوانی اور تیراندازی وغیرہ کی مشق ریاضت انہیں ضرورتوں تک محدود تھیں نہ کہ موجودہ زمانہ کے ریس (Race) اور ٹورنامنٹ (Tournanant) وغیرہ کے مہملات کی طرح تضیع اوقات اور نقصان جان و مال کیا جاتا تھا۔

اونٹوں کی ڈوریں

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔آنحضرت ﷺ کی سواری کے ناقہ کا نام عضبا تھا وہ ہمیشہ بازی لے جاتا تھا۔ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر آیا اور مسابقت میں عضبا سے آگے نکل گیا۔تمام مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے اس کو نیچا دکھائے۔(جلد دو سیرۃ النبی)

صندلی مشکی اور کمیت رنگ کے گھوڑے بہت پسند تھے گھوڑے کی دم کاٹنے کو بہت منع فرماتے تھے اس لئے کہ دم اس کی مورچھل ہے۔سواری پر موقوف نہیں ہے تیرافگنی ،شہسواری ،نیزہ بازی اور قدراندازی کے فنون میں بھی جناب رسالتمآب ﷺ کو مہارت کامل حاصل تھی۔حالانکہ آپؐ نے ان فنون میں سے کسی کو بھی اکتساباً حاصل نہیں کیا تھا۔صاحب رحمۃ العالمین فرنچ پروفیسر سید یو کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ خندہ رو،ملنسار،اکثر خاموش رہنے والے بکثرت ذکر خدا کرنے والے لغویات سے دور بیہودہ پن سے نفرت کرنے والے بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔(رحمۃ ص273)

رحمت اللعالمین میں شفائے قاضی عیاض سے منقول ہے کہ انصاف کے معاملے میں قریب وبعید۔آنحضرت کے نزدیک

برابر ہوتا تھا، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے تھے اور دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی سے ملا کرتے تھے

روزانہ معمولات

فریقین نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوقات مشاغل کی تفصیل کو جناب امیر علیہ السلام کی روایت سے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا ایک حصہ مخصوص ذکر و عبادت کیلئے دوسرا افادہ خلق اور تعلیم امت کیلئے اور تیسرا اپنی خاص ذاتی ضرورت کیلئے (حیاب القلوب و شمائل ترمذی)

صبح سے شام تک کے معمولات

روزانہ معمولات آپؐ کے یہ تھے نماز فجر کے بعد مصلے سے آپ علیحدہ نہیں ہوتے تھے بلکہ سجادے پر دوزانو بیٹھ جاتے تھے آفتاب طلوع ہوجاتا تھا اور لوگ شرفیاب خدمت ہونے لگتے تھے یہاں تک کہ مخلصین و معتقدین سے مجلس رسالت پر ہوجاتی تھی یہی دربار نبوت تھا اور یہ وقت دربار۔ وہی سجادہ جس پر نماز پڑھی گئی ہے اور جس پر اب تک جلوس فرما ہیں وہی مسند رسول اللہؐ ہے اور وہی فرش بارگاہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے تمام اہل اسلام اور خاص و عام کو موعظت فرمائی جاتی تھی۔ معرفت و حقیقت کا دربار ابل رہا ہے۔ ارشاد و ہدایت کا سحاب رحمت برس رہا ہے۔ وعظ و پند کے بعد پھر اور معمولی ذکر بھی شروع ہوجاتے اور روزمرہ کی باتیں بھی ہونے لگتیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ سب لوگ علی التسلسل صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کریں یا آنحضرت صلعم صرف ایک آدمی یا چند آدمیوں سے باتیں کریں نہیں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ لوگ آنحضرت صلعم سے بھی جو باتیں کرتے ہوتے تھے باتیں کرتے اور پھر آپس میں بھی ہر قسم کے ذکرو اذکار کرتے رہتے تھے آنحضرت صلعم بھی ان کی باتوں کی طرف اکثر ملتفت ہوجاتے اور ان کے ذکر کو توجہ سے سنتے اگر صحبت میں ذکر نہ ہوتا تو لوگ اشعار پڑھنے لگتے تھے یا جاہلیت کے پشتینی کارنامے بیان کرنے لگتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بھی سنتے اور کبھی کبھی سن کر تبسم فرما دیتے۔

تقسیم غنائم

تقسیم غنائم و وظائف کا بھی اکثر یہی وقت ہوا کرتا تھا جب خوب دن چڑھ جاتا۔ تو بیت الشرف میں تشریف لے جاتے اور وہاں گھر کے کام میں مصرف ہوجاتے کبھی لباس مبارک میں پیوند لگا یا جاتا کبھی پھٹی عبا کی مرمت فرمائی جاتی۔ کبھی گھر کی دنبیاں دست مبارک سے دوہ لے جاتے۔ ان مشاغل میں ظہر کا وقت آجاتا۔ اور آپ گھر سے مسجد میں چلے جاتے اور پھر ظہر و عصر کی نماز اور پند و وعظ فرما کر دولت سراء میں تشریف لے جاتے۔ تمام ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے یہاں تک کہ مغرب کا وقت آجاتا اور آپؐ پھر مسجد میں چلے جاتے تھے۔ مغرب سے لے کر عشا تک پھر ویسی ہی صحبت برپا ہوجاتی تھی۔ عشاء کے بعد جس معظمہ کی باری کا دن ہوتا ان کے ہاں جاتے اکثر اور ازواج بھی وہیں آجاتیں اور کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہتیں۔ اس کے بعد وہ محترمات واپس

جاتیں تو آپؐ استراحت فرماتے۔

معمول خواب

جاگنے کا تو یہ معمول تھا جو معلوم ہو چکا۔ اب سونے اور آرام کرنے کا یہ معمول تھا کہ عشاء کے بعد آپؐ فرش راحت پر جاتے ،سونے لگتے تو قرآن مجید کا کوئی سورہ ضرور پڑھ لیتے بنی اسرائیل ،زمر،حدید،حشر،صف،تغابن،جمعہ،انہیں سوروں میں سے کوئی سورہ سوتے وقت ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ سوتے وقت یہ الفاظ دعائیہ فرماتے:

اَللّٰھُمَّ بِاِسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی خدایا تیرا ہی نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

جب جاگتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَا مَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد پھر زندہ کیا اور اس کی طرف حشر ہو گا۔

جب آدھی رات ہو جاتی یا کچھ رات رہ جاتی تو آپؐ فوراً بیدار ہو جاتے ،مسواک ہمیشہ سرہانے تکیہ کے قریب رکھی ہوتی۔ بستر سے اٹھتے ہی مسواک کرنے لگتے تھے مسواک کے بعد وضو فرماتے اور وضو کے بعد فوراً مصلے پر نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی۔

سونے اور آرام کرنے کا معمول

سونے اور آرام کرنے کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ داہنی کروٹ دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ کو اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے۔ فرش خواب کا یہ کوئی خاص التزم تھا اور نہ بستر اسراحت کا کوئی انتظام، معمولی سے معمولی بستر پر آرام کر لیا جاتا تھا۔ کبھی شتر و گوسفند کی کھال پر اور کبھی ننگی زمین ہی پر لیٹے رہتے تھے۔ صلوا علیہ وآلہ

عبادتِ شب

تفویض رسالت کے وقت سے لے کر ایک معتدبہ زمانہ تک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادتِ الٰہی میں اتنی محنت شاقہ اٹھائی دن رات کھڑے کھڑے آپؐ کے پیروں پر ورم آ گیا۔ روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ آغاز سورہ مزمل کی آیتوں کے وقت سے آپ نے یہ ریاضیت شروع فرمائی اور بارہ مہینوں تک رات رات بھر خدا کی عبادت اور اس کے ذکر و ریاضیت میں بسر کردی ۔گویا گھر اور گھر کے لوگوں سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھا۔ بارہ مہینوں کے بعد سورہ مزمل کی بقیہ آیتیں اوراتریں تو قیام شب جو آپؐ کیلئے فرض تھا۔ نوافل کے حکم میں آ گیا۔

معمولاً شب کو آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے ایک سلام کے ساتھ پھر دو رکعتیں علیحدہ پڑھتے تھے اور ایک رکعت علیحدہ اس حساب سے مجموعاً گیارہ رکعتیں ادا فرمائی جاتی تھیں آخر ایام میں جب جوانی ختم ہوگئی اور پیری شروع ہوگئی تو گیارہ کی سات رکعتیں فرمادیں تھیں اگر اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوگیا تو پھر سات رکعتوں کی جگہ بارہ رکعتیں دن کو پڑھی جاتیں تھی۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے اس کی تفصیل یوں مرقوم ہے۔

عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر آپ گھر میں چلے آتے تھے۔ اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی سو کر اُٹھتے تو پہلے مسواک فرماتے پھر وضو فرماتے اور جانماز پر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے آنحضرت ﷺ کے معمولات کی یہ تفصیل فرمائی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مخصوص ایک دن اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں رات کو اس غرض خاص سے رہا کہ آنحضرت صلعم کی راتوں کی نماز کے حالات مشاہدہ کروں۔ ازواج مطہرات میں وہ رات میمونہ کی تھی اس شب کو آپ انہیں کے ہاں قیام فرماتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ زمین پر فرش بچھا ہوا تھا اس پر جناب رسالت مآب ﷺ آرام فرماتے۔ میں آپ کے مقابل اڑا ہو کر سو یا۔ رات گئے آپؐ آنکھیں ملتے ہوئے بستر خواب سے اٹھے سورہ آل عمران کی آخری دس آتیں تلاوت فرمائیں ۔ پاس ہی مشکیزہ لٹکا ہوا تھا اتارا اور وضو فرمایا پھر نماز شروع کی۔ میں بھی وضو کر کے آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر داہنے جانب کر لیا آپ نے اس وقت 13 رکعتیں پڑیں اس کے بعد پھر فرش استراحت پر لیٹ گئے تا اینکہ سونے کی آواز آنے لگی۔ اتنے میں صبح ہوئی بلال کی اذان سن کر بیدار ہوئے فوراً فجر کی سنتیں ادا کیں اور مسجد میں تشریف لے گئے سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے تھے صبح کی اذان سنتے ہی بستر راحت سے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور فوراً وضو کر کے فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا فرماتے تھے حضرت عائشہؓ کو تو اکثر یہ گمان ہوا کرتا تھا کہ آپؐ نے سورہ فاتحہ پڑھا ہی نہیں لیکن بخلاف ان کے فرض کی دو رکعتوں میں طویل صوروں کی تلاوت فرماتے یہاں تک کہ آپ نے ایک بار مکہ میں سورہ مومنون پڑھا اسی طرح کبھی والیل اذا عسعس اور کبھی سورہ قاف پڑھا گیا تو لوگوں نے انداز کیا ہے کہ آپؐ نے صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آتیوں تک پڑھیں ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آتیوں کے برابر اور دوسری رکعتوں میں پندرہ آتیوں یا اس سے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آتیوں کے برابر پڑھا کرتے تھے

جابر بن سمیرہ کہتے ہیں کہ ظہر میں سبح اسم ربك الاعلی، سورہ الاعلیٰ پڑھتے تھے مغرب کی نماز میں والمرسلات بھی پڑھتے تھے۔ اور والطور بھی عشاء کی نماز میں وتین والزتیوں اور اس کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے مثلاً سورہ بقرہ سورہ آل عمران سورہ نساء، جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ یسبح اللہ مافی السموات اور دوسری رکعت میں سورہ المنافقون اذجاءك المنافقون اور کبھی سبح اسم ربك الاعلیٰ اور ھل اتك حدیث الغاشیہ عیدی میں دو پچھلی

سورتیں یعنی سبح اسم ربك الاعلی اور هل انتك حدیث الغاشیه پڑھتے تھے۔ اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑھا جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے۔ جمعہ کے دن نماز صبح میں آلم سجدہ اور هل اتی علی الانسا حین من الدهر پڑھنے کا معمول تھا۔ (سیرۃ النبی جلد دوم)

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچادی کہ معاذ ابن جبل اپنی قوم کی امامت خود کرتے ہیں تو عشاء کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھتے ہیں یہ سن کر آپؐ کو سخت غصہ آیا ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگوں میں تغیر پیدا کرنے والے ہیں۔ جو شخص کہ لوگوں کی امامت کرے اس کو لازم ہے کہ وہ ہلکی اور سہل نماز پڑھایا کرے کیونکہ آدمیوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ضعیف بھی بیمار اور حاجت مند بھی جب معاذ سامنے آئے تو پوچھا اے معاذ تم کو کس نے اس کا فتویٰ دیا تھا۔ تین مرتبہ اس سوال کو پوچھا، ان کی بہت زجر و توبیخ کی اور سورہائے ولشمس وسبح اسم ربك الاعلیٰ اور واللیل کے پڑھنے کا حکم دیا۔ نماز وتر تین رکعت پڑھی جاتی تھی رکعت اول میں سبح اسم رب پڑھتے دوسری میں قل ایایها الکافرون اور تیسری رکعت میں سورہ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرماتے تھے عام طور پر نماز میں پورے سورے کی تلاوت فرماتے تھے اور کبھی اوائل سورہ پر اکتفا فرماتے رکعت اول کی رکعت ثانیہ پر طویل کا ہمیشہ خیال رکھا کرتے تھے اور تلاوت ہمیشہ قرأت کے ساتھ فرماتے تھے اور تمام مخارج الفاظ اصول ترتیل و تجوید سے ادا فرماتے تھے ہر آیت پر وقف فرماتے، ٹھہر جاتے اور آواز کو کھینچ لیتے، جب سوروں کی قرات سے فراغت کرتے تو تکبیر کہتے پھر رکوع میں جاتے دونوں ہتھیلیوں کو زانوں پر ٹیک لیتے نہ گھٹنوں سے اوپر ہاتھ رکھتے تھے اور نہ نیچے اور رکوع میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ فرماتے اور کبھی کبھی اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ملا دیتے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اے میرے پروردگار ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔

حیات القلوب مین ابوسعید خدری کی زبانی آپؐ کی نماز کی یہ تفصیل مرقوم ہے۔

آپؐ کے وضو کا پانی آپ کے سرہانے رکھا رہتا تھا۔ اور پانی کے ظرف کو کپڑے سے ڈھانک دیا جاتا تھا اور مسواک بچھونے کے نیچے رکھ لی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے، اٹھتے تھے تو آسمان کی طرف دیکھتے اور سورہ آل عمران کی آخر آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر مسواک کرتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور رکوع و سجود میں قرأت کے انداز سے طول فرماتے تھے۔ رکوع میں اس قدر طول دیتے تھے کہ لوگ کہنے لگتے تھے کہ اب رات بھر سر رکوع سے نہ اٹھائینگے اور سجود کی طوالیت کی بھی یہی حالت ہوتی تھی نماز پڑھ کر پھر فرش خواب پر استراحت فرماتے تھے اور تھوڑی دیر سورہتے تھے پھر اٹھتے تھے اور آسمان کی طرف نگاہ فرماتے تھے۔ اور پھر انہیں آیتوں کو پڑھتے تھے پھر مسواک کرکے وضو فرماتے تھے اور اسی طرح چار رکعت نماز پڑھتے تھے پھر سورہتے تھے اور پھر بیدار ہو کر اسی طرح اعمال بجالاتے تھے پھر نماز وتر اور نافلہ صبح ادا فرماتے تھے اور مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات کو میں نے آنحضرت صلعم کو فرش خواب پر نہ پایا میں اٹھی اور آپ

کو گھر میں ڈھونڈھنے لگی میں نے دیکھا کہ آپؐ گھر کے آخری حصہ میں کھڑے ہیں اور دست دعا بلند فرما کر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ان شائستہ چیزوں کو مجھ سے سلب نہ فرمالے جو تو نے مجھے دی ہیں اور دشمنی اور حسد کرنے والوں کو مجھ پر شادنہ ہونے دے۔خداوندا مجھ کو ہر گز بدی کی طرف نہ لوٹانا۔ ہر چند کہ تو مجھ کو ان سے نجات دے چکا ہے۔اور ایک چشم زدن کیلئے بھی تو مجھے نہ چھوڑ۔ یہ سن کر جناب ام سلمہؓ رونے لگیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو پوچھا ام سلمہ تو کیوں روتی ہو حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ باوجود اس کے کہ اتنے بڑے مرتبہ جلیل پر خدا کی طرف سے فائز ہیں اور آپؐ کے گناہ گذشتہ وآئندہ بخشے جاچکے ہیں پھر آپ یہ کہتے ہیں اور روتے ہیں ارشاد فرمایا اے ام سلمہؓ مجھ کو کیسے اطمینان ہو کہ خدائے تعالیٰ نے صرف ایک چشم زدن کیلئے حضرت یونسؑ کو چھوڑ دیا تھا اُن سے جو کچھ صادر ہونے والا تھا وہ صادر ہوا۔(ص 111 لکھنو)

خطبات آنحضرت صلعم

نماز کے بعد خطبات کا ذکر ضروری ہے اس لئے کہ خطبہ بھی اسلام کے شعار ہدایت وتعلیم میں داخل ہے ہدایت وموعظت عام رسالت کا خاص کام تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرض منصبی میں داخل ہے۔یوں تو آپؐ ہمیشہ خطبہ دیا کرتے تھے لیکن جمعہ کے دن کا خطبہ خاص طور پر ضروری تھا۔اس لئے فقہا کے نزدیک جمعہ کا خطبہ داخل نماز ہے۔

جمعہ کے خطبہ کیلئے آنحضرت صلعم کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ جمعہ کے روز نماز کی غرض سے جمع ہو جاتے تھے تو آپؐ بیت الشرف سے بلا کسی ظاہری تزک واحتشام کے باہر نکلتے اور مسجد میں تشریف لاتے پہلے خود تمام مجمع کو سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔اذان تمام ہوتے ہی منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ شروع فرمادیتے آغاز خطبہ سے پہلے پھر تمام مجمع کو سلام کرتے جب تک منبر نہیں بنا تھا ہاتھ میں عصاء لیا جاتا تھا۔ جب منبر بن گیا تو عصا لینا گویا ترک ہو گیا۔کبھی لیا جاتا تھا اور کبھی نہیں،خطبہ ہمیشہ مختصر ہوتا تھا مگر معنی خیز ارشاد فرماتے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کی ذہنیت کی علامت ہے۔ جمعہ کے خطبہ میں اکثر سورہ ق کی تلاوت فرماتے تھے اس لئے کہ اس سورہ میں مفصل طور پر حشر نشر دونوں کا بیان یکجا ہے اور کبھی سورہ والعصر پر اکتفا فرمائی جاتی تھی خطبہ کی ابتداء ہمیشہ خدا کی حمد وثنا سے ہوتی تھی اور ارشاد وہدایت کی عام تعلیم واحکام پر تمام فرمایا جاتا تھا۔دوران خطابت میں اگر کوئی ضروری کام پیش آجاتا تو خطبہ کو موقف کر کے پہلے وہ کام کر لیا جاتا تھا پھر خطبہ شروع کر دیا جاتا تھا۔

ایک بار باہر سے آئے ہوئے کسی مسافر نے دوران تقریر ہی میں آپ کو مخاطب کر کے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں آپؐ کی خدمت میں محض تعلیم دین اور حصول اسلام کی غرض سے آیا ہوں یہ سنتے ہی آپ نے خطبہ کو موقوف کیا منبر سے اتر آئے خود بھی بیٹھے اور اس کو بھی پاس بٹھلایا اور اس کو اصول ایمان اور ارکان اسلام بتلادیئے اور سمجھا دیئے پھر اس کے بعد منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کو تمام فرمایا۔اسی طرح ایک بار مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو مسجد میں آتا دیکھا چونکہ وہ محض کمسن تھے اور رفتار کی قوت بھی پورے طور سے نہیں آئی تھی ۔ اس لئے قدم قدم پر خوف تھا کہ گر نہ جائیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے

پیارے نواسے کو اس حالت میں دیکھ کر ضبط نہ فرما سکے فوراً خطبہ کو بند کر دیا منبر سے نیچے تشریف لائے اوران کو آغوش مبارک میں اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی۔

انما اموالکم واولادکم فتنۃ　تمہارے اموال واولاد تمھاری نہایت محبت کی چیزیں ہیں۔

سامعین کو بھی درمیان خطبہ بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے ایک بار عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص آئے آپ نے استفسار فرمایا نماز پڑھ کر آئے ہو۔ اس نے عرض کی نہیں آپؐ نے فرمایا بیٹھے کیا کرتے ہو، اٹھو اور نماز پڑھ لو۔

میدان جنگ میں خطبہ فرمانے کا اتفاق ہوتا تھا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے بعض کہتے ہیں کہ آپ ہاتھ میں تلوار لے کر بھی خطبہ دیتے تھے ابن قیم بڑی شدت سے انکار کرتے ہیں لیکن اس شدت سے انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جب تک تلوار لے کر خطبہ دینے کی کوئی خاص حرمت وممانعت نہ ثابت کی جائے۔ جمعہ کے خطبہ کے علاوہ اور خطبات فصل دیکر ارشا فرماتے تھے اس لئے کہ سامعین پند وموعظت اور ارشاد وہدایت سے گھبرا نہ جائیں۔

معمولات سفر

ہجرت کے بعد سے سفر زیادہ تر ادائے حج وعمرہ جہاد وغزوہ کی ضرورتوں سے اختیار فرمایا جاتا تھا۔ اکثر پنجشنبہ کے دن سفر علی الصبح کیا جاتا تھا۔ اور اگر خود نہیں کوئی لشکر کسی مہم پر بھیجنا ہوتا وہ بھی پنجشنبہ کے دن صبح کے وقت ہی روانہ فرمایا جاتا تھا۔ سفر میں دستور تھا کہ چلتے وقت سب سے آخر میں جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سے مل کر جاتے اور واپسی کے وقت سب سے پہلے خانہ فاطمہ سلام اللہ علیہا میں تشریف لاتے اور اپنی نور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اطمینان وسرور قلب حاصل فرماتے تھے۔ چلتے وقت جب سواری سامنے لائی جاتی تو پہلے سیدھا قدم رکاب میں رکھتے اور بسم اللہ فرماتے۔ اور جب زین پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر فرماتے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرماتے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَا كُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

(الزخرف)

سب تعریف اس خدا کی ہے جس نے جانور کو ہمارا فرمانبردار بنایا حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

اس کے بعد یہ دعا فرماتے

اَللّٰھم انانسئلك فی سفرناھذاالبرّوالتقوی وعن العمل مانترضی اللّٰھم ھوّن علیناسفرناواعلم عنابعدہ اللّٰھم انت الصاحب فی السفروالخلیفه فی الاھل

اللھم انی اعوابك من وعشاء الفسوروكابت المنقلب وسوء المظرفی الاھل اوالمال

خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں خداوندا ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کردے خداوندا سفر میں تو میرے رفیق بال بچوں کیلئے تو ہمارا قائم مقام ہے خداوندا میں سفر اور واپس کے آلام مصائب اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

مراجعت کے وقت ان الفاظ کا اضافہ فرماتے تھے۔

اٰئبون تائبون عابدون لو تبنا حاسدون

قرار او استغفار کرنے والے ہیں عبادت کرنے اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔

اونچے مقام پر چڑھتے وقت تکبر پڑھتے اترتے تو تسبیح پڑھنے لگتے جب منزل پر پہنچ کر اترتے تو یہ دعا فرماتے۔

یاارض ربی وربك الله اعوذبالله من شر له وشر فافيك وشر مایدب علیك واعوذبك من اسوواسود من الحیة والعقرب وماساکن البلد ومن والد وماولد

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیری اوپر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں خداوندا! تجھے شیر سانپ بچھو اس گاؤں کے رہنے والوں آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب کبھی کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھ لیتے۔

اَللّٰھم رب السمّوات السبع ومال اظلن ورب الارضین السبع وما اضلن ورب الشیاطین واماضللن ورب الریاح وماذرین اسئلك خیرھذہ القریة وخیر اھلھا واعوذبك من مغرھا وشر اھلھا و مغرمافیھا

خداوندا اے ساتوں آسمان اور تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ افگن ہے۔ساری زمینوں اور اس تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں۔اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پیدا کرنے والے جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والے کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مراجعت مدینہ کے وقت سواری سے اتر کر دو رکعت نماز مسجد میں ضرور پڑھ لے جاتی تھی ہمراہیوں کو تاکیدی کی جاتی تھی کہ

سفر سے آتے ہی اپنے گھروں میں نہ چلے جایا کریں۔ بلکہ ذرا تامل کریں اور اتنی دیر ٹھہرے رہیں کہ گھر کی عورتیں گھر کے انتظام وسامان درست کرلیں۔ روضۃ الاحباب میں محدث شیرازی لکھتے تھے۔

جب سفر سے شہر میں واپس آتے تو فرماتے تھے۔ توبالوبالربنا اوریاکلایغادرعلیناجوبا (ہم توبہ وانابت اپنی پروردگار کی طرف کرتے ہیں۔ الٰہی کوئی خوف ہم پر مسلط نہ ہو) جولوگ کہ شہر میں رہ جاتے تھے وہ حضور کی آمد کی خبرسن کر استقبال کیلئے بیرون شہر حاضر ہوتے تھے اور اہلبیت علیہم السلام کے بچوں کو اپنے ہمراہ لاتے تھے ایک بار لوگ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو ہمراہ لائے آپ نے ان کو اپنے سواری پر آگے بٹھلالیا۔ دوسری بار حسنین علیہما السلام کو ساتھ لیتے آئے آپ نے دونوں صاحبزادوں کو سواری کے دونو جانب بٹھالیا اور اس طرح ایک اونٹ پر تین آدمی سوار ہوکر آئے داخلہ کا وقت یا تو چاشت کے وقت ہوتا تھا۔ سہ پہر کورات کے وقت داخلہ شہر سے منع فرماتے تھے جب کسی مہم یا سفر سے واپس آتے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی فرما کر لوگوں کی ضیافت ومہمانی کی جاتی تھی۔ ارشا ہوتا تھا کہ رات کو سفر کرنا خوب ہے اس لئے کہ رات کو زمین لپٹتی ہے اور تین آدمی ہمراہ سفر کریں تو اپنے آپ میں کسی ایک کو اپنا امیر بنائیں۔ جب کوئی شخص سفر کے قصد سے آپ کی خدمت میں رخصت کو آتا تھا تو آپ اسے ان کلمات دعائیہ سے رخصت فرماتے: امستودع اللہ دینك ومواتیم عملك میں تیرے دین اور عمل کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

اور کبھی یہ الفاظ فرماتے تھے۔

زودك اللہ التقویٰ وغفر ذنبك ولقاك الخیر حیثماتوجهت

خداوند عالم تقویٰ کو تمہارا زادسفر بنائے تمہارے گناہوں کو بخش دے اور جہاں جاؤ وہاں تمہیں نیکی دکھلائے۔ (روضۃ الاحباب ص674)

حلیۃ المتقین میں جناب رسالتمآب ﷺ سے منقول ہے کہ سب سے بہتر وہ جس کے سپرد سفر میں جاتے وقت آدمی اپنے بال بچوں کو کر جائے یہ ہے کہ روانگی کے وقت دو رکعت نماز پڑھے اور یہ کہے:

اللّٰهم انی استودعك نفسی واهلی ومالی وذریتی وبناتی واخوتی وامانتی وخاتۃ عملی

یا اللہ میں اپنی جان اپنے اہل وعیال اپنا مال اپنی اولاد اپنی دنیا اپنی آخرت اپنی امانت اور اپنا تمام انجام تیرے سپرد کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ جب جناب رسول خدا ﷺ سفر فرماتے اور روانگی کیلئے تیار ہوجاتے تو یہ پڑھتے:

اللّٰهم بل انتشرت والیك توجهت وبك استعصمت انت ثقتی ورجآئی اللّٰهم اکفنی ماافمنی ومالااهمّ له وماانت اعلم به منی اللهم زودنی التقویٰ واغفرلی

ووجهنی الی الخیر حیث ما توجهت

یااللہ تیری ہی قوت کے ذریعہ سے میں اٹھتا ہوں اور تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں تو ہی مری امیدگاہ ہے اور تجھی پر میرا بھروسا ہے یااللہ جن چیزوں کی مجھے فکر ہے اور جن چیزوں کی نہیں ہے اور جن کو تو بہتر جانتا ہے ان سب کی فکر سے میں بری ہوں یااللہ تقویٰ میرا توشہ ہو۔ گناہ میرے معاف ہوں اور جدھر میں جاؤں خیر و خوبی پیش آئے۔

سامان سفر

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں جاتے تو تیل کی شیشی، سرمہ دانی قینچی، آئینہ، مسواک، کنگھی، سوئی، دھاگہ، رسی، ستاری اور نعل کے تسمے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سفر میں خرچ کرنے کا سب سے بہتر طریقہ میانہ روی ہے اور خدائے تعالیٰ اسراف کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے کہ حج یا عمرہ میں کیا جائے۔

جناب امیر علیہ السلام کو تعلیم فرمائی گئی کہ تنہا سفر کرنا اچھا نہیں کم سے کم چار رفیق فراہم کر لینا بہتر ہے۔ اور مسنون امر یہ ہے کہ ہم توشہ رفیق اپنا اپنا خرچ اپنے پاس سے نکال کر پہلے دوسروں کے سامنے رکھ دے کہ اس سے خوشنودی خاطر اور خوبی اخلاق کی افزونی ہوتی ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حدی (اونٹ کو مست کرنیوالی نظم پڑھنا اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں کوئی بات حرام اور جھوٹ بات نہ ہو، مسافر کا توشہ ہے اور راستہ کٹنے کا ذریعہ۔ آنحضرت صلعم نے ارشار فرمایا کہ شب کو سفر کرنا بہتر ہے اس لئے کہ رات میں راستہ آسانی سے ایسا قطعہ ہوجاتا ہے گو یا طی الارض ہو گیا۔

جانوروں کی سواری پر ترحم

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام سفر کے متعلق تعلیم عام کی غرض خاص سے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ ہمدردی کو پسند کرتا ہے اور ہمدرد کا معین ہوتا ہے لہٰذا جب تمہاری سواری کے حیوانات لاغر ہوں تو ہر ہر منزل پر اترتے جاؤ۔ اور جانوروں کو آرام دیتے جاؤ اور اگر بیابان کا سفر ہو اور راہ میں گھاس یا چراگاہ نہ ہو تو وہاں سے جلد گزر جاؤ جہاں کچھ گھاس ہو وہاں تھوڑی تھوڑی دور پر ٹھہرتے جاؤ۔

منزل پر اترنے کے اداب

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منزل پر اترتے تھے تو یہ دعا پڑھ لیتے تھے:

اللّٰھم انی اسئلك خیرھا واعوذبك من شرھا اللّٰھم اطعمنا من جناھا واعذنا من

وھاوجبنا الی اھلھا وحبب صالطی اھلھا الینا

یا اللہ میں اس بستی کی نیکیوں کا تجھ سے سائل ہوں اور اس کی بدیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں یا اللہ اس کے پھل میرے کھانے میں ہیں اور اس کی بیماریوں سے مجھے محفوظ رکھ اور اس کے باشندوں کے دل میں میری محبت اور میرے دل میں یہاں کے نیکوکاروں کی محبت ڈال دے۔

حالت سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

یاارض ربیّ وربك الله واعوذبك یالله من شرك ومن شرمافیك وسوء مایدب علیك الخ

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے میں تیرے شر اور جو مخلوق تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو خلق تجھ پر چلتی پھرتی ہے اس کے شر سے اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

سفر بحری اختیار کرنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی:

بسم الله مجرھا ومرسھا ان ربی لغفور رحیم بسم الله الملك الحق وماقدر والله حق قدرہ والارض جمیعاقبضته یوم القیمه والسموات مطویات بیمینه سبحانه وتعالیٰ عمالیغرکون

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جس کے سبب سے جہاز چلتے اور لنگرانداز ہوتے ہیں بلاشبہ میرا پروردگار سب سے زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں۔ وہ بادشاہ برحق ہے انہوں نے اللہ کو ہرگز نہیں سمجھا ہے جیسا سمجھنے کا حق ہے قیامت کے دن زمین سراسر اُس کی خاص ملکیت ہوگی۔ اور آسمان اس کی قدرت سے لپٹے ہوں گے جن جن اشیا کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ان سے اس کی ذات پاک و منزہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عزیز یا دوست کو رخصت کرتے تھے تو اس کی سلامتی سفر کیلئے یہ دعا پڑھتے تھے۔

رحمکم الله وزودکم التقویٰ ووجھکم الی کل خیروقضی لکم کل حاجة وسلم لکم دینکم ودنیاکم وردکم سالمین الی سالمین

خدائے تعالیٰ تم پر رحم کرے، پرہیزگاری تمہارا توشہ قرار دے، ہر خیر و خوبی تمہیں میسر آئے، ہر حاجت

تمہاری پوری کرے، دین ودنیا تمہاری سلامت رکھے اور تمہیں صحیح وسلامت پھیر لائے اور تم اپنے اہل وعیال اور دوستوں کو صحیح وسلامت پاؤ۔

اور ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے:

استودع الله دينك وامانتك وخوائيم عملك ووجهك للخيرحيث ماتوجهت وزودك التقوىٰ وغفرلك الذنوب

میں تیرا دین تیرا ایمان تیرا اعمال کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں جہاں تو چاہے بہتری تجھے میسر آئے پرہیزگاری تیرا توشہ ہو اور خدا تیرے گناہوں کو بخش دے۔

جو شخص زیارت کعبہ سے مشرف ہو کر آتا تھا اس کے لئے مخصوص یہ کلمات ارشاد فرمائے جاتے تھے:

قبل الله منك واخلف عليك نفقتك وغفر ذنبك

خدا تیری سعی اور تیرا عمل خیر قبول فرمائے تیری وجہ معاش بھی بحال اور تیرا گناہ بخش دے

سفر میں عزیز واحباب کو تھوڑی دور تک پہنچانا اور ایسے ہی ان کی واپسی پر تھوڑی دور سے استقبال کر کے لانا عرب کا قدیم دستور پایا جاتا ہے اور عرب پر منحصر نہیں یہ دستور قریب قریب تمام ملک وقوم میں اس وقت سے لے کر اس وقت تک برابر جاری اور قائم ہے اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام نے بھی اسے محاسن اخلاق کا اظہار سمجھ کر قائم رکھا۔

اسی لئے جناب رسولخدا صلعم کی سیرت مبارک میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ آپ اپنے احباب کی مرجعت کے وقت ان کا استقبال کرتے ان سے ملتے تو پہلے پیشانی کا بوسہ لیتے اور گلے لگاتے مصافحہ فرماتے پھر خیر وعافیت دریافت کرتے چنانچہ مقام خیبر میں حضرت جعفر ابن ابی طالب ہجرت حبشہ سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گلے لگایا پھر ان کے دونوں ابروں کے درمیان بوسہ دیا مصافحہ کیا اور خیر وعافیت پوچھی۔

اسی بنا پر خاص کر حج سے حاجیوں کے واپس آنے اور ان سے ملنے کیلئے احادیث صحیحہ میں یہ حکم وارد ہوا ہے جب حاجی سفر سے واپس آئیں اور راستہ کی گرد ان پر پڑی ہو تو اس وقت جو شخص ان کے ملنے کی نیت سے ان کی گردن میں ہاتھ ڈالے گا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے گا تو اس کو حجر الاسود مقدس کے بوسہ لینے کا ثواب حاصل ہوگا۔ (حلیۃ المتقین فصل اداب سفر ص530 مطبوعہ دہلی)

معمولات جہاد

جب کسی مہم پر کسی کو امیر فوج بنا کر بھیجتے تو اس کو تقویٰ وپرہیزگاری کی سخت تاکید فرماتے امیر کی ہدایت کے بعد لشکر والوں کو عام حکم دیا جاتا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اعزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله
اغروا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا

خدا کے نام پر، خدا کی راہ میں کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا مردوں کی ناک کان نہ کاٹنا، بچوں کو نہ قتل کرنا۔

اس کے بعد شرائط جہاد اور غزا کے نصاب تعلیم فرماتے، فوج کو رخصت کرنے لگتے تو الفاظ ترخیص ارشاد فرماتے:

استودع الله دینکم و امانتکم وخواتیم عملکم

میں تمہارے فرض کو امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں۔

جب بالنفس النفیس جہاد میں شرکت فرماتے اور موقع جنگ پر رات کے وقت پہنچتے تو رات خاموشی کے ساتھ کاٹ دیتے تھے صبح ہوتی تو حملہ کا حکم دیتے۔ اور اگر صبح کو حکم جہاد کسی وجہ سے نہیں دیا گیا تو دوپہر کے بعد فرمان جہاد دیا جاتا تھا جب فتح کی خبر پاتے ،فوراً سجدۂ شکر بجالاتے اور نظام سیاست اور اقامت امن وعدالت کی غرض خاص سے میدان جہاد یا اس کی حوالی میں قیام فرماتے ،میدان کارزار میں شریک ہوتے تو یہ دعا زیرلب فرمالیتے۔

اللّٰهم انت عضدی ونصیری بك احول وبك اصول وبك اقاتل

خداوند اتو میرا دست وبازو ہے تو میرا مددگار ہے میں تیرے سہارے پر مدافعت کرتا ہوں حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔

خدمات اموات

جب شروع شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے تو آپ نے یہ معمول کرلیا تھا کہ جب کسی مرد مسلم کے قریب المرگ ہونے کی خبر آپ کو ہوتی تھی تو آپ اس کے پاس جاتے تھے سرھانے بیٹھ جاتے تھے اس کے لئے مرنے کے بعد بھی اگر توقف کرنا چاہتے تو دفن تک ٹھہرے رہتے۔ نہیں تو دولت سرا کی طرف واپس آتے تھوڑے دنوں کے بعد یہ امور بھی آپ کی تصدیق دہی کا باعث خیال کئے گئے تو یہ دستور مقرر کیا گیا ہے کہ جب کوئی مرجاتا تھا تو اس کی لاش کو غسل وکفن سے مرتب کرکے بارگاہ رسالت تک لاتے تھے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جنازہ کی نماز پڑھ دیتے تھے اور یہی آخر وقت تک معمول قائم رہا۔

مریضوں کی عیادت

عیادت سے شغف خاص تھا۔ ارشاد فرماتے تھے کہ عیادت مریض بھی مسلمانوں کا ایک فرض خاص ہے جب کسی مریض کی

عیادت کوتشریف لے جاتے تھے۔تواس کومرض میں تسکین دیتے ،شفا کی امید دلاتے پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے صحت کی دعا فرماتے اور کہتے ،خدانے چاہاتوخیریت ہے، اگرکوئی بدفالی کے کلمات اپنے منہ سے نکالتا۔تو آپ کوناگوار ہوتا۔ایک بدوی عرب مدینہ میں آکر بیمار پڑ گیاحسب دستوراس کی عیادت کوتشریف لے گئےاس سے بکمال شفقت کلمات تسکین فرمانے لگے۔وہ مرض کی گھبراہٹ میں بولا آپ فرماتے ہیں ان شاءاللہ خیریت ہے یہاں وہ شدیدتپ کہ بغیرگورجھکائے جانے والی نہیں ہےآپ نے ارشادفرمایاایسانہ کہہ خداشافی ہے۔(سیرۃ النبیؐ باسنادبخاری واحمد بن حنبل)

معمولات ملاقات

یہ معمولِ عادت خاص میں داخل تھا کہ جب کوئی شخص آپؐ سے ملنے کوآتا یا آپ خوداس سے ملنے کوتشریف لے جاتے تو دونوں حالتوں میں پہلے آپ اس کوسلام کرتے ۔اکثرلوگوں نے آپؐ پرسبقت کرنے کا قصدکیا۔مگرآنحضرت ﷺ نے کبھی سلام میں ان کومسابقت کا موقع نہ دیا اگرکسی شخص نے کوئی رازکی بات گوش مبارک میں کہنی چاہی اوراس ارادہ سے اپنا منہ ان کے گوش مبارک سے لگادیا تو پھر جب تک کہ اس نے اپنامنہ نہ ہٹالیا آپ نے گوش مبارک اس کے پاس سے نہ سرکایا۔مصافحہ میں بھی یہی عادت مبارک جاری تھی۔ ہاتھ ملانیوالاشخص جب تک اپناہاتھ دست مبارک سے نہ کھینچ لیتا آپ اپنادست مبارک نہ کھینچتے ،کسی مجلس میں بیٹھتے تھے توہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا تھا کہ آپ کا زانواور بیٹھنےوالوں کے زانو سے آگے نہ بڑھ جائے۔آستان رسالت پرجوشخص حاضرہوتا۔اس کودروازے پرکھڑے ہوکراسلام علیکم کہنا پڑتا تھا۔ پھرعرض کرتا کہ مجھے اجازت ہے میں اندرآؤں اسی کو اذن کہتے ہیں خودجناب رسالت مآب ﷺ بھی کسی کے ہاں جاتے تواسی طرح اجازت مانگتے مگرجوشخص اس کے خلاف کرتا تھاتوبارگاہ رسالتؐ سے واپس اورزیارت نبویؐ سے محروم رکھا جاتا تھا۔یہ دستوراظہارشان وشوکت کے خیال سےنہیں تھا بلکہ یہ تادیب تہذیب واخلاق کی تعلیم تھی۔اس کی مثال اس واقعہ میں ملاحظہ ہو۔

ایک بارقبیلہ بنوعامرکاایک مردشرفیاب زیارت ہونے کیلئے حاضرہوا۔آنحضرت ﷺ اس وقت اندرتشریف رکھتے تھے اوربیت الشرف میں تشریف فرماتے تھے وہ آستان مقدس پرآیااورکھڑے ہوکرپکارنے لگا کیامیں اندرآسکتاہوں اس کی یہ صداسن کرآپؐ نےکسی سے کہا کہ چلوجاکراس کواذن طلبی کا طریقہ بتلادو۔مدعایہ تھا کہ پہلےسلام کرلےتب اندرآنے کی اجازت مانگے۔

ایسے ہی صفوان بن امیہ نے جوقریش کے رئیس تھے اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دو ہرن کے بچے اورلکڑیاں بھیجیں۔کلدہ بیساختہ اس مکان میں چلے آئے جہاں آپؐ بیٹھے تھے یہ دیکھ کرآپ نے کلدہ سے کہا کہ واپس جاؤاورسلام کرکے آؤ۔(ابوداؤدجلد2ص156)

ایک بارحضرت جابربن عبداللہ انصاری زیارت کےشوق میں آئے۔دروازے پردستک دی،آپؐ نے دریافت کیا کون ہے جابرؓ نے کہامیں ہوں ارشادفرمایامیں کیا؟ یہ کون ساطریقہ خطاب ہے اپناپورانام لو۔

دوسروں کو ان آداب واخلاق کی اتنی تاکید کے ساتھ کیوں تعلیم وہدایت فرمائی جاتی تھی اس لئے کہ خود بھی ان اصول ودستور کو ہمیشہ بڑی پابندی اور احتیاط کے ساتھ قائم رکھا جاتا تھا آنحضرت ﷺ جب خود کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے کبھی داہنے جانب کبھی بائیں جانب کھڑے ہو کر السلام علیکم فرما کر مالک مکان سے اجازت طلب کرتے۔ دروازے کے بائیں جانب کھڑے ہونے کا یہ سبب بتلایا گیا ہے کہ آپ سامنے دروازے کے اس وجہ سے نہیں کھڑے ہوتے تھے کہ اس وقت تک دروازوں میں پردہ لٹکانے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ اگر صاحب خانہ اجازت نہ دیتا تو آپ فوراً وہاں سے واپس آتے کسی کے گھر پر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمر کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کیلئے چمڑے کا ایک گدا بڑھا دیا لیکن آپ بلا تامل خالی زمین پر بیٹھ گئے اور وہ گدا بیچ میں رکھا کا رکھا رہ گیا۔

آپ کے معمولات میں یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ نقل کے قابل ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ تمام کام داہنی طرف اور داہنے ہاتھ سے کرتے تھے نعل پہلے داہنے پاؤں میں پہنی جاتی تھی۔ مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھا جاتا تھا۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنے جانب سے آغاز فرماتے اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔ (سیرۃ النبیؐ جلد دوم)

دربار رسالت

نبوت کا آستانہ اور رسالت کا کاشانہ دنیاوی تزک واحتشام اور ظاہری اور نمائشی انتظام واہتمام سے بالکل پاک ومنزہ تھا۔ وہاں نہ دنیاوی پادشاہوں کی ایسی ڈیوڑھی لگتی تھی نہ پہرے بیٹھتے تھے نہ دربانوں کے ہجوم تھے اور نہ پاسبانوں کے ہنگامے۔ مسجد کی خام عمارت ایوان شاہی تھی اور مخلصین ومتقین امت کی جماعت اہل دربار اور صاحبان کار تھے۔ مگر باوجود اس سادگی اور بے تکلفی کے اس مجلس کی سطوت اور عظمت کا وہ قوی اثر تھا کہ عرب کے بڑے بڑے ذی اقتداروں اور نمو داروں کے قدم آتے ہوئے لغزش کرنے لگتے تھے رسالت کے جلال اور نبوت کے کمال کا یہ اثر ہوتا تھا کہ یہاں سے وہاں تک تمام مجلس میں ایک خاص خاموشی اور سناٹا رہتا تھا اور کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ کوئی شخص اپنے مقام پر آداب نشست کے خلاف جنبش کر سکے اور بغیر اذن واجازت نہ لب کھول سکتا تھا اور نہ زبان ہلا سکتا تھا۔ اجازت پا کر گفتگو کرنے کا ہر شخص مجاز تھا مگر اذن طلبی اور اجازت دہی میں بھی نشست کی ترتیب کا خیال رکھا جاتا تھا۔ یہ امتیاز ترتیب نہ نام ونسب کے حفظ مراتب کے اعتبار سے کیا جاتا تھا نہ مال ودولت کے لحاظ ومناسبت سے بلکہ اس کی اُس شخص کی فضیلت واستحقاق پر مبنی ہوتی تھی مجلس میں سب سے پہلے آپ اہل حاجت اور مستحقین امت کی طرف مخاطب ہوتے تھے اور ان کی عرض وغایت سن کر ان کی کشور کشائی فرمائی جاتی تھی، تب دوسرے حلقہ اور طبقہ کی طرف توجہ فرمائی جاتی تھی۔

انعقاد مجلس کا یہ دستور تھا کہ خود جناب رسالت مآب ﷺ مودب ہو کر مجلس میں نشست فرماتے تھے اس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ تمام حاضرین کمال ادب سے اپنے اپنے مقام پر بیٹھنے اور جب تک آپ تقریر نہ فرمائیں تمام حاضرین فرق عقیدت جھکائے بیٹھے رہتے تھے

جب آپ تقریر کرنے لگتے ۔تو تمام صحبت خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتی رہتی ۔مجلس میں جب ایک شخص تقریر کر رہا ہو تو جب تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے دوسرا کوئی شخص عام اس سے کہ کسی مراتب و مدارج کا ہو بولنے کا مجاز نہیں تھا۔غربا و مساکین امت اظہار مدعا میں اکثر بد احتیاطی کر جاتے لیکن آپؐ اسے بکمال حلم و رضا اس سے تحمل فرمالیتے ۔مجلس میں آپ کسی کا قطع کلام نہیں فرماتے تھے۔اور نہ کسی دوسرے کو قطع کلام کی اجازت دیتے تھے کسی کی کوئی بات اگر طبع ہمایوں کے خلاف بھی گزرتی تو اس سے درگزر فرماتے کوئی شخص اگر آپؐ کی خدمت میں اظہار شکریہ کرتا تو اگر واقعی آپ اس شکریہ کے مستحق تھے تو اس کا شکریہ ضرور قبول فرمالیتے مجلس میں جس قسم کا ذکر ہوتا آپ اسے توجہ سے سنتے اس سے دلچسپی لیتے اور اکثر خود اس میں شریک ہو جاتے ۔یہاں تک کہ مذاق و ظرافت کی باتوں کو بھی شوق سے سنتے اور کبھی کبھی خود بھی مذاقیہ کلام ارشاد فرماتے ۔مجلس میں جب کسی قبیلہ کا کوئی معزز آدمی آجاتا ۔تو آپؐ اس کی تعظیم فرماتے اور ارشاد کرتے **اکرموا کریم کل قوم** ہر بزرگ قوم کی تعظیم کرو۔سلام و مزاج پرسی کے بعد ہر شخص سے دریافت فرماتے کوئی غرض و حاجت تو نہیں ہے اکثر حاجتمند کمال ادب سے عرض حاجت نہیں کر سکتے تھے تمام جلسہ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے کہ جو لوگ کسی وجہ سے اپنی غرض مجھ سے نہیں کہہ سکتے ان کی ضرورتوں کی مجھے جلد خبر دو۔

شاہان دنیا میں سب سے مقدم اور عظیم سلطنت ایران کی تھی وہاں کے شاہ کج کلاہ کے دربار کی یہ شان تھی کہ سب کے سب سینوں پر ہاتھ رکھ کر بادشاہ کے سامنے کھڑے رہتے کسی کو یہ مجال نہیں تھی کہ دربار میں بیٹھ جائے شاہی دربار کے علاوہ مجلسوں میں بھی امرا پرستی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی ذی مقدرت اور صاحب ثروت شخص آ گیا تو سب کے سب اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر اس کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمانروایان ایران کے دربار کی یہ کیفیت سنی تو فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم و تکریم کی غرض سے اس کے روبرو ایستادہ رہیں اس کو لازم ہے کہ وہ جہنم میں اپنا مقام تیار کر لے

اتفاق ،بے ساختگی اور پرجوشی کی دوسری بات ہے۔اتفاق سے اگر کوئی شخص کسی شخص کے اکرام کیلئے کھڑے ہو گیا یا عالم پرجوشی اور بیساختگی میں کسی نے اپنے احباب یا مہمان کی ایسی تعظیم کر لی یا اس طریقہ سے اس کا خیر مقدم منایا تو وہ قابل الزام نہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جوش محبت میں اپنے عزیز خاص اور گرامی قدر مہمان کے خیر مقدم اور تعظیم کیلئے اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے چنانچہ جناب سیدۃ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ برابر ایسے ہی افراط محبت کا اظہار فرمایا گیا۔جب وہ مسجد میں یا ازواج کے گھر میں آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتی تھیں تو آپؐ فرط محبت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اپنی پارہ جگر کی پیشانی انور کا بوسہ لیتے تھے۔

ایک بار اپنی رضاعی بہن دختر حلیمہ سعدیہ کی آمد پر بھی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے بیٹھنے کیلئے اپنی ردا کا فرش کر دیا۔
ایک مرتبہ رضاعی بھائی آئے تو فرط محبت سے ان کے لئے بھی اٹھ کھڑے ہو گئے ۔پھر ان کو بلا کر اپنے پاس بٹھلا لیا مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکرام و الطاف عام کا ایسا کامل انتظام تھا کہ کسی اہل مجلس کے دل میں کسی طریقہ اور عنوان سے یہ گمان کبھی پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس سے عزت و مرتبہ میں بڑا ہے خلق رسالت سب کے ساتھ یکساں تھا اور لطف نبوت سب کے ساتھ مساوی تھا جب کوئی شخص

اچھی بات کہتا آپؐ اس کے کلام کی داد دیتے ۔اور تحسین وآفرین فرماتے تھے اور جب کوئی بیجا بات کہتا یا نازیبا کلمات کہتا تو آپ اسے ٹوک دیتے اور بتلا دیتے۔

ایک بار دو صاحب مجلس نبویؐ میں حاضر تھے انہیں میں سے ایک ذی عزت و مرتبت تھے دوسرے ان سے مراتب و مدارج میں کم تھے ان معزز حضرت کو چھینک آئی تو شعار اسلامی کے مطابق اُنہوں نے الحمدللہ نہیں کہا۔ان کے بعد وہ کم رتبہ شخص چھینکا تو فوراً اس نے کلمہ تحمید الحمدللہ اپنی زبان پر جاری کیا آنحضرت ﷺ نے یہ سنتے ہی اس کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا معزز صاحب شکایت کے لہجہ میں کہنے لگے کہ مجھے چھینک آئی تو آپ نے کچھ نہ کہا۔اور جب یہ چھینکے تو آپ نے انہیں رحمت کی دعا فرمائی۔ارشاد ہوا کہ چھینکنے کے وقت جب تم نے اپنے خدا کو بھلایا تو میں نے بھی تمہیں بھلا دیا۔

صحابہ کے طبقہ میں عام طور سے تاکید شدید کے ساتھ ہدایت فرمادی گئی تھی کہ کسی کی برائی کسی کا عیب کسی کی شکایت خواہ مخواہ آپ سے نہ کیا کریں ارشاد فرمادیا گیا تھا کہ میری دلی تمنا ہے کہ جس وقت دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف دل جاؤں ۔ صاحب روضۃ الاحباب انہیں اخلاق کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنی اوقات شریف کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک حصہ میں تو وہ عبادت اور اطاعت الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔دوسرے حصہ میں معاشرت اور خانہ داری کے کام کیا کرتے تھے اور ایک حصہ وقت اپنے خاص امور کیلئے علیحدہ کرلیا گیا تھا اور اکثر اسی وقت میں امت کا بھی کام کیا کرتے تھے اور اسی وقت اہل فضل اور مخصوصین حضرات کو باریابی کی اجازت دیتے تھے اور ان کو ہدایت وتعلیم علوم ظاہری و باطنی سے مالا مال فرماتے تھے اور ان کے علمی ذخیرہ کے وسیلہ سے عوام بھی بہرہ یاب ہوتے تھے۔ارشاد فرماتے تھے کہ میری مجلس میں جو کچھ سنا جائے وہ حاضرین غائبین تک ضرور پہنچا دیں کہ حاضر وغائب سب مستفید ہو جائیں اور صحابہ ممتازین پر یہ بھی تاکید تھی کہ جو شخص اپنی عرض حال ہم سے نہیں کرسکتا یا مجلس میں انہیں بیان نہیں کرسکتا تو ایسے شخص کی حاجت اور غرض تم لوگ مجھ سے بیان کردیا کرو۔کیونکہ جو شخص سلطان وقت سے اپنی حاجت پیش نہیں کرسکتا۔اگر کوئی دوسرا شخص اس کی حاجت بیان کردے تو خداوند عالم اس کی سعی کرنیوالے کے دونوں پاؤں کو قیامت میں ثابت رکھے گا جو لوگ استفادہ علوم وادب کی غرض خاص سے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے وہ جب تک شرف تحصیل سے پورا فادہ حاصل نہ کرلیں آپ کی خدمت سے جدا نہیں ہوتے تھے اور جب تحصیل علوم وہدایت کرکے مجلس مبارک سے باہر آتے تھے تو دوسرے کو اپنا فیض پہنچاتے تھے۔

جناب امام حسین علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ معمولات حسنہ تو آپؐ کے اس وقت کے معلوم ہوئے جب آپ گھر میں رہتے تھے اب سفر میں آپ کے عادات حسنہ بیان فرمائیں جائیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جاں پدر تمہارے جد بزرگوار باہر ہمیشہ زیادہ گوئی سے احتیاط فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کی ہمیشہ دلجوئی فرماتے تھے اور کبھی ان کو برخاستہ خاطر نہ ہونے دیتے تھے اور ہر بزرگ قوم کی تعظیم وتکریم فرماتے تھے اور اس قوم کے امور اس کے سپرد فرماتے تھے حالانکہ آپ کے محاسن اخلاق اس قدر وسیع تھے لیکن تاہم آپ اپنی خودداری پر ہمیشہ نظر رکھا کرتے تھے صحابہ کا تجسس حال فرماتے تھے اور ان کے تفحص حالات کیا کرتے تھے اچھوں کو اچھا اور بروں کو برا کہا کرتے تھے اور کبھی اظہار حق میں تامل نہیں فرماتے تھے ہمیشہ بہترین روزگار اور نیکوکار بزرگوار آپ کے مقرب تھے اور ان میں بھی وہی شخص افضل قرار دیا جاتا تھا جو عملاً سب سے زیادہ اسلام کا خیرخواہ ثابت ہوتا ہو۔ اور وہی شخص آپ کے نزدیک عظیم المراتب ہوتا تھا جو عموماً لوگوں سے مواسات اور معاونت کا سلوک اختیار کرتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پھر بیان فرماتے ہیں کہ پھر میں نے آپؐ کی مجلس کے خاص طریقہ کا استفسار فرمایا تو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں آپ بیٹھتے تھے تو سب سے پہلے ذکر الٰہی فرمالیتے تھے اور جس مجلس سے اٹھتے تھے تو اٹھنے سے پہلے ذکر الٰہی کرلیا کرتے تھے اور جب کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ہمیشہ مجلس کے درمیان میں بیٹھا کرتے تھے اور اپنے صحابہ ممتازین کو بھی اس آداب مجلس کی تعظیم وہدایت فرماتے تھے اور اپنے تمام رفقا کو بحصہ مساوی عطا فرماتے جس کی وجہ سے کوئی باہمی فرق واختلاف نہیں معلوم کرسکتا تھا اور ہر شخص اپنے مقام پر یہی سمجھتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے آگے سب سے زیادہ وہی گرامی قدر ہے جو شخص محض عطایائے گرانمایاں کے حصول ووصول کیلئے مجالس نبویؐ میں شریک ہوتا تھا۔ تو تھوڑے دنوں کے بعد آپ اپنے بذل واحسان کو روک لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مجلس مقدس کی شرکت کو ترک کردیتا تھا۔ جو کوئی شخص آپ سے اپنی حاجت عرض کرتا اسے آپؐ اپنی کامل توجہ سے سن لیتے اس سے خوش ہوکر باتیں کرتے اور پھر اس کی حاجت کو پورا کردیتے۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ نے آپ کا اتنا خلق وسیع عطا فرمایا تھا کہ تمام لوگوں کیلئے اس میں گنجائش موجود تھی تمام لوگوں کے حال پر آپ کی شفقت ایسی رہتی تھی جیسے باپ کی بیٹے پر۔ اور اظہار واجرائے حق کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک سب لوگ برابر تھے آپ کی مجلس سراپا علم وحیا اور خاموشی ومتانت کی مجلس تھی۔ آپ کی مجلس میں کبھی آوازیں بلند نہیں ہوتی تھی اور کسی کی برائی یا عیب جوئی کا ذکر آپ کی مجلس میں نہیں ہوتا تھا۔ اگر دوران گفتگو میں کسی شخص سے کوئی فرد گذاشت ہوتی تھی یا تقریر میں کوئی نقص ظاہر ہوتا تھا تو اس کی خبرگیری نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ کامل عیب بوشی سے کام لیا جاتا تھا۔ ہر شخص آپ کی مجلس میں عدل ومساوات کا مستحق تھا۔ اس مجلس مبارک میں عظمت اس کی ہوتی تھی جو صاحب تقویٰ ہوتا تھا۔ آپ کے اہل مجلس میں ہمہ تن متواضع اور منکسر تھے بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں پر رحمت فرماتے تھے غربا وفقرا کی معاونت ومحافظت فرماتے تھے۔ (روضۃ الاحباب ص625)

اگرچہ مندرجہ بالا عبارت سے مجالس نبویؐ کی اجمالاً پوری کیفیت معلوم ہوچکی ہے لیکن تاہم جو تفصیل شبلی صاحب نے اس کے متعلق تحریر فرمائی ہے وہ اس سے زیادہ واضح اور سبق آموز ہے۔

مجالس ارشاد

آنحضرت ﷺ کی تعلیم وتلقین کا فیض اگرچہ سفر حضر، خلوت، جلوت نشست برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے اس بنا پر آپ کی تعلیم وارشاد کیلئے بعض اوقات علیحدہ کر دیئے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفاضہ منظور ہو وہ آسکیں ۔ یہ صحبتیں اکثر مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھیں مسجد میں ایک چھوٹا سا صحن تھا کبھی آپ وہاں نشست فرماتے تھے۔ ابتداء آنحضرت صلعم کی نشست کیلئے کوئی ممتاز جگہ نہیں تھی باہر سے جتنے لوگ آتے تو آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا آپ اس پر تشریف رکھتے تھے باقی دونوں طرف صحابہ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔

آداب مجلس

ان مجالس میں آنے والوں کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی ،عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بیبا کانہ طریقہ سے سوال وجواب کرتے ۔ خلق نبویؐ کا منظر ان محاسن میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپ پیغمبرؐ خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں ۔ صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمت اقدس میں حاضر ہیں ایک شخص آتا ہے اس کو آنحضرت ﷺ اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے محمدؐ (صلعم) کون ہے؟ صحابہ بتاتے ہیں کہ یہ گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں وہ کہتا ہے اے ابن عبد المطلب میں تم سے نہایت سختی سے سوال کرونگا۔ خفا نہ ہونا۔ آپؐ بخوشی اس کو سوال کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے باوجود سادگی وتواضع یہ مجلس رعب ووقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھی آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ اخلاق مذہب اور تزکیہ نفوس تک محدود تھا۔ اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے مثلاً رسول اللہ صلعم میرے باپ کا کیا نام ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپؐ اس کے سوال ناپسند فرماتے تھے ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا جو پوچھنا ہو پوچھو میں سب کا جواب دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت عاجزی کے ساتھ کہا رضیت۔ (میں راضی ہوں)

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپؐ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تھا تو وہ دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوئے ہوتے تو کوئی صحرا نشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا۔ دفعتاً آجاتا اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا آپ سلسلہ تقریر کو قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے ایک دفعہ آپؐ تقریر فرما رہے تھے ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ آپ تقریر فرماتے رہے۔ حاضرین سمجھے کہ آپ نے نہیں سنا۔ لیکن آپ کو ناگوار ہوا۔ گفتگو سے فارغ ہوئے

تو لوگوں سے درفت فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے بدو نے کہا میں یہ حاضر ہوں۔آپ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کریں گے۔بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی۔فرمایا جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا۔

اوقات مجالس

اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا۔نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا چشمہ جاری ہو جاتا۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے۔اور مجلس قائم ہوجاتی۔چنانچہ کعب ابن مالک پر جب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انھیں مجالس میں آکر آنحضرت کی خوشنودی مزاج کا پتا لگاتے۔خود ان کے الفاظ ہیں

واتی رسول الله وهو فی مجلسه بعد الصلوة فاقول فی نفسی هل حرك شفتيه برد السلام ام لا

میں رسول اللہ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا اور بعد نماز ظہر آپ مجلس میں ہوتے تھے تو اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں لب ہلائے یا نہیں۔

ترمذی اور ابوداؤد میں عریاض بن ساریہ سے روایت ہے

موعظنا رسول الله يوما بعد اصلوة الغداة مر عظة بليغة ذرفت نها الهيون دو جلت منها القلوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کیا کہ جس سے آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی۔لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے۔یہی مجالس میں جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں (کان یوما بارز الناس) آنحضرتؐ ایک دن لوگوں کے لیے عام طور پر باہر نکلتے تھے چونکہ افادہ عام ہوتا تھا اس لیے آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے۔اس بنا پر جو لوگ مجالس میں آکر واپس چلے جاتے تھے ان پر آپ نہایت ناراض ہوتے تھے۔آپ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ پائی وہیں بیٹھ گئے۔آنحضرت جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ انھیں ایک نے خدا کی طرف پناہ لی۔خدا نے اس کو پناہ دی۔ایک نے حیا کی۔خدا بھی اس سے شرمایا۔ایک نے خدا سے منہ پھیرا۔خدا نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ سیرۃ النبی جلد 3۔

پندو نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کئے جائیں۔لیکن آدمی ہمیشہ سنتے سنتے اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے

ہیں۔اس بنا پر آنحضرت ﷺ پندرونصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔

بخاری میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

کان النبی تیخولنا بالموعظۃ فی الایام کراھۃ السعامۃ علینا

آنحضرت صلعم ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

عورتوں کے لیے موعظت وہدایت کی خاص مجلسیں

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو کم موقع ملتا تھا اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی خاص دن مقرر فرمایا جائے۔آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ و پند کے لیے۔ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

اگر چہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینیوں سے تعلق رکھتے تھے۔تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرط حیا سے آپ کو ناگوار ہوتا اس قسم کی پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپ کو تکدر ہوتا۔ایک دفعہ ایک انصاری نے جن کا نام عاصم تھا مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے۔آنحضرت کو ناگوار ہوا۔اور آپ نے ان کو ملامت کی۔

ارشاد وہدایت کا طریقہ

کبھی کبھی آپؐ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے اس سے لوگوں کی حوادث فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہو جاتا۔حضرت عبداللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے، لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں؟ لیکن میں کمسن تھا اس لیے جرأت نہ کر سکا۔بالآخر لوگوں نے عرض کی حضورؐ بتائیں ارشاد فرمایا۔کھجور۔عبداللہ ابن عمر کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

ایک روز آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔صحابہ کے دو حلقے قائم تھے۔ایک قران خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھیں۔آپ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے ہیں۔لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔باسناد ابن ماجہ۔

ان مجالس میں دقیق مباحث کو جن کی تہ تک عوام نہیں پہنچ سکتی تھے ناپسند فرماتے تھے۔چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی آپؐ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا گو یا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں۔آپؐ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم اس لیے پیدا کئے گئے ہو۔قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو۔گذشتہ امتیں

انھیں باتوں سے برباد ہوئی ہیں۔ابن ماجہ۔

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے آنحضرت ﷺ ان کا صحیح فیصلہ فرما دیتے۔مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوص اعمال کے منافی سمجھی جاتی تھی اور خود صحابہ کے زمانہ میں بھی سمجھی جاتی تھی۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے فخر یہ یہ کہہ کے نیزہ مارا کہ میرا وار لینا میں غفاری ہوں۔تو تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔مخاطب نے کہا میری رائے میں تو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔آنحضرت صلعم نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔

عام خیال تھا کہ قوائے عملی کے بیکار کر دینے کا نام تقدیر ہے۔تقدیر میں جو لکھا ہوگا۔اس کو کوئی عملی قوت ہٹا نہیں سکتی۔لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہوگئی تھی اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہیں۔انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتہ تقدیر ہے اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں۔چنانچہ صحابہ ایک جنازہ میں شریک تھے۔آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔اور صحابہ جمع ہو گئے۔آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔اس سے زمین کریدنے لگے۔پھر فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔جس کی جگہ جنت یا دوزخ میں لکھی جا چکی ہو۔ایک شخص نے کہا تو ہم اپنے تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں۔جو شخص سعادت مند ہوگا۔وہ خواہ مخواہ سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا۔اور جو شخص بدبخت ہوگا۔وہ بدبختوں سے مل جائے گا آپؐ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور بدبخت وہ ہیں جن کے ظرف شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔

شگفتہ مزاجی

رسالت کی صحبتیں نبوت کی مجلسیں ہدایت وارشاد۔پند ومواعظ کے ذکر واذکار کے خشک وسادہ جلسے نہیں ہوتے تھے۔اور ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ان صحبتوں میں بیٹھنے والے ہمہ تن حزن وملال کی صورتیں بنے بیٹھے رہتے ہوں۔یا محض خوف زدہ رہ کر اور افسردہ خاطر ہو کر مجلس سے اٹھ جاتے ہوں۔اس میں شک نہیں کہ اس صحبت مقدس کے بیٹھنے والے اگرچہ نبوت کے جاہ وجلال سے پر ہو کر زانو سے اپنے سروں کو اوپر اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔لیکن تاہم وہ مواعظ رسالت کے ختم ہو جانے کے بعد آپس میں بیٹھ کر ہر قسم کی دینی اور دنیاوی باتیں کیا کرتے تھے۔یہ بھی ضروری نہیں تھا رسول صلعم وہاں تشریف لے جاتے ہوں تو یہ باتیں شروع کی جاتی ہوں۔نہیں آپ تشریف بھی رکھتے تھے۔ان کی باتوں کو سنتے بھی تھے اور کبھی کبھی خود ان کی باتوں میں شریک بھی ہو جاتے تھے۔

شبلی صاحب نے اس کی مثال میں دو واقعے لکھے ہیں۔جو میرے بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔وہ حسب ذیل ہیں۔

ایک دن آپ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی خدا نے کہا کہ کیا

تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی اس نے کہاہاں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیا ہو جائے ۔ چنانچہ انھوں نے بیج ڈالے فوراً دانہ اُگا ۔ بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا۔ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی ۔ جو زراعت پیشہ ہیں۔لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں ۔آپ نے ساختہ ہنس پڑے ۔

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں تباہ ہو گیا۔ارشاد ہوا کہ کیوں ! بولا میں رمضان میں نے بیوی سے ہم بستری کی ۔آپؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر دو ۔ بولے غریب ہوں ۔غلام کہاں سے لاؤں ،ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو۔ بولا یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو بولے اتنا مقدور نہیں ۔آپؐ نے فرمایا تو غریبوں کو خیرات کر آؤ۔عرض کی اسی خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں ۔آپؐ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تو خود ہی کھالو۔سیرۃ النبی 184

اسی طرح ایک بار موعظہ حسنہ میں بیان فرمایا کہ بہشت میں کوئی بوڑھی عورت نہ جائے گی ۔اتفاق سے ایک سن رسیدہ عفیفہ نے اس ارشاد کو سن لیا۔ وہ نہایت محزون وملول ہو کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی ۔ یا مولا ۔ میں تو ضعیف اور سن رسیدہ ہو گئی ہوں ۔اتنے دنوں میں جتنے اعمال حسنہ کیے اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت گزاری کی وہ سب کی سب بیکار گئی ۔اس لیے کہ بہشت تو ملے گی نہیں ۔ پھر کیا نتیجہ ہوا۔آپ نے تبسم زیر لب فرما کر ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں تم جوان ہو کر بہشت میں جاؤ گی ۔

اسی طرح ایک عورت سے گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی بڑی تعریف کرتی ہو ۔حالانکہ ان کی آنکھوں میں سفیدی ہے ۔اور آنکھوں کا سفید ہونا سخت عیب ہے ۔ وہ عورت سخت حیران ہوئی ۔گھر واپس آئی ۔اور اپنے شوہر کی آنکھوں کو آنکھ بھر کر دیکھنے لگی ۔شوہر بھی بی بی کی اس غیر معمولی ادا کو دیکھ کر متعجب ہوا اس سے سبب پوچھا تو اس نے واقعہ دہرایا ۔اب دونوں میاں بیوی خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے ۔ بتلا دیا جائے اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے ۔آنحضرت صلعم نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا مجھ سے کیا پوچھتی ہو اسی سے پوچھ لو کہ اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے یا نہیں ۔ یہ سن کر اب اس کا شوہر آپ کے لطف ارشاد سمجھ گیا۔اور ہنس کر بی بی سے کہنے لگا کہ چل ۔ بالکل سچ ہے وہ کون ایسا شخص ہے کہ جس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ۔جلاء العیون مجلسی ۔

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ بارگاہ رسالت کی مجالس ارشاد بھی مطالبات اور خوش طبعی کے ذکر و اذکار سے خالی نہیں رہتی تھیں ۔

مجالس مقدسہ کا حاضرین وسامعین پر اثر

ان مجالس مقدسہ کا حاضرین وسامعین پر ایک اثر ہوتا تھا یا ان موعظ وارشاد کو سن کر سننے والوں کے جذبات کی کیا کیفیت ہوتی تھی وہ شبلی صاحب کی مرقومہ ذیل عبارت سے پورے طور پر ظاہر ہے ۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمت رسولؐ میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو وہ حالت بدل جاتی ہے ۔آپؐ نے فرمایا اگر ایک سال اسی حال میں رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو

آتے۔ایک دفعہ حضرت حنظلہ خدمت رسولؐ میں آئے اور کہا یا رسول اللہ صلعم میں منافق ہو گیا میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ دوزخ وجنت کا ذکر کرتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔لیکن بال بچوں میں آکر بھول جاتا ہوں۔ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی یہ حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔سیرۃ النبی جلد دوم

خطابت

قرآن مجید اور وحی الٰہی کے اس مترجم کے کمال خطابت کا کیا کہنا۔جس کے الفاظ ارشاد وہدایت سے معمور ہوں۔جس مقدر قدرت کی سلاست ونفاست تقریری نے عرب کے بڑے بڑے زباندانوں کی زبانیں بند کر دی ہوں اور مشہور ومعروف خطیبوں اور شاعروں کے نام کمالات پر پانی پھیر دیا ہو جس کی طاقت زبانی اور صداقت بیانی نے بڑے بڑے ادبا اور قومی خطباء کو تصویر حیرت بنا کر سالت وصامت بنا دیا ہو اس کے کمالات مقالات کا زبان قلم سے خاکہ کھینچنا اور نمونہ دکھانا آسان نہیں ہے۔ان کا ارشاد خاص دانا فصح العرب والعجم ایسا صحیح اور درست دعویٰ تھا۔جس کو عرب کے تمام علماء فضلاء شعرا ادیب اور خطیب نے **سمعنا و اطعنا** کہہ کر تسلیم کر لیا پھر کسی ایک کو بھی اس کی صداقت وصحت میں مجال دم زدن باقی نہیں رہی۔علاوہ جامعیت اور منظر ادبیت کے متعلق زبان رسالت کا یہ اعلان کہ **بعث بجو امع الکلام** میں تو اصناف کلام کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ایسا جامع دماغ کلام ہے جس کو عرب کے تمام قبائل و عشائر کے ارباب زبان اور اصحاب بیان نے ایک بار نہیں متعدد بار اور متواتر مقامات پر آزما لیا۔اور خطبات رسالت اور مقالات نبوت کو اصناف جامعیت کے مطابق پایا۔

عام طور سے عرب میں دو قبیلوں کی زبانیں سب سے زیادہ مستند سمجھی جاتی تھیں۔قریش وہوازن کی زبانیں تمام عرب کی سرمایہ ناز تھیں۔جناب رسالت مآب ﷺ دونوں زبانوں پر قدرت کامل رکھتے تھے۔اور پھر ایسی کامل کہ دو قبیلوں کے زباندان آپ کی تقریر کے سامنے زبان نہیں کھول سکتے تھے۔اس بنا پر علی الاعلان ارشاد فرمایا جاتا تھا۔

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر

میں تم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لیے کہ میں قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد بن بکر کی زبان ہے۔

اس مقالہ مقدسہ اور دعویٰ مصدقہ میں بھی اپنی زبان قریش کو بنو سعد کی زبان پر اولیت اور مسابقت کا شرف خاص عنایت فرمایا گیا۔

ادائے خطابت

خطبہ دینے کا طریقہ بالکل سادہ ہوتا تھا۔عام فہم اور صاف صاف الفاظ میں تقریر کی جاتی تھی کلام میں نہ مبہم الفاظ لائے جاتے تھے اور نہ مغلق الفاظ اور نہ بیان میں استعارات وتلمیحات وتشبیہات سے کام لیا جاتا تھا۔جو عام تفہیم میں خواہ مخواہ ثقل پیدا کرے

اور ہر شخص کیلئے ارشاد و ہدایت کا سمجھنا دشوار ہو جائے۔ دوران تقریر میں ہمیشہ الفاظ شستہ آسان، صاف اور عام فہم استعمال فرمائے جاتے تھے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ لے، طرز بیان بھی ایسا خوش اسلوب اور مرغوب ہوتا تھا کہ سننے والے گھنٹوں کیا۔ دن بھر بھی سنتے رہ جائے تو ان کے دل نہ گھبرائیں اور مجلس سے اٹھنے کو جی نہ چاہے مجلس تقریر ختم بھی ہو جائے تو مزید سماعت کا شوق باقی رہ جائے۔

خطبات نبویہ کی ادا و اجرا کے لئے نہ کوئی اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ کوئی خاص انتظام نہ اس کیلئے کسی خاص سامان کی حاجت ہوتی تھی اور نہ کسی مختص تمہید و عنوان کی ضرورت مجالس خطبات میں عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق نہ دربان و پاسبان بیٹھتے تھے اور نہ چاؤش و درباب کھڑے کیے جاتے تھے بلا تامل ہر شخص کو مجالس خطباب میں حضوری کی اجازت حاصل تھی اور بلا تکلف ہر شخص بارگاہ رسالت مآبؐ کی مجالس موعظت و ارشاد میں باریاب ہو سکتا تھا کسی قوم و قبیلہ یا کسی مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہیں تھی نعمت ابدی کی دعوت عام تھی اور رحمت ازلی کا خوان نعیما تھا جس پر دوست دشمن سب جمع ہو کر یکساں فیضیاب ہوتے تھے۔

خطبات رسالت مآبؐ کیلئے جس طرح کسی سامان کی ضرورت نہیں تھی اسی طرح اسے کسی خاص مقام و مکان کی بھی احتیاج نہیں تھی سفر حضر مسجد، گھر کوئی جگہ اور مقام کیوں نہ ہو اجرائے ہدایت و ارشاد کیلئے سب موزوں تھے واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ اکثر سواری کے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے بھی جناب رسالت مآب ﷺ نے خطبات ارشا فرمائے ہیں۔ گروہ مخلصین نے وہیں حلقہ باندھ کر انتہائی خلوص عقیدت کے ساتھ مقالات حقیقت اور مکالمات ہدایت کی سماعت و اجابت کی ہے۔

طرز بین مضامین کی خصوصیت اور مناسبت کے لحاظ سے اکثر مختلف ہوا کرتا تھا۔ خطیب رسالت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ کی حیثیت اکثر موقعوں پر خاص ہوا کرتی تھی اس لئے کہ آپ مبلغ بھی تھے اور بشر بھی تھے معلم بھی تھے اور ناصح مشفق بھی، فاتح ممالک بھی تھے اور داعی مذہب بھی، سالار لشکر بھی تھے اور سردار قوم و قبائل بھی، خدا کے پیغمبر بھی اور دین و دنیا کے رہبر بھی، خدا کی رحمت خاص بھی تھے اور حاکم قتل و قصاص بھی ان خصوصیات مختلفہ کی غرض خاص سے جس موضوع خاص پر بحث فرمائی جاتی تھی ان کے ادا و اجرا میں ایک انداز خاص رکھا جاتا تھا جس کے باعث سے حاضرین و سامعین ارشاد اثر پذیری کے گہرے اور کامل جذباب محسوس کرتے تھے ان کے قلوب فوراً قبول کر لیتے تھے انہیں امور کو مدنظر رکھ کر اکثر خطبات میں باہمی مکالمات کا طریقہ اختیار فرمایا جاتا تھا اور سوال و جواب کی صورت میں مطالب ارشاد و ہدایت ادا فرمائے جاتے تھے۔

حنین سے واپس ہونے کے وقت جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا اس میں یہی ترتیب و ترکیب قائم رکھی گئی تھی۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں تمام مہاجر و انصار سے جو خطاب فرمایا گیا تھا اس کا آغاز **الست اولی المومنین من انفسهم** (کیا میں باعتبار نفس کے تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں) دونوں خطبوں میں تفصیل آتی ہے دوران بیان میں جذبات رسالت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ چہرہ آنحضرت گلگون ہو جاتا تھا آواز معمول سے زیادہ بلند ہو جاتی تھی انگشت مبارک بھی بار بار متحرک ہوتی جاتی تھی دست مطہر بھی رہ رہ کر مرتفع ہوتے جاتے تھے کبھی کبھی رحمت عالم کی جبین انور پر اس حالت خاص میں غیظ و غضب کے آثار بھی نمایاں

ہونے لگتے تھے۔ پیشانی نورانی پر شکنیں پڑھ جاتی تھیں ۔رخسار مبارک سُرخ ہوجاتے تھے سراپائے مبارک میں حرکت پیدا ہوجاتی تھی چشم ہائے مبارک بھی گلابی ہوجاتی تھیں اوراس عالم خاص کے اثر سے آپ بار بار جھومنے لگتے تھے اس انداز خاص سے اس وقت یہ پایا جاتا تھا کہ آپؐ معتقدین کے گروہ کوموعظت نہیں فرماتے بلکہ ایک عظیم الشان فوج کوکسی سخت اوردشوارمہم کے سرکرنے پرآمادہ اور تیار فرمارہے تھے۔

تعلیم دینیات اورمعارف الٰہیات کے بتالانے سکھلانے اورسمجھانے کے موقع پرخوف الٰہی اورخشیۃ لامتناہی کا یہ عالم خاص ہوتا تھا کہ جسم مبارک میں رعشہ پڑ جاتا تھا۔ چہرہ گلگوں زرد ہوجاتا تھا عظمت وجلال الٰہی کے باعث کبھی دست مبارک سینہ پر رکھ لیتے تھے کبھی عذاب وعتاب کے تصور خاص میں آنکھیں بلند کر لیتے تھے سنن ابی ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی زبانی اس کی پوری تفصیل ذیل کے الفاظ میں تحریر ہے۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم علے المنبر ياخذالجبار سمواته وارضه بيدوقبض يده فجعل بقبضهاوبيطها قال يتمائل رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم عن يميه وعن شمالة حتى نظرت الى المنبر مجرك من اسفل شى منه حتى انى القول اساقط هوبرسول اللّٰه صلى الله واٰله وسلم

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوخطبہ دیتے سنا فرماتے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان وزمین کواپنے ہاتھ میں لے گا یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کبھی کھول لیتے تھے آپ کا جسم مبارک دائیں کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے منبر کودیکھا اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کولے کرگر تو نہیں پڑے گا۔(ابن ماجہ ذکرالمغیث)

یہ توآپ کے خاص جذبات تھے سامعین کی اثرپذیری کا یہ عالم تھا کان علی رؤسھم الطّیر گویاان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ اوروہ اپنا فرق اطاعت وساعت اوپر سے نیچے نہیں اٹھاسکتے تھے یہ دینیات کی تعلیم کا عالم خاص تھا اخلاقیات کی تعلیم خلق ومدارا شفاق واخلاق تسکین وتشفی ،دلجوئی وخوشخوئی کے الفاظ ومضامین ارشاد فرمائے جاتے تھے کہ مخالف سے مخالف اوردشمن سے دشمن کے دل بھی ان کی اجابت وقبولیت کیلئے کشادہ ہوجاتے تھے۔حنین سے واپسی کے وقت بعض جوانان انصار کی تیزطبعی نے تقسیم غنائم میں عذروتامل کیا آنحضرت صلعم کو پہلے توان کی سرفروشی اورجان بازی سے خلاف امیدان واقعات پرکسی قدرملال ہوااس بناپر نبوت کے پورے جلال میں عنوان خطبہ میں تمام انصار کو مخاطب فرماکر یہ الفاظ فرمائے:

يامعشر الانصار الم اجد كم ضالا فهدا ا كم الله بى و كنتم منفرقين فاتقكم اللهُ

بی وعالة واغنا کم الله بی

اے گروہ انصار کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمھیں ہدایت دی تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تم مجتمع کر دیا تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

اس ارشاد کا انصار پر بڑا اثر ہوا کہ وہ فرق اطاعت زانوئے ادب جھکائے سنتے تھے اور ہر ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے ان اللہ رسولہ خیر الامین اللہ اور اس کا رسول بہتر امین ہیں۔ جب یہ جواب گوش در رسالت ہوئے تو دم کے دم میں وہ پہلے کا عالم بدل گیا نہ چہرے پر حزن وملال تھا نہ ان کی تعریض وعذر کا خیال، غیظ وعتاب کی جگہ رحمت عالم کی جبین انور پر ایک عجیب شرم وحجاب کا رنگ تھا۔ رحمتِ عالم اس وقت رحم مجسم تھے اور انصار سے بلا تامل وتکلف ارشاد فرمایا تم میرے اس جواب کے ارشاد میں کیوں نہیں کہتے کہ اے محمدؐ آپ تو اس حالت میں ہم لوگوں کے پاس آئے تھے کہ تمام لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے ہم نے آپ کی تصدیق کی آپ کا جس وقت کوئی مددگار نہیں تھا۔ ہم نے آپ کی مدد کی آپ گھر سے نکال دیئے گئے تھے ہم نے آپ کو گھر دیا آپ محتاج تھے ہم نے آپ کی دلداری کی اور غمخواری کی، انصار کے منہ سے ممکن تھا کہ یہ الفاظ نکلیں اگر چہ وہ حقیقت میں ڈوبے کیوں نہ ہوں وہ آپ کے ارشاد سنتے رہے اور دست ولب بستہ بنے بیٹھے رہے آپ نے تھوڑی دیر تک ان جوابات کا انتظار دیکھا جب کسی کے منہ سے کوئی صدا نہ نکلی تو آپ نے ان کی اصل شکایت کی نسبت ارشاد فرمایا:

اترضون ان تذهب الناس بالشاة والبعير وتذهبون بالنبی صلی الله علیه وآله وسلم الی رحالکم فوالله لما تنقلبون به خير ممّا يقلبون

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھروں میں جائیں اور تم خود پیغمبرؐ کو لے کر اپنے عیال میں جاؤ۔ خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جن کو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔ (بخاری غزوہ حنین، حیات القلوب)

زبان رسالت مآبؐ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ انصار نے فرداً فرداً رضینا یارسول اللہ رضینا یارسول الله کی صدائیں بلند کیں۔

فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا اس شاندار الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالکل فاتحانہ حیثیت بتلا رہے ہیں۔

لا اله الا الله وحده لا شريك له صدق عده و انصر عبده وحز الاحزاب وحده الا کل ماثرة ودم ومال يدعی فهو تحت قدمی هاتين الا سدانة البيت وسقاية الحاج جآءَ الحقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْ قَ یامعشر قريش ان الله قد واذهب عنكم

نخوۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بالاباء الناس من ادم وادم من تراب

ایک خدا کے سوا دوسرا خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں قوم کفار کو توڑ دیا ہاں تمام خون بہا آج سب میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں حق اپنے مرکز میں آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور و نصب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

مندرجہ بالا خطبات رسالت مآبؐ سے جن کو ہم نے تمثیلاً لکھ کر دکھایا ہے آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیت اور اس کے مطابق آپ کے ارشاد کے مختلف الفاظ ان کے اداو اجرا کے مختلف اور جداگانہ انداز پورے طور سے ظاہر ہوتے ہیں اور ذات مقدس رسالت مآبؐ کا علم اللسان والبیان کے کمالات کا مجموعہ ثابت کر رہے ہیں داخلہ مدینہ کے وقت جو پہلا خطبہ بنی سالم کے محلہ میں جمعہ کے روز ارشاد فرمایا گیا وہ تمام اسلامی معتقدات، عملیات اور مواعظ و نصائح کا تیار مجموعہ ہے وہ حسب ذیل تاریخ طبری سے نقل کیا جاتا ہے۔

خطبة رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم فى اول جمعة جمعها بالمدينة فى بنى سالم بن عوف الحمدلله احمده واستعينه واستغفره استهديه واومن به ولا اكفره واعادى من يكفره واشهدان الااله الاالله وحده لاشريك له وان محمد اعبده ورسوله ارسله بالهدى والنور والموعظة على فتره من الرسل وقلة من العلم وضلالة من الناس وانقطاع من الزمان ودنومن الساعة وقرب من الاجل من يطع الله ورسوله فقدرشدو يعصهما فقدغوى وفرط وضل ضلالاًبعيدا اوصيكم بتقوى الله فانه خيرما اوصى به المسلم لمسلم يختصه على الاخره وان يأمره بتقوىٰ الله فاجذره احاحذركم الله من نفسه ولاافضل من ذلك ذكراوان تقوىٰ الله لمن عمل على وجل ومخالفة من ربه عون صدق علےٰ ماتبغون من امر الاخرة ومن يصلح الّذى بينه وبين الله من امره فى السر والعلانيةً لاينوى بذلك الاوجهه الله يكن له ذكرافى عاجل امره وذخرافى مابعد الموت حين يفتقر المرء الى ماقدم وماكان سوى ذلك يودلوانّ بينه وبينها امدٰبعيد اوريحذركم الله نفسه والله رؤف بالعبادوالذى صدق قوله وانجدوعده لاخلف لذلك فانه يقول عزوجل فاتقوالله فى عاجل امركم واجله فى السر والعلانية فانه من يتق الله يكفرعن

سيئاته ويعظم له احرارامن يتق الله فقدفازفوزاعظيماوان تقوى الله يوقى مقته ويوتى عقوبته ويوق سخطه وان تقوىٰ الله تبيض الوجوه ويرضى الرب ويرفع الدرجة خذوام خظكم ولاتقر طوافى جنب الله قدعلمكه الله كتابه ونهج لكم سبيله ليعلم الذين صدقون يعلم الكاذبين فاحسنوا كما احسن الله اليكم ومادوا عادالله وجاهدوا فى الله حق جهاده وهواجتبا كم وسما كم المسلمين ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينه ولاقوة الابالله فاذكرو اذكرالله واعلموا المابعدااليوم فانه من يصلح مابينه وبين الله يكفه الله مابينه وبينه الناس واليقضون عليه ويملك من الناس ولايملكون منه الله اكبرولاقوة الابالله العلى العظيم

رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلے خطبہ جمعہ کا جو مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عوف میں ارشاد فرمایا گیا۔حمد وستائش خدا کیلئے ہے اس کی حمد کرتا ہوں ، مدد بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں میرا ایمان اسی پر ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت کرتا ہوں میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں محمدؐ اللہ کا بندہ اور رسولؐ ہے اس نے تم میں ہدایت نور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا ہے جبکہ مدتوں سے کوئی رسول زمانہ میں نہیں آیا تھا،علم گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی، وہ آخری زمانہ میں قیامت کے قریب اور موت کے نزدیک بھیجا گیا ہے جو کوئی خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہو وہی راہ یاب ہے اور جس نے اس کا حکم نہ مانا وہی بھٹک گیا۔ درجہ سے گرگیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا۔مسلمانو! میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں بہترین وصیت جو مسلمان مسلمان کو کرسکتا ہے یہ کہ اسے آخرت کیلئے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کیلئے کہے لوگوں میں بہودہ باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنے کو کہا ہے ان سے بچتے رہو۔اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے یادرکھو کہ امور آخرت کے بارے میں اس شخص کیلئے جو خدا سے ڈر کر کام کررہا ہے تقویٰ بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ اور ظاہر میں درست کرلے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہوئی تو ایسا کرنا اس کے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد (جب انسان کو اعمال کی ضرورت وقدر محسوس ہوگی ذخیرہ بن جائے گا۔لیکن اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا (تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے) انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال

اس سے دورہی رکھے جائیں، خداتم کواپنی طرف سے ڈراتا ہے اوراپنے بندوں پرنہایت مہربان ہے اورجس شخص نے خداکے حکم کوسچ جانااوراس کے وعدوں کوپوراکیاتواس کی نسبت یہ ارشادالٰہی موجود ہے ۔ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اورہم اپنے ناچیز بندوں پرظلم نہیں کرتے مسلمانو!اپنے موجودہ اورآئندہ ظاہراورخفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کومدنظررکھو۔کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑدی جاتی ہیں اوراجر بڑھادیا جاتا ہے۔تقویٰ والے وہ ہیں جوبہت بڑی مرادکوپہنچ جائیں گے۔یہ تقویٰ ہے اسے جواللہ کی بیزاری عذاب اورغصہ کودورکردیتا ہے یہ تقویٰ ہی ہے جوچہرہ کودرخشاں پروردگارکوخوشنوداوردرجہ میں بلندکردیا جاتا ہے۔مسلمانو!خط اٹھاؤمگرحقوق الٰہی میں راست اورسچوں اورجھوٹوں کوالگ الگ کردیا جائے۔لوگو!خدانے تمہارے ساتھ اچھااورعمدہ برتاؤکیاہےتم بھی لوگوں کے ساتھ ایساہی کرواورجوخداکے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو۔اوراللہ کے رستہ میں پوری ہمت اورتوجہ سے کوشش کرو۔اس نے تمہیں برگزیدہ بنایااورتمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک ہونے والابھی روشن دلائل پرہلاک ہواورزندگی پانیوالابھی روشن دلائل پرزندگی پائے اوریہ سب کچھ اللہ کی مدد ہے۔لوگو!اللہ کاذکرکرو آئندہ زندگی کیلئے عمل کروکیونکہ جوشخص اپنے اورخداکے درمیان معاملہ درست کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اورلوگوں کے درمیان معاملات کودرست کردیتا ہے ہاں خدابندوں پرحکم چلاتا ہے اوراس پرکسی کاحکم نہیں چلتا۔خدابندوں کامالک ہے اوربندوں کواس پرکوئی اختیارنہیں ہے خداسب سے بڑاہےاورہمیں نیکی کرنے کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعدجوپہلاجمعہ آیااس میں بروایت ابن اسحٰق حمدوثناءالٰہی کے بعدذیل کاخطبہ ارشادفرمایاگیا:

امابعد ایھاالناس فقدمواالانفسکم تعلمن واللہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمۃ لیس لھاراع ثم لیقولن ربہ لیس لہ ترجمان ولاحاجب لحجبہ دونہ الم یاتک رسولہ فبلغک واتیتک مالاافانضلت علیک فماقدمت لنفسک فلینظرن یمیناًوشمالاًفلایری شیئا ثم لینظرن قدامہ فلایری غیرجھنم فمن استطاع ان یتقی بوجھہ من النار ولوبشق من تمرۃ فلیفعل ومن لم یجدفبکلمۃ طیبۃ فبھاتجزی الحسنۃ بعشرامثالھاالیٰ سبع مائۃ ضعف والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ یآیھاالناس افشوالاسلام واطعموالطعام وصلوا والناس ینام تدخلوا الجنة والسلام

حمد وثناء کے بعد اے لوگوں اپنے لئے پہلے سامان کرلو تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کی قسم تم میں سے جب ایک شخص اپنے ہوش وحواس کھو چکے گا اور بکریوں (مال ودولت) کو چھوڑ جائیگا جن کا کوئی نگہبان نہیں ہوگا۔ پھر خدا اور اس کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہے اور نہ دربان ہے جو روکے گا۔ اس سے کہے گا کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا اور میرا پیغام نہیں پہنچا یا اور میں نے تجھ کو دولت نہیں دی اور تجھ کو حاجت سے زیادہ نہیں عطا کیا تو نے اپنے لئے پہلے کیا سامان کیا اس وقت وہ بندہ اپنے داہنے بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہ آئیگا۔ اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نظر نہ آئیگا۔ پس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ سہی۔ کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو اس کو ایک اچھی خوش اخلاق کی بات ہی سہی۔ کیونکہ ایک نیکی کے بدلے دوگنا نہیں بلکہ سات سو گونا دیا جائے گا تم پر خدا کی سلامتی ہو اور اس کی رحمت وبرکت نازل ہو۔ لوگو! اسلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو نماز پڑھا کرو جب لوگ سویا کریں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جایا کرو گے۔

پھر دوسرے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد ہوا۔

الحمدلله احمد ہ واستعینہٗ ونعوذباللہ من شرورانفسناومن سیئات اعمالنامن یھدی الله فلامضل له ومن یضلل فلاھادی له واشھدان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریك له ان احسن الحدیث کتاب الله قدافلح من زینه الله فی قلبه وادخله فی الاسلام بعد الکفرفاختارہ علی ماسواہ من احادیث الناس انه احسن الحدیث وابلغه احبوااماحب الله ،احبواللہ من کل قلوبکم ولاتملولاکلام الله وذکرہ ولانفس عنه قلوبکم فاعبدواللہ ولاتشرکوابه شیئاواتقوہ حق تقاته صدقوااللہ صالح واتقولون باتواھکم وتحابوابروح الله بینکم ان الله یغضب ان ینکث عھدہ والسلام علیکم

خدا کی حمد ہو۔ میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے ذہن میں اپنے نفس کی برائیوں سے اور اپنے اعمال کی

خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے اسے کوئی رہنمائی نہیں کرنے والا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہی تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے بہترین کلام، خدا کی کتاب ہے کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو اللہ نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا۔ بس اس نے انسان کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پُراثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو اور خدا کی دل میں محبت رکھو اور اس کے ذکر اور کلام سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سے سخت نہ ہوں پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور اس سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے سچی بات کہو اور آپس میں ایک دوسرے کو ذات الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے جو کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے خدا کی تم پر سلامتی و برکت اور رحمت نازل ہو۔

الٰہیات کی تعلیم اور علمیات کی تلقین و تدوین کی خاص ضرورتوں کے علاوہ کبھی کبھی خاص موقع کی مناسبت و ضرورت کے لحاظ سے بھی خطبہ دیا جاتا تھا اور اس کے مضامین اس کی حقیقت ماہیت اور پوری اصلیت ارشاد فرمائی جاتی تھی اور انہیں مضامین کے ساتھ قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور خالق برحق کی صفت واضحہ کی آیات کی حقیقت بھی کمال وضاحت سے بیان کی جاتی تھی۔

8 ہجری میں آپ کے شیرخوار صاحبزادے کی وفات فرمانے کا واقعہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے اتفاق سے ان کے انتقال فرمانے کے دن سورج گرہن واقع ہوا مخلصین کی خوش اعتقادی اپنی عقل کے مطابق اس کو صاحبزادے کی وفات فرمانے کا اثر سمجھی لوگوں کی یہ خوش فہمی آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ فوراً منبر پر تشریف لے گئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اما بعد ایها الناس انما الشمس والقمر ایتان من اٰیات الله وانهما لا یکسفان الموت احد من الناس مامن شئ لم ا کن رایته الاقد رأیته فی مقام هذا حتی الجنة والنار وانه قداوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنة الدجال فیوتی احد کم فیقال ماعلمك بهذا الرجل فامّا الموقن فیقول هو محمد هو رسول الله جآء بالبینت والهدی فاجبنا وطعنا وامّا المرتاب فیقول لاادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلت وانه عرض کل شئ توبجو نه فعرضت علی الجنة حتی لوتناولت منها قطفااخذته خقعرت یدی وعرضت علی النار فرأیت فیها امواة تعذب فی هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من حشاش

الارض ورأیت اباثما مه عمروبن مالك یجر قصبه فی النار وانهم کانوا یقولون ان الشمس والقمرلا یخسقان الاالموت عظیم وانه ایتان من ایات الله یریکموهما فاذا خسفا فصلوا حتی تنجلی

خدا کی حمد وثناء کے بعد لوگو! آفتاب وماہتاب خدا کی دونشانیاں ہیں وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے جس چیز کو پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا اس کو یہیں دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ گے۔ تم میں سے ہر شخص کے پاس ایک آنیوالا آئے گا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت صلعم کی نسبت کیا جانتے ہو یقین والے کہیں گے یہ محمدؐ ہیں۔ خدا کے رسولؐ ہیں جو ہدایتیں اور نشانیاں لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کر لیا اور ان کی پیروی کی اور متشکک کہیں گے میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنا وہ کہہ دیا۔ میرے سامنے وہ علم مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل ہو گے پس میرے سامنے جنت رونما کی گئی یہاں تک کہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا لیکن میرے ہاتھ رُک گئے دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو صرف اس لئے سزا دی جارہی تھی کہ اس نے ایک بار بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ چیز کوئی کھا لے میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمر بن مالک کو دیکھا یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب وماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ خدا کی دونشانیاں ہیں جب تم کہیں دیکھو تو نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ صاف ہو جائے

حجۃ الوداع کا آخری خطبہ ارشاد وہدایت کی تعلیم وتلقین کا وہ کامل اور مہتم بالشان دفتر ہے جو تمام اہل اسلام کیا دین و دنیا کے عملیات کا کافی دستور العمل جو شبلی صاحب نے اس کے بعض مقامات کے اقتباسات پیش کئے، حسب ذیل نقل فرمائے ہیں۔

حمد وثنائے الٰہی کے بعد اس کے تمہیدی الفاظ مضامین یہ ہیں۔

ایها الناس سمعها فانی لا ادری لعل لا القا کم بعد عامی هذا مو قفی هذانی شهر کم هذا فی بلد کم هذا

لوگو! سنو کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔

پھر بطور مکالمات کے یوں خطابت میں ہدایت فرمائی۔

اتدرون ای یوم هذا تالو الله رسوله اعلم قال فان هذا یوم حرام افتدرون ای

بلد هذا قالو الله و رسوله اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شهر هذا قالو الله ورسوله اعلم قال شهر حرام

کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہو۔ آپؐ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہے۔ پھر کہا کہ جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ و رسول کو اس کا علم ہو۔ آپؐ نے فرمایا بلد الحرام ہے۔ کہا جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے۔ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ شہر حرام ہے۔

جب اس طرح لوگوں کے دل میں اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا۔

ان الله حرم علیکم مآء کم واموالکم واعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدتکم هذا لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض

خدا نے تمہارا خون تمہارا مال تمہاری آبرو اس مہینے میں اس شہر میں اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا میرے بعد کافر نہ ہونا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارے۔

آپ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی۔

ان ربکم واحد وانّ اباکم واحد کلکم من اٰدم و اٰدم من تراب وان اکرمکم عند الله اتقاکم

تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں۔

شبلی صاحب نے اس خطبہ کا اچھا انتخاب نہیں کیا۔ اس کے بہت سے مفید مطالب پر نظر نہیں فرمائی۔ آپ سے بہتر انتخاب صاحب رحمۃ العلمین کا ہے۔ ہم ان کے چند انتخابات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

الا کل شئ من امر الجاهلیه تحت قدمی موضوع وان اول دم اضع من دمآئنادم ابن ربیعة بن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلته هذیل وربا الجاهلیة موضوعة و اول ربا اضع ربانا عباس بن عبد المطلب نانه موضوع کله

لوگو! جہالت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو اپنے خاندان کا ہے۔ یعنی ربیعہ ابن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ

پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مارڈالا۔ میں چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود جو اپنے خاندان کا میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا۔

عورتوں کے استحقاق کی حفاظت اوران کے مراتب کی عصمت کی نسبت ارشادہوا۔

فاتقو الله فی النساء فا نکم اخذ تمو ھن باما ن الله وا ستحللتم فرد جھن بکلمة الله ولکم علیھن الا یوطئن فروشکم احد تکو ھونه فان فعلن ذلك فا ضر بو ھن ضر باً ا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن و کسو تھن بالمعروف

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے ان کو تم نے اپنی بیوی بنالیا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ نہ اپنے بستر پر کسی غیر کو اس کا آنا گوارا ہے نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو تکلیف دہ نہ ہو عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔

شبلی صاحب نے اخلاقیات کی تعلیم کے متعلق صرف ایک خطبہ نقل کیا ہے۔ جس کو انھوں نے رد بدعت اور اعتصام بالسنتہ کے عنوان سے مندرج فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

انھا اثنتان الکلام و الھدی فا حسن الکلام کلام الله واحسن الھدی ھدی محمد الاوایا کم محد ثات الا مو ر فان شر الا مور محد ثا تھا و کل محدثة بدعه و کل بدعة ضلالة الالا یطولون علیکم الا مد فیقسو قلوبکم الاماھوات قریب وان البعیدما الیس یات الا انما اشقی من شقی فی بطن امه مالسعید من وعظ بغیره الا ان قتال المومن کفر و سبابه فسوق ولا یحل لمسلمیھجر اخا ہ فوق ثلاث لا وایا کم وفالکذب

صرف دو باتیں ہیں۔ قول اور عملی طریقے۔ تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے طبی اور عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے خبر دار مذہب میں نئی باتوں سے بچو۔ نئی چیز لینا بدترین چیزوں میں ہیں۔ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، تم کو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو۔ کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں۔ جو چیز آنے والی ہے وہ بہت قریب ہے دور وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے۔ بد بخت اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت ہوتا ہے

۔خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرتا ہے۔خبردار مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔اور اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زائد اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔

ایک بار خطبہ میں تعلیم اخلاق کی ان الفاظ میں تعلیم ہدایت فرمائی گئی۔

ایا کم والظن فان الظن کذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تباغضوا ولا تدابروکونوا اللہ اخوانا من کان یومن باللہ والیوم الاخر ولا یوذ جارہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم صیفة

خبردار بدگمانی کو اپنی عادت نہ بنانا۔بدگمانی میں جھوٹ ہوتا ہے۔دوسروں کی باتوں پر کان نہ لگاؤ۔اور ان کے عیب نہ تلاش کرو۔کسی سے روگردانی نہ کرواے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بن کر رہو جیسا کہ سب اللہ کے بندے ہیں جو کوئی اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دیا کرے جو کوئی شخص خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کیا کرے۔

دوسرے خطبہ میں ارشاد ہوا۔

اذا نظر احد کم الی من فضل علیہ وا لمال وا لخلق فلینظر الی من ھو اسفل منه لیس الشدید بالصرعة انما الشدید من یملك نفسه عند الغضب

اگر ایسے شخص پر تمہاری نظر پڑے جو مال اور حسن میں تم سے بڑھ کر ہے تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو ان چیزوں میں تم سے کم تر ہے شہزور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے۔شہزور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔

معاذ بن جبل اور ابوموسی الاشعری کو یمن میں تبلیغ پر مامور فرما کر روانہ کرتے وقت یہ اخلاقی موعظت فرمائی گئی۔

یسرا ولا تعسر اوبشرا ولا تنفرا وتطاوعا

لوگوں کے لیے آسانی پسند کرنا انھیں سختی میں نہ ڈالنا خوشخبری اور بشارت انھیں سنانا۔دین سے نفرت نہ دلانا اور آپس میں مل جل کر رہنا۔

ایک بار منافق کی ماہیت ان الفاظ میں بیان کی گئی

چار خصلتیں ہیں جس شخص میں وہ منافق ہے۔اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت بھی اس میں ہے تو سمجھو کہ نفاق کی ایک

علامت اس کے اندر موجود ہے۔

ا۔بولے تو جھوٹ بولے۔

۲۔وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

۳۔عہد کرے تو پورا نہ کرے۔

۴۔جھگڑنے لگے تو فحش بکنے لگے۔

ایک دوسرے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

للمؤمن کا لبنیا ن یشد بعضاً بئضا وشبك بین اصا بعه المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہٖ لا یومن احد کم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسهٖ

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کہ بنیاد کی اینٹیں ایک سے دوسرے کو قوت ملتی ہے پھر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔یعنی مومن اس طرح ملے جلے رہتے ہیں ۔مسلمان وہ ہیں جن کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں کہا جا سکتا ۔جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یہ بھی ہوا۔

ان یحب المرء لا یحبه الا الله

کسی بھائی سے محبت اللہ کیلئے کرے۔رحمۃ العالمین 393۔

غزوہ تبوک سے جسے جیش العسر بھی کہا جاتا ہے۔واپسی کے وقت جو طولانی خطبہ ارشاد فرمایا وہ پند و حکمت کا دفتر ہے۔اس میں سے حسب ذیل فقرات اخلاقیات کی اصلی تعلیم کے متعلق خاص طور پر ارشاد فرمائے گئے۔

سباب المؤمن فسوق و قتا له کفر و اکل لحمه من معصیة الله و حرمة ما له کحرمة دمه ومن یتالی علی الله یکذبه ومن یغفر یغفر له ومن یعف یعف الله عنه ومن یکطم الغیظ یا جرہ الله ومن یصبر علی الرزیة یعوضه الله ومن تتبع السمعة بسمعه الله ومن یصبر یصف الله له

مومن کو گالی دینا فسق ہے مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون، جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا اسے جھٹلاتا ہے۔جو

کسی کا عیب چھپاتا ہے خدا اس کے عیوب چھپاتا ہے۔ جو معافی دیتا ہے اسے معافی دی جاتی ہے جو غصہ کو پی جاتا ہے اسے اجر دیتا ہے۔ جو نقصان پر صبر کرتا ہے اسے عوض دیتا ہے جو چغلی کو پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے جو صبر کرتا ہے خدا اس کے مراتب میں اضافہ کرتا ہے۔ بحوالہ رحمۃ العالمین، اسناد بیہقی۔

الٰہیات کے متعلق ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد ہوا۔

ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط ویرفعہ یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل حجابہ النور (صحیح مسلم)

ہاں خدا سوتا تو نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے۔ رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے خدا کا پردہ نور ہے۔

حقیقت میں ان خطبات مقدسہ کی تاثیرات خالص اعجاز تھی اور کامل کرامات فقرہ فقرہ جذبات روحانی سے لبریز تھا اور چشمہ حکمت ربانی سے گہر ریز۔ کلمہ کلمہ پر سننے والے کبھی پر جوش ہو جاتے تھے اور کبھی مدہوش۔ اثر پذیری کے مختلف عالم ہوتے تھے۔ کبھی فیوض ارشاد قلوب سامعین پر مسرت ابدی کا وہ عالم پیدا کرتے تھے کہ دل شاد و خرم ہو جاتے تھے۔ اور کبھی بیانات صداقت و حقیقت کا یہ رنگ ہوتا تھا کہ تمام معتقدین کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔

خطبات مقدسہ کا اثر

ایک بار کا واقعہ ہے کہ مکہ میں سورہ النجم کی چند آیاتوں کی تلاوت فرمائی گئیں۔ سامعین کے قلوب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ مسلمان تو مسلمان کفار تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سب کے سب سجدے میں فوراً گر پڑے۔

اثر پذیری کا ایک اور واقعہ ایک عقیدت مند صحابی کی زبانی ترمذی اور ابوداؤد میں یوں منقول ہے۔

و عظنا رسول اللہ یوما بعد الصلوۃ الغداۃ موعظۃ بیغۃ ذر فت منھا العیون وو جلت منھا القلوب

صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا موثر وعظ فرمایا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ایک احد تاثیر مواعظ کی کیفیت اسماء بنت ابی بکر کی زبانی یوں مرقوم ہے۔

قام رسول اللہ صاعد خطیبا فذکر فتنہ القبر الھتی یفتتن بھا المرء فاما ذکر ذلک ضبح المسلمون ضجۃ

آنحضرت خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔ والذی نفسی بیدہٖ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمیں بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات کی کھا رہے ہیں۔ سیرۃ النبی جلد دوم

عبادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

ہمارے موجودہ موضوع تالیف کا یہ وہ مہتم بالشان عنوان ہے۔ جو حقیقت میں فطرت رسالت اور خلقت نبوت کے شایان شان ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لینا چاہیے کہ عبادت ہی کی تعلیم واجرا کے لیے انبیا و مرسلین کی بعثت و رسالت ہوئی اور خاص کر ہمارے پیغمبر اکرم سرور عالم نے خاتم النبین و مرسلین ہونے کی مرتبت مخصوص کے لحاظ سے تو عبادت کے تمام حقیقی اور اصلی طریقوں کی تعلیم و ہدایت کو اپنے ذاتی عملیات کے اسوہ حسنہ دکھلا کر تمام کر دیے۔ اس فخر روز گار عبادت گذار کی عبادت کا کیا کہنا۔ جس کی کثرت عبادت کو دیکھ کر آخر معبود حقیقی کو شفقی کا حکم دینا ہوا۔ اس طاہر کی طہارت و عصمت کا کیا ذکر۔ جس کو مبدر قدرت سے طٰہٰ کا خطاب خاص آیا۔ انبیا و مرسلین سابق کے طریقہ عبادت ہمیں کسی تفصیل سے معلوم نہیں ہوئے۔ جس قدر معلوم ہوئے وہ بالکل ناکافی ہیں۔

توریت میں یوں تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے حالات مندرج ہیں۔ مگر ان میں سے کسی بزرگوار کا طریقہ عبادت نہیں بتلایا گیا۔ قبقہ الزمان میں جو عملیات سے امت کے طریقے یا اسباب پرستش کی تفصیل ہے۔ وہ زیادہ تر قربانی کی ترکیبات مختلفہ کی تعلیمات ہے۔ اس کے کچھ اور نہیں۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام اور ان کی ذریات طاہرہ کے طریقہ عبادت جو زیادہ تر یہودیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اور جن کو سرسید احمد خان نے خطبات میں نقل فرمایا ہے وہ تو معاذ اللہ قریب قریب سنگ پرستی کے ہے۔ جو کسی طرح انبیاءؑ کا طریقہ عبادت گذاری نہیں ہوسکتا۔ ہم نے گذشتہ جلد میں اس کی پوری تنقید کر دی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے طریقہ عبادت کی صرف اتنی تفصیل پائی جاتی ہے کہ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان ذوات مقدسہ کے خلاف ہمارے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ عبادت۔ تکبیر و تہلیل، قیام وقعود۔ رکوع و سجود اور تمہید و تسبیح کا کامل مجموعہ ہے۔ اور بڑی مسرت و مفاخرت کا باعث تو یہ ہے کہ معتقدین نے آپ کے شبانہ روز عبادت و ذکر الٰہی کے تمام طریقے ایک ایک کر کے اس وقت سے لے کر اس وقت تک محفوظ رکھے ہیں۔ جو تمام اہل اسلام کے لیے اس وقت سے لے کر قیامت تک ایک رہبر صادق اور ہادی کامل کا کام دیتے ہیں۔

اس سے قبل پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ قبل از رسالت بھی آپؐ عبادت الٰہی میں مشغول و مصروف رہا کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر علامہ عینی کے مطابق فکر و عبرت پذیری تھی جس کو اصطلاح محدثین میں تحنت کہتے ہیں۔ بقول شبلی صاحب یہ وہی عبادت تھی جو

آپ کے دادا حضرت ابراہیمؑ نے اختیار کی تھی اور گذشتہ جلد میں لکھ کر بتلا دیا گیا ہے کہ رسالت کے ساتھ ہی ساتھ آپ کو طریقہ عبادت کی بھی تعلیم دی گئی تھی۔اس وقت سے وہی آپؐ کا طریقہ عبادت قائم ہوا۔مگر بات یہ تھی کہ آپ ظالمان قریش کے خوف و دہشت۔اس طریقے کی عبادت کو اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔اس لیے آپؐ نماز کے وقت پہاڑ کی گھاٹی اور دروں میں چلے جاتے تھے اور چھپ کر معبود حقیقی کی عبادت ادا فرماتے تھے۔شبلی صاحب اس زمانہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔اتفاق سے ابو طالب آ نکلے۔انھوں نے دیکھا تو پوچھا۔بھتیجے یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔

ایک اور واقعہ قریب قریب اسی زمانہ کا اکثر کتابوں میں مرقوم ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار آپؐ اور حضرت علیؑ درہ کوہ میں چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے۔حضرت ابی طالب اپنے منجھلے صاحبزادے حضرت جعفر کے ہمراہ ادھر سے گزرے۔دونوں صاحبوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر جعفر سے فرمایا کہ علی محمدؐ کے داہنے طرف کھڑے ہیں تم جا کر بائیں جانب کھڑے ہو جاؤ۔

یہ واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ ایسے خوف جان کے خاص اوقات میں بھی وہ مقتدائے امت اور شیدائے عبادت اطاعت معبود سے غافل نہیں رہے۔لیکن اس دلدادگی اور عام شیفتگی سے بھی اشقیائے قریش ذرا بھی اثر پذیر نہ ہوئے۔اور اجرائے شقاوت و بے رحمی کے خیال سے ہمیشہ آپ کے تجسس و تلاش میں سرگرم رہے۔ایک بار اطاعت الٰہی میں مصروف پا کر گلوئے مبارکہ میں چادر لپیٹ کر بل دینے لگے۔یہاں کہ دم خفگی کا عالم آپؐ پر طاری ہو گیا۔مگر سبحان اللہ و بحمدہ آپ کے استغراق عبادت اور نہاک فی الاطاعت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

آپ کے حالات نماز کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ گویا آپ کا تمام وقت عبادت و ذکر الٰہی میں تمام ہوتا تھا مشکل سے اور مشاغل کیلئے وقت بچتا تھا۔علامہ مجلسیؒ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اسناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت عبادت کا ایک واقعہ ذیل کی عبارت میں نقل فرماتے ہیں۔

درحدیث معتبر از حضرت امام زین العابدین صلوات اللہ علیہ حدیث معتبر میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے

منقول است کہ فرمود پدر و مادرم فداے جدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادکہ بآن منزلت کہ اوراانزدحق تعالے ہم رسیدہ وآن وجدہائے کراست کہ باواداوہ شداہتمام وسعی دربندگی خداترک نہ کردہ تااینکہ ساق پائے مبارکش بادکردہ وقدم محترمش ورم کردہ پس گفتندباآنحضرت صلعم کہ چراانبقدربخودتعب میفرمائی وہ حالانکہ کداگناہ گذشتہ وآئندہ تراآمرزیدہ است فرمودکہ آیابندہ شکرکنندہ خدانباشم (حیات القلوب ص 119)

کہ فرمایا آپ نے! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باوجود ان مراتب جلیلہ

کے جو منجانب خدا آپ کو تفویض فرمائے گئے تھے اور باوجود ان مراتب کے جو آپ کی عطا کئے گئے تھے آپ نے تاہم اہتمام خاص اور شہنشاہئے بلیغ تمام عمر خدا کی عبادت میں ترک نہ فرمائی یہاں تک کہ کثرت عبادت سے آپ کی پنڈلیاں اینٹھنے لگیں اور پایائے مبارک پر ورم آ گیا یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی کہ آپؐ اپنی جان پر اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ کے تو گناہاں گذشتہ و آئندہ سب کے سب معاف ہو چکے ہیں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں خدا کا بندہ شکر گزار نہ کہا جاؤں۔

جناب ام سلمہ سے آپ کے معمولات نماز کے متعلق منقول ہے کہ آپ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر کر کے اٹھ کر نماز میں مصروف ہو جاتے پھر اُٹھ بیٹھتے اور نماز پڑھتے غرض گھر میں صبح سے شام تک آپؐ کی یہی حالت رہتی۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آدھی رات کے بعد آپؐ اُٹھ کر روزانہ 13 رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے مگر تعداد رکعت میں 13 کی جگہ 9 رکعتیں بتلائی گئی ہیں نماز پنجگانہ فرائض کے ماسوا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنن و نوافل کی 39 رکعتیں روزانہ پڑھا کرتے تھے اس کی تفصیل شبلی صاحب یوں بتلاتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت چار چاشت کے قریب چھ ظہر کے ساتھ چھ عصر کے ہمراہ۔ دو بعد نماز مغرب اور پھر چھ وقت عشا اور تیرہ 13 تہجد و تر کی۔ یہ سب ملا کر مجموعہ 39 رکعتیں ہوئیں۔

نماز تہجد کے متعلق اکثر اقوال یہ آئے ہیں کہ یہ نماز آپ کے فرائض میں داخل تھی یوں تو آپ کی عبادت کے متعلق یہ قول تمام کتابوں میں خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ آپ جس نماز کو شروع فرماتے تھے پھر اس کو ترک نہیں فرماتے تھے۔ حالانکہ اس کے ترک کیلئے اُمت کو قضا کی تکلیف نہیں تھی سنت کی نماز بھی اگر کس وقت ترک ہوگئی تو اس کی قضا بھی مثل فرض کے ادا فرمائی گئی۔ حالانکہ امت کیلئے اس کی قضا کا حکم نہیں ہے ممکن ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض خدا کا حکم رکھتی ہو اور یہ احکام آپؐ کے خصائص مقدسہ میں داخل ہوں۔

شبلی صاحب نے قضائے سنت کی ادائیگی بطریقہ استمرار بتلایا ہے یعنی ایک بار آپ کی سنت کی نماز قضا ہوگئی تو آپ اس کو ہمیشہ ادا فرماتے رہے اس روایت کو آپ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کے مشاہدات سے بتلایا ہے ہمیں اس میں خاص تامل ہے اس لئے کہ سہو عموماً مناقض صفات رسالت ہے چہ جائیکہ عبادات و فرائضات میں۔ ان نمازوں کے علاوہ اور نمازیں بھی مثل داخلہ مسجد اور نذر و نحیت کی اگر روزانہ نہیں تو عام طور پر اکثر پڑھی جاتی تھیں۔ یہ مسلمات سے ہے کہ ان عبادات کے یہ اشتغال و انہاک رمضان کے مہینہ میں اور بڑھ جاتے تھے خصوصاً رمضان کے مہینہ بھر کی راتیں ادا سے نماز اور اذکار الٰہی میں بیدار رہ کر کاٹ دی جاتی تھیں اور تمام ازواج مطہرات اور اہل بیت کو جا جا کر عبادت گذاری اور شب بیداری کا حکم فرمایا جاتا تھا۔

ازواج سے ترک تعلق فرمایا جاتا تھا اور رمضان کے آخر دس روز مسجد میں بحالت اعتکاف کاٹ دیے جاتے تھے رمضان میں

جود و بخشش اور داد و دہش اور زیادہ وسیع ہو جاتی تھی گویا یقیمون الصلوۃ واتوالزکوۃ کے حکم کی کامل تعمیل کی جاتی تھی۔ مگر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ تعمیل بھی زیادہ ہماری تعلیم کی ضرورت پر مبنی تھی۔

تلاوت قرآن مجید

تلاوت قرآن مجید کا وقت عشا کے بعد بتلایا جاتا ہے سوروں کی تعداد مقرر کر لی گئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک قرآن میں پاروں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی اُسی کے مطابق روزانہ تلاوت فرمائی جاتی تھی۔ رمضان مبارک میں پورا قرآن تلاوت فرمایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ امین وحی حضرت جبریلؑ کی زبان سے پورے قرآن کی سماعت فرمائی جاتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں یہ بھی داخل تھا کہ طلوع فجر سے کچھ پہلے فرش خواب پر اٹھ بیٹھتے تھے اور قرآن مجید کی چند موثر آیتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کے خاص مشاہدات سے منقول ہے کہ ایک بار رات کو میں دولت سرائے رسالت میں آپ کے ہمراہ سویا میں نے دیکھا کہ آپ درمیان شب بیدار ہوئے بستر استراحت سے آنکھ ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے رات کی سناہٹ اور تاروں کی جھلملاہٹ میں نظر مبارک آسمان کی طرف اُٹھائی اور ذیل کے آیات قرآن تلاوت فرمائے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ (سورہ آل عمران)

آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان دانشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹتے ہوئے اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں غور و فکر کیا کرتے ہیں کہ خدایا تو نے یہ نظام عالم بے نتیجہ نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ خدایا جس کو تو

دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے رسوا کر دیا۔ گناہگاروں کا کوئی مددگار نہیں خداوندا ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو پکار کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لائے۔ خداوندا تو ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری برائیوں پر پردہ ڈال دے۔ اور نیکیوں کے ساتھ ہمیں دنیا سے اٹھا خداوندا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو۔ جنھوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور میری اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے ہیں۔ میں ان کے سب گناہوں کو مٹا دوں گا۔ اور ان کو جنت میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی۔ اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔

اس موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتا پا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اللّٰھم لك الحمد انت نور السموت و الارض ولك الحمد انت قیام السموت والارض ومن فیھن انت الحق ووعد الحق و قولك الحق و لقاءك حق والجنة حق والنار حق الساعة حق اللّٰھم لك اسلمت و بك امنت و علیك توكلت والیك انبت وبك خاصمت والیك حاكمت فا غفرلی ما قدمت وا خرت وا سررت و اعلنت انت الھی لا الہ الا انت(صحیح مسلم باب الدعا)

خداوندا تیری حمد ہو۔ تو آسمان و زمین کا نور ہے۔ تیری حمد ہو تو آسمان و زمین کا وجود ہے۔ تیری حمد ہو تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے۔ تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے۔ تیری بات حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے۔ جنت حق ہے دوزخ حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ خداوندا میں نے تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے تجھی پر ایمان لایا ہوں۔ تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہوں۔ تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ تو میرا اگلا پچھلا کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر۔ تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے۔ آپؐ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا۔ سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اپنے اس وسواس نفسانی میں مضطربانہ طریقہ سے میں ادھر ادھر تاریکی میں آپ کو ہاتھوں سے ٹٹولنے لگی۔ تو محسوس کیا۔ کہ آپ پیشانی مقدس کو زمین نیاز پر

رکھے ہوئے دعا و ثنا الٰہی میں مصروف ہیں۔ مجھ کو اپنی غلط فہمی پر سخت ندامت ہوئی اور دل میں کہا۔ سبحان اللہ میں کس خیال میں ہوں اور آپؐ کس عالم میں۔ اکثر اوقات رات کے سناٹے میں۔ آپؐ بستر خواب سے اٹھ کر باہر نکل جاتے اور جنت بقیع میں جا کر اموات مومنین کے لیے مطلب آمرزش فرماتے۔ ایک بار رات کے وقت اس غرض خاص سے بستر خواب سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ حضرت عائشہ تجسس حال کی غرض سے آپ کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ خود فرماتی ہیں کہ دیکھا تو آپ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔ تہجد کی نماز و دعا کے بعد آپؐ کبھی قدرے آرام فرماتے۔ یہاں تک کہ سونے میں خراٹے کی آواز آنے لگتی اسی اثنا میں سپیدہ صبح نمودار ہو جاتا۔ آپ بیدار ہو جاتے۔ صبح کی سنت ادا کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ مسجد میں جاتے وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری فرمائے۔

اللّٰھم جعل فی قلبی نورا فی لسانی نورا و اجعل فی سمعی نورا و اجعل فی بصری نور اوا جعل فی خلقی نورا من اما می نور اوا جعل من فوقی نورا و تحتی نورا واعطنی نورا

خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے آگے اور پیچھے نور پیدا کر اور مجھے نور عطا کر۔

رکوع اور سجدہ کے درمیان جو قیام کیا جاتا ہے ان میں عموماً کم وقفہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عمل رسالت اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ اس کے متعلق خود آپ کے خادم انس ابن مالک کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد 176

روزہ کے معمولات

روزہ کی حقیقت کے بیان میں شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

انبیا اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لئے تقلیل غذا بلکہ ترک غذا کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے۔ ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیاں مذہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعی اسلام کا طرز عمل اس باب میں افراط و تفریط کے بیچ میں تھا۔ روزہ کا فلسفہ حقیقتاً یہی ہے جو شبلی صاحب نے لکھا ہے ایک مدت دراز تک عیسائی متعصبین اور جدید علوم مغربیہ کے علما و طلبا صوم و صلوٰۃ کے عملیات کو جسم انسانی کی ایک بے ضرورت تکلیف سمجھتے تھے۔ اور اپنے گھروں میں ہنسا کرتے تھے۔ مگر زمانہ اور زمانہ کے خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ جس میں امتداد ایام کو زیادہ دخل ہے۔ مدت کے بعد تعصب اور خودغرضی کے جذبات کم ہونے لگے۔ تو یورپ کے عیسائی مؤلفیں باوجود اس کے کہ ان کی دہریت مادیت کی بدتر صورت میں منتقل ہوگئی ہے۔ اب اسلام کی عملیات فرائض کی خوبیوں کا خود اعتراف کرنے لگے۔ چنانچہ خاص روزے کے متعلق سرر چرڈ برٹن لکھتے ہیں۔

جو لوگ کہ اسلام پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ حقیقتاً واقعیت و اصلیت سے واقف نہیں۔ وہ غلط فہمانہ طور پر سمجھ کر تعریضاً

کہنے لگتے ہیں کہ اگر اسلام میں فریضہ معصوم وہ اہمیت رکھتا جس اہمیت اور شدت کے ساتھ یہ فریضہ ادا کیا جاتا ہے تو مومنین کے جسمانی قویٰ پر اس کا نمایاں اثر ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ اس قول کو دیکھ کو میں خیال کرتا ہوں کہ میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکثر لوگوں نے کثرت مال ودولت کی وجہ سے فرائض مذہبی کے سمجھنے کی عقل کھودی ہے اور یہ کچھ عیسائیوں پر منحصر نہیں ہے۔ ہر مذہب کی یہی کیفیت ہے۔ اس لیے اہل دولت کے لیے خدا کی سلطنت میں داخل ہونا کس قدر دشوار ہوگیا ہے۔ لکھنو بابت فروری 28

نماز کے بعد واجبات میں روزے کا نمبر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ کا نماز میں خاص اشتغال وانہماک اوپر کے واقعات سے معلوم ہو چکا ہے۔ آپ کے روزوں کی اہمیت معلوم کرنے کے لیے بھی وہی کافی ہے۔ جس کثرت سے آپ نماز میں پڑھتے تھے اسی کثرت سے آپ روزے بھی رکھتے تھے۔ رمضان المبارک کے پورے مہینہ کے علاوہ شعبان کا مہینہ بھر بھی آپ کا روزوں ہی میں گذر جاتا تھا۔ سال بھر کے بارہ مہینوں میں دو مہینے تو یوں کٹ جاتے تھے باقی مہینوں میں یہ حالت رہتی تھی کہ ہر مہینہ کے نصف اول یعنی تیرہ، چودہ، اور پندرہ کو جو اصطلاح محدثین میں ایام بیض کہلاتے ہیں۔ ضرور روزہ رکھتے تھے۔ یوں بھی وہ پیر اور جمعرات کو آپ صوم سے رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یوں بھی روزہ سے رہا کرتے تھے۔ علے الاکثر یہ ہوتا تھا کہ آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ غذا کے لیے کچھ طلب فرمایا معلوم ہوا کہ برکت ہے تو فرمایا کہ میں آج روزے سے ہوں۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی آپ صوم وصال سے بھی رہتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھا کرتے تھے۔ بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے۔ یا برائے نام کچھ کھا لیا کرتے تھے۔ صحابہ نے اس میں آپ کی اس میں تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں۔ اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انھوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کیے۔ آپ کو خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا۔ تیسرے دن چاند ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اگر مہینہ بڑھ سکتا تو یوں میں اتنے دنوں تک افطار نہ کرتا کہ ان غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے۔ ارشاد ہوا تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہی ہے جو کھلاتا ہے۔ ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں کہ تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے آپ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز فرماتے تھے۔ سیرۃ النبی دوم۔

زکوۃ

جناب رسالت مآبؐ کا خیرات ومتبرات کرنا تو آپ کی فطرت صالحہ اور خلقت مقدسہ کے خاص فیوض ثابت ہوتے ہیں۔ عام بخشش اور داد ودہش آپ کے خاص اوصاف تھے۔ اس وقت یہ اندازہ کرنا بالکل ناممکن ہے کہ آپ نے کرم وایثار میں کتنی رقم خدا کی راہ میں مستحقین کو عنایت فرمائی اور عام فقرا ومساکین کو عنایت فرمائی۔ اسی کے ساتھ تجسس وتلاش بھی بیکار ہے کہ رسول اللہؐ کے پاس اتنی رقم کثیر کہاں

سے آئی۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی یقین کر لینا ہو گا کہ خدا دینے والا تھا اور رسول لینے والے۔ جب خدا کے ایسا دینے والا تھا تو پھر کیا کمی تھی۔
شبلی صاحب زکوۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات و متبرات کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہ نے شہادت دی ہے۔ اسلام کے بعد آپ کی کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس نہیں رہنے دیتے تھے۔ جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ لیکن اس کے باوجود زکوۃ ادا کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیاؑ پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی۔ لیکن اصل یہ ہی ہے کہ زکوۃ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مطلق صدقہ وخیرات۔ اور اس بات میں جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے۔ دوسرا یہ کہ چاندی، سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار تعداد پر جو حالت اصلیہ سے زائد ہو اور سال بھر ایک مالک کے قبضہ میں رہی ہو۔ ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے۔ مصطلحہ زکوۃ کبھی آپ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گذر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آ گئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی۔ آپ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانہ قدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک کہ حضرت بلال نے یہ آ کر اطلاع نہیں دی کہ یا رسول اللہ صلعم غدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ جلد دوم ص 305

حج

جس نفس قدسی برکت نے ہزار ہا سال کی مدت مدیر کے بعد کفر وشرک کی آلائشوں سے بیت اللہ معظم کی صفائی پاکیزگی کی ہو اس کے متعلق اس کے ادائے مناسکات حج کی سعی و اہتمام کا کیا کہنا ادائے حج کی فضیلت جس کو دیکھنا ہو وہ کتب اعمال اسلامیہ میں آپ کے احکام وارشاد اور تاکید وتہدید دیکھ لے۔ اس عبادت خانہ ابراہیمی کی عظمت وحرمت ہمیشہ سے آپ کے دل میں جاگزیں تھی۔ بعثت سے پہلے بھی آپ حج ادا کیا کرتے تھے۔ مگر اس کی تعداد مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی۔ ابن اثیر نے قیاساً یہ لکھ کر بتلایا ہے کہ چونکہ معمولاً قریش ہر سال ادائے حج کیا کرتے تھے۔ اس لیے قرینہ غالب یہی ہے کہ آنحضرتؐ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ زمانہ رسالت میں بقول شبلی صاحب متفقاً صرف ایک حج ثابت ہوا جو 10 ہجری میں ادا کیا گیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ حج کے علاوہ متعدد عمرے آپ نے بجالائے۔ جن کی تعداد شبلی صاحب چار بتلاتے ہیں۔ ان تمام عمروں میں آپ کا عمرہ جس میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی معروف ومشہور ہے۔ عام مسلمین کو نہ زیارت خانہ کعبہ کا جیسا شوق دل سے لگا تھا وہ تحریری انداز سے ممکن نہیں۔ خود جناب رسالت مآبؐ کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ سب سے آگے بڑھے جاتے تھے۔

دوام ذکر الٰہی

محبوب الٰہی کا وقت ذکر الٰہی سے خالی ہو۔ بالکل فطری اور عادی دونوں سے بعید ہے۔ خداوند عالم مومنین خالصین کی تعریف کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

جو خدا کو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے، یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غوروفکر کرتے ہیں۔(آل عمران۔آیت 91)

جب مومنین مخلصین اس صفت سے موصوف بتلائے جاتے ہیں تو اس ذات قدسی صفات کے دوام ذکر الٰہی کا کیا حساب ہوسکتا ہے۔جو بالنفس النفیس بحکم (النبی اولی یا مومنین من انفسهم باا نفسکم) تمام مومنین سے جملہ ذاتی اور صفاتی محاسن میں بہتر تھا اور بذات خاص قرآن کا مبلغ اور اسلام کا مبشر تھا۔ربیعہ ابن کعب اسلمی کا بیان ہے کہ میں آستان المبارک کی پاسبانی کے منصب پر فائز تھا۔شب کے وقت تمام رات تسبیح وتہلیل کی بیت الشرف سے ہمہ دم اور ہمہ وقت اس کثرت سے آواز آیا کرتی تھی کہ میں سنتے سنتے تھک جاتا تھا۔اور آخر تھک کر سوجاتا تھا۔اس ذکر الٰہی روحی لہ الفدا کے ذکر دوام کی یہ شان اور عالم خاص تھا کہ اٹھتے تو ذکر خدا کرتے۔بیٹھتے تو ذکر خدا کرتے۔سوتے تو ذکر خدا فرماتے پھر جاگتے تو ذکر الٰہی فرماتے۔اسی طرح وضو فرمانے کے وقت۔نئے کپڑے پہنتے وقت۔سوار ہوتے وقت پھر سفر سے واپس آنے کے وقت۔پھر گھر میں داخل ہونے کے وقت غرض ہر حالت میں آپ کا مبارک دل اور پاس زبان تسبیح و تحمید الٰہی میں مصروف رہتی تھی۔کتب اعمال میں ان تمام اوقات کے اوصیہ ماثورہ آپ سے جدا جدا منقول ہیں۔حیات مقدس کے آخری زمانہ میں تو یہ ذکر اور زیادہ ہوگئے تھے۔حقیقت تو یہ ہے کہ تحمید وتسبیح رب العزت کے لیے زبان رسالت ہی درکار ہے۔

شبلی صاحب نے عبداللہ بن عمر کا یہ خاص مشاہدہ نقل فرمایا ہے۔ابن عمر کہتے ہیں کہ آپ اکثر یہ دعا (رب اغفرلی وتب علی انك انت التواب الرحیم) تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ایک بار ہم نے گنتی کی تو ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوئے۔سفر کے غور مطمئن عالم یا تہیہ سفر کی مضطرب حالتوں میں بھی کبھی آپ ذکر الٰہی سے خالی نہیں رہتے تھے۔سواری پر بیٹھے بیٹھے نوافل ادا فرمالیتے تھے اور اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہیں۔سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ ادھر ہی منہ کیے نماز کی نیت کر لیتے۔

اینما تولوا فثم وجه الله

جدھر رخ کرو اسی طرف خدا کا منہ ہے۔(سیرۃ النبی ج 2)

شوق عبادت

جہاں بھی آپ ہوتے ہوں۔چاہے صحابہ کی مجلس ہو یا ازواج مطہرات کی خلوت۔جہاں کہیں بھی صدائے اذان گوش رسالت ہوتی آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔یہ ذکر الٰہی کی تعظیم تھی۔رات کا زیادہ تر حصہ شب بیداری میں گزرتا۔تاہم ادھر موذن

نے اللہ اکبر کہا اور ادھر آپ فرش استراحت سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ جن جذبات واشتیاق اور لذت خاص سے نماز پڑھتے۔ اس کا نقشہ شبلی صاحب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

کبھی کبھی پوری رات آنحضرتؐ کھڑے رہتے اور سورہ بقرہ، آل عمران، سورہ نساء، (قرآن کی سب بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے۔ جب کوئی خوف یا خشیہ کی آیت آتی۔ خدا سے دعا مانگتے۔ اور پناہ طلب کرتے۔ کوئی رحمت یا بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے۔ قرأت اتنے زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ کی آواز سنتے۔ کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ اسی کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تُو غالب اور حکمت والا ہے۔

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ یہی آیت تلاوت فرماتے رہ گئے۔ صحابہ میں ایک بزرگ زید بن خالد جہنی ہیں وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار قصد کیا کہ میں جناب رسالت مآبؐ کو آج شب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں غالباً یہ کسی سفر کا موقع ہوگا نماز کا وقت داخل ہوا۔ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ بطریق معمول پہلے دو رکعتیں پڑھیں۔ دو رکعتیں نہایت طویل بڑی دیر تک پڑھیں۔ اس کے بعد آٹھ رکعتیں۔ دو دو رکعتیں کر کے بتدریج چھوٹی پڑھیں۔ سب سے آخر میں وتر ادا کی۔ جناب کی روایت ہے کہ ایک بار آپ ابتدائے شب سے نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو پوری رات نماز پڑھنے میں گزار دی۔

نماز طول وطویل ذکر

نماز میں طول وطویل ذکر کے متعلق حضرت حذیفہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رات کے وقت مجھ کو آنحضرتؐ کے ہمراہ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی۔ قرآن مجید سب سے بڑا یہی سورہ ہے میں نے گمان کیا کہ زائد سے زائد آپ اس کی ۱۰۰ آیتوں تک پڑھیں گے۔ لیکن سو آیتوں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ اب پورا تلاوت فرما کر ختم فرمادیں گے۔ چنانچہ سورہ ختم فرمایا گیا تو میں نے سوچا کہ اب آپ رکوع فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے سورہ بقرہ کے بعد پھر سورہ نساء کی تلاوت شروع فرمادی۔ سورہ نساء ختم فرما کر آپ نے سورہ آل عمران کا سورہ آغاز فرمادیا۔ (یہ تینوں سورہ ملا کر تقریباً سوا پانچ پارے ہوتے ہیں)

ذکر تلاوت

نہایت سکون وتسلیہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بکمال حسن قرأت ادا کیا جاتا تھا۔ مضامین آیت کے مطابق اثنائے قرأت میں تسبیح اور

دعا کرتے جاتے تھے۔اس کے بعد رکوع میں جھک گئے۔اور اتنی دیر تک رکوع میں جھکے رہے جتنی دیر تک قیام فرمایا گیا تھا پھر کھڑے ہوئے۔اور پھر اتنے ہی عرصہ تک کھڑے رہے۔پھر سجدہ فرمایا گیا اور سجدہ میں اتنا ہی توقف فرمایا گیا۔

میدان جنگ کی نمازیں

حبیب اپنے محبوب کی۔طالب اپنی مطلوب۔عبد اپنے معبود کی عام اس سے کہ سوئی ہوئی حالت میں جو ذکر یاد فراموش نہیں کر سکتا۔آرام وسکون۔اضطراب وانتشار۔خواب و بیداری میں اس کے ذکر و یاد کی کیفیت خاص یکساں ہوتی ہے۔ذکر الٰہی میں جذبات حضرت رسالت پناہی کی وہ کیفیت اوپر کے واقعات سے معلوم ہوئی۔جو میدان جنگ کے علاوہ اور موقعوں پر مشاہدہ کی گئیں ہیں اب ہم ذیل میں میدان کارزار کے عین عالم انتشار و واضطراب میں آپ کا عبادت الٰہی میں انہاک واشتغال ذکر الٰہی کے خاص واقعات قلم بند کرتے ہیں

موت کی گرم بازاری میں جب جانبین سے تلواروں کی بجلیاں گونجتی تھیں۔تیروں کے مینہ برستے تھے۔ڈھلوانوں کے سیاہ بادل۔میدان جنگ میں دور دور تک گھٹا ٹوپ چھا گئے تھے۔بڑے بڑے شجاعوں دلیروں اور تیر آزماؤں کے دلوں میں جان کے خوف سے پنکھے لگتے تھے۔خدا کا عاشق کامل رسول اور اس کا فرستادہ اور دلدادہ پیغمبر برحقؐ نہایت آرام واطمینان اور کامل خشوع وخضوع کے ساتھ ہمیشہ عبادت گزاری اور دعا وزاری میں ہمہ تن مصروف تھا۔لشکر اسلامی کے شجاع مجاہدین کی نگاہیں ہمہ وقت مقابل کی طرف اٹھتی رہتی تھی۔آپؐ کی یہ کیفیت کسی خاص موقع ومحل تک محدود ومنحصر نہیں تھی بلکہ تمام غزوات ،بدر احد،خندق،خیبر،تبوک تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپؐ کے ذکر الٰہی کے جذبات کی یہی کیفیت رہی ہے۔

معرکہ ہائے جنگ میں جانبین کے پہلوانوں کو اپنی قوت وشجاعت اور فنون جنگ کی کمال قہت پر اعتبار رہتا تھا مگر فوج اسلامی کے سپہ سالار اور لشکر ایمان کے سردار کو رب عزت وجلال کی جبروت قدرت اور فتوح ونصرت پر یقین۔کیسا عین الیقین ہوتا ہے۔آپ کو خدا کی حمایت پر اس قدر استقرار تھا کہ آپ نہ مجاہدین لشکر سے اپنی کامیابی کی امید رکھتے تھے۔اور نہ مبارزین جنگ کی استعانت پر فتح کا یقین فرماتے تھے۔ان اسباب ظاہری کے خلاف آپ کا یقین کامل تنہا قادر ومطلق کی اعانت وحمایت پر رہتا تھا۔چنانچہ غزوہ بدر میں ایک بار دو صحابی حاضر خدمت ہوئے۔عرض کی کہ ہمیں کافروں نے گرفتار کر لیا تھا مگر اب یہ شرط لے کر ہمیں ان لوگوں نے رہا کر دیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں۔یہ سن کر فوراًارشاد ہوا۔جاؤ۔ہمیں تو صرف اپنے پروردگار کی مدد درکار ہے۔

عین اُس عالم میں کہ معرکہ بدر کی زمین خون سے رنگین ہو رہی ہے اور میدان قتال میں نبرد آزما دلیروں کی تلواریں سرافشانی کر رہی ہیں۔مقابلہ ومقاتلہ کی شدت میں کسی کو کسی کی خبر نہیں مگر وہ انتہا ذات مقدس وہ اکیلا نفس نفیس اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے بارگاہ رب العزت میں دعائیں مانگ رہا ہے کہ الٰہی اپنا وعدہ نصرت پورا کر،مشغولیت اور محویت کی ہمہ تن وکیفیت طاری ہے کہ ردائے مبارک دوش مطہر سے اُتر کر زمین پر گر پڑی ہے لیکن آپ کو کوئی علم نہیں ہے کوئی خبر نہیں کبھی دعائیں مانگتے مانگتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔اسی

عالم میں متواتر تین بار حضرت علی مرتضی علیہ السلام حصول زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں اور تینوں بار جبین اقدس کو زمین نیاز پر رکھے ہوئے پاتے ہیں صلواعلیہ وآلہ ،غزوہ احد میں کفار ہبل کا نعرہ لگاتے ہیں آپ مسلمانوں سے کہتے ہیں تم بھی کہو۔ **اللہ مولاناولا مولی لکم اللہ اعلی وجل** خدا ہمارا آقا ہے تمہارا تو کوئی آقا نہیں خدا بڑا اور بلند ہے۔

غزوہ خندق کی تیاریوں کے ایام میں دست مبارک سے خود خندق کھودی جاتی تھی اور زبان مبارک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے جاتے تھے **اللّٰھم لاخیر الاخیر الاخرۃ فبارك فی الانصار والمھاجرۃ** خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے مہاجرین وانصار کو برکت عطافرمایا۔

عمر بن عبدود ،عرب کے رستم ستان کی مبارزطلبی پر جب تمام فوج اسلامی خاموش رہ جاتی ہے تو آپ جناب علی مرتضیؑ کو اس کے مقابلے کیلئے روانہ فرماتے ہیں اپنے سے ان کو سلاح جنگ سے آراستہ فرما کر خدا کی بارگاہ میں دعافرماتے ہیں:

ربّ لاتذرنی فردًا انت خیرالوارثین پروردگار تو مجھ تنہا نہ چھوڑ نا تو سب سے بہتر وارث ہے۔

حنین کا معرکہ تو آنحضرت صلعم کے استقرار علے نصرت اللہ کا خاص منظر تھا بقول شبلی صاحب حملہ اول میں سب مسلمان فرار کر جاتے ہیں ۔ دس ہزار تیرانداز خطا کار لشکر کفار سے ناوک ہائے خونخوار کی بوچھاڑ کرتے ہوئے چلے آتے ہیں آپ کے پہلو میں معدودے چند جان نثاروں کے سوا کوئی باقی نہیں ہیں لیکن نہ آپ کو تنہائی کا غم ہے اور نہ فرار فوج کا۔آپ سواری سے اُتر پڑتے ہیں اور بآواز بلند فرماتے ہیں میں خدا کا بندہ اور پیغمبرؐ ہوں خدا کی بارگاہ میں فتح وکامیابی کی دعامانگتے ہیں ۔ رحمت ایزدی اور تائید غیبی جوش میں آتی ہے وہی بھاگی ہوئی فوج واپس ہوتی ہے اوراسی بیشمار لشکر جرار کو جس نے انہیں میدان جنگ سے بھگادیا تھا۔ دم کے دم میں مار بھگاتی ہے اور حنین کا میدان جنگ کفار کے وجود سے بالکل پاک وصاف ہوجاتا ہے اور خلاف اُمید مسلمانوں کو تمام غزوات سے بدرجہا زائد اس غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آتا ہے **وانّ ھذافضل اللہ** الخ۔ یہ صرف رسالت کے استقرار اور توکل علے اللہ کے آثار ہیں۔

اس سے پیشتر آپؐ کے استقرار کا ایک اور اعلےٰ منظر غزوہ بنی المصطلق میں پیش آچکا ہے وہاں بھی معرکہ جنگ میں دشمنوں کا کثیر التعداد لشکر پڑاؤ ڈالے وقت کا منتظر تھا کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوجائیں اور وہ ٹوٹ پڑیں اتنے میں نماز کا وقت آ گیا مسلمان ایک جماعت میں صف باندھ کر نماز کیلئے کھڑے ہوگئے ۔جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام بن کر سب سے آگے کھڑے ہوگئے ۔ مسلمانوں کی دوسری جماعت دشمنوں کا سامنا روک کر آگے کھڑی ہوگی اور خدا کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاخوف وہراس باطمینان تمام خدا کی نماز اُسی میدان رستخیز میں ادا فرمائی۔ حدیبیہ میں اس سے بڑھ کر خوف ناک عالم درپیش تھا۔ مکہ کے قریب غطفان میں لشکر کے ساتھ آپ کا قیام تھا۔کفار قرین کے معروف ومشہور سپہ سالار اعظم خالد بن ولید فوج کا ایک آزمودہ کار دستہ ہمراہ لیے آس پاس کے پہاڑوں میں چھپا ہوا وقت کی تاک میں تھا کہ اہل اسلام اور جناب سیدالانام علیہ وآلہ السلام کو ذرا بھی پائیں تو کمین گاہ سے نکل کر سب

کا خاتمہ بالخیر کر دیا جائے۔ان لوگوں نے آپس کی صلاح ومشورت سے طے کر لیا تھا کہ اس امر کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی دوسرا موقع نہیں ہوسکتا چنانچہ وہ وقت نماز کا انتظار کرنے لگے سبحان اللہ وبحمدہ خدا کی تقدیر کے آگے انسان کی تدبیر وترکیب کب چل سکتی ہے۔خداوند عالم نے اس وقت قصر نماز کا حکم نازل فرمایا اس اثنا میں عصر کا وقت داخل ہو گیا آپ فوراً نماز کیلئے کھڑے ہو گئے دشمن کی فوج بھی وقت پاکر سامنے آگئی اہل اسلام دو دو حصوں میں منقسم ہوگئے پہلے حصہ نے آپ کے پیچھے آکر نماز کی صفیں درست کرلیں۔دوسرا حصہ دشمن کے سامنے رُک کر کھڑا ہو گیا۔پہلا حصہ نماز سے فارغ ہو کر دوسرے حصہ کی جگہ پر چلا آیا۔تو دوسرا حصہ پہلے حصہ کی جگہ صف باندھ کر مشغول نماز ہوگیا۔یہ سب کچھ ہوتا رہا مقتدی آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے آتے جاتے رہے مگر ان کا پیشوا سے حق اومقتدائے مطلق سراپا اطمینان وآرام سے کفار کی تیغ خون آشام کے سایہ میں خدا کی عبادت کر رہا تھا۔نہ اس کے استقلال واستقرار میں ذرا جنبش ہے اور نہ اس کے انہماک واشتغال فی العبادت میں لغزش ہے استحکام وثبات کا کامل نمونہ یہ ہے استقلال و پاداری کا اسوہ حسنہ ان واقعات کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر لے گا کہ آنحضرت صلعم نے اپنے طرز عمل میں آیہ ذیل کے حکم کی کس سن وخوبی اور خوش اسلوبی سے تعمیل فرمائی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

مسلمانو!جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو۔اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ۔تم کامیاب ہوگے۔

خوف خدا

باوجودیکہ آپ معصوم تھے،سید المرسلین تھے اور افضل النبیینؑ،خاتم الانبیا کے لقب خاص سے ملقب اور حبیب خدا کے خطاب مخصوص سے مخاطب۔مگر اس کے باوجود خوف الٰہی کا قلب مبارک پر یہ اثر تھا کہ عین الحیوٰۃ میں ہے کہ جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو چہرہ مبارک کا رنگ زرد ہوجاتا تھا اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔

صحیح بخاری باب الجنائز میں مرقوم ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعزیت کو تشریف لے گئے،میت رکھی تھی ایک عورت آئی لاش کی طرف دیکھ کر کہنے لگی خدا شاہد ہے کہ خدا نے تجھ کو چھوڑ دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ تجھ کو کیسے معلوم ہوگیا۔وہ بولی خدا ان کو نہیں نوازے گا تو کس کو نوازے گا۔ارشاد فرمایا کہ ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی اُمید ہے لیکن پیغمبر ہوکر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

خشیہ الٰہی آپ کے نرم دل پر اسقدر اثر پذیر تھا کہ جب کبھی زور سے آندھی آتی ہوا چلی اور آپ فوراً قہر الٰہی سے سہم گئے جس کام میں ہوتے وہ چھوڑ کر فوراً روبقبلہ ہوجاتے اور خدا سے یہ کہہ کر دعا مانگنے لگتے۔خدایا میں تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں جب ہوا موقوف ہوجاتی یا مینہ برس جاتا تو خوش ہوجاتے پھر خدا کا شکر نعمت بجالاتے ایک بار اسی کا واقعہ پیش آیا حضرت عائشہؓ پاس بیٹھی

تھیں عرض کرنے لگیں ۔ یا رسول اللہ صلعم آپ کیوں مضطرب ہوجاتے ہیں ارشاد ہوا عائشہؓ تمہیں کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ پیش نہ آجائے قوم ہود نے بادل دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ہمارے کھیتوں کا سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا۔(سیرۃ النبی جلد دوم)

سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ والمرسلات اور عم یتسالون میں قیامت وغیرہ کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں آپ ان سوروں کی بہت تلاوت فرمایا کرتے تھے ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے چند بالوں کو سفید دیکھ کر کہا یا رسولؐ اللہ آپ کے بال سفید ہونے لگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تو سورہ ہود، واقعہ، مرسلات اور عم تیسالون نے بوڑھا کر دیا۔

ابی ابن کعب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جب رات تین ثلث گزر جاتی تو آپ باآواز بلند یہ الفاظ بطور ندا ارشاد فرماتے اے لوگو۔ خدا کو یاد کرو۔ زلزلہ آرہا ہے اس کے پیچھے پیچھے آنے والا آرہا ہے موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی۔

ایک بار عبداللہ بن مسعود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں قرآن مجید سنا رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا

تب کیسی ہوگی جب ہر ایک امت پر خدا ایک ایک گواہ کھڑا کرے گا اور آپ کو ہم سب اُمتوں پر گواہ کھڑا کریں گے۔

فرمایا ٹھہر جاؤ۔ میں ٹھہر گیا تھوڑی دیر بعد آپ کی طرف دیکھا تو آپ زاو زار رو رہے تھے۔(رحمۃ العالمین)

ملا مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک بار آپ قبیلہ بنی فہر کی طرف سے ہو کر گزرے۔ بنی فہر کا ایک آدمی اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ وہ ہر چند اپنے آقا کو خدا کا واسطہ دے رہا تھا لیکن تا ہم وہ مارے جاتا تھا۔ اسی اثنا میں آنحضرت ﷺ کے جمال مبارک پر اُس غلام کی نظر پڑ گئی تو وہ خدا کو چھوڑ کر آپ کا واسطہ دینے لگا مالک نے فوراً اس کو چھوڑ دیا حضرت نے فرمایا اے فہری جب تک غلام خدا کا واسطہ دیتا رہا تم نے اس پر رحم نہ کیا اور مارتے رہے جب اس نے میرا واسطہ دیا تم نے فوراً اسے چھوڑ دیا۔ اس کی کیا باعث ہے بھائی خدا سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ جب اس کا واسطہ دیا جائے تو عفو تقصیر کر دی جائے اور امان دے دی جائے یہ سن کر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں نے اسی وقت اسے آزاد کیا آپ نے ارشاد فرمایا اس خدا کی قسم جس نے منصب رسالت پر مجھے فائز فرمایا ہے اگر تو اس کو آزاد نہ کرتا تو آتش جہنم کی گرمی تجھ تک ضرور آتی۔

خوف الٰہی سے گریہ وبکا

عبادت الٰہی میں گریہ وزاری اور کثرت سے اشکباری آپ کی خاص عادت تھی یہ خشیۃ اللہ کے کمال اثر تھے۔ عبداللہ بن شجر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں آیا تو دیکھا آپ نماز میں مشغول ہیں۔ آنکھوں سے برابر آنسو جاری ہیں۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے کوئی حالت ہو جب خشیۃ اللہ طاری ہوا افراط اشکباری کی یہ حالت ہوگئی۔

ایک بار ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جارہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی۔ پھر فرمایا بھائیوں اس کیلئے سامان کر رکھو۔ ایک بار کسی غزوہ سے واپس آتے تھے راستہ میں ایک پڑاؤ ملا کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ نے فرمایا تم لوگ کون ہو بولے ہم مسلمان ہیں ایک عورت بیٹھی چولہا سُلگا رہی تھی۔ پاس ہی اس کا لڑکا بھی تھا۔ آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ کی خدمت میں آئی اور بولی آپ رسول اللہ صلعم ہیں۔ ارشاد فرمایا ہاں بیشک پھر اُس نے پوچھا کہ ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے۔ خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے آپ نے فرمایا ہاں بیشک اُس نے کہا تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی یہ سن کر آپ پر کثرت سے گریہ طاری ہوگیا دیر تک گریہ فرماتے رہے پھر سر اُٹھا کر فرمایا خدا اسی بندے کو عذاب دیگا جو سرکش اور مغرور ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک (واحد) نہیں کہتا۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری حمایت ہے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ والی دعا پڑھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ وَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو تو غالب و دانا ہے۔

پھر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر:

اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔ (سیرۃ النبی ج ۲۔ عین الحیوٰۃ میں) ہے

جناب رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم اس بندے پر رحم کر جو خدا سے طلب حاجت کرے اور طلب حاجت کرنے میں گریہ کرے۔ عام اس سے کہ دعا اس کی مستجات ہو یا نہ ہو۔

حضرت ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا گیا:

يَآ اَبَاذَرٍ اِنَّ رَبِّيْ اَخْبَرَنِيْ فَقَالَ وَعِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ مَآ اَدْرَكَ الْعَابِدُوْنَ دَرْكَ الْبُكَآءِ عِنْدِيْ وَاِنِّيْ لَاُبْنِيْ لَهُمْ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى قَصْرًا اِلَّا لِيَغْرِكُهُمْ فِيْهِ اَحَدٌ

اے ابوذر! میرے پروردگار نے مجھے خبر دی ہے فرمایا اس نے کہ میں اپنے عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عابدوں کو ان کے کسی عمل سے اتنا نہیں لیتا جتنا میری جناب میں گریہ کرنے سے۔ تحقیق کہ میں بہشت کے اعلےٰ درجہ میں مرسلین ومقربین کے ہمسایہ میں ایک قصر ان کے لئے ایسا تیار کروں گا جس میں کوئی اُن کا شریک نہ ہوگا۔

پھرایک دوسری روایت میں ارشادفرمایا گیا کہ جس شخص کی آنکھیں خوف خدا سے پُراشک ہوں۔ خداوند عالم اس کے ہر قطرہ اشک کے بدلے جو اس کی آنکھوں سے گرے ہوں۔ اس کیلئے بہشت میں گوہر مروارید کا ایسا قصر عطا فرمائیگا جو نہ کسی نے دیکھا ہوگا نہ کسی نے سنا ہوگا۔ اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک آیا ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے بطور وصیت ارشاد فرمایا گیا:

یَآ اَبَاذَرٍّ مَنْ اُوْتِیَ الْعِلْمَ مَالاَ یُبْکِیْهِ لَحَقِیْقٌ اَنْ یکُوْنَ اَوْتِیَ عِلْمُ مَالاَ یَنْفَعُهٗ لِاَنَّ اللہ عَزَّوَجَلَّ نَعتَ مِنَ اُوْتِیَ مِنَ الْعَلَمَآءِ فَقَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوالْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَ اقِیْلَ لَهُمْ اٰیَاتُنَا یَخِرُّوْنَ لِلَاَ ذُقَانِ سُجَّدًاوَیَقُولُوْنَ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا و یخرّون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا یاابا ذر من استطاع ان یبکی فلیبك ومن لم یستطع فلیشعر قلبه الحزن ولیبناك ان القلب یعبد من اللہ ولکن لا یشعرون

اے ابوذر! جس شخص کو ایسا علم دیا جائے کہ وہ اس کے خوف و گریہ کا باعث نہ ہو تو حقیقت میں وہ ایسے ہی علم کے قابل ہے جس سے اس کو کوئی نفع نہ پہنچے اس لئے کہ خدا نے عالموں کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ نزول قرآن سے پہلے بھی صفت اہم سے موصوف تھے یعنی وہ لوگ سابق کتب آسمان پر ایمان لائے تھے اور ان کتابوں کے عالم بھی تھے جب ایسے لوگوں کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کو زمین پر رکھ کر خدا کے سجدہ میں جا پہنچتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا خدا پاک و منزہ ہے ان چیزوں سے مشرکین ان کے ساتھ جن کی نسبت دیتے ہیں کیونکہ ہمارے پروردگار کا وعدہ سچا اور فی ارافع ہے اور اس میں کچھ خلاف نہیں ہوتا۔ اور اپنی ٹھوڑیوں کو سجدہ میں رکھ کر رویا کرتے ہیں اور سماعت قرآن سے ان کا خشوع و تواضع اور تضرع زیادہ ہوتا ہے اے اباذر جو رونے پر قادر ہو اس کو لازم ہے کہ خوف خدا سے گریہ کرے اور جو رونے پر قدرت نہ رکھتا ہو اس کو لازم ہے کہ اظہار حزن و ملال کو اپنا شعار قرار دے اور رونے کی کوشش کرے کیونکہ دلِ سنگین خدا سے دور ہے لیکن شقیق القلب اس کو نہیں جانتے۔

محبت الٰہی

حبیب کے دل میں محبوب کی محبت کا اندازہ کرنا دشوار ہے اس سے سمجھ لیا جائیگا کہ حبیب الٰہی محبت الٰہی میں کتنا سرشار ہوگا۔

انبیاعلیہم السلام کے طبقہ کرام میں دو اوصاف کے گروہ معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہما السلام۔ یہ دونوں بزرگوار، جلال وعظمت اور خوف وخشیۃ سے بندگان الٰہی کو ڈراتے تھے اور اس کی تعلیم فرماتے تھے۔ جناب یحییٰ وعیسےٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السلام خدا کی محبت والفت میں سراپا محو ومستغرق تھے اور پھر ایسے کہ اُس کے مقابلہ میں اپنی ہستیاں اور دنیا کی تمام اشیاء کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اور اسی کی تبلیغ وتعلیم فرماتے تھے جیسا کہ موجودہ اناجیل اربعہ میں جناب مسیحؑ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم ان دونوں تعلیموں کے محاسن کا مجموعہ ہے وہ خوف وخشیۃ الٰہی کی بھی ایسی ہی تعلیم دیتا ہے۔ جیسے محبت والفت کی اور معلم اسلام علیہ وآلہ والسلام کی احادیث قدسی صفات میں ان دونوں محاسن کے انوار جلوہ افگن ہیں۔ آپ نے اہل اسلام کو ان دونوں صفات کی کامل تعلیم فرمائی اور قرآن مجید کے ان الفاظ تصدیقی نے مومنین کے ان اوصاف کی تعریف فرمائی۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ان کو خدا سب سے پیارا ہے۔

جن جذباتِ محبت سے آپ خدا کی عبادت بجالاتے تھے وہ تفصیل سے ذکر عبادت میں بیان ہو چکا ہے۔ عبادت واطاعت الٰہی میں پوری پوری رات گزار دی جاتی تھی۔ طول وطویل رکوع وسجود اور قیام وقعود۔ الحاح وزاری اور بیداری میں تمام رات کھڑے بیٹھے کاٹ دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ساقہائے مبارک میں تشنج پیدا ہو گیا اور پاہائے مطہر پر ورم آ گیا آخر یہ جان کاہ ریاضت ومشقت کیوں تھی محبت الٰہی کے جذبات کے یہ تقاضے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ آپ تو رسول اللہ ہیں۔ معصوم ہیں پھر آپ کیوں خدا کی عبادت میں اتنی جانفرسا مشقت فرماتے ہیں ارشاد ہوتا تھا۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ میں اپنے پروردگار کا بندہ شکر گزار نہ بنوں۔

ظاہرین حضرات آپ کی اس کثرت عبادت کو خشیۃ الٰہی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ پھر آپ کی عصمت کی بنا پر اس کو بے ضرورت سمجھتے ہیں لیکن آپ کے جواب نے ان کو بتلا دیا اور سمجھا دیا کہ یہ خوف وخشیۃ الٰہی کے اثرات نہیں ہیں بلکہ اس کی محبت والفت کے خاص مقتضیات وجذبات ہیں اسی لئے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: **وجعلت لی قرۃ عنین فی الصلوۃ** میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

شبلی صاحب نے جو کچھ اس مضمون میں لکھا ہے وہ خود آنحضرت ﷺ کی زبانی حضرت ابوذرؓ کی وصیت میں مفصل مرقوم ہے ہم اس کو عین الحیوٰۃ کی اصل عبارت سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

یآاباذر جعل اللہ ثنآء وقرۃ عینی فی الصلوۃ وحبب الی الصلوۃ کما حبّب الی الجآئع الطعام والی الظمان الماء وان الجائع اذا اکل شبع وان الظمان اذا شرب روی وانا کالا شبع من الصّلوۃ یآاباذر ان اللہ عزوجل بعث عیسی بن مریم بالرّھبا نیّہ وبعث بالحنیفیّۃ السّھۃ وحبب الیّ النّسآء والطیبُ واجعل فی الصّلوۃ قرۃ عَیۡنِیۡ

یااباذرا یمارجل تطوّع فی کل یوم ولیلة اثنی عشرة رکعة سوی المکتوبة کان له حقا واجبابیت فی الجنة یااباذر انك مادمت فی الصّلوٰة فانك تقرع باب الملك الجبارومن یکثرقوع باب الملك یفتح له یااباذرمامن مؤمن یقوم بصلیا الاتناش علیه البرمابینه وبین العرش ووکل به ملك ینادی یابن اٰدم لوتعلم مالك فی الصلوٰة

اے اباذرخدانے میری آنکھوں کی روشنی نماز ہی میں قراردی ہے اورنمازکومیرامحبوب مقررفرمایاہے جیسا کہ بھوکا کھانے کا شائق اور پیاسا پانی کا عاشق ہوتاہے تحقیق کہ بھوکا کھانا کرسیر ہوجاتا ہےاوراس کی بھوک چلی جاتی ہےاور پیاسا پانی پی کرسیراب ہوجاتاہےاوراس کی پیاس مٹ جاتی ہےمگرمیں نماز سےکبھی سیرنہیں ہوتااورہمیشہ اس کا شائق رہتاہوں۔اےاباذرخدانے حضرت عیسےٰ بن مریمؑ کورہبانیت کے ساتھ مبعوث فرمایاتھا۔لیکن اس جل شانہ نے مجھ کوایک ایسے پاک دین کے ساتھ مبعوث فرمایاہے۔جواختلاف وانحراف استقامت اورسہولت وآسانی کی طرف مائل ہے اس لئے کہ اس میں تکلیف ہائے شاقہ نہیں ہیں اورخدانے مجھ کوعورتوں اورپھولوں کی محبت دی ہےلیکن میری تمام مسرت اورخوشی اورمیری ٹھنڈک نماز میں ہے۔اے بوذر!اگرکوئی شخص نمازفریضہ کےعلاوہ دن رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھ لےخداپرلازم ہے کہ اس کے لئے بہشت میں گھرعنائت فرمائے۔ اےاباذرجب تک تم نماز میں کھڑے رہتے ہوگویاتم خداوندبادشاہ جبارکےفضل ورحمت پردق الباب کیا کرتے ہواور جوشخص درگاہ باشاہ پرکثرت سے دق الباب کرتاہے بیشک اس کیلئے درہائےفضل ورحمت کھول دیے جاتے ہیں اے اباذرکوئی مومن نمازکیلئےنہیں کھڑاہوتاہے کہ اس پرعرش الٰہی سے رحمت برسائی جاتی ہےاورخداوندعالم اس کیلئے ایک فرشتہ کومقررفرماتاہے جواس سے خطاب کرتاہے کہ اے آدم کے بیٹے اگرتجھ کواس کی حقیقت معلوم ہوجائے کہ نماز میں کس قدرثواب ہےتوکس ملک الملک کی باگاہ میں جاومناجات کررہاہےتوتوکبھی نماز سے فارغ نہ ہواورکبھی نمازکوترک نہ کرے۔(عین الحیوٰۃ مجلسی علیہ الرحمہ)

توکل علی اللہ

انسان اپنے تمام مطالب ومقاصد منافع وفوائدنقصان وزیاں، یہاں تک کہ جسم وجان اوراس کے تمام تعلقات وضروریات رضائے الٰہی کے فیصلہ چھوڑ دےاورظاہری مخالف اسباب وعقل کی کوئی پروانہ کرے اوران سےمطلق اثرپذیرنہ ہو۔

سوانحات حیات نبویؐ پر نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ کو اپنے حصول مقاصد کی راہوں میں ابتدا ہی سے کتنی دشواریوں کا سامنا ہوا تبلیغ اسلام کی آواز کا منہ سے نکلنا تھا کہ تم قریش کی خون آشام تلواریں سر کاٹنے اور جان لینے کیلئے نیاموں سے نکل پڑی آپ نے مطلق پروانہ کی۔ پھر جیسے جیسے آپؐ کی تبلیغی خدمات میں وسعت ہوتی گئی۔ کفار قریش کی عداوت وشقاوت میں شدت بڑھتی گئی مظالم کے دروازے کھل گئے۔ کوئی جور وجفا، ظلم وستم ایسے نہ تھے جو معلم اسلام علیہ وآلہ السلام اور عام اہل سلام پر نہ ڈھائے گئے۔ حرم محترم میں داخلہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ آپ کی عبادت کی اہانت کی گئی ہے۔ آپ کے دین کے مضحکے اُڑائے گئے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپؐ کے پیچھے مکہ کے بچوں کے غول پتھر مارنے اور ہنسی ٹھٹھے اُڑانے کیلئے لگائے گئے حالتِ عبادت میں گلے میں رسی ڈالی گئی۔ جانوروں کی اوجھری کی غلاظت فرق مبارک پر گرائی گئی۔ راہ چلتے ہوئے گھروں سے سر پر کوڑے گرائے گئے۔ لیکن آپؐ نے ان ستمگاریوں اور دلآزاریوں پر رنج وملال کیساتھ کسی سے کبھی شکایت بھی نہ کی۔ خدا پر توکل اور اس کی حمایت پر یقین کامل فرما کر خاموش رہ گئے۔

ظالمانِ کفار اس خاموشی سے اثر پذیر کیا ہوتے اپنے ظلم وتعدی میں اور تیز ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک شب کو آپ کے قتل پر پورے طور سے آمادہ ہو گئے۔ شام سے رسول اللہ صلعم کا گھر گھیر لیا، ننگی تلواریں لے کر ستم کاران قریش کا شانہ نبوت کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور وہ وقت آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اب جان جائے اور تب شبلی صاحب اس ہولناک عالم کی حسب ذیل تصویر کھینچتے ہیں۔

شب ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانہ مقدس کا ارادہ کیے ہوئے تھے لیکن آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنے عزیز، قوت بازو علی مرتضیٰؑ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا۔ حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے بستر خواب نہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کل ہستی ہے جو تختہ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ عین اس خطرناک وقت میں کہ جس کے لحظہ لحظہ میں سر کٹنے اور جان جانے کا اندیشہ تھا۔ آپ نہایت صبر وسکون اور آرام واطمینان کے ساتھ اسی گھر سے جس کی چاروں طرف تلواریں کھینچی تھیں، قاتلان خونخوار آپ کے باہر نکلنے کے منتظر تھے ان کے بیچ سے ذیل کے آیات ربانی اور فقرات قرآنی پڑھتے ہوئے آپ باہر نکل آئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹

ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں ہم نے ان کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے۔ (سیرۃ النبی، سورہ یٰسین آیت 9)

مکہ سے غار ثور تک آپ اُسی اطمینان وآرام سے پہنچ گئے بیٹھنے والے بیٹھے رہ گئے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلعم کدھر سے آئے اور کدھر تشریف لے گئے۔ کیا ذات مقدسہ رسول کے سوا کسی عام طبیعت والے شخص سے ایسا استقلال ایسی پاداری اور ایسے توکل علے اللہ کا اظہار ممکن ہے کبھی نہیں۔

غار ثور میں تشریف لا کر بھی آپؐ کے استقلال اطمینان اور صبر وسکون کا وہی عالم تھا۔دشمن تلاش میں نکلے شبلی صاحب کے الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ یارسول اللہ صلعم دشمن اسقدر قریب ہیں کہ ہم اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر اُنکی نظر جا پڑے گی۔آپ نے کمال استقلال سے اُنہیں کلمات الٰہی میں جواب دیا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔سُراقہ گھوڑا بڑھائے بالکل قریب آ ہی گیا بقول شبلی صاحب کے حضرت ابوبکر بار بار گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ سُراقہ کس ارادے سے آ رہا ہے۔یہاں دل پر وہی سکینیت ربانی جاری تھی اور لبہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔(سیرۃ النبی)

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر آپ کی حالت اضطراب میں سکون آ گیا اور جان مقدس خطروں سے محفوظ ہو گی یہ خیال ہی خیال ہے جس کو واقعیت سے واسطہ نہیں واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ جن مصائب کا مکہ میں تیرہ برس تک اندیشہ لگا تھا وہ ایک ایک کر کے سب پیش نظر ہو گئے،وہاں تو صرف قریش اکیلے دشمن تھے یہاں یہودی۔مدینہ کے منافقین اور مکہ کے مشرکین،تینوں ایک ہو گئے اور رسول اللہ صلعم کے قتل وجلاوطنی پر تینوں نے مل کر تدبیریں کیں،ترکیبیں نکالیں،وہ اپنی مخالفانہ تدبیر و ترکیب میں تین کیا ہزاروں تھے اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا توکل علے اللہ ایک تھا جو ان تمام مہمات کی سپر تھا۔کیسے کیسے جنگی معرکے پڑے کیسے کیسے خونیں منظر پیش نظر نہ ہوئے مگر سب میں رسول اللہ ﷺ کا توکل ایک حالت پر قائم رہا۔احد،خندق،اور حنین کے قیامت خیز عالم ایک طرف دشمنوں کے ہاتھ سے اسلام کے سخت مصائب اور شدائد ظاہر کر رہے ہیں۔دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا کمال استقلال اور بے مثال توکل علے اللہ ثابت کر رہے ہیں۔

احد کے خوفناک معرکے میں ساری فوج اسلام فرار ہو چکی ہے۔جبین اقدس خون آلودہ ہو چکی ہے،دندان مبارک بھی شہید ہو چکے ہیں رخسار مبارک پر ورم آ چکا ہے لیکن وہی فرق مجروح وہی رخسارے خون آلود زمین نیاز پر رکھا ہے اور آپ بکمال استقلال واستقامت تحمید وتقدیس الٰہی میں مصروف ہیں حنین کے عالم میں جست وخیز میں ساری فوج ہمراہی تر بتر ہو جاتی ہے سوائے چار پانچ مخلصین جان نثار کے اور کوئی متنفس پہلو میں باقی نہیں رہتا ہے لیکن آپ اس تنہائی اور بیدست وپائی کی خاص حالت میں بکمال استقلال تمام فوج کو نبوت ورسالت کی پُرجلال آواز میں پکارتے ہیں اپنی تصدیق رسالت کا اعلان فرماتے ہیں۔یہ استقامت وپادری یہ ہمت وجگر داری آخر کیا ہے۔وہی توکل علے اللہ کی جلوہ نمائی ہے۔

خندق کے ہولناک منظر میں کثیر التعداد مخالف کے جست وخیز اور تاخت وتاز ایک طرف رات دن کی بارش اور ہوائے سرد ایک طرف مدینہ کا قحط اور خشک سالی جدا،مجاہدین کی عسرت وتنگ حالی علیحدہ مگر ان تمام مصائب کو اور رسول اللہ ﷺ کا ایک توکل کاٹ جاتا ہے عمر بن عبدود کے ایسے عرب کے رستم داستان کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں پر گراتا ہے۔

آپ کے تمام سوانحات ورق ورق کر کے پڑھ لیے جائیں تو ثابت ہو جائیگا کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کے تمام

امور توکل علے اللہ پر قائم تھے اس لیے پورے سکینہ الٰہی اور کامل عین الیقین کے ساتھ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا مجھ تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مکہ میں جب مسلمانوں پر خونخوار قریش قیامت کے ظلم وستم کر رہے ۔ تو ایک مصیبت زدہ ستم رسیدہ جان سے مایوس صحابی خدمت میں حاضر ہوکران کی داستانِ مظالم بیان کرنے لگا آپؐ نے ان کی مصیبت سن کر ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا کی قسم بہت جلد وہ وقت آئے ہے جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر باقی نہیں رہے گا۔

مکہ کے زمانہ قیام میں ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے یہ صلاح کی کہ اب کی بار محمد صلعم جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کو قتل کر کے قیمہ قیمہ کردیا جائے حضرت فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا نے ان کی یہ تقریر سن لی محبت پدری کے تقاضہ سے گریاں وخیزاں آپ کے پاس تشریف لائیں کفار کی باتیں دہرائیں آپ نے ان کو بکمال استقلال تسکین دی۔ اسی وقت وضو کیلئے پانی مانگا اور فوراً بے خوف وخطر بیت اللہ معظم کی طرف تشریف لے گئے۔ خدا کی قدرت اور رسول اللہ صلعم کی روحانی سطوت !انہیں خونخوار کفار نے آپ کو دیکھا اور یک بیک آنکھیں جھکالیں جل جلالہ وجل شانہ یہ ہیں توکل علے اللہ کے روحانی اثر۔ ایک اور موقع پر مہاجر وانصار آپ کے خیمہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے تو آپ نے خیمہ اقدس سے نکل کر ارشاد فرمایا:

ایھا الناس انصرفو افقدعصمنی اللہ

لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔

غزوہ نجد سے لوٹتے وقت ایک مقام پر قیام کیا گیا۔ اُس مقام پر کثرت سے درخت تھے دوپہر ہو چکی تھی تمام لشکر سو رہا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور آپ کی تلوار درخت کی ایک شاخ میں آویزاں تھی۔ اتنے میں ایک بدو جو اسی موقع کی تاک میں تھا آہستہ سے آپؐ کے سرہانے پہنچ گیا اور آپ کی تلوار درخت سے اُتاری اور تولتا ہوا آپ کے قریب آ گیا آپ نے فوراً آنکھ کھولی تو دیکھا کہ قاتل تیغ بکف سر پر کھڑا ہے بدو نے اپنی جوش خونخوار میں پوچھا محمدؐ بتلاؤ۔ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپؐ نے بکمال استقلال اور پورے توکل کی شان میں ارشاد فرمایا۔ اللہ

کمال استقلال وتوکل کی ایک دوسری بے نظیر مثال یہ ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں گرفتار کر کے حاضر کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شخص حضورؐ پر حملہ کرنے کی گھات میں تھا آپ نے فرمایا چھوڑ دو۔ یہ قتل کرنا چاہتا ہے بھی تو مجھے قتل نہیں کر سکتا تھا۔

زینب یہود یہ جس نے آپ کو خیبر میں زہر دیا تھا۔ حاضر خدمت کی گئی تو اس سے استفسار کیا گیا کہ اس نے کیوں زہر دیا تھا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ کے مار ڈالنے کیلئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تجھ کو اس پر کبھی قادر نہیں کرتا۔

جلد دوم میں آپ کے قتل کے متعلق صفوان اور عمیر کی مشورت ،عمیر کا آپ کے قتل کے مصمم ارادے سے مدینہ میں آنا اور تلوار لیے خدمت مبارک میں حاضر ہونا۔ آپ کا اس کے تمام ارادوں کا حال اس کے منہ پر کہہ دینا بیان ہو چکا ہے۔ آخر کلمہ جو اس سے ارشاد فرمایا گیا اور جو بالآخر اس کے اسلام وایمان کا باعث ہوا وہ یہ بھی اے عمیر کیا تو نہ سمجھا کہ خدا میرا محافظ ہے یہ ہے توکل علے اللہ

کی پوری شان اور توکل علے اللہ کی کامل مثال۔

یہاں تک کہ نبوت کے کمال توکل کا ایک پہلو دکھلایا گیا ہے اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ باوجودیکہ رسالت کے ایام امن وتسلط میں مختلف قسم کے محاصلات متفرق مقامات سے آیا کرتے تھے اور جنس ورقم سے مسجد کا صحن پُر ہوجاتا تھا لیکن شانہ نبوت میں شب وروز خدا کی برکت رہتی تھی، برابر کئی دنوں تک فاقہ کی شدت سے شکم مبارک پر ایک نہیں دو دو تین تین پتھر بندھے رہتے تھے۔ ایسی ضرورت کے خاص وقتوں میں ممکن تھا کہ آج کا محاصل کل کے مصارف کیلئے اُٹھا رکھا جاتا لیکن یہ آپ کی توکل شعاری کے بالکل خلاف تھا۔ تمام عمر آپؐ کا طرزعمل اس کے خلاف رہا کبھی آج کی آمدنی کل کیلئے اُٹھا نہیں رکھی گئی اگر دن کو کچھ خرچ سے بچ بھی رہتا تو شام تک ضرور اُٹھا دیا جاتا۔ حدیث معتبر میں آیا ہے۔

ان رسول اللہ صلعم کان لا یذخر غداً

آنحضرت صلعم کل کیلئے کوئی چیز اُٹھا نہیں رکھتے تھے۔

اگر اتفاق سے کبھی کوئی چیز رہ گئی تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی بلکہ اس وقت تک آپ گھر میں تشریف نہ لے جاتے تھے جب تک یہ نہ معلوم ہو لیتا تھا کہ اب گھر میں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے یہ واقعات تفصیل سے جود وکرم کے بیان میں معلوم ہوں گے ان شاءاللہ

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ عین حالت احتضار میں وہ چند اشرفیاں جو حضرت عائشہؓ کے پاس رکھوائی گئیں تھیں یاد آئیں فوراً اس کے تصدق کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس عالم بدحواسی میں انکا تصدق کرنا بار بار بھول جاتی تھیں آپ کو جب غشی سے افاقہ ہوتا تھا اس کا صدقہ دے دینے کی نسبت پوچھتے تھے بالآخر اُن سے وہ اشرفیاں لے کر اور حضرت علیؑ کو دے کر تصدق فرمادیں سوائے فطرت صالحہ نبوت ورسالت کے ایسا توکل ایسا سکینہ ایسا عین الیقین کس اور طبیعت میں ودیعت نہیں کیا جا سکتا۔ صلوا علیہ وآلہ

صبر وشکر

ہر شخص ان صفات کے مفہوم کو بخوبی سمجھتا ہے اس لئے زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں صرف اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ انسانی زندگانی دو متضاد جذبات وکیفیات کا مجموعہ ہے خوشی وغم فکر واستغنا تنگی وفراخدستی، حیات انسانی کے لازمات ہیں شادی وغم کے اصول مسلم سے ہر شخص واقف ہے لیکن انسان کے کمالِ روحانی کا مقتضا یہ ہے کہ وہ ایک طرف خوشی وغم فکر واستغنا بے فکری اور مالداری کے جذبات میں اپنے آپ سے باہر نہ ہوجائے اور حصول نعمت ومقاصد کے پرجوشانہ نشہ میں وارستہ نہ ہوجائے۔ تو دوسری طرف رنج وملال، مصائب وشدائد کے نزول کے وقت مضطرب الحال نہ ہو بلکہ ان کو بکمال سکوت وخاموشی خندہ جبینی اور کشادہ دلی سے برداشت کرے اور سمجھ لے کہ انسان کے اختیار میں سوائے سعی وعمل کے اور کچھ نہیں لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کے پاس سوائے عمل وسعی کے اور کچھ نہیں۔ اسی کی طرف اشارت فرمائی گئی ہے۔ انسان کے مقاصد میں کامیابی اور غیر محرومی کسی بالاتر اور قوی تر ہستی کے ہاتھ میں ذیل کی

آیات قرآن میں اس مطلب کی طرف کافی طور سے اشارت وہدایت فرمائی گئی ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۚ‌ۖ ﴿۲۲﴾ لِّـكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۙ ﴿۲۳﴾ (الحدید آیت 22تا23)

جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوانِ قضا میں لکھ لی گئیں۔ یہ بات خدا کیلئے آسان ہے اس لیے کہا گیا کہ تم ناکامی پر غم حصول مقصد پر فخر نہ کرو خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔ (حدید)

باوجودیکہ جناب رسالت مآب ﷺ کو اپنے تمام مقاصد ومطالب میں ایسی کامل اور لاجواب کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ دنیا کے کسی فرد بشر کو نصیب نہ ہوئیں۔ لیکن کبھی آپ کے خاطر نور آگین پر فخر وغرور کا سایہ تک نہ پڑا۔ آپ کا یہ ارشاد کہ:

انا سید ولد ادم ولا فخر

میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں۔ لیکن مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

اس کی حقیقت کا کامل منکشف ہے۔

عدی ابن حاتم الطائی جو قبیلہ طے کے ایسے مشہور ومعروف قبیلہ کے رئیس تھے اور مذہبی اعتبار سے عیسائی تھے آپ کے حالات سن کر مشکوک تھے کہ آپ حقیقتاً بادشاہ ہیں یا رسولؐ جب اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ باریاب خدمت ہوئے تو اس وقت ایک محتاج سن رسیدہ عورت اپنی کسی حاجت کے لئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی۔ اور مردوں کے مجمع سے ذرا ہٹ کر آپ سے اپنی عرض سن لینے کی استدعا کی۔ یہ سنتے ہی آپ بلا تامل اس مجمع کو چھوڑ کر کھڑے ہوئے اور اس پیرزن کی باتوں کو گلی میں کھڑے کھڑے اس وقت سنتے رہے جب تک کہ وہ اپنا تمام وکمال حال بیان کر کے خود وہاں سے نہیں چلی گئی آپ کے یہ اخلاق عدی کے تو ہم کیلئے تازیانہ کا کام کر گئے اور وہ آپ کی یہ تواضع اور انکساری دیکھ کر سمجھ گئے کہ آپ بلاشک پیغمبر ہیں بادشاہ نہیں۔

دنیاوی فاتحانِ ملکی کا دستور ہے کہ حصول فتح کی سیرت میں پڑ کر کبر وغرور اور فخر وناز کا سر اونچا کر لیتے ہیں لیکن خیبر اور مکہ کا فاتح اعظم اپنے مفتوحہ شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس شان سے کہ سر نیاز بارگاہ رب العزت میں جھکا ہے اور لب مبارک پر خدا کی حمد وثنا ہے سیرت ابن ہشام میں ہے۔

ان رسول الله صلعم لماانتھی الی ذی طوی وقف علی راحلة لیضع راسه تواضعالله حین رای ماا کرمه الله به من الفتح حتی ان عثنونه الیکادیمس

واسطة الرّجل

جب آنحضرت صلعم مقام ذی طوی میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا فرمائی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں۔ پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کے ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوے کی لکڑی سے لگ جائے۔

دنیا کی تمام کامیاب ہستیاں، جو روحانیت کے اثر سے بالکل خالی ہیں اپنی کامیابیوں کو تنہا اپنی قوت بازو حسن تدبیر اور اپنے جلال وسطوت کا نتیجہ سمجھتے ہیں لیکن حقیقت شناساں روحانیت اس خیال کو شرک وکفر کا ہموزن سمجھتے ہیں ان کی حقیقت بیں نگاہوں میں ان کی کامیابیوں کا عطا کرنیوالا قادر مطلق ہے جس کے دست عطا کو کوئی نہیں دیکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں مرقوم ہے کہ:

انه کان اذا جاءه امر سرورا ویسر به خر ساجدا شا کر الله تعالی

آنحضرت صلعم کے پاس جب کسی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

قبیلہ ہمدان کے مشرف بہ اسلام ہونے کا جب مژدہ آپ کو پہنچا تو آپ فوراً شکر کے سجدہ میں خم ہو گئے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے آپ کی کثرت عبادت کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: افلا اکون عبدا شکُورا کیا تم نہیں چاہتے کہ میں شکرگزار بندہ بنوں۔ اس کا اصلی مدعا یہ ہے کہ اگر پہلی میری کثرت عبادت منصب رسالت کے حصول کیلئے تھی تو اب اس کے حصول پر شکرگزاری کے اقرار واظہار کے واسطے ہے۔

سعد کا بیان ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے آپ جب زدعرا کے قریب پہنچے تو اپنی سواری روک لی، نیچے اُترے ہاتھ اُٹھا کر دیر تک بارگاہ رب العزت میں دعا کی پھر سجدہ میں گئے پھر اٹھے اور دیر تک نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ پھر دعا شروع کی۔ اس کے بعد پھر جبین سجدہ معبود کارساز مین رکھی دعا وسجود سے فارغ ہو کر آپ نے صحابہ سے فرمایا۔ میں نے اپنے خدا سے اپنی امت کیلئے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا میں شکر کے لئے سجدہ میں گرا۔ پھر مزید درخواست کی۔ اس نے وہ بھی قبول کی میں سجدہ شکر بجالایا پھر دعا وزاری کی اس نے اس کو بھی مستجاب فرمایا۔ اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔ سورہ والضحیٰ میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے آپ کے وصف کو نمایا فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ وَالضُّحٰى ① وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③
وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ④ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ⑤ اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا
فَاٰوٰى ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ⑦ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى ⑧ فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ⑨

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ۝١٠ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝١١

شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔اے پیغمبر! رات کے پہلے پہر کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا یقیناً تیری پہلی زندگی سے پچھلی زندگی بہتر ہے۔وہ تجھ کو وہ دے گا جس سے تو خوش ہو جائیگا، کیا تجھے اس نے یتیم نہیں پایا تو اپنی پناہ میں لے لیا اور تجھے راہ حق کا جویان پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھائی اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا۔

آپ کی حیات قدسی صفات کے تمام واقعات اس کے شاہد ہیں کہ آپ عمر بھر اس ارشاد ربانی کی بکمال استقرار و استمرار تعمیل فرماتے رہے۔سب جانتے ہیں کہ صبر کا مفہوم شکر سے متضاد ہے اور یہ دونوں متضاد اوصاف آپ کی ذات ستودہ آیات میں مجتمع ہو گئے تھے اور آپ اپنے حُسنِ عمل سے ان دونوں اوصاف کا نمایاں اظہار فرماتے تھے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ کس پر مصیبت آتی ہے ارشاد فرمایا کہ پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ اور لوگوں پر۔واقعات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں آپ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار تھے اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا۔اسی لئے قرآن مجید میں بار بار آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے سورۂ احقاف میں ہے۔

وَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ

(اے پیغمبر) جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

بچپن ہی میں ماں کا سایہ اُٹھ گیا۔دادا کی شفقت میں باپ کی جگہ معین کفالت تھی۔انہوں نے بھی قضا کی۔دادا کے بعد چچا (ابوطالبؑ) امین کفالت ہوئے بعثت کے بعد چچا قریش کے تمام مظالم ومفاسد کے سپر تھے انہوں نے بھی انتقال فرمایا۔مصیبت بالا سے مصیبت یہ ہوئی کہ محرم اسرار، مونس وغمگسار ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو بھی قضائے الٰہی نے آپ سے جدا کر دیا۔صغرسنی میں کئی بچوں نے قضا کی۔باپ کے قلب پر فرقتِ اولاد کا جو زخم پڑتا ہے وہ عمر بھی اچھا نہیں ہوتا۔معتد اولاد میں صرف ایک جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تو زندہ رہیں باقی سب نے آپ کے سامنے قضا کی۔فطرت انسان کے تقاضہ سے ان واقعات پر کبھی کبھی آپ کی چشم پرنم ہوگئی۔مگر زبان ودل پر ہمیشہ صبر وسکون کہ مُہر لگی رہی اور کبھی کوئی حرف شکایت لب مبارک سے نہ نکلا جو مخالف صبر وشکر ہوتا۔

حضرت زینبؓ نے 8 ہجری میں انتقال کیا جنازہ سامنے آیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے حضرت جعفر ابن ابیطالبؑ اور زندی ابن اسامہؓ دونوں آنحضرت صلعم کو نہایت محبوب تھے غزوہ موتہ میں ایک بار ان دنوں صاحبوں کو شہید ہونے کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلودہ ہوگئی۔ایک نواسہ جس سے آپ کو محبت تھی مبتلائے نزع ہوا۔تو صاحبزادی نے بلا بھیجا آپ نے سلام کے بعد اس کے

جواب میں یہ پیغام کہلا بھیجا۔:

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَ کُلٌّ مَا عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْسِبْ

اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا۔ اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے اس کا ہر کام وقت پر ہوتا ہے صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔

صاحبزادی نے پھر اصرار کیا تو تشریف لے گئے بچہ کو گود میں رکھ دیا گیا وہ دم توڑ رہا تھا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑھ لوگوں نے پوچھا یہ کیا فرمایا یہ تقاضائے محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے۔ خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔

اسی طرح سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لے گئے اُن کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ ''انتقال کر گئے'' صحابہ نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلعم آپ رو دیے۔ آپ کو روتا دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے آپ نے اُن کی گریہ وزاری کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ خدا دل کے غم اور آنکھوں کے آنسوؤں کو منع نہیں کرتا۔ زبان کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ اس سے عذاب ہوتا ہے آپکے طفل معصوم حضرات ابراہیم نے جب انتقال کیا۔ تو آپ کی آنکھوں سے اشک محبت جاری ہوئے عبدالرحمٰن ابن عوف نے استفسار کیا۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا بات ہے فرمایا یہ رحمت وشفقت ہے عبدالرحمٰن نے دوبارہ عرض کی جواب میں ارشاد ہوا۔

اِنَّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقلو الا ما ضے یرویا وانابفر قلك ایا ابراھیم

آنکھو اشک زیر ہے دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تمہارے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ عام طور پر یہ واقعات وقتی ہوتے ہیں یعنی ان کا اثر انسان پر ایک خاص وقت تک رہتا ہے پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع آلام ومصائب کو کمال استقلال یوں برداشت کرنا کہ عنان صبر ہاتھ سے نہ چھوٹے امکان انسانی سے سخت دشوار ہے۔ بعثت سے لے کر تیرہ برس تک مکہ کے اشقیانے دعوت اسلام اور خود حضرت خیر الانام علیہ وآلہ السلام کی جیسی جیسی توہین اور تحقیر کی۔ آپ کے ساتھ تمسخر واستہزا کیا۔ سب وشتم سے کام لیا۔ ذات مقدس پر سخت سے سخت مظالم وشدائد توڑے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدینہ منورہ میں بھی آٹھ یا نو برس تک دشمنوں سے آپ کو شبانہ روز قتل وخون۔ جلا وطنی وایذا دہی کے جیسے جیسے خوف واندیشہ لگے رہتے تھے۔ ان کی تکرار بیکار ہے۔ ان تمام مصائب کی بوچھاڑ کی سپر آپ کی ایک صبر وخاموشی تھی۔ خود اختیاری مصیبتوں پر صبر کرنا اور بھی دشوار تر ہے فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت سے بیت المال معمور ہو جاتا تھا۔ مگر اس کے باوجود جب دیکھو رسول اللہ صلعم اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کے گھر فاقہ ہی ہوتے تھے مگر پھر بھی خاص جسم اقدس کیلئے صرف ایک جوڑے کے

سوا دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تمام تکلیفیں کیوں برادشت کی جاتی تھیں۔ اس لئے کہ صبر کی لذت کو آپ الوان نعمت کی خوشگواری اور خلعت ہائے فاخرہ کی زیب و آرائش سے کہیں بہتر سمجھتے تھے ان تمام اقسام صبر سے وہ صبر زیادہ دشوار تر ہے جو دشمنوں سے۔ نہیں دوستوں سے تکلیف پہنچنے پر کیا جائے۔ دوبار ایسا واقعہ پیش آیا کہ اہل اسلام کے دو عجلت پسند نوجوانوں نے آپ کے کسی فعل پر جس کی مصلحت کو وہ خود نہیں سمجھتے تھے اعتراض کر دیا ان موقعوں پر بھی آپ کا رشتہ صبر ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا۔ حق تو ہمارا تھا آپ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا۔ (غزوہ حنین)

رحمه الله علی موسی قد اوذی الثر من ذلك نصبر

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کی رحمت ہو۔ وہ اس سے بھی زیادہ تر اپنے دوستوں کی طرف سے ستائے گئے ہیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (ملخص از سیرۃ النبیؐ جلد دوم۔)

اخلاق نبوی

یہ وہ صفت خاص ہے جو فطرت صالحہ رسالت کا جزو عظیم قرار دی گئی ہے اور اس صفت خاص میں جناب افضل المرسلین اشراف النبینؐ کی ذات قدسی صفات تمام انبیاو مرسلین میں خاص امتیاز رکھتی تھی انبیاو مرسلین کے طبقہ کرام میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علی نبیا و آلہ وعلیہما السلام کے اخلاق کا بہت شہرہ ہے۔ مصلحین عالم کے دائرہ میں مشرق علمائے اخلاقین گوتم بدھ کے اخلاقی اوصاف کی بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن ان دونوں حضرات کے اخلاقی واقعات وحالات کے علاوہ جب ان کے ذاتی عملیات کی تفتیش وتحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ یہ خود کیا تھے ان حضرات کے درس اخلاقیات کے خلاف جناب رسالت مآب ﷺ کی تعلیم اخلاق کے کہ ایک جداگانہ شان امتیاز رکھتی تھی اخلاقیات کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اپنے عملیات کے ذریعہ سے فوراً دکھا دی جاتی ہے جو کہتے تھے وہی کرتے تھے شبلی صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں۔

لیکن مکہ کا معلم امیؐ پکار کر کہتا تھا لم تقولون مالا تفعلون جو نہیں کرتے ہو کہتے کیوں ہو۔

حضرت عائشہؓ سے آپ کے اخلاق کی نسبت پوچھا گیا۔ وہ بولیں کیا تم قرآن پڑھتے ہو ان خلق رسول الله صلعم کان القرآن آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ (ابوداؤد)

سابق کتب سماویہ پر غور کی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ انبیائے سابقین کے اقوال کا کامل مجموعہ ہیں۔ لیکن ان کے کسی حرف سے ان کے مبلغین کے کے ذاتی عملیات کا کوئی خاص پتا نہیں چلتا لیکن قرآن مجید تمام مخالفین ومعاندین کے مجمع میں اپنے معلم ومبلغ کی نسبت علی الاعلان پکارکہتا ہے: انك لعلے خلق عظيم اے محمدؐ تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

عیسائی متعصبین ہزار برسوں سے زاید کی مدت کے بعد آپ کو سخت دل بتاتے ہیں ان کوتاہ عقلوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ عین

اس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ قرآن خود تمام دشمنوں کے بیشمار مجمع میں آپ کے اخلاق ذاتی کے متعلق بتلا رہا تھا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

خدا کی عنایت سے تم ان سے بہ نرمی پیش آتے ہو اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے ہٹ جاتے۔

پھر دوسری جگہ اس سے زیادہ توضیح کے ساتھ بتلاتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

دنیا کے اکثر غلط فہم، صرف رحم ومروت، کرم وجود اور الطاف اور اشفاق کو اخلاق پیمبرانہ سمجھتے ہیں ان کو سمجھنا اور ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اخلاق، انسان کے تمام عملیات کے ساتھ تہ بہ تہ ہے جس طرح ہر ورق گل میں خوشبو، دوست ہو، دشمن ہو، نادار ہو، مالدار ہو، عسرت کے حالت ہو یا ثروت کی، خلوت کا موقع ہو۔ یا جلوت کا۔ ان میں سے ہر ایک کیفیت میں ہر ایک شخصیت کے ساتھ اظہار اخلاق کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے آئینہ اخلاق میں انہیں جوہروں کی کامل جلوہ نمائی ہے شمائل کے ذکر میں آپ کے اخلاق کا مجمل بیان تفصیل سے مرقوم ہو چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں لیکن مقامی مناسبت کے لحاظ سے اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم تیئس برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے آپ کے اخلاق وعادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا آپ خندہ جبین نرم خو، مہربان طبع تھے سخت مزاج اور تنگدل نہیں تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور تنگ گیر نہیں تھے، کوئی ایسی بات نہ ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور مجبوری ظاہر فرماتے تھے (یعنی صراحتاً انکار وتردید نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔ نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں بحث ومباحثہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا۔ اور جوابات متکلم کی نہ ہو، اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں کے لئے پرہیز کرتے تھے کسی کے اندرونی حالات کے ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ کلام کرتے صحابہ اس

طرح خاموش ہوکراورسر جھکا کرسنتے گویاان کے سروں پر پرندے بیٹھتے ہیں چپ سنا کرتے ۔لوگ جن باتوں پر ہنستے۔آپ بھی مسکرادیتے جن پرلوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے کوئی باہرکا آدمی اگر بیبا کی سے گفتگوکرتاتوآپ تحمل فرماتے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سنناپسندنہیں کرتے تھےلیکن اگرکوئی آپ کے احسان وانعام کاشکریہ اداکرتاتوقبول فرماتے ۔جب تک بولنے والاخودچپ نہ ہوجاتا آپ اس کی بات درمیان سےنہیں کاٹتے تھے ۔نہایت فیاض تھےنہایت راست گو۔نہایت نرم طبع اورنہایت خوش صحبت تھے۔اگرکوئی دفعتہً آپ کودیکھتاتومرغوب ہوجاتالیکن جیسے جیسے آشناہوتاجاتا۔آپ سے محبت کرنے لگتا۔

ہندابی ہالہ جوگویاآنحضرت ﷺ کی آغوش کے پروردہ تھے ۔وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نرم خو تھےسخت مزاج نہ تھےکسی کی توہین روانہ رکھتے تھے ۔چھوٹی چھوٹی باتوں پراظہارشکرفرماتے تھےکسی چیزکوبُرانہ کہتے تھے۔کھاناجس قسم کاسامنے آتاتناول فرماتے ۔اوراس کوبرابھلانہ کہتے ۔کوئی اگرکسی امرکی مخالفت کرتاتوآپ کوغصہ آجاتااوراس کی پوری حمایت کرتےلیکن خودآپ کواپنی ذاتی معاملہ پرکبھی غصہ نہیں آیااورنہ کسی سے انتقام لیا۔

دوامِ عمل

حسن اخلاق کی تعلیم کاپہلاسبق یہ ہے کہ جس اخلاقی عمل کواختیارکیاجائے اس میں ندامت پیداکی جائے اوراس استحکام ،شدت اوراستقلال کے ساتھ کہ وہ عمل اس کی طبیعت ثانیہ معلوم ہونے لگے۔عادات کائنات پرغورکرنے سے معلوم ہوتاہے۔کہ تمام مخلوقات کی فطرت کالازمہ یہ ہے کہ وہ ایک طرزعمل کاعامل بتایاگیاہے۔بخلاف انسان کے کہ وہ جملہ اقسام عملیہ کے استعمال پرقادربنایاگیاہے ۔نباتات میں دیکھاجائےتوہرپھول اپنی ایک خاص خوشبودیتاہے۔اس کایہی طرزعمل ہے۔وہ سوائے اپنی خوشبودینے کے دوسرے پھول کی خوشبونہیں دیتا۔اسی طرح جوپھل یاترکاری جوذائقہ دیتی ہے۔وہی اس کاخاص طرزعمل ہےایک پھل نہ دوسرے پھل کااورنہ ایک ترکاری دوسری ترکاری کاذائقہ دےسکتی ہے۔حیوانات میں آؤ۔تووہ اپنےنوعی افعال واخلاق میں بالکل محدودہیں اوراس سےسرموتجاوزنہیں کرسکتے ۔باربرداری کاگھوڑاجنگی صفوں میں کام نہیں دےسکتا۔خچراونٹ کی طرح بارنہیں اٹھاسکتا،بیل کی طرح گدھوں سے ہل نہیں چل سکتا۔لیکن انسان ہرقسم کےطرزعمل کامختاربنایاگیاہے۔اس کےعمل میں ہرقسم کاذائقہ اورہررنگ کی خوشبوآتی ہےاوروہ ہرطرح کےعمل بجالاسکتاہے۔وہ حیوانات کی طرح ایک قسم کےاعمال وافعال کےلیےمجبورنہیں۔لیکن اخلاق کاایک دقیق نکتہ یہ ہے۔کہ انسان باوجوداپنی مختاری اورآزادی کےاپنےاعمال وافعال میں ہمیشہ ان پراخلاق کاپہلواختیارکرےاوراس پراستقرارواستزارسےاپناعمل بھی مقدم کرے۔اپنےاس طرزعمل میں مداومت اس اہمیت اورشدت کےساتھ ہوکہ ہرشخص سمجھ لےکہ اس کےسوا اس طرزعمل کےلئےدوسراممکن ہی نہیں۔

گویااس شخص میں طرزعمل اس طرح پایاجاتاہے۔جیسےپھول میں خوشبو۔درخت میں پھل اورآفتاب میں نوراورمسلم ہےکہ پھول سےخوشبودرخت سےپھل اورآفتاب سےنورکی خصوصیت اورمناسبت علیحدہ ہوناناممکنات سےہے۔آنحضرتؐ کےاخلاقیات میں

مداومت فی العملیات کی یہی شان نظر آتی ہے۔حسنت جمیع خصالہ صلو ا علیہ والہ جس کام کو جس طریقہ سے آغاز فرمایا گیا آخر وقت تک اس میں نہایت شدت کے ساتھ مداومت قائم رکھی گئی۔

اسلام میں سنت رسول کے فعل کا نام ہے اور سنت وہ فعل ہے جس کی رسولؐ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے۔اور بغیر کسی غیر امکان مواقع کے کبھی اس کو متروک نہیں فرمایا۔اس لیے جس قدر سنن ہیں اور وہ اہل اسلام کے لیے قابل تعمیل ہونے سے پہلے آپ کے استقلال حال اور مداومت عمل کے کامل اور مستقل مثالیں ثابت ہوتی ہیں۔اور انھیں سے ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ اپنے محاسن اعمال کی تعمیل میں کس قدر استحکام واستقلال سے کار فرما تھے کہ کبھی تمام عمران میں ایک ذرہ بھی کمی نہ فرمائی گئی۔

حضرت عائشہ سے آپ کی عبادت واعمال کے متعلق دریافت کیا گیا۔کیا آپ کسی خاص دن یہ کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا لا کان عملہ دیمہ آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا۔یعنی اس طرح جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو رکتی نہیں اسی طرح آپ کا حال تھا۔کہ جو بات آپ نے ایک بار اختیار کی۔ہمیشہ اس کی پابندی کی پھر کہا ایکم یستطیع ما کان نبی صلعم تستطیع آنحضرت صلعم جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کرسکتا ہے۔دوسری روایت میں ہے۔وکان ذا عمل عملا اثبتہ جب آنحضرت صلعم کوئی کام کرتے تھے۔تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔اس بنا پر آنحضرت صلعم کا خود ارشاد ہے۔ان احب العمل فی ادوعہ خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

عبادت میں آپ کی مداومت کا تفصیلی حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔فرائض پنجگانہ کے علاوہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادت کرنا تمام عمر آپؐ نے کبھی ترک نہیں فرمایا۔ہاں یہ ہوتا تھا کہ مزاج اقدس ناساز پڑ گیا یا طبیعت میں اضمحلال وسستی محسوس ہوئی۔تو بیٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے اور عبادتیں کیا کرتے تھے۔عبادت کے ایسے بڑے کام میں تو یہ مداومت تھی۔چھوٹے اور معمولی کام میں استمرار کا یہ حال تھا کہ جریر بن عبداللہ بجلی ایک صحابی تھے جن کو آپ دیکھ کر محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے۔ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ نے مسکرا نہ دیا ہو۔عبادت کی مداومت کے علاوہ طریقہ معاشرت اور ارشادات۔ہدایات اور باہمی ملاقات وغیرہ کے طریقوں میں آپ کی مداومت کا ہمیشہ ایک ہی سلسلہ قائم رہا اور اس میں سرمو کمی نہ آئی۔

حسن خلق

ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت آپ ہمیشہ خود سلام اور مصافحہ فرماتے تھے اگر کوئی شخص جھک کر آپ کے کان میں سرگوشی کرتا تو آپ اس کی طرف سے اپنا منہ نہ پھیر لیتے۔جب تک کہ وہ خود منہ ہٹا لیتا۔مصافحہ میں بھی آپ کا یہی معمول تھا یعنی مصافحہ کرنے میں جب تک مصافحہ کرنے والا آپ کا خود ہاتھ چھوڑ نہ دیتا۔آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔مجالست کے وقت آپ کا زانو مبارک بیٹھنے والوں سے کبھی آگے نہیں ہوا تھا۔اکثر غلام کنیز اور عوام لوگ خدمت اقدس میں پانی لاتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈال دیں کہ تبرک ہو جائے۔اگرچہ سخت جاڑے کے دن اور سردی ہوتی مگر آپ کبھی انکار نہ فرماتے۔ہمیشہ پانی میں بلا تامل ہاتھ ڈال دیا کرتے۔

ایک بار سعد بن عبادہ کے ہاں ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ تو انھوں نے اپنے صاحبزادے قیس کو ہمراہ کر دیا کہ آنحضرتؐ کے ہمراہ جائیں آنحضرتؐ نے قیس سے کہا کہ تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ انھوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا۔ آپ نے ارشاد کیا تو سوار ہو جاؤ یا گھر کو واپس جاؤ۔ قیس واپس چلے آئے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ نے اہل سفارت کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود نفس بنفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یہ خدمت ہم انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے۔ اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کرتا ہوں۔

عتبان ابن مالک نے جو اصحاب بدر میں تھے۔ اس کی بینائی میں فرق آ گیا ہے۔ آنحضرت صلعم کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن جب بارش ہوتی ہے تو مجھے مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اس جگہ کو سجدہ گاہ بنالیتا دوسرے دن صبح کے وقت آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ اندر سے جواب آیا۔ تو گھر میں تشریف لے گئے۔ اور دریافت فرمایا کہاں نماز پڑھوں۔ انھوں نے جگہ بتلادی آپ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ حریرہ ایک کھانا ہوتا ہے۔ قیمہ پر چھڑک کر تیار کرتے ہیں۔ وہ سامنے آیا۔ محلہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مالک بن دخش نظر نہیں آتے۔ ایک نے کہا وہ منافق ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ نہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں لیکن اس کا میلان منافقین کی طرف ہے آپ نے فرمایا۔ جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

ابتدائے ہجرت میں آنحضرتؐ کے دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں معاون اتاردی گئی تھی۔ مقداد بن الاسود کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت شامل تھے۔ گھر میں چند بکریاں تھیں۔ جنکے دودھ پر گزارا تھا۔ دودھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے۔ اور آپ کے لیے پیالہ میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی۔ لوگ دودھ پی کر سو رہے۔ آپ نے آ کر دیکھا تو تعجب! کہ پیالہ خالی تھا۔ خاموش ہو رہے۔ پھر فرمایا۔ خدایا جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا۔ حضرت مقداد چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں لیکن آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوھ کر جو کچھ نکلا اس کو پی کر سو رہے اور کسی کو اس قول پر ملامت نہیں فرمائی۔

ابوشعیب ایک انصاری تھے ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا ایک دن وہ خدمت اقدس میں آئے۔ آپ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابوشعیب نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آ کر آنحضرتؐ نے ابوشعیب سے کہا یہ شخص ہے جو بغیر دعوت کے ساتھ ہولیا ہے۔ تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے۔ ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ آپ ان کو بھی ساتھ لائیں۔

عقبہ بن عامر ایک صحابی تھے۔ایک دفعہ آنحضرت صلعم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار تھے۔یہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ان سے کہا کہ آؤ سوار ہولو۔انھوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ صلعم کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔آنحضرت صلعم نے دوبارہ کہا۔اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا آنحضرت صلعم اتر پڑے اور یہ سوار ہولیے۔

مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ فرماتے۔حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔اور حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں۔آپ چاہتے تھے لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔لوگوں نے کچھ خیال نہیں کیا۔آپ اٹھ کر حضرت عائشہ کے حجرہ تک چلے گئے واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا۔پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔

غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے۔کہ راہ میں نماز کا وقت آ گیا۔جسب دستور ٹھہر گئے۔مؤذن نے اذان دی ابو مخدورہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔اذان سن کر سب نے بطور استہزا چلا کر چلا کر اذان کی نقلیں اتارنی شروع کیں۔آنحضرت صلعم نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ابو مخدورہ جو خوش لحن تھے۔ان کی آواز پسند آئی سامنے بٹھلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا تھا۔ڈھیلوں سے کھجوریں مار مار کر گراتا لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔آپ نے پوچھا کہ ڈھیلے کیوں چلاتے ہو۔میں نے کہا کہ کھجوروں کے لیے ارشاد ہوا زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو۔ڈھیلے نہ مارو۔یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

عباد بن شرحبیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشہ توڑ کر کھایا۔کچھ دامن میں رکھ لیے۔باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتروالیے۔یہ آنحضرتؐ کے پاس شکایت لے کر آئے۔مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا۔یہ مجبور تھا۔اس کو کھانا کھلانا تھا یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوادیئے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام ہوتے تو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔آنحضرت صلعم جب مدینہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔اس پر آیت اتری کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں۔یہودیوں نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔

دو صحابی آپ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں۔رخسار مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔دونوں صاحب چلے گئے آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ایک دفعہ ایک صاحب زرد کپڑے پہن کر

خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے۔ تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔
ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا۔ اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر اس رفق وملاطفت کے ساتھ کلام کیا تو آپ نے فرمایا۔ خدا کے نزدیک سب سے براوہ شخص ہے۔ جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

یہود جس درجہ کے شقی اور دشمن اسلام تھے۔ اس کا اندازہ گزشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا۔ ان میں آنحضرتؐ ان سنگدلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور سخت سے سخت غصہ کی حالت میں بھی صرف اسی قدر فرماتے۔ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں، اور قرضہ ادا نہ ہو سکا اس پر پورا سال گزر گیا بہار آئی تو یہودی نے تقاضہ شروع کیا۔ اب کی بار بھی پھل کم آئے میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی۔ اس نے انکار کیا۔ میں نے آنحضرتؐ سے آ کر یہ تمام واقعات بیان کیے آپ چند صحابہ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو اس نے کہا ابوالقاسم میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا بالآخر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر فرش بچھا دو اس پر آرام فرمایا اور سو گئے۔ سو کر اٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دے دے اس شقی نے اب بھی نہ مانا۔ اب آپ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور جابر سے کہا کہ کھجور توڑنی شروع کرو۔ آنحضرت صلعم کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔

مجلس نبوی میں جگہ بہت کم تھی۔ جو لوگ پہلے آ کر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ اپنی خودردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ مقام جفرانہ میں آنحضرت صلعم تشریف فرماتے۔ اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی آپؐ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ حضور کی رضاعی ماں تھیں۔

اسی طرح ایک دفعہ کا اور ذکر ہے کہ آنحضرت صلعم تشریف فرماتے تھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے۔ آپ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں۔ آپ نے دوسرا گوشہ بچا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

حضرت ابوذر مشہور صحابی ہیں ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا۔ تو وہ گھر نہیں ملے تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹے

ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔

حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے۔ تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا سلام میں ہمیشہ پیش دستی فرماتے تھے۔ راستہ میں جب چلتے تو مرد بچے عورتیں جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے ایک دفعہ راستہ سے گزر رہے تھے اسی مقام پر مسلمان منافق اور کافر یکجا بیٹھے تھے آپ نے سب کو سلام کیا کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو اس کا نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے بلکہ صیغہ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور لوگ ایسا کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہی طریقہ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس عزت میں کمی نہ آجائے۔ سیرۃ النبی جلد دوم

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن یاسر کا بیان ہے کہ بعثت سے قبل جناب رسالت مآبؐ بھی اپنی دنبیاں چراتے تھے اور میں بھی دنبیاں چراتا تھا۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ مقام فخ میں چرائی بہت ہے۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ اپنی دنبیاں وہیں لے کر چرائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا دوسرے روز جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ آپ پہلے ہی سے وہاں اپنی دنبیاں لے کر موجود ہیں۔ لیکن اپنی دنبیوں کو چراگاہ میں داخل ہونے سے روکے ہوئے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں اس لیے مجھے مناسب نہ معلوم ہوا کہ میں اپنی دنبیوں کو تمہاری دنبیوں سے پہلے چرا لوں۔ یہ فطرت صالحہ رسالت کی حقیقت اور اصلیت ہے۔۔

حسن معاملہ

عام فیاضی اور کثیر عطا و جود کے باعث عام طور پر آپ مقروض رہا کرتے تھے۔ یہ حالت آپ کی تمام عمر بنی رہی۔ وفات کے وقت تک آپ کی زرہ من بھر غلہ کے لیے ایک یہودی کے پاس گروی تھی لیکن ان تمام حالتوں میں جس معاملہ کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولت مند اکثر یہودی تھے۔ اور اکثر انہیں سے آپ قرض لیا کرتے تھے۔ یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہیں۔ آپ نے ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرمائیں۔ نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے انھوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسن معاملت کا اعتراف کیا ہے۔ اس لیے قریش نے متفقاً آپؐ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ سے لبریز تھے تاہم ان کی دولت کے لیے محفوظ مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا۔ عرب میں سائب نامی ایک تاجر تھے۔ وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ کا تعارف کرایا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا کہ میرے ماں باپ خدا فدا ہوں آپ پر آپ میرے شریک تھے اور ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔

ایک دفعہ ایک شخص سے کھجوریں قرض کے طور پر لیں چند روز کے بعد وہ تقاضہ کو آیا۔ آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ انصاری نے کھجوریں دیں۔ لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں۔ اس شخص نے لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے کہا تم رسول اللہ صلعم کی عطا کردہ کھجوروں کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا ہاں۔ رسول صلعم عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی

جائے۔آنحضرت صلعم نے یہ جملہ سنا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا یہ بالکل سچ ہے۔

ایک دن ایک بدو آیا۔جس کا کچھ قرضہ آنحضرتؐ پر تھا۔بدوعموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں اس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا تجھ کو پتہ ہے تو کس سے ہمکلام ہے۔۔بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔آنحضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ اس کا حق ہے۔قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے۔اس کے بعد صحابہ کو اس کے قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور زیادہ دلوا دیے۔

ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن جابر انصاری ہمرکاب تھے ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا آپ نے ان سے اونٹ خرید لیا۔اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دیا۔کہ دونوں تمہارے ہیں۔

یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو۔انھوں نے دی آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا۔پھر آنحضرت صلعم نے چار دینار پر ان سے اونٹ اس شرط پر خرید کر لیا کہ مدینہ تک ان کو سواری کا حق ہے۔مدینہ پہنچ کر جابر بن عبداللہ نے قیمت طلب کی۔آپ نے بلال سے فرمایا کہ ان کو چار دینار قیمت اور اس سے کچھ اور زیادہ دیا۔چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینا ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے۔اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہ سے فرماتے تم جنازہ کی نماز پڑھا دو۔خود شریک نہ ہوتے۔

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا۔جب واپس کیا تو اس سے تیز اونٹ واپس کیا اور فرمایا کہ بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا۔سوءِ اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔تو وہ اس کا تاوان ادا فرمایا۔عموماً فرمایا کرتے تھے کہ تین دن سے زیادہ میں اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا۔سوائے دس دینار کے جن کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا۔آنحضرتؐ کو خیال یہ تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں۔آپ نے ایک وسق چھوہارے پر گوشت چکا لیا۔گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے۔باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا۔لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں اس نے واویلا مچایا کہ ہائے بددیانتی۔لوگوں نے سمجھایا کہ رسولؐ بددیانتی نہ کریں گے آپ نے فرمایا کہ نہیں چھوڑ دو اس کو کہنے کا حق ہے۔پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا۔اس نے پھر وہی لفظ کہے۔لوگوں نے پھر روکا۔آپ نے فرمایا اس کو کہنے دو۔اس کو کہنے کا حق ہے۔اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے۔اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوا دیا۔کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا اور آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما

تھے۔اس کا دل آپ کے حلم وعفو سے متاثر تھا۔دیکھتے ہی ساتھ بولا۔محمدؐ آپ کو خیر آئے۔خیر دے آپ نے قیمت پوری دی اور اچھی۔

ایک دن مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش تھا۔ایک سُرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا۔اتفاقاً اُدھر سے آپ کا گزر ہوا آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی لوگ نے قیمت بتائی۔بے مول تول کیے آنحضرت صلعم نے وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی۔قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی اس نے کہا مطمئن رہو۔ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا رات ہوئی تو آپ نے اُن کیلئے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔

غزوہ حنین میں آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی ،صفوان اُس وقت تک کافر تھے ان کے پاس بہت سی زریں تھیں آپ نے ان سے کچھ زریں طلب کیں انہوں نے کہا محمدؐ کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے۔فرمایا نہیں میں رعایتاً مانگتا ہوں۔اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا۔چنانچہ انہوں نے تیس پنیتالیس زریں مسلمانوں کو عاریتاً دیں حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زریں کم نکلیں آپ نے صفوان سے کہا کہ تمہاری چند زریں کم نکلیں تم ان کا معاوضہ لے لو۔صفوان نے عرض کی یارسول اللہ صلعم میرے دل کی حالت پہلے جیسی نہیں مسلمان ہو گیا اب معاوضہ کی ضرورت نہیں۔(سیرۃ النبی جلد دوم ص241)

عدل وانصاف

ایسا شخص جو کاروبار دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کہ خانہ نشین ہو گیا ہو اس کو اپنے یا دوسرے کے امور میں عدل وانصاف قائم کرنا دشوار نہیں لیکن جناب رسالت مآب ﷺ وہ بزرگوار تھے ۔جن کے تعلقات ہر طبقہ کے اعلیٰ اور ادنےٰ لوگوں سے متعلق تھا اور عرب کے تمام جنگجو اور نا قابل اطمینان قوم وقبائل کے معاملات میں اپنے احکام کو صادر فرمانا ہوتا تھا۔مگر آپ روزانہ ان کے اُمور میں کمال انصاف وعدالت کے ایسے احکام نافذ فرماتے تھے کہ پھر کسی کو اس میں کوئی تامل باقی نہیں رہتا تھا۔فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اُٹھا لینا پڑا۔

صخر ایک رئیس تھے ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کے حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہو گئے۔صخر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو اس کے بعد بنوسلیم کہتے ہوئے آئے جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہمیں دلا دیا جائے آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنی جان ومال کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے ان کو ان کا چشمہ دے دو صخر کو منظور کرنا پڑا راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلعم کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کر لئے۔تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کے چہرے پر شرم سے سُرخی آ گئی

کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا ان کو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی چوری کی قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ صلعم کے محبوب خاص تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجئے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم سے معافی کی درخواست کی آپ نے غضب آلودہ ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگزر کرتے تھے۔

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ بن سہیل ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کیلئے گئے۔ محیصہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس استغاثہ کیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا۔ بولے میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا آپ نے فرمایا۔ یہود سے حلف لیا جائے۔ بولے یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قسم آباد نہیں تھی یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبداللہ بن سہیل کو قتل کیا ہے۔ تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی آنحضرت صلعم نے یہود سے تعرض نہ فرمایا اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوا دیے۔

سرق ایک صحابی تھے انہوں نے ایک بدوی سے اونٹ مول لیا۔ لیکن قیمت ادا نہ ہو سکی بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ آپ نے بدو سے کہا کہ ان کو بازار میں لے جا کر فروخت کر ڈالو۔ بدّو ان کو بازار لے گیا ایک صاحب نے دام دے کر ان کو بدو سے خریدا اور آزاد کر دیا۔

ابوحدرد اسلمی ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا۔ اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلعم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے ابوحدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا۔ اور ان کو پکڑ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں لایا آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کر دو انہوں نے عذر کیا آپ نے پھر فرمایا انہوں نے پھر یہی جواب دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم غزوہ خیبر قریب ہے شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کر دو آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا۔ اور سر پر جو عمامہ تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا اس عدل مجسم اور رحمت عالم ﷺ کی عدالت وانصاف کا یہ اثر تھا کہ یہود کے ایسے آپ کے جان و مال کے دشمن اپنے معاملات تصفیہ کیلئے آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور انہیں کی کتاب کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے

اسلام سے پہلے یہود ان نبو نضیر و بنی قریظہ میں عزت و شرافت کی ایک عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا اس کو خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی اسلام

میں جب یہ واقعہ پیش آیا۔ تو آنحضرت صلعم کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے توریت کے آئین کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا حکم قصاص جاری کر دیا۔

عدل وانصاف کا نازک ترین پہلو

یہ ہے کہ اپنے خاص معاملات میں بھی عدالت کا وہی معیار قائم رہے ایک بار آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا۔ ایک شخص منہ کے بل آپ پر لد گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آ گئی۔ فرمایا مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں معاف نے کر دیا۔

مرض الموت میں آپ نے عام مجمع میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو۔ اگر میں نے کسی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا۔ جو دلوا دے گئے۔

جود وسخا

نبی کریم ﷺ کی سخاوت و بخشش عین فطرت تھی اور داد و پیش اصل طبیعت۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی میں تو صرف دینے والا بانٹنے والا اور خزانہ دار ہوں۔ دیتا اللہ ہے۔ (بخاری)

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دے دیں اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا اسلام قبول کر لو محمد صلعم ایسے فیاض ہیں کہ مفلسی کی پروا نہیں کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے ساتھ آؤ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ عرض کی کہ اگر آپ کے پاس اس وقت کچھ موجود نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے ایک صاحب اور حاضر تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلعم آپ دیتے جائیں اور عرش والے خدا سے نہ ڈریے وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا آپ فرطِ بشاشت سے مسکرا دیے۔

عطا و جود کا یہ عالم خاص تھا کہ جو شخص خدمت مبارک میں حاضر ہوتا۔ اور عرض حال کرتا آپ ضرور کچھ نہ کچھ اس کو عطا فرما دیتے۔ ورنہ وعدہ فرماتے اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا۔ اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے چنانچہ

آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور اس کی حاجت براری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدنے قیمت چکا دینے پر بھی وہ چیز اس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے چنانچہ حضرت عمرؓ سے ایک بار ایک اونٹ خریدا اور پھر اس وقت اس کو عبداللہ بن عمر کو دے دیا۔ حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ مذکور ہے۔

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سی معمولی چیزیں بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہ کو تقسیم فرماتے کسی غزوہ میں 30 صحابہ ہمراہ تھے آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی بھوننے کا حکم دیا وہ تیاری ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔

جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتی جب تک کہ صرف نہ ہو جاتی آپ کو چین نہ آتا بے قراری سی رہتی۔ ام المومنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم گھر میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خیر ہے۔ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت صلعم کے رستہ سے گزر رہے تھے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر احد کا پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی نہ پسند کرونگا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس الگ دینار رہ جائے۔ لیکن وہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کیلئے رکھ چھوڑوں

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کے قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبویؐ میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کر دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر اطلاع کی۔ آتے ہی پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا۔ فرمایا جب تک کچھ باقی رہے گا۔ میں گھر نہیں جا سکتا حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں کوئی سائل نہیں آنحضرت صلعم نے مسجد میں بسر کی۔ دوسرے دن بلال نے آکر کہا خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ اس طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھکر خلاف معمول گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور پھر فوراً نکل آئے لوگوں کو تعجب ہوا اور آپ نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے گمان ہوا کہیں ایسا نہ ہوا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لئے جا کر اس کے صرف کر دینے کو کہہ آیا۔

غزوہ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو خیرات فرما کر واپس آرہے تھے۔ راہ میں بدوؤں کو خبر لگ گئی کہ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ہونیوالا ہے آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو آپ اژدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے انہوں نے ردائے مبارک تھام لی۔ بالآخر اس کشمکش میں جسم اطہر سے چادر اُتر کر انکے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاض

عالم نے کہا میری چادر دے دو فرمایا خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے نہ دروغ گو نہ نامرد، لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو۔ میں اسے ادا کروں گا۔ اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس سے مطلب نہیں۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک بدو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا محمدؐ یہ مال نہ تیرا ہے۔ نہ تیرے باپ کا ہے۔ ایک بار شتر دے آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھا کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں نہیں آیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈلوا دو اس کے بعد جب آپ بعد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر نظر بھی نہ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کر دی جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے تھے جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہو گئے۔

اسلام میں قاعدہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مرجائے تو اس کا ترکہ آقا کو ملتا ہے ایک دفعہ آپ کا اس قسم کا غلام مر گیا لوگ اس کا متروکہ سامان اُٹھا کر آپ کے پاس لائے آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں ہے آپ نے فرمایا یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔ ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے دے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا۔ پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہ رہا لیکن باوجود اس کے وہ حاضر ہوئے درخواست کی فرمایا میرے پاس جو کچھ ہوا میں اس کو تم سے بچا نہیں رکھوں گا۔

حیات القلوب میں تحریر ہے کہ عام مسلمانوں پر آپ کے اشفاق وعنایات کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی شخص کو آپ نے تین دن تک نہیں دیکھا تو ضرور اس کا حال استفسار فرماتے تھے۔ اگر کہا جاتا تھا کہ وہ سفر میں گیا ہے تو اس کیلئے دعا فرماتے تھے ۔اور اگر موجود رہتا تھا تو اس کے لئے خود تشریف لے جاتے تھے اور اگر بیمار ہوتا تھا تو اس کی عیادت فرماتے تھے۔

حضرت جابر انصاریؓ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ اکیس (21) معرکہائے جنگ میں بالنفس النفیس موجود تھے اور انیس لڑائیوں میں۔ میں آپ کے ہمراہ تھا ایک بار ایک سفر جنگ کے موقع پر میرا اونٹ تھک گیا۔ اور لیٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ سب لوگوں سے پیچھے تھے اور کمزور لوگوں کو قافلہ تک پہنچا دیتے تھے۔ اور لوگوں کے ساتھ کر دیتے تھے اور ان کے حق میں دعا فرماتے تھے پس آپ ہم تک پہنچے اور پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا میں ہوں جابرؓ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے میں نے عرض کی میرا اونٹ تھک گیا ہے اور لیٹ گیا ہے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کوئی عصا ہے کہا ہاں۔ پس آپ نے میرا عصا لیا اور اونٹ کو اس سے مارا اور اونٹ کو اُٹھایا پھر بٹھلا دیا اپنا پائے مبارک اس کے زانو پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اب تو سوار ہو میں ہوا ہوں آنحضرت صلعم کی برکت سے میرا اونٹ آپ کے اونٹ سے آگے نکل گیا۔ اس رات کو آپ نے پچیس مرتبہ میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تمہارے باپ عبداللہ نے کتنے لڑکے اپنے بعد چھوڑے ہیں میں نے عرض کی سات لڑکیاں

چھوڑی ہیں پھر استفسار فرمایا کہ قرض بھی چھوڑا ہے میں نے عرض کی ہاں ارشاد ہوا کہ مدینہ پہنچ کر اپنے قرض خواہوں سے قسط بندی کرالو۔ تھوڑا تھوڑا لیا کریں یہاں تک کہ تمام قرض ادا ہو جائے اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو جب کھجوریں پکنے کی فصل ہو تو مجھے خبر کرو۔ پھر اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے شادی کی ہے میں نے عرض کی جی ہاں ایک زن بیوہ سے بیاہ کیا ہے ارشاد ہوا کہ جوان لڑکی سے کیوں نہ شادی کی کہ وہ تمہیں خوش کرتی اور تم اس کو میں نے عرض کی کہ اس خیال سے کہ شاید اس سے اور ہماری بہنوں سے نہ بنے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ تو اچھا کیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ یہ اونٹ کتنے کا خریدا ہے میں نے عرض کی کہ پانچ ادقیہ سونے پر ارشاد ہوا کہ اچھا میں نے اسی قیمت پر تم سے یہ اونٹ خرید کر لیا جب ہم لوگ مدینہ میں پہنچ گئے تو میں اونٹ لے کر۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ پانچ ادقیہ سونا ان کو دے دو کہ اپنے باپ کا قرضہ دیدیں۔ اور تین ادقیہ سونا ان کو اور دے دو۔ اور اونٹ بھی انہیں کو دے دو۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے استفسار فرمایا کہ قرض خواہوں سے قِسط بندی کا انتظام کیا۔ میں نے عرض کیا ابھی نہیں استفسار فرمایا کہ تمہارے باپ عبداللہ نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ اس سے اس کا قرض ادا ہو جائے گا۔ میں نے عرض کی نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ جس وقت کھجوریں چننے کا وقت آ جائے مجھے اطلاع کرنا۔ پس جب وہ وقت آیا تو میں نے حضور کو اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ آپ کی دعا کی برکت سے اتنی کھجوریں پیدا ہوئیں اور چنی گئیں کہ تمام قرض خواہوں کا قرض ادا کیا گیا اور ہر سال سے زاید بھی بچ رہا۔ پس آپ نے فرمایا کہ اس کو اُٹھا لے جاؤ اور پیمانہ سے وزن نہ کرو چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور مدت تک ہم اس کو کھاتے پیتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ جب کسی سائل کو عطا فرمانے کا حکم ہوتا تھا تو آپ ہمیشہ حکم کو دوبارہ ارشاد فرماتے تھے کہ سائل پر حکم عطا مشتبہ نہ رہ جائے۔ ابی الحمیسا بیان کرتے ہیں کہ قبل بعثت کے میں نے آنحضرت ﷺ سے کوئی معاملہ کیا تھا اور آپ نے ایک مقام پر آنے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ میں بھول گیا اور وعدہ گاہ پر نہ اس دن گیا اور نہ اس کے دوسرے دن تیسرے دن مجھے یاد آیا۔ میں گیا تو آنحضرت صلعم تین دن سے وہیں موجود تھے۔

جریرابن عبداللہ سے منقول ہے کہ میں ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گیا مجلس مبارک تمام آدمیوں سے بھری ہوئی تھی اور میرے بیٹھنے کیلئے کہیں جگہ نہیں تھی میں مجلس مقدس کے باہر بیٹھ گیا یہ دیکھ کر حضرت نے اپنا کپڑا میری طرف پھینک دیا اور کہا کہ اس پر بیٹھ جاؤ میں نے وہ کپڑا اُٹھایا اپنے منہ پر ملا اور اس کی بوسے میں معطر ہو گیا۔

سلمان الفارسی سے مروی ہے کہ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے تکیہ میری طرف بڑھا دیا۔ اور ارشاد فرمایا یا جو مرد مسلمان اپنے بھائی کی تعظیم کیلئے تکیہ بڑھا دے تو خدا تعالیٰ اس کے اکرام کیلئے اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ دوسری روایت میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلعم سواری پر کہیں تشریف لے جاتے تھے آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی پیدل چلے اگر کوئی پیدل چلتا تھا تو آپ اس کو اپنے ہمراہ سواری پر بٹھلاتے تھے اور اگر وہ ساتھ سوار ہونا قبول

نہیں کرتا تھا تو فرماتے تھے کہ آگے چلے جاؤ اور فلاں مقام پر مجھ سے مل جانا۔

ایک دوسری روایت میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اسناد سے منقول ہے کہ ایک بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص سے ایک پتھر پر وعدہ فرمایا تھا کہ میں یہیں کھڑا رہتا ہوں جب تک کہ تم آ جاؤ اتنے میں دھوپ تیز ہوگئی تھی۔ صحابہ نے خدمت مبارک میں عرض کی یارسول اللہ صلعم اگر آپ سایہ میں آ جاتے تو بہتر ہوتا ارشاد فرمایا میں نے اسی جگہ کا وعدہ کیا ہے اگر وہ نہ آیا تا ہم یہیں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ میں مرجاؤں اور یہیں سے محشور ہوں۔

روایت میں منقول ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں لاتے تھے کہ ان کے لیے آپ دعا فرمائیں یا ان کے نام رکھ دیں۔ حضرت اس بچے کو لے لیتے تھے۔ اور اپنے دامن میں بٹھا لیتے تھے اس لیے کہ ان کے والد کا اعزاز ہو۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی لڑکا آپ کے دامن میں پیشاب کر دیتا تھا۔ اور لوگ شور کرنے لگتے تھے۔ پس آپ فرماتے تھے کہ لڑکے کا پیشاب کرنا نہ قطع کرواور لڑکے کو چھوڑ دیتے تھے۔ کہ پیشاب کو تمام کر لیتا تھا اس کے بعد آپ اس بچہ کے لیے دعا فرماتے تھے یا اس کا نام رکھ دیتے تھے اس لحاظ سے کہ لڑکے کے والدین خوش ہو جائیں اور یہ نہ جانیں کہ آنحضرتؐ کو اس لڑکے کے پیشاب کر دینے سے ایذا پہنچی ہے اور جب اس لڑکے کے لوگ وہاں سے چلے جاتے تھے۔ تو آپ کپڑے کو پانی سے دھلواتے تھے۔ حیات القلوب۔ ب ج 2 ص 123 لکھنو۔

ایثار

آپ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی۔ اور ان میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو آپ فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے پیشانی کو بوسہ دیتے۔ اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ تاہم حضرت فاطمہ زہراؑ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہیں تھی۔ خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشک کے اثر سے سینے پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں۔ جناب علی علیہ السلام نے ان کی طرف سے عرض حال فرمائی اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک مل جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زہراؑ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہراؑ خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کی غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے دو ایک ہمیں مل جائیں آپ نے فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے کسی امر کی درخواست کی فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی آپ کو ضرورت تھی۔ آپ نے لے لی۔ ایک صاحب حاضر خدمت

تھے۔انھوں نے کہا کہ کیا اچھی چادر ہے۔آپ نے ان کو اتار کر دے دی۔ جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کی ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کو چادر کی ضرورت تھی۔ یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کسی کا سوال نہیں رد کرتے انھوں نے کہا لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ مجھ کو اس چادر کا کفن دیا جائے۔

ابھی ابھی زہد وقناعت کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ کس عسرت اور تنگ دستی میں صبر فرماتے تھے۔3ہجری کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی۔عرب میں باغات سب سے بہتر جائیداد تھی۔3ہجری میں یہود بنی نضیر میں سے مخریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ۔مشیب۔صائقہ، دلال، حسنین، سرقہ، اعواف، مشربہ ام ابراہیم، مرتے وقت آنحضرتؐ کو وصیت کر دیئے آپ نے سب کو خیرات کر دیا۔یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف کر دیئے تھے۔جو کچھ ایک صحابی نے شادی کی۔سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔وہ گئے اور جا کر لے آئے۔حالانکہ کاشانہ نبوت میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔وہ آپ نے اس کے نذر کر دیا۔یہ تمام رات خانہ نبوی میں فاقہ سے گزری۔حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔

مہمان نوازی

عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی میں آتے تھے۔برملہ ایک صحابیہ تھیں۔ان کا گھر دارالضیوف میں تھا۔یہیں لوگ مہمان اترتے تھے۔ام شریک ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں۔ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا۔مخصوص لوگ مسجد نبوی میں اتارے جاتے تھے۔چنانچہ وفد ثقیف نہیں اترا تھا۔آنحضرت صلعم خود بہ نفس بنفیس ان مہمانوں کی تواضع فرماتے تھے یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیئے واپس نہیں جاتے تھے۔

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے۔اور آپ یکساں ان کی مہمان نوازی فرماتے جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بنفس نفیس ان کی خدمت کی۔

ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔آپ نے ایک بکری کا اسے دودھ پلایا۔وہ سارا کا سارا پی گیا۔آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہ ہوئی۔غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے گئے۔کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا۔اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے آپ راتوں کو اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔

صحابہ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا۔وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے۔لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرتؐ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو۔وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جس کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لائے۔چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمی کو ساتھ لائے۔لیکن آنحضرتؐ دس

آدمیوں کو ہمراہ لے گئے۔

اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہ اپنے فقر وفاقہ کی حالت نہایت درد انگیز انہ طریقہ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرسنگی کی حالت میں گزر گاہ عام پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ راستہ سے گزرے تو میں نے بطور حسن طلب ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی۔ انھوں نے میری حالت کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اور وہی نتیجہ ہوا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کا گزر ہوا تو آپ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے۔ اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ آپ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ مجھ سے کہا کہ اصحاب کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا تو آپؐ نے دودھ کا پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کر دو۔

آنحضرتؐ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ چار آدمی اٹھاتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی۔ تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت صلعم کو اکروں بیٹھتا ہوتا تھا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔

حضرت مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی۔ ہم لوگوں نے اپنی تکلیف کی درخواست کی۔ لیکن کسی نے منظور نہیں کیا۔ آخر ہم لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ دولت خانہ پر لائے گئے۔ اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو چنانچہ ہم میں سے ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔

ایک دن اصحاب صفہ کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کہ گھر میں کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ لایا گیا اور یہی سامان مہمان کی آخری قسط تھی۔ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ ایک بار حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک روٹی کا ٹکرا زمین پر گرا ہے اور قریب ہے کہ حضرت عائشہؓ اس پر پاؤں رکھ دیں۔ آپ نے فوراً اس پارہ نان کو اٹھا کر کھا لیا اور ارشاد فرمایا۔ اے حمیرا! خدا کی نعمت کی عزت کرو۔ کیونکہ جب کسی کے پاس نعمت چلی جاتی ہے تو واپس نہیں آتی۔

حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک تھا اس اثنا میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا تشریف لائیں۔ اور ایک روٹی کا ٹکڑا آپ کے واسطے لائیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جناب فاطمہؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ روٹی کا ٹکڑا ہے آپ نے ارشاد فرمایا بیٹی آج یہ تیسرا روز ہے۔ کہ طعام تیرے باپ کے شکن میں نہیں گیا ہے اور یہ پہلی غذا ہے جسے تین دن کے بعد آج کھا رہا ہوں۔ حیات القلوب ص 113۔

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کرم بخشش اور عام داد ودہش کی یہ کثرت تھی تاہم لوگوں کا بے ضرورت شدید کسی سے کچھ مانگنا سخت ناگوار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ارشاد ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لادے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے

۔ایک دفعہ ایک انصاری آیا اور کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھا لیتا ہوں۔ اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے۔ آپ نے دونوں چیزیں منگوا لیں۔ پھر فرمایا کہ یہ چیزیں کون خریدتا ہے۔ ایک شخص نے دو درہم دام لگائے۔ آپ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگا تا ہے۔ ایک صاحب نے ایک ایک کے دو کر دیے۔ آپ نے دونوں چیزیں دے دیں اور درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر کے گھر میں دے اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید لو۔ اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس میں آئے۔ تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس سے کچھ کپڑا خرید لیا اور کچھ غلہ مول لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ اچھا ہے۔ یا یہ کہ قیامت میں چہرے پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے۔

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا۔ آپ نے عنایت فرمایا پھر جب تک کچھ رہا۔ آپ نے ان کی درخواست رد نہیں فرمائی جب کچھ نہیں رہا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جب تک کچھ رہے گا میں تم سے بچا کر اس کو نہ رکھوں گا اور جو خدا سے فنا کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنا مرحمت فرماتا ہے۔ اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے۔ اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی۔

حکیم بن حزام فتح مکہ میں اسلام لائے تھے ایک دفعہ انھوں نے آپ سے کچھ طلب کیا آپ نے عنایت فرمایا کچھ دن بعد پھر مانگا۔ آپ نے پھر ان کو دیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ آپ نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا۔ حکیم، یہ دولت سبز و شیریں ہے۔ جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے، وہ اس سے محروم رہتا ہے اس کی مثال اس شخص کی جیسی ہے جو کھا تا چلا جا تا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ دست بالا دست زیریں سے بہتر ہے۔ حکیم پر آنحضرتؐ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہیں مانگی۔ حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ اور صاحب آ کر شامل ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں اس کے درست معلوم ہوئے آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

قبیصہ نام ایک صاحب تھے۔ وہ مقروض ہو گئے تھے۔ آپ کے پاس آئے تو اپنی حالت عرض کی آپ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد کیا۔ اے قبیصہ سوال کرنا۔ اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو۔ وہ مانگ سکتا ہے۔ لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے۔ دوسرا اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آ گئی ہو۔ جس سے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا ہو۔ اس کو اس وقت مانگنا پڑتا ہے۔ جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے۔ تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلہ کے تین آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔

صدقہ

خدائے تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جناب رسالتمآبؐ کی اولاد امجاد پر صدقہ لینا مطلقاً حرام فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ خود

ارشاد فرماتے تھے الصدقة علینا حرام ۔ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ منہ میں ڈال لوں پھر خیال آتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو۔ اس لیے اٹھا کر پھینک دیتا ہوں۔

ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آ گئی۔ فرمایا اگر صدقہ کا شبہہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا۔

ایک بار امام حسنؑ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی آپ نے ڈانٹ کر کہا۔ کیا تمھیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر منہ سے اگلوا دیا۔

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ۔ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے۔ اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ ہے۔ تو آپ ہاتھ روک لیتے۔ اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔

تحفے اور ہدایہ قبول کرنا

از زیاد محبت کے ذریعہ ہونے کی بنا پر آنحضرتؐ دوست و احباب کے تحفے اور ہدیے قبول فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔ اسی وجہ سے صحابہ عام طور سے کچھ نہ کچھ روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کوئی چیز آپؐ کے پاس پیش کی جاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ۔ اگر ہدیہ کہتے قبول فرماتے ورنہ احتراز کر دیتے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے لے لی اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی آپ نے ان کو عنایت فرما دی۔

قرب و جوار کے ملوک و سلاطین اور امرا اور رؤسا آپ کی خدمت تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا۔ عزیز مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا ایک نے امیر نے موزے آپ کو بھیجے تھے۔

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوستیں بھیجی جس میں دیبا کی منجاف لگی ہوئی تھی۔ آپ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی پھر اتار کر حضرت جعفرؓ کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو۔ عرض کی پھر کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔ حضرت جعفر ایک مدت تک یعنی فتح خیبر تک ملک حبش میں رہے تھے اور نجاشی نے انھیں سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایہ اور تحفے دینا

جن لوگوں کے ہدایہ اور تحفے قبول فرماتے تھے ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کان یقبل الھدیہ و یثیب علیھا آنحضرتؐ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرتؐ کو ایک قیمتی حلہ بھیجا۔ جس کو اس نے 166 اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔ آپ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیہ بھیجا۔ جو 140 اونٹ دے کر خریدا گیا تھا۔ ایک دفعہ قبیلہ بنی فرازہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی آپؐ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو۔ آئندہ قریش، انصار، ثقیف، اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ نہ قبول کروں گا۔

حضرت ابوایوب انصاری جن کے مکان میں آپ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے۔ آپ ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے تھے ہمارے ہمسائیوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں تحفے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ اکثر آپ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے تھے۔ ہجرت کے وقت جب حضرت ابوبکر نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا۔ تو آپ نے قیمت ادا کی۔ مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی۔ مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی۔ لیکن آپ نے قیمت دے کر لی۔

ایک دفعہ حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر آنحضرت ﷺ کے ہم سفر تھے۔ عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت صلعم کی اونٹنی سے آگے نکل جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمر روکتے تھے لیکن وہ قابو نہ آتا تھا۔ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمر کو ڈانٹتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ انھوں نے کہا کہ نذر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں دام لے لو۔ انھوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے۔ آپ نے انکار کیا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیے آپ نے خرید کر عبداللہ بن عمر کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا خاص ہے۔

عدم تشدد

حضرت معاذ بن جبل جو اکابر صحابہ میں تھے۔ ایک محلہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں۔

ابومسعود انصاری کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا آپ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں نماز پڑھائے مختصر پڑھائے۔ کیونکہ نمازیں بوڑھے، کمزور، کام والے سب ہی کی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔

حدود قصاص میں احتیاط

حدود قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے تھے۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے تھے۔ ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو

زنا میں مبتلا ہو گئے تھے۔لیکن فوراً مسجد آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے بدکاری کی۔آپ نے منہ پھیرلیا۔وہ دوسری سمت آئے آپ نے انکی طرف سے منہ پھیرلیا۔آپ بار بار منہ پھیر لیتے۔اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے۔بالآخر آپ نے فرمایا تمہیں جنون تو نہیں ہے۔بولے نہیں۔پھر بولے تمہاری شادی ہو چکی ہے۔بولے ہاں۔آپ نے فرمایا تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا۔بولے نہیں بلکہ مجامعت کی۔آخر مجبور ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا۔آپ حد کا حکم دیں۔آپ چپ رہے۔اور نماز کا وقت آگیا۔نماز کے بعد انھوں نے پھر وہی درخواست کی۔آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے نماز نہیں پڑھی۔بولے پڑھ لی۔ارشاد فرمایا تو خدا نے تمہارا گناہ بھی معاف کر دیا۔

ایک مرتبہ قبیلہ غامد کی عورت آئی۔اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی ہے۔آپ نے فرمایا واپس جاؤ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ آپ مجھے ماغر کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔خدا کی قسم مجھے حمل رہ گیا ہے آپ نے پھر فرمایا واپس جاؤ۔وہ چلی گئی پھر تیسرے ددن واپس آئی۔آپ نے فرمایا کہ بچہ پیدا ہونے تک انتظار کرو۔بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی۔یعنی اس زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے۔آپ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو۔جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا۔جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی۔اب آپ نے مجبور ہو کر سنگسار ہونے کا حکم دیا۔لوگوں نے اس پر پتھر برسانا شروع کیے ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرے پر لگا۔اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرے پر آئیں۔انھوں نے اس کو گالی دی۔آنحضرت صلعم نے دفرمایا زبان روکو خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھالیا کریں۔فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں۔تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔ایک بار صحابی نے ماہ رمضان کے لیے اپنے بی بی سے اظہار کیا۔لیکن ابھی یہ مدت نہیں گذرنے پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی۔پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے چلو۔سب نے انکار کر دیا۔انھوں نے خود آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا۔پھر ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔انھوں نے ناداری کا عذر کیا۔آپ نے متواتر دو ماہ روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔انھوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔اب آپ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا۔انھوں نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک وسق کھجور دے گا۔اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دے دینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا۔وہ پلٹے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے۔لیکن مجھے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حسن رائے اور آسانی نظر آئی۔

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم میں برباد ہو گیا۔روزہ میں اپنی بی بی

سے ہم بستر ہوا۔آپ نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر سکتے ہو۔کہا نہیں ۔فرمایا۔دو مہینے روزے رکھ سکتے ہو۔کہا نہیں ۔فرمایا۔ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو۔کہا اسکی بھی قدرت نہیں۔آنحضرت صلعم نے تامل فرمایا۔کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی ۔آپ نے فرمایا سائل کہاں گیا۔سائل نے کہا یارسول اللہ صلعم میں یہ ہوں ۔فرمایا ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات میں دے دو۔سائل نے عرض کی یارسول اللہ صلعم مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا۔آنحضرت صلعم ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ اور گھر والوں کو ہی دے دو۔

تقشّف ناپسند تھا

رہبانیت اور تقشّف ناپسند تھا۔صحابہ ان میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر نے رہبانیت پر آمادہ تھے آنحضرت صلعم نے ان کو باز رکھا۔بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔اور ضبط نفس پر بھی قابو نہ پا سکتے تھے۔انھوں نے قطع اعضا کرنا چاہا۔آپ نے فرمایا کہ میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔آپ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے۔عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا۔صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا۔لیکن آپ نے سختی سے روکا۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلعم میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے۔آنحضرت صلعم چپ رہے۔حضرت ابو ہریرہ نے پھر انھیں الفاظ کا اعادہ کیا۔آپ چپ رہے۔تیسری بار کہا۔آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔

قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے۔پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا۔لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اتنی بدل گئی کہ آنحضرت صلعم ان کو پہچان نہ سکے انھوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت صلعم نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوشحال تھے۔تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی۔اس نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا۔متصل روزے رکھتا ہوں۔آپ نے فرمایا۔اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا۔رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔اس نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ کی قوت رکھتا ہوں آپؐ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا۔اس نے اور اضافہ کی درخواست کی آپ نے تین دن کر دیئے ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی۔تو آپ نے شہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔

ایک دن چند صحابہ خاص اس غرض سے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلعم کی عبادت کے حالات دریافت کریں وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے۔بولے کہ بھلا ہمیں آنحضرت صلعم سے کیا نسبت ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیئے ہیں۔پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں تو رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا۔ایک صاحب نے کہا میں عمر بھر شادی نہ کروں گا آنحضرت صلعم سن رہے تھے۔فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔تاہم روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی

کرتا ہوں۔نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا۔جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ گزین ہوکر ترک دنیا کرلوں۔آپ نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا۔میں آسان اور سہل آبراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔حضرت ابوذر غفاری سے ارشاد ہوتا ہے۔

یا اباذور کعتان مقتصدتارہ فی تفکر خیر من قیام لیلۃ والقلب ساہ

اے اباذر دو رکعت نماز میانہ جس کو تم نے نہ بہت طول دیا ہو اور نہ بہت مختصر کیا ہو اور حضور قلب تفکر سے پڑھا ہو۔وہ بہتر ہے اس رات بھر کی عبادت سے جو فراموشی دل کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔(عین الحیواۃ)

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے نہ ہو) ناپسند فرماتے تھے۔ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا ذکر ہوا۔حاضریں میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی آپ نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔یہ الفاظ چند بار فرمائے۔پھر ارشاد کیا کہ تمہیں اگر کسی کی مدح خوانی کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کررہا تھا حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے۔انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی۔اور کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھردیں۔

ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔محجن ثقفی سے پوچھا یہ کون ہیں محجن نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی ارشاد فرمایا دیکھو یہ سن نہ لے ورنہ تباہ ہوجائیگا۔یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا جو موجب ہلاکت ہوگا۔

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر تھے خدمت عالی میں آئے اور عرض کی میں نے خدا کی حمد اور حضورؐ کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں فرمایا کہ ہاں حمد خدا کی پسند ہے۔اسود نے اشعار پڑھنے شروع کئے اس اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آگئے آپ نے اسود کو روک دیا۔وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے۔اسود نے پھر پڑھنے شروع کئے۔وہ صاحب پھر آگئے۔آپ نے اسود کو پھر روک دیا۔دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کیلئے مجھے آپ بار بار روک دیتے ہیں فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں نہیں پسند کرتا۔اس موقعہ پر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسان کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے اللّٰھم ایّدہ بروح القدس (پروردگارا تو روح القدس سے اس کی مدد فرما) حالانکہ یہ اشعار آنحضرت صلعم کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے۔عرب میں شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس شخص کو چاہتے

ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے ابن الزبعری اور کعب اشرف وغیرہ نے اسی طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا حسان کی مداحی ان کا ردعمل تھا۔ (سیرۃ النبی جلد 2)

رحمۃ اللعالمین میں ہوں۔

اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دوسرے نبیؑ کی کمی نکلی ہو پسند نہ فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے لاتخیرو بین الانبیکم نبیوں کے ذکر میں ایسا طرز نہ اختیار کرو کہ ایک کی دوسری کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔

ایک بیاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کے تاریخی کارناموں کو گا رہی تھیں انہوں نے یہ بھی گایا کہ ہمارے درمیان وہ نبیؑ ہے جو کل کی بات آج بتلا دیتا ہے نبی صلعم نے کہا نہ کہو جو پہلے کہتی تھیں وہی کہے جاؤ۔ (رحمۃ ص 279)

سادگی اور بے تکلفی عمارت پسندی سے اجتناب

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے۔ تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کے علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائینگے۔ کھانے پینے۔ پہننے اوڑھنے اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آجاتا تناول فرماتے۔ پہننے کو موٹا چھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر چٹائی پر فرش پر جہاں جگہ ملتی۔ بیٹھ جاتے آپ کیلئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رہتا تھا۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے سامان آرائش کو آپ طبعاً ناپسند تھے غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔

حیات القلوب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اسناد سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فرش خواب آپ کی عبا تھی اور تکیہ آپ کا لیف خرما سے بھرا تھا ایک دن آپ کی عبا دوتہ کر کے بچھا دی گئی تا کہ اور نرم اور آرام دہ ہو جائے۔ اس دن آپ نے دیر تک آرام فرمایا۔ صبح ہوئی تو فرمایا کہ آرام کرنے کی وجہ سے میں نماز کیلئے دیر کر کے اٹھا اب آج سے میری عبا دوتہ نہ کی جائے۔ (مطبوعہ لکھنؤ ص 111)

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ ننگی زمین پر بیٹھتے تھے اور زمین ہی پر کھانا کھاتے تھے۔ اپنی دنبیوں کو اپنے ہاتھ سے باندھتے تھے۔ اور اگر کوئی غلام خالی جو کی روٹی سے بھی اپنے گھر پر آپ کی صیافت کرتا تھا۔ تو آپ قبول فرما لیتے تھے۔ (ص 112)

اسلام نے رہبانیت کو روکا ہے اور جوگی پن کی سخت ممانعت کی ہے لارھبانیة فی الاسلام کا اعلان عام دے رکھا ہے۔ لیکن تاہم نعمت ہائے دنیوی سے بطریقہ جائزہ و شرعی متمتع اور محفوظ ہونے سے کسی حال میں نہیں روکا ہے۔ بالنفس النفیس خود بھی کبھی کبھی خدا کی عطا کردہ نعمت ہائے دنیوی سے محظوظ ہوتے تھے۔ مگر تاہم ناز و نعمت اور عیش پرستی کے زوایدکو ہمیشہ خود بھی ناپسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی ان سے بھی روکتے۔

آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے ایک بیوی کیلئے اور ایک مہمان کیلئے کافی ہے۔ چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔

ایک انصار نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد نہایت بلند تھا آپ نے دیکھا تو پوچھا کہ کس نے بنایا ہے لوگوں نے نام بتایا۔ آپ چپ رہے۔ جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیرلیا۔ انہوں نے نے پھر سلام کیا۔ آپ نے پھر منہ پھیرلیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے۔ جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کیلئے وبال ہے۔

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ نے پہن لی۔ پھر خیال آیا اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھے عنایت ہوتی ہے ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کیلئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کیلئے بھیجی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم اٹھے۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے حضرت عائشہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کی دیوار پر پردہ لٹکا دیا تھا۔ آپ گھر کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے سلام کیا آپ کے جواب نہ دیا۔ اور چہرہ مبارک سے ناراضی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے بعد آپ پردے کی طرف بڑھے اور اس کو چاک کر کے فرمایا کہ خدا نے ہمیں اینٹ پتھر کے منڈھنے کیلئے رزق نہیں دیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (سکے) دیکھے۔ فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا [1]

تواضع اور انکسار تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ جمعہ وعیدین میں یا سفر کے ورود کے موقع پر آپ شان وتجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیراء) بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلعم یہ کپڑا حضور کیلئے خرید لیں۔ اور جمعہ میں اور سفرا کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

9 ہجری میں جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی۔ فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا مشکیزہ تھا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا۔ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں انسان کیلئے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ کیلئے۔ ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام کر رہے تھے اٹھے تو لوگوں نے

---

[1] ۔ ابوداؤد کی ان تمام روایتوں پر آسانی سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے گھر میں جہاں ہمیشہ فاقہ پر فاقہ رہتے تھے اتنی سونے کی بہتات کہاں سے آ گئی کہ اہلبیت طاہرین سے لے کر ازواج مطہرات تک سب کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پڑ گئے۔ (مولف عفی عنہ)

دیکھا کہ پہلوے مبارک پرنشان پڑ گئے ہیں عرض کی یارسول اللہ صلعم کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں۔ارشاد ہوا مجھے دنیا سے کیا غرض۔مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جوتھوڑی دیر کیلئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے توان کو نظر آیا کہ سرور عالم کے بیت اقدس میں دنیاوی ساز وسامان کی کیا کیفیت ہے جسم مبارک پر صرف ایک تہ بند ہے۔ایک کُھری چادر پائی بچھی ہے۔سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے۔ایک مٹھی بھر جو رکھے ہیں ایک کونہ میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی۔کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت کیا عرض کیا یارسول اللہ صلعم میں کیوں نہ روؤں۔چار پائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے۔ اس میں جو سامان نظر آرہا ہے قیصر وکسریٰ تو باغ و بہار کے مزے اوڑائیں اور آپ خدا کے پیغمبرؐ اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو۔ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب تمہیں یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔

عین الحیواۃ میں ملا مجلسی علیہ الرحمہ بسلسلہ وصایائے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

یااباذرطوبی للذاھین فی الدنیاالرغبین فی الاخوۃ الذین اتخذوالارض الله بساطاوترابھافراشاومآءھا طیبا واتخذواکتاب الله شعاراودعا ؤ ہ وثاراًیقرضون فی الدنیاقرضبااباذرحرث الاخرۃ العمل الصالح وحرث الدنیاالمان وابنون

اے اباذر خوشا حال ان لوگوں کو جنہوں نے زہد اختیار کیا ہے اور ترک لذات دنیا کیا ہے۔اور آخرت اور اس کے اعمال کی طرف کہ سعادت آخرت کا موجب ہے رغبت کی ہے وہ ایسے لوگ ہیں۔جنہوں نے زمین خدا کو اپنا فرش بنالیا ہے اور خاک زمین کو اپنا بستر اور پانی کو اپنی خوشبو سمجھ لیا ہے یعنی بوے بد کو پانی سے پاک کر لیتے ہیں اور خدا کی کتاب کو اپنا پیراہن تن قرار دیا ہے اس لئے کہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور خدا کی درگاہ میں دعا وتضرع کرنے کو لباس بنایا ہے یعنی کبھی ذکر خدا کو اپنے سے جدا نہیں کرتے ہیں اور دنیا کو اپنے سے ایسا قطع وعلیحدہ کیا ہے جو قطع وجدا کرنے کا حق ہوتا ہے اس لئے کہ اس مقاطعہ دنیا کا اجر خود آخرت میں پائیں۔اے آباذرؓ آخرت کی زراعت اعمال صالح ہیں اور دنیا کی زراعت مال اور اولاد و آل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس قول میں اس آیۃ کریمہ کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ‏ ﴿۲۰﴾ (الشوریٰ)

جوکوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے اسے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں اور جوکوئی دنیا کی کھیتی کی خواہش کرتا ہے ہم اس کو دیتے ہیں لیکن پھر اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں رہتا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار مالدار شخص لباسہائے فاخرہ پہن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور بیٹھ گئے۔ان کے بعد ایک مردمحتاج میلے کچیلے کپڑے پہنے آیا۔اور اس مالدار شخص کے پاس بیٹھ گیا۔یہ دیکھ کر مالدار شخص نے اپنے کپڑوں کو چاروں طرف سے سمیٹنا شروع کیا اس خیال سے کہ اس محتاج کے میلے کپڑوں سے مخلوط و آلودہ نہ ہو۔یہ ملاحظہ فرما کر آنحضرت ﷺ نے اس مالدار شخص سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ تم ڈر گئے کہ اس کی تنگ حالی اور مفلسی تم سے چمٹ نہ جائے وہ بولا نہیں۔آپ نے فرمایا تو کیا تم اس خیال سے ڈر گئے کہ تمہارے کپڑے میلے کچیلے ہوجائیں گے اس نے عرض کی جی نہیں آپ نے فرمایا پھر تم نے یہ کیوں کیا۔اس نے عرض کی میری طبیعت میں ایک بدی ہے وہ شیطان ہے یا نفس امارہ۔وہ قبائح کو میری نظر میں محاسن دکھلاتا ہے اور محاسن قبائح ٹھہراتا ہے۔اس وقت میں اس قبیح حرکت کیلئے اپنا آدھا مال اس مردفقیر کو دے ڈالا آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر اس مردمحتاج سے پوچھا کہ تم اس کے مال کو قبول کرتے ہو اس نے کہا نہیں اس مالدار شخص نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں نہیں قبول کرتے اس نے کہا مجھے خوف ہے کہ جس بلا میں تم گرفتار ہو اسی بلا میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔دو چیزیں ایسی ہیں جن سے عموماً تمام انبیائے کرام اور آدم کراہت کرتے ہیں۔پہلے تو لوگ موت سے کراہت کرتے ہیں حالانکہ تمام بلا وفساد سے اطمینان موت ہی میں ہے دوسرے لوگ دولت کی کمی سے کراہت کرتے ہیں حالانکہ جس قدر مال کم ہوا اس قدر خدا کے ہاں حساب نہ ہوگا۔(عین الحیوٰۃ)

مساوات

عدل رسالت اور انصاف نبوت کا اصلی مدعا یہی تھا کہ اس کے آگے امیر غریب صغیر کبیر اور غلام و آقا مساوی ٹھہرائے جائیں۔اسی لیے بارگاہ نبوت میں صہیبؓ و بلالؓ جو قبل اسلام قریش کی غلامی کر چکے تھے۔شرفائے مہاجرین وانصار کے ساتھ پہلو بیٹھتے تھے اور بے تکلفانہ رودررو گفتگو کرتے تھے۔اور بات میں بات کا جواب دیتے تھے۔

ایک دفعہ بلالؓ وسلمانؓ ایک موقع پر جمع تھے۔اتفاق سے ابوسفیان آنکلا۔ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے

اور واقعہ بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا حضرت ابوبکرؓ نے جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو۔ آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے کہا نہیں۔ خدا تم کو معاف کرے۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زید جن سے آنحضرت صلعم نہایت محبت رکھتے تھے لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبوی میں بھیجا آپ نے فرمایا اسامہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا۔ تم سے پہلے کی امتیں اس لیے برباد ہوگئیں کہ جب کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹے جاتے۔

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں عرض کی یارسول اللہ صلعم اگر آپ اجازت دیجیے تو ہم اپنے بھانجے عباس کو زرفدیہ معاف کر دیں آپ نے فرمایا نہیں۔ ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

تقسیم ہمیشہ داہنے جانب سے آغاز فرماتے۔ اور پھر تقسیم میں امیر غریب۔ صغیر وکبیر کا کوئی امتیاز تفریق نہ فرماتے۔ ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہ کا مجمع تھا۔ داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباس بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کم سن تھے۔ بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباس سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔ انھوں نے عرض کی اس عطیہ میں ایثار نہیں کر سکتا۔ چونکہ وہ داہنے جانب تھے۔ اور ترتیب مجلس کے رو سے انھیں کا حق تھا۔ آپ نے انہی کو ترجیح دی۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا میں نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکر بائیں جانب حضرت عمر سامنے اور ایک بدو داہنی طرف تھا۔ آپ نے پی لیا۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔ یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت کیا۔

قریش اپنے فخر وامتیاز کے لیے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے اس تخلیق کو پسند نہ فرمایا۔ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے۔ علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان میں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ کے لیے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے۔ صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا کہ جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے۔

صحابہ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلعم ان کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ اور معمولی مزدوروں کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اسی مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلعم بہ نفس نفیس شریک تھے اور خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔

غزوہ مدینہ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کی چاروں طرف خندق کھودرہے تھے آپ بھی ایک ادنی مزدور کی طرح کام کررہے تھے۔ یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا تو لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلعم نے اپنے ذمہ لیا۔صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم یہ کام ہم خود کریں گے۔فرمایا ہاں سچ ہے۔لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمرائیوں میں ممتاز بنتا ہے۔

غزوہ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا۔تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک اونٹ تھا باری باری چڑھتے اترتے تھے آنحضرت صلعم بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو دو آدمیوں کے ساتھ شریک تھے۔ہمراہی جان نثارانہ اپنی اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ صلعم آپ سوار ہوں۔حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلیں گے۔ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو اور میں تم سے ثواب کا محتاج ہوں۔

ایک بار جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حضرات حسنینؑ کو ہمراہ لے کر جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپؐ نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو اپنے پاس اور جناب حسنینؑ کو اپنے زانو پر بٹھلایا اس اثنا میں امام حسنؑ نے پانی مانگا۔جب پانی آیا۔تو جیسا بچوں کا قاعدہ ہے کہ پانی دیکھ کر انھیں ضرور خواہش ہوجاتی ہے۔حضرت امام حسینؑ نے بھی پانی کی خواہش کی اور یہ چاہا کہ پانی بھائی سے پہلے مل جائے۔لیکن آنحضرت صلعم نے پانی کا ساغر حضرت امام حسنؑ کو دے دیا۔جناب سیدہؑ اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔عرض کرنے لگیں۔بابا جان۔آپ نے حسینؑ کو آزردہ خاطر کردیا۔ارشاد ہوا نہیں حسنؑ کی طلب اول تھی اور وہ طالب اول تھا۔اس لیے وہ مستحق ترجیح تھا۔

آپ کے شمائل میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آپ کی مجلس میں جو بزرگوار شریک ہوتے تھے ان میں سے انھیں لوگوں کو آپ سب سے جلیل القدر سمجھتے تھے جو عام طور سے مسلمانوں کا خیر خواہ تر ہوتا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو صبح کو اٹھے اور امور مسلمان میں کوئی اہتمام نہ کرے۔وہ بھی مسلمان نہیں ہے کہ کوئی مسلمان استغاثہ کرتا ہو اور طالب امداد ہو اور وہ اس کو قبول نہ کرے۔لوگوں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ محبوب خدا کون ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہی شخص سب سے زیادہ خدا کو محبوب ہے جو سب سے زیادہ نفع مسلمانوں کو پہنچاتا ہے۔(عین الحیوۃ۔)

اگر کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تھے تو آخر مجلس میں بیٹھتے تھے۔اور لوگوں پر بھی یہی ہمیشہ تاکید رہتی تھی کہ مجالس میں بالا نشینی کی تلاش وجستجو نہ کرو۔اور مجلس کے تمام لوگوں پر نوازش مساویانہ فرمائی جاتی تھی۔اور ایسی کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ گرامی تر ہوں۔(عین الحیوۃ)۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔گھر کا کام کاج خود کرتے تھے۔کپڑوں میں پیوند آپ لگاتے تھے۔گھر میں خود جھاڑو دیتے تھے

دودھ دوہ لیتے۔ بازار سے سودا لاتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے۔ گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھی۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے میں پرہیز نہ تھی۔

ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا کہ اس عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اٹھو۔ غریب بیمار پڑتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کران کے ساتھ ہم نشینی کرتے۔

تواضع اور انکساری کی راہ سے آپ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے میں بندہ ہوں اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی۔ اور لوگ زیادہ آگئے۔ آپ اوکڑوں بیٹھ گئے۔ کہ جگہ نکل آئے۔ ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا اس نے کہا محمدؐ یہ کیا طرز نشست ہے آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے۔ جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔

تواضع کی انتہا یہ تھی کہ آنحضرت صلعم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے آپ کو ان الفاظ سے خطاب کیا۔ اے ہمارے آقا، اور ہمارے آقا کے فرزند، اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند آپ نے فرمایا لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو شیطان تمہیں گرا نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد صلعم ہوں۔ خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ۔ مجھے خدا نے جو مرتبہ بخشا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یا خیر البریہ (اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابراہیمؑ تھے عبداللہ بن سحر کا بیان ہے کہ میں بنی عامر کی سفارت کے ساتھ تھا۔ جب ہم لوگ خدمت اقدس میں آئے تو عرض کی آپ ہمارے آقا ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ آقا خدا ہے۔ پھر ہم لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے بہتر ہیں ارشاد ہوا۔ کہ بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا۔

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا۔ آپ کی خدمت میں آئی۔ اور کہا کہ محمد مجھ کو تم سے کچھ کام ہے۔ فرمایا جہاں کہو چل سکتا ہوں۔ وہ آپ کو ایک کوچہ میں لے گئی۔ اور وہیں بیٹھ گئی۔ آپ بھی اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے۔ اور جو کام تھا وہ انجام دے دیا۔

مخرمہ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ آؤ ہم بھی چلیں۔ آئے تو آپ زنانہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ بیٹے سے کہا۔ آواز دو انھوں نے کہا امیر یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت صلعم کو آواز دوں۔ مخرمہ نے کہا۔ بیٹے محمدؐ جبار نہیں ہیں۔ ان کے جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی۔ آنحضرت صلعم فوراً نکل آئے۔ اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں۔

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی یہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم پر تعریض ہے۔ غصہ میں آ کر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا اور وہ آنحضرتؐ کے پاس فریادی آیا۔ آپ نے انصاری کو بلا بھیجا

اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ مجھ کو انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

انسان کے اظہار تفاخر اور تکبر کا موقع اس کی کامیابی اور فتح مندی ہی کا وقت ہوتا ہے۔اس وقت اس کے جذبات وفخر ومباہات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔جب وہ ایک فاتح اور فیروز مند کشور کشار اور ملک غیر کی عظیم الشان حیثیت میں لشکر جرار کو اپنی جلو میں لیے ہزاروں حشم وخدم کے ساتھ اپنے مفتوحہ شہر میں داخل ہوتا ہے۔اس عالم خاص میں جناب رسالت مآب صلعم کی شان فاتحانہ دیکھی جائے۔

فتح مکہ کے خاص موقع پر جس نے تمام ملک عرب کو آپ کے زیر نگین کر دیا آپ کے قلبی جذبات میں ترفع اور عظمت وجلال سے شہر مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔تو اظہار تواضع کے لحاظ سے سر اقدس کو اس قدر جھکا دیتے ہیں۔

فتح کے وقت صرف ایک گدھے پر سوار تھے۔جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی۔ حجۃ الوداع کے دن جس کجادے پر سوار تھے اس کی قیمت دو درہم تھی۔

جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک بار آپ کا پیراہن مبارک بوسیدہ ہو گیا۔ایک صاحب نے بارہ درہم ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت میں نذر کیے۔آپ جناب علی مرتضیٰؑ سے فرمایا کہ ان درہموں کا کپڑا مجھے خرید لا دو۔حضرت علیؑ بازار گئے۔اور کپڑا خرید لائے۔آپ نے اس کپڑے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس سے زیادہ موٹا کپڑا مجھے پسند آتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ کپڑے والا سے واپس لے گا۔حضرت علیؑ نے عرض کی دیکھیں شاید وہ راضی ہو جائے۔حضرت علیؑ وہ کپڑا لے کر دوکاندار کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو یہ کپڑا پسند نہیں آیا۔آپ اس سے کم قیمت کا واپس کپڑا چاہتے ہیں اگر تمہیں منظور ہو تو اپنا کپڑا لے لو اور میرے دام مجھے واپس دے دو۔وہ شخص راضی ہو گیا اور قیمت واپس کر دی۔آپ وہ قیمت لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں واپس آئے۔آنحضرت صلعم حضرت علیؑ کو ہمراہ لے کر بازار میں خود تشریف لے گئے ۔اثنائے راہ میں ایک کنیز کو دیکھا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔آنحضرت صلعم نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے اس نے عرض کی یارسول اللہ صلعم میرے مالک نے سودا خریدنے کے لیے مجھے چار درہم دیے تھے وہ مجھ سے کھو گئے ہیں اور اب اس کے خوف سے میں گھر نہیں جاتی۔آنحضرت صلعم نے چار درہم اسے عنایت کیے۔اور فرمایا کہ اپنے گھر جا۔اور آپ بازار تشریف لے گئے۔اور چار درہم کا کپڑا خرید فرما کر پہنا اور خدا کی حمد وثنا فرمائی۔جب بازار سے باہر نکلے تو ایک مرد برہنہ بدن کو دیکھا کہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص میرے بدن کو کپڑا پہنا کر ڈھانک دے گا حق تعالیٰ اسے بہشت کے حلے پہنائے۔یہ سن کر آپ نے وہ کپڑا جسم مبارک سے اتارا اور اس سائل کو دے دیا۔پھر بازار میں لوٹ آئے۔اور دوسرا پیراہن چار درہم میں خریدا اور زیب تن فرما کر حمد وثنائے الٰہی بجا لائے اور دولت سراء کی طرف مراجعت فرمائی۔اثنائے راہ میں پھر اسی کنیز کو دیکھا کہ بیٹھی ہوئی ہے۔آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تو گھر کیوں نہ گئی۔اس نے عرض کی یارسول اللہ صلعم اس خیال سے کہ مجھے دیر ہو گئی ہے۔مجھے خوف ہے کہ میرا مالک مجھے مارے گا۔آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا میرے آگے چل اور مجھے اپنے گھر کا راستہ دکھلا کہ میں چل کر تیرے مالک سے تیری سفارش کر دوں۔غرض آپ اس کے ہمراہ چلے اور گھر پہنچے تو دروازے پر کھڑے ہو کر کہا السلام علیکم یا اہل البیت۔اے گھر والو! تم پر سلام ہو اندر سے کوئی جواب

نہ آیا۔دوسری مرتبہ پھر آپ نے سلام کیا۔پھر کوئی جواب نہ آیا۔تیسری مرتبہ جب آپ نے السلام علیکم یا اہل البیت کہا تو اندر سے جواب آیا۔علیک السلام یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ برکاتہ۔آنحضرت نے پوچھا کہ کس وجہ سے میرے دوبار سلام کرنے کا جواب تم لوگوں نے نہ دیا۔صاحب خانہ نے عرض کی کہ اس خیال سے کہ جب ہم نے آپ کے سلام کو اول بار سنا تو ہماری یہ آرزو ہوئی کہ آپ کے سلام کی تعداد ہم پر زیادہ ہو کہ ہم پر زیادہ برکت ہو۔آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ تمہاری لونڈی دیر کر کے آئی ہے اسے سزا نہ کرنا۔انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم حضور کے خیر مقدم میں ہم نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان بارہ درہموں سے زیادہ برکت والے اور کوئی درہم نہیں دیکھے۔جنھوں نے دو مومنوں کو لباس پہنایا اور ایک بندے کو آزاد کرایا۔(عین الحیوۃ)

تعظیم اور مدح مضر سے اجتناب

تعظیم میں افراط اور عقیدت میں غلو، شرک کا دیباچہ ہے جناب رسالت مآب صلعم اس نکتہ پر غائر نظر رکھتے تھے۔حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی افراط تعظیم کی مثال ہمیشہ پیش نظر رہا کرتی تھی۔فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو۔جس قدر انصار نے ابن مریمؑ کی کرتے ہیں، میں تو خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔

قیس ابن سعد کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حیرہ گیا۔وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں بیٹھے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے کہا نہیں۔فرمایا۔تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔

معوذ بن عفرا کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اس پر بیٹھ گئے۔گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں۔گاتے گاتے ایک نے یہ مصرعہ پڑھا فینا نبی یعلم مافی غد ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔فرمایا یہ چھوڑ و اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت قاسم نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا۔لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا۔ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا لیکن نبوت کی شان اس سے بدر جہا ارفع واعلیٰ ہے۔آنحضرت صلعم نے اس وقت ان لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا آیات قدرت میں سے ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم وضو کر رہے تھے۔وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا۔فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلو میں لے کر بدن میں مل لیتے۔آپ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو۔عرض کیا خدا اور رسول کی محبت رکھنا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہو تو ہمسائیگی اچھی طرح نبھائے۔

ایک صاحب بارگاہ نبوت میں آئے اثنائے گفتگو میں انھوں نے کہا۔خدا جو چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔ارشاد فرمایا تم نے مجھ کو

خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا۔ کہو کہ جو خدا انتا چاہے۔

حیات القلوب کے اسناد سے او پر بیان ہو چکا ہے کہ ایک بار ایک مالک اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ غلام خدا کی قسمیں دے رہا تھا اور اس کو مارسے باز رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن مالک نہیں سنتا تھا۔ مارے جاتا تھا۔ اس اثناء میں آنحضرت صلعم ادھر سے گزرے آپ نے بھی غلام کی فریادسنی۔ اس غلام کی نظر جب آپ پر پڑی تو اس نے ان سے اپنے مالک کے بارے میں کہا کہ تم کو محمد صلعم کا واسطہ مجھے چھوڑ دو یہ سن کر مالک نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلعم مالک کے پاس آئے اور پوچھا۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ جب تیرا غلام خدا کے واسطے دیتا تھا تو تو نے اسے چھوڑا نہیں اور جب اس نے میری قسم دی تو نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ نادم ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلعم میں نے اس غلام کو اس وقت سے خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تو اسے آزاد نہ کرتا تو آتش دوزخ تجھ سے قریب آجاتی۔

شرم وحیا

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا الحیاء الشعبۃ من الایان حیا ایمان کی جز خاص ہے۔ مسلم ہے کہ بے حیا ایماندار نہیں ہو سکتا۔ صحاح میں ہے کہ آپ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ اور شرم وحیا کا اثر آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ کبھی کسی سے بدزبانی نہیں کی بازار دن میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے۔ یتیم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ وقہقہہ سے آشنا نہ ہوئے تھے بھری محفل میں جاتے تو کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ چہرے کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے

ایک دن جناب رسالت مآب صلعم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ انصار کی ایک کنیز آئی اس نے آپ کے پیراہن کا کنارہ پکڑ لیا آنحضرتؐ نے خیال کیا کہ اس کو شاید مجھ سے کوئی کام ہے آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن جب وہ کچھ نہ بولی تو آپ بیٹھ گئے پھر اس نے یہی حرکت کی۔ آپ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ کچھ نہ بولی تو آپ پھر بیٹھ گئے۔ جب تین مرتبہ وہ ایسا ہی کر چکی تھی تو چوتھی دفعہ میں جب آپؐ اٹھے تو اس نے ردائے مبارک سے ایک تا گا لے لیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے اسے ڈانٹا اور پوچھا یہ تیری کیا حرکت تھی کہ تو نے آنحضرت صلعم کو اتنی تکلیف دی کہ آپ کو چار مرتبہ اٹھنا پڑا۔ وہ بولی ہمارے گھر میں ایک مریض ہے۔ میرے گھر کے لوگوں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے لباس کا ایک تار حصول شفاء کی غرض سے لے آؤں۔ جب میں چاہتی تھی کہ ردائے مبارک سے ایک تار لے لوں۔ آنحضرت صلعم اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور مجھ کو آپ سے مانگتے شرم آتی تھی۔ بالآخر چوتھی بار میں نے خود ایک تار ردائے مبارک سے نکال لیا۔ حیات القلوب 370 لکھنو۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے آنحضرت صلعم کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے۔ اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہ کے پاس آئیں۔ انھوں نے وطن پوچھا بولیں حمص (شام کا ایک شہر کا نام ہے) حضرت ام

سلمہ نے کہا تم وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہوں۔ بولیں حمام کیا کوئی بری چیز ہے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ دو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑا اتارتی ہے۔ خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔

عرب میں بیت الخلاء نہ تھے۔ لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ لیکن پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ آنحضرت صلعم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔ معمول تھا کہ آپ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظّمہ میں جب تک قیام تھا۔ حدود حرم سے باہر چلے جاتے۔ جس کا فاصلہ مکہ معظّمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

ایک دفعہ انس بن مالک خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ تو دیکھا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ دے رہے ہیں تیسری روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔ ایک دفعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کر دی ہے آپ نے خود دست مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا۔ اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔ آپ جب بچے تھے۔ اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح عام مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ نے کام کیا۔ خود دست مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں۔ ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ جب کام ختم ہو گیا۔ تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔ سیرۃ النبی 273

حیات القلوب میں بسند معتبر منقول ہے کہ ایک زن بدویہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں کہنے لگی کہ آپ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے ہیں اور غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے زیادہ خدا کا غلام کون ہے۔ اس عورت نے کہا کہ اپنے کھانے میں سے ایک لقمہ مجھے عنایت فرمائیں۔ آپ نے اسے ایک لقمہ عنایت کیا۔ اس نے کہا نہیں۔ وہی لقمہ جو آپ کے دہن مبارک میں ہے مجھے دیا جائے۔ بالآخر آپ نے اسے وہی لقمہ دے دیا امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں کہ اس لقمہ مبارک کی برکت سے وہ کبھی بیمار نہیں پڑی۔ اور ایک دوسری روایت میں اس عورت کا خود بیان ہے کہ میں پہلے بدزبان اور بے شرم تھی اس لقمہ مبارک کے کھانے کے بعد بہت حیادار اور صلح پسند ہو گئی۔

دوسروں کا کام کر دینا

خباب بن ارت ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے ان کو کسی غزوے پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا

اور عورتوں کو بکریوں کا دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔

حبش سے مہمان آئے تھے۔ صحابہ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گذاری کریں۔ لیکن آپؐ نے انھیں روک دیا اور فرمایا کہ انھوں نے پردیسیوں کی خدمت کی ہے اس لیے خود ان کی خدمت کا فرض انجام دوں گا۔

کفار ثقیف جنھوں نے طائف میں آپ کے پائے مبارک کو زخمی کیا تھا۔ 9 ہجری میں وفد لے کر آئے تو آپ نے ان کو مسجد میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ صلعم میرا یہ کام ہے آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔

مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی۔ وہ ایک دن حاضر ہوئی۔ اور آپ کا دست مبارک پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا اے عورت مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے بیٹھ جا۔ میں تیرا کام کر دوں گا۔ چنانچہ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی۔

عبداللہ ابن ادفی ایک صحابی ہیں وہ کہتے ہیں **ولا یا نف ان یمشی مع الا صله والمسکین فیقضیٰ له الحاجة** بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ کو عار نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا۔ اور آپ کا دامن پکڑ کر بولا۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں پہلے اس کو کر دو۔ آپ اس کے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔

حیات القلوب میں منقول ہے کہ کسی مرد انصاری نے ایک صاع رطب آپ کو ہدیہ میں بھیجیں۔ آنحضرت ﷺ نے خادم سے کہا کہ پیالہ یا طبق جو پاؤ لیتے آؤ۔ وہ گیا اور لوٹ آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے کوئی چیز نہیں پائی۔ پس آنحضرت صلعم نے اپنے کپڑے سے زمین صاف کی اور کہا کہ یہ چھوہارے یہیں گرا دو اور فرمایا اس خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی خدا کے نزدیک قابل اعتبار ہوتی تو پھر کسی منافق یا کافر کو ایک گھونٹ پانی نہیں ملتا۔ 119

عزم و استقلال

قرآن مجید میں خدا کا ارشاد ہے **اولو العزم من الرسل** اور یہ فقرہ قرآنی انبیائے کبار کی مدح سرائی ہے۔ جناب رسالت مآبؐ چونکہ خاتم الرسل تھے اور سید المرسلین اور افضل النبیین اس بنا پر خداوند عالم نے یہ وصف آپ کی ذات میں بدرجہ اولیٰ ودیعت فرمایا تھا۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کی تمام تبلیغی خدمات اور تعلیمی ارشادو ہدایات۔ آپ کے عزم و استقلال کے تفصیلی دفتر ہیں۔ مشاہدہ وثبوت کے لیے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ کفرستان عرب میں جناب رسول خدا ﷺ بیک بینی و دو گوش تنہا کھڑے ہوئے اور بالنفس النفیس دعوت حق کی صدائیں بلند فرمائیں۔ اجابت کی جگہ تمام عرب کا عرب مخالفت پر امنڈ آیا لیکن وقار نبوت اور عزم رسالت نے ان کی کوئی پروا نہیں کی۔ بلکہ تمام مخالفین کو ٹھوکریں کھا کر پیچھے ہٹ جانا اور ایک دن شہنشاہ اسلام کے قدموں پر فرق عقیدت جھکانا

پڑا۔ دنیا جانتی ہے کہ قیام مکہ کی 13 سالہ مدت میں آپ کو علی التسلسل ناکامیوں سے سامنا پڑتا گیا۔ لیکن کبھی خوف ہراس یا بیم و یاس آپ کے پاس نہ آیا۔ بالآخر آنحضرت صلعم کی وہی ذات تنہا جب دنیا سے مفارقت کرتی ہے تو اپنے جان نثاروں کی ایک لاکھ جماعت پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے۔ آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں۔ جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہ کر سکتیں تھیں۔ خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعا سے حضرموت تک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔

مکہ میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے۔ تو انھوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت۔ زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی۔ ان میں سے ہر چیز بہادر انسان کے قدم ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی۔ لیکن آپ نے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ اور بالآخر وہ وقت آیا۔ جب آخری ہمدم دمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا۔ اس وقت آپ نے جواب میں جو فقرے فرمائے وہ عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے معتبر طریقہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔

غزوہ بدر میں جب تین سو بے سامان مسلم ایک ہزار باساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے۔ کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرے آتے تھے۔ اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلعم کے پہلو میں آجاتے تھے۔ اور بااین ہمہ نبوت کا کوہِ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔

غزوہ احد میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی۔ لیکن جب آپ زرہ پہن کر تیار ہو گئے۔ تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ پیغمبر زرہ پہن کر نہیں اتار سکتا۔

غزوہ حنین میں بھی جب قبیلہ ہوازن کے تیر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا۔ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں پیغمبر صادق ہوں۔ میں فرزند عبدا المطلب ہوں۔

ایک بار کسی غزوہ میں آپ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب میں تلوار کھینچ کر بولا۔ محمدؐ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا۔ اس عزم و استقلال اور جرأت صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس

نے تلوار میان میں کر لی اور پاس بیٹھ گیا۔

شجاعت

حقیقت تو یہ ہے کہ شجاعت انسانیت کا اعلی جوہر ہے اور اخلاق کا اصل الاصول۔ ہمت۔ دلیری۔ اولوالعزمی۔ استقلال پاداری اور راست گفتاری۔ سب اسی ایک معدن سے نکلتے ہیں۔ جناب رسالت مآبؐ لاکھوں مصائب ہزاروں خطرات بیسوں لڑائیاں اور غزوات پیش آئے۔ لیکن آپ کے پاس ہمت و استقلال میں کبھی جنبش نہ ہوئی۔

معرکہ بدر میں غیر مسلح اور بے سروسامان مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے۔ تو دوڑ دوڑ کر مرکز نبوت کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علیؑ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن زیادہ آپؐ سے کوئی قریب نہیں تھا۔ حیات القلوب 266

غزوہ حنین میں ہوازن کی طرف سے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی۔ تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتاً میدان سے ہٹ گئی لیکن آنحضرت صلعم چند جان نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے اس وقت آپ بار بار اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھنے کا قصد فرما رہے تھے۔ لیکن جان نثار مانع آتے تھے۔ اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی۔ ان میں ذرا بھی پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی۔

حضرت براء جو اس معرکہ میں شریک تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حنین سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ جواب دیا ہاں سچ ہے۔ لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلعم اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے۔ خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا کہ جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔

حضرت انس بن ثابت کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلے وہ خود آنحضرت صلعم تھے۔ جلدی میں آپ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے۔ اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

آنحضرت صلعم نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا۔ ابی بن خلف آپ کا سخت دشمن تھا۔ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جس کو میں ہر روز جوار کھلایا کرتا ہوں اس پر چڑھ کر محمدؐ کو قتل کروں گا۔ احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں۔ لیکن آپ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ اس کی طرف بڑھے۔ اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھوئی۔ وہ چنگھاڑ کر بھاگا

لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں ہے۔تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو۔اس نے کہا ہاں سچ ہے۔لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے۔

راست گفتاری

راست گفتاری انبیاو مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی فطرت صالحہ کا وہ جزوعظیم ہے جو کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔اس بنا پر آپ کے اخلاق کی تفصیل میں اس صفت خاص کی جزئیات بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔کیونکہ آپ سید المرسلین تھے اور خاتم النبین سلام اللہ علیہ والہ الطاہرین۔آپ میں اوصاف تو بدرجہ اولی ودیعت فرمائے گئے تھے۔لیکن اس موقع پر ہم ان شہادتوں کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نبوت کا دعوہ کیا تو کفار میں جو لوگ آپ سے واقف تھے انھوں نے آپ کو کاذب اور دروغگو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہیں ہیں۔یا آپ کی عقل باقی نہیں رہی ہے۔یا یہ کہ اب آپ میں شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے۔اس بنا پر انھوں نے آپ کو مجنوں کہا۔مسحور کہا۔شاعر کہا۔لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔اور آپ کا ذکر کر رہے تھے۔نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاں دیدہ تھا۔کہا اے قریش تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔محمد صلعم تمہارے ساتھ بچے سے جوان ہوا اور تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ۔صادق القول اور امین ہے۔اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آچکی ہے اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے۔کاہن ہے۔شاعر ہے۔مجنوں ہے۔خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میں نے باتیں سنی ہیں۔محمدؐ میں یہ کوئی بات نئی نہیں۔تم پر یہ کوئی مصیبت نئی نہیں آئی ہے۔

ابوجہل کہا کرتا تھا۔کہ محمدؐ میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔جو کہتے ہو میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ (الانعام)

جب آنحضرت صلعم کو پیش گاہ الہی سے حکم ہوا کہ اے پیغمبر کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں۔کیونکہ وہ تم کو جھٹلاتے ہیں البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا۔ابوسفیان نے کہا نہیں آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا کہ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا ہے۔تم نے جواب دیا کہ نہیں۔مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز آتا ہے۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد آپ کی ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ کے متعلق ابوسفیان سے جوسوالات کیے۔ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کبھی محمد صلعم نے بدعہدی بھی کی ہے ۔ابوسفیان کومجبوراً کہنا پڑا۔نہیں۔

وحشی جس نے حضرت حمزہؓ کوشہید کیا تھا۔اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتا تھا۔اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا۔اس میں اس کا بھی نام تھا لیکن اس کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے۔لیکن خود دشمنوں نے اس کو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ۔محمد صلعم سفرالقتل نہیں کرتے۔اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوااور اسلام لایا۔

صفوان ابن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھا۔جب مکہ فتح ہوا۔تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدہ چلا گیا۔عمر بن وہب نے حاضر خدمت ہوکر واقعہ عرض کیا۔آنحضرت صلعم نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ جوصفوان کے ایمان کی نشانی ہے عمیر عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے۔اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔تم کو امان ہے۔جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔توعرض کی آپ نے مجھے امان دی ہے ارشاد ہواہاں سچ ہے۔

ابورافع ایک غلام تھا۔حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر آیا روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دم میں جاگزیں ہوگئی۔عرض کی یارسول اللہ صلعم اب میں کبھی کافروں کے پاس نہ جاؤں گا۔ارشاد ہوا کہ نہ میں عہد شکنی کرسکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں تم اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر یہی تمہارے دل کی کیفیت باقی رہے تو آجانا۔چنانچہ وہ اس وقت واپس گیا اور پھر اسلام لایا۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا۔وہ اہل مکہ سے مطالبہ پر واپس کردیا جائے گا عین اس وقت جب یہ شرطیں زیر تحریر تھیں۔ابوجندل بزنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آیا اور رسول اللہ صلعم سے فریادی ہوا تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت صلعم نے بااطمینان ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا؛اے ابوجندل غور کرو۔ہم بدعہدی نہیں کرسکتے۔اللہ تعالی عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکال لے گا۔

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمسا نے آنحضرت صلعم سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر کہیں چلے گئے۔کہ آکر حساب صاف کیے دیتا ہوں۔اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا۔تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت صلعم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔سیرۃ النبی ج2 حیات القلوب

حضرت عمار یاسرؓ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش ہوا۔حضرت عمار یاسرؓ کا بیان ہے کہ قبل بعثت ہم اپنی بکریاں چراتے تھے اور آنحضرتؐ بھی اپنی بکریاں چراتے تھے۔میں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ مقام فتح میں بہت اچھی چرتی ہیں بہتر ہے کہ وہاں بھیڑیں چرائی جائیں۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہتر ہے جب دوسرے روز میں وہاں پہنچا دیکھا کہ آنحضرتؐ وہاں مجھ سے پہلے سے پہنچ گئے

ہیں۔ اور اپنی بھیڑوں کو چراگاہ میں جانے سے روکے ہوئے ہیں۔ جب میں پہنچا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ میں تم سے وعدہ کر چکا تھا۔ اس لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بھیڑیں تمہاری بھیڑوں سے پہلے چریں۔ حیات القلوب۔

غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی ایسے موقع پر آنحضرت صلعم کی قدرتی یہ خواہش تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے۔ لیکن اس وقت بھی آپ ہمہ تن وفادار تھے۔ ابو حذیفہ بن یمان اور ابو حبیل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے۔ راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمدؐ کے پاس جارہے ہو۔ انھوں نے انکار کیا۔ آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا تم دونوں واپس جاؤ۔ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (سیرۃ النبی ج2)

حیات القلوب میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب پر کسی یہودی کے چند دینار تھے۔ ایک دن وہ یہودی آیا اور اس نے آپ سے اپنے دینار دن کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہے کہ میں تمہیں دیدوں۔ یہودی بولا کہ میں تو آپ کو یہاں سے جانے نہ دونگا جب تک کہ آپ میرے دینار نہ دے دیں۔ آپ نے فرمایا تو اچھا میں تمہاری ساتھ ہی بیٹھا رہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلعم اس یہودی کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور آپ نے ظہر عصر، مغرب، عشا اور صبح کی نمازیں وہیں ادا فرمائیں۔ صحابہ اس یہودی کو تہدید کرنے لگے اور ڈانٹنے لگے آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس سے کیا کام ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم اس یہودی نے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور یہاں سے کہیں آپ کو جانے نہیں دیتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس لئے مبعوث نہیں فرمایا ہے کہ میں اس شخص پر ظلم کروں جو امان میں ہے یا اس کے سوا اور دن پر۔ پس جب دن خوب روشن ہوگیا۔ تو یک بیک وہ یہودی خود کہنے لگا۔ **اشھدان لاآلہ الااللہ واشھدان محمداًعبدہ ورسولہ** یہ کہا اور اپنا نصف مال خدا کی راہ میں دے دیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے یہ حرکت جو کی وہ صرف اس غرض سے تھی کی میں دیکھوں کہ وہ اوصاف جو توریت میں پیغمبر آخرالزمانؐ کے میں نے پڑھے ہیں وہ آپ میں موجود ہیں یا نہیں کیونکہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مولد مکہ ہے اور مقام ہجرت ان کا مدینہ ہے۔ وہ درشت خو اور غلیظ نہیں ہیں۔ کبھی آواز بلند سے باتیں نہیں کرتے۔ کلام فحش و رکیک نہیں کرتے میں خدا کی یکتائی کی شہادت دیتا ہوں اور اس امر کی کہ آپ اس کے پیغمبر اور فرستادہ ہیں۔ یہ میرا مال میری حاضر ہے جو حکم کہ حکم خدا کے موافق ہو وہ اس مال کے متعلق صادر فرمایا جاوے۔ اس یہودی کا مال بہت تھا۔ (ص111 لکھنؤ)

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت صلعم جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے۔ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین بن جانے پر بھی فاقہ کش رہے صحیح بخاری بال الجہاد میں روایت ہے کہ وقت وفات آپ

کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گروی تھی۔جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی۔ان پر تلے اوپر پیوند لگے ہوئے تھے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب تمام عرب حدودشام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں سیم وزر کا سیلاب آچکا ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی مہمات فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدانے نصاریٰ کوملامت کی تھی کہ رھبانیہ ابتدعوھا اس بنا پر کبھی کبھی آپ نے اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کئے ہیں۔لیکن اصل میلان طبع زخارف دنیوی سے اجتناب تھا۔فرمایا کرتے تھے فرزند آدم کوان چند چیزوں کے سوااور چیزوں کا حق نہیں ہے رہنے کیلئے ایک گھر ستر پوشی کیلئے ایک کپڑا اور شکم سیری کیلئے روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وَلاَ یَطوِیٰ ثَوَابٌ کبھی آپ کا کپڑا تہ کر کے نہیں رکھ گیا۔یعنی صرف ایک جوڑا ہوتا تھا۔دوسرا نہیں ہوتا تھا۔جو تہ کر کے رکھا جاتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عمر گھر کی دیوار مرمت کر رہے تھے۔اتفاقاً آپ کسی طرف سے آگئے پوچھا مرکب شغل ہے عبداللہ بن عمر نے عرض کی کہ دیوار کی مرمت کر رہا ہوں ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہاں۔

حیات القلوب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے آباۓ طاہرین سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے کبھی پیٹ بھر روٹی نہیں کھائی۔صادق آل محمد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔یہی نہیں بلکہ آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔جو کی روٹیاں بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائیں۔

حدیث معتبر میں منقول ہے کہ کبھی آپ نے اظہار تواضع اور انکساری کے خیال سے دائیں یا بائیں جانب ٹیک لگا کر کھانا نہ کھایا کہ بادشاہوں سے مشابہت نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا میں بھوکے اور خائف رہنے سے زیادہ کوئی شے پسند نہیں۔

احادیث میں مرقوم ہے کہ آپ کے نزدیک بہترین طعام سرکہ وزیت تھا۔ایک بار حضرت ام سلمہ کے گھر تشریف رکھتے تھے۔حضرت ام سلمہ آپ کیلئے ایک پارۂ نان لے آئیں۔آپ نے فرمایا کہ کچھ سالن نہیں ہے بولیں سوائے سرکہ کے اور کوئی چیز نہیں ہے فرمایا کہ سرکہ بہت اچھا سالن ہے جس گھر میں سرکہ موجود ہے وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک بار جناب رسالت مآب ﷺ نے مسجد قبا میں افطار کا قصد فرمایا اور فرمایا کہ کوئی چیز پینے کی ہے میں اس سے افطار کروں۔اوس بن خولی انصاری ایک پیالہ میں دودھ لائے جس میں شہد ملا ہوا تھا جب آپ نے اس کو منہ سے لگایا اور ذائقہ پایا تو منہ سے ہٹا دیا کہ اس میں دو شربت ہیں ان میں سے ایک ہی پر کفایت ہوسکتی تھی لیکن ان دونوں کا پینا میں لوگوں پر حرام نہیں کرتا ہوں۔لیکن رضائے الٰہی کے لیے میری یہ فروتنی اور انکساری ہے۔اور جو شخص ایک بار فروتنی اور انکساری کرتا

ہے خدا اس کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور جو غرور تکبر کرتا ہے خدا اس کو پست کرتا ہے اور جو اپنی معشیت میں میانہ رو ہوتا ہے۔ خدا اس کو روزی دیتا ہے اور جو شخص فضول خرچی کرتا ہے خدا اس کو محروم کرتا ہے اور جو اپنی موت کو بہت یاد کرتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ (ص ۱۱۵)

شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر کا گھر بھوکا سو رہتا تھا۔

كان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يبيت الليالى المتابعة لها ويا هر واهله لا يجدون عشاء

آپ اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔

حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ ابن زبیر نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا۔ بولیں کہ پانی اور کھجور البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔

آپ نے چپاتی کی تمام عمر کبھی صورت نہیں دیکھی۔ میدہ جس کو عرب میں جواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گزرا۔

سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں۔ بولے نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے بھوسی پھونک کر اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا تھا اسی کو گوندھ کر پکاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وقت وفات تک کبھی آپ نے دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ بھی نہیں آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصر یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔

حضرت ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے۔ ایک دن ابوطلحہ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے میں نے ابھی رسول اللہ صلعم دیکھا ہے ان کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے راہ میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر ملے یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بے تاب تھے۔ آپ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں آئے ان کا معمول تھا کہ آنحضرت صلعم کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے۔ آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو انھوں نے بچوں کو کھلا دیا آنحضرت صلعم ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے

ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی حضور کا آنا مبارک۔ آپ نے پوچھا ابوایوب کہاں ہیں۔نخلستان پاس ہی تھا وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی کہ یہ حضورؐ کے آنے کا وقت نہیں آپ نے حالت بیان کی وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کراتا ہوں۔ایک بکری ذبح کی۔آدھے کا سالن اور آدھے کو کباب تیار کرائے۔کھانا سامنے لا رکھا تو آنحضرت صلعم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہؑ کو بھیجوا دو۔کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا۔پھر خود صحابہ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔متعدد قسموں کے کھانے کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہی یہی چیزیں ہیں۔اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلعم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے آج کچھ کھانے کو ہے۔عرض کرتیں نہیں آپ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔

عین الحیوۃ میں محمد بن مسلم امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دن امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ کھانا تناول فرماتے تھے۔مجھے آپ نے کھانے کو بلایا۔اور مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے جس روز سے کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے اس روز تک کہ آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی کبھی ٹیک لگا کر یا تکیہ کر کے کھانا تناول فرمایا ہو؟ خدا کی قسم کسی آنکھ نے آپ صلعم کو ٹیک یا تکیہ لگا کر کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔اس کے بعد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ آنحضرت صلعم نے تین روز تک پے در پے گیہوں کی روٹی تناول فرمائی ہے؟ خدا کی قسم جس روز سے کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے اور اس وقت تک کہ آپ اصل برحمت ایزدی ہوئے آپ نے کبھی تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی نہ کھائی میں یہ نہیں کہتا کہ آنحضرت صلعم کو مقدور نہ تھا کیونکہ آپ تو اتنا مقدور رکھتے تھے کہ ایک دن میں ایک آدمی کو سو اونٹ دیتے تھے۔آپ اگر چاہتے تو سیر ہو کر تناول فرماتے۔اور طعامہائے لذیذ سے متلذذ ہوتے۔ (عین الحیوۃ)

عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا بجز اس صورت کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ جنگ احد میں عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا۔صفوں کو چیرتا پھاڑتا۔آنحضرت صلعم کے قریب آ گیا۔اور چہرے پر تلوار ماری۔اس کے صدمہ سے مغفر کی دو لڑیاں چہرہ مبارک میں چھپ کر رہ گئیں چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔ابودجانہ جھک کر سپر بن گئے۔اب جو تیر آتے تھے۔ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔طلحہ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔بے درد رحمت عالم پر تیر برسا رہے تھے۔اور آپ کی زبان مبارک پر الفاظ تھے۔ربّ اغفر قومی فانھم لا تعلمون۔اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ جانتی نہیں۔(جلد اول ص278)

جنگ احد کی شکست سے زیادہ روسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی تاہم دس برس کے بعد غزوہ

طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے پتھر برسا رہے تھے۔تو دوسری طرف سے ایک سراپا حلم وعفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا کر۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا 9 ہجری میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رُخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو اُتارا اور عزت وحرمت کیساتھ ان سے پیش آئے۔

قریش نے آپ کو گالیاں دیں۔ مارنے کی دھمکی دی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے۔ جسم اطہر پر کوڑے ڈالے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا۔ آپ کی شان میں گستاخیاں کیں۔نعوذ باللہ کبھی جادوگر۔ کبھی پاگل کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔غریب سے غریب آدمی بھی جب کبھی کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اُٹھتا ہے۔ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو ذی الحجار کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے لوگو۔ لا الہ الا اللہ کہو۔تو نجات پاؤ گے پیچھے پیچھے ابوجہل تھا وہ آپ پر خاک اُڑا کر کہہ رہا تھا۔لوگو اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کریں یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو۔راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ (سیرۃ النبی بحوالہ مسند احمد بن حنبل)

سب سے بڑھ کر طیش وغضب کا موقع افک تھا۔ جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی حضرت عائشہ آپ کے محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر سے یارغار کی صاحبزادی تھیں۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اُٹھا۔دشمنوں کی شماتت ناموس کی بدنامی۔محبوب کی تفضیح۔ یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سماسکتیں۔ تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا،تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین۔عبداللہ بن ابی تھا اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا۔ بااین ہمہ صرف آپ نے اس قدر کیا کہ مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا۔مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھے ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کیلئے حاضر ہوں آپ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے۔قریب تھا کہ تلواریں کھینچی جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی۔اور تہمت لگانے والے کو شرعی سزا دی گئی۔تاہم عبداللہ بن ابی سلول اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا۔اور ثبوت کیلئے شرعی شہادت موجود نہ تھی۔ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکر تھے تہمت کے جُرم میں حضرت ابوبکر نے ان کا روزینہ بند کر دیا۔اس پر یہ آیت اتری۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ (سورہ نور)

اور خبر دار تم میں کوئی شخص بھی جیسے خدا نے فضل اور سنت عطا کی ہے اسے یہ قسم کھانا نہیں چاہیئے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور مجاہدین سے سلوک نہ کریں گے ہمیں عفو اور درگزر سے کام لینا چاہیئے کیا۔ تم یہ نہیں چاہیے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے اور اللہ بیشک بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے

حضرت ابوبکر نے ان کا روزینہ بدستور جاری رکھا۔ مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید ابن اعصم نے آپ پر سحر کیا۔ تاہم آپ نے کچھ تعرض نہ فرمایا۔ حضرت عائشہ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا۔ میں لوگوں میں شورش پیدا کرانا نہیں چاہتا۔

زید بن شعبہ جس زمانہ میں یہودی تھے لین دین کا کاروبار کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا۔ میعاد میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ تقاضہ کو آئے آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا کہ عبدالمطلب کے خاندان والو۔ تم ہمیشہ یونہی حیلہ حوالہ کیا کرتے ہو۔ حضرت عمر غصہ سے بیتاب ہو گئے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا او دشمن خدا تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے آنحضرت صلعم نے سن کر فرمایا۔ عمر مجھ کو تم سے کچھ اور امید تھی اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضہ کرے اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا کہ میں اس کا قرضہ ادا کردوں۔ یہ فرما کر حضرت عمر سے ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور اور زیادہ دیدو۔

ایک دفعہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا۔ پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے تھے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی ایک جوڑا اسی سے قرض منگوا لیجئے آنحضرت صلعم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا اس گستاخ نے کہا میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یونہی اُڑا لیں اور دام نہ دیں آنحضرت صلعم نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔

ایک دفعہ کھیت پر تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی آپ رُک گئے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ صبر کرو۔ وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی ہٹو تم کیا جان سکتے ہو۔ کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے۔ آپ چلے آئے لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا وہ رسول اللہ صلعم تھے۔ دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضور کو پہچانتی نہ تھی۔ ارشاد فرمایا صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے۔ راہ میں ایک جلسہ تھا آپ ٹھہر گئے عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا۔ وہ بھی جلسہ میں موجود تھا آپ کی سواری کی گرد اُڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا دیکھ گردنہ اُڑاؤ جب آنحضرت صلعم قریب پہنچے تو اس نے کہا محمد ﷺ اپنا گدھا ہٹا دو۔ تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا آنحضرت ﷺ نے سلام کیا۔ پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی۔ عبداللہ بن ابی سلول نے کہا ہمارے گھر آ کر ہمیں نہ ستاؤ۔ جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو۔ عبداللہ بن رواحہ جو مشہور شاعر تھے انہوں نے کہا آپ ضرور تشریف لائیں بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں آنحضرت صلعم نے دونوں فریق

کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا جلسہ سے اُٹھ کر آپ سعد بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں سعد بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لئے تاج تیار کر لیا تھا۔

غزوہ حنین میں آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا کہ یہ تقسیم خداوندی نہیں ہے آپ نے سنا تو فرمایا خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا۔ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی آداب مسجد سے واقف نہیں تھا۔ وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں آپ نے فرمایا جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہادو۔ خدا نے ہم لوگوں کو دشواری کیلئے نہیں بلکہ آسانی کیلئے بھیجا ہے۔

حضرت انس جو خادم خاص تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کسی کام کیلئے بھیجنا چاہا۔ میں نے کہا نہ جاؤں گا۔ آپ چپ رہے گئے۔ میں نہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ دفعتاً آنحضرت صلعم نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہیں پھر پیار سے فرمایا جس کام کیلئے کہا تھا۔ اب تو جاؤ میں نے عرض کیا اچھا جاتا ہوں۔ انس نے اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ کی ملازمت کی آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں آپ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے جب اُٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے۔ ایک دن حسب معمول جب مسجد سے نکلے ایک بدو آیا اور اس نے آپ کی چادر اس زور سے پکڑ کی کھینچی کی آپ کی گردن سرخ ہوگئی آپ نے مڑ کر اس کے طرف دیکھا بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دوے۔ تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے آپ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو۔ تب غلہ دیا جائے گا۔ وہ بار بار کہتا تھا۔ خدا کی قسم میں ہرگز بدلا نہ دونگا آپ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لادیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

قریش نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے ضد سے آپ کو محمد (صلعم) تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے۔ بلکہ مذمّم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے۔ لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے تھے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد (صلعم) ہوں۔

جس زمانہ میں آپ فتح مکہ کی تیاریاں کر رہے تھے اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو حاطب ابن ابی بلتعہ ایک صحابی تھے انہوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی خبر کر دیں چنانچہ ایک خط لکھ کر انہوں نے چپکے سے ایک عورت کو معرفت مکہ روانہ کیا آپ کو اس کی خبر ہوگئی۔ حضرت علیؑ اور حضرت زبیر اس وقت بھیجے گئے۔ جو قاصدہ کو مع خط کے گرفتار کر لائے حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ اور معذرت چاہی یہ وہ موقع تھا کہ سیاست دان مجرم کی

سزا کا فتویٰ دیتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو معاف فرمایا کہ یہ شرکائے بدر میں تھے،۔عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا اعتراض نہ فرمایا۔حالانکہ یہ خط دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات میں حبان ایک شخص تھا۔ ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر ماموُرتھا۔ اور آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔لوگ ان کو پکڑ کر لے چلے جب انصار کے محلہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں ایک انصاری نے آ کر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم انہیں پر چھوڑتے ہیں۔انہیں سے ایک فرات بن حیان ہے۔مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد میں صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔اور آنحضرت صلعم نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی 4200 تھی۔

دشمنوں سے عفوودرگزر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کامیاب اور نادرالوجود چیز دشمنوں پر ترحم اور ان سے عفوودرگزر ہے۔حاصل وحی نبوت کے دست اقدس میں یہ جنس فراوان تھی۔دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اسلام کے دائرہ شریعت میں یہ فرضیت بدل کر مکروہ تحریمی بن جاتی ہے تمام روایتیں اسی پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا۔جب وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اُٹھائی تھیں لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھبو افانتم الطلقاء

تم پر آج کے دن کوئی علامت نہیں۔جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے دست و باز و اور آنحضرت ﷺ کے عزیزوں میں چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا۔وہ بھاگ کر طائف آیا۔طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا۔اور وحشی نے یمن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے (حضرت حمزہ علیہ السلام) کی یاد آتی ہے۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ علیہ السلام کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے کیے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت کی سند امان حاصل کر لے مگر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ تک کا ذکر نہ کیا ہندہ اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اُٹھی۔یارسول اللہ صلعم آپ کے خیمہ سے مبغوض تر کوئی خیمہ میری نگاہ میں نہ تھا۔لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں ہے۔

عکرمہ دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلعم کے سخت ترین دشمن تھے فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں وہ بھی گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی اور ان کو مسلمان کیا۔اور خدمت

اقدس میں لیکر حاضر ہوئیں آنحضرت صلعم نے جب ان کو دیکھا کہ فرط مسرت سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے مرحبا بالوا کبالمھاجر اے ہجرت کرنیوالے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان ابن اُمیہ قریش کے روسائے کفر میں سے تھے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھی انہیں نے عمر بن وہب کو انعام کے وعدے پر آنحضرت ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے۔ اور قصد کیا کہ سمندر کے راستے سے یمن چلے جائیں عمیر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ صفوان بن اُمیہ جو اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں۔ وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے مکرر عرض کی یارسول اللہ ﷺ امان کی کوئی نشانی عنایت فرمایئے جس کا دیکھ کران کو میرا اعتبار آئے۔ آپ نے اپنا عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا جس کو وہ لے کر صفوان کے پاس پہنچے صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے۔ عمیر نے جواب دیا صفوان ابھی تمہیں محمد صلعم کے حلم وعفو کا حال معموم نہیں۔ یہ سن کر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا۔ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دی فرمایا یہ سچ ہے صفوان نے کہا تو مجھے دو مہینہ کی مہلت دو۔ ارشاد ہوا نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد وہ خوشی سے مسلمان ہوگئے یہ واقعہ بالتفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جو ایک حیثیت سے آنحضرتؐ کی صاحبزادی زینب کا قاتل تھا۔ حضرت زینب حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کررہی تھیں۔ کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کران کو اونٹ سے گرادیا۔ جس سے حمل ساقط ہوگیا اور چند مہینوں کی علالت کے بعد انہوں نے اس مرض میں انتقال کیا۔ اس بناپر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل میں داخل تھا۔ چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ مبارک کی طرف سر جھکا دیا۔ آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے میری نسبت آپ کو جو خبریں پہنچی ہیں وہ صحیح تھیں مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں۔ دفعتاً باب رحمت وا تھا اور دوست دشمن کی تمیز مقصود تھی۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے۔ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں۔ ان میں سے اکثر میں انکا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباس ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے حضرت عمر نے ان کی گزشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنادیا۔ فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوئے گا اس کا قصور معاف ہوگا کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہورہا تھا اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنی حنیفہ

کا قبیلہ تھا جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا۔ شمامہ ابن اثال اس قبیلہ کے روسا میں تھا۔ اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ گرفتار کر کے ساتھ لایا گیا آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کیا کہتے ہو اس نے کہا محمد صلعم اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا۔ اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو جو تم مانگو میں دونگا۔ یہ جواب سن کر آپ خاموش رہے دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی تیسرے روز بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ شمامہ کے ہاتھ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو۔ شمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں جا کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں ہے اور کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں بُرا نہیں تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہیں تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔

قریش کی ستمگاری اور جفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر نہیں پہنچ سکتا تھا بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے دردان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔ لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے رئیس یہی شمامہ ابن اثال تھے مسلمان ہو کر جب یہ مکہ میں آئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا۔ انہوں نے غصہ سے کہا کہ خدا کی قسم اب رسول اللہ ﷺ کے بغیر اجازت گیہوں کا ایک دانہ نہ ملے گا۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اسی آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضورؐ کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو چنانچہ پھر حسب دستور غلہ آنے لگا۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ کے حُسن اخلاق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں لیکن مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور معالت اور لطف وآشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات لکھیں گے جو اس زمانے کے ہیں جب مخالفین کی قومیں پامال ہو چکیں تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

ابوبصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے۔ مدینہ میں آنحضرت صلعم کے پاس آ کر مہمان رہے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ رات بھر تمام اہلبیت نبویؐ بھوکے رہے۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ ہے حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں۔ شب کو ایک کافر آنحضرت کا مہمان ہوا آپ نے ایک بکری کا دودھ اسی کے سامنے پیش کیا۔ وہ پی گیا۔ پھر دوسری بکری دوہی گئی۔ وہ دودھ بھی بلا تامل پی گیا۔ پھر تیسری پھر چوتھی یہاں تک کہ سات

بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا چلا گیا آنحضرت ﷺ نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔

حضرت اسماء بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں اعانت خواہ مدینہ میں حضرت اسماء کے پاس آئیں ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے آنحضرت صلعم سے آ کر دریافت کیا آپ نے فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو۔ حضرت ابوہریرہ کی ماں کافرہ تھیں ابوہریرہ نے خدمت اقدس میں عرض کی۔ آپ نے بجائے غیظ وغضب کے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔

آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار بلال کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو آتا تھا ان کے پاس رہتا تھا ناداری کی حالت میں وہ بازار میں جا رہے تھے ایک مشرک نے دیکھا ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو انہوں نے قبول کیا ایک دن اذان دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور ان سے کہا او حبشی انہوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں لبیک کہا۔ بولا کچھ خبر ہے۔ وعدے کے صرف چار دن رہ گئے ہیں تم نے اس مدت میں قرضہ نہ ادا کیا تو تم سے بکریاں چرواکے چھوڑونگا۔ یہ عشاء پڑھ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ کل وہ مشرک آ کر مجھ کو فضیحت کرے اس لئے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آ جاؤں گا۔ غرض رات کو جا کر سور ہے اور سامان سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح کو اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہا آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مبارک ہو یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔ انہوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد میں آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔

یہ واقعہ فدک کے بعد کا ہے جو ہجرت کا ساتواں سال ہے حضرت بلال آنحضرت صلعم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ سے بکریاں چرواکے چھوڑونگا حضرت بلالؓ اس کے تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں آنحضرت صلعم یہ تمام باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے نہ بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے ہیں۔ اتفاق سے غلہ آ جاتا ہے اور مشرک کا قرض ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگزر کی جاتی ہے یہ حلم ، یہ عفو، یہ تحمل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے۔

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا۔ یہ کفار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔ آنحضرت ﷺ جس زمانے میں مدینہ میں تشریف لائے اس سے کچھ پہلے شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرزروا بنایا جائے۔ جنگ بدر کے بعد اس نے اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی۔ یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے قریش اور دیگر قبائل سے سازش رکھتے ان کو مسلمانوں کی مخفی رازوں کی خبر دیتے تھے۔ باایں ہمہ

بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے۔ جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے تھے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے آنحضرت صلعم ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں اس لئے آپ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے یہاں تک تو قانون اور شریعت کا معاملہ تھا لیکن فیاض دل اور عفو و حلم کے اقتضاء سے آپ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصار کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یا الانصار یعنی انصار کی دہائی مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی۔ قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا حالت کی باتیں ہیں۔ دونوں رک گئے عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا۔ مدینہ چل کر میں ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا۔ ساتھیوں سے کہا آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھا لو۔ یہ خود تباہ ہو جائینگے۔ چنانچہ یہ واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ (سورہ المنافقون۔7-8)

یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔ (منافقین کہتے ہیں جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دینگے۔ (سورہ منافقون)

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے اس نے صاف انکار کیا حضرت عمر موجود تھے۔ بولے یارسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں آپ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

جنگ احد میں عبداللہ بن ابی لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے درگزر فرمایا اور جب وہ مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ نے اپنا قمیض مبارک پہنا کر اس کو دفن کیا۔

یہود و نصاریٰ کے برتاؤ

خلق عمیم میں کافر و مسلم۔ دوست دشمن۔ عزیز و بیگانہ کی تمیز نہیں تھی ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوہ خیبر تک ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہو آپ ان میں انہیں کی تقلید فرماتے۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کوتشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے باپ کی طرف دیکھا گویا باپ کی رضامندی دریافت کی اس نے کہا کہ آپ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السّام علیکم (تم پر موت) ہو حضرت عائشہ نے غصہ میں آ کر ان کو بھی سخت جواب دیا۔لیکن آپ نے روکا اور فرمایا عائشہ بدزبان نہ بنو نرمی کرو۔اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔

یہودیوں کے ساتھ دادوستد کرتے تھے ان کے سخت وناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آیا۔تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے۔چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے آ کر شکایت کی کہ محمدؐ دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کی مہمانداری کی مسجد نبویؐ میں ان کو جگہ دی۔بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا۔یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے۔نکاح ومعاشرت کی اجازت دی اور اُن کیلئے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلام میں جاری فرمایا۔

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت

اسلام میں ہر طبقہ اور حیثیت کے لوگ تھے۔مالدار بھی نادار بھی۔امیر بھی غریب بھی۔آنحضرت کے محاسن سلوک سب کے ساتھ برابر تھے۔بلکہ غریبوں سے بہ شفقت خاص اس طرح پیش آیا کرتے تھے کہ افلاس وناداری کے صدمات ان کے دلوں سے دور ہو جاتے تھے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی۔مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے۔اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے۔ان کو یہ برابری ناگوار گزری آپ نے ابن مکتوم کی طرف متوجہ نہیں فرمائی۔اور اس امید پر انھیں سے باتیں کرتے رہے کہ شاید اسلام کی سعادت کو قبول کرلیں۔اور ان کے دل کی لذت سے آشنا ہوں۔لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا۔اور یہ آیت اتری۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ

الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ
جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢

(سورہ عبس)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔اے پیغمبر تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہوجاتا۔ یا نصیحت حاصل کرتا۔تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی۔لیکن جو بے پروائی برتتا ہے۔اس کی طرف تو تو متوجہ ہوتا ہے۔اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے۔لیکن جو تیرے پاس دوڑتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔ یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اسے قبول کرے۔

یہی غربا ومفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار تھے۔آنحضرت صلعم ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔تو رؤسا قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھ کر استہزاء کہتے تھے۔

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر ان پر احسان کیا ہے۔

لیکن آپ ان کے اس استہزاء کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔آپ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔تم کو جو نصرت اور روزی میسر آئی ہے وہ انھیں غریبوں کی بدولت ہے۔اور اسامہ بن زید سے فرمایا۔میں نے درجنت پر کھڑے ہوکر دیکھا کہ زیادہ تر اس میں غریب ومفلس ہی لوگ داخل ہیں۔

عبداللہ بن عمر عاص روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔اس اثنا میں آپ تشریف لائے اور انھیں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔آپ نے فرمایا فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولتمندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔اور مجھے حسرت ہوئی۔کہ کاش میں بھی انھیں میں ہوتا۔

ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گزرا۔آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔اس نے جواب دیا کہ یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں۔خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ تمہارا رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے۔کچھ دیر کے بعد

ایک اور صاحب اس راہ سے گزرے۔ آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ اس کی نسبت کیا کہتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ صلعم یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے۔ اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے۔ اور اگر کچھ کہنا چاہے تو سنا نہ جائے۔ ارشاد ہوا کہ تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ غریب بہتر ہے۔

آنحضرت صلعم اکثر دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ خداوندا۔ مجھے مسکین زندہ رکھ۔ مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلعم یہ کیوں؟ فرمایا کہ اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ پھر فرمایا اے عائشہؓ کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو۔ اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔

ایک دفعہ چند مسلمانوں نے آکر خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ صلعم امراء ہم سے درجہ اُخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں نماز روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ بات نہ بتادوں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ۔ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ۔ اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلعم۔ ارشاد ہوا۔ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور الحمدللہ واللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہؐ ہمارے دولتمند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا فرمایا۔ **ذلك فضل الله یو تیه من یشاء** ۔ یعنی یہ خدا کا دین ہے جس کو چاہے دے۔

مسلمانوں سے جو زکوۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت حکم عام تھا کہ **توخذ من امرا ئهم و ترد علی فقراء هم** ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امرا سے لے کر وہیں کے فقرا میں تقسیم کر دی جائے۔ صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ اور ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی کی بات پر حضرت سلمانؓ وبلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے ڈانٹا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس واپس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کر دیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ بیمار پڑی اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ خیال تھا کہ وہ کسی وقت مر جائے گی آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو جنازے کی نماز پڑھاؤں تو اس کے بعد دفن کی جائے۔ اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ جب تیار کر کے لایا گیا تو آپ آرام فرما چکے تھے۔ صحابہ آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے اور رات ہی کو دفن کر دیا۔ صبح کو آپ نے دریافت کیا تو لوگوں نے یہ واقعہ عرض کیا آپ یہ سن کر کھڑے ہو گئے۔ اور صحابہ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نماز ادا کی۔

حضرت جریر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافروار

حاضر خدمت ہوا۔ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہیں تھا۔ برہنہ تن پا کھالیں بدن سے بندھی ہوئی تلواریں گلوں میں پڑیں ہوئیں ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے۔ چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔اضطراب میں اندر گئے باہر آئے پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا۔

دشمنانِ جان سے عفو و درگزر

انبیائے کرامؑ کے یکتا اخلاق اور بے نظیر اشفاق میں جو اپنے جانی دشمنوں اور قاتلوں تک سے درگزر اور عفو فرماتے ہیں۔جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی ہے کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد صلعم کا سر قلم کر دیا جائے اس سے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبویؐ کا محاصرہ کیے کھڑا رہا۔اگر چہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپؐ میں ظاہری قوت نہ تھی۔لیکن ایک وقت آیا کہ جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں مقتول نہیں ہوا۔

ایک دفعہ انس بن مالک خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔تو دیکھا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں۔ان سے دوسری روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ دے رہے ہیں تیسری روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے۔ایک دفعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کر دی ہے۔آپ نے خود دست مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا۔اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔

حیات القلوب میں بسند معتبر معقول ہے کہ ایک دن بدو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں کہنے لگی کہ آپ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے ہیں اور غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھتے ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے زیادہ اور خدا کا غلام کون ہے۔اس عورت نے کہا کہ اپنے کھانے میں سے ایک لقمہ مجھے عنایت ہو۔آپ نے اسے ایک لقمہ عنایت کیا اس نے کہا نہیں۔وہی لقمہ جو آپ کے دہن مبارک میں ہے مجھے دیا جائے۔بالآخر آپ نے اسے وہی لقمہ دے دیا۔امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اس لقمہ مبارک کی برکت سے وہ کبھی بیمار نہیں پڑی۔اور ایک دوسری روایت میں اس عورت کا خود بیان ہے کہ میں پہلے بد زبان اور بے شرم تھی اس لقمہ مبارک کے کھانے کے بعد بہت حیادار اور صلح جو ہوگئی۔113

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں دعائے بد کرنا انسان کی فطری عادت ہے۔لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہ بلند ہوتا ہے۔جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو ان کے تشنہ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ہجرت

سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت صلعم پر مظالم ہو رہے تھے۔اس داستان کے دہرانے کے لیے سنگ دلی درکار ہے۔

اسی زمانہ میں حباب بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیے ۔ یہ سن کر چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔

ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اس قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بن کر بھیجا گیا ہوں۔

وہ قریش جنھوں نے تین برس تک آپ کو محصور رکھا اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار نہ تھے۔ان کی شرارتوں کے پاداش میں دعا نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر پر سے اٹھالیا اور مکہ میں اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ٹڈی اور مردار کھانے لگے ۔ابوسفیان نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ محمد صلعم تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو۔آپ نے عذر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے ان کو اس مصیبت سے نجات دی۔

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے ۔ تیر برسائے ۔تلواریں چلائیں ۔ دندان مبارک کو شہید کیا۔جسم اقدس کو خون آلود کیا۔لیکن ان حملوں کا وار آپ نے جس سپر پر روکا وہ صرف یہ دعا تھی ۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

خدایا ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا۔وہ طائف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا۔وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا ان کی نسبت فرشتہ غیب پہنچا کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے۔ جواب تیر و تفنگ سے دیتا ہے ۔ جان نثاروں کی لاشیں پر لاشیں گر رہی ہیں ۔صحابہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلعم ان کے حق میں بد دعا کیجئے ۔آپ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بد دعا فرمائیں گے۔لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔خداوندا ثقیف اہل طائف کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا۔ وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے وہ مدینہ کے صحن مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے۔مسلمان ہوئے۔

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔طفیل ابن عمر دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے۔وہ قدیم الاسلام تھے۔مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کر کے گذارش کی کہ ان کے حق میں بد دعا فرمائیے۔لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا۔لیکن رحمت علم نے جن الفاظ میں دعا فرمائی وہ یہ تھی۔

الھم خد دوسبا وات بھم

خداوندا ان کو ہدایت فرما اور ان کو لا۔

حضرت ابوہریرہ کی ماں مشرکہ تھیں۔ وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ وہ ابا کرتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے اسلام کی دعوت دی تو ان کی ماں نے آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی کی، حضرت ابوہریرہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اس حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے دعا کی۔ الٰہی ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب فرما۔ وہ خوش وخرم گھر واپس آئے۔ تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں۔ غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔

عبد بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق بنا رہا۔ اور کوئی موقع اس نے آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی خلاف خفیہ سازشوں اور علانیہ استخفاف و اہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کفار قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط وکتابت تھی غزوہ احد میں عین موقع پر اپنے ہمرائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا۔ واقعہ افک میں حضرت عائشہ پر الزام لگانے والوں میں سے سب سے آگے تھا۔ لیکن با این ہمہ اس کے فرد جرم کو رحمت عالم ﷺ کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی حضرت عمر نے کہا یا رسول ﷺ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا۔ آپ یہ سن کر تبسم ہوئے اور فرمایا ہٹو اے عمر جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہوسکتی ہے تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔

بچوں پر شفقت

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ (راستہ میں مل جاتے تو خود ان کو سلام کرتے)۔

ایک دن خالد بن سعید خدمت اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی۔ اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن میں تھا۔ آپ نے فرمایا سنتہ سنتہ حبشی زبان میں حسنہ کو سنتہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوتی تھی اس لئے آپ نے اس مناسبت سے حبشی لفظ میں حسنہ کے بجائے سنتہ کہا۔ آنحضرت صلعم کی پشت پر جو مہر نبوت تھی۔ وہ ابھری ہوئی تھی۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں۔ وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں۔ خالد نے ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے روکا کھیلنے دو۔

ایک دفعہ آپ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک چادر بھی تھی جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپ نے حاضرین سے کہا۔ یہ چادر کس کو دوں لوگ چپ رہے آپ نے فرمایا ام خالد کو لاؤ وہ آئیں تو آپ نے ان کو پہنایا۔ اور دو دفعہ کہا پہننا اور پُرانی کرنا۔ چادر میں جو بوٹے تھے سب کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے۔ ام خالد یہ سنا ہے یہ سنا ہے او پر گذر چکا ہے کہ ام خالد حبش میں پیدا ہوئی تھیں اور کئی سال تک وہیں رہیں تھی اسی لئے ان سے زبان حبش میں خطاب کیا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا۔ اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو خدمت

رسولؐ میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے ہو۔ میں نے کہا کہ کھجوریں توڑنے کیلئے۔ ارشاد فرمایا کہ کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا اٹھا کر کھالیا کر۔ ڈھیلے نہ مارو یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ اس بچے کے محبت کے واقعات سے آپ پر سخت اثر ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہ کے پاس آئی اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہی اٹھا کر دے دی۔ عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیئے۔ اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا ارشاد ہوا کہ جس کو خدا اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا۔ دفعۃً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپیٹ میں آ کر مارے گئے۔ آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ صلعم وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ آپ نے فرمایا مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں خبردار بچوں کا قتل نہ کرو۔ ہر جان احد ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں سے سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا۔ اس نے کہا کیا تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو۔ میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالی اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔

جابر بن سمرہ صحابی تھے۔ وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے میں بھی ساتھ ہولیا کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے آپ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپ کا داخلہ ہو رہا تھا۔ انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھی۔ جب آپ کا ادھر گزر ہوا۔ فرمایا اے لڑکیو تم مجھے پیار کرتی ہو۔ سب نے کہا ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں۔ محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں

آپ کا لحاظ کر کے اِدھر اُدھر چھپ جاتیں آپ انہیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔

غلاموں پر شفقت

آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہوانہیں کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو۔ وہ ان کو پہناؤ۔

آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے۔لیکن وہ حضور کے احسان وکرم کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ قبیلہ اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا ان کے باپ ان کے لینے کو آئے لیکن وہ اس آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے۔ اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ زید کے بیٹے اسامہ سے آپ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اُسامہ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔

غلاموں کو لفظ غلام کا سن کر اپنی نظر میں اپنی ذات محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرت صلعم کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ فرمایا کوئی میرا غلام میری لونڈی نہ کہے۔ میرا بچہ میری بچی کہے۔ اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں۔ آقا کہیں۔ آنحضرت صلعم کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا۔

حضرت ابوذر ؓ قدیم الاسلام صحابی تھے اور آنحضرت صلعم ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا۔ غلام نے آنحضرت صلعم سے جا کر شکایت کی آپ نے ابوذر کو زجر فرمایا کہ تم میں اب تک جہالت ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر تو اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کرو۔

ایک دفعہ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ ابو مسعود نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلعم میں نے وجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھولیتی۔

آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی۔ ایک دفعہ اس میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا۔ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اس کو آزاد کرو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلعم ہم سات آدمیوں کے بیچ میں ایک یہی خادمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ۔ جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے۔

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے۔جن کے وہ بہت مشاکی تھے۔وہ ان کو مارتے۔برا بھلا کہتے۔لیکن دونوں باز نہ آئے۔انھوں نے آکر آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔اوراس کا علاج پوچھا۔آپ نے فرمایا تمہاری سزا اگران کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جومقدار زاید ہوگی اس کے برابر خدا بھی سزا تمہیں دے گا۔یہ سن کر وہ بے قرار ہوگئے۔اور گریہ زاری شروع کی آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا ونضع موازین القسط یہ سن کرانھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلعم بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کردوں آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔

غلاموں کا لوگ بیاہ کردیتے تھے۔اور پھر جب چاہتے تھے تو دونوں میں تفریق کردیا کرتے تھے۔چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کیا۔اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی۔غلام نے خدمت نبوی میں آکر شکایت کی آپ نے منبر پر خطبہ دیا کہ لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کرکے پھر تفریق کرنا چاہتے ہیں۔نکاح وطلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔

اس رحم وشفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ انھیں آزاد فرمادیتے تھے۔مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ ان کے پاس مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا اس لیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلے آپ انھیں کوعنایت فرماتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ

دنیا میں یہ صنف ضعیف عورتیں چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں اس سے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہ رہا۔کہ اس گروہ مظلوم کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت ومنزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی۔اس لیے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلعم کی ایلاء ازواج سے چندروز کی علیحدگی کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے۔مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی۔لیکن یہ اس قدر جس کے وہ مستحق تھیں۔آنحضرت صلعم نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کیے۔آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کردیا۔ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں۔یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برا نہیں ہوسکتے اس لیے ہمارے لیے ایک دن مقرر کیا جائے آنحضرت صلعم نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہوگیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی ان میں اسما بنت عمیس بھی تھیں۔خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبشہ

مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں۔ایک دن وہ حضرت حفصہ سے ملنے گئیں اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔انکو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں۔حضرت حفصہ نے نام بتایا حضرت عمرؓ نے کہا ہاں وہ حبش والی، وہ سمندر والی، اسما بن عمیس نے کہا کہ ہاں وہی۔حضرت عمرؓ نے کہا ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی۔اور اس لیے رسول اللہ صلعم پر ہمارا زیادہ حق ہے۔اسما کو سخت غصہ آیا۔بولیں ہر گز نہیں۔ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے۔وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے۔ہمارا یہ حال ہے کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے لوگ ہمیں ستاتے تھے۔اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلعم آگئے اسماء نے کہا یا رسول اللہ صلعم عمر نے یہ کہا۔آپؐ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا۔انھوں نے ماجرا سنایا آپ نے فرمایا کہ عمرؓ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں ہے۔عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور آنحضرت صلعم کے الفاظ بار بار دہرا کر سنتے حضرت اسما کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت صلعم کے ان الفاظ سے زیادہ تر مسرت انگیز نہ تھی۔

حضرت انس بن مالک جو خادم خاص تھے۔ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا۔جو رضاعت کے رشتہ سے آپ کی بھی خالہ تھیں معمول تھا کہ آپ جب قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے۔وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ نوش فرماتے آپ سو جاتے تو بالوں سے جوئیں نکالتیں۔

حضرت انس کی والدہ ام سلیم سے آپ کو نہایت محبت تھی۔آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے وہ بچھونا بچھا دیتیں آپ آرام فرماتے جب آپ سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔مرتے دم وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔

ایک دفعہ حضرت انس کی دادی ملیکہ نے آپ کی دعوت کی۔کھانا خود تیار کیا تھا۔آنحضرت صلعم نے کھانا نوش فرما کر کہا آؤ میں تم کو نماز پڑھاؤں۔گھر میں ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی حضرت انس نے پہلے اس کو پانی سے دھویا۔پھر نماز کے لیے بچھایا۔آنحضرت صلعم نے امامت کی حضرت انس اور ان کی دادی اور یتیم غلام صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔اور دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسما جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں۔حضرت زبیر سے بیاہی تھیں۔مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیر کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔حضرت اسما خود گھوڑے کے لیے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں حضرت زبیر کو جو زمیں آنحضرت صلعم نے عطا فرمائی تھی۔اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی۔وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آرہی تھیں کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے۔اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں حضرت اسما شرماتیں۔آنحضرت نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا۔اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھے۔حضرت اسما کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا۔مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت صلعم سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں حضرت عمر آئے تو سب اٹھ کر چل دیں۔آنحضرت صلعم ہنس پڑے۔حضرت عمر نے کہا کہ خدا آپ کو خندان رکھے کیوں ہنسے۔فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے جان کے دشمنو مجھ سے ڈرتی ہو۔اور آنحضرت صلعم سے نہیں ڈرتیں۔سب نے کہا تم رسول اللہ صلعم کی نسبت سخت مزاج ہو۔ان روایات سے نقل صرف مقصود ہے۔اصلیت شبلی صاحب جانیں۔مولف عفی عنہ۔

چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں۔ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔انجشہ نام ایک عربی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے۔اونٹ زیادہ چلنے لگے۔تو آپ نے فرمایا کہ انجشہ دیکھنا شیشے ٹوٹنے نہ پائیں۔

حیوانات پر رحم

حیوانات پر رحم فرماتے تھے۔ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے۔موقوف کر دیے۔اونٹ کے گلے میں قلاوہ لٹکانے کا دستور تھا۔اس کو روک دیا۔زندہ جانوروں کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے اس کو منع کر دیا۔جانور کی دم اور ایال کا کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ دم ان کا موچھل اور ایال ان کا لحاف ہے۔جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے میں ممانعت فرمائی۔اور فرمایا کہ جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ۔اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ایک بے رحمی کا یہ دستور تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کو نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سنگ دلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے علامت یا بعض اور دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا۔ایسی حالت میں آپ ان اعضا کو داغنے کو کہتے تھے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا۔دیکھا تو رسول اللہ صلعم بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔

ایک بار آپ کسی سفر میں جا رہے تھے۔لوگوں نے ایک مقام پر منزل کی۔وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا۔چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی۔آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی۔ان صاحب نے کہا یارسول اللہ صلعم مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔آپ نے فرمایا وہیں رکھ دو۔ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے۔آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی۔جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان کو نکال لیا۔پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ سر پر منڈلانے لگی۔آپ نے

فرمایا جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ۔

ایک دفعہ کسی انصاری کے باغ میں آپ ضرورت سے تشریف لے گئے ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا۔ آپ کو دیکھ کر بلبلایا۔ آپ نے شفقت سے اوپر ہاتھ پھیرا پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے آپ نے ان سے کہا کہ تم اس جانور کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے۔

رحمت ومحبت عام

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک تمام دنیا کیلئے رحمت بن کر آئی تھی حضرت مسیحؑ نے کہا تھا میں امن کا شاہزادہ ہوں لیکن شہزادہ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں۔ لیکن امن کے شہنشاہ کو خداوندازل ہی نے خطاب کیا۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تجھ کو تمام دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلم وعفو مسامحت ودرگزر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے بچے عورت مرد آقا وغلام انسان وحیوان ہر ایک ضعیف ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔ ایک صاحب نے آپ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا میں دنیا میں لعنت کیلئے نہیں آیا ہوں آپ نے دنیا کو پیام دیا۔

لا تحاسبوا ولا تباغضوا وكونوا يا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا

ایک دوسرے پر بغض وحسد نہ کرو اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

احب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما

لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم ہو گے۔

حضرت انس سے مروی ہے۔

يريزيد من احد كم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه وحتى لا يحب المرء لا يحبه الله

تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ سب لوگوں کیلئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض خدا کیلئے پیار نہ کرے۔

ایک شخص نے مسجد نبوی میں آ کر دعا کی۔ خدایا مجھ کو اور محمد صلعم کو مغفرت عطا کر آپ نے فرمایا خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اونٹ پر سوار ہوا۔

اور بولا خداوندا مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر۔ آپ نے صحابی کی طرف خطاب کر کے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ راہ بولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کو نا پسند فرمایا۔

رقیق القلبی

نرم دلی اور رقت قلبی آپ کی فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر تھے۔ اس لئے آپ انتہا درجہ کے نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ مالک ابن جویرث ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے ان کو بیس دن تک مجلس نبویؐ میں شرکت کا موقع ملا تھا وہ فرماتے تھے۔

کان رسول اللہ صلعم رحیم رفیقا

آنحضرت صلعم رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت زینب کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرت صلعم کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیں مجبوراً آپ تشریف لے گئے حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی ابن کعب اور زید بن ثابت بھی ساتھ تھے بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ صلعم یہ کیا فرمایا خدا تعالیٰ انہیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر بھی رحم کرتے ہیں۔

غزوہ احد کے بعد جب آپ مدینہ میں تشریف لائے گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ کا دِل بھر آیا۔ اور فرمایا حمزہ (عم رسول اللہ صلعم) کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنے ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا میں نے اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑھ دیا۔ وہ ابّا ابّا کہہ کر پکار رہی تھی۔ اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بیدردی کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اس قصہ کو کو پھر دہراؤ، ان صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبار بیان کیا۔ آپ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہو گئی۔

حضرت عباس بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھے ہوئے تھے وہ درد سے کراہتے تھے۔ ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں پہنچ رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیزوں کیساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے تاہم نیند نہیں آئی تھی۔ آپ بے چین ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے لوگوں نے بیقراری کا سبب سمجھ کر گرمین ڈھلی کر دیں۔ حضرت عباس کی کرب اور بے چینی رفعہ ہوئی تو آپ نے استراحت فرمائی۔

مصعب ابن عمیر ایک صحابی تھے جو اسلام سے پہلے بڑے ناز ونعمت سے پلے تھے ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے یہ دیکھ کر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک

کر دیا۔ والدین کی محبت دفعتاً عداوت سے بدل گئی ایک دفعہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مبارک میں اس حال سے آئے کہ وہ جسم جوحریر وفاقم میں ملبوس تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا۔ یہ پر اثر نظر دیکھ کر آپ آبدیدہ ہوگئے۔

عیادت،تعزیت غمخواری،عزاء

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن مومن کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔سنن نسائی باب التکبیر علی الجنازہ میں ہے۔

كان النّبى صلّى الله عليه وآله وسلم احسن شئ عياه المريض

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار کی عیادت کا اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔

بخاری اور ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا۔تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے عبداللہ ابن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی آواز دی۔ وہ خبر نہ ہوئے۔فرمایا۔افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور نہیں چلتا۔ یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں لوگوں نے روکا۔آپ نے ارشاد فرمایا۔اس وقت رونے دو مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہئے۔عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لئے تھے آپ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا ہے۔

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا۔ پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے۔ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے۔ان کو غشی طاری تھی۔پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔جابرؓ ہوش میں آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم اپنا ترکہ کس کو دوں۔اس پر یہ آیت اتری: يوصكم الله فى اولادكم [1]

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہوگی خبر نہ کی۔اور دفن کر دیا۔صبح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز پڑھی۔

عبداللہ ابن عمرو نے غزوہ احد میں شہادت پائی تھی۔اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے۔ان کی لاش لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھی گئی۔ اور اس پر چادر ڈال دی گئی ان کے صاحبزادے جابر بڑھے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں۔حاضرین نے روکا انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ان لوگوں نے پھر روک دیا۔آنحضرت صلعم نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے۔ چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ ابن عمر کی بہن بے اختیار ہو کر چلا اٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رونے کی بات نہیں۔فرشتے ان کو پروں کے سائے میں لے گئے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لئے گئے ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں

---

[1] ۔لیکن خود رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی علیہا السلام اس حکم سے مستثنٰی کر دی گئی۔(مولف عفی عنہ)

سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ مرگیا تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی ایک دن آپ نے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا وہ انتقال کر گیا۔ ارشاد کیا تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔ لوگوں نے اس کی تحقیر کی۔ یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔ آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہوجاتے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہوجاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔

آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ عزیزوں کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ ان کے شہید ہونے کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے۔

لطف طبع

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں بھی فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا۔ او دو کان والے اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رہتے تھے۔ حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمر تھا۔ وہ کمسن تھے اور ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مرگیا۔ ابوعمر کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا: یا ابا عمیر مافعل النغیر ابوعمیر تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دونگا۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلعم میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کرونگا۔ آپ نے فرمایا کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا بڑھیاں بہشت میں نہ جائینگی۔ اس کو بہت صدمہ ہوا۔ اور روتی ہوئی واپس چلی آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ بڑھیا بہشت میں جائینگی لیکن جوان ہو کر جائینگی۔

ایک بدوی صحابی تھے۔ وہ دیہات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ شہر میں آئے گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ ادھر سے گذرے اُن کے پیچھے سے جا کر ان کو گود میں دبا لیا۔ انہوں نے کہا کون ہے چھوڑ دو۔ مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلعم سرور عالم تھے اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت صلعم کے سینہ سے لپٹا دی۔ آپ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہے وہ بولے مجھ جیسے غلام شخص کو جو خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ۔ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت

اب بھی باقی ہے۔آپ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت فرمائی۔سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا۔چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے ۔(قرآن میں ہے کہ شہد میں شفا ہے)لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ اب کی پلایا تو شفا ہوگئی۔ مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہوگیا تو گرانی جاتی رہی۔ان میں سے بعض واقعات حیات القلوب میں بھی درج ہیں جن کو ہم شگفتہ مزاجی کے عنوان میں اوپر لکھ چکے ہیں۔

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی۔معمول تھا جب کبھی سفر میں جاتے تو سب سے آخر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تعریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتو وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام ہوتیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہوجاتے ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹکر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابوقتادہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبویؐ میں حاضر تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلعم امامہ (آنحضرت صلعم کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز ادا کی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی میں پرورش پاتے تھے۔جو مدینہ سے تین چار میل ہے ان کے دیکھنے کیلئے پیادہ پا جاتے۔گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا۔گھر میں جاتے۔بچہ کو ان کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے اور پھر مدینہ کو واپس آتے۔

ایک دفعہ اقراع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے۔آپ حضرت امام حسن علیہ السلام کا منہ چوم رہے تھے۔عرض کی میری دس بچے ہیں۔میں نے کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا ارشاد فرمایا کہ جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہ کیا جاتا۔(یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔)

حضرت حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی،فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں۔حضرت فاطمہؑ علیہا السلام کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا۔وہ صاحبزادوں کو لاتیں آپ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹا لیتے۔

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرمارہے تھے۔اتفاق سے حسنین علیہما السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے آئے کمسنی کی وجہ سے ہر قدم پرلڑکھڑاتے جاتے تھے۔آپ ضبط نہ کرسکے۔منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے۔انما اموالکم واولادکم فتنۃ

فرمایا کرتے تھے حسینؑ میرا ہے اور میں حسین کا ہوں۔خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔

ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) دوش مبارک پر سوار تھے کسی نے

کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے آپ نے فرمایا اور سوار بھی کیسا ہے۔

ایک دفعہ امام حسن علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام آپ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے آپ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ۔ انہوں نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے۔ آپ نے منہ چوم کر فرمایا۔ اے خدا میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔

ایک دفعہ آپ کہیں دعوت میں جا رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے۔ آپ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دئے۔ وہ ہنستے ہوئے پاس آ کر نکل جاتے تھے۔ بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا اور پھر فرمایا کہ حسینؑ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

آپ کے داماد (حضرت زینب کے شوہر) جب بدر میں قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے۔ تو گھر کہلا بھیجا حضرت زینب نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔ یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب کے جہیز میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے ان کو دیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے ہار دیکھا تو بیتاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو بھیج دوں سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

علامہ ابن ابی الفراتی فرماتے ہیں:

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے واسطے خط لکھا تھا وہ شخص آپ کی خدمت میں سلام کیلئے حاضر ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ اس شخص نے دیکھا کہ جناب حسنین علیہما السلام کبھی آپ کی گردن مبارک پر اور کبھی آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے ہیں اور آپ کے پیچھے سے ہو کر گذر جاتے ہیں جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ ان لڑکوں نے آپ کی نماز کو کیسا خراب کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت طیش میں آ کر اس شخص سے فرمایا کہ اپنا خط ہمیں دیدے اور اس سے وہ خط لے کر پھاڑ ڈالا۔ اور ارشاد فرمایا کیا جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہمارا نہیں ہے اور نہ ہم اس کے ہیں۔

انس ابن مالک سے منقول ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں پیٹھ کے بل سو رہے تھے ناگہاں حضرت امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور سرکتے ہوئے جناب رسالت مآب صلعم کے سینہ پر بیٹھ گئے اور بول کر دیا میں نے ان کو روکا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اے انس میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل کو چھوڑ دے جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگا کر ان کا بول دھو ڈالا۔

آنحضرت صلعم کے دل میں اپنے پارہ جگر کی محبت و الفت ایسی ہی مفرط درجہ پر تھی جس کے مقابلہ میں کسی معمولی سی معمولی

اختلاف اور ملائم سے ملائم شدت بھی آپ کے طبع عالی پر سخت گراں گذرتی تھی۔

ترمذی،نسائی اور طبرانی لکھتے ہیں۔اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآبؐ کسی دعوت میں جارہے تھے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا میں نے دیکھا کہ امام حسینؑ بعض اطفال مدینہ کے ساتھ کھیل رہے تھے آنحضرتؐ اس لڑکے کی طرف بڑھے وہ بچہ کبھی سن کے تقاضے ادھر کبھی ادھر چلا جاتا ہے اور آپ ہنستے جاتے تھے یہاں تک ضرورت کیلئے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے حضرہ کی زنجیر کھٹکھٹائی،آنحضرتؐ برآمد ہوئے آپ کی گود میں کوئی چیز معلوم ہوتی تھی میں نہیں جانتا تھا کیا چیز ہے جب میں اپنی ضرورت کوعرض کر چکا تو میں نے عرض کی یارسول اللہؐ حضور کے آغوش مطہر میں کیا چیز ہے۔آنحضرتؐ نے اپنی ردا کو اٹھا دیا میں نے دیکھا کہ حضرات حسنین علیہما السلام آپ کی گود میں ہیں پھر آپ نے فرمایا یہ میرے بیٹے اور بیٹی کے بیٹے ہیں اے خدا تو جانتا ہے کہ میں ان سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے پیار فرما آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے اس کو تھام لیا اور اپنا ہاتھ اس کے زیر گردن رکھ کر دوسرا اس کی گردن پر رکھ دیا اور اپنا فرق مبارک بڑھا کر اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا اور فرمایا حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔خدایا تو اس کو دوست رکھ جو حسینؑ کو دوست رکھے حسینؑ اسباط سے ایک سبط ہے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے جناب امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کی آغوش میں لیٹ گئے اور اپنی انگلیاں آپ کی ریش مبارک میں ڈالنے لگے۔آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے آپ کے منہ کو کھولا اور اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھ کر پھر فرمایا اے پروردگار میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو کوئی اس کو محبوب رکھے۔

مسلم ابن قیس الہلالی جناب سلمان الفارسیؓ سے ناقل ہیں کہ میں ایک دن جناب رسالت مآب صلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اتنے میں جناب امام حسین علیہ السلام بھی تشریف لائے پس آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے ان کو اٹھا لیا اور ان کے دہن ورخسار کو بوسہ لیا۔اور فرمایا تو سید ابن سید ہے اور سید کا بھائی تو امام ہے امام کا بھائی ہے۔امام کا بیٹا ہے تو حُجّت خدا ہے حجت خدا کا بیٹا ہے حجت خدا کا بھائی ہے اور تو حجت ہائے خدا کا باپ ہے جن کا نواں قائم آل محمد عجل اللہ ظہورہ ہے۔

ذخائر العقبیٰ میں ابوحاتم کے اسناد سے لکھا ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کیلئے آنحضرت صلعم اپنی زبان مبارک دہن اقدس سے نکال دیتے تھے اور وہ معصوم بچہ جب آپ کی زبان کی سرخی کو دیکھتا تھا تو اس کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔عیینہ بن مدرار حاضر خدمت تھا۔یہ دیکھ کر عرض کرنے لگا کہ یا حضرت میرے بچے ہیں مگر میں تو کبھی نہیں چومتا اور نہ ان کے بوسے لیتا ہوں آپ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس رحم نہیں کیا جاتا ہے۔

صواعق محرقہ میں ہے ابولیلی ناقل ہیں کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کو آنحضرت صلعم کی پشت مبارک اور سینہ اقدس پر چڑھے ہوئے دیکھا اتفاقاً اس بچہ نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا پس ہم لوگوں نے اس کو آپ سے لینا چاہا۔آپ نے فرمایا چھوڑ دو۔پھر پانی منگا کر آپ نے اس پیشاب کو دھو ڈالا

زید بن زیاد ناقل ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ ایک بار ام المومنین عائشہ کے گھر سے نکل کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دروازے سے گزرے اور جناب امام حسین علیہ السلام کو روتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ فاطمہ تم جانتی ہو کہ اس کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے۔

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ابوحررا جناب امام حسین علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ میں نے ایک بار آپ سے عرض کی کہ آپ اپنے جد بزرگوار کا کچھ تذکرہ فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتفاق سے کچھ خرمے آپ کے پاس رکھے ہوئے تھے میں نے انہیں سے صرف ایک دانہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ پس آپؐ نے وہ دانہ بجنسہ میرے منہ سے نکال لیا۔ اور فرمایا کہ نہیں جانتے ہو کہ ہم آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے اور یہ چھوہارے صدقہ کے ہیں۔

ذخائر العقبیٰ میں ہے۔

براء ابن عازب ناقل ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرماتے تھے کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اور جو کچھ مجھ پر حرام ہوا ہے وہ اس پر بھی حرام کیا گیا ہے۔

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار میں۔ تکبیرات صلوٰۃ کے تذکرے میں امام حسین علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے جس کو ہم ناسخ التواریخ کے ترجمہ عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بحار الانوار کی کتاب تہذیب میں مذکور ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے تکبیر کہی اور نماز میں کھڑے ہو گئے امام حسین علیہ السلام آپ کے پہلو میں کھڑے تھے جب آنحضرت صلعم نے تکبیر کہی جناب امام حسین علیہ السلام چونکہ کمسن بچے تھے۔ آپ سے تکبیر اچھی طرح ادا نہیں ہوئی۔ سات مرتبہ جناب رسول خدا صلعم نے تکبیر ادا فرمائی اس وقت سے سات تکبیریں شریعت میں سنت قرار پائیں۔

اخلاقیات کی مذکورہ بالا تفصیل کو جو اخلاق نبویؐ اور اُسوہ حسنہ مصطفویؐ کی تمثیل میں مشتے از خروارے اور یکے از ہزارے کی مقدار رکھتی ہے۔ بیان کرے شہنشاہ رسالت اور تاجدار نبوت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ کی سیاسیات جن میں تبلیغ دین کے ساتھ ملک وقوم کی تنظیم بھی فرمائی گئی ہے ایک علیحدہ باب میں لکھتے ہیں۔

سیاسیات نبوت

یہ مسلم ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کبھی کسی ایک یا خاص حاکم کا محکوم نہیں رہا۔ اور نہ ان ریگستان کی رہنے والی آزاد قوموں نے کسی اندرونی یا بیرونی حکومت یا اس کی تنظیم وآئین کے آگے اپنا فرق تسلیم جھکایا۔ ان کے قوم وقبیلے جرگے اور جتھے بالکل آزاد خود مختار اور خودسر تھے ان میں جو کچھ تنظیم تھی وہ یہی کہ وہ اپنے قبیلہ کے ایک سردار کے زیر حکم کام کرتے تھے اس پر بھی روزانہ تمدن

اور معاشرت کے قریب قریب تمام طریقوں میں باہمی مساوات تھی اور حاکم محکوم میں کوئی امتیاز خاص نہیں تھا۔

جس طرح ان کے قبائل کے جدا جدا سردار تھے اسی طرح ان کے خدا بھی ہر ہر قبیلہ کے جدا جدا خدا تھے اور جدا جدا رئیس وسردار۔ جنوب عرب میں۔ازدؔ، اقیالؔ، اورحمیری کی سلطنتیں قائم تھیں۔شمال میں، بکرؔ، تغلبؔ شیبانؔ، ازدؔ، قضاعہؔ، کندہؔ، لخمؔ، جذامؔ، بنوحنیفہؔ، طےؔ، اسدؔ، ہوازنؔ، عطفانؔ، اوسؔ، خزرج ؔس ثقیفؔ، اور قریش کی الگ الگ آبادیاں تھیں۔ جو شبانہ روز آپس کے قتل وغارت میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر وتغلب کی چالیس برسوں کی لگا تار لڑائیاں ابھی ابھی ختم ہوئی تھیں۔حضرموتؔ اور کندہؔ کے لوگ برسوں کی مسلسل جنگ میں لپٹ کر تباہ وبرباد ہوچکے تھے۔ اوسؔ وخزرجؔ بھی دست وگریبان ہوکر جانبین سے اپنے ایک ایک سردار کو ضایع کر چکے تھے۔

خاص حرم محترم اور مکہ معظّمہ میں حرب الفجار کا سلسلہ جاری تھا۔ اور معبد کردگا رمیدان کارزار بنا تھا۔ پہاڑوں اور صحراوں میں خود مختار۔ جرائم پیشہ قوم وقبائل کی آبادی تھی۔ ملک کا ملک تمام ترقتل وخون۔شقاوت وبے رحمی۔قزاقی اور غارت گری کی بلا ومصیبت میں گھرا تھا۔جتنی قومیں یا جتنے قبائل تھے لاانتہا سلسلہ جنگ کے شیرازہ میں بندھے ہوئے تھے۔قصاص کی پیاس ہزاروں اشخاص کی خونریزی کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ تمام ملکی قوم وقبائل کی معیشت غارت گری اور قزاقی پر اور غارت گری کے بعد تجارت وسوداگری پر منحصر تھی۔لیکن تجارت کی بھی کساد بازاری تھی اس لئے کہ راستوں میں منزلوں میں اور تمام گذرگاہوں میں قتل وغارت کے اندیشوں کے سبب تجارتی قافلوں کا گذرنا محال تھا۔

حیرہ کے عربی تاجدار باوجود اس کے کہ شمالی عربستان کے شہر یار بھی تھے اور بڑے صاحب اقتدار واختیار لیکن تاہم ان کا مال بھی آسانی سے عکاظؔ کے میلوں میں نہیں آسکتا تھا۔حج کے مہینے عموماً مقدس کہلاتے تھے لیکن باہمی جنگ وجدال کیلئے وہ بھی گھٹا بڑھا لئے جاتے تھے چنانچہ ابوعلی قالی نے لکھا ہے۔

وذلك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالی عليهم ثلاثة اشهر لاتمكنهم الاغارة

یہ اس لئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گذر جائیں کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔(ص2ج1)

حج کے موسم جرائم پیشہ قبائل کیلئے بہار کے ایام تھے حوالی بکر میں اسلمؔ وغفارؔ کے قبیلے حاجیوں کے اسباب لوٹنے میں مشہور عام تھے۔ طے کا قبیلہ جس قدر ممتاز اور نامور تھا اس قدر چوری میں بدنام بھی تھا۔ وزدان طے مشہور تھے۔عرب کے دو مشہور شاعر سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا، جو عرب کی شاعری کی جان تھے ان کی شاعری کی کلیات چوری اور غارت گری کی داستان اور ضرر بیان تھی۔

تمام ملک میں پرآشوبی اور بدامنی کی یہ حالت تھی کہ عبدالقیس جو بحرین کا طاقتور قبیلہ تھا۔5ہجری تک سوائے حج کے مہینوں کے علاوہ حجاز کی طرف قدم اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ مکہ فتح ہوچکا تھا۔ اور علاقوں میں امن وسکون بھی شروع ہوچکا تھا۔لیکن با ایں ہمہ مکہ سے مدینہ منورہ تک کی راہ خطرات سے خالی نہیں تھے اور جا بجا غارت گران ملک لوٹ مار کیا کرتے تھے ہجرت کے پانچ چھ برس تک شام

کے قافلے بھی غارت کر دیئے جاتے تھے اور خود مسلمانوں کی چراگاہوں تک ان کی دستبرد پہنچ جاتی تھی جب جناب رسالت ماب ﷺ ملک کے امن وامان کا یہ مژدہ سناتے تھے۔ کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ ایک محمل نشین عورت صنعاء سے اکیلی سفر کرے گی اور اتنے دور دراز سفر میں اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ تو لوگ سن کر حیران رہ جاتے تھے۔

9 ہجری میں ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنے مال لٹ جانے کی شکایت کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ صبر کرو، بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ بے محافظ کا قافلہ مکہ کو جایا کرے گا۔ تمام عرب میں صرف مکہ کی زمین ایسی تھی۔ جہاں لوگوں کو امان واطمینان دستیاب ہوسکتا تھا۔ قرآن مجید میں خدا نے اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان جتایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

اذن کو چاہیے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا، کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیے بنایا اس کی اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف سے آدمی اُچک لئے جاتے ہیں۔ (عنکبوب)

خود اسلام کی حالت پر غور کرو۔ عام الحزن کے بعد سے (حضرت ابی طالب اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات جس سال میں ہوئی اسے عام الحزن کہتے) لگاتار تین برس تک جناب ختمی مرتبت علیہ وآلہ والسلام واتحیۃ تمام قرب وجوار کی قوم وقبائل سے درخواست کرتے تھے کہ وہ حضور کو اپنی امان میں لے کر صرف اتنا موقع دلا دیں کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ کے پیام کو وہ ان تک پہنچا دیں۔ لیکن کوئی راضی نہیں ہوتا۔ ملک میں مسلمانوں کو آزادی اور اظہار کے ساتھ رہنا دشوار اور قریب المحال تھا۔ اس لئے وہ افریقہ اور حبش میں گھر چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جو عرب میں رہ گئے تھے۔ وہ مظلوم ومصائب کے نشانہ ہورہے تھے۔ قرآن مجید کی ان آیتوں میں مسلمانوں کی اس حالت کا ذکر مرقوم ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

یاد کرو جب تم لوگ ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔ (انفال 26)

ملک کی اس پُر آشوبی اور بدامنی کی وجہ سے تنظیم ملک کی کوئی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی تھی جب تک اس کی تائید میں محافظت کی تدبیر نہ قائم کر لے جائے یہ ظاہر ہے کہ رسالت کا اصل مقصد اسلام کی دعوت تھی اور اس کے لئے تیغ وسپر اور فوج ولشکر کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن ان مجبوریوں کو کیا کہا جائے کہ مخالفین بلا خطا وقصور ایک طرف سے اسلام پر فوجیں اتار رہے تھے۔ وار کر رہے تھے ان کے جارحانہ اور مخاصمانہ حملات سے ہر ہر مقام ومواقع میں مبلغین اسلام کی جانوں کے ضائع جانے کا پورا اندیشہ تھا۔

ان کے علاوہ تجارتی قافلے تھے جن پر ملک وقوم کی گذران موقوف ومنحصر تھی۔ محفوظ ومامون نہیں تھے۔ تو ملک کے اندرونی

خطرات کی صورت تھی۔ بیرونی حملات کے خوف واندیشہ کی یہ شکل تھی کہ علاوہ شام کے تمام زرخیز اور شاداب قطعات ملکی، روم اور ایران دوذی اقتدار حکومتوں کے قبضہ میں تھے فارس کے کجکلاہ نے ساٹھ برس سے یمن، عمال، اوربحرین کے علاقوں پر قبضہ مالکانہ کرلیا تھا اورعرب کے بڑے بڑے حاکم اورروساء ان کے مطیع اورزیر اختیار ہوگئے تھے ال منذر کی حکومت کو فنا کرکے ایرانیوں نے ملک کے اندرونی حصوں میں اپنے قدم بڑھادیے تھے۔عین اسی وقت حجاز میں اسلام کی دعوت بھی شروع ہوگئی تھی۔اس دعوت اسلام کو بھی وہ اپنے ہی حدود کے اندر خیال کرتے تھے کیونکہ 6 ہجری میں شاہ فارس نے اپنے نائب عامل یمن کو لکھا تھا کہ نعوذ باللہ میرے غلام کو جو حجاز میں مدعی نبوت بنا ہے گرفتار کرکے میرے پاس بھیج دو۔

عرب سے ملے ہوئے حدود شام کے علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا۔آل غسان اورعرب کے دوسرے چھوٹے چھوٹے رئیس وسردار قبائل مذہب سے عیسائی ہوچکے تھے انہیں عیسائی رئیسان ملکی کی امداد سے 7 ہجری میں رومی مدینۃ النبیؐ پر حملہ کی تیاریاں کررہے تھے جن کا اظہار آخر کار تبوک اورموتہ وغیرہ کے واقعات میں وقوع پذیر ہوا۔

دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے شام وفلسطین کی برائے نام حکومت یہودیوں سے لے لی تھی۔اوروہ مجبور ہوکر شام کی سرحد سے وسط حجاز تک پیچھے چلے آئے تھے۔اور یہاں آکر مدینہ سے لے کر شام تک اپنے قلعے تیار کرلئے تھے۔یہ مقامات ان کی فوجی قیامگاہ تھے۔اوراموال تجارت کی ذخیرہ گاہ بھی۔قریظہ،نضیر،قنیقاع،خیبر،فدک،تیما اوروادی القریٰ مقامات میں یہودیوں کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھی۔قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انہیں قلعوں کی طرف اشارت فرمائی گئی ہے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ

وہ قلعہ بند آبادیوں یادھس کے نیچے چھپے۔یعنی یوں مل کر مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔(حشر۔14)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

خدانے ان یہودیوں کو جنھوں نے ان کی مدد کی ان کے قلعوں سے اتارا۔(احزاب۔26)

قدیم زمانہ میں یہودیوں کی کثرت مال نے جس طرح اسپین اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہود کو وہاں کے ملکی نظم وبست کا ایک خوفناک جزو بنادیا تھا۔اسی طرح عرب میں بھی ان کی صورت قائم تھی۔اپنے مال ودولت کی کثرت اوران قلعوں کی قوت پر وہ اتنا مست ومغرور ہوگئے تھے۔کہ وہ اسلام کی طاقت کا کوئی وجود ہی نہیں سمجھتے تھے۔جناب رسالت آب ﷺ کو محض یہودیوں کی مفسدہ انگیزیوں کی وجہ سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔بدر میں جب اسلام کی فتح ہوئی تو بڑے کبروناز سے یہود کہنے لگے کہ بے چارے مکہ کے ہرنے والے قریش لڑائی لڑنا کیا جانیں۔مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہوجائے۔

انہیں اندرونی اور بیرونی موادومفاسد کی وجہ سے ملک کی اصلاح اورقوم کی رفاہ امکان انسانی سے باہر معلوم ہوتی تھی۔لیکن آٹھ ہی برس کے قلیل عرصہ میں جبروت قدرت نے دست رسالت سے ان محالات کو ممکنات کیا واقعات کی صورت میں دکھلا دیا۔حقیقت

یہ ہے کہ عرب کے ملکی قومی اور سیاسی بدنظمیوں اور بدتر تعبیوں کا سب آپس کی مخالفت اور جنگ وجدال تھی اور مخاصحت کے باعث ان کے خاندانوں کا اختلاف اور نسلوں کا افتراق تھا۔ ان میں تجمع اور تسکین پیدا کرنے کیلئے کوئی مستحکم ذریعہ موجود نہیں تھا یہ اسلام ہی کا فیض تھا اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کا احسان کہ آپ نے عرب کے اتحاد ویکجہتی کیلئے اسلام کا رشتہ عام قائم فرمادیا۔ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا اصول زریں سب کو بتلا دیا اور سمجھا دیا اس وقت سے لے کر اس وقت تک یہ اصول اور صرف ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ و محمد ارسول اللہؐ بلا امتیاز نسل وقوم، قرابت وعزیزداری، عرب کیا اقطاع عالم کی تمام قوموں کو اتحاد کے ایک رشتہ میں گلدستہ بنائے ہوئے ہے۔ قرآن مجید میں اس اجتماع واتحاد کے وجود کو مخصوص نعمت قرار دیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اپنے لطف ومحبت سے بھائی بھائی بن گئے کہ حقیقی بھائی کو انہیں دیکھ کر رشک آنے لگا۔

لیکن یہ نظم واتحاد محض خدائے مقلب القلوب کے تصرفات قدرت تھے۔ چنانچہ شبلی صاحب یہاں تک پہنچ کر لکھتے ہیں کہ خدا نے خود آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محمدؐ یہ تیرا کام نہ تھا اس میں خود خداوند مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

وہ خدا ہی ہے جس نے محمدؐ! اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اس نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیئے اور اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑتا۔ لیکن خدا نے ان کے دل جوڑ دیے وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کی تھی وہ اسی سلسلہ کی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد دوم)

خدائے سبحانہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فتنہ وفساد کو تمام افعال انسانی قبیح ترین ٹھہرایا ہے آیا لا تفسدوا فی الارض، ان اللہ لا یحب المفسدین، ان اللہ لا یحب الفساد الفساد اشد من التقل اس کی پوری تشریح کرتے ہیں۔

ان افعال ذمیمہ کے مرتکبین کیلئے رب العلمین نے مختلف سزائیں تجویز فرمائیں۔ چوری کیلئے ہاتھ کاٹے جانا۔ زہزنی کیلئے قتل کیا جانا۔ پھانسی چڑھایا جانا۔ ہاتھ کاٹے جانا اور جلاوطن کر دیا جانا۔ مقرر فرمایا۔ خونریزی اور عام قتل وسفا کی کے انسداد کیلئے جو قانون قصاص نازل ہوا۔ وہ سورہ مائدہ میں بالتفصیل مذکورہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود بھی قیام امن اور استحکام اطمینان وامان کی غرض

خاص سے ملک کے مختلف اقطاع و مقامات میں فوجیں بھیجیں اور اکثر باران کے قزاقانہ حملات جارحانہ کی مدافعت میں ان سے دلیرانہ مقابلہ کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ حجاز میں ذرو پیشہ قبائل واقوام نے خود ان جرائم سے تائب ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

شبلی صاحب نے ان اصلاحات کی نسبت نہایت معقول نظریہ تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے۔لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسانوں کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی۔ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے۔اسلام کے قانونِ تعزیرات نے جو کچھ کام کیا قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاءؐ صلعم کا فیض تلقین اس سے پہلے قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔قانون وخوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسان کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کردیا۔جورات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازہ دن کی کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا۔دفعتہً اب تمام ملک میں امن وامان تھا۔اورعدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق صنعاء سے حجاز لوگ تن تنہا سفر کرتے تھے۔اورخشیۃ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا۔ایک یورپین مورخ جس کے قلم نے پیغمبر اسلامؐ کی مدح کیلئے بہت کم جنبش کی ہے (تارگیولس) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا۔آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی درالسلطنت مقرر کیا گیا تھا۔ بنیاد ڈال چکے تھے آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا۔آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔

بیرونی خطرات کے انسداد کیلئے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کردیئے قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور تھے 3ہجری سے لے کر 7ہجری تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں برابر جنگی معرکے پڑتے رہے۔آخرکار فتح خیبر نے ان کے تمام قومی اور سیاسی اقتدار کا خاتمہ کردیا۔یہودیوں کے بعد، رومیوں اور حدود شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے مٹادینے کا بیڑا اٹھایا۔عرب کے عیسائی رئیسوں میں غسانی سب سے زیادہ طاقتور اور پرزور تھے۔مگر وہ بالکل رومیوں کے زیر اختیار تھے۔قبائل بہراوائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ ان کے زیر اطاعت تھے۔

ان قبائل کے علاوہ۔دومتہ الجندل، ایلہ، جرباء، اذرح، تبالہ، اور جرش وغیرہ میں بھی چھوٹے چھوٹے یہودی اور عیسائی حکمران تھے۔غسانیوں کی حملہ آوری کی کیفیت اس سے قبل بالتفصیل مذکورہ ہوچکی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ شاہ نصاریٰ کے پاس فرمان رسالت لے کر حارث بن عمر بارگاہ رسالت سے بھیجے گئے تھے غسانیوں کے آدمیوں نے ان کو راستہ میں قتل کرڈالا۔خبر پاکر آنحضرت ﷺ نے تین ہزار سپاہیوں کا دستہ فوج غسانیوں کی تنبیہ وتادیب کیلئے روانہ فرمایا۔غسانی ایک لاکھ فوج تیار کرکے لائے۔اس پر مستزاد یہ خبر تھی کہ قیصر رومی کی بھی اس قدر فوج غسانیوں کی حمایت میں مقام موآب کے قریب موقع کی منتظر بیٹھی تھی۔اس ٹڈی دل کے مقابلہ میں مٹھی بھر مسلمان بڑی جگرداری اور پامردی سے صف آرا ہوئے اور اپنے چند نفوس کو جہاد راہ خدا میں قربان کرکے فوج اسلامی

کو میدان جنگ سے صحیح سالم نکال لائے اس معرکہ کا نام غزوہ موتہ ہے۔

اس کے بعد ہی غزوہ تبوک واقع ہوا اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ میں شبانہ روز یہ خبریں پہنچتی رہیں۔ کہ رومی مدینۃ النبیؐ پر حملہ کے قصد سے غسانی فوجوں کو درست کر رہے ہیں۔ اور سپاہیوں کو سال بھر کی پیش گی تنخواہ بھی بانٹ دی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی مشہور تھا کہ غسانی خود بھی بہت بڑے لشکر کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ اور گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں۔ ان اخبار کی بنا پر آنحضرت صلعم نے تیس ہزار فوج مہاجر و انصار کے ساتھ مدافعانہ سبقت فرمائی اور تبوک میں بیس دن تک مخالف کی آمد آمد کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن صدا آئے برنخاست اس پیش قدمی اور سبقت سے یہ فائدہ ضرور نکلا کہ غسانی چھوڑ کر تمام روسائے قرب وجوار نے رومیوں کی رفاقت ترک کی اور اسلام کی حمایت قبول کر لی۔ پھر 11 ہجری میں عین مرض الموت کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ بن زید کی ماتحتی میں تمام مہاجر و انصار کے لشکر گراں کو رومیوں کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔ یہ لشکر مدینہ سے باہر نکلا تھا کہ آفتاب رسالت کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

یہ تو روم و شام کے بیرونی خطرات کا انجام ہوا ایرانیوں سے اطمینان کا سامان قدرت نے یوں کر دیا کہ سلطنت ایران اپنی کمزوری اور ضعف سے خاتمہ کو پہنچ چکی تھی۔ 10 ہجری میں مبلغین اسلام کے پہنچتے ہی علاقہ جات یمن، عمان اور بحرین، بغیر کسی لڑائی کے ایرانیوں کی ماتحتی سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اسلام کے زیر سایہ آئے۔ غرض نو دس برس کی سعی و تدبری اور قادر مطلق کی غیر مرئی اور مافوق بشری تائید سے عرب کے تمام علاقوں میں اسلام نے امن و امان قائم کر دیا۔ قریش اور یہود کی رنگارنگ سازشوں کا خاتمہ ہو گیا۔ قبائل کی خانہ جنگیاں موقوف ہو گئیں۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں کے جتھے متفرق ہو گئے۔ بیرونی خطرات کے خوف و اندیشے بھی جاتے رہے اور اب وہ وقت آ گیا کہ بانی اسلام علیہ وآلہ والسلام کامل اطمینان کے ساتھ اپنے اصل مقصد کی طرف توجہ فرمائیں۔

تبلیغ و اشاعت اسلام

پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کا اصلی مقصد کیا تھا۔ دعوت اسلام کا اعلان فرمانا۔ اور تمام دنیا کو اسلام کی تعلیم دے کر دیندار بنانا یہی آپ کا اصلی مقصد تھا۔ اس مقصد کیلئے بطور ظاہر نہ کسی فوج کشی کی ضرورت تھی اور نہ کسی خونریزی کی حاجت صرف اتنا ہی کافی تھا کہ دعوت حق کی آواز اقطاع عالم میں گوش بگوش پہنچ جائے۔ مکہ میں کامل تیرہ برس تک اسلام کے دشمن اسی تبلیغ اسلامی کی راہ مسدود کرتے رہے اور وہ ظاہر ہے اس طرح کہ ہر سال حج کے موسم میں عرب کے سینکڑوں کیا ہزاروں قبائل آتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام کی غرض خاص سے ایک ایک کے پاس جاتے رہے اور صرف اتنا فرماتے رہے کہ قریش مجھ کو دین الٰہی کی تبلیغ نہیں کرنے دیتے تم ان سے مجھے ان کے اعلان کا موقع دلوا دو اور خود بھی دیدو۔ مگر افسوس ہزاروں اور لاکھوں میں سے ایک فرد واحد بھی آپ کے ملتجیانہ ارشاد کی طرف شنوا نہیں ہوتا تھا۔

لیکن باایں ہمہ رسالت کی اس دعوت اسلام اور ہدایت ایمانی کی فیوض روحانی کفار عرب کی جہالت وضلالت کی تیرگی میں بھی

اپنی نورافشانی سے نہ رُکے اِسلام کی نورانی شعاعیں اطراف وجوانب کو آہستہ آہستہ پرنور اور ضیا بار کرتی جاتی تھیں۔ خدا کی یہ بھی شان جبروت کہ اس کی اشاعت کا سامان خود دشمنان اسلام نے اپنے ہاتھوں سے کیا۔ وہ اس طرح کہ موسم حج میں مختلف اور دور و دراز مقامات سے عرب کے سینکڑوں اور ہزاروں قبائل آتے۔ قریش ان کی گذرگاہوں میں اپنے خیمہ لگاتے۔ قریش سے بیرونی لوگ انکے خیموں میں ملنے آتے چونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بیعت کا ذکر تمام پھیل چکا تھا لوگ قریش سے اس کی حقیقت پوچھتے یا وہ لوگ نہ پوچھتے تو قریش خود حفظ ما تقدم کے لحاظ سے ان کو آگاہ کردیتے کہ ہمارے شہر میں ایک بُرے عقیدے کا شخص پیدا ہوا ہے۔ جو عرب کے قدیم معبودوں کی توہین کرتا ہے یہاں تک کہ لات وعزی کے حق میں بدزبانی کرتا ہے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں:

بدعقیدہ کو عربی میں صابی کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت صائبین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا۔ اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ کا نام مشہور ہوگیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک صابی پیدا ہوا ہے۔ اگرچہ اس مغویانہ اور غلط نام کی شہرت ہزاروں قبائل کو دعوت اسلام کی قبولیت سے روکے رہی تاہم اتنا بڑا چوڑا چکلا ملک ایسے لوگوں سے بھی خالی نہیں تھا۔ جن کو اس واقعہ کی دریافت حقیقت کا اشتیاق خود بخود پیدا ہوا ہو۔

عرب میں ظہور اسلام سے پہلے اچھی خاصی ایک جماعت پیدا ہوچکی تھی جو بت پرستی کو بُرا جانتی تھی اور حق کی متلاشی تھی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ان متعدد صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے صرف آنحضرت صلعم کے دریافت حال کی غرض خاص سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے حضرت ابوموسی اشعری اور طفیل ابن عمر دوسی یمنی کے خاندان میں جو اسلام پھیلا اس کی ابتدا بھی اسی زمانہ میں ہوئی تھی طفیل ابن عمر دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعراء کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر چاہتے جھونک دیتے تھے۔ اس لئے قریش نے اس کی بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلعم کی خدمت میں نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرت صلعم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو فوراً مسلمان ہوگیا اور اس کے اثر سے اسی زمانہ میں قبیلہ دوس میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی۔ وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دوس نے نافرمانی کی۔ ان پر بددعا کیجئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ خدایا دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

عمرا بن عنبسہ اسلمی بھی انہیں بزرگوں میں تھے جنہوں نے لوگوں کی زبانی یہ سن کر کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے نہ شاقانہ مکہ آئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے۔ عمرا بن عنبسہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور عرض کی آپ نے فرمایا میں پیغمبر ہوں۔ انہوں نے کہا پیغمبر کسے کہتے ہیں۔ آپ نے

فرمایا خدا نے مجھے بھیجا کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے بت توڑے جائیں۔خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے عمر نے پوچھا اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں۔آپ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکر) ایک غلام (بلالؓ) عمر نے کہا میں بھی آپ کی پیروی کرتا ہوں ارشاد ہوا کہ ابھی تو یہ ممکن نہیں تم دیکھتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال ہے۔میری کامیابی کا جب حال سنو۔ تو میرے پاس آنا چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔

ضماد بن ثعلبہ قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس اور آپ کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے،وہ مکہ آئے تو سنا کہ محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے۔وہ آپ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کروں آپ نے فرمایا:

الحمد لله نحمده ونستعينه من يهدّالله فلامضله ومن يضلله فلاهادى له

واشهدان لآاله الاالله وحده لاشريك له واشهدانّ محمداعبده ورسوله

میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں جس کو خدا ہدایت فرمائے۔پھر اس کا کوئی گمراہ کنندہ نہیں ہے اور جس کو خدا ہدایت نہ دے کوئی اس کا ہدایت کنندہ نہیں ہو سکتا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ ہے اور رسولؐ ہے۔

ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا۔عرض کی دوبارہ ارشاد فرمائے۔آپ نے پھر اعادہ فرمایا۔ضمادؔ نے پھر تیسری بار پڑھوایا۔اب وہ بالکل محسور (معمور) تھے۔بولے کہ میں نے کانوں کی باتیں سنیں۔جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصاید سنے ہیں۔لیکن ایسا کلام نہیں سنا ہے یہ تو دریا کے تہ تک بھی اثر کر جائے گا۔لایئے۔ہاتھ لایئے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں آپ نے اس سے بیعت لے لی۔پھر فرمایا اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لو۔چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کر لی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کہ کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے اس نے حکم دیا واپس کر دو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس موقع پر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کے شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا۔جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے۔اور حق کی تلاش میں تھے انہوں نے اپنے بھائی،انیس سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم وتلقین کیسی ہے۔انیس مکہ میں آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہیں ہوئی خود گئے زادِ سفر کیلئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلعم کا نام نہیں پوچھ سکتے تھے۔حرم میں حضرت علی علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی انہوں نے

گھر لا کر مہمان رکھا۔لیکن تین دن تک ان سے بھی پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؑ نے پوچھا یہاں آنے کی کیا غرض ہے۔انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول وقرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے حضرت علی علیہ السلام ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور آپ نے اسلام کی تلقین فرمائی۔ اورفرمایا کہ گھر واپس جاؤ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا اس کی تعمیل کرنا لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا۔ عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔غرض حرم میں آئے اوردروازے سے پکارے اشھدان لاالٰہ الااللّٰہ واشھدان محمد الرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ والہ (اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چار طرف سے دوڑ پڑے اوران کو مارنا شروع کیا۔حضرت عباس نے آکر بچایا اورلوگوں سے کہا کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گذرتا ہے اور یہ اس قبیلہ کے آدمی ہیں۔اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن دوسرے روز حرم میں جا کر پھراس طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اورنتیجہ وہی ہوا جوکل ہو چکا تھا۔آج بھی اتفاق سے حضرت عباس آ گئے۔اورانہوں نے جان بچائی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مکہ سے جب واپس آئے اوراپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اس وقت مسلمان ہو گیا۔بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں آ جائے۔ چنانچہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی۔

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا۔اوردونوں قبیلہ میں قدیم تعلقات تھے غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا(حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے اوران کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے) موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا آپ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کی قیا مگاہ پر جاتے۔اوراسلام کی دعوت دیتے تھے۔چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی ایک معتدبہ جماعت نے اس موقع پر اسلام قبول کیا۔مدینہ منورہ میں جب آپ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں سے جیسا کہ اوپر گذرا غفار واسلم نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر چند دنوں کے بعد بدر کی جنگ ہوئی اورقریش کو شکست ہوئی قریش کے ستر آدمی مسلمانوں نے اسیر کئے۔قریش نے اپنے آدمیوں کے استخلاص کیلئے مدینہ میں آنا جانا شروع کیا اس ذریعہ سے مسلمانوں سے ملنے جلنے اور تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا اس تقریب سے متعدد لوگ اسلام سے مشرف ہو گئے اس جماعت میں اکثر ایسے بھی تھے کہ محض اتفاقیہ طور پر ان کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز کا پڑنا تھا کہ ان کے سنگین دل موم ہو گئے جبیر بن مطعم بدر میں گرفتار ہو کر آئے تھے قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے ایک دن زبان رسالت سے انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ

کیا یہ یونہی آپ سے پیدا ہو گئے یا ان لوگوں نے خود آپ کو پیدا کیا۔ ان لوگوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

جبیر خود بیان کرتے ہیں کہ یہ آیتیں سن کر مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔مکہ میں جن روم وفارس کی نسبت جو پیشین

گوئی فرمائی گئی تھی وہ فتح بدر کے وقت بالکل صحیح ثابت ہوئی قرآن کی پیشین گوئی کے سات برس بعد رومیوں کو ایرانیوں پر فتح کُلی حاصل ہوئی۔اس عظیم الشان معجزہ قرآن کا یہ اثر ہوا کہ عرب کے ہزار ہا لوگ اسلام کی صداقت کے معترف ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسی طرح اسلام نہایت خموشی اور آہستگی کے ساتھ عرب کے تمام اقوم وقبائل میں متمکن ہوتا جاتا تھا۔5ہجری میں۔کنانہؔ،قریشؔ،غطفانؔ اور اسد نے باہم متفق ہو کر مدینہ پر فوج کشی کی۔حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے شکست کھائی اسی لڑائی کا نام عربی تاریخوں میں جنگ خندق ہے اس شکست نے قریش کی کمر ہمت توڑ دی اور پھر ایسی کہ پھر وہ کبھی اسلام کے مقابلہ پر آمادہ نہ ہوئے۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد وہ قبائل جو اسلام کی طرف مائل تو ضرور تھے لیکن قریش کے خوف سے اسلام کی بیعت نہیں کر سکتے تھے۔اب کھل پڑے اور اب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں علانیہ اپنے وفود وصول اسلام اور حصول ایمان کی غرض سے بھیجنے شروع کر دیئے۔سب سے پہلے قبیلہ مزینہ کا وفد آیا۔جس میں چار سو آدمی شریک تھے قبول اسلام کے بعد ان لوگوں نے مدینہ میں بالاستقلال رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا لوجہاں تم ہو مہاجر ہو۔

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے بھی سو آدمی خدمت مبارک میں آئے اور عرض کی کہ ہم جنگ نہیں چاہتے بلکہ صلح کے خواہشمند ہیں۔آپ نے اِن سے صلح کر لی۔اس وقت تک یہ سب کے سب کافر تھے ادھر صلح ہوئی ادھر وہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

اشجع کے پاس قبیلہ جہنیہ کے لوگ آباد تھے۔آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ ایک ہزار کی جمعیت لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور بلاتحریک سب کے خود بخود مسلمان ہو گئے۔اسی بنا پر غفار،اسلم مزینہ،اشجعؔ اور جہنیہؔ کے قبائل کا اسلام سابق کہلاتا ہے اور اسی باعث سے آنحضرت صلعم نے ان کو دعائے خیر سے یاد فرمایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار اور مسلمان نہایت آزادانہ طور پر ملنے جلنے لگے اور تبادلہ خیالات کرنے لگے۔اس باہمی رسم وراہ اور مکالمت ومجالست کا یہ نتیجہ ہوا۔کہ اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ دو برس کے عرصہ میں غزوات ومحاربات کے اثر سے جس قدر لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ان سے اُن لوگوں کی تعداد زیادہ بڑھ گئی۔چنانچہ آنحضرت ﷺ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر مدینہ سے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔تو صرف دو ہزار لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو جاتے ہیں تو دس ہزار جان نثار سرفروشی کیلئے رکاب میں ساتھ آتے ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ صلح حدیبیہ کا اثر اگر چہ بیحد مفید ثابت ہوا۔مگر تاہم اس کا اثر تمام عرب پر محیط نہ تھا۔اس لئے کہ اس معاہدے میں صرف قریش اور بنی کنانہ شریک تھے۔باقی اور قوم وقبائل جو نہ قریش کے شریک تھے اور نہ حلیف۔وہ اب بھی مدینہ پر حملات اور تاخت وتاراج کا قصد رکھتے تھے۔ان کی مدافعت میں آنحضرت صلعم کو کبھی کبھی تھوڑی تھوڑی سی فوجیں روانہ کرنی ہوتیں تھیں۔لیکن تاہم ان مواقع میں جہاں امن وصلح کا گمان ہوتا تھا وہاں مبلغین اسلام بھیجے جاتے تھے کہ اسلام کی دعوت دیں مگر مبلغین کی حفاظت کیلئے بقدر ضرورت کچھ فوجی لوگ ہمراہ کر دیئے جاتے تھے۔اس بنا پر ارباب سیر نے ان تبلیغی خدمات کو بھی سرایا میں شامل سمجھ

لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کعبہ کی تولیت کی بنا پر تمام عرب قریش کو اپنا رہنما خیال کرتا تھا۔ اس لئے وہ قریش کے انجام کار کے منتظر تھے۔ عمرا بن سلمہ صحابی جو مدینہ سے دور شاہراہ عام کے ایک مقام پر رہتے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ بخاری میں ان کا بیان یوں مذکور ہے۔

کانت العرب تلوم اسلا مهم الفتح فیقولون اتکرہ وقومه فانه ظهر علیهم فهو نبی صادقٌ فلما کانت وقعه اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم

عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے تو وہ بے شبہ سچے پیغمبر ہیں پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے:

وانما کانت العرب تربص بألاسلام امرهذالحے من قریش وامر رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وذلك ان قریشا کانوا امام الناس وهادیهم واهل البیت واحرم وصریح ولد اسمعیل بن ابراهیم علیها السلام وقادة العرب لاینکرون ذلك وکانت قریش هی التی نصبت بحرب رسول الله صلعم وخلافه فلما افتحت مکة ودانت له قریش ودوحها الاسلام عرفت العرب انه لاطاقة لهم بحرب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ولاعداوة قدخلوا فی دین الله کماقال الله عزوجل

اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ وحرم کے متولی اور حضرت اسماعیلؑ کے خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کیلئے جنگ برپا کی تھی۔ تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام مکہ پر چھا گیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے یعنی اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ (سورہ نصر)

اسلام کی صداقت اور سہولت

عرب کی سرعت فہم اور ذکاوت کے اعتبار سے اسلام کے اجراو وسعت میں جو تاخیر ہوئی اس کا سبب زیادہ تر قبائل کی باہمی مخالفت تھی اور اس کی خانہ جنگیاں جب یہ رکاوٹ سامنے سے ہٹ گئی۔ تو اسلام کی تیزی کے ساتھ پھیلنے میں اب ذرا بھی تاخیر نہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد ہی سے مبلغین اسلام کو جو کفار کی طرف سے اپنے قتل کئے جانے کا خوف لگا تار رہتا تھا وہ بالکل جاتا رہا۔ اور وہ وقت آ گیا کہ اب بلا تامل مبلغین اسلام جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اس وجہ سے جناب رسالت مآب ﷺ نے تمام اطراف و جوانب میں دعاۃ اسلام روانہ فرمائے کہ لوگوں کو اسلام کے محامد و محاسن بتلا کر دعوت حق کی اجابت کی طرف مائل کریں۔

شبلی صاحب مبلغین اسلامی کے تعین کی توجیہات ان کے نام اور مقام ماموریت وغیرہ کی پوری تفصیل فرماتے ہیں ہم اس کی نقل کو اپنے ادعائے مطلب کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔

دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کیے گئے۔

1۔ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو (دعاۃ کو) کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے اسلام کی تبلیغ کر سکیں۔ حضرت خالد کو آنحضرت صلعم نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید تھی۔ یہ جبر نہ پیش آئیں۔ چنانچہ چھ مہینہ ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالد سپہ سالار اور فاتح تھے۔ واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ تھے جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں میں تعبیر کیا ہے:

قد کان رسول الله صلعم بعث فیما حول مکة السر ایاتدعوا الی الله عزوجل ولم یأمرهم بالقتال

آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں لیکن ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا تھا۔

حضرت خالد کو قبیلہ نبو خزیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کیلئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: خدایا میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں پھر حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

اشاعت اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطراف ملک میں بھیجی جاتی تھی اس میں کبھی کبھی آپ ایک فرد کا امتحان بھی لیتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ جو حافظ قرآن ہوتا تھا۔ ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ

کرنی چاہی تو ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا ان لوگوں میں ایک کمسن نوجوان تھے۔آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے اور پوچھا تمہیں کیا یاد ہے انہوں نے کہا مجھے سورہ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں آپ نے فرمایا تو تم ان سب کے امیر ہو۔

2۔جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوۃ اور جزیہ وصول کرنے کیلئے عمال بھیجے جاتے تھے وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس۔زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی۔اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے۔ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام ماموریت	کیفیت
مہاجر ابن ابی امیہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہؓ (زوجہ نبویؐ) کے بھائی تھے
زیاد بن لبید	حضرموت	یہ ان صحابہ میں ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔
خالد بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں سب سے پہلے
عدی ابن حاتم	قبیلے طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں حاتم طائی انہیں کا باپ تھا۔
علاء بن خضرمی	بحرین	ان کی دعوت اسلامی سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری	زبید و عدی	مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ ابن جبل	جند	-----------------
جریر بن عبداللہ البجلی	ذوالکلاح حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں۔ذوالکلاح حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے۔ایک موقع پر ایک لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔جریرؓ کی دعوت پر اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کیے۔

3۔بعض لوگ محض اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہیں۔

نام	مقام دعوت
حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام	قبیلہ ہمدان، حزیمہ وندحج مغیرہ بن شعبہ نجران
عمر بن عاص	عمان دبر بن حنیسا آبنائے فارس
محیصہ بن مسعود	فدک
خالد بن ولید	اطراف مکہ
مہاجر ابن ابی امیہ	بطرف حارث بن عبدہ کلال شہزادہ یمن

روسائے قبائل بارگاہ نبوت میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں۔

نام	مقام ماموریت
طفیل ابن عمر دوسی	قبیلہ دوس
ضمام بن ثعلبہ	تبو سعد
عروہ بن مسعود	ثقیف
عارف بن سہر	ہمدان
مقذ بن جہان	بحرین
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد

(سیرۃ النبیؐ ج2)

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے دعاۃ اطراف مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ (سورہ النصر)

فتح مکہ کے تین مہینے بعد ذی الحجہ 9 ہجری کے موسم حج میں اعلان براۃ ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثناء حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔

حجاز

یہ صرف مشرکین قریش اور منافقین مدینہ کی خصوصیت تھی جس کے باعث سے اسلام آغاز نبوت سے اکیس برس میں علاقہ حجاز سے آگے قدم نہ بڑھا سکا۔ اس عرصہ میں ایک آدھ مسلمان ادھر ادھر نظر آتے تھے لیکن جب ان تمام مخالفتوں کے پہاڑ آگے سے ہٹ گئے۔ تو کل تین برس کے عرصہ قلیل میں ایک طرف علاقہ جات یمن بحرین یمامہ، عمان اسلام کے زیر اثر آ گئے۔ دوسری طرف اسلامی

اثر عراق وشام کے حدود تک پھیل گیا۔

ان کے علاوہ عرب کے ان صوبوں میں بھی جو روم وایران کی عظیم الشان حکومتوں کے ماتحت اسلام کے پہلے سے چلے آتے تھے۔ اسلام بغیر تلوار اٹھائے صرف صلح اور امن کے طریقہ سے اپنی صدائے اعلان بلند کرتا چلا گیا اور چاروں طرف سے اس کی اجابت وقبولیت کیلئے آپ سے لبیک کی آوازیں آنے لگیں۔

علاقہ یمن

جزیرہ نمائے عرب کے تمام علاقوں میں یمن کا صوبہ سب سے زیادہ زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے بڑے قدیم زمانہ سے تمدن کا خاص مرکزی مقام یقین کیا جاتا ہے۔ سبا اور حمیر کے عظیم الشان سلاطین کی حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پچاس برس پہلے 525 عیسوی میں یمن پر حبشیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ جو مذہباً عیسائی تھے۔ ان کی طرف سے انکا ایک نائب یمن کا حاکم تھا یمن میں تحریک السما کی قبولیت کیلئے چند خاص موانع تھے۔

(۱) مثلاً جنسیت کا اختلاف اہل یمن نسلاً قحطانی تھے اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام اسماعیلی۔

(۲) یمن والے اپنے جاہ واقتدار اور تمدن وحکومت پر نازاں تھے اور تمام عرب ان کی امارت وسرداری کو تسلیم بھی کرتا تھا۔

(۳) عرب میں کہیں کوئی باضابطہ وقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ جو تھی بھی۔ وہ نسلاً اسی خاندان وسلسلہ میں شمار ہوتی تھی۔ اسی بنا پر جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد جو یمن کے شاہی خاندان کے لوگ تھے۔ مدینہ میں آیا تو جناب رسالت مآب ﷺ کو ان لوگوں نے اپنے خیال میں ایک ملکی فرمانروا سمجھا۔ اس لئے رئیس وفد نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلعم کیا ہم اور حضور ایک خاندان سے نہیں ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کرسکتے ہیں۔

(۴) یمن میں اسلامی اشاعت کیلئے ایک دشواری یہ بھی تھی کہ یمن سیاسی حیثیت سے ایران کے ماتحت تھا۔ ملکی باشندے وہاں کے عموماً یا تو یہود تھے یا عیسائی۔ مگر بااین ہمہ جب ان کے قلوب میں انوار حق نے جلوہ نمائی کی تو پھر قبول حق کیلئے کوئی شے بھی مانع نہیں تھی۔ ہجرت سے پہلے ہی یمن میں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔ دوس وہاں کا ذی امتیاز قبیلہ تھا۔ حسن اتفاق سے اس قبیلہ کا رئیس طفیل ابن عمر مکہ میں آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اسی زمانہ میں قبیلہ کندہ بھی حج کی غرض سے آیا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن وہ انکار کر گئے 7 ہجری میں آنحضرت ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مشرف با اسلام ہو کر دارالاسلام مدینہ میں ساکن ہوگیا۔ یمن کے قبائل میں ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا۔ وہ بھی مہاجرین حبشہ کے ساتھ غزوہ خیبر کے موقع پر آستان بوس رسالت ہوا۔ اور بلا تحریک وترغیب خود مسلمان ہوگیا۔ ابو ہریرہ دوسی اور ابوموسیٰ اشعری انہیں قبائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے تھے۔

یمن کے تمام قبائل میں قبیلہ ہمدان باعتبار تعداد اور اقتدار کے سب سے زیادہ ذی اثر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے خالد کو سب

سے آخر 8 ہجری میں اسی قبیلہ کی دعوت کیلئے روانہ فرمایا تھا۔ چنانچہ چھ مہینوں تک خالد ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر کسی متنفس نے اسلام قبول نہیں کیا آخر مجبور ہو کر آنحضرت صلعم نے خالد کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت علی علیہ السلام کو روانہ فرمایا۔ جناب علی مرتضی علیہ التحیۃ والثنا نے ہمدان کے تمام قبیلہ والوں کو ایک مجلس میں جمع کر کے آنحضرت ﷺ کا نامہ مقدس سنایا پھر اسلام کی حقیقت بتلائی فوراً سارا قبیلہ کا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں لکھ بھیجی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ شکر ادا فرمایا اور سر اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا السلام علی ہمدان السلام علی ہمدان۔

ان قبائل مخصوصہ کے علاوہ عموماً تمام ملک میں دعوت اسلام کی تبلیغی خدمات کیلئے معاذ بن جبل اور ابوموسی بھیجے گئے۔ چلتے وقت جو اصول تبلیغ ان لوگوں کو بتلائے گئے۔ ان سے مذہب اسلام کے صلح کن طریقہ کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ دیکھو۔

(۱) سہولیت سے کام کرنا۔

(۲) سخت گیری نہ کرنا۔

(۳) لوگوں کو خوشخبری سنانا۔

(۴) نفرت نہ دلانا۔

(۵) دونوں آدمی مل جل کر کام کرنا۔

(۶) تم کو ایسے آدمی بھی ملیں گے۔ جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں جب ان کے ہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر شب وروز میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰہ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہیں ان سب سے زکواہ لے کر جو غریب ہیں ان کو دیدی جائے گی۔

(۷) دیکھو جب وہ زکوٰہ دینا منظور کر لیں تو چن چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔

(۸) مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا۔ کہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ ابوموسی نے پوچھا یا نبی اللہ صلعم ہمارے ملک یمن میں جو اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے ارشاد فرمایا ہر شے جو نشہ کرے حرام ہے۔

نجران

نجران کا ضلع یمن کے قریب ہے۔ عرب میں نجران عیسائیت کا مرکزی مقام تھا آنحضرت ﷺ نے مغیرہ ابن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ 8 ہجری سے مسلمان ہو چکے تھے۔ تبلیغ اسلام کی غرض خاص سے یمن میں بھیجا۔ عیسائیوں نے ان کے سامنے قرآن مجید پر اعتراضات پیش کئے یہ کوئی جواب دے نہ سکے اور وہاں سے واپس چلے آئے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اہل نجران کو دعوت اسلام کا خط لکھا جس میں تحریر فرمایا گیا کہ اگر تم کو مذہب اسلام کی دعوت قبول نہیں ہے تو اسلام کی سیاسی اور نظمی اطاعت منظور کر لو اور جزیہ

دیا کرو کہ تمہاری جان و مال اسلام کی ضمانت وحمایت میں آجائیں۔اہل نجران نے اپنے مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کی ایک جماعت مدینہ بھیجی تفصیلی کیفیت سابق جلد میں واقعات مباہلہ میں بیان ہوچکی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیاں نجران شرط جزیہ قبول کر کے واپس گئے۔

عیسائیوں کے ساتھ نجران میں کچھ مشرکین بھی بستے تھے۔ان میں ایک قبیلہ کا نام نبوحارث بن زیادہ تھا۔یہ لوگ مدان نامی ایک بت کو پوجتے تھے۔اسی لئے عبدالمدان کے نام سے مشہور تھے۔ربیع الاخر 10 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو دعوت اسلام کیلئے ان لوگوں کے پاس بھیجا۔قبیلہ کے تمام لوگ تین دن کے اندر مسلمان ہوگئے۔خالد نے تھوڑے دن وہاں قیام کر کے ان لوگوں کو قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔

اہل یمن کیلئے دعائے خیر

حقیقت میں اہل یمن نے بلا ترغیب وترتیب خاص خلوص سے اسلام کو قبول کیا تھا۔ان کے اسلام لانے کا کوئی واقعہ ایسا نہیں تھا جس میں رحمت الٰہی خاص طور پر شامل نہ ہو۔اشعریوں کے آنے کی خبر جب مدینہ میں آئی تو آپ نے تمام اہل اسلام کو بشارت دی کہ اہل یمن آتے ہیں اور رقیق القلب اور نرم دل ہوتے ہیں جب قبیلہ ہمدان مسلمان ہوا تو آپ نے سجدہ شکر ادا فرمایا اور ان کو سلامتی کی دعا دی۔حمیر اور تمیم کا وفد حاضر ہوا تو آپ نے پہلے تمیم سے مخاطب ہو کر استفسار فرمایا۔تمیم کے لوگو۔بشارت اسلام قبول کرلو۔نبوتمیم نے عرض کی یارسول اللہ صلعم ہم نے بشارت تو قبول کرلی۔ہمیں کچھ عطا بھی فرمایا جائے۔آپ نے ان کی طرف سے روئے مبارک پھیرلیا۔اور ارشاد کیا۔بشارت سے بڑھ کر کون دولت ہے پھر اہل یمن کی طرف رخ فرما کر دریافت کیا اے اہل یمن۔تمیم نے بشارت قبول نہیں کی۔تم قبول کرو۔اہل یمن بیساختہ بول اٹھے۔اے خدا کے رسولؐ ہم نے قبول کیا۔یہ سن کر آپ نے عام طور سے فرمایا۔ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانا یان یمن کی دانائی ہے مبلغین یمن میں حضرت علی علیہ السلام معاذ ابن جبل، ابوموسیٰ حجۃ الوداع میں یمن سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا۔ان حضرات کے ساتھ یمن کے نومسلم لوگوں کی ایک معتدبہ جماعت حج وزیارت کی غرض سے ہمراہ آئی تھی۔

بحرین

بحرین کا علاقہ سلطنت ایران کے رقبہ حدود میں داخل اور ایران کے ماتحت علاقوں میں شامل تھا۔عرب کے قبائل وہاں کے وادیوں میں آباد تھے۔جن میں مشہور اور پُراثر قبائل۔عبدالقیس بکر بن وائل اور نبوتمیم تھے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منذر بن حبان بقصد تجارت باہر نکلے۔راہ میں مدینہ پڑا۔وہاں ٹھہرے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا آپ بالنفس النفیس ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی انہوں نے قبول کرلیا اور سورہ فاتحہ اور اقراء آپ سے یاد کرلیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک فرمانِ دعوت یا اجازہ تبلیغ عنایت فرمایا۔وہ واپس گئے تو چند روز تک اپنے اسلام لانے کا کسی سے اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بیوی نے انہیں نماز پڑھتے

ہوئے دیکھ لیا تو اپنے باپ سے شکایت کی انہوں نے منقذ سے دریافت حال کیا منذر نے اقرار اسلام کیا۔آپس میں خوب بحث ومباحثہ ہوئے آخر کار وہ بھی خود مسلمان ہو گئے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لوگوں کو سنایا۔سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

کتاب الجمعہ صحیح بخاری میں ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھی گئی وہ بحرین کی مسجد تھی جوحوالی میں واقع ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ ہی سے بحرین میں اسلام کی اشاعت واجابت ہو چکی تھی۔قبول اسلام کے بعد اہل بحرین نے چودہ شخصوں کی جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیجی۔اس وفد کے افسر منذر بن الحرث تھے۔ان کا قافلہ کاشانہ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بیتاب ہو گئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرت ﷺ سے دست بوس ہوئے لیکن منذر کو خاص طور پر شہنشاہ رسالت کا ادب مدنظر تھا۔اس لئے انہوں نے پہلے قیامگاہ پر جا کر کپڑے بدلے پھر حاضر ہو کر دست بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے۔8ہجری میں جناب رسالت مآب ﷺ نے علاء حضرمی کو دعوت اسلام کی ضرورت سے بحرین بھیجا۔اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن سادی صوبہ دار تھا۔اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ جتنے عرب اور عجم کے لوگ بستے تھے۔سب کے سب مسلمان ہو گئے۔علاقہ بحرین میں ہجر ایک خاص مقام ہے اس زمانہ میں ایران کی طرف سے سی نجت حاکم تھا آنحضرت ﷺ نے اس کے نام بھی فرمان دعوت تحریر فرمایا اور اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

عمان

قبیلہ ازداس،عبید وجعفر یہاں کے رئیس تھے۔8ہجری میں آنحضرت ﷺ نے ابوزید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے۔عمرابن العاص کے ساتھ ان لوگوں کے پاس روانہ فرمایا۔دونوں رئیس مسلمان ہو گئے۔پھر انہیں کی ترغیب سے وہاں سے تمام اہل عرب نے اسلام قبول کر لیا۔

عرب شام

9ہجری اطراف شام میں جو قومیں آباد تھیں۔ان میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھی ان میں سے معان اور اس کے اضلاع قروہ بن عمر کے زیر حکومت تھے۔لیکن قروہ کی خود حیثیت رومی سلطنت کی طرف سے ایک ماتحت گورنر کی تھی۔قروہ اسلام سے آشنا ہوئے تو مسلمان ہو گئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بزیارت ہوئے۔اور آپ کو ایک خچر ہدیہ کے طور پر نذر کیا۔قیصر روم کو جب ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو قروہ کو گرفتار کر کے سولی دے دی اس وقت یہ شعر قروہ کی زبان پر تھا۔

بلغ سراۃ المسلمین باننی
سلم لربی اعظمی ومقامی

مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب میرے پروردگار کا نے پر نثار ہے۔

بارگاہ رسالتؐ میں وفود عرب کی آمد

شبلی صاحب اس عنوان کی تمہید میں لکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ رسالت میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا۔ ارباب سیر۔وفود کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ابن اسحٰق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے ابن سعد میں ساٹھ وفود کا تذکرہ ہے۔ومیاطی۔مغلطائی اور زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں۔لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے اور ایک سو چار 104 وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں۔اگر چہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام بہم ہیں۔تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحٰق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف چونتیس وفود کی تفصیل کی ہے۔

حقیقت امر یہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ تمام عرب کی نگاہیں مکہ اور اہل مکہ کی قسمتوں کے اخیر فیصلوں پر لگی ہوئیں تھیں جب مکہ فتح ہو چکا تو تمام عرب کی رکاوٹوں کی راہیں کھل گئیں اور تمام لوگوں کی یہ خواہش ہوئی کہ خود دارالحکومت نبوت میں جا کر اپنے تصفیہ کی صورت نکال لیں۔وہ اپنے دل میں یقین کر چکے تھے کہ اب وہ اسلام سے کسی طرح سرتابی نہیں کر سکتے۔لیکن خیبر وغیرہ کی مثالیں ان کو بتلا رہی تھیں کہ اسلام لانے پر وہ مجبور بھی نہیں ہیں۔بلکہ ادائے جزیہ یا اور طریقہ صلح اختیار کرنے سے بھی وہ اپنے سابق حالتوں پر قائم رہ سکتے ہیں۔فتح مکہ کے بعد ہی وفود کی آمد کے لیے فتح الباب ہو گیا۔سوائے چند وفود کے باقی تمام وفود حاضر آستانہ رسالت ہو کر اور دولت اسلام سے مالا مال ہو کر اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔بنو تمیم، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد اور طے عرب کے سب سے بڑے طاقت ور اور ذی اثر قبیلے تھے۔ان تمام قبیلوں کے سفرا دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ان میں سے بعض کے اغراض ملکی ضرورتوں کے اندر تھے۔یعنی آنحضرت ﷺ کے ساتھ بہ حیثیت فاتح اور ملکی فرماں روا کے معاہدہ صلح کر لیں۔لیکن ان میں سے اکثر قبول اسلام کی غرض سے آئے۔اور مشرف با اسلام ہوئے۔یہ وفود فتح مکہ کے بعد ۹ و ۱۰ ہجری میں حاضر ہوئے۔لیکن تسلسل بیان قائم رکھنے کے لیے چند سابق وفود کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

وفد مزینہ 5 ہجری

اصلاً یہ قبیلہ مصر تک پہنچ کر قریش سے سلسلہ نسب میں مل جاتا ہے۔نعمان ابن مقران مشہور صحابی ہیں۔جو فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کے علمدار تھے۔اسی قبیلہ کے بزرگ تھے۔انھیں نے اصفہان فتح کیا تھا۔۵ ہجری میں مزینہ کے چار سو آدمی اپنے قبیلہ کی طرف سے سفیر بن کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔سیرت منظوم عراقی میں ہے۔

اول وفد وفد المدينه
سنة خمس وفد وامزيبه

سب سے پہلا وفد جومدینہ میں آیا وہ مزینہ کاقبیلہ تھا جو ۵ ہجری میں آیا۔

وفد بنوتمیم

اس قبیلہ کا وفد مدینہ میں بڑی جاہ وجلالت سے اپنی شان دکھاتا آیا۔روٴساوامراقبیلہ مثلاً اقرع ابن حابس،زبرقان،عمر بن الاہتم،نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے۔عینیہ بن حصین فرازی جو غازت گری کے قصد سے حدود مدینہ تک حملات کرتا رہتا تھا۔وہ بھی اس وفد کے ہمراہ تھا۔ان کے وفد کی حاضری اصل مدعا اگرچہ قبول اسلام تھا لیکن ابھی تک ان کے دماغوں میں فخر و غرور کے توہمات بھرے ہوئے تھے۔مسجد نبوی میں جس وقت یہ لوگ پہنچے تو آنحضرت دولت سرا میں تشریف رکھتے تھے یہ بے دھڑک کاشانہ نبوت کے آستانہ پر پہنچ گئے اور زور زور سے پکارنے لگے محمد صلعم باہرآوٴ۔آنحضرت صلعم باہر نکل آئے۔تو یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم لوگ آپ سے مفاخرہ کرنے آئے ہیں۔آپ نے انھیں بلا تامل اجازت دے دی۔عطارد ابن حاجب نے جوان کا مشہور خطیب تھا اور نوشیروان کے دربار سے صلہ خوش تقریری میں کم خواب کا خلعت انعام پاچکا تھا۔اپنے قبیلہ کے محاسن ومفاخر پر پرزورآورتقریر کی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج وتخت،خزانہائے گراں کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز ترین ہیں۔ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے۔ہماری ہمسری کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص واوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔عطارد اپنا خطبہ پڑھ کر بیٹھا تو شہنشاہ رسالت نے ثابت ابن قیس کو جواب دینے کے لیے ارشاد فرمایا۔ثابت نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ ہے۔

اس خدا کی تعریف ہے جس نے زمین وآسمان بنائے۔اس نے ہمیں بادشاہی دی۔اور اپنے بہترین بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا۔جو سب سے زیادہ شریف النسب،سب سے زیادہ راست گفتار اور سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی۔اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم انصار نے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔اور ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں۔

تقریروں کے خاتمہ پر اشعار خوانی میں اظہار مفاخرت ہوئی۔بنوتمیم کے شاعر زبرقان بن بدر نے یہ اشعار پڑھے۔

نحن الكرام فلاحي يعاد لينا
منا الملوك وفينا تنصب البيع

ہم شرفائے قوم ہیں۔کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہوسکتا ہم تخت نشین ہیں اور ہم کلیساوٴں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں ہے کہ ایک بار کوئی خطیب مدینہ میں آیا۔اس کی خوشی تقریری سن کر آپ نے ارشاد فرمایا ان من البیان لسحرا بعض بعض تقریروں میں سحر ہوتا ہے۔اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زبرقان ہی کی تقریر سن کر یہ ارشاد کیا گیا تھا زبرقان کی تقریر ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے دربار رسالت کے مداح حسان ابن ثابت کی طرف دیکھا انھوں نے برجستہ کہا۔

ان الذوائب من فهروا خواتهم

قدبینو اسنة للناس یتبعوا

شرفائے قبیلہ ہرد برقاوران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتادیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں

عرب کا مشہور حکیم اقرع ابن حابس بھی اس سفارت میں شامل تھا۔یہ وہ شخص تھا کہ جس کے پاس تمام عرب کے متنازع فیہ معاملات آیا کرتے تھے۔اورتمام لوگ اس کے فیصلہ کو تسلیم کیا کرتے تھے۔وہ مجوسی عقائد رکھتا تھا وہ سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت صلعم سے کہا ان حمدی الزین وان ذمی الشین میں جس کی تعریف کروں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برا کہہ دوں اسے داغ لگ جاتا ہے۔

نظم ونثر دونوں کی معرکہ آرائی کے بعد اہل وفد نے اقرار کیا کہ بارگاہ رسالت کے خطیب وشاعر دونوں ان کے شاعر وخطیب سے افضل ہیں۔اس کے بعد سب نے اسلام قبول کیا۔

وفد بنوسعد

بنوسعد نے ضماد ابن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔وہ عرب کی بالکل قدیم سادگی اور آزادگی کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسی سادگی کے ساتھ اپنے وفد کے اغراض عرض خدمت کیے۔صحیح بخاری کتاب العلم میں حضرت انس بن مالک کی زبانی یہ تفصیل درج ہے۔

انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا۔مسجد کے صحن میں آ کر ناقہ سے اتر پڑا حاضرین سے پوچھا محمد صلعم کس کا نام ہے۔لوگوں نے آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں وہ حضرت کے قریب آیا۔اور کہنے لگا۔اے عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا کہ میں جواب دے چکا۔بولا کہ میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا۔اور سختی سے پوچھوں گا۔اس سے ناراض نہ ہونا۔ارشاد ہوا کہ جو پوچھنا ہو پوچھو۔بولا کہ اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو۔کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔آپ نے فرمایا ہاں۔پھر قسم دلا کر پوچھا کہ کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے۔اسی طرح زکوۃ روزہ حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر ہاں فرماتے جاتے تھے۔جب سب احکام سن لیے تو کہا میرا نام ضماد بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔میں جانتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم۔وہ جا چکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔ضماد نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا۔لات وعزی کوئی چیز نہیں۔لوگوں نے کہا کیا کہتے ہو

تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے ۔انھوں نے کہا خدا کی قسم نہ وہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔اب میں تو خدا اور محمدؐ پر ایمان لایا ہوں ۔ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد اور بچے سب مسلمان تھے ۔

وفد اشعرئیین 7 ہجری

قبیلہ اشعرئیین یمن کا ممتاز قبیلہ تھا ۔آنحضرت صلعم کی بعثت کی خبر پا کر اس قبیلہ کے ترپن 53 شخصوں کا وفد دربار رسالتؐ میں حاضر ہونے کے قصد سے نکلا۔اس قافلہ میں ابوموسیٰ بھی تھے ۔یہ لوگ دریا کے راستہ جہاز پر سوار ہو کر چلے ۔لیکن ہوا مخالف تھی ۔اس لیے ان کا جہاز حجاز کی طرف تو نہ آیا ۔حبش کے کنارے جا لگا ۔وہاں حضرت جعفر طیار موجود تھے ۔وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر عرب کو روانہ ہوئے ۔اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا ۔اور آنحضرت صلعم وہیں مقیم تھے ۔چنانچہ ان لوگوں نے یہیں باریابی کا شرف حاصل کیا ۔یہ صحیح مسلم کی روایت ہے ۔بخاری میں بیان ہے کہ جب اس وفد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آنحضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے یہاں یمن کے لوگ آتے ہیں ۔جو نہایت نرم دل اور رقیق القلب ہیں مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ اشعرئیین کا وفد جوش مسرت میں یہ رجز پڑھتا ہوا حاضر ہوا ۔

کل ہم دوستوں سے ملیں گے　　یعنی محمدؐ اور پیروان محمد سے ۔

بارگاہ نبوت میں داخل ہوئے تو عرض کیا ۔یا رسول اللہ صلعم ہم اس لیے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں ۔اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں ۔آپ نے فرمایا پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا اور اس کا تخت پانی پر تھا ۔

وفد قبیلہ دوس 7 ہجری

عرب کا ایک مشہور قبیلہ دوس بھی ہے ۔ابوہریرہ اس قبیلہ کے آدمی ہیں اسی قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل ابن عمر تھے ۔ہجرت سے پہلے طفیل مکہ میں گئے ۔قریش نے ان سے مل کر منع کر دیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائیں ۔لیکن اتفاق سے یہ ایک بار حرم میں آ گئے تو آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے ۔یہ قرآن کی آیتیں سن کر بہت متاثر ہوئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے اسلام کی حقیقت بتلائی جائے ۔آپ نے ان کو اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں ۔وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے ۔جب لوٹ کر اپنے قبیلہ میں گئے تو اہل قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی ۔لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کی بڑی عادت تھی ۔لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ اسلام لانے کے بعد زنا کی آزادی جاتی رہے گی قبول اسلام میں تامل کیا ۔طفیل خدمت رسول ﷺ میں واپس آئے اور حقیقت عرض کی ۔آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا دوس کو ہدایت دے ۔پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں لوٹ جاؤ اور لوگوں کو نرمی اور سہولت سے اسلام کی دعوت دو، الغرض دعائے نبویؐ کی برکت اور طفیل کی ترغیب و ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا ۔اور قبیلہ دوس کے اسی (80) خاندان جس میں ابوہریرہ بھی تھے، ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے ۔

بنوحرث بن کعب 9 ہجری

بنوحرث نجران کا نہایت ممتاز اور معزز خاندان تھا۔ان کے پاس خالد ابن ولید تبلیغ کی غرض سے بھیجے گئے ۔ یہ لوگ اسلام لائے ۔آنحضرت صلعم نے انہیں مدینہ بلا بھیجا۔حسب الحکم قیس بن الحصین اور یزید بن المدان وغیرہ خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے ۔ چونکہ یہ قبیلہ معارکھائے جنگ میں عرب کے بعض قبائل پر غالب رہے تھے۔اس بنا پر آپ نے ان سے ان کے غلبہ کے سبب دریافت فرمائے۔ توانھوں نے عرض کی کہ ہم ہمیشہ متفق ہوکرلڑ تے تھے۔اور کسی پرظلم نہیں کرتے تھے آپ نے قیس ابن الحصین کواس قبیلہ کا رئیس بنایا۔

قبیلہ طے

یمن میں طے کا قبیلہ نہایت نام آور اور صاحب اثر تھا۔اس قبیلہ کے دومشہور رئیس تھے۔ایک زید الخیل ۔دوسرے عدی بن حاتم الطائی۔دونوں کے حدود مملکت الگ الگ تھے زید زمانہ جاہلیت کے کہن مشق شاعر تھے۔اور شہسواری کے کمال میں تو بے مثال تھے اسی وجہ سے لوگ ان کو زید الخیل کہتے تھے قبیلہ کے چند معززین افراد کے ساتھ زید الخیل بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے اپنے تمام ہمرائیوں کے ساتھ بڑے حسن صداقت سے اسلام قبول کیا۔شرف اسلام سے مشرف ہوجانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے زید الخیل کے لقب کو زید الخیر سے تبدیل کر دیا۔

عدی بن حاتمؓ

مشہور اور فیاض حاتم طائی کے بیٹے تھے۔مذہباً عیسائی تھے۔سلاطین عرب کی طرف ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن میں بھیجی گئی تھیں ۔ یہ شام بھاگ کر چلے گئے تھے۔ان کی بہن اسیر ہوکر مدینہ میں آئیں ۔آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت وحرمت کے ساتھ ان کے وطن کی طرف رخصت کر دیا۔انہوں نے وطن میں جا کر بھائی سے اخلاق نبویؐ کے محاسن کو تفصیل سے بیان کر کے تاکید کی کہ جتنا جلد ممکن ہو۔خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو۔عام اس کے وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں تمہیں ان کی خدمت میں جانا بے حد فائدہ بخش ہوگا۔الغرض عدی مدینہ میں آئے اور خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہوئے۔سلام کیا۔جواب سلام کے بعد حضور نے نام پوچھا۔عدی نے نام بتلایا۔آپ ان کو ہمراہ لے کر بیت الشرف کی طرف چلے۔اثنائے راہ میں ایک بڑھیا مل گئی۔اس نے آپ کو روک لیا۔اور دیر تک کسی کام کے متعلق آپ سے باتیں کرتی رہی۔عدیؔ ایک تو خود رئیس، پھر شام میں قیصر کے بڑے بڑے دربارہ دیکھ تھے ان کو یہ حالت دیکھے کر سخت استعجاب ہوا کہ شہنشاہ عرب ایک معمولی بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے اس وقت سے ان کو خیال ہوا کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ایک چمڑے کا گدّا تھا۔اس کو عدیؓ کی طرف بڑھا دیا۔بہت اصرار کے بعد یہ اس پر بیٹھے۔آنحضرت صلعم نے دریافت کیا کیوں عدی تم اپنی قوم سے رباع لیتے ہو۔لیکن یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔

پھر دریافت فرمایا کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا ہے۔ بولے کہ نہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے۔ بولے کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے۔ اور عیسائی گمراہ ہوگئے ہیں۔ الغرض عدیؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ زمانہ ردۃ میں بھی یہ ثابت قدم رہے۔ باپ کی سخاوت کا ان میں یہ اثر تھا کہ کسی شخص نے ان سے 100 روپیہ طلب کئے بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو خدا کی قسم ہرگز نہ دونگا۔

وفد ثقیف

طائف کا محاصرہ چھوڑ کر جب آنحضرت ﷺ روانہ ہونے لگے تھے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں آپ نے جن الفاظ میں دعا کی تھی وہ یہ تھے اللھم اھد ثقیفا وائت لھم اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور اس کو میرے پاس بھیج آنحضرت ﷺ کی دعا قدرت الٰہی کی کرامت تھی۔ جس قوم کے لوگوں نے زور شمشیر کے آگے سر نہ جھکائے وہ بالآخر کمال صداقت کا اعتراف کر کے خود آستانہ نبوت پر گردن عقیدت خم کئے حاضر آئے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ طائف دو رئیسوں کے زیر اثر تھا۔ ان میں ایک عروہ ابن مسعود تھے جن کی نسبت مشرکین قریش کہا کرتے تھے کہ وحی الٰہی نال ہوتی تو ان پر، عروہ اگر چہ ابھی تک مشرف با اسلام نہیں ہوئے تھے۔ لیکن صلاحیت ضرور رکھتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی سفارت میں یہی پیش پیش تھے۔ اور اس کا انجام بھی انہیں کے اہتمام سے ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ مدینہ پہنچے بھی نہیں پائے تھے کہ عروہ خود حاضر خدمت ہو کر مشرف با اسلام ہوئے اور طائف واپس گئے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو بھی اسلام کی ترغیب دی۔ سب نے انکا اسلام لا نا سن کر ان کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔ صبح کو اپنے کوٹھے پر اذان دینے کھڑے ہوئے تو چاروں طرف سے ان پر پتھر برسائے جانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک تیر کے زخم سے شہید ہوئے۔ لیکن مرتے دم وصیت کرتے گئے کہ غزوہ طائف میں جو مسلمان شہید ہوئے ہیں انہیں کے پہلو میں مدفون کر دیئے جائیں۔

عروہ کا خون ناحق بے اثر نہیں جا سکتا تھا۔ احمس کا رئیس صخر بن عیلہ یہ خبر پا کر کہ آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کئے ہیں۔ کچھ سوار لے کر آپ کی کمک کے خیال سے روانہ ہوا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ محاصرہ اٹھا کر مدینہ کی طرف واپس ہو چکے تھے صخر نے عہد کر لیا کہ طائف کے باشندے جب تک اسلام کی اطاعت نہ قبول کر لیں گے۔ وہ قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑے گا۔ آخر کار طائف والوں نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے خدمت رسالت میں حاضر ہو کر یہ مژدہ سنایا۔ آپ نے تمام اہل اسلام کو مسجد میں جمع فرمایا اور قبیلہ احمس کیلئے دس مرتبہ دعائے خیر فرمائی۔

تھوڑے دنوں کے بعد اہل طائف پہنچے اور سب نے مل کر آپس میں مشورہ کیا کہ تمام عرب تو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا۔ اب ہم تنہا کیا کر سکتے ہیں۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ قوم کے چند معزز اشخاص سفیر مقرر کر کے بارگاہ نبوت میں بھیجے جائیں۔ طائف کی سفارت کی آمد آمد معلوم ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ مغیرہ ابن شعبہ چاہتے تھے کہ پہلے پہل ہم یہ خوشخبری آنحضرت ﷺ

کو پہنچائیں اور ابو بکرانہیں قسم دلاتے تھے کہ پہلے ہمیں عرض کرنے دو۔غرضکہ سفارت کے لوگ آئے۔ ہر چند مغیرہ نے دربار رسالت کے آداب اور سلام کرنے کے طریقہ انہیں پہلے سے بتلا دیئے تھے۔لیکن ان لوگوں نے اپنے قدیم طریقہ سے کام لیا۔اور اپنے قدیم دستور کے موافق سے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا۔عبد یالیل رئیس طائف سفارت کا امیر تھا۔ ہر چند کہ وہ ابھی تک کافر تھا۔لیکن رحمت عالم اور خلق مجسم ﷺ نے اس سے مسجد میں ہی میں اتارا نیشائے رسالت یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کا عبادات الٰہی میں استفراق وانہماک دیکھ کر اثر پذیر ہو۔ان لوگوں کیلئے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑے گئے۔جن میں یہ مقیم ہوئے اگر چہ یہ لوگ شریک جماعت نہیں ہوتے تھے لیکن نماز جمعہ کے وقت حاضر رہتے تھے۔آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ خطبوں میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔طائف والوں میں یہ چرچے ہوئے آنحضرت صلعم ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں۔لیکن خطبہ میں آپ اپنی رسالت کا اظہار واقرار نہیں فرماتے۔آنحضرت صلعم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلے گواہی دیتا ہوں کہ میں فرستادہ الٰہی ہوں۔اس وفد میں عثمان ابن ابی العاص سب سے زیادہ کم عمر تھے۔اہل وفد کم عمری کی وجہ سے ان کو سامان کی حفاظت کیلئے چھوڑ آتے تھے اور کبھی خدمت رسالت میں لے جاتے تھے۔ان کا قاعدہ تھا کہ جب لوگ دوپہر کو آرام کرتے تو یہ آہستگی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔فطرتاً نہایت ذہین تھے۔آنحضرت صلعم کی خدمت میں قرآن مجید اور اسلام کے مسائل سیکھتے اور یاد کرتے۔آنحضرت ﷺ نے اہل طائف کی تبلیغ کا یہ معمول قرار دے رکھا تھا کہ عشا کی نماز کے بعد ان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے تھے کبھی باتوں باتوں میں ان اذیتوں کا ذکر فرماتے جو قریش کے ہاتھوں مکہ میں اٹھائی تھیں۔کبھی ان لڑائیون کا بیان فرماتے جو مدینہ میں آ کر قریش سے پیش آئیں تھیں اس مکالمت کا یہ اثر ہوا کہ بالآخر اہل طائف اسلام لانے پر آمادہ ہوئے لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

1۔زنا ہمارے لئے جائز کردی جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اس لئے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

2۔ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے اس لئے سودخواری جائز رکھی جائے۔

3۔شراب سے نہ روکا جائے۔ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔۔

لیکن بارگاہ نبوت سے یہ تینوں درخواستیں نامنظور ومسترد فرمائیں گئیں۔سفارت کے لوگون نے کہا۔اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں۔لیکن ہمارے معبود اللات (طائف کا بہت بڑا بت) کی نسبت کیا حکم ہوتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا وہ مسمار کیا جائے،مسمار، یہ سن کر وہ کمال استعجاب سے کہنے لگے کہ کیا کوئی شخص ہمارے خدائے اعظم پر ہاتھ اٹھانے کی قدرت رکھ سکتا ہے۔اگر ہمارے معبود کو آپ کے اس ارادے کی خبر ہو جائے تو وہ تمام شہر کو خاک سیاہ کردے۔حضرت عمر ضبط نہ کر سکے۔بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو۔منات (لات) صرف ایک پتھر ہے۔اہل وفد ڈانٹ کر بولے۔عمر۔ہم تمہارے پاس تو آئے نہیں۔ان کو جواب دے کر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ ہم تو منات (لات) پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔آپ جو چاہیں کریں۔لیکن ہمیں اس جرأت سے

معاف رکھیں۔ آپ نے یہ استدعا منظور فرمائی پھران لوگوں نے نماز زکوٰۃ اور جہاد کی تکلیف سے مستثنیٰ کر دیے جانے کی درخواست پیش کی۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہیں تھی۔ وہ روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے۔لیکن زکوٰۃ سال بھر کی واجب ہوتی ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ ہرشخص پرواجب نہیں اور واجب بھی ہوتو اس کے خاص مواقع ہیں۔ روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ ان میں خود صلاحیت آجائیگی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب یہ ایمان لا چکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کرینگے۔ چنانچہ دو برس کے بعد حجۃ الوداع آیا۔ تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا۔ جس نے اسلام نہ قبول کیا ہو۔ سفارت کی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مغیرہ ابن شعبہ اور ابوسفیان کو لات کے توڑنے پر تعنات کیا۔ مغیرہ نے پہنچ کر لات کو مسمار کر دینا چاہا تو تمام عورتیں آہ وزاری کرتی ہوئیں اور یہ اشعار پڑھتی ہوئیں گھروں سے نکل آئیں۔

الاابکین دفاع اسلمها الرضاع لم یحسنو المضاع

لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور معرکہ آرائی نہ کرسکے۔

الغرض لات مسمار کر دیا گیا اور عورتیں بے واویلا مچاتے رہے۔

وفد نجران

جلد سوم میں بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام نجران ہے یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان گرجا تھا۔ جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور کعبہ کا جواب قرار دیتے تھے اس میں عیسائیوں کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے۔ جن کا لقب سید اور عاقب ہوتا تھا۔ عیسائیوں کی تمام آبادیوں میں کوئی آبادی ان کا کوئی مرکزی مقام اس کلیسا کا ہمسر نہ تھا۔ اعشی عرب کا مشہور شاعر اس کلیسا کی تعریف میں کہتا ہے۔

وکعبه نجران حتم علیك حتی تناخی بابو ابها
تزوربزینه وعبدالمسیح وقیساهم خبر ادابابها

نجران کا کعبہ تم پر لازم ہے کہ اس کے دروازوں پر آکر اقامت کرو یعنی آستان بوسی کرو۔ یزید، عبدالمسیح اور قیس (پیشوا مذہب عیسائی) جو نیکو کار لوگ ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں۔

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا۔ وہ ماموں ہوجاتا تھا۔ اس کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خلق عمیم کے تقاضہ سے ان کو خاص مسجد میں اتارا نماز کا وقت آیا تو ان

لوگوں نے نماز پڑھنے کا قصد کیا، صحابہ نے منع کیا آپ نے ارشاد کیا نہیں پڑھنے دو۔ چنانچہ عیسائیوں نے پورب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ان میں ابوحارثہ فاضل ترین اور معزز ترین عیسائی تھا۔ قیصر کی طرف سے لارڈ بشپ کے عہدے پر مامور تھا۔

شبلی صاحب اس کی تفصیلی کیفیت یوں لکھتے ہیں: ان کے زمانہ میں سورہ آل عمران کی ابتدا کی اسی (80) آیتیں اتریں ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ (سورہ آل عمران)

کہہ دے کہ اے اہل کتاب آؤ۔ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم دونوں میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنالیں۔ اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو۔ ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب کو پوجتے ہو اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو۔ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال لے آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتیں اور خود اپنے آپ کو بلائیں۔ پھر مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو۔ اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور حسین علیہم السلام کو لے کر مباہلہ کیلئے نکلے تو خود ان کی جماعت میں ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کیلئے تباہ ہو جائینگے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

وفد نبو اسد 9 ہجری

نبو اسد کا قبیلہ ہمیشہ مخالفت اسلام میں قریش کا دست یمین بنا رہا۔طلحہ بن خولید مدعی نبوت اسی قبیلہ کا آدمی تھا۔9 ہجری میں یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اپنا وفد بھیجا۔مفاخرت کا نشہ ابھی تک ان کے سروں میں باقی تھا۔بارگاہ رسالت میں باریاب ہوئے تو آزروئے مفاخرت کہنے لگے کہ حضور کو تو ہمارے پاس کسی مہم بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہوئی ہم نے تو خود اسلام قبول کر لیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۱۷﴾ (حجرات)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے۔کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو اسلام لانے کی ہدایت کی۔اگر تم سچے ہو۔

وفد نبو فرازہ

یہ قبیلہ جتنا سرکش تھا اتنا ہی طاقتور بھی تھا۔رمضان 9 ہجری میں جب جناب رسالت مآب ﷺ تبوک سے واپس آئے تو ان لوگوں نے خود اپنا وفد بھیج کر اسلام قبول کیا۔

وفد کندہ

اضلاع حضر موت متعلقہ یمن میں ایک شہر تھا۔یہاں سلسلہ کندہ کی حکومت تھی اس وقت اشعث بن قیس یہاں کے حاکم تھے 10 ہجری میں اشعث بڑی شان وشوکت سے حیرہ کی چادریں۔جن میں حریر کے سنجاف لگے ہوئے تھے کاندھوں پر ڈالے اسی (80) سواروں کی جمعیت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔یہ پہلے ہی سے اسلام لا چکے تھے۔ان کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا تم اسلام نہیں لا چکے عرض کی جی ہاں اسلام لا چکے ہیں۔آپ نے فرمایا پھر یہ حریر کیسا؟ ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔شبلی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر نے زمانہ خلافت میں اپنی بہن ام فروہ سے ان کی شادی کر دی تھی نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہنچے اور جو اونٹ سامنے آیا۔تلوار سے اس کی کونچیں اڑا دیں۔تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے۔لوگوں کو حیرت ہوئی تو انہوں نے کہا میں اپنے دارالریاست میں ہوتا تو اور ہی سامان ہوتے۔یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دے دیئے اور لوگوں سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے یہ جنگ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

مجھ کو یہاں اتنا اضافہ کر دینا ضروری ہے کہ جنگ صفین میں بالآخر یہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی رفاقت سے دست

بردار ہوکر معاویہ سے مل گئے۔ان کے بیٹے محمد بن اشعث تو قاتلان امام حسین علیہ السلام میں داخل ہیں۔

وفد عبدالقیس

عبدالقیس کا قبیلہ نجران میں آباد تھا۔ بہت پہلے سے یہاں اسلام کا اثر پہنچ چکا تھا۔۵ ہجری میں اس قبیلہ کے تیرہ آدمی آگے پیچھے آستان رسالت پر حاضر ہوئے۔آنحضرت صلعم نے ان سے دریافت فرمایا تم کون لوگ ہو۔عرض کی یا رسول اللہ صلعم ہم خاندان ربیعہ سے ہیں۔فرمایا مرحبا لاخزایا ولا ندامی ان لوگوں نے عرض کی۔یا رسول اللہ ہمارا ملک بہت دور ہے۔(بحرین)۔بیچ میں کفار مصر کی آبادیاں ہیں۔ہم شہر حرام کے سوا اور مہینوں میں نہیں آسکتے۔یعنی چند باتیں تعلیم فرمائی جائیں۔جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہل وطن کو بھی اس کی تعلیم کریں۔ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔خدا کو ایک جانوں،نماز پڑھو،روزہ رکھو،خمس دو،اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔دبا،حنتم،نقیر،مزفت،یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے،جس میں شراب بنائی جاتی تھی۔آنحضرت صلعم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قوم میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے۔اس قوم کے پندونصائح میں ان کے ان نصائح کا خصوصیت سے ذکر فرماتے تھے۔بنی عبدالقیس کو سخت استعجاب تھا کہ آنحضرت صلعم نے ان برتنوں کا کیوں مخصوص طور پر ذکر فرمایا چنانچہ ان کو لوگوں نے آنحضرت صلعم سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلعم نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے۔ارشاد ہوا کہ ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو تم اندر سے کھود کر اس میں پانی ڈالتے ہو۔جب ابال کم ہوجاتا ہے تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔اتفاق سے وفد میں ایک صاحب تھے جن پر یہی واقعہ گذر چکا تھا۔ان کی پیشانی پر زخم کا داغ بھی تھا اور اس کو شرم سے چھپائے رہتے تھے۔بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا تھا کہ ہمیں کیا نہ پینا چاہیے۔اس کے جواب میں آپ نے ان چاروں چیزوں کا نام لیا تھا۔

وفد بنو عامر بن صعصعہ

بنو عامر کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ عیلان کی ایک شاخ تھا۔قبیلہ بنو عامر میں تین رئیس تھے۔عامر بن طفیل،اربد بن قیس اور جبار بن سلمی۔عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے۔یہ عامر وہی شخص تھا۔جو اس سے پہلے متعدد فتنوں اور مفسدوں کا بانی ثابت ہو چکا تھا اور اس وقت بھی اس کی حاضری شر وفتنہ کی نیت سے تھی۔جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ صداقت اور حقیقت کے خواہش مند تھے۔عامر مدینہ میں آیا۔تو خاندان سلول کی ایک عورت کا مہمان ہوا۔جبار اور کعب ابن مالک مشہور صحابی میں قدیم سے مراسم تھے۔اس لیے وہ تیرہ (13) آدمیوں کے ساتھ کعب کے مہمان ہوئے۔اور کعب ہی کے ذریعہ سے وہ بارگاہ نبوت میں باریاب ہوئے بنو عامر نے سلسلہ کلام میں آنحضرت صلعم سے خطاب کر کے کہا انت سیدنا آپ ہمارے آقا ہیں۔حضور نے فرمایا السید اللہ آقا خدا ہے۔انھوں نے پھر عرض خدمت کی حضور سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں۔ارشاد ہوا۔بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لے جائے۔یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔عامر بن طفیل بولا۔محمد صلعم مجھ کو تم سے تین باتیں کہنی

ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ عرب بادیہ پر تم حکومت کرو۔ اور شہر میرے قبضہ میں ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو۔ تو میں عظفان کو لے کر تم پر چڑھ آؤں گا۔ عامر نے اپنی شرارت طبعی سے اربد کو پہلے سے یہ سمجھا دیا تھا کہ میں محمدؐ کو ادھر باتوں میں لگا دوں اور ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی۔ نبوت کے غیر مرئی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ دونوں اٹھ چلے آئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا خدایا ان کے شر سے بچانا۔ عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحب فراش ہونا عیب تھا۔ عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔ جبار بن سلمیٰ اور قبیلہ کے عام لوگ دولت اسلام سے مالا مال ہو کر دارالاسلام مدینہ سے واپس آئے۔

حمیر وغیرہ کی سفارت

حمیر کی کہیں مستقل سلطنت باقی نہیں تھی۔ سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں تھیں۔ اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہرا، نبوبکا، وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

تاسیس حکومت الٰہی

استخلاف فی الارض

لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ

ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی۔

رات کی سیاہی کے بعد صبح کا نورانی سفیدا پھیلتا ہے۔ تاریک ابر جب ہٹ جاتے ہیں تو آفتاب عالم تاب کا جمال جہان آرا نکل آتا ہے۔ زمانہ دراز سے دنیا گناہ و معصیت کی تاریکیوں میں گرفتار تھی کہ نور اسلام نے ظہور کیا۔ حقیقت و صداقت کا مہر درخشاں نور افشاں ہوا۔ عرب جس طرح ایک خدا کی پرستش کرنے لگا تھا۔ اسی طرح اب وہ ایک حکومت کا زیر نگیں تھا۔ خداوند عالم نے اپنی کتاب محکم میں وعدہ فرمایا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِي ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ

مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡــًٔا ؕ

خدانے تم میں سے ایمانداروں اورنیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت عطا کرے گا۔جس طرح کہ گذشتہ اُمتوں کواس نے اپنی خلافت عطا کی تھی۔اوران کے اس مذہب کوجواس نے ان کیلئے پسند کیاہے یقیناً قوت بخشے گااوران کی بے امنی کوامن سے بدل دیگا کہ مجھ کو پوجیں اور کسی کومیرا شریک نہ بنائیں۔(نور۔۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ حکومت اورخلافت،نبوت ورسالت کےضروری لازمات نہیں ہیں لیکن جب تبلیغی ضرورتیں سیاست ملکی سے مقابل ہوجاتی ہیں۔ یاجب اصلاحات اورامن عام کے انتظامات میں ملک کی بدامنی اورقوم کی بدچلنی کی رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں توپیغمبرزمانہ کوحضرت ابراہیمؑ اورحضرت موسیٰ علیہماالسلام کی خدمات بجالانے کامن جانب اللہ حکم فرمایا جاتا ہےاوروہ اپنے جہدوسعی سے ملک وقوم کونمارده کے مظالم اورفراعنہ کی غلامی سے آزادکرادیتا ہے۔

انبیاومرسلین سلام اللہ علی نبینا وآلہ علیہم اجمعین کے مقدس گروہ میں حضرت عیسیٰؑ اورحضرت یحییٰؑ بھی گذرتے ہیں۔جن کوحکومت کا کوئی حصہ نہیں ملاتھا۔اورانہیں حضرات میں حضرت موسیٰؑ ،حضرت داؤدؑ اورحضرت سلیمانؑ بھی تھے جوکثیرالتعدادقوموں اورملکوں کی قسمت کے مالک تھے۔لیکن محمدرسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس میں حضرت عیسیٰؑ ویحییٰؑ کے بھی اوصاف تھےاورحضرت موسیٰ اورداؤدؑ کےبھی۔عرب کےخزانے دست تصّرف میں تھے۔لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی بستر تھا۔نہ غذائےلطیف،جسم مبارک پرنہ کبھی قیمتی لباس دیکھا گیا۔اورنہ آپ کی جیب ودامن میں کبھی درہم ودینار پایا گیا۔عین اس وقت میں جب حضورکی سطوت اقتدار پرکسریٰ وقیصرکی شان وشوکت کاگمان ہوتا تھا۔تووہ موٹے جھوٹے کپڑے پہننے والا مکہ کاپیغمبر بشریت کے پیکر میں قدوسیان معصوم کا ہمسرمعلوم ہوتا تھا۔

حکومت اسلام کےحقیقی مدعا کوجناب احدیت نےخوداپنےاُن الفاظ میں ظاہرفرمایاہے:

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَـصۡرِهِمۡ لَـقَدِيۡرُ ۙ‏﴿۳۹﴾ اۨلَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَ فۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَـعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ‏ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ‏ ﴿۴۱﴾(سورہ الحج)

مسلمان جن سے بے سبب جنگ کی جاتی ہے اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں

اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے اور وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ۔سوائے اس کے ان کا کوئی قصور نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ پروردگار ہی ہمارا خدا ہے اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسرے قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں ۔کلیسے عبادت گاہیں ۔مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے ۔ برباد کردی جائیں ۔ جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے خدا طاقت ور اور غالب ہے ۔(مسلمان) وہ ہیں جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو وہ عبادت الٰہی کریں ۔مستحقین کی مالی اعانت کریں ۔(زکوٰۃ) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں ۔ برائیوں سے روکیں ۔انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ۔

شبلی صاحب ان الفاظ الٰہیہ کی یہ شرح فرماتے ہیں ۔

ان آیتوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتدا کیوں اور کیونکر ہوئی ۔اسلامی حکومت کے کیا اغراض ومقاصد تھے ۔اس استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے ۔(سیرۃ النبیؐ جلد دوم)

مندرجہ بالا بیانات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں اب تمام امن وامان قائم ہو چکا ہے ۔ملک وقوم کی تمام سیاسی دشواریاں اور مشکلیں ختم ہو چکی ہیں ۔تمام ملک میں چاروں طرف مبلغین اسلام پہنچ گئے ہیں اور گوش بگوش دعوت اسلام کی صدائیں پہنچا چکے ہیں ۔دوردراز مقامات سے کثیر التعداد قبائل بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہو رہے ہیں ۔فتح مکہ اسلام کے کامل تسلط اور اس کی مستقل حکومت کا اول روز تھا ۔اس فتح کے بعد آپ نے تمام قبائل میں محصلین زکوٰۃ کو ملک میں ہر چار طرف مقرر فرمایا ۔

شبلی صاحب لکھ کر اقرار فرماتے ہیں کہ اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزا اور آخر 10 ہجری میں زمانہ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پا گئے ۔اس سے ثابت ہو گیا کہ استخلاف کی تکمیل کو رسالت کے بعد خلافت راشدہ تک کھینچ تان تحصیل حاصل ہے اور فضول کوشش ۔

یورپ کے بدبین معترضین جناب رسالت آب ﷺ کے اس دورہ رسالت کو دنیاوی بادشاہوں کے ایسا عیش پسندی اور اظہار تمکنت وثروت کا زمانہ خیال کرتے ہیں ان کا یہ مغویانہ گمان ہے اور متوہمانہ قیاس ۔وہ اس زمانہ کے سطحی عالم کو دیکھتے ہیں اور اس کی گہری فضا پر کبھی نظر نہیں کرتے اور یہ نہیں دیکھتے کہ جس مقدس ہستی اور پیکر مطہر کو تم دنیاوی بادشاہوں کی طرح آرام وآسائش میں محو ومنہمک خیال کرتے ہو ۔وہ حقیقت کی نگاہوں میں ۔باوجودیکہ عرب کی شاہنشاہی پر قائم ہو چکا ہے مگر تاہم پھٹے پرانے اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ۔مدینہ کی گلیوں میں غلاموں اور مسکینوں کا کام کرتا نظر آتا ہے ۔وہ تخت وتاج شاہی کا محتاج نہیں اس کو قصر وایوان سلطانی کی ضرورت نہیں ۔آستان مقدس پر نہ کوئی حاجب ہے نہ دربان ۔بارگاہ رسالت میں نہ سپاہی مقرر ہیں ۔نہ پاسبان مال وزر سے بالکل خالی ہے ۔وہ بغیر ظاہری شان وشوکت کے تمام لوگوں کے قلوب پر حکومت کر رہا تھا ۔اس کی حکومت میں نہ ملکی اور مقامی پولیس کا صیغہ قائم تھا اور نہ حکومت کے بڑے بڑے نظمی دفتر قائم تھے ۔نہ کثرت سے حکومت محکمہ جات کے عملی فعلی تھے ایوان مشورت تھا اور نہ وزرائے مشورت اور نہ امرائے سیاست اور نہ سیاست وعدالت علیحدہ علیحدہ قائم تھے ۔وہ تنہا ذات مقدس تھی اور پیکر مطہر جو تمام فرائض

وخدمت کی خود ذمہ دار تھی۔لیکن ان اقتدار واختیار کی موجودگی میں بھی وہ سوائے اپنے حقوق مخصوصہ کے اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے زیادہ۔اونٹ کے ایک بال لینے کا بھی مستحق نہیں سمجھتا تھا۔اس کی چشم عدالت میں ماسوائے مشارف مخصوصہ کے عام مسا لک میں اس کی جگر پارہ حضرت فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا اور ایک عام مومنہ ومسلمہ برابر ومساوی تھیں۔

اس کی خانگی معاشرت پر نعوذ باللہ اگر عیش پسندی کا عیسائی متعصبین گمان کرتے ہیں تو اس کی یہ حالت تھی کہ گھر میں بچھانے کو نہ بستر درست تھا۔ اور نہ اوڑھنے کو سالم چادر، عبائے مبارک میں پیوند پر پیوند لگے تھے۔ اور ازواج مطہرات کی رداؤں میں جوڑ پر جوڑ۔ گھر میں ہمیشہ برکت رہتی تھی۔ اور متواتر کئی دن تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ازواج مطہرات کو سال بھر میں صرف دو جوڑے کپڑے پہننے کو ملتے تھے۔شہنشاہ رسالتؐ اکثر دن دن بھر پانی پی پیکر رہ جاتے تھے۔کبھی چٹائی کبھی کھری چار پائی پر آرام فرمایا جاتا تھا اور ان کے نشانات جسم مبارک پر صاف نمایاں ہوجاتے تھے۔

عیسائی معترضین کی آنکھوں میں اگر ذرا بھی روشنی باقی ہے تو وہ ان حالات کو دیکھ کر بتلادیں کہ عیش پسندی کی صورت اور ایک عیش پسند شہنشاہ کی یہی شان ہوتی ہے۔

انتظام ملکی

ہم پہلے لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی نبوت کے اصلی مقاصد مذہب کی دعوت دینیات کی تعلیم، اخلاق کی درستی، مراسم ذمیمہ کی اصلاح اور نفوس کا تزکیہ تھے۔ ان کے علاوہ اور جو فرائض نبوت اور لوازم رسالت تھے وہ سب ضمنی تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے انتظام ملکی اور نظام سیاسی اسی حد تک جاری فرمائے۔ جہاں تک ملکی بدامنی اور فتنہ خیزی کے باعث اسلام کی دعوت توحید کیلئے دشواریاں پیدا کرتے تھے۔لیکن یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ کام اور انتظام بھی بہت دشوار تھا۔

اسلام کے زمانہ تسلط اور ایام امن وامان میں بھی باوجودیکہ سن شریف ساٹھ برس کا ہو چکا تھا لیکن حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ والیان وعمالان ملکی کا تقرر، موذنین اور مبلغین کا تعین محصلین زکوۃ وجزیہ کا انتخاب، غیر قوموں سے معاہد صلح، قبائل اسلامی میں تقسیم جائداد۔ آراستگی فوج۔ ترتیب لشکر، تنازعات اور مقدمات کے فیصلے قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد۔ وفود کیلئے تعین وظائف فرامین رسالت کا اجراء نومسلم قوموں کے انتظامات مسائل شرعیہ میں فتاوٰی کا نفوذ جرائم کیلئے اجرآئے تعزیر ملک وقوم کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عمالان ملکی کے طرزعمل کی خبرگیری اور احتساب بالنفس النفیس آپ ہی سے متعلق تھے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ دوردراز علاقوں میں متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے جاتے تھے لیکن مدینہ اور حوالی مدینہ کے فرائض بالنفس النفیس خود انجام فرماتے تھے۔

ان تعلقات شبانہ روز اور کثرت کارنے دل ودماغ مبارک پر اتنا بار ڈالا کہ نظام جسمانی کو بالکل خستہ کر دیا تھا بالآخر ضعف واضمحلال کی یہ کیفیت ہوئی کہ آخر زمانہ میں آپ تہجد کی نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے چنانچہ منقول ہے۔

عن عبداللہ بن شقیق قال سالت عائشۃ افکان یصلّی قاعداقالت حین حطمۃ الناس

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے انہوں نے کہاہاں لیکن اس وقت جب آپ لوگوں نے چور چور کردیا تھا۔

امیر العسکری

چھوٹے چھوٹے اور معمولی غزوات وسرایا کی سپہ سالاری اکابر صحابہ کو تفویض فرمائی جاتی تھی۔لیکن بڑے بڑے معرکوں مئی امارت وقیادات لشکر خود فرمائی جاتی تھی۔ چنانچہ بدر، احد، خیبر، خندق، فتح مکہ اور تبوک میں خود آپ ہی امیر العسکر تھے۔ اس امارت فوج کا مقصد صرف فوجوں کا آپس میں لڑانا اور فتح وظفر پانا ہی نہیں تھا۔ بلکہ فوج کی عام اخلاق اور روحانی حفاظت ونگرانی بھی تھی۔ چنانچہ معرکہائے جنگ میں آپ نے مجاہدین اسلام کی جن معمولی سی معمولی اور جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ کتب حدیث وفقہہ

میں بتصریح مذکور ہے اور اسلامی قانون جنگ اسی دار و گیر کے سبب سے وجود پذیر ہوا ہے۔

فتویٰ

عہد رسالت میں اکثر صحابہ بھی فتوے دیتے تھے مگر علی الاکثر آپ ہی اس کام کو انجام دیتے تھے فتویٰ دینے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا۔ بلکہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے جس وقت جو شخص احکام اسلام کے متعلق آپ سے سوالات کرتا تھا آپ اس کا جواب دے دیتے تھے۔

فصل قضایا

عہد مبارک میں قضا کا منصب قائم ہو چکا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام قاضی یمن مقرر ہو چکے تھے اور آپ کے قابلانہ فیصلوں کے سلسلہ میں جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے اقضا کم علینا کا خطاب آپ کو مل چکا تھا۔
معاذ بن جبل بھی یمن کے کسی دوسرے علاقہ میں قضا کے عہدے پر مامور ہو کر بھیجے گئے تھے مگر با ایں ہمہ خاص مدینہ کے اور اس کے مضافات کے تمام مقدمات کا فیصلہ خود جناب رسالت مآب ﷺ فرمایا کرتے تھے اس کیلئے کوئی ممانعت نہیں تھی۔ بخاری نے ایک علیحدہ باب لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

باب ماذکر انّ النبّی صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلم لم یکن لہ ابواب

یعنی باب اس ذکر کا کہ آنحضرت ﷺ کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھا۔
اس لئے دولت سرا کے اندر بھی مقدمات فیصل فرما ہوتے تھے۔ خواتین کے معاملات عموماً بیت الشرف کے اندر ہی پیش ہوتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آپ کے ان فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر وہ اکٹھا کئے جائیں تو ایک ضخیم جلد بن جائے گی۔ فقہ وحدیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص میں فوجداری کے معاملات مذکور ہیں۔

توقیعات وفرامین

یہ ایک مشکل کام تھا۔ عہد مقدس میں اور صیغوں کیلئے کوئی دفتر قائم نہیں ہوا تھا۔ لیکن توقیعات وفرامین کے صیغہ کی ابتدائی شکل آپ کے زمانہ حیات ہی میں قائم ہو چکی تھی حضرت زید ابن ثابت اس عہدے پر مامور کیے گئے۔ ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی وقتاً فوقتاً یہ کام لیا گیا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے سلاطین وملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط لکھے۔ غیر قوموں کے ساتھ معاہدے کئے مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے عمال اور محصلین زکوٰۃ کو جو تحریری فرامین عنایت کئے فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا۔ بعض صحابہ کو جو حدیثیں لکھوا دیں وہ

سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام وفرامین تحریری کاایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

مہمانداری

اکرام ضیف آپ کی فطرت صالحہ ومقدسہ کالازمہ تھا۔ہرقسم وضرورت کے مہمان حاضر خدمت ہوتے تھے جن میں علی الاکثر ہدایت ایمان پانے کی غرض سے باریاب خدمت ہوا کرتے تھے۔مہمانوں کاانتظام حضرت بلال کے متعلق کردیا گیا تھا۔جب کوئی نادار مسلمان حاضر خدمت ہوتا تھا اور آپ اس کا جسم عریان دیکھتے تو بلالؓ کو حکم دیتے۔وہ قرض لے کر مہمان کے کھانے پینے کاانتظام کردیتے۔جب کہیں سے کچھ مال آجاتا تووہ قرض فوراًادا کردیا جاتا تھا۔اکثر ہدیہ کی رقمیں بھی اسی میں صرف کردی جاتی تھیں۔تمام صحابہ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے اور جورقم اس سے وصول ہوتی وہ مفلوک الحال اور نادار مہاجرین کواستمداد میں خرچ ہوتی۔چنانچہ ایک دفعہ نادار مہاجرین کی ایک جماعت خدمت مبارک میں حاضر ہوئی۔جن میں سے ایک شخص کے پاس صرف ایک چادر تھی اور ایک تلوار سب کے گلے میں حمائل تھی۔اس کے سوا کسی کے پاس دوسرالباس نہیں تھا۔آپ ان یہ پریشان حال دیکھ کراز حد ملول ہوئے فوراًحضرت بلالؓ سے اذان دلوائی لوگ جمع ہوئے تو نماز پڑھائی۔نماز کے بعد صحابہ کوان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی۔اس کا یہ مفید اثر ہوا۔کہ ایک انصاری نے فوراًایک توڑا آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔وہ اس قدر بھاری تھا کہ ان سے بمشکل اٹھا سکتا تھا۔یہ دیکھ کر تمام اہل اسلام میں ایثار کا جوش خاص پیدا ہوگیا۔اورچشم زدن میں ان کے سروسامان مہاجرین کے آگے غلے اور کپڑے کاانبار لگ گیا۔فتح مکہ کے بعد تمام اطراف سے ملکی اور مذہبی وفود آنے لگے۔اوران کی مہمان اورضیافت میں بالنفس النفیس اہتمام کیا جاتا تھا۔حسب ضرورت ان کو وظائف اورسفر کے اخراجات عنایت فرمائے جاتے تھے۔تمام اقوام وقبائل پراس کا بڑااثر پڑتا تھا۔اورآپ کواس کارخیر کی اس قدر یاد متصورتھی کہ وقت وفات کی آخر وصیتوں میں اس کی تاکید ان الفاظ میں ارشاد فرمائی گئی۔

اجیز والوفود نجوما کنت اجیز هم

جس طرح میں وفود کوعطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرو۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ عین الحیواۃ میں لکھتے ہیں۔

معتبر اسناد کے ساتھ جناب رسول خدا ﷺ سے منقول ہے کہ جوشخص کسی گرسنہ مومن کوکھانا کھلائے خدائے تعالےٰ اس کومیوہائے بہشت کھلائے گا۔اور جوکوئی کسی برہنہ مومن کو کپڑے پہنائے خداوند عالم اس کوبہشت کے حلہ ہائے استبرق پہنائے گا۔ اور جب تک کہ اس لباس کا ایک تاراس مومن کے بدن پر باقی رہے گا ملائکہ اس پرصلوات بھیجتے رہیں گے۔اور جوشخص کسی مومن کوپانی پلائے گا۔حق تعالیٰ اس کوبہشت میں سربمہر جام ہائے آب عنایت فرمائے گا اور جوکوئی کسی مومن کی اعانت کرے گا یااس کا کوئی فکروغم زائل کرے گا حق تعالیٰ اس کواپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔اس روز کہ سوائے سایہ عرش کے اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔

عیادت مرضیٰ

اوپر بھی بیان ہو چکا ہے کہ مریضوں کی عیادت۔ یا ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت ہمیشہ کی جاتی تھی اور یہ ایک مذہبی فرض تھا۔ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے یہ دستور کر لیا کہ جب کوئی شخص حالت احتضار میں ہوتا تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دیتے آپ جا کر مریض کیلئے دعائے مغفرت کرتے۔ بعض موقع پر لوگ آپ کو اس لئے بھی لے جاتے تھے کہ مریض صحابہ اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایسے موقع پر اس کا صحیح طریقہ بتلاتے تھے۔ جن لوگوں پر قرض آتا تھا ان کے جنازہ میں آپ شریک نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے ان کے ورثا یا دوسرے صحابہ کو ان کا فرض ادا کر دینا ہوتا تھا۔ اور اسی سے آئندہ بہت سے معاملات اور نزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔

احتساب

قوم کے اخلاق وعادات بیع وشرا اور معاملات دادوستد کی نگرانی احتساب میں داخل ہیں۔ اس صیغہ کی نگرانی بالنفس النفیس خود فرمائی جاتی تھی۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی۔ مدینہ میں تشریف لاتے ہی آنحضرت ﷺ نے اِن اصلاحات کو جاری فرمادیا آپ نہایت سختی سے ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے اس پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔ بخاری کتاب البیوع میں ابن عمر سے منقول ہے۔

لقد رأیت الناس فی عھد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نبیا عون جزا فا یعنی الطعام یضربون ان یبعوہ فی مکانھم حری یو دوہ الی و حالھم۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے انکو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اس جگہ بیچ ڈالیں۔ جہاں اس کو خریدا تھا۔

تحقیق حال کے لیے کبھی کبھی آپ خود بازار میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بار بازار میں تشریف لے گئے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ تو نمی محسوس ہوئی۔ دوکاندار سے پوچھا کہ کیا ہے۔ اس نے عرض کی بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا۔ تاکہ ہر شخص کو نظر آئے جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

احتساب کے فرائض میں آنحضرت صلعم کا بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا۔ یعنی رقم زکوۃ وصدقہ عمال وصول کر کے لاتے تھے۔۔ تو آپ ان کا خاص طور پر جائزہ ضرور لے لیتے۔ اس لیے کہ انھوں نے وصولی میں کوئی ناجائز طریقہ نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ابن اللبیلہ صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے وہ اپنا کام انجام دے کر واپس آئے اور آنحضرت صلعم نے ان کا جائزہ لیا۔ تو انھوں نے کہا یہ

مسلمانوں کا مال ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا اس کے بعد آپ نے مجمع عام میں خطبہ دیا اور اس میں ان امور کی سخت ممانعت فرمائی۔

اصلاح بین الناس شبلی صاحب لکھتے ہیں

اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا۔ اور جب آپ کو اس قسم کے تنازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمر بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انھوں نے حضرت ابوبکر کو امام بنا کر نماز شروع کر دی آپ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کر کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اگر چہ نماز میں ادھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت صلعم کھڑے ہیں۔ آپ نے اگر چہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے ہیں لیکن آپ کی موجودگی میں انھوں نے امامت کرنا سوء ادب خیال کیا۔ اس لیے پیچھے ہٹ آئے اور آنحضرت صلعم آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔

ایک دفعہ اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ فیما بین سنگباری جاری ہو گئی۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ مصالحت کرانے کے ارادہ سے صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ بخاری میں تصریح ہے کہ آپ وہاں تک پا پیادہ تشریف لے گئے۔

ابن ابی حدرد کے ذمہ کعب ابن مالک کے کچھ قرض آتا تھا۔ انھوں نے مسجد میں تقاضا کیا ابن ابی حدرد چاہتے تھے کہ کعب قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں۔ لیکن کعب راضی نہ ہوتے تھے۔ بات زیادہ بڑھ گئی اور شور و غوغا بھی زیادہ ہو گیا۔ آنحضرت صلعم محل سرا میں تشریف رکھتے تھے۔ باہر نکل آئے۔ کعب کو آواز دی۔ کعب لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا نصف معاف کر دو کعب راضی ہو گئے۔ آپ نے ابی حدرد سے کہا کہ جاؤ بقیہ حصہ قرض ادا کر دو۔ مدینہ اور حوالی مدینہ کی ضرورتوں کی انجام دہی کے لیے۔ کبائر صحابہ اور ذی استعداد لوگ مختلف مناسب مقرر فرمائے جاتے تھے۔ ان عہدوں میں کتابت وحی، نامہ و پیام، اجرائے احکام و فرامین کا عہدہ سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اسیران بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا تعلیم کر دیں۔ زید بن ثابت نے جن سے کتابت وحی کی مقدس خدمت متعلق تھی۔ اسی طریقہ پر کتابت کا فن سیکھا تھا۔

کُتّاب

انشاء کا عہدہ ایک قسم سے آنحضرت صلعم کی گویا نیابت تھی۔ اس لیے اکابر صحابہ اس عہدے پر مامور فرمائے جاتے تھے۔ شبلی صاحب کی تحقیق میں شرحبیل ابن حسنہ کندی سب سے پہلے اس شرف پر ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ مکہ میں انھیں نے سب سے پہلے وحی کی کتابت کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہ ابن ابی سرح تھے۔ مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی ابن کعب کو حاصل ہوا۔

اس کے آگے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، عمر بن العاصؓ، عبداللہ بن ارقم، ثابت ابن قیس بن شماس، حنظلہ بن ربیع الاسدی، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن رواحہ، خالد بن ولید، خالد بن سعید بن العاص، علاء بن خضری، حذیفہ بن یمان، مغویہ بن ابوسفیان اور زید بن ثابت مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ ان تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا امرا و سلاطین کے نام خطوط عامر بن فہیرہ لکھتے تھے۔ امرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن ابن حاثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا۔ وہ ثابت بن قیس نے لکھا تھا۔ لیکن عام طور پر یہ خدمت زید بن ثابت کے متعلق تھی۔ اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اس حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے آنحضرت صلعم کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرتؐ کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا۔ جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور انھوں نے پندرہ دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی۔

حکام اور ولاۃ

مقدمات قضا کے فیصلے کرنے، عدل وانصاف قائم کرنے، امن عام پھیلانے رفع نزاع کرنے کے لیے متعدد حکام اور والیان ملک کی ضرورت تھی اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات میں حاکم اور والی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نام		مقام ماموریت
باذان بن ساسان		بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔
شہر بن باذان		باذان بن سامان کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔

خالد بن سعید بن العاص		شہر بن باذان مارے گئے تو ان کے بعد آپ نے ان کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا۔
مہاجرین امیۃ المخزومی		آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاری		حضر موت کے والی تھے
ابوموسیٰ اشعری		زبید، عدن، رمع وغیرہ کے والی تھے۔
معاذ بن جبل		والی جند
عمر بن حزم		والی نجران
یزید بن ابی سفیان		والی تیماء
عتاب بن اسید		والی مکہ
حضرت علی ابن ابی طالبؑ		متولی (اخماس بہ جمع خمس (۱)) یمن
عمر بن العاص		والی عمان
علاء بن خضری		والی بحرین

والیان ملک کا تعین ملک کی وسعت اور مقامی ضرورت کے اعتبار سے ہوتا تھا۔عرب کے جو حصے آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں اسلام مطیع ہوئے تھے ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا۔ایک مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا۔اس لیے رسول خدا صلعم نے اس کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ہر ایک حصہ کا علیحدہ والی یا گورنر مقرر فرمایا۔

(۱) خالد بن سعید کو صنعاء پر (۲) مہاجرین بن امیہ کو کندہ پر (۳) زیاد بن لبید کو حضر موت پر (۴) معاذ بن جبل کو جند پر (۵) ابوموسیٰ اشعری کو زبید، رمعہ، عدن اور سواحل پر۔

عمال کی تقرری مساوات اور دلجوئی کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اس کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔انتظام ملکی، انفصال مقدمات اور خراج کی تحصیل وغیرہ کے علاوہ ان عاملین ملکی کا مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن وفرائض کی تعلیم تھی۔اسی لحاظ سے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ لوگ حاکم اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔استعیاب میں تذکرہ معاذ بن جبل میں ہے۔

وبعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الجندمن الیمن یعلم الناس القران و شریع الاسلام ویقضی بینھم وجعل الیہ قبض الصدقات من العمال

الذین بالیمن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن کے فرائض کی تعیین فرمادیتے تھے معاذ بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت فرمائی۔

انك تاتی قوما من اهل اکتاب فادعهم الی شهادت ان لااله الاّ الله وانی رسول الله فان هم اطاعوا الذلك فاعلمهم ان الله فترض علیهم خمس صلوة فی کل یوم ولیه فانّ هم اطاعوالذلك فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة توخذمن اغنیا هم وتردالی فقراء هم فان هم اطاعوالذلك فایاك وکرائم امورلهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین الله حجاب

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن مین ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے۔ جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غربا پر تقسیم کر دیا جائیگا اگر وہ اس کو تقسیم بھی کرلیں تو ان کے شہر میں مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت تجرعلمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی اِس بنا پر آپ ان لوگوں کے تجرعلمی اور طرزعمل کا امتحان لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاذ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا۔ ترمذی میں ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم لمعاذبن حببل حین وجّهه الی الیمن ثم تقضی قال بمافی کتاب الله قال فان لم تجد بمافی سنة رسول الله فان لم تجد قال اجتهد رائی فقال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم الحمد لله الذی وفق رسول الله ما ایحب رسول الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ

کروگے۔ انہوں نے کہا احادیث سے پھر فرمایا کہ اگر احادیث میں بھی ان کے متعلق ہدایت نہ ملے انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر آپ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول ؐ محبوب رکھتا ہے۔

لیکن اقوام عرب کی تسکین ودلجوئی کیلئے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق ومدارا، لطف ونرمی رعایت ومروت درکار تھی جس کی آمیزش سیاست اور حکومت کے ساتھ دشوار ہوجاتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

یسیرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا

تم دونوں آسانی پیدا کرنا۔ دشواری نہ پیدا کرنا۔ لوگوں کو بشارت دینا اوران کو وحشت زدہ نہ کرنا باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اس پر بھی آپ کو تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے توان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

احسن خلقك للناس

لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرنا

اگر یہ اصول سیاست صحیح ودرست ہے کہ ابتدا میں ملک مفتوحہ کی رعایا کے ساتھ ان کے مطیع وفرمانبردار بنانے کے اعتبار سے ضرور سختی کرنی پڑتی ہے تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ عہد رسالت میں کسی فرد واحد کو اپنے عمال کی شدت وسختی کی شکایت کا موقعہ نہ ملا۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ میں جب صحابہ عمال حکومت کے مظالم کو دکھتے تھے توان کو سخت استعجاب ہوتا تھا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہشان بن حکیم بن خزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کیلئے یہ سختی کی جاری ہے ہے انہوں نے یہ سن کر کہا

اشھد لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان اللہ یعذب الَّذِیْنَ یعذبون الناس فی الدنیا

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے تھے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام یمن میں قاضی بنا کر بھیجے گئے ۔خواجہ عبیداللہ صاحب امرتسری ارجح

المطالب میں لکھتے ہیں۔

عن علی علیہ السلام قال یعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم الی الیمن قاضیاو اناحدیث السن فقلت یارسول اللہ صلعم تبعثنی الی قوم یکون بینھم احداث ولا علم لی بالقضآء قال ان اللہ تعالیٰ لیھدی قلبك ویثبت لسانك قال فما شککت فی قضاء بین اثنین بعد ذلك راخرجہ احمد ابویعلی وابنی حبان والحاکم

یعنی علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے قاضی مقرر کر کے یمن کی طرف بھیجا اس وقت میرا سن چھوٹا تھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلعم آپ مجھ کو ایک قوم کی طرف قاضی کر کے بھیجتے ہیں۔ ان میں جھگڑے بھی ہوں گے اور مجھے قضا کا علم حاصل نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت کرے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے کبھی دو آدمیوں کے فیصلہ کرنے میں شک پیدا نہیں ہوا۔

محصلین زکوٰۃ وجزیہ

عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود ان کو صدقہ وزکوٰۃ کے ادا کردینے پر آمادہ کردیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا۔ لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کیلئے یہ طریقہ کافی نہ تھا۔ اس لئے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم 9 ہجری کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ زکوٰۃ کے وصول کرنے کیلئے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے۔ جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔ بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کیلئے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں کا متعین فرمایا۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	نبولیث
صفوان بن صفوان	بنی عمر	ایک ہذیمی	بنوہذیم
مالک ابن نویرہ	حنظلہ	عمر فاروق	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار و اسلم	عبیدہ بن جراح	نجران

عباد بن بشر الاشہلی	سلیم ومزنیہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رفع بن مکیث جہنی	جہنیہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	نبوسعد	ابوموسیٰ اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	نبوسعد	خالد	یمن
عمر بن عاص	نبوفرازہ	ضحاک بن سفیان کلابی	نبوکلاب
عمر بن سعید العاص	تیما	ابان بن سعید	بحرین
بسر بن سفیان الکعبی	نبوکعب	محمد بن جزء الاسدی	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتیہ	نبوذبیان	عینیہ بن حصین فرازی	نبوتمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ حسب ذیل امور کی پابند فرماتے تھے۔

(۱) ان کوایک فرمان عطا ہوتا تھا۔جس میں تصریح یہ بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کے مال لینے کی یاحق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔یہ عام حکم تھا کہ ایاك و کوائمہ اموالکھم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اہل فرمان پر عمل کرتے تھے اوراس سے سرموتجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا۔لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا میں جاکراس کے پاس بیٹھا تواس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی اجازت نہ تھی۔چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کرحاضر ہوااوراس کی خدمت میں پیش کیا۔لیکن اس نے انکار کیااسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تواس نے کہا کہ ہمیں اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۲) عرب کے مال ودولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اوراونٹوں کے گلے تک محدود تھے جوجنگلوں میں بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنون میں چرتے رہتے تھے۔لیکن بجائے اس کے دنیوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خودزکوۃ کے جانور لاکرمحصلین کے سامنے پیش کرتے۔محصلوں کوخودان دروں میں جاکر زکوۃ وصول کرنا پڑتا تھا۔ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرارہا تھا کہ دوشخص اونٹ پرسوار ہوکرآئے اورکہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں۔یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کیلئے آئے ہیں۔میں نے ایک بچہ والی شیردار بکری پیش کی۔لیکن ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کے لینے کا حکم نہیں ہے۔میں نے ایک دوسرا بچہ دیا توانہوں نے اس کواپنے اونٹ پرلادلیااور چلتے ہوئے۔

(۳) اگرچہ صحابہ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بناپر ہرقسم کی ناجائز مال لینے سے خوداحترازکرتے تھے۔چنانچہ جب

آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اے خدا کے دشمنوں کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو۔ لیکن بااین ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرما لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک بار ابن اللبیۃ کو صدقہ وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیتاً ملا ہے لیکن یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔

(۴) چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا۔ اس لئے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار نبو عبدالمطلب میں ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے جو کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہم اس نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہمیں بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے۔ تاکہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کیلئے سرمایہ مہیا کریں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمدؐ کیلئے جائز نہیں ہے وہ لوگوں کا میل ہے۔

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول ﷺ فرماتے تھے۔ اور لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کیلئے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔ چنانچہ ابوموسیٰ الاشعری کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی آپ ابوموسیٰ اشعری کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور فرمائی۔ اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل نہیں مقرر کرتے۔ لیکن اسی وقت ابوموسیٰ اشعری کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔

(۶) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرما دی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے۔ مقدار ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرما دی تھی۔

من کان لنا عاملا فلیکتب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتب خادما و ان لمن یکن له مسکن فلیکتب مسکنا و من ا تخذ غیر ذلك فهو غال

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیئے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا۔ اگر مکان نہ ہو تو گھر کا۔ لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے تو وہ خائن ہوگا۔

قضاۃ

ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے مثلاً فصل مقدمات کا کام۔ اگرچہ زیادہ تر آپ

خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے اس فرض کو انجام دیا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علیؑ عبدالرحمن بن عوف ۔ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل ۔

پولیس

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا۔ اور اس کی ابتدا نبو امیہ کی سلطنت میں ہوئی۔ تاہم آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ کے عہد مبارک میں قیس ابن اسعاس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔[2]

جلاد

مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر، حضرت علیؑ[3]، حضرت مقداد بن الاسود محمد بن مسلمہ عاصم ابن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھی۔

غیر قوموں سے معاہدے

عرب میں اب کفر و شرک کا بالکل وجود نہ تھا۔ کہیں کہیں صرف مجوسی نصاری اور یہود کی آبادیاں تھیں۔ ان میں سے متعدد افراد نے گوقلوب کو نور ایمان سے روشن کر لیا تھا۔ لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافت الٰہی کی پنجہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی اس لئے اسلام نے بھی ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی جزیہ قرار پاتی تھی۔

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے 7ہجری میں، خیبر، فدک، وادی القریٰ اور یہودیوں سے مصالحت

---

[1] ۔سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی کا باقاعدہ قاضی مقرر ہونا ثابت نہیں۔ اقضٰکم علیناً کی نص صریح نبوت اس پر دال ہے تو حضرت عمر کے متواتر اعترافات موجود ہیں۔ شبلی صاحب کی یہ بلا سند و حوالہ اضافات صحابہ پرستی کی خوش عقیدگی۔ (المولف عفی عنہ)

[2] ۔تعجب ہے کہ شبلی صاحب ہمیشہ ساتھ رہنے والے شخص کو لوکل پولیس سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا منصب تو باڈی گارڈ کا ہونا چاہیے۔

[3] ۔حضرت علیؑ کی نسبت اس منصب کی اشارت قابل قبول نہیں ابن قیم ابن تیمیہ کے تلمیذ رشید ہیں ابن تیمیہ کی عداوت علی علیہ السلام سے طشت از بام ہے کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ سے اس کی تعمیل فرمائی ہو تو وہ عین اتباع حکم رسالت ہے۔ (مولف عفی عنہ)

فرمائی، ۔اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کرینگے 9 ہجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی اس کے بعد تمام معاہدے اس رو سے قرار پائے۔

نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی درخواست کی ،جس کو آپ نے منظور فرمایا شرائط صلح یہ تھے کہ وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسط میں یعنی آدھا ماہ صفر میں اور آدھا ماہ رجب میں ادا کریں گے اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریتاً تیس زرہیں، تیس گھوڑے تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دینگے ۔اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہوں گے اس کے بعد معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ ان کے گرجے ڈھائے جائینگے نہ ان کے پادری نکالے جائینگے اور نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائیگا۔

حدود شام میں بہت سے یہودی اور عیسائی گاؤں میں آباد تھے ۔رجب 9 ہجری میں غزوہ تبوک کے موقع پر ودمتہ الجندل ،ایلہ مقناء جرباء ،اذرح تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمین دار اسلام نہیں لائے تھے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا۔ ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب ادھر سے گذریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی ۔

یمن کے جن یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی ان کو ایک آسانی بھی دی گئی کہ اگر نقد ادا نہ کر سکیں تو اس کے برابر معافری کپڑے دیا کریں۔ بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

اصناف محاصل وخراج

مختلف اغراض ومصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔

(۱)غنیمت (۲) فے (۳) زکوٰۃ (۴) جزیہ (۵) اخراج۔ اول کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا۔جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھے لے لیتا تھا۔تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔غزوہ بدر کی خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا۔جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح واغراض کے لیے مخصوص فرمایا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاِنْفَالِ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔

اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کا مال ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ مصالح کی بنا پر صاحب خلافت [1] جس طرح مناسب سمجھے اسکو صرف کر سکتا ہے۔

اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

مسلمانو۔ جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول، اہل قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آنحضرتؐ نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا۔ ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حصہ سپاہیوں پر برابر تقسیم فرما دیتے تھے۔ سواروں کو تین حصے اور پیادے کو ایک حصہ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا۔ آیت بالا مین جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر ان ہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ

صرف مسلمانوں پر فرض تھی۔ اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ، پھل اور پیداوار، مویشی، اسباب تجارت، دوسو درہم چاندی۔ بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (تین سو صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ ہو۔ سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف قسم جنس کے مختلف تعداد پر مقرر تھا۔ جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ آراضی کی دو قسمیں کی گئیں۔ ایک وہ جس کی سیرابی بارش کے پانی سے کی جاتی تھی۔ اس قسم کی آراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ عشر وصول ہوتا تھا۔ اور جس کو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہیں تھی۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے۔ جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی۔ فقراء، مساکین، نومسلم، غلام، جن کو خرید کر آزاد کیا ہے۔ مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ و دیگر کار خیر، عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی۔ وہیں کے مستحقین پر صرف کر دی جاتی

---

[1] شبلی صاحب کی پیش بندیوں کا کیا کہنا رسالت کا زمانہ ابھی موجود ہے اور آپ صاحب خلافت خطاب کر رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں خلافت سے رسالت مراد ہے۔ مگر تمام کتاب میں رسالت سے خطاب کیا گیا ہے۔ تو یہاں ابہام اور ذو معنی لفظ رکھنے کی کیا ضرورت خاص واقع ہوئی۔ وہ ضرورت خلافت آئندہ کو مماثل و مقابل رسالت بتلانے کی پیش بندی ہے۔ جو قطعی محال ہے۔ اس کو یوں بیان کرنا چاہتے تھے کہ سلطان رسالت جس طرح مناسب سمجھے۔

تھی صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ آنخضرت صلعم کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے۔ وہی ہم نے کیا۔ معاذ ابن جبل جب عامل مدینہ بنا کر بھیجے گئے تو زکوۃ کے متعلق آنخضرت صلعم نے فرمایا۔

وصدقة نوخذ من اغتیا ئهم و ترد علی فقرا ئهم

صدقہ انکے مالداروں سے لے کر انکے فقرا کو دے دیا جائے

جزیہ

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آنخضرت صلعم نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار 300 دینار تھی۔ اذرح کی 100 دینار تھی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج

غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو۔ اس کا نام خراج ہے۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیار وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔ پھل کی پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا۔ آنخضرت صلعم کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفع اشتباہ کے لیے تخمینہ میں سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا۔ قبیلہ پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا تھا خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی۔ تمام صحابہ ضرورت کے وقت والینٹیر سپاہی تھے۔ جو کچھ وصول ہو کر آتا آنخضرت صلعم سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے تھے۔ اول آپ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے۔ ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے۔ جو لوگ صاحب اہل وعیال تھے۔ ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستان، پتھریلا، اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ اہل عرب تجارت یا لوہے مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر معمولی زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔ اس بنا پر قیام امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے حجاز و یمن میں انحلا کے سبب سے یوں بھی بہت زمینیں خالی ہو گئیں تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔ آنخضرت صلعم نے پہلے عام طور پر صحابہ کو

اس کی ترغیب دی۔

(۱)من احیا رضا میتة فھی له جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کی اوہ اس کی ملکیت ہے۔

(۲)من احا طعا ئطا علی ارض فھی جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملکیت ہے۔

ترغیب عام کے ساتھ خاص انتظام بھی فرمائے۔بنونضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک فرمادیئے گئے اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرمادیا۔خیبر کی کچھ زمین خالصہ رہی اور بقیہ ان مہاجرین وانصار میں تقسیم فرمادی۔ جو حدیبیہ میں شریک تھے۔لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے۔ جو زمینیں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ رہنے دیا۔ چنانچہ عک،ذوخیوان اور ایلہ اذرح،نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے پائے۔افتادہ زمینیں بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرمائیں۔

عطایائے جاگیرات

حضرت نے وائل کو حضرموت میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا۔بلال بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں عنایت فرمائیں۔حضرت زبیر کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمر کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں۔بنو رفاعہ کو دومتہ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔ یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کرسکتا تھا ایک بار آپ صلعم نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے ۔وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے گھوڑا دوڑایا جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کررک گیا۔تو انھوں نے اپنا کوڑا اپھینکا اور جس نقطہ پر گرا وہی انکی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔

چشمہ ہائے آپ کے انتظام

عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہ ہائے آب کی تھی۔ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا۔

من سبق الی الماءلم یسبقه الیه مسلم فھو له

جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرلے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے۔

تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے چشموں کی حدود مقرر کرلیے اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دوردور سے آکر آپ صلعم سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی۔ابیض بن جمال یمن خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جن کو آپ نے منظور فرمایا۔لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے اس کو جو چیز جاگیر میں عطا فرمائی ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے۔ چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی۔اس بنا پر آپ نے اس کو واپس لے لیا۔یہ ضیافیاں صرف انھیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا۔لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔

چراگاہوں کا انتظام

عرب کا دستور قدیم تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہ متعین کر لیتے تھے۔ جن کو حمیٰ کہتے تھے۔ عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی۔ اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ لیکن ابیض ابن جمال نے جب اس کو اپنے حمیٰ میں داخل کرنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا۔ الحمی فی الاراك۔ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے۔ چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔ اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے۔ جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا۔ اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حرث بن حسان نے بکر بن وائل کے لیے اس زمین کی درخواست کی آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت ایک تمیمہ موجود تھی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا اس نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلعم وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اس کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیچاری سچ کہتی ہے فرمان نہ لکھوا یک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے ایک چشمہ اور چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے۔

تمت بالخیر والعافیہ

تم المجلد الثالث من سیرة المصطفویة الموسومة بالاسوة الرسول
علی صاحبها واله صلوة وسلام من رب القلوب والعقول فی التاریخ ثمان خلون
من ربیع الاخر یوم الاربع فی سنة سادس واربعون وثلثمایة بعد
الالف من الهجرة المقدسة النبویة وآخر دعوانا
ان الحمد الله رب العالمین۔
وصلی الله علی محمد وآله الطاهرین الی یوم الدین امین

کواتھ ضلع آرہ | المؤلف الاحقر
شریف العمارت | اولاد حیدر عفی عنه

۱۲ جمادی ۱۳۴۶ھ بروز منگل